یادگار حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ
The ISMAT, Delhi.
عصمت
شریف
پاکیزہ خیالات
علمی، ادبی مضامین
اور
مفید معلومات کا ماہوار ذخیرہ

...نسوانِ ہند محترمہ خاتونِ اکرم جنت بیگمی

...ترمہ خاتون اکرم صاحبہ تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر میں
...کا چرچا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے درد دا ثر میں ڈوبے ہوئے طرزِ تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا۔
...نسو... نگاری روزنامہ بمبئی کرانیکل کی رائے ہے مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے خیالات و جذبات کو
...یت سادہ مگر پُرزور اور ... مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں' علی گڈھ میگزین لکھتا ہے' ان کا طرزِ بیان پُراثر اور دل نشین
...ہوتا ہے۔ رسالہ نور جہاں نے لکھا تھا مرحومہ چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمندانہ اور وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں اپنی پُرزور تحریر
...میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں

گلستانِ خاتون (۱)

محترمہ خاتون اکرم ملک کے بہترین افسانہ نگار مردوں میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں
گلستان خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے۔
شہیدِ ظلم۔ آرزوؤں پر قربانی۔ انقلاب زمانہ۔ تربیت اولاد۔ طرزِ زندگی۔
...نیکی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ۔ وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زمانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اس سے
پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ پیسہ اخبار لکھتا ہے " یہ وہ دلچسپ افسانے ہیں جن میں کوئی افسانہ
خلاف قیاس نہیں بلکہ مین مشاہدہ اور فطرت کے موافق ہے' انکی دلچسپی خاتمہ کتاب پر خود بخود مائل کرتی ہے' اخبار ریاست کی رائے' مستو...
خواتین بلکہ مردوں کو بھی ان سبق آموز اخلاقی افسانوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے' رہنما لکھتا ہے' ہر افسانہ اس قدر دلکش ہے کہ ختم کیے
بغیر جی نہیں چاہتا' یہ افسانے ہمارے موجودہ تمدن و معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرنے والے ہیں' ذوالقرنین لکھتا ہے' ان
...افسانوں میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس کا کیرکٹر بیان کیا ہے' ہمیں موقع و حیثیت کے لحاظ سے زبان' ہو استعمال کیا گیا ہے۔ ملک کے تمام مشہور اخبا...
...رسال نے نہایت شاندار ریویو کیے ہیں' کتاب کا دیباچہ مولوی راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب آرٹ کاغذ پر رنگین چھپی ہے' اردو میں ایسی خوبصورت
کتابیں بہت ہی کم نکلیں گی۔ ٹائٹل خوبصورت عمدہ لکھائی چھپائی' قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ عہ مجلد عہ

پیکرِ وفا (۲)

ایک دلاویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی طینت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں ہو جائے۔ رسالہ ہمایوں کی رائے ہے' یہ ایک کامیاب و مفید افسانہ ہے جسمیں عورتوں کے احترام کو واضح کیا گیا ہے جسکی تعلیم اسلام نے ہمیں دی ہے انداز بیان دلآویز' عبارت سادہ و شگفتہ۔ اخبار کشمیری لکھتا ہے پیرایہ بیان دلگداز ہے' اخبار صداقت کی رائے' پلاٹ اور کیرکٹر دونوں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا افسانہ ہے۔ بار سوم۔ قیمت آٹھ آنے

بچھڑی بیٹی (۳)

ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ جو کئی زنانہ رسالوں میں شائع ہوکر بے انتہا پسند کیا جا چکا ہے۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اسکی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت... کہانی کی ہیئت' افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے بیحد دلچسپ قصہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر چھپا ہے قیمت ۶ ر

...بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین... انشا...

...تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن

مشیرِ نسواں (۱) یا ذہرہ

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس... لڑکیوں کو بہت سی مفید...
...اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ و نتیجہ خیز ہے۔ طرزِ بیان بیحد...
اکابرین قوم نے جسے پڑھ کر حسب ذیل ریویو کئے تھے
علامہ شبلی نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا' یہ کتاب محاسن سے مملو...
معائب سے بالکل پاک ہے' اخبار مشیر دکن کے ریویو کا خلاصہ یہ...
مضامین کیا بلحاظ زبان بڑی دلچسپ اور دلآویز کتاب ہے' مخبر دکن...
ریویو' عورتوں کیلئے نہایت دلچسپ اخلاقی ناول ہے' شوکت اسلا...
کا ریویو' بے نظیر ناول ہے جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعل...
نصائح اور معلومات کے ذخیرے دلچسپ طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں...
اخبار تہذیب نسواں کا ریویو' اس قصہ میں مصنفہ نے نہایت دلچسپ اور پُرلطف
طریقہ سے بیان کیا ہے' مصنفہ کو اس تصنیف پر تمغہ طلائی دیا گیا تھا بار سوم قیمت...

سرگذشتِ ہاجرہ (۲)

دلچسپ اور سبق آموز قصہ ہے... میں اخلاقی و اصلاحی جواہرات...
بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو...
پیدا ہو جاتی ہے عورت انہیں کس طرح دور کر سکتی ہے۔ چار سہیلیاں ایک
جمع ہو کر آپ بیتی سناتی ہیں ان میں ہاجرہ کی سرگذشت سب سے زیادہ دلچسپ
اور مفید ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیویاں بگڑے ہوئے گھر کس طرح سنوار...
نکلے ہوئے شوہروں کو کیونکر اپنا کر لیتی ہیں۔ علامہ سر محمد اقبال کی رائے ہے
کہ' سرگذشت ہاجرہ مستورات کیلئے نہایت مفید کتاب ہے طرزِ بیان بھی سا...
موثر اور دلکش ہے' بیگم صاحبہ سر عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لاء...
ہے' یہ نہایت اچھی اور دلچسپ کتاب ہے اس میں ہر قسم کے نقائص...
بڑی خوبی سے قصہ کے پیرایہ میں اصلاح کی ہے۔ بار دوم قیمت...

موہنی (۳)

ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ ایک شہزادی شوہر...
انتقال پر گھر چھوڑ کر جنگل...
ہے' یہاں تک کہ ایران پہنچتی ہے...

بتیسواں ۳۲ سال | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ عیسوی | جلد ۶۴ نمبر ۱

فہرست مضامین

) مع محصول ڈاک چار روپیہ (للعہ) ممالک غیر سے : دس شلنگ
بٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، والیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے
یک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔
عصمت۔ ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وھیلر کے بک اسٹال پر بھی ۵ میں ملتا ہے۔

باہتمام ابوامین مولوی محمد امان الرحمن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

چند باتیں

سنہ ۳۹ء قانونِ قدرت کے بموجب اپنی مدت پوری کر کے رخصت ہوا، مگر اس کی تباہ کاریوں اور خونریزیوں کی داستان ایک مدت تک باقی رہے گی۔ مظلوم البانیہ، یورپ کی واحد ننھی سی اسلامی ریاست، چشمِ فلک کی ایک گردش نے نقشۂ یورپ سے مٹادی۔ پولینڈ یورپ کی پانچویں طاقت، جہاں تین کروڑ انسان اطمینان کا سانس لے رہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے تین ہفتہ کے اندر ختم ہوگیا۔ ہٹلر کی رعونت اور فرعونیت کے خلاف یورپ کی بڑی سلطنتیں جنگ کی آگ میں کود چکی ہیں۔ استھونیا، لیٹویا وغیرہ بالٹک کی ریاستوں پر روسی اقتدار قائم ہوگیا اور روسی اژدہے کی پھنکاریں فن لینڈ کو بھی آج کل ہی میں ختم کرنے والی ہیں۔ انسانی خون سے مسرت کے نعروں میں یورپ کی سرزمین پر ہولی کھیلی جارہی ہے۔ بے شمار خاندان تباہ و برباد، ان گنت آبادیاں تاخت و تاراج ہوگئیں۔ لاتعداد بے گناہ عورتوں کا سہاگ اجڑ گیا اور کثیر التعداد معصوم بچے یتیم کر دیے گئے۔ غرض سنہ ۳۹ء میں قتل و غارت گری کا بازار مغرب میں خوب گرم رہا اور خدا نہ کرے لیکن اندیشہ ہے کہ سنہ ۴۰ء میں اور بھی زیادہ مہذب دنیا بربریت اور حیوانیت کا شکار ہوگی۔ ترکی کا انگریزوں سے دوستانہ معاہدہ ہوچکا جو عالمِ اسلام کے لئے بہت بڑی حد تک باعثِ اطمینان ہے۔ لیکن روسی یا جرمنی حملہ کے خطرہ سے ترکی محفوظ نہیں۔ چین میں جاپان نے جو مظالم ڈھائے ان کا بیان بھی جاں گداز ہے۔ ہندوستان میں بے روزگاری اور اقتصادی بدحالی، قحط سالی اور اشیا کی گرانی نے ہوش اڑا رکھے ہیں۔ جنگ یورپ کے باعث چیزوں کی قیمتوں پر آگ پڑ رہی ہے۔ کاغذ اور دوسرے سامانِ طباعت کی قیمت آندھی اور مینہ کی طرح بڑھ رہی ہے اور اخبارات و رسائل کے چہرے زرد پڑ گئے ہیں۔

رسالہ عصمت و [illegible] کو بھی ملک کی عام حالت سے متاثر ہونا ضروری تھا لیکن ابھی تک عصمت کی معنوی اور ظاہری خوبیوں میں کوئی فرق نہیں آیا، اس نے تمام دقتوں کے باوجود سنہ ۳۹ء میں اپنی تمام روایات اور خصوصیات کو قائم رکھا ہے۔ کاغذ چھپائی لکھائی تصاویر وقت کی پابندی رسالہ کی ضخامت ہر ماہ زیادہ سے زیادہ مضامین غرض کسی اعتبار سے سنہ ۳۸ء کے مقابلہ میں سنہ ۳۹ء کم نہیں رہا۔ جہاں تک مضامین کا تعلق ہے سنہ ۳۹ء عصمت کا ایک کامیاب سال کہا جاسکتا ہے۔ خواتین کے مفید مطلب بہت اچھے اچھے مضامین کافی تعداد میں اس سال شائع ہوئے ہیں۔ عورتوں کے حقوق و فرائض معاشرتی پیچیدگیوں اور خانہ داری کی ذمہ داریوں پر قابل قدر مضامین سے سال کی دونوں جلدیں مزین ہیں۔ عصمت میں اخباریت ڈھونڈھنی غلطی ہے یہاں عام روش سے ہٹ کر عصمتی بہنوں کو یہ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ملکی و غیر ملکی حالات تاریخی و سیاسی مضامین جو ہماری خواتین کے لئے کسی نہ کسی حد تک مفید کہے جاسکتے ہیں سنہ ۳۹ء میں بھی اوراقِ عصمت کی زینت ہیں۔ سبق آموز افسانوں اور نتیجہ خیز نظموں سے بھی خصوصیاتِ عصمت قائم ہیں۔ مضامین کا معیار گو بلند رہا لیکن اوسط درجہ کی خواتین کی قابلیت کے مضامین بھی ہر پرچے میں کافی دیے گئے۔ جہاں عصمت کی متعدد مخصوص و ممتاز مضمون نگار بہنوں نے بدستور اپنے پرچہ کی دلچسپیاں بڑھاتے ہیں اپنے مضامین سے حصہ لیا وہاں کئی ہونہار لکھنے والیاں سنہ ۳۹ء میں بھی عصمت نے پیدا کی ہیں۔ نئے نئے موضوعوں پر بھی قابل قدر مضامین ہیں اور پرانے عنوانات پر بھی ایسے مفید مضامین جو انداز بیان کی وجہ سے قابل تعریف کہے جاسکتے ہیں۔ المختصر سنہ ۳۹ء مجموعی طور پر عصمت کا توقع سے زیادہ کامیاب سال رہا۔ نہیں کہا جاسکتا کہ جنگ یورپ کب ختم ہوتی ہے۔ ہندوستان میں بے اطمینانی اقتصادی پریشانی اور اشیاء کی قیمتوں میں گرانی کا جو دور ہے وہ کب تک رہے اور عصمت کب تک اس کا مقابلہ کرسکے۔ لیکن دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ دنیا میں امن و امان قائم ہو پھر اطمینان کا دور دورہ ہو اور یہ سنہ ۴۰ء عالم اسلام عالم نسواں کیلئے مبارک ہو اور ہم بھی جو ناچیز خدمت ان پرچوں کے ذریعہ طبقۂ نسواں اور اردو زبان کی انجام دے رہے ہیں استقامت اور استقلال سے انجام دیتے رہیں۔

رازق الخیری

گذرا ہوا سال

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمتہ اللہ علیہ

عمرِ عزیز جیسی بیش بہا نعمت کا وہ حصّہ جو سال گذشتہ کی ہئیت میں کام کر رہا تھا ختم ہوا اور شبِ گذشتہ کو ٹھیک بارہ بجے جب عصمتی بہنیں بے خبر سوتی تھیں وقت نے نئے سال کی حکومت کا ڈنکا بجا کر سال گذشتہ کو پردۂ دُنیا سے وداع کر دیا۔ نیند کی اس متوالی قوم کو جو مُسلمان کے نام سے تعبیر ہوتی ہے، خوابِ غفلت میں پتہ بھی نہ چلا کہ عالمِ بیہوشی کا سانس کس وقت لیا تھا، اور حالتِ بیداری کا سانس کس وقت لے رہی ہے۔ مگر زندہ مذاہب کے افراد اور جیتی جاگتی قوموں کی لڑکیاں زندگی کے اس زرّیں اُصول کو جو یتیم عبد اللہ کی مبارک زبان سے نکل کر فضاء عالم میں گونجا تھا ماضی کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھ رہی ہیں کہ مہمان کی مدارات کس طرح کی اس کی برکات سے کس قدر فائدہ اُٹھایا، کس قسم کا سامان فراہم کیا، اور گلشنِ حیات کی خاموش کیاریوں میں کیسے کیسے بیج ڈالے جو لہلہاتے ہوئے پودے بن کر ایسے بار آور درخت ہونگے جن کا سایہ رستہ چلتے مُسافروں کو پناہ دیگا۔ کیسے سدا بہار تھے وہ مبارک پھُول جو ہادیٔ برحق کے مُنہ سے جھڑے کہ آج صدیاں گذر جانے پر بھی اُن کی خوشبو اغیار کو مست کر رہی ہے۔ جن کو مُسلمان اپنے سر آنکھوں پر جگہ دیتے وہ اس وقت غیروں کے دامن میں ہیں۔ یہ ذلت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور وہ عزت کے زیوروں میں کھیل رہے ہیں۔

مُسلمان اپنے حقیقی بادشاہ کے اس پیام کو فراموش کر چکے کہ "مرنے سے پہلے مر جاؤ" مگر آسمان کی آنکھیں غور سے مطالعہ کر رہی ہیں کہ یہ اسلامی پیام جو پرستارانِ کلمۂ توحید کے واسطے تھا مُسلمانوں کے ہاتھوں کس طرح ٹھکرایا گیا اور ان کے ہاں سے نکل کر کہاں ٹکرایا، کدھر پہونچا اور کس جگہ ٹھہرا۔

ان الفاظ کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہر مُسلمان کبھی اپنی زندگی کو مُردہ سمجھ کر غور کرے کہ عمر گذشتہ میں کیا کیا۔ اپنی یا اپنے متعلقین کی ذات کے علاوہ قوم بدبخت کی مشکلات میں کیا حصہ لیا۔ عزیز اقارب کے ساتھ کیا سلوک کئے محلّہ کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رہا۔ اور اب کہ موت زندگی ہی میں آ چکی ہے، یہ جائزہ صحیح دماغ اور سچّے دل والے انسان کو تڑپا دیتا، جب وہ دیکھتا کہ گذرے ہوئے وقت میں ایک کام بھی ایسا نہیں ہے جس پر زندگی فخر کر سکے۔

عصمتی بہنیں اسی کسوٹی پر گذشتہ سال کو پرکھ لیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ گذرے ہوئے سال میں اُنہوں نے کیا کمایا، اور کیا کھویا۔ کس قدر کام ایسے کئے جن کی یاد ان کا دل خوش کرسکتی ہے۔ اور کتنے ایسے جن کا خیال اس وقت بھی ان کو تکلیف دے رہا ہے، کتنے سانس اور کتنے قدم دوسروں کی بھلائی میں بسر کئے۔ اور وقت گذشتہ کا کس قدر حصّہ اس کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف کیا جس کو بعد الموت ذرّے ذرّے اور لمحے لمحے کا حساب دینا ہے +

سنہ ۳۰ء

رباعیات

نوروز

نوروز نے اک سال کا انجام کیا منزل کا سفر کی گویا اتمام کیا
ایسے بھی ہیں منزل پہ گھسٹ کر پہنچے ایسے بھی ہیں ہر گام پہ اک کام کیا

دیگر

کیا سال میں ہوتا ہے بھلا اک نوروز تو چاہے تو ہر روز منا اک نوروز
کچھ روز و شب و ماہ کی بھی شرط نہیں ہر سانس جس کی آمد ہے ترا اک نوروز

نوروز پر گورِ غریباں میں ایک میّت دیکھ کر

افسردگیِ غم ہو یا ہوں خوشیاں وافر قسمت جو دکھائے اُس پہ رہیئے شاکر
یہ گردشِ ایّام کی نیرنگی ہے نوروز کہیں، کسی کا روزِ آخر!

بصیر بدایونی

نئی دلہن

وہ صبح ضیا تاب کے مخمور اشارے — وہ کیف سے لطف میں ڈوبے ہوئے تارے
زہرہ کی وہ سرشار نگاہیں دمِ رخصت — پرویں کے وہ لغزیدہ قدم نیند کے مارے
چھپتے ہوئے تاروں کا وہ رہ رہ کے چمکنا — پانی میں جھلکتے ہوئے موتی سے پیارے
وہ چاند کا آئینۂ رُخ موج میں تاباں — ہلکی سی چمک نور کی دریا کے کنارے
کھلتے ہوئے پھولوں سے وہ رستی ہوئی خوشبو — مہندی کی قطاروں میں وہ جنت کے نظارے
وہ دودھ میں شبنم کے نہائے ہوئے غنچے — تسنیم کے جاری ہوئے افلاک سے دھارے

وہ غرفہ مشرق میں عروسِ سحرِ نو
خورشید بہ دوشے و تجلی بہ کنارے

وہ اُس کے قدم ہائے حنا رنگ اُفق پر — وہ اُس کے لب سُرخ میں بجلی کے شرارے
شبنم کی ضیا پاشی سے افشاں وہ جبیں پر — فردوس کی کلیوں سے وہ زلفوں کو سنوارے
کرنوں کی کلائی میں دمکتے ہوئے کنگن — دزدیدہ نگاہیں وہ عجب شرم کے مارے

پتوں کے ترنم میں ہے اک نغمۂ مقدم
ہر گام پہ قربان صبا کے ہیں طرارے

آ! اے سحرِ نو کہ بچھانے کو ہے آنکھیں — یہ ماہ یہ خورشید یہ پروین یہ ستارے
ہاں جلد اُلٹ دے یہ نقاب رخِ گلگوں — پھولوں کو دکھا گلشن جنت کے نظارے
دے کھول وہ گیسوئے معنبر سرِ عارض — خوشبو سے معطر ہوں شگوفے ابھی سارے
بے رنگ ہے لب ہائے گلِ لالۂ احمر — آ! بخش انہیں پھر وہی خونریز شرارے
نرگس کی نگاہوں میں نہیں برق جوانی — کر اس کو عطا پھر وہ ہی جادو کے اشارے
ہنستی نہیں اب صبح کو پیاری سی چنبیلی — کچھ ایسی پڑی اوس کہ گل مرگئے سارے
آ پھر سے کھلا غنچۂ گلزار تمنا — خنداں ہوں پھر اک بار گلستاں یہ ہمارے
دُھل جائے یہ کلفت نہ رہے زنگِ کدورت — مل جائیں گلے برگ و گل و لالہ یہ سارے

لائے یہ نیا سال وہ پیغام مسرت
پھر جائیں پھر اے کاش! یہ ایام ہمارے

بلقیس جمال خاتون بریلوی

سالِ نو

سالِ نو تو آگیا کتنا تھا تیرا انتظار
تیری آمد کی تمنا میں تھے ہم سب بے قرار

یہ سنہ اُنتالیس کن آلام میں گزرا نہ پوچھ
جس قدر بھی حسرتِ ناکام میں گذرا نہ پوچھ

زعمِ طاقت پر ہر اک خودرائے اترانے لگا
آدمی کا آدمی دشمن نظر آنے لگا

جرمنی نے ساری دنیا کو پریشاں کردیا
خودسری سے اپنی اک عالم کو حیراں کردیا

ہر طرف چھائیں گھٹائیں کبر و استکبار کی
بے اثر سی ہوگئیں آہیں دلِ بیمار کی

کس قدر مشکل سے کاٹا ہم نے یہ منحوس سال
بارک اللہ اب نظر آیا ترا روشن جمال

اے سنِ نو تیری آمد ہو دلیلِ ابتہاج
ٹھیک ہوجائے ترے آنے سے دنیا کا مزاج

خودسروں کے زعمِ باطل کا نتیجہ ہو خراب
دوسروں کو جس نے پھونکا خود بھی جل جائے شتاب

ہند والوں کے لئے آمد ہو تیری خوش نصیب
رنج و غم سے دُور ہوں عیش و مسرت سے قریب

دن گزاریں فارغ البالی سے اطمینان سے
سال یہ گزرے بڑی عزت نرالی شان سے

اپنے کاموں کی طرف سے ہو انھیں حاصل فراغ
چپقلش مٹ جائے یکسوئی پہ آجائے دماغ

اتفاقِ باہمی کے ساتھ گزرے سال یہ
ہند والوں کے لئے لایا ہو اچھی فال یہ

سالِ نو کی ہو خوشی سب کو مبارک اے خدا
آرزو پوری ہو بر آئے دلوں کا مدعا

ہوں بہی خواہانِ عصمت بھی مسرت سے دوچار
ہو مبارک اِن کو یارب آمدِ فصلِ بہار

دعا ڈبائوی

تعلیمی کھلونے

از محترمہ شائستہ اختر سہروردیہ بی اے آنرس (مقیم لندن)

انگلستان میں چند سال سے ایسے کھلونے بن رہے ہیں جن سے کھیل ہی کھیل میں بچے بہت کچھ سیکھ جاتے ہیں۔ اور اس کی صحیح نشو و نما میں معاون ہوتے ہیں۔ یہ کھلونے اتنے دلچسپ ہوتے ہیں کہ بچہ گھنٹوں ان سے کھیلتا رہتا ہے اور مشین کے کھلونے کی طرح ان سے چند منٹوں کے بعد ہی اکتا نہیں جاتا۔ اور یہ کھلونے اتنے مضبوط بنائے جاتے ہیں کہ جلدی ٹوٹ بھی نہیں سکتے۔ یوں تو کئی کارخانوں نے ایسے کھلونے بنانے شروع کئے ہیں لیکن سب سے مشہور اور اچھے (Kiddicraft) کے اور (Paul And Majorie Abbat) کے سمجھے جاتے ہیں۔

میں ان چند کھلونوں کی تفصیل لکھتی ہوں جو کہ دو تین سال سے میں اپنے بچوں کو دے رہی ہوں۔ یہ کھلونے اس اصول کے ماتحت بنائے گئے ہیں کہ بچہ کی فطرتی خواہشوں اور تجسس کو پورا کریں۔ بچہ سب سے پہلے کیا باتیں کرنا چاہتا ہے؟ چیزوں کو تلے اوپر رکھنے سے اس کو ایک خاص مزہ ملتا۔ بڑے ڈبوں کے اندر چھوٹے ڈبوں کو بند کرنے سے اس کو بے پایاں مسرت ہوتی۔ مختلف سائز کی چیزوں کو ایک قطار سے رکھنا ہی ایک شغل ہے۔ موتی پرونے کا اس کو بے انتہا شوق ہوتا ہے۔ اور چیزوں کو کھپانے کا بھی (کرسی کے لوٹا ہوئے کو جمانے میں ننھے میاں کے انہماک کا تو آپ کو خود تجربہ ہوگا) بے انتہا ذوق۔ کِڈی کرافٹ اور ایبٹ ٹائیز انہی فطرتی خواہشوں کو پورا کرنے کے ذرائع بہم پہنچائے ہیں۔

تلے اوپر رکھنے کی خواہش پوری کرنے کے لئے گُٹیاں ہیں بڑے ڈبوں میں چھوٹے ڈبے رکھنے کا لطف دینے کو الگ کھلونا ہے (Pyramids) سے بھی یہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی مختلف سائز کو باقاعدہ ایک پر ایک لگانے کی مشق بھی ہوتی ہے۔ پرونے کے لئے یہ بڑے بڑے موتی ہیں۔ جن کے نگلنے کا خطرہ نہیں۔

چیزیں کھپانے کے شوق کو پورا کرنے کے لئے بہت آسان (Puzzles) ہیں جو کہ تین چار سال کے بچے بآرام کر لیتے ہیں۔ ان سے بھی کم عمر بچوں کے لئے (Picture-Trays) ہیں جن میں سے ہر تصویر ٹکڑے ہو کر نہیں بلکہ پوری نکل آتی ہے اور پھر جمادی جاتی ہے اور گھنٹوں بچوں کو منہمک رکھتی ہے۔

اسی طرح کے اور کچیسوں کھلونے ہیں مختلف قسم کی شکلیں سمجھانے کے لئے ایک الگ کھلونا ہے . . . . .

. . . . گُڑیاں بھی کئی طرح کی ملتی ہیں۔ ہر عمر کے لحاظ سے بڑے بچے کے لئے زیادہ مشکل چیزیں بنانے کے لئے کئی کئی قسم کی۔ چھوٹے بچوں کے لئے بالکل سیدھی سادھی صرف ایک طرح کی چوکھٹی۔

بچے کے نشو و نما کے لئے مفید کھلونے اس سلسلہ کے یہ ہیں:۔

بالو کا بکس۔ بالو اور مٹی سے کھیلنے سے جو مسرت بے پایاں بچوں کو حاصل ہوتی ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ لیکن ان بیچاروں کو کبھی اس کی اجازت نہیں ملتی۔ اور یہ سچ بھی ہے ویسے گھر بھر میں مٹی سے کھیلنے انھیں چھوڑ دیا جائے تو گھر کا کیا حال ہوگا۔ پر اگر ایسے گھڑے کے اندر بالو یا صاف مٹی بھروا کر بچے کو ایک بے آستینوں کا کرتا اور جانگیہ پہنا کر چھوڑ دیا جائے تو جس خاموشی اور انہماک کے ساتھ وہ اس سے کھیلتے رہیں گے اور کسی چیز سے نہیں۔ میرے پاس تو نہیں لیکن میری ایک سہیلی کے پاس ایک بالو کا بکس ہے اور میرا بچہ اکثر اس کے یہاں اس کے بچہ سے کھیلنے کو جایا کرتا ہے۔ وہ دونو کو "لینڈ بٹ" یعنی بالو کے بکس میں چھوڑ کر فراغت سے اپنا کام کرتی ہے اور بچے نہایت خاموشی سے اس میں کھیلتے رہتے ہیں۔

دوسری چیز ہے *Climbing Frame* آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچوں کو ہر چیز پر چڑھ بیٹھنے کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ گھرک کر اتروائے جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ شرارت نہیں بلکہ بچے کا اپنی طاقت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کیا کچھ کر سکتا ہے۔ چلنا پھرنا۔ دوڑنا۔ اس کے لئے سب نئی چیزیں ہیں۔ اور وہ اپنی اس نئی قدرت کو آزمانا چاہتا ہے۔ لیکن الماریوں پر چڑھنے یا پلنگ کے ڈنڈوں سے لٹکنے سے ایک تو سامان خراب ہوتا ہے دوسرے چونکہ یہ چیزیں لٹکنے کا بار اُٹھانے کے لئے بنائی تو گئی نہیں ہیں اُلٹ جایا کرتی ہیں جس کی وجہ سے بچہ کو بعض دفعہ سخت چوٹ آجاتی ہے۔ لیکن *Climbing Frame* اسی مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اس لئے اُلٹ نہیں سکتا۔ اور بچے کو کسی طرح کی چوٹ آنے کا احتمال نہیں۔ یہاں کے اکثر نرسری اسکول میں ہوتا ہے اور بچے بڑے شوق سے اس پر چڑھا کرتے ہیں۔

ایک اور چیز ہے جسے شوٹ کہتے ہیں اس پر سے بچے پھسلا کرتے ہیں۔ اور بے انتہا خوش ہوتے ہیں۔ میری بعض معزز عصمتی بہنوں کو خیال ہوگا کہ واہ یہ اچھے کھلونے ہیں کہ جتنی شرارتوں سے بچے کو روکا جاتا ہے اس کے معاون ہیں۔ درحقیقت بچے کی کود پھاند کی خواہش شرارت نہیں اس کی فطری چابلاہٹ کا اظہار ہے اس سے روکنا ان پر ظلم ہے۔ اس کو جائز طور سے ان خواہشوں کے پورا کرنے کا ذریعہ بہم پہنچانا چاہیئے۔ ورنہ باز تو وہ پھر بھی نہیں آئے گا لیکن اپنے کو چوٹ پہنچانے اور چیزوں کو توڑنے کا خطرہ ہے۔ چڑھنے کے فریم اور شوٹ تو ہندوستان میں مشکل سے ملیں گے لیکن بالو کے بکس کا تو بڑی آسانی سے انتظام ہو سکتا ہے۔ ان کھلونوں کے علاوہ جدید ماہران نفسیات کے خیال کے مطابق ایسے تمام کھلونے جو کہ تخیلی کھیل میں بچے کو مدد دیں بہت ہی مفید ہیں جیسے گڑیوں کا گھر۔ چار کا سٹ۔ کھانوں کا سٹ لڑکی کے لئے۔ قلعہ اور فوج۔ موٹریں۔ اور گراج۔ اسٹیشن اور انجن لڑکے کے لئے۔ اس خیال کے مطابق ہنڈکلیا اور گڑیوں کی شادی جیسا کھیل جو ہماری لڑکیاں پہلے کھیلا کرتی تھیں بہت ہی اچھا سمجھا جائے گا۔

عورتوں کی جنگی خدمات

ویمن فریڈم لیگ کے ایک جلسے میں شریک ہوئی تھی۔ یہ جلسہ بڑے جوش و خروش سے خواتین کو جنگ آزمائی میں عملی کارروائیوں پر مائل کر رہا تھا۔ جوشیلی تقاریر ہو رہی تھیں۔ اور اس وقت ان کا کیا عمل ہونا چاہیئے یہ مسئلہ زیر بحث تھا۔ کاموں کی تشریح اور حب وطنی کی ضرورت پر جس قدر سحر بیانیاں ہوئی تھیں۔ وہ اب تک کانوں میں گونج رہی ہے۔ خلاصہ یہ تھا کہ موجودہ ابتری کی نوبت نہ آتی اگر سول ڈیفنس سروس میں عورتوں کو ذمہ دار خدمات عطا کی جاتیں۔ ایک ریزولیوشن بھی اس مقصد کا پاس کرایا گیا۔ کہ مردوں اور عورتوں کی تنخواہ میں فرق نہ ہو۔ ملازمت کی مناسبت سے یکساں تنخواہیں دی جائیں۔ عورتوں کو کم تنخواہ دے کر بیوقوف بنایا جاتا ہے۔ اس کی مخالفت میں یہ جلسہ صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ نیز بتلایا کہ ایک ہی کام پر مردوں کو ہفتہ میں ۳ پونڈ اور عورتوں کو ہفتہ میں ۲ پونڈ دینا سراسر بے انصافی ہے۔ ایک فہمائش یہ بھی تھی کہ زخمی ہونے کی حالت میں معالجے کے اخراجات اور بیکاری کی پنشن مردوں اور عورتوں کو برابر دئیے جائیں۔

مسنر کارٹ ایشبی نے بتایا کہ ۸ ہفتوں کی دماغی جدوجہد کے بعد سول ڈیفنس سروس مکمل بدنظمی کی حالت میں چھوڑی گئی۔ عورتوں کی تنخواہوں کی شرح تک مرتب نہیں کی گئی۔ اور نہ زنانہ آفیسر کو حسب مراتب تنخواہ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور نہ اس امر کی کوشش کی گئی کہ ان کو کم از کم تمام حالات سے مطلع کر دیا جائے جو ان کی سروس میں کارآمد ثابت ہوں

مس فلارنس انڈر ووڈ ویمنز فریڈم لیگ کی سکرٹری نے بیان کیا کہ اگر عورتوں کو رسد بانٹنے اور کھانے پینے کی چیزوں کو تقسیم کرنے کی خدمت سپرد کی جاتی تو وہ ملک کا کروڑوں پونڈ بچا لیتیں۔ اسی طرح اگر ایک عورت وزارت اخبار عامہ کی سردار ہوتی تو سینکڑوں ہزاروں پونڈ کا خسارہ وہاں نہ ہوتا۔

جب مس ایلین نیلان سکرٹری انجمن اخلاقی اور معاشرتی حفظانِ صحت تقریر کرنے کو کھڑی ہوئیں تو انھوں نے بتلایا کہ مردوں نے کیسی کم فہمی سے ان کی صلاح کو غیر ضروری سمجھ کر ان سے مشورہ ہی نہیں کیا۔ حالانکہ عورتیں خانہ داری کے مسئلوں کو ان سے زیادہ سمجھتی ہیں۔ اگر ان کی صلاح پر کاربند ہوتے تو شہر خالی کرنے کی جھنجھٹوں سے انہیں نجات ہی مل جاتی۔

مسنر والٹر ایلیٹ وزیر صحت کی بیوی نیشنل کونسل آف گرلز کی غور و پرداخت میں اس قدر مصروف ہیں۔ کہ اُنہیں اپنے کلب کا انتظام بالکل چھوڑ دینا پڑا۔ یہ ویسٹ اینڈ میں واقع ہے۔ اور اپنی شادی سے پیشتر اس کو برابر چلاتی آئی تھیں۔ اب اس کا انتظام ۳ لڑکیوں کے ہاتھ ہے۔ جن میں سے ایک فوجیوں کے لئے پاجامے تیار کرتی ہیں۔ دوسری فہرست اشیا ء نباتی

اور نفیس لباس تیار کرنے والی ہیں۔ مگر تینوں اپنے فاضل اوقات اسی کلب کے انتظام میں صرف کررہی ہیں۔ محاذِ جنگ پر جانے سے پہلے فوجیوں کو دعوتیں دیتی ہیں منجملہ اور مصروفیات کے یہ لڑکیاں اُن اُداس ماؤں کے بہلانے کے لئے بھی تدابیر روبکار لاتی ہیں جن کے بچے جنگ کی حملہ آوری کے خوف سے دیہاتوں میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔

کئی کلب ان بچوں کے لئے بھی کھُلے ہیں جو لندن سے باہر نہیں بھیجے جا سکے۔ چونکہ وہ اسکول بھی نہیں جا سکتے اور نہ مختلف بیرون خانہ کھیلوں سے دل بہلا سکتے ہیں کیونکہ ان کے بیشتر ساتھی دیہات چلے گئے ہیں۔ اس غرض سے گرل گائیڈس نے لڑکوں کی تفریح کے لئے گرجوں کے ہال میں دلبستگی کا انتظام کردیا ہے۔

ایک مرکز میں دیکھا کہ ۵۰ بچوں کو فرسٹ ایڈ کی عام معلومات اور جسمانی ورزش کی تربیت دی جارہی ہے۔ ننھے بچوں کی نرسری کلاس بھی لڑکیوں نے جاری کی ہے۔ دو نوجوان بیویوں نے جو اپنے کو خوش قسمت سمجھتی تھیں اپنی زندگی کے خوش آیند واقعات بیان کرتے ہوئے کہا کہ دونوں آس پاس کے مکانوں میں ہمیشہ رہتی تھیں۔ دونوں کی شادیاں بھی سمندر کے کپتانوں سے ہوئی تھیں ایک ہفتے ہیں مسز جون رائس کپتان این رائس کی بیوی کو خبر ملی کہ اس کے شوہر کا جہاز شمالی اطلانٹک میں ڈبو دیا گیا اسی کے چند روز بیشتر دوسری بہن مسز ڈوریس ٹیٹ نے بھی خبر پائی تھی کہ اُس کے شوہر کا جہاز غرق کر دیا گیا۔ لیکن خدا کی مرضی چند روز بعد انہیں یہ مسرت انگیز خبر ملی کہ دونوں زندہ اور سلامت ہیں۔ اور جلد گھر کو واپس ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری شادی کو صرف ۵۔ اور ۳ سال گزرے ہیں۔ یہ دونوں اپنے دوسرے سفر پر روانہ ہوئے تھے اگرچہ دونوں کے جہاز غرق ہوگئے اور یہ جہاز کے ماسٹر بھی تھے مگر خدا کا شکر ہے کہ دونوں زندہ بچ گئے۔ اب ہم اپنے آپ کو دنیا میں سب سے بڑھ کر خوش نصیب سمجھتی ہیں۔

گورنمنٹ کے ایک شعبہ میں یہ دلچسپ معاملہ رونما ہوا کہ ہر دو اصناف مل کر ایک ہی مقام پہ کام نہ کریں۔ حالانکہ بیشتر موقعوں پر اتنا ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ بالخصوص ہوائی خطرہ کے الارم پر تمام عورتیں اور مرد ایک ہی پناہ گاہوں میں بلا امتیاز مسئون اور مامون ہو جاتے ہیں۔ اس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کافی واقفیت بھی ہو جاتی ہے۔ مگر اب آہستہ آہستہ اس کا بھی انتظام کیا جارہا ہے۔ اکثر پناہ گاہوں میں جوں ہی سیبرن کی آواز سنائی دیتی ہیں دفاعی رضا کار اور تمام لڑکیاں سیڑھیوں سے ہوتی اندر داخل ہو جاتی ہیں اور مردان کے پیچھے داخل ہوتے ہیں۔ مگر تہہ خانوں کی حدود میں جا کر عورتیں داہنی اور مرد بائیں جانب چلے جاتے ہیں عورتوں کے لئے محافظ عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اور اُنہیں حملہ آوری کے موقعہ پر اپنی حفاظت میں رکھتی ہیں۔ شروع میں بیحد انتشار محسوس کیا جاتا تھا۔ مگر اب لوگ اس کے عادی ہو گئے ہیں۔ بلکہ کسی دن کئی کئی مرتبہ سیبرن کی آواز پر پناہ گزین ہوتے اور پھر اسی اطمینان سے باہر آجاتے ہیں۔ بہرکیف ان دفاعی تدابیر کے باعث مزید شرح اموات میں اضافہ ہونے اور وحشتناکیوں کے باعث بہت سے لوگ ادھ موئے ہونے سے بچے۔ اس کے باوجود یہاں کی عورتیں ملکی خدمات انجام دیتے ہوئے اپنا سنگھار بھی کرتی جاتی ہیں اور حتی الامکان اس داس اور بے کیف فضا کو خوش آیند ماحول میں تبدیل کرنے کی کوشش میں انہوں نے چمکیلے اور خوشنما لباس شام کے لئے مخصوص کر رکھا ہے سیکوین کے ستارے اور بیل لگا کر انہیں چمکدار بناتی ہیں۔ بالخصوص سیاہ بلاوس پر یہ سنہرے بکھرے ہوئے ستارے بہت زیب دیتے ہیں۔

(ترجمہ) جمیلہ بیگم (کلکتہ)

زندہ رہنے کا ہنر

ہم ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ لوگوں کو جینا وبال جان ہے۔ ملکی اور خانہ داری کے اندیشے ہم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ جنگ اور جنگ کی تیاری میں ہم مشغول ہیں۔ اس زمانے میں الفاظ خیالات کا کام کرتے ہیں۔ ہم نعرے لگاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قیاس کر رہے ہیں۔ ہمارا ذہن پروپگنڈا سے اثر پذیر ہے۔ تصویریں ہمارا کھانا اور ریڈیو ہماری تعلیم ہے۔ ہم خیال کرنے کی زحمت سے بچ گئے۔ اس دنیا میں ہمارا زندہ رہنا ایک کاریگری کی طرح ہے۔ اگر کوئی شخص کسی پولیسی سے اختلاف کرتا ہے یا سیاسی نقطۂ نظر کے حدود سے آگے قدم رکھتا ہے تو لوگ اس کو ذلیل جانتے ہیں۔ میں شاید غلط بیان نہ کہلایا جاؤں اگر یہ کہوں کہ ہماری شخصیت کو تباہ کیا جا رہا ہے۔

شخصیت زندگی کی آخری حقیقت ہے۔ سماج کا فرض یہ ہے کہ وہ شخصیت کی خاصیت کو ترقی دے۔ صحیح ترقی شخصیت کے ذہن کی پاکیزگی اور اس کے مزاج کی خیرخواہی سے جانچی جاتی ہے۔ لیکن پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اس کو اپنی طرح بنا لیں۔ بلکہ اس کو موقع دیں کہ وہ خود ایک اچھا انسان بن جائے۔ وہ ہم سے ایک جدا انسان ہے۔ ہمارے عقلی لباس شاید اس کے درست نہ ہوں۔ اس کو ایک نیک بندہ بن کر رہنا چاہیئے۔ اس کو اپنی ناکامیوں پر افسوس اور اپنی فتح پر مسرت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ اس کو دوسرے لوگوں سے مختلف اور جدا رہنا چاہیئے۔ زندگی آدمی کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ . . . . . اور اُسی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

زندہ رہنے کے ہنر اور زندہ رہنے کے علم میں ایک بڑا فرق ہے۔ سیاست اور تمدن زندگی کے لوازمات فراہم پہنچانے میں شاید ایک حد تک کامیاب ہو جائیں لیکن ہماری خواہش اسی حد تک زندہ رہنے کی ہوگی جب تک ہم اچھی طرح سے زندہ رہ سکیں۔ صحیح خوشی کا دار و مدار زندگی کی نیک نیتی پر ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک سیدھا اور سچا راستہ زندہ رہنے کے ہنر کے متعلق دریافت کرنے میں ماہر تعلیم ہنرمند اور فلاسفر بہ نسبت ایک سیاست داں کے زیادہ کامیاب اور دوسروں کو مدد دے سکتے ہیں۔

جو کوئی کام اس ملک میں ہوتا ہے وہ عموماً فلسفہ اور مذہب سے لگاؤ رکھتا ہے۔ سیاست اور تمدن سے نہیں۔ اس ملک کی تاریخ کا نشان سرحد، بادشاہ۔ شہنشاہ۔ لڑائی اور جنگ نہیں ہے۔ بلکہ صوفی اور ہنرمند رہنا ہے۔ شروع زمانے سے ہندوستان نے نہ سپاہیوں کو زینت دی ہے، نہ مدبّر اور نہ شعراء کو جن کے کارنامے ابھی تک دنیا میں مشہور ہیں بلکہ ان متبرک ہستیوں کو بڑا جانا ہے۔ جن کی عظمت اس میں ہے کہ وہ خود کیا ہیں اور اُنہوں نے کون کون سے کام کئے۔ وہ لوگ جنہوں نے دوسروں کے دلوں پر بڑا اثر کیا ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اچھائی کا معیار بلند کیا۔ اُنہوں نے اس دنیا میں جہاں ہر ایک ذاتی مرتبہ اور عزت حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے یہ ثابت کر دیا کہ خدا کی ہستی کس قدر بلند ہے۔ دنیا کی پریشانیوں اور اپنی مفلسی میں اُنہوں نے وہ کام کئے جو ابھی تک ان کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

تواریخ کے اوراق پر نظر ڈالئے۔ ہم کو ان کے اندر کیا ملتا ہے۔ قومیں اور تہذیب ہمیشہ زندہ نہیں رہتیں۔ وہ ترقی کرتی ہیں عروج پر ہوتی ہیں۔ برباد ہوتی ہیں۔ مر جاتی ہیں۔ عظیم الشان یونانی تہذیب ۸۰۰ سو برس تک زندہ رہی۔ رومی تہذیب ۹۰۰ برس تک اور بائی زنٹیم (Byzantium) ۱۰۰۰ برس تک۔ موجودہ تہذیب میں تباہی کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔

ان سب کے کیا معنی ہیں ؟ وہ تہذیبیں جن کا دارومدار مذہب پر ہوتا ہے وہ زیادہ دیرپا ہوتی ہے۔ بہ نسبت ان تہذیبوں کے جن کی بنیاد ظلم پر، خاص دلیل پر اور مادی ترقی پر ہوتی ہے۔ مبارک ہستیاں وہ ہیں جو سلیم طبع ہوں۔ کیوں کہ دُنیا ان سے میراث لے گی۔ آخر میں دُنیا اسی کی ہے جو دُنیا سے لگاؤ نہ رکھے۔

دُنیا میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی قیمت شہروں اور قوموں سے کہیں زیادہ ہے۔ ہندوستان ان قیمتوں سے لگاؤ نہیں رکھتا، جن کا لگاؤ وقت سے ہو، بلکہ ان سے رکھتا ہے جن کا تعلق و اہمیت سے ہو۔ یہ ہمارا افتخار ہے کہ ہندوستان کے ہر زمانے اور ہر گوشے میں ہم نے ایسی ہستیاں پیدا کی ہیں جو اس نصب العین کے علمبردار تھے۔ موجودہ زمانے میں بھی کچھ ہستیاں ایسی ہیں جو ہم کو بتاتی ہیں کہ حرف ابد پر ایمان رکھنے سے دنیا میں قوت و سیاست کے کابوس سے ہم کو چھٹکارا مل سکتا ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب نفرت کے اصول کو محبت کے اُصول سے بدل دیا جائے۔

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ مذہب ہمارے لئے ایک مصیبت ہے۔ انسان کی ترقی اس سے رُکی ہوئی ہے۔ سماج کو کنگال کر رکھا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ جس قدر جلدی ہم کو اس سے نجات مل سکتی ہے مل جائے۔ لوگوں کا منشا یہ ہے کہ وہ مذہب کو موجودہ جگہ سے ہٹا دیں۔ دلائل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم مذہب پر بھروسہ نہیں کرتے۔ جب دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم ڈکٹیٹر کامیاب ہوگیا اور ایک بھری پُری سلطنت دنیا سے نیست و نابود ہوگئی۔ وہ پوچھتے ہیں کہ کیا خدا ہے۔ کیا وہ نیکی کا بدلہ دیتا ہے کیا یہ صحیح ہے کہ وہ کچھ انسانوں کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔ میرا مطلب ان لفظوں سے یہ ہے کہ مذہب بذاتِ خود زندگی کی جلاوطنی میں ہے۔ سچی عبادت زندگی کے ہر روز کے کاموں میں مفید ثابت ہوئی ہے۔ ہم زندگی کے ابدی اُصولوں سے انکار نہیں کر سکتے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہماری سیاسی و تمدنی کاموں میں بے دستوری پیدا کرتی ہیں۔ فرض کیجئے ہم نے اپنی تمدنی زندگی کو ترتیب دے لیا۔ فرض کیجئے کہ ہماری میونسپلٹی نے عمدہ سڑکیں مفت نل کا پانی اور اچھے ریڈیو مہیا کر دے۔ کیا ہم ان چیزوں سے مطمئن ہوں گے۔ کیا آج کل کی دُنیا کے امیر سب سے زیادہ پریشان نہیں ہیں۔ امریکہ میں سب سے زیادہ خودکشی امیر اور دولت مند لوگوں میں ہوتی ہے غریبوں میں نہیں۔ کیا رشک، حماقت، غرور اور نفرت اس وقت ہمارے پاس نہ ہوں گے جب کہ دولت ہم کو زندگی کے سارے آرام خرید کر مہیا کر دے گی۔ نہیں حماقت اور خود غرضی ذاتی تعلقات کو برباد کر دے گی۔ ہم کو خیال رکھنا چاہئے کہ تمدنی فائدے کے علاوہ کوئی فائدہ اور بھی ہے۔ مادّی چیزوں پر اکتفا کرنے میں اصلی خوشی حاصل نہیں ہوگی۔

انسان زندہ رہتا ہے ایک ایسے مقصد کے لئے جس کو وہ دیکھ نہیں سکتا۔ وہ اس پر راضی ہے کہ بھوک کی تکلیف برداشت کرے۔ پیاس کی مصیبت اُٹھائے۔ جسم کو ہر طرح کی تکلیف دے۔ تاکہ وہ اپنی رُوح کو سمجھ سکے۔ کیا یہ سب اس کا خبط ہے ؟ نہیں دُنیا کو ہم ترتیب دیتے ہیں تاکہ ہر انسان آرام سے رہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ سب کے ذہن میں دنیا کی بڑی قیمت کی محبت پیدا کی جائے۔

رشید افضل

وطنیت

ازمحترمہ رفیعہ کرمانیہ (ایس. آر. کے. مصنفہ "نیرنگ")

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور　　ساقی نے بنالی روش جور و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور　　تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

مجھے اپنی زندگی کے وہ دن اچھی طرح یاد ہیں جب اباجان خلافت کے سلسلہ میں قید و بند کی سخت تکلیفیں اٹھانے کے لئے جیل گئے. گھر میں ایک ہنگامہ خونفشاں برپا تھا مگر جن دلوں میں اس کی معنوی حیثیت کا احساس تھا ان کے سر فخر اور سرور کی بلندیوں سے اونچے تھے. انہوں نے وہ کیا تھا جو ایک ذی حس شخص کے لئے زیبا تھا. میں اس وقت کچھ زیادہ سوچنے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی. چچا میاں خوش تھے اور اماں جان غم زدہ. میرے لئے ان کے غم میں شرکت ضروری تھی مجھے ان کے حال پر ترس آتا تھا اور میں کہتی تھی جیل مجرم جاتے ہیں اباجان نے ناحق یہ دردسری مول لیا جو اتنی بڑی ذلت اُٹھانی پڑی.

اس کے بعد زمانہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا رہا اور حالات نے یہاں تک کروٹ بدلی کہ جیل جانا ہر ذی حس اور دردمند دل کے لئے موجب عزت بن گیا. ہر شخص وطن پرستی کے جذبہ سے معمور تھا. قوم اور وطن کی خدمت کرنا ہر ایک کے لئے باعث فخر تھا. تاہم میرے لئے یہ نظارے کچھ باعث تشفی نہ تھے میں سب کا جوش اپنی نظروں کی پوری گہرائی سے دیکھتی مگر معنوی حیثیت سے اس میں کوئی بلند آہنگی نہ پاتی تھی. میرے خیالات کسی انتہا تک نہ پہنچتے تھے. اور میں اکثر ایک کشمکش اور الجھن میں پڑی رہتی کہ وطن پرستی چیز کیا ہے اور دنیا میں یہ جو ہنگامہ برپا ہے اس کا مقصد دراصل صحیح ہے یا غلط. ایک دن میں صحن باغ میں گلابی پھولوں کی چھوٹی جھاڑی پاس مخملی سبزہ پر تنہا بیٹھی تھی. سرد ہلکی ہوا دل کو تازگی بخش رہی تھی اور شام کی زرد کرنیں اپنی حسین اور مدہم روشنی سے فضا کو دل پذیر رنگینی سے بھر رہی تھیں اتنے میں ڈاکٹر ایاز کے آنے کی خبر ملی میں اٹھ کر تھوڑی دور ایک بنچ پر جا بیٹھی. ڈاکٹر ایاز ایک لائق اور مشہور فلاسفر تھے. اس میں شبہ نہیں کہ اللہ نے انھیں بے مثل اعلیٰ دل و دماغ عطا کیا تھا اخلاق میں ان جیسی بلند رتبہ ہستی آج تک میری نظر سے نہیں گذری. میں نے دلی مسرت سے ان کا خیر مقدم کیا. کچھ دیر ہم دونوں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے پھر اس خیال کے مطابق جو اکثر میرے دل میں کارفرما رہتا تھا میں نے سلسلۂ کلام چھیڑا "کیوں ڈاکٹر صاحب اس وقت میرے ذہن میں ایک سوال آیا ہے اگر آپ اجازت دیں میں اُس کے پوچھنے کی جرأت کروں". "در شوق سے کہئے، آپ کیا دریافت کرنا چاہتی ہیں".

"مجھے اکثر خیال آیا کہ آپ ایسے قابل اور لائق ہوکر زندگی کے ہر ہنگامہ سے آخر اس قدر علیحدہ کیوں رہتے ہیں. آپ چاہیں تو اپنے

وطن اور ملک کی بڑی سے بڑی خدمت سرانجام دے سکتے ہیں۔ دنیا میں ایسی ہستیاں خدمت وطن کر رہی ہیں جو دراصل اس کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ تاہم جیسے بھی بن پڑتا ہو کوئی امکانی کوشش نہیں اٹھا رکھتا۔ آپ ماشاء اللہ ہر طرح اس کے اہل ہیں پھر بھی آپکو سمیں کوئی شغف نہیں ہے۔

ایاز نے ہلکے تبسم سے اپنا چہرہ رومال سے پوچھتے ہوئے کہا۔ "اچھا! اب سمجھا! لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپکے اس سوال کا جواب کیا دوں کیونکہ میں "تو ع مسلم ہوں میں وطن ہے سارا جہاں میرا" کے اصول پر عمل رکھتا ہوں"۔ "تو ملک اور وطن کی خدمت آپ کی نظر میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی؟" "کیوں نہیں؟ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اسلام کا سچا نام لیوا اس جذبہ کو کوئی معنوی حیثیت دے سکتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں دنیا کی ہر جگہ ہمارا وطن ہے۔ اور ہر ملک کی خدمت اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی کہ اپنے وطن کی۔ اسلام کا زور اسلام کا غلغلہ اور قانون ہے۔ نور ایمان سے دنیا کو روشنی بخشئے۔ بنی نوع انسان کو ہر امکانی فائدہ پہنچائیے۔ اپنی ہستی کا رہبر کے لئے وقف کر دیجئے۔ اس میں ہندوستان اور انگلستان کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ آپ اپنے وجود سے دنیا کا ہر گوشہ روشن کر سکتی ہیں۔ آپ کی ذات میں ایمان اور صداقت کا جوش ہونا چاہیئے۔ دنیا کا ہر چپۂ زمین آپ کی خدمت کا محتاج ہے آپ ایک جگہ کو اس کے لئے مخصوص کیسے کر سکتی ہیں۔ دنیا ایک وسیع عمارت ہے اور اس میں سے گزرنے کے لئے بے شمار راستہ ہمارے لئے کھلے ہیں۔ ہم ایک جگہ جم کر نہیں رہ سکتے۔ ہمارا چکر اس بڑی عمارت میں ہر جگہ ہے۔ اور جس طرح لائق مکین اپنے وجود سے مکان کا ہر گوشہ منور کرتا ہے اور ہر چیز کی دیکھ بھال فرض سمجھتا ہے بعینہ یہی حال ہماری زندگی کے اغراض کا ہے۔ دنیا کی ہر زمین ہماری ملک ہے اور ہم اس کے اہل ہیں۔ تو اپنی ذات سے ہم کو ہر طرح فائدہ پہنچانا چاہیئے۔ خدا نے ہم کو اسی لئے عقل دی ہے کہ ہم اُس کی مدد سے اپنے جسم کے ہر عضو کو مفید حرکات کا پابند بنائیں۔ آپ اپنی زندگی کا بلا شک کوئی لائحہ عمل پیش کیجئے۔ مگر ایک دائرہ میں محدود رہ کر نہیں۔ دنیا ایک سمندر ہے۔ صحیح طور پر شناوری کیجئے۔ اس سمندر کی تہہ میں ہزاروں قیمتی موتی چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں چن لیجئے۔ اور ان کو صحیح مصرف میں لائیے۔ اور پھر اپنی زندگی کی قدر وقیمت کا اندازہ لگائیے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی ہستیاں بھی آپ کے آگے جبین عقیدت جھکا دیں گی۔ وطن پرستی کا جذبہ تخلیق انسانی کا کوئی مفہوم نہیں پیش کرتا یہ وہ تخیل ہے جو زندگی کے حقیقی مفاد کی کوئی غرض وغایت نہیں رکھتا۔ جس کو نہ اخلاقی نقطہ نظر سے کوئی بلندی حاصل ہے نہ مذہبی ...."

وہ کچھ عجیب جذبات سے مغلوب ہو کر کہہ رہے تھے اور میں محو سکوت تھی۔ ان کی زندگی کے اغراض اور مقاصد کیا تھے یہ کسی سے پوشیدہ بات نہ تھی۔ ان کی زندگی دراصل اخلاق کی اعلیٰ بلندیوں سے معمور تھی۔ جس میں مذہب اور اسلامیت کی شان اپنا جلوۂ بہار دکھا رہی تھی۔ آج تک کسی نے ان کی نماز قضا ہوتے نہ دیکھی۔ رمضان شریف کے پورے روزے وہ دس بیس بھوکوں کا پیٹ بھر کر جس پابندی سے رکھتے تھے اس پر زمانہ کو ان جیسی مایۂ فخر ہستی پر ناز تھا۔ وہ دردمندوں کے چارہ گر اور غریبوں کے دادخواہ تھے۔ آج اگر دنیا ان جیسی بردبار اور دردمند ہستیاں کچھ اور پیدا کر دیتی تو یہ ظلمت اور گمراہیوں کے بادل چھٹ جاتے۔ ایمان کا

وہ سچا جوش جوان کے دل میں تھا اگر آج چند اور دلوں میں بھی پیدا ہو جائے تو اسلام کی یہ بوسیدہ ٹہنی جو ہمارے بے پناہ لغزشوں سے ہر روز اور زیادہ سوکھتی چلی جا رہی ہے از سر نو تازہ ہو جائے۔

وہ جو حب الوطنی کے جوش میں بڑے بڑے پلیٹ فارموں پر کھڑے ہو کر وطن اور قوم کے نہ تمام ہونے والے نعرہ لگاتے ہیں جن کی زندگیاں اس کار خیر کے لئے وقف ہو چکی ہیں۔ وہ غور کریں کہ انسانی تخلیق کے مقاصد کو انہوں نے کسی حد تک پورا کیا ہے اور خود اپنی زندگی اور دوسروں کی زندگیوں کو اپنی نیکیوں سے کتنا فیض پہنچایا ہے۔ مجھے اس وقت ایاز سے وہ دلی عقیدت محسوس ہوئی جس کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ میں نے ایک بار ان کو ارادت مندانہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ نگاہیں جو میرے دل کی اتاہ گہرائیوں میں ارادت کا ایک روشن دیا جلا رہی تھیں اور جس کی فیض بخش شعاع مجھے ایک لطیف حلاوت کا احساس دے رہی تھی۔

اب شام زیادہ ہو چکی تھی۔ ہلکی ہلکی تاریکی فضا پر چھا گئی تھی ہوا میں خنکی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ ایاز نے مجھ سے وہاں سے اٹھنے کی خواہش کی۔ چنانچہ ہم دونوں اندر لوٹ آئے۔.......
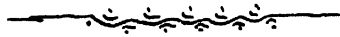
زمانہ بتدریج اپنی رفتار میں بڑھتا رہا۔ ہر طرف وطنیت کے اغراض و مقاصد زیر بحث تھے۔ پر اس ہنگامہ پُر جوش میں آج بھی ڈاکٹر ایاز کی زندگی اس تخیل سے بیگانہ تھی ان کی زندگی کے اغراض آج بھی اس سے بہت مختلف تھے۔ ان کی مصروفیتوں کی اب کوئی انتہا نہ باقی رہی تھی۔ خدا نے ان کو وافر دولت، بے مثل فطانت اور بیدار مغزی کے ساتھ دلوں کو عقیدت بھرنے والی انمول صفت عطا کی تھی ان کے ایک اشارے پر ہزاروں سر نیاز جھک جاتے۔ انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے کام سرانجام دئے۔ ان کی ذات سے بندگان خدا کے بے انتہا فوائد وابستہ تھے۔ ان کا ہر قدم ہمیشہ سچائی اور نیکی پر اُٹھتا۔ انہوں نے کتنے ہی محتاج خانے اور یتیم خانے کھولے کتنے دردمندوں اور محتاجوں کی مدد کی۔ اس کے باوجود کہ ان کو ہندوستان میں رہنے کے مواقع کم ملتے اور زیادہ وقت اسلامی ممالک کے سفر اور مصروفیتوں میں گزرتا۔ تاہم وہ یہاں کی بہتری سے غافل نہ تھے ان کا فیض عام تھا۔ ٹرکی میں ایک ہوائی محکمہ کی ترقی میں انہوں نے ہزاروں روپیہ صرف کیا اور انگلستان میں ایک عربی تعلیم کا مدرسہ اپنی جیب خاص سے جاری کیا۔ غرض ان کی زندگی خلق خدا کے فائدہ کے لئے وقف تھی۔ جس میں اسلامی شان پوری طرح جلوہ گر رہتی تھی۔

الحمرا کا ماتم

(ہسپانیہ کی گذشتہ خانہ جنگی کے سلسلے میں مشہور قصر الحمرا، کی بربادی کے چند مناظر دیکھ کر یہ تاثرات پیدا ہوئے تھے)

خبر لائی ہے بادِ بُستانِ حمرا
کہ ہے خاک بر سر خیابانِ حمرا
بنا نقشِ عبرت گلستانِ حمرا
لُٹی شانِ حمرا، مٹی شانِ حمرا
کھنڈر، رہ گئے مرثیہ خوانِ حمرا

کفِ ارض پر دُرِّ نایاب تھا وہ
خمیرِ گلِ مہر و مہتاب تھا وہ!
خلافت کی آنکھوں کا اک خواب تھا وہ
کہ ماضی کی اک "یادِ شاداب" تھا وہ
جسے روتی ہیں عندلیبانِ حمرا

وہ گلزارِ جنت شمائل کہاں اب
وہ اسلام کی شمعِ محفل کہاں اب
مسلمان کے خوں کا حاصل کہاں اب
ہے غرناطہ سینہ، مگر دل کہاں اب
کہ غرناطہ کا دل تھا ایوانِ حمرا

گیا گرچہ اقبال بزمِ ادب سے
ہے تخمیں طلب اُس کا یہ شعر سب سے
"خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے"
مگر رہ گیا دل میں ارمانِ حمرا

وہ عظمت گہِ اہلِ ایماں ہے رخصت
وہ نقشِ وقارِ مسلماں ہے رخصت
وہ ایواں ہے رخصت، گلستاں ہے رخصت
بچا تھا جو کچھ وہ بھی ساماں ہے رخصت
ہے باقی فقط تُربتِ تانِ حمرا

اختر شیرانی

جواہر پارے

اطاعت والدین

خوش ہو خدا بھی تم سے خدا کا رسول بھی
ماں باپ تم سے خوش رہیں شام و سحر اگر
کتنا ہی گو سلوک کریں تم سے وہ بُرا
اُف تک نہ اُن کے سامنے لاؤ زبان پر

طلبِ حق

چھوڑ دے دنیا کے دھندے دنیا داروں کے لئے
اور عقبےٰ کے مزے پرہیزگاروں کے لئے
حق سے کر حق کو طلب وہ ڈھونڈ رفعت کا مقام
اے آزل مخصوص ہے جو حق کے پیاروں کے لئے

معرفت

آ کے دنیا میں سبھی کہتے ہیں کیا ملتا ہے
درد و غم ملتا ہے رنج اس سے سوا ملتا ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ دنیا سی کوئی چیز نہیں
اپنی ہستی کو سمجھ لیں تو خدا ملتا ہے

سچا بہادر

عرصۂ عالم میں زیرِ آسماں
ہم سمجھتے ہیں جری ہے وہ جواں
خواہشاتِ نفس کو دے کر شکست
کشورِ دل پر رہے جو حکمراں

ابو الاعجاز آزل (لاہور)

شمال کے اُس پرے

قطب شمالی کے گرد جو زمین کا حصّہ ہے اس بحر شمالی کہتے ہیں۔ روئے زمین کا سب سے بالائی حصّہ ہے۔ خود قطب ہمیشہ برف کی چمکیلی سفیدی سے ڈھکا رہتا ہے۔ جہاں بمشکل کوئی ذی روح پنپتا ہے۔ اور جو سخت جان رہ جاتے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ پالا اس کثرت سے پڑتا ہے کہ آنکھ سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور یہی آنسو جب چہرہ کے خد و خال پر سے گذرتے ہیں تو برف بن جاتے ہیں۔ قیامت ہے کہ یہاں کا موسم گرما بھی توگرم نہیں ہوتا۔ مگر دن اور رات ۲۴ گھنٹے روشنی رہتی ہے۔ سورج بغیر پلک جھپکائے اپنے پرتو نورانی سے اس خطّے کو منوّر رکھتا ہے۔ پھر دوسرے موسم گرما تک آفتاب گوہر نایاب ہوجاتا ہے۔

اس کے اطراف و نواح میں جو باشندے بستے ہیں انھیں اسکیمو کہتے ہیں۔ اسکیمو گرین لینڈ میں بھی رہتے ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ وہاں درخت نام کو نہیں ہوتے۔ تاہم وہاں کے باشندے اس زندگی سے خوش ہیں۔ وہ پست قامت ہوتے ہیں۔ ان کے بال سیاہ ہوتے ہیں۔ جلد ہلکی بھوری بلکہ زردی مائل اور آنکھیں جاپانیوں کی سی ترچھی ہوتی ہیں وہ سمندر کے ساحل پر بھی بسر اوقات کرتے ہیں۔ شکار ان کا روزمرۂ زندگی ہے۔ دریائی بچھڑے، دریائی گھوڑے، اور دریائی ہاتھی ان کے شکار کی زد کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

ان کی روزمرہ زندگی بڑی دلچسپ ہے۔ سامن مچھلی تمام دن پکڑتے رہتے ہیں۔ جو یہاں بکثرت ملتی ہے۔ ریچھ، مشک آہو، لومڑی اور برفانی بنولے کی کھال یا سمورسے لباس کا کام لیتے ہیں۔ مچھلی اور بارہ سنگھے رجن سے علاوہ گوشت کے دودھ بھی حاصل ہوتا ہے۔) اور دریائی بچھڑے ان کی غذا کا کام دیتے ہیں۔ موسم گرما میں وہ کاہی سے ڈھکے ہوئے لق و دق صحراؤں میں بارہ سنگھوں کے تعاقب میں گھومتے رہتے ہیں۔ سرما میں وہ اُن محفوظ ساحلوں پر جہاں دریائی بچھڑے رہتے ہیں، غذا کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ان کی سخت، پتھریلی، محنت پسند زندگی نے ان کو اس کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ پانی میں رہیں۔ برف میں زندگی بسر کریں۔ انھیں کبھی ہم نازک مزاج آرام طلبوں کی طرح کھانسی، زکام، نزلہ بخار نہیں ہوتا، مکان بھی برف کے تودوں سے بنائے جاتے ہیں۔ گویا اس طرح مشکلیں اتنی پڑیں ان پر کہ آسان ہوگئیں

برف کی سلوں سے چنا ہوا مکان جس کی چھت پر بھی برف ہی کی سل رکھی جاتی ہے جب بن سنور کر تیار ہوجاتا ہے تو بعینہٖ اس کی شکل ایک بڑے سیب کے اس نصف کے مانند ہوجاتی ہے جس کو الٹا رکھ دیا گیا ہو۔ اس مکان کو "اگلو" کہتے ہیں۔ سب سے پہلا کام جو اسکیمو اس مکان میں داخل ہونے کے بعد کرتا ہے وہ آگ کا روشن کرنا ہے۔ جس کی حرارت سے برفانی سلیں بتدریج پگھلنے لگتی ہیں۔ اور پھر آگ ٹھنڈی کر دی جاتی ہے۔ نیز یہ برف کی کاغذی دیواریں

انتی سخت اور سرد ہو کر رہ جاتی ہیں کہ پھر تمام یہی کاغذی پیرہن لئے ہوئے موسم سرما کی آگ کا مقابلہ کرتی ہیں۔

"اگلو" کی آرائش کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہوتا۔ جانوروں کی کھالوں سے وہ کام لیا جاتا ہے جو ہم ایرانی قالین سے لیتے ہیں کمرہ کے ایک حصہ میں ایک بڑے تختہ کا پلنگ ہوتا ہے جو دن میں صوفہ کا کام دیتا ہے۔ پکوان کی جگہ بھی مخصوص ہوتی ہے۔ بعض اسکیمو خاندان موسم سرما گذارنے کے لئے پتھر کے مکان بنا لیتے ہیں۔ لیکن خواہ یہ مکان پتھر کے ہوں یا برف کے ان کی طرز زندگی میں فرق نہیں ہوتا۔ مکان میں وہ جانگیہ کے سوا اور کچھ نہیں پہنتے۔ رات کو پورا خاندان ایک بڑے تھیلے کے اندر جو ریچھ کی کھالوں کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ ایک ہی جگہ سوتا ہے۔ تاکہ ان کے جسم کی حرارت انھیں گرم رکھ سکے۔ جب کڑاکے کی سردی پڑتی ہے تو صبح اٹھنا عذاب جان معلوم ہوتا ہے۔ کپڑے تک سردی سے اکڑ جاتے ہیں۔ اس لئے انھیں پہننے سے پہلے خوب مارا پیٹا جاتا ہے۔ اور یہی اسکیمو کی صبح کی ورزش بن جاتی ہے جس جد وجہد سے ان کی جسمانی حرارت قائم رہتی ہے۔

ان کا سارا لباس جانوروں کی کھالوں سے تیار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حصہ ملک میں کوئی اور چیز کپڑا بنانے کے لئے نہیں ملتی۔ عورتیں بہترین خیاط ہوتی ہیں۔ ان کو سوئی تو کہاں مل سکتی ہے۔ مگر وہ ہڈیوں سے اس کا کام لیتی ہیں۔ یہاں تک کہ سلائی کے سارے اوزار ہڈیوں کو تراش کر تیار کر لیتی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم لباس کوٹ ہے جس کے ساتھ کنٹوپ وابستہ رہتا ہے۔

اسکیمو بچے لڑکپن سے ہی عملی تعلیم کے عادی ہوتے ہیں۔ چھوٹے لڑکے اپنے باپ کے ساتھ شکار کرنے اور مچھلی پکڑنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنی ماؤں کی ہر ممکن مدد کے لئے تیار رہتی ہیں۔

اسکیمو کا بہترین معاون جو اس کی شکاری زندگی کا رفیق ہوتا ہے، اس کا کتا ہے۔ یہ کتے بہت قوی اور خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ چینی کتوں کی مانند اپنی صبا رفتاری اور قوت برداشت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

منجمد شمالی میں شکار ایک خوفناک ارادہ ہے۔ لیکن اسکیمو اپنے پالتو کتوں کو لئے ہوئے اس کے لئے دیوانہ وار نکل جاتے ہیں۔ خواہ مطلع صاف ہو یا طوفانی، کوئی رکاوٹ ان کے سدّ راہ نہیں ہوتی۔ شکار ان کے روزمرّہ میں اسی طرح شریک ہے جیسے ہمارا مطالعۂ کتب یا اخبار بینی۔ اسکیمو بحری شکار کو بری شکار پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اس کے لئے اس کو بہت سی سہولتیں ہیں۔ شکار کے بعد کھال اور گوشت کا کافی ذخیرہ ہر ایک کی ملک ہوجاتا ہے۔ شکاری کھالوں کو تو بالعموم اپنے لئے رکھ لیتا ہے لیکن گوشت پورے قبیلہ کی ایک مشترکہ جائداد بن جاتا ہے۔ کسی بڑے شکار کے بعد عموماً ایک بڑی دعوت ہوتی ہے۔ ان کے کھانے کے برتن چمڑے یا پتھر کے ہوتے ہیں جن کو دعوت کے موقع پر شکار کے گوشت، تازہ اور خشک مچھلی، دریائی ہاتھی کی کھال اور دریائی گھوڑے کے تیل سے لبالب بھر دیا جاتا ہے۔ ان کے بعض نفیس و لذیذ کھانے ہمیں انتہائی مکروہ و عجیب معلوم ہوں گے۔ مثال کے طور پر ہم بارہ سنگھے کی بوٹی یا اوجھڑی

ترکاری کی طرح کھانا پسند نہیں کریں گی اور دریائی بچھڑے کی سری پائے اور کلیجی سے بھی ہم کو گھن آئے گی۔ یہ اسکیمو کی مرغوب ترین غذا ہے۔ ان عجیب و غریب کھانوں کے علاوہ وہ دو سالہ دریائی بچھڑے کا خون پیتے ہیں۔ یہ گویا ان کی شراب ہی۔ ان کی بعض حرکات اتنی بھونڈی ہوتی ہیں کہ ہمیں ان کے خیال سے ہی متلی اور گھن شروع ہو جائے۔ وہ چربی اور خون کھاتے، پیتے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ان کی مالش کرتے ہیں۔ اس قسم کے بے ڈھنگے سنگار کے بعد ان کی صورتیں ڈراؤنی اور ہیبت ناک ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس سے ان میں ایک قسم کی چہل پیدا ہو جاتی ہے۔ کھانے کو جب بیٹھتے ہیں تو سیروں گوشت کھا جاتے ہیں۔ اور خوبیں شراب خوب سیر ہو کر پیتے ہیں جس کے بعد ان میں ایک قسم کا سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ تب ان میں سے ایک کھڑا ہوتا ہے اور گانا ناچنا شروع کر دیتا ہے۔ بہت جلد خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے اور یکے بعد دیگرے اُٹھتے جاتے ہیں۔ اس کے ہم آہنگ بن کر سُر ملانے لگتے ہیں۔ موسم گرما میں اس نادر و عجیب دعوت کا سلسلہ دو دو دن تک قائم رہتا ہے جس کی تکان سے وہ آخر اُکتا کر وہیں پڑ کر سو جاتے ہیں۔

یوں بھی اسکیمو جنگ و جدل کے عادی نہیں۔ اور اگر کبھی اتفاق سے کسی کے ساتھ جھگڑا ہو جائے تو اس کا تصفیہ موسیقی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ دو دشمن ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو جاتے ہیں جن کو ایک کثیر مجمع گھیر لیتا ہے۔ اور اپنی بنائی ہوئی نظموں کو جو عام طور پر اپنے حریف کی ہجو میں ہوتی ہیں گانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ شخص جس کی نظم بہترین ہوتی ہے اور جو اپنے حریف کی بہترین طور پر ہجو کر سکتا ہے۔ وہ بازی لے جاتا ہے۔ اور یوں اس جھگڑے کا خاتمہ ہوتا ہے۔

جب اسکیمو شادی کرنا چاہتا ہے تو جس لڑکی سے اس کو محبت ہوتی ہے اس کو بھگا لے جانے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ اور موقع ملا تو اس کو بھگا لے جاتا ہے۔ اسکیمو کے لئے بیوی حقیقت میں ایک دوست ہوتی ہے اور ایک کنوارا اسکیمو ہمیشہ غریب ہی ہوتا ہے۔ بہت سے کام ایسے ہیں جنھیں صرف عورتیں ہی انجام دے سکتی ہیں۔ مثلاً کھالوں کا صاف کرنا اور ان کا تیار کرنا۔ کسجاک (کشتی) کی نگرانی اور صفائی۔ پکوان، سلائی، کتوں کی نگرانی۔ غرض ان کی بوڑھی عورتیں بھی بیکار نہیں بیٹھتیں۔ اگر وہ کچھ بھی نہ کر سکتی ہوں تو ایک کونہ میں بیٹھ کر چمڑے کو چباتی رہتی ہیں تاکہ وہ اس قدر نرم ہو جائے کہ آسانی سے چبایا جا سکے۔

اسکیمو کی ایک رسم بڑی المناک اور بے رحمانہ ہے۔ جب موسم خزاں میں برف کے سفر کا آغاز ہوتا ہے تو ان سب لوگوں کو جو بیماری یا ضعیفی کی وجہ سے سفر کے اہل نہیں ہوتے یکہ و تنہا اس منجمد علاقہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جہاں مصائب جھیل جھیل کر وہ موت کی میٹھی نیند سو جاتے ہیں۔ لیکن اب یہ رسم قریب قریب متروک ہو چلی ہے۔ کیونکہ فرنگیوں کی وجہ سے ان کی طبی معلومات میں کافی اضافہ ہو چلا ہے۔ اور انھیں چند ضروری دوائیں مل جاتی ہیں۔ جنہیں ضرورت کے وقت بیماروں کے استعمال میں لایا جاتا ہے۔

انہی فرنگیوں کے طفیل اب اسکیمو کو قہوہ کا چسکہ لگ گیا ہے۔ اور وہ ایک ایک وقت میں کئی کئی سیر قہوہ پی جاتے ہیں

قہوہ اور تمباکو کے معاوضہ میں وہ کھال، گوشت اور مچھلی دیتے ہیں۔ فرنگیوں سے خوب خلا ملا ہو رہا ہے۔ اور اس طرح انھیں ضروریات زندگی کی بہت سی چیزیں وقتاً فوقتاً ملتی رہتی ہیں۔ وہ چقماق کی جگہ دیا سلائی، عورتیں ہڈی کی بدوضع سوئیوں کی بجائے لوہے کی دو صد ارسوئیاں پاکر اتنے بو کھلا جاتے ہیں جیسے بچے نئے نئے کھلونوں سے خوش ہو جائیں یہ ان کے معاوضہ میں ڈھیروں کھال دیدیتے ہیں اور اس کا انھیں احساس تک نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہی وہ اسکیمو ہے جسے شکاری جانوروں کی کھال اپنی کھال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اس لئے اسکیمو انھیں خدا نہیں تو خدا کا اوتار تو ضرور سمجھتے ہیں۔

بعض حرکات ان کی نہایت عجیب و غریب ہیں۔ مثلاً مہمان کی پیالی میں قہوہ ڈالنے سے قبل اسکیمو کی بیوی اس میں تھوکتی ہے۔ گویا وہ اس طرح اپنے ضمیر کو دھوکہ دیتی ہے۔ کہ حقیقت میں پیالی بالکل صاف ہے۔ اور یہ بھی مہمان کی ایک اہم خاطر مدارات ہے۔

تلاش

چاند آہستہ آہستہ طلوع ہو کر قریب کی گھنی جھاڑیوں میں سے اس طرح جھانک رہا تھا۔ جیسے اس کا کوئی شریر دوست ان درختوں کے جھنڈوں میں چھپ گیا ہے اور اس کی متلاشی نگاہیں اس شریر کو تلاش کر رہی ہیں۔

گلاب کے پودے پر ایک سیاہ بھنورا بے اختیار چکر کاٹ رہا تھا۔ نیم شگفتہ غنچے اس لئے اس وارفتگی پر ہنس رہے تھے! یکایک بھونرا چمن کے کسی گوشے میں غائب ہو گیا.... چلا گیا.... جانے کس کی تلاش میں محو ہو گیا!!!
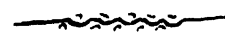
ٹھنڈی ٹھنڈی پر کیف ہوا کے جھونکوں میں جھولتے ہوئے چنبیلی کی ننھی ننھی کلیوں نے مسکرا کر چشم تلاش وا کر دیں اور محو جستجو ہو گئیں!! اس تجسس سے اس کا رنگ زرد ہو گیا مگر شبنم نے اس کا منہ دھلا کر انہیں تازگی بخشی اور ہوا کے ایک لطیف جھونکے نے رخسار سیمیں کو بوسہ دے کر تسلی!

رات سنسان اور اداس تھی ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اونچے اونچے درخت رات کے سناٹے میں خوفناک دیو کے مانند کھڑے نظر آ رہے تھے۔

قریب ہی آم کے درخت پر کوئی پرندہ پھڑپھڑایا اور خاموشی کو چیرتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے پروں کی سرسراہٹ سے فضا میں خفیف سا ارتعاش پیدا ہوا اور پھر خاموشی میں تحلیل ہو گیا۔ آہ۔ بدنصیب پرندے!!! رات کی بے پناہ خاموشیوں .... میں تجھے کس کی تلاش ہے۔

جہاں بانو۔ ایم اے

سیدہ اشرف

رفیق حیات

"شوہر کا روزنامچہ"

۱۹۔اپریل ۲۷ء

نو بج رہے تھے مزدور کب کے کھیتوں میں جا چکے تھے میں کھیت پر جانے کے لئے تیار بیٹھا تھا روشنک بستر پر پڑی رو رہی تھی میرا خیال تھا رضیہ آکر اُسے سمجھائے گی لیکن وہ روتی ہی رہی رضیہ نے اُس کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا تو مجھے اُس کی یہ حرکت ناگوار گزری میں نے کہا "خانم کیا کر رہی ہو؟ اس کو منا لو ورنہ وہ رُو رو کر سارا گھر سر پر اُٹھالے گی۔

وہ بولی "کیا کروں اس کو مناؤں یا کھانا پکاؤں اتنی دیر تو ہو گئی ہے رونے دو آپ ہی تھک کر چپ ہو جائے گی"۔

میں نے کہا "مجھے اُس کا رونا اچھا نہیں معلوم ہوتا اگر وہ یوں ہی روتی رہی تو اُسے ضد کی عادت پڑ جائے گی"

"بچی کی تربیت کا خیال ہے تو خود چپ کیوں نہیں کرلیتے۔ ایسا کونسا کام کر رہے ہو جو اتنی بھی فرصت نہیں"۔

"دیکھو خانم مجھے اتنا پریشان نہ کرو ورنہ میں اُس کی شادی بیگم آپا کے بچے سے کردوں گا تاکہ وہ تمھارے پکانے ریندھنے میں مخل نہ ہو اور نہ مجھے پریشان کرے"؛ میں نے ازراہ تمسخر یہ ہتھیار اس لئے استعمال کیا تھا کہ وہ دوڑ کر اُسے گود میں اُٹھا لے گی اور میں منانے کی زحمت سے بچ جاؤں گا لیکن جب یہ حربہ کارگر نہ ہوا تو میں نے مجبور ہو کر روشنک کو گود میں اُٹھا لیا اور بہلانے لگا وہ رو رہی تھی میری عقل کام نہیں کرتی تھی کہ کس طرح اُس کو چپ کراؤں۔

رضیہ باورچی خانے میں بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی۔ وہ میری پریشانی دیکھ کر ہنسنے لگی مجھے غصہ آیا لیکن میں نے ضبط کیا اور روشنک کو گود سے اُتار کر اُس کے ہاتھ میں اُس کا باجا دے دیا وہ رونا بھول گئی اور باجے سے کھیلنے لگی میں بیٹھک میں چلا گیا پھر تھوڑی دیر بعد کھانا کھا کر کھیت کی طرف نکل گیا۔

۲۰۔اپریل ۲۷ء

گرمی کا موسم تھا آفتاب دور افق میں غروب ہو رہا تھا گھر کے سامنے کا تالاب خشک پڑا تھا چرند پرند اپنے اپنے آشیانوں کی طرف اُڑ کر آرہے تھے راستے سے کچھ دہقان اونچی آواز میں بات چیت کرتے جا رہے تھے اُن کے پیچھے اُن کی گھر والیاں بھی تھیں وہ اپنے کھیتوں سے گھر کی طرف آرہے تھے میں اور رضیہ برآمدے میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے میری نظر اُس چرواہے پر تھی جو بانسری بجاتا گایوں کا گلہ ہانکتا بستی کی طرف آرہا تھا رضیہ کا بشرہ گواہی دے رہا تھا کہ کوئی پیچیدہ مسئلہ حل کر رہی ہو۔

میں نے ایک منٹ تک اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا "کس سوچ میں ہو خانم؟"

وہ چونکی اور دوپٹہ سنبھال کر بولی "پوچھ کر کیا کروگے آج میں کئی روز سے کہہ رہی ہوں کہ تم بیگم آپا کو ایک خط لکھ کر اپنے قصور کی معافی مانگ لو لیکن تمھاری عجیب رٹ ہو کہ وہ میرا قصور معاف نہیں کریں گی میں تمہیں یقین دلاتی ہوں اگر اُنھوں نے

تمہارا قصور معاف نہیں کیا تو میں تمہاری وکیل بن کر قصور معاف کرالوں گی۔"

بات اصل یہ تھی کہ آج سے دو سال پہلے میری شادی کے وقت کچھ ایسی رکاوٹ پیدا کی گئی تھی کہ مجھے امید نہ تھی شادی ہو گی میں بالکل مایوس ہو چکا تھا لیکن خدا میری خانم کی عمر دراز کرے اُس کی ہمت سے یہ شادی ہوئی ورنہ یہ عجیب وغریب شادی کبھی ہوتی ہی نہیں۔

بہرکیف تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مصداق میں نے کچھ دلچسپ گستاخیاں کیں اس سلسلے میں میں نے ایک مضمون لکھا "شادی میں رخنہ اندازی" اُس میں اپنے سسرال والوں پر کچھ طنز تھا کچھ چوٹیں تھیں لیکن اب مجھے تجربہ ہوا کہ وہ میری محض ناتجربہ کاری تھی جو میں نے ایسے روشن خیال ومخلص بزرگوں کے متعلق غلط رائے قائم کی حالانکہ میرے سسرال کا بچہ بچہ نہایت سنجیدہ اور خوش اخلاق ہے اب میں اپنی جلد بازی پر غور کرتا ہوں تو مجھے ندامت محسوس ہوتی ہے۔

رضیہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "غلطی انسان سے ہی ہوا کرتی ہے تم کو معلوم نہیں وہ مجھ سے کتنی محبت کرتی ہیں وہ کیا خیال کریں گی۔"

میں نے کہا "خانم غلطی تو مجھ سے ہوئی لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مضمون لکھنے سے قبل اگر میں تمہاری رائے لے لیتا تو خوب ہوتا کیونکہ فی زمانہ منگیتر سے خط وکتابت معیوب نہیں سمجھی جاتی۔"

رضیہ منہ بنا کر بولی "اچھے ہوا اتنا تو مجھے رسوا کیا کہ سب کے مذاق کا میں ایک کھلونا بن گئی تھی میرا کمرے سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا تھا پھر بھی دل نہیں بھرا اور کہتے ہو خط لکھ کر پوچھ لیتا بڑے آئے خط لکھ کر پوچھنے والے۔"

"بھئی ناراض تو نہ ہو تمہاری تیوری پر بل دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

"جب ہی شادی سے پہلے لوگوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ تمہارا دماغ خراب ہے۔

قاعدے کی بات ہے ایک حاکم کو دنیا چاہے کچھ ہی کہہ لے اُس کو اُن کا کہا اتنا ناگوار نہیں گزرتا جتنی اُس کے محکوم کی کوئی بات بھی اثر انداز ہوتی ہے بس مجھے غصہ آ گیا میں نے کہا "پھر تم کیوں ایک پاگل سے شادی کرنے پر رضامند ہوئیں" اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ کرسی سے اُٹھ کر سامنے کے خوش قطعہ باغ میں ٹہلنے لگی۔

۱۲ اپریل ۳۷ء

"میں ناشتہ کر رہا تھا اور دل میں کل کا غبار بھرا ہوا تھا رضیہ ایک کرسی پر بیٹھی میرے تکیے کا غلاف سی رہی تھی میں نے اُس کو چھیڑنے کے لئے کہا "معلوم نہیں خدا کی عورتوں کے بنانے میں کیا مصلحت تھی۔"

اُس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا "تمہاری غلامی کے لئے۔"

میں نے کہا "یہ درست ہے عورت اسی لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ مرد کی غلامی کرے۔"

"بس رہنے دو مجھے تمہاری لفاظی پسند نہیں اور نہ مجھے تمہاری طرح بحث کرنی آتی ہے۔"

کیا یہ صحیح نہیں کہ عورت مرد کے لئے بوجھ ہے"۔

"جب عورت مرد کے لئے بوجھ ہوتی تو دنیا میں کوئی شادی ہی نہیں کرتا"۔ وہ بولی "پھر جب میں میکے چلی جاتی ہوں تو تم مجھے جلد آنے کے لئے کیوں لکھتے ہو؟"

"طبیعت نہیں لگتی کام کاج کی تکلیف ہوتی ہے"۔

"طبیعت لگانے کے لئے کسی کو نوکر کیوں نہیں رکھ لیتے"۔

"تم اس گھمنڈ میں بھی نہ رہنا۔ پیسے سے سب کچھ ہوسکتا ہے"۔

"پیسے سے روشنک کے لئے ایک ماں بھی آجائے گی"۔

اس کا مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو میں چپ ہوگیا۔ ناشتہ ہوچکا تھا میں اُٹھنے لگا تو وہ بولی "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ پیسے سے سب کچھ ہوسکتا ہے"۔

میں نے کہا "تم کیا جانو پیسے میں وہ طاقت ہے جو چاہے کروالو"۔

"فضول بکو اس سے فائدہ؟ اُس وقت میری قدر معلوم ہوگی جب ملازم کچا پکا کھانا کھلائے گا کھیت پر جاؤ گے اور جب واپس آؤگے تو کسی کو کیا غرض جو تمھارے لئے کھانا لے کر بیٹھا رہے اور تمھارے دیر سے آنے پر پریشان ہو یہ صرف ایک بیوی ہی کرسکتی ہے"۔

"سب ہوسکتا ہے صرف پیسہ ہو"۔

"کیوں سچ کہنا کیا تم پیسے سے خانہ داری کا تمام انتظام کروالوگے ایسا تو نہیں ہوگا جیسا کہ میری غیر حاضری میں چوریاں اور نقصان ہوتا ہے"۔

میں اس جرح سے گلو خلاصی کی صورت تلاش کر رہا تھا۔ کہ اتنے میں ملازم نے آکر اطلاع دی کہ کچھ کسان آئے ہیں۔ اور مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور باہر چلا آیا"۔

۲۹۔ اپریل ۳۷ء

ایک کھیت کا قبضہ لینے کے سلسلے میں گاؤں میں فوجداری ہوگئی تھی مخالف جماعت کے کئی آدمی زخمی ہوئے اور دو تین مر بھی گئے تھے۔ گاؤں کی مالگذار ہونے کی حیثیت سے سرکل انسپکٹر پولس نے کچھ اندرونی حالات دریافت کرنے مجھے پولس اسٹیشن بلوایا تھا ہمارے گاؤں سے پولس اسٹیشن گیارہ میل کے فاصلے پر ہے وہاں سے آتے آتے شام ہوگئی جب میں گھر پہونچا تو میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ روشنک اور اُس کی ماں کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ نوکر سے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ میرے جانے کے بعد باجی کے چھوٹے بھیا جی آئے تھے وہ اُن کے ہمراہ میکے چلی گئی ہیں رضیہ کے بغیر پوچھے جانے پر مجھے غصّہ تو بہت آیا لیکن میں نے

دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا۔ چلو چھٹی ملی کچھ دن چین سے گزر جائیں گے۔

ملازم کو کھانا پکانے کی ہدایت کی اور میں اُن لوگوں سے بات کرنے لگا جو آج کی تفصیل دریافت کرنے میرا انتظار کر رہے تھے کوئی ایک گھنٹہ تک وہ میرا دماغ چاٹتے رہے جب وہ بلا ٹلی تو میں گھر میں آیا میں بہت خوش تھا میرے لائق ملازم نے مجھے رفیق حیات کی غیر موجودگی بالکل محسوس نہیں ہونے دی۔ اُس نے میرا کھانا تیار کر لیا تھا اور میرا انتظار کر رہا تھا میں کھانا کھانے بیٹھ گیا لیکن ایک لقمہ لیتے ہی میری خوشی رخصت ہوئی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے زبردستی مرچوں کا ایک لقمہ میرے حلق میں ٹھونس دیا ہے بمشکل تمام منہ صاف کیا ہوش و حواس جو اس پریشانی میں رخصت ہو گئے تھے ٹھکانے ہوئے تو پھر بھوک نے پریشان کرنا شروع کیا حلوائی کے ہاں ملازم کو دوڑایا دو دن کی باسی مٹھائی ملی جس طرح ہو سکا پیٹ بھرا اور پڑ کر سو رہا۔

۳۰۔ اپریل ۳۷ء

صبح اُٹھتے ہی پھر وہی کھانے کی فکر لاحق ہوئی وہ ملازم جس کے ہاتھوں میری دُرگت ہوئی تھی وہ غریب اپنی غلطی پر بہت شرمندہ تھا لیکن وہ بے قصور تھا غلطی میری تھی۔ بہرحال میں حوائج ضروری سے فارغ ہو کر باورچی خانے میں گیا اُس کو چولھا جلانے کو کہا اور خود ہانڈیوں میں آٹا تلاش کرنے لگا بڑی جستجو کے بعد آٹا ملا اتنی دیر میں میرا ملازم چولھا جلا چکا تھا میں نے اُسے آٹا گوندھنے کو دیا اور پوچھا "کیوں کریم تو روٹی پکائے گا"؟

اُس نے کہا "نہیں مجھ سے روٹی بگڑ جائے گی"۔

میں نے کہا "روٹی پکانا کوئی بڑے کمال کی بات تو ہے نہیں اچھا خیر ایک مرتبہ تو دیکھ لے پھر ہمیشہ اسی طرح پکایا کرنا غرض میں اپنے ناتجربے کار ملازم کو روٹی پکانے کے ہنر دکھانے لگا بمشکل تمام ایک روٹی بیل کر تیار کی جس کا ایک رخ مشرق کی طرف جا رہا تھا دوسرا جنوب کی طرف اور تیسرا مغرب کی طرف جاتے جاتے رُک گیا تھا۔ میں نے کہا "دیکھا اس طرح روٹی بیلتے ہیں لیکن یہ جلدی میں کچھ ٹھیک نہیں ہوئی ہے تم اِسے گول بیلنا"۔

اُس نے مسکرا کر جواب دیا "بہت اچھا"۔

میں نے اپنی ہنرمندی دکھانے کے لئے پھرتی سے روٹی کو ہاتھ میں لے کر توے پر ڈال دیا بس روٹی کا توے پر ڈالنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کسی نے انگلی پر ایک جلتا ہوا انگارہ رکھ دیا۔ پھر کیا تھا باورچی خانہ میں ایک ٹانگ پر ناچ شروع ہو گیا خبر نہیں اس رقص میں سر پر جو گاندھی کیپ تھی وہ کس طرح چولھے میں گر کر نذر آتش ہو گئی ملازم جو ہکا بکا ہو کر یہ تماشہ دیکھ رہا تھا شاید وہ ڈراپ سین دیکھ کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔

بڑی مشکل سے جان میں جان آئی تو میں نے اپنی آتش زدہ اُنگلی کو دیکھا اُس کے سرے پر ایک بیر کے برابر چھالا پڑ گیا تھا اِدھر اتنی دیر میں توے کی روٹی جل بھن کر کوئلہ ہو گئی تھی۔ اب مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پھر روٹی پکانے کی جرأت کرتا۔

دل میں سوچنے لگا بیوی کو ناراض کرکے بھگا دینے کی اچھی سزا ملی مجھے بڑا دعویٰ تھا کہ پیسے سے سب کچھ ہو سکتا ہے اب پیسے کی قدر و عافیت معلوم ہوئی ممکن ہے شہر میں پیسے کی وجہ سب کام چل جائیں لیکن دیہات میں پیسہ رکھ کر بھی خاطر خواہ آرام کا میسر آنا معلوم۔

گذشتہ شب بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملا تھا اور اب آٹھ بج گئے تھے بھوک سے میرا بُرا حال ہو رہا تھا حلوائی کے ہاں سے پھر وہی باسی جلیبی منگوائی جو بمشکل کھائی اس طرح ایک ہفتہ گذر گیا۔ اب مجھ میں تکلیف اُٹھانے کی ہمت نہ رہی تھی لیکن میری غیرت یہ بھی تقاضہ نہیں کرتی تھی کہ خود جاؤں اور اُس کو اپنے ہمراہ لے آؤں یا لکھوں کہ بس رضیہ اب چلی آؤ مجھے کافی سزا مل گئی ہے اب تکلیف نہیں اُٹھائی جاتی میں نے سوچا یہ مناسب نہ ہوگا وہ خیال کریں گی میرے بغیر کام نہیں چلا اس لئے اُس کا دماغ اور آسمان پر چڑھ جائے گا کوئی ایسی ترکیب ہو کہ وہ خود چلی آئے۔

اس طرح دن پر دن گزرتے جا رہے تھے اور میری تکلیفوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا آخر ایک دن میری تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں یعنی مجھے بخار ہو گیا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا تھا آنکھیں جل رہی تھیں اعضا شکنی الگ پریشان کر رہی تھی میری عادت ہے ذرا سی تکلیف زیادہ پریشان کرتی ہے رات میں نے کس طرح گزاری اس سے وہ ہمدرد دیہاتی خوب واقف تھی جو تمام رات میرے پاس بیٹھے رہے۔

یکم مئی ۲۷ء

مجھے نہیں معلوم صبح کس نے رضیہ کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ میری طبیعت اچھی نہیں ہے دوسرے دن ابھی تین بجے تھے کہ ایک برقعہ پوش عورت میرے پاس بیٹھی آہستہ آہستہ میرا سر دبا رہی تھی اور معصوم روشنک پلنگ کی پٹی کے سہارے کھڑی تھی۔

رضیہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی "کیسی طبیعت ہے؟"

میں نے آنکھیں کھولیں ـــ اس کی خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے میں اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا "خانم مجھے معاف کرو میں نے بڑی غلطی کی"

وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی "آپ یہ کیا کہتے ہیں میں آپ کی کنیز ہوں"

دوسرے دن میں بالکل تندرست ہو گیا اور بیگم آپا کی خدمت میں جا کر اپنے قصور کی معافی بھی مانگ لی۔

رضا کتنی حسین اور مختصر شرح محبت ہے
نہ راس آئے تو دوزخ ہے جو راس آئے تو جنت ہے

تقی علی باسمی ناگپور

بیمار کا کمرہ

مریض کے لئے ہمیشہ ایسی جگہ تجویز کرنی چاہیئے۔ جو ہوادار۔ کافی فراخ اور شور وغل سے دور ہو۔ ہوا کی آمد و رفت کا انتظام اچھا ہو۔ اور اگر موسم سرما ہو۔ تو دھوپ بھی خوب آتی ہو۔ مگر موسم گرما میں ایسا کمرہ ہونا چاہیئے جس کی ایک طرف برآمدہ ضرور ہو۔ تاکہ دھوپ کمرے میں نہ آنے پائے اور کمرہ ٹھنڈا رہے۔

کمرہ میں صرف وہ چیزیں ہونی چاہئیں جو مریض سے متعلق ہوں۔ یعنی ایک چارپائی بمعہ بستر و مسہری۔ ایک میز دو ہلکی کرسیاں ڈاکٹر کے لئے۔ ایک میز یا الماری دوائیوں وغیرہ کے لئے۔ ایک چلمچی۔ ایک صاف تولیہ۔ صابن بمعہ صابن دانی۔ ایک اگالدان۔ موسم گرما کے لئے برقی یا دستی پنکھا۔ کچھ پھولدان اور پھول۔ مگر رات کو پھول پھینک دینے چاہئیں اور چند دل آویز تصاویر۔ اِن چیزوں کے علاوہ کموڈ یا بیڈ اپین برآمدہ یا قریبی غسل خانہ میں رکھنا چاہیئے۔ اور ضرورت کے وقت کمرے میں لانے چاہیئے۔ موسم سرما میں کمرے میں آتش داں کا ہونا لازمی ہے۔

کمرہ کی صفائی روز ایسے طریقے سے کرنی چاہیئے۔ کہ مریض تنگ دل نہ ہو۔ تمام فرنیچر کو پہلے ایک نمدار جھاڑن سے پونچھ کر خشک جھاڑن سے صاف کروانا چاہیئے۔ اکثر مریض ذرا سی غلاظت کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اس لئے حتی المقدور گندگی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ دروازوں میں ہمیشہ پاؤں جھاڑنے کا برش رکھا دینا چاہیئے۔ تاکہ باہر سے آنے والے۔ جوتوں کی گرد صاف کر کے آئیں۔ فرش صاف کرنے کے لئے نمدار برش استعمال کروانا چاہیئے۔ یہ خیال رہے کہ جھاڑن اور برش لائی سول (جرم مارنے والی دوائی) ایک حصہ سو حصہ پانی میں ملا کر نمدار کرنے چاہیئے۔

کمرے میں رات کو روشنی کا انتظام ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ مریض کو تکلیف نہ ہو۔ برقی لیمپ شیڈ کے بغیر استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ تیز روشنی سے آنکھوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر مریض پسند کرے تو لالٹین یا موم بتی استعمال کرنی چاہیئے۔ مگر وہ مریض کی آنکھوں سے اوجھل رکھنی چاہیئے۔

مریض کی تمام دوائیوں پر لیبل لگا کر رکھنا چاہیئے۔ تاکہ زہریلی اور پینے کی دوائیاں مل نہ جائیں۔ بہتر ہوگا کہ زہریلی دوائیاں الگ جگہ رکھی جائیں۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں ڈھک کر احتیاط سے رکھنی چاہئیں۔ تاکہ مکھیاں اور جراثیم وغیرہ اثر نہ کرنے پائیں۔

آنسہ م۔ ن۔ صدیقی

ہار میں جیت

"میری پیاری آسما "غزوہ مصطلق" کی تیاری شروع ہے۔ اس غزوہ میں قدرت نے "قرعہ میرے نام نکال کر سرور دوعالم کے ساتھ شریک سفر ہونے کا شرف بخشا حضرت صلعم مجھے اپنے ساتھ "غزوہ مصطلق" میں لے جا رہے ہیں۔ کیا تم مجھے اپنا ہار عاریتاً نہ دوگی" عائشہ صدیقہ رض نے اپنی بڑی بہن حضرت آسما سے نہایت معصومانہ انداز سے کہا.......
"حمیرا! یا عینی۔ ایک عقیق احمر کا ہار کیا۔ میری جان بھی تم پر سے فدا ہے۔ ایک کیا ایسے تو ہزار ہا ہار تم پر نثار کردوں" یہ کہتے ہوئے حضرت آسما نے عائشہ صدیقہ کو جنہیں وہ پیار سے "حمیرا" کے نام سے پکارا کرتی تھیں۔ ہار دیا اور کہا "عینی! اگر تم تھوڑا صبر کرو۔ تو میں اس میں مضبوط تاگا ڈال دوں۔ کیونکہ اس کے تاگے بہت کمزور ہیں۔ مجھے ان کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے....."
"میری بہن گھبراؤ نہیں" عائشہ صدیقہ رض نے ہار گلے میں ڈال کر کہا "تمھارا ہار محفوظ رہے گا۔ میں اس کے ایک ایک دانے کو جان سے زیادہ عزیز رکھوں گی۔ کچھ فکر نہ کرو۔ اللہ تم کو برکت دے۔ شکریہ! تم نے میری خواہش کو پورا کیا۔ خدا تمھاری آرزوؤں کو پورا کرے گا اور جزائے خیر دے گا" یہ کہہ کر خوشی خوشی بہن کے گھر سے بیت نبوی کی طرف روانہ ہوئیں۔

(۲)

۵ھ کا آغاز ہے۔ باوجود ہجرت کے بانئے اسلام اور مسلمانوں کو مدینہ میں بھی آرام نصیب نہیں۔ کفار مکہ کی عداوت میں کچھ فرق نہیں۔ رات دن وہ تمام عرب میں رسول خدا صلعم اور آپ کی پاکیزہ تعلیمات کے خلاف ایک گمراہ کن پروپیگنڈا پھیلانے میں مصروف ہیں۔ اسلام و بانئے اسلام کے استیصال پر تلے ہوئے ہیں۔ نواح یثرب کے مختلف یہودی قبائل سے سازباز جاری ہے۔ ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا جا رہا ہے۔ تاکہ وہ مسلح ہو کر مسلمانوں کا جنگ میں خاتمہ کر دیں منافقوں کا سردار "عبداللہ بن ابی" تمام سازشوں میں نمایاں حصہ لے رہا ہے۔ اس کی منافقت ابو جہل و ابو سفیان کی کھُلم کھُلا مخالفت و عداوت سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ اس کی گہری چالیں اور خفیہ سازشیں ایک طرف کفار مکہ کو اپنے جال میں پھنسا رہی ہیں۔ اور دوسری طرف مدینہ کے قرب وجوار کے تمام عرب اور یہودی قبائل اس کی فتنہ پردازی کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ یہود اس کی سحر بیانی سے پیغمبر خدا صلعم اور اسلام کے اور بھی زیادہ مخالف ہو گئے ہیں۔ ان کے شعرا اپنی نظموں سے اور خطیب اپنی تقریروں سے بادیہ نشین قبائل میں آتش حرب بھڑکا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مختلف عرب اور یہودی قبائل اور بالخصوص جلاوطن "یہود" اسلام سے برسرپیکار ہوتے ہیں "دومۃ" کا محاربہ ہوتا ہے جس میں اللہ کی طرف سے نصرت اسلام کے شامل حال ہوتی ہے۔ ابھی اس مہم سے فرصت نہیں نہ ہونے پائی کہ "بنی مصطلق" کے یہود مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور

"بنی مصطلق" کو روزانہ مختلف مقامات سے کمک پہنچنے لگی ہے۔ غرضکہ اسلامیان مدینہ کے لئے سوائے جنگ کے چارہ کار نہیں رہتا۔ سرورِ دو عالم مدینہ منورہ سے آٹھ منزل آگے بڑھ کر "بنی مصطلق" کے یہود سے معرکہ آرا ہوتے ہیں۔ اور یہود لوران کے یلغار کو شکست فاش دے کر فتح و نصرت کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرماتے ہیں۔

(۳)

عسکرِ اسلام منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ کی طرف سفر کرتا ہے آیت "حجاب" کا نزول ہو چکا ہے۔ عائشہ صدیقہ ایک اونٹ پر ہودہ میں سوار حضور صلعم کے ساتھ شریک سفر ہیں۔ شام ہو چکی ہے۔ لشکر شب بھر کے لئے مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر قیام کرتا ہے۔ تاکہ علی الصبح سفر کی تیاری ہو۔ آیات حجاب کی عاملہ عائشہ صدیقہ صبح سویرے ضروریات کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہوتی ہیں۔ اور جب واپس آتی ہیں۔ تو اپنے اونٹ پر سوار ہونے سے پیشتر اپنے سامان پر نظر ڈالتی ہیں۔ کہ اچانک ہاتھ گلے تک پہنچتا ہے۔ حضرت آسما کی امانت کو اپنے زیبِ گلو نہ دیکھ کر پریشان ہوتی ہیں۔ اپنے وعدہ کا خیال آتا ہے اور ایک عالم اضطراری میں پکارتی ہیں۔ اے آسما کے ہار تجھے کیا ہوا؟ فوراً ہار کی تلاش میں پھر لشکر سے علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ اور بعد بصد جستجو و بسیار تلاش چند بکھرے ہوئے دانے نظر آتے ہیں۔ آپ ایک ایک کر کے ان کے جمع کرنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ تمام دانے آپ کو مل جاتے ہیں۔ ان کو اکھٹا کر کے واپس قیام گاہ میں آتی ہیں۔ تو دیکھتی ہیں۔ کہ لشکرِ اسلام کوچ کر چکا ہے۔ وہ مقام جہاں پر حضور صلعم اور آپ کے جان نثار انصار و مہاجر مقیم تھے وہاں ایک متنفس بھی نہیں ایک سنسان اور ہو کا عالم ہے۔ اور اکیلی بنت ابو بکرؓ عالم یاس میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتی ہیں۔ کہ اے ستار و غفار اے حافظِ حقیقی۔ پردۂ غیب سے میری رہنمائی کے سامان پیدا کر۔ تاکہ میں خیر و عافیت سے منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤں۔ ابھی دعا مانگ ہی رہی تھیں۔ کہ باب استجاب وا ہوتا ہے۔ اور "صفوان بن معلل" لشکر کی گم شدہ اشیا، بچھڑے اور بھولے ہوئے لشکریوں کی تلاش۔ اور رہنمائی کے لئے آپہنچتا ہے۔ پیکر شرم و حیا مجسمۂ عصمت و عفت کو کہ جس پر ؎

دامن نچوڑ دے تو فرشتے وضو کریں۔

کی مثال پوری صادق آتی ہے۔ دور سے دیکھتا ہے اور با آواز بلند انا للہ کہہ کر اپنے اونٹ پر سوار کر کے لشکرِ اسلام میں پہنچا دیتا ہے۔

(۴)

منافقین اور کفار کے دلوں پر اسلامی فتوحات کا سکہ بیٹھ چکا تھا اب رسول خدا صلعم کو ایذا دینے اور صدمات و تکالیف پہنچانے تمسخر اڑانے۔ راہ میں کانٹے ڈالنے۔ آپ کی پاکیزہ تعلیمات کو جھٹلانے ہنسی مذاق کرنے اور (نعوذ باللہ) دیوانہ، ساحر اور مجنون وغیرہ کہنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ زمانہ بدل چکا تھا۔ اس وقت جان نثار شمع رسالت پر پروانہ وار اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار تھے۔ مگر عبد اللہ بن ابی منافق جس کے رگ و ریشہ میں منافقت پیوست ہو چکی تھی۔ ایسے موقعہ سے کب چوکتا تھا۔ اس نے فوراً "کذب عظیم" "افک مبین" گھڑ لیا۔ اور دامن عائشہ صدیقہ کو تہمت سے متہم کرنے کی ناپاک کوشش

ہیں مصروف ہوگیا۔ اپنے ساتھ اس کوشش میں حمنہ بنت جحش حسان بن ثابت۔ اور مسطح کو بھی شریک کرلیا۔ ایک ماہ تک طوفانِ عظیم برپا رہا۔ اور اُس پیکرِ عصمت پر کہ جس کے پسینے سے فرشتے وضو کرنا باعث نجات تصور کرتے ہوں۔ کذب و افترا سے بہتان لگائے گئے۔ آخر حق کی فتح ہوئی۔ اور آیات "برئیت" کا نزول ہوا۔ عائشہ صدیقہ کی ذات بابرکات عورت ذات کے لئے باعث رحمت و نجات ثابت ہوئی۔ تہمت اور افترا کی سزا کے احکام جاری ہوئے۔ نیک خواتین کی عصمت وعفت کو کذاب و مفتریوں کے بہتان سے بچانے کے لئے ایک نئے قانون کا اضافہ ہوا۔ یعنی کہ ہر مفتری کو جب تک وہ ثبوت پیش نہ کرسکے۔ سزائے تازیانہ دی جائے۔ تاکہ صنف نازک بدباطنوں کے زبانی حملوں سے محفوظ رہے۔ اور بیکس۔ بے بس معصوم و مظلوم خواتین اپنی دادرسی کو پہنچیں۔

(۵)

"میری پیاری حمیرا! مجھے اجازت دو۔ کہ اس کمبخت ہار کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں"۔ حضرت اسما نے بیحد افسردگی سے کہا "مجھے پہلے سے معلوم ہوتا۔ کہ یہ اس قدر منحوس ثابت ہوگا۔ اور میری بہن پر اس قدر مصائب و تکالیف کا طوفان برپا کرے گا۔ تو بخدا اسے کب کے نیست و نابود کرچکی ہوتی"۔ "ٹھیرو! ٹھیرو آسما" زینب بنت جحش نے کہا۔ جو عائشہ صدیقہؓ کی مزاج پرسی کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر آئی ہوئی تھیں۔ کیونکہ عائشہ صدیقہؓ اُس افک مبین کے باعث شدید طور پر بیمار تھیں۔ اور اپنے والد کے مکان پر مقیم تھیں "تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ کہ یہ ہار منحوس ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اسی کی گمشدگی کے باعث عائشہؓ کو اتنے عرصے بیحد ہم و غم زندگی بسر کرنی پڑی۔ لیکن الحمدللہ کہ پیاری عائشہ اس امتحان میں ثابت قدم اتریں۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ یہ ہار عائشہؓ کے لئے باعث برکت ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ آیات برئیت و تیمم کے نزول کا باعث یہی ہے۔ جس کے لئے ساری دنیائے اسلام عائشہؓ کی شکرگزار ہے۔ اور اسید بن حضیر جیسے جلیل القدر صحابی تک کو کہنا پڑا کہ "اے آل ابوبکرؓ تم لوگوں کے لئے سرمایہ رحمت ہو" بس یہ ہار باعث رحمت ہوا"۔ "عزیز بہن زینبؓ! میں تمہاری بیحد شکرگزار ہوں۔ کہ تم نے اس واقعہ ہائلہ میں میری اس قدر دلجوئی کی۔ اور اگرچہ حمنہ تمہاری بہن تک عبداللہ بن ابی کے کہنے میں آگئی۔ لیکن باوجود اس رشتے کے جو ہم دونوں کے درمیان حائل ہے۔ تم نے حضور صلعم سے میری تعریف ہی کی۔ مجھے ایسی بہن پر فخر ہے۔ اور بجا فخر" عائشہ صدیقہؓ نے مسرت سے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ اور حضرت زینبؓ کے گلے میں دونوں ہاتھ حائل کردئے۔ جس کے جواب میں حضرت زینبؓ نے ان کی نازک انگلیوں کو آنکھوں سے لگا لیا۔ اور کہا "پیاری عائشہؓ! جو کچھ میں نے کہا وہ میرا فرض تھا۔ اور سچی حقیقت۔ جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ شکریہ کی اس میں کوئی بات نہیں۔ لو اب جلدی سے اچھی ہوجاؤ۔ اور بیت نبوی میں اس ہار کو بھی ہم اپنے ساتھ لے چلیں گے۔ اور اسے تمہاری "ہار میں جیت" اور واقعہ "افک" کی یادگار کے طور پر اپنے پاس حفاظت سے سنبھال کر رکھیں گے"۔

محمودہ بائی رضویہ (کراچی)

بھائی کا خط بہن کے نام

عزیزہ بہن میری پیاری ظہیرہ
بلا کو مصیبت کی ماری ظہیرہ
دعا ہے کہ زندہ رہو خیریت سے
ہمیشہ رہو عیش سے عافیت سے

ترا نامۂ غم فزا آج آیا
جو دل کو ہلا دے وہ خط آج آیا
مجسم غم و رنج کی داستاں تھا
تمھاری مصیبت کا اس میں بیاں تھا

کیا ضبط لیکن نہ ضبط ہو سکا پھر
نہ تار آنسوؤں کا رکا رک سکا پھر
سنبھالا بہت دل کو لیکن نہ سنبھلا
بہت دل کو بہلایا لیکن نہ بہلا

وہ پُرسوز قصہ وہ پُرغم کہانی
کہ خونِ جگر جس سے ہونا ہو پانی
وہ موت عزیزہ پیاری حسینہ
جسے صرف اتنے دنوں تک تھا جینا

گئی جو کہ دنیا سے ناشاد ہو کر
جو رہنے نہ پائی تھی دل شاد ہو کر
وہ بیکس، یتیم اور ناشاد بچی
نہ بھائی کی قسمت میں تھی جس کی مٹی

کیا جا کے آباد مرقد کا کونا
جسے کچھ نہ بھایا ترا رونا دھونا
ملی جا کے بھائی بہن باپ ماں سے
گئی رحمت حق کے سایہ میں یاں سے

جدا ہو کے بھائی بہن سے گئی وہ
کلیجہ پہ داغ الم دے گئی وہ
نہ بچوں کا کچھ دھیان آیا نہ تیرا
نہ اُن کی یتیمی تری بے کسی کا

نہ دیکھے گا منہ آہ اب اس کا فیضی
کسے پیاری باتیں سنائے گی نفیسی
ترے حال کا کوئی پرساں نہیں اب
ترے رنج پر کوئی گریاں نہیں اب

نہ غمخوار کوئی نہ مونس نہ ہمدم
فقط ایک جاں ہو رہیں سیکڑوں غم
مگر اے عزیزہ پیاری ظہیرہ
تمام اہل دنیا کا ہے یہ نتیجہ

بھلا کس کو دنیا میں راحت ملی ہے
کسے غم سے دنیا میں فرصت ملی ہے
نہ خالی ہو غم سے کوئی اس جہاں میں
مصیبت اُٹھا کر رہا اس جہاں میں

بھلا موت سے کس کو ہو رستگاری
یونہی کارخانہ رہے گا یہ جاری
مصیبت یہاں کی مصیبت نہیں ہے
کہ مومن کو دنیا میں راحت نہیں ہے

وہ ہادیٔ برحق و فخر پیمبر
گئے وہ بھی اس دار فانی میں آ کر
وہ لختِ جگر فاطمہ کے دولارے
وہ محبوب داور کے پیارے نواسے

نہ تھا ساتھ اُن کے مصیبت میں کوئی
کہ جس سے کریں آہ وہ چارہ جوئی
تڑپتے رہے ان کے بچے پیاسے
نہ گھبرائے لیکن وہ جور و جفا سے

بہت صبر سے ضبط سے کام لے کر
کٹایا سر اپنا بفرمان داور
ہمیشہ رہے حکم مولا پہ شاکر
ہمیشہ رہے راہ حق میں وہ ماہر

خدا کے جو بندے ہیں خاص اور کامل
مصیبت میں رہتے نہیں حق سے غافل
کیا کرتے ہیں صبر اور شکر ہر دم
مصائب کو برداشت کرتے ہیں پیہم

اسی طرح ہم سب پہ ہے یہ ضروری
ہوں فرمانِ مرضی مولیٰ پہ راضی
و جس حال میں رکھے ہر حال میں ہم
کریں صبر اور شکر دنیا میں ہر دم

خداوند برتر سے بس یہ دعا ہے
یہی اُس کے دربار میں التجا ہے
الٰہی بہ حقِ رسولِ مکرم
الٰہی بہ حق نبی معظم

الٰہی بحق ابو بکر کامل
بحق عمر فارق حق و باطل
الٰہی بحق حیادار عثماں
الٰہی بحق علی شاہ مرداں

الٰہی بحقِ بزرگانِ امت
الٰہی بحق شہیدانِ امت
میرے والدین اور بھائی بہن کی
عزیز اقربا خویش اہل وطن کی

تمام اہل ایمان کی مغفرت کر
تمام اہل اسلام کی مغفرت کر
ہمیں طاقت صبر دے یا الٰہی
ہمیں قوت شکر دے یا الٰہی

تو رکھ دین اسلام پہ ہم کو قائم
منور ہو دل نور ایماں سے دائم

ع۔ ہ۔ ململی

عورت اور فنون لطیفہ

جس طرح بعض اختراعات و ایجادات کا سہرا عورت کے سر ہے اسی طرح بیشتر فنون لطیفہ کی ایجاد بھی صنف لطیف ہی کی ذکاوت و ذہانت کی رہین منت ہے۔ سب سے بڑی خوبی جو عورت کی مصنوعات میں پائی جاتی ہے وہ یکسانی و موزونیت ہے۔ قدیم روایات اور لٹریچر عورت کی مساعی کے کمالات کی شاہد ہیں جن کو دیکھ کر بڑے بڑے صناع حیرت میں رہ جاتے تھے۔ ارسطو نے لکھا ہے کہ:۔ سب سے پہلے بلقیس کی بیٹی پمفائل نے (تقریباً ۲۰۰۰ قبل مسیح) ریشم کاتا اور ہومر کہتا ہے کہ:۔ خوبصورت تخت محل کے اندر جابجا قائم کئے گئے تھے۔ جہاں مختلف قسم کے قالین جن پر زر دوزی کام تھا جگمگا رہے تھے اوران سب کو عورتوں ہی نے بنایا تھا۔

روایات عتیقہ اور آثار قدیمہ سے موسیقی بھی صنف نازک ہی کی ایجاد ثابت ہوتی ہے۔ قدیم لٹریچر بھی اس پر روشنی ڈالتا ہے۔ ہومر قدیم یونانی عورتوں کے متعلق لکھتا ہے:۔

"وہ بیٹھی اور گانے لگی۔ چٹانوں میں اس کے گیت گونج رہے تھے۔ آتش دان میں دیودار وغیرہ کی لکڑیاں روشن ہو ہو کر سارے جزیرے کو معطر کر رہی تھیں۔ اور وہ اپنی محنت اور موسیقی سے اپنا وقت کاٹ رہی تھی"

حضرت سلیمان ؑ نے بھی فرمایا ہے "میرے پاس بہت سے گانے والے مرد اور گانے والی عورتیں ہیں"

شام، مصر، یونان اور ہندوستان کی عورتوں نے فن موسیقی میں خاص مہارت حاصل کی اور اس فن کو بہت ترقی دی۔

فن آرائش اور نقاشی بھی عورت ہی کی اختراع ہے ۳۶۰۰ ق م عورت کوڑیوں اور سیپ وغیرہ کے ہار اور زیور بنا کر پہنا کرتی تھی۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا سامان آسائش میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ مولٹ لکھتا ہے کہ وحشی عورتیں بیلنکو کے قدیم کھنڈروں میں چشموں میں جا کر نہاتی ہیں۔ اور ان درختوں کے نیچے جمع ہوتی ہیں جن پر انگور کی بیلیں چڑھی ہوتی ہیں۔ وہ آئینہ کا کام چشموں کے پانی سے لیتی ہیں۔ اس میں صورت دیکھ کر بال سنوارتی ہیں۔ سورج ڈوبنے کے بعد بہت قدیم وضع کا نیلگوں لباس پہنتی اور اور گھڑوں میں پانی بھر کر کھیلتی کودتی واپس آتی ہیں۔

نقاشی کی ایجاد بھی عورت ہی نے کی۔ ایک پرانی یونانی روایت ہے کہ کمہار کی لڑکی نے چراغ کی روشنی میں اپنا سایہ دیوار پر پڑتے دیکھا۔ اس نے ایک نوکیلی چیز سے دیوار پر سائے کے چاروں طرف گہری لکیریں کھینچ دیں جب اُس کے باپ نے دیکھا تو بہت خوش ہوا اور گیلی مٹی سے اُس کا ہی ٹھپہ بنا کر اور برتنوں پر لگا لیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ فن بھی ترقی کرتا گیا۔

شاعری میں بھی عورت مرد کے دوش بدوش رہی ہے۔ اور ہر زبان کی شاعری کی تاریخوں میں اول ہی دور سے

عورت کا حصہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ فارسی شاعری کی ابتدا کے متعلق ایک قدیم روایت ہے کہ سب سے پہلے ساسانی بادشاہ بہرام گور نے موزوں مصرع کہا ہے۔ کہ ایک مرتبہ شکار میں بہرام گور نے ایک شیر مارا۔ اور خوشی کے عالم میں بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"منم آں پیل اماں ومنم آں شیر یلہ"

اس پر دلارام نے سربستہ کہا "نام بہرام ترا و پدرت بوجیلہ" لیکن باوجود اس کے کہ فنون لطیفہ کی ایجاد اور ترقی میں عورت کا نمایاں حصہ ہے۔ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ عورت اس کی ترقی اور اصلاح سے بے تعلق ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ دور حاضرہ میں عورت خصوصاً ہندوستان کی مسلمان عورت فنون لطیفہ کے ناموں سے بھی بے بہرہ ہوگئی۔

فنون لطیفہ کا ماخذ ذوق سلیم اور خیال لطیف ہے۔ عورت جسمانی حیثیت سے نفیس و جمیل ہے اور روحانی اعتبار سے اس کے جذبات لطیف اور پاکیزہ ہیں۔ اور اس کے تصورات اور خیالات نہایت شریفانہ ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ فنون لطیفہ میں حصہ لینے کی استعداد عورت سے زیادہ اور کس میں ہوسکتی ہے۔ اور عورتوں سے زیادہ ان کا مستحق کون ہوسکتا ہے۔ عام طور سے مسلمان گھرانوں میں فنون لطیفہ سے اس لئے اجتناب کیا جاتا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت میں مانع ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان علوم و فنون میں جن کا حاصل کرنا عورتوں کے لئے ضروری ہے ہرگز رکاوٹ پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ وہ تو روح میں نشاط اور جسم میں تازگی پیدا کرتے ہیں اور تکان و تھکاوٹ کو دور کر کے انسان کو دوسرے کاموں کے لئے تر و تازہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً موسیقی ہی ہے کہ لوگ عام طور سے اسے خلاف تہذیب سمجھتے ہیں لیکن دراصل موسیقی انسان کے جذبات کو لطیف اور احساسات کو تیز کرتی ہیں بلکہ جیسا کہ افلاطون لکھتا ہے "موسیقی جمادات میں زندگی پیدا کرتی ہے اس سے افکار و خیالات میں بلندی و ترقی پیدا ہوتی ہے۔ وہ روح میں خوشی اور مسرت پیدا کرتی ہیں اور اس کو پستی سے نکال کر جمال کمال کی طرف لے جاتی ہے"۔ اس بنا پر وہ انسان کے لئے ادب کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ موسیقی کا رواج مسلمان عورتوں میں ابتدا اسلام سے پایا جاتا ہے خلفائے بنی امیہ کے زمانے میں عاتکہ (امیر معاویہ کی صاحبزادی) رائقہ اور عزہ موسیقی میں کمال رکھتی تھیں۔ عزہ کا تو یہ حال تھا کہ انسان کے جذبات اس کے لئے کھلونا تھے۔ جب چاہتی ہنسا دیتی اور جب چاہتی رُلا دیتی عمر ابن ربیعہ مشہور شاعر اس کا گانا سُن کر بیہوش ہوگئے تھے اور حسان بن ثابت رو پڑے خلفائے بنو عباسیہ کے دور میں جو عورتیں فن موسیقی کی ماہر تھیں اُن کا شمار ناممکن ہے۔ دنانیر، بذل، اور عریب ان میں غیر معمولی شہرت کی مالکہ تھیں۔ بذل کو ۳۲ ہزار راگ آتے تھے اس نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں بارہ ہزار راگ درج ہیں۔ عریب بھی ایک ہزار راگ جانتی تھی۔ خلفائے اندلس کے زمانے میں غایۃ المنی۔ عیاو بنہ اور عجفا جیسی باکمال ماہرین فن موجود تھیں یہی حال اہل عرب کی تمدنی ترقی کے زمانے میں نقاشی اور مصوری کا تھا۔ ایک مشہور ترکی انشاپرداز ان کے متعلق لکھتا ہے "علم ہم کو حقیقت شناس بناتا ہے اور نقاشی و مصوری ہمارے لئے حقیقت کو محبوب بناتی ہے کیونکہ یہ اس کو اس مکمل مزین شکل میں ظاہر کرتی ہیں جو صاحب فن کے خیال میں پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے اس طریقہ سے ہی ہم میں دو کمال کا میلان پیدا کرتی ہیں کمال ایک ایسی چیز ہے کہ ہماری عقل تو اس کو کچھ سمجھ سکتی ہے لیکن وہ ہمارے حواس کی گرفت سے باہر ہے اس لئے جب تک ایک محسوس اور لطیف شکل میں مجسم ہوکر وہ ہمارے سامنے نہ آجائے ہم اس کا تصور نہیں کرسکتے۔ لیکن جب ہم اس کو اس لطیف شکل میں دیکھتے ہیں تو ہمارے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے"۔ الغرض فنون لطیفہ کا حاصل کرنا عورت کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہمیشہ سے عورتیں اسے حاصل کرتی ہیں اس سے صرف ان کے شعور کی لذت حاصل کرسکتی ہے۔ ساجد حسن قادری دہلی لے۱

مستورات آگرہ

آگرے کی مسلمان عورتیں اس اعتبار سے کافی خوش قسمت کہی جا سکتی ہیں کہ گھروں میں وہ مردوں سے کہیں بہتر حالت میں رہتی ہیں زیادہ تر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ان کے کپڑے مردوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اور جہاں تک مالی حیثیت ساتھ دے سکے ماما بھی ضرور رکھی جاتی ہے ماما نہ ہو تو خیر پھر لڑکا ہی سہی۔ گھر کے تمام معاملات یہاں تک کہ اولاد کی شادی بیاہ کا بھی انھیں کو اختیار رہتا ہے یعنی اگر ماں باپ میں اختلاف ہو گا تو ماں اپنی مرضی کے مطابق کر دے گی خواہ بعد میں اس کا نتیجہ کچھ ہی ہو لیکن اس وقت یہ نہیں ہو گا کہ جبراً اُسے شوہر کی مرضی کی پابندی کرنی پڑے کہیں آنے جانے کے متعلق انھیں پوری آزادی ہے جہاں چاہیں جائیں اور جس کو چاہیں بلائیں اکثر جگہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مستورات میں کسی تقریب وغیرہ میں ملاقات ہو کر میل محبت بڑھ گیا اور آپس میں ڈوپٹہ بدل کر بہنیں بن گئیں تو اب سارا کنبہ اس رشتے کو بالکل حقیقی رشتے کی طرح نباہتا ہے۔ پردہ بھی وہ خود جس سے چاہیں کریں جس سے چاہیں نہ کریں۔ اکثر سمدھیانے والوں مثلاً بھاوج کے بھائی بھتیجے اور بہن کے جیٹھ دیور وغیرہ اپنے ہی رشتے داروں کی طرح سمجھے جاتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح آپا خالہ کہتے اور مانتے ہیں۔ بہنوئی اور نندوئی سے ہنسی مذاق کہیں نہیں ہوتا ہے ورنہ زیادہ تر بڑوں سے بڑے اور چھوٹوں سے چھوٹے بھائیوں کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ شادی چھٹی وغیرہ میں حیثیت سے کہیں بڑھ کر بیٹیوں کو دیا جاتا ہے۔ اب آج کل پڑھانے لکھانے کا چرچا پھیلا ہے تو اس میں بھی لڑکیوں پر لڑکوں کی نسبت زیادہ توجہ کی جاتی ہے۔ چونکہ یہاں کی عام آبادی تجارت پیشہ ہے اور صنعت و حرفت سے لوگ زیادہ معاش حاصل کرتے ہیں اس لئے لڑکے کام چلانے کے لائق پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد دکانوں پر کام کرنے لگتے ہیں مگر لڑکیاں جب تک چاہیں پڑھتی رہتی ہیں۔ بہتیرے گھروں میں یہ ہے کہ لڑکے دوسرا یا تیسرا درجہ پاس کر کے اسکول چھوڑ دیتے ہیں اُن کا خط بالکل بچوں کا ہوتا ہے اور انہیں کی بہنیں مڈل پاس کر کے باپ بھائی سے زیادہ لائق ہو جاتی ہیں۔ اگر زیادہ شوقین ہوئیں اور مالی حالت بھی اچھی ہوئی تو اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی پرائیویٹ امتحانوں سے اپنی لیاقت بڑھاتی رہتی ہیں۔ شادی ہو جانے سے بھی کوئی خلل نہیں پڑتا۔ شوہر اور سسرال والے ہنسی خوشی اجازت دیدیتے ہیں۔ بچوں کو دادی نانی پالتی ہیں اور اگر نوکری کرنا چاہیں تو اس میں بھی عیب نہیں سمجھتے بلکہ ایسی بہوؤں پر فخر کیا جاتا ہے۔ شوہر خود بیوی کے کاموں میں ہاتھ بٹا لیتا ہے اور ملازمت کے متعلق جو کچھ مدد چاہیئے ہوتی ہو سب کرتا ہے۔ اکثر کنواری لڑکیاں بھی اسکولوں میں ملازمت کرتی ہیں اور ماں باپ کا خیال بیٹوں سے زیادہ کرتی ہیں۔

ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اور شہروں کی طرح یہاں بیٹی کے روپے پیسے سے کوئی پرہیز نہیں کیا جاتا چاہے وہ خود کمائے یا اُس کے شوہر کا ہو، اور اسی وجہ سے زیادہ تر بیوہ مائیں بجائے بیٹوں کے بیٹیوں کے پاس رہتی ہیں۔ شروع شروع

میں میں نے ایک آدھ جگہ یہ دیکھا کہ آمنے سامنے کے رشتے میں دو گھروں کا ایسا سمدھیانہ کہ یہاں کی لڑکی وہاں اور وہاں کی یہاں بیاہی ہوئی ہو) ساس بہوؤں کے پاس نہیں رہتیں بلکہ مائیں بیٹیوں کے پاس رہتی ہیں تو تعجب سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے بیٹیوں کی محبت سے اپنی اپنی جگہ بدل لی ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں ہوا یہی اچھا ہے بیٹی جتنا ماں کو سمجھے گی وہ کوئی دوسرا تھوڑی سمجھے گا۔ سسرال والے بھی اس بات کا بُرا نہیں مانتے کیونکہ ان بڑی بوڑھیوں سے گھر میں بڑی برکت رہتی ہے وہ ہر کام میں بیٹی کی مددگار ہوتی ہیں داماد کی کمائی کی بہترین محافظ اور بچوں کی حقیقی خیر خواہ۔ طلاق اور نکاح ثانی کو عیب نہیں سمجھتے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدھ بچہ ہونے کے بعد علیحدگی ہو جاتی ہے تو اُسے نانی خالہ کوئی پال لیتی ہیں۔ اور مطلقہ کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔ ایسی لڑکیوں کو رشتہ ملنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوتی۔ رسموں کی پابندی بہت کم ہو گئی ہے لیکن برات میں باجہ ضرور ہوتا ہے چھٹی وغیرہ میں بھی بہت کچھ دھوم دھام ہوتی ہے دکھاوا بے انتہا ہے۔ بڑی بڑی نامی شادیوں میں تو یہاں تک ہوتا ہے کہ جہیز ایک مکان میں سجا دیا جاتا ہے اور نمائش کی طرح لوگ آآ کر کئی دن تک دیکھتے رہتے ہیں۔ سمدھیوں کے لئے چوبے بڑی محنت اور تکلف سے تیار کئے جاتے ہیں۔ سینی کو زر دوے سے چوٹی دار بھر کر اُس کے اوپر شکر اور گھی کی کئی تہیں چڑھاتے ہیں پھر زعفران کھوپرے اور میدے سے اس پر طرح طرح کی گلکاریاں کرتے ہیں یا سہرا لکھتے ہیں ایسے سلیقے کے کاموں کے لئے خاص خاص لوگ مشہور ہوتے ہیں۔

مذہبی اعتقادات بہت افسوسناک ہیں قبروں پر تو خیر سب ہی جگہ ہزاروں بدعتیں ہوتی ہیں۔ مگر یہاں تعزیوں پر عجیب عجیب قسم کے چڑھاوے چڑھاتی ہیں اگر کسی کی شادی کی منت مانیں تو پوری ہونے پر چاندی سونے کے پھولوں کا سہرا بچے کی منت پوری ہونے پر سونے یا چاندی کے پتلے چڑھاتی ہیں جو بہت آسانی سے سناروں کے یہاں مل جاتے ہیں چاندی کا پُتلا دو آنے تک کا آجاتا ہے جس میں ذرا سی سر کی گھنڈی ہوتی ہے اور ہاتھ پاؤں سب ملا کر سوا یا ڈیڑھ انچہ کی لمبائی (یہ حرکتیں صرف عورتیں ہی نہیں کرتیں بہتیرے مرد بھی انہیں لغویات میں گرفتار ہیں۔ مقدموں میں اسی قسم کی منتیں مانتے ہیں کہ فلاں مکان جیت لیں تو وہی چڑھائیں گے اور پھر ویسا ہی ننھا سا کھلونا چاندی کا بنوا کر خوب ڈھول تاشے کے ساتھ لے جا کر چڑھاتے ہیں جس میں کمرے دالان کوٹھا وغیرہ سب اُسی انداز کا ہوتا ہے۔ جیسا اصل مکان میں) محرم اور گیارھویں عید بقرعید سے بڑھ کر مانے جاتے ہیں ان میں نئے کپڑوں جوتوں وغیرہ کا ہونا فرض ہے عید بقرعید میں رکھے ہوئے بھی نکال کر پہن لئے جاتے ہیں بقرعید میں قربانی بہت کم گھروں میں ہوتی ہے اور یہ بڑے امیروں کا کام سمجھا جاتا ہے قربانی کے دنبوں اور بکروں کی خوب نمائش ہوتی رہتی ہے۔ ان کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈال کر شام کو ٹہلانے بھیجا جاتا ہے اور موقع ملتا ہے تو قربانی سے پہلے عیدگاہ تک کی سیر کرا دی جاتی ہے کہ لوگ دیکھ دیکھ کر تعریف کریں۔ اگر پہلے سے جانور کا انتظام نہ ہو سکے تو عین وقت پر پچیس تیس روپیہ

تک کا لیتے ہیں ورنہ اس سال قربانی ہی موقوف کر دیتے ہیں جس وقت قربانی ہوتی ہے تمام پاس پڑوس والے اکٹھے ہوجاتے ہیں اور جہاں جہاں حصے جاتے ہیں وہاں بھی اُس گوشت کی نمائش ہوتی ہے کہ دیکھو چربی سے سفید ہو رہا ہے محرم میں عرسوں میں عورتیں عام طور پر چڑھاوے چڑھانے کو جاتی ہیں۔ ساتویں کو شربت اور دسویں دہیلم کو کھچڑے پر فاتحہ دلاتی ہیں۔ نماز روزے کی پابندی کہیں کہیں ہے۔ لباس عام طور پر کھڑے پائچوں کا ڈھیلا پاجامہ اور فراک ڈوپٹہ ہے بڑی بوڑھیاں شلوار اور کلی دار کرتا پہنتی ہیں۔ شادی شدہ لڑکیاں ساڑی بھی پہنتی ہیں مگر کنواری لڑکیوں کے لئے معیوب سمجھی جاتی ہے۔ بعض جگہ کی لڑکیاں پہننے لگی ہیں مگر اُن پر اعتراض ہوتا ہے کہیں کہیں آڑا پاجامہ بھی نظر آجاتا ہے ورنہ وہ صرف ان لوگوں میں رہ گیا ہے جو باہر نکلتی ہیں اور ذلیل سمجھی جاتی ہیں جیسے نائن دھوبن وغیرہ۔ گوٹے مصالحہ کا رواج بہت کم ہوگیا ہے ٹشکو یس ستاروں اور موتی دار چنپا وغیرہ کے کام کے کپڑے زیادہ پہنے جاتے ہیں۔ سنگھار میں نئی پُرانی سب چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ سرمہ مسّی۔ غازہ، پوڈر، کریم۔ ہونٹوں ناخونوں کی سرخی سب کا استعمال عام ہے بلکہ دلہن کے لئے سُہاگ پٹرے کے ساتھ یہ چیزیں بھی آنے لگی ہیں۔ بال اکثر ایسے بنائے جاتے ہیں۔ کہ کان چھپے رہیں۔ دستکاری بہت اچھی ہے کاڑھنا جالی بنانا کروشیا کا کام طرح طرح کی ٹکلن سوئٹر وغیرہ بننا قریب قریب سب جانتی ہیں قمیص جمپر فراک شلوار ڈھیلے آڑے پاجامے سب کچھ قطع کرکے سی لیتی ہیں ہاں خاص طور پر نوک پلک کا خیال کم کرتی ہیں۔ بہت سی لاوارث عورتوں کی گذران سوئی ہی کے کام پر ہوتی ہے سلائی کے علاوہ اجرت پر کاڑھنا جالی کھولنا۔ ٹوپیوں میں کریچ ٹانکنا اور کئی اس قسم کے کام ہوتے ہیں بعض جوتوں کے ڈبے اور پنکھے بناتی ہیں۔ بڑیاں۔ بسکٹ دال سیو کچوری وغیرہ بیچتی ہیں۔ غذا بہت معمولی کھائی جاتی ہے صبح کو بچوں کو حلوے جلیبی کچوری وغیرہ کا ناشتہ کرنے کو پیسے دے دیتی ہیں خود کچھ نہیں کھاتیں یا چائے پی لیتی ہیں دوپہر اور رات کے کھانے میں عموماً گائے کا گوشت قیمہ کباب دال روٹی وغیرہ ہوتی ہے چاولوں کا رواج کم ہے۔ بازار کے سودے دال سیو دہی بڑے وغیرہ بھی منگوا کر کھاتی رہتی ہیں۔ اور مہمانوں کی تواضع بھی انھیں سے کرتی ہیں جاڑوں میں نہاری پائے وغیرہ اکثر بازار سے آتے ہیں اور ایک آدھ مرتبہ پائے بہت دھوم دھام سے پکا کر کنبے اور پڑوس کی دعوت کردی جاتی ہے۔

میل جول یہاں کی مستورات کا بہت اچھا ہے مہمان بلانے کا تو کچھ ایسا دستور نہیں مگر جو آئے اس کی خاطر اچھی طرح کرتی ہیں اور بغیر بلائے کسی کے یہاں جانا بُرا نہیں سمجھتیں۔ اطلاع کرانا بھی کچھ ضروری بات نہیں۔ عید ملنے کو ایسے وقت میں جب کسی کے یہاں تقریب میں آئی ہوئی ہوں محلے میں سب جگہ بے تکلف جاتی ہیں۔ لڑکیوں کو عام طور پر غیر عورتوں سے نہیں چھپایا جاتا بلکہ پڑھی لکھی لڑکیاں زیادہ بیش بیش رہتی ہیں وہاں جن کی نسبت یہ خیال ہو کہ دیکھنے کے ارادے سے آئی ہیں ان کے سامنے نہیں کی جاتیں۔ برسات میں سیر گاہوں میں جانے کی بڑی شوقین ہیں جہاں دو تین پانی پڑے کہ تانگوں اور موٹروں میں بھر بھر کر تاج گنج، اعتماد الدولہ، فتحپور سیکری، سکندرہ کی سیر کو پہونچیں وہاں

جاکر جھولے ڈالتی ہیں۔ خوب جھولتی اور گاتی ہیں۔ اور اور جگہ کی بیسیوں عورتیں لڑکیاں آئی ہوئی ہوتی ہیں اُن سے ملتی جلتی ہیں اور اس طرح سارے دن تفریح کرکے شام کو واپس آتی ہیں۔ پردہ برلئے نام ہے وہ بھی اس طرح کا کہ جب تک اپنے گھر کے مرد سامنے رہے خوب منہ ڈھانکے رہیں جہاں وہ اِدھر اُدھر ہوئے تو جھٹ منہ کھول کر سب طرف دیکھنا شروع کیا۔ تعلیم میں یہاں کی لڑکیاں دوسرے شہروں سے بہت پیچھے ہیں۔ بی اے تو شاید ہی کوئی ہو زیادہ تر مڈل اور اپر مڈل پاس ہیں دو چار منشی اور میٹرک پاس کرچکی ہیں اسلامیہ سکولوں میں ایک صغیر فاطمہ نسواں اسکول ہے جو عرصے سے قائم ہے پہلے انگریزی مڈل تک تھا اب پانچ چھ سال سے آٹھویں تک ہوگیا ہے اور ایک اس سال محمودہ اسکول کے نام سے جاری ہوا ہے باقی چنگی اور مشن کے بہت سے اسکول ہیں جن میں لڑکیاں بغیر فیس کے اردو مڈل تک پڑھ لیتی ہیں۔ دوسرکاری اسکول بھی ہیں لیکن وہاں پردے کا انتظام نہیں اس لئے ان سے صرف ہندو لڑکیاں فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اس سال ٹریننگ کلاس بھی کھل گئی ہے۔

یہ تمام حالات جو میں نے لکھے یہاں کے عام حالات ہیں۔ کچھ گھرانے ابھی پرانی تہذیب کے پابند ہیں جہاں تعلیم کی کمی کے باوجود بھی ایسی اچھی شائستگی موجود ہے کہ دیکھنے والے عش عش کرتے ہیں ان کی خودداری۔ حفظ وضع۔ پابندی شرع۔ ملنساری اور سلیقہ دوسروں کے لئے نمونہ ہیں مگر یہ بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ بھی چراغ سحری ہیں۔

و۔ا

مالن سے

اے چمن کی شاہزادی جنگلوں کی تاجدار
مضطرب ہے پتی پتی تجھ پہ ہونے کو نثار

جلوہ افگن کامیابی کا ترے سر پر ہے تاج
تیرے دم سے باغ گلشن دشت ہیں رنگین آج

جان دیتے ہیں گل تر تیرا جلوہ دیکھ کر
بے نیاز ناز و نخوت بھولی بھالی بے خبر

خوش خرامی کا تری رفتار دیتی ہے سبق
اڑنے لگتا ہے تجھ ہی کو دیکھ کر رنگ شفق

تیرے دامن کی ہوا سے جاگ اُٹھے ہیں چمن
شاد ہوجاتے ہیں تجھ کو دیکھ کر گل پیرہن

صبح دریا کے کنارے گیت جب گاتی ہے تو
تجھ پہ ہوتی ہے نچھاور خوشنما پھولوں کی بُو

لاکھ نغموں کا ترنم ہے تری آواز میں
روح کلیوں کی چھپی ہے تیری چشم ناز میں

بجلیوں کا رقص اک ہلکے تبسم میں لئے
جارہی ہے کس طرف دامن کو پھولوں سے بھرے

خوش ادا مالن بتائے جاکدھر جاتی ہے تو
کس کے ہاروں کے لئے یہ پھول لے جاتی ہے تو

صفیہ شمیم ملیح آبادی

بچوں میں تپ دق

از جناب ڈاکٹر ممتاز حسن صاحب ایم۔ بی۔ بی۔ ایس

تپ دق اس قدر عام ہے اور دن بدن اس کی ترقی اس تیز رفتاری سے ہو رہی ہے کہ اس کے اسباب دفاع اور علاج کے متعلق جس قدر تبلیغ اشاعت کی جائے کم ہے۔ اس مرض کی مدت طویل ہوتی ہے۔ اگر ابتدائی درجات میں علاج شروع نہ ہو جائے تو شفائے کامل سے بالعموم مایوسی ہوتی ہے۔ علاج معالجہ۔ تبدیل آب وہوا اور غذا وغیرہ پر اس قدر روپیہ خرچ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے متمول لوگوں کی جیب خالی ہو جاتی ہے۔ مرض کے دوران میں مریض اور اس کے لواحقین ایک پیہم دماغی پریشانی اور ذہنی اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ مرض متعدی ہے۔ ایک سے دوسرے کو لگتا ہے۔ خاندانوں میں چلتا ہے۔ اگر گھر کے ایک فرد کو شروع ہو جائے تو باقی سب کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ بعض علاقوں اور بالخصوص شہروں میں گھر کے گھر اور محلے کے محلے اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ان سب امور کے پیش نظر اس مرض سے بچاؤ اور مدافعت کے لئے شخصی اور انفرادی کوششیں قطعی غیر موثر اور غیر مفید ہیں۔ یہ مسئلہ طبی ہی نہیں معاشی اور سیاسی اہمیت رکھتا ہے جس قوم کے افراد کی ایک بہت بڑی تعداد دق میں مبتلا ہو یا اس قدر کمزور ہو کہ دق ہر وقت ان پر حملہ کر سکتی ہو۔ اور باقی تمام قوم کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ان مریضوں اور نیم مریضوں کے علاج اور ان کو زندہ رکھنے کی کوشش میں صرف ہوتا ہے۔ اس قوم کا مستقبل سیاسی۔ تمدنی۔ اقتصادی۔ غرض ہر لحاظ سے تاریک ہوتا ہے۔

اس مرض کا سبب ایک خورد بینی کرم (جرثومہ) ہوتا ہے۔ یہ جراثیم مریض کے بلغم میں خارج ہوتے ہیں۔ اور ہوا اور غذا میں جب اس بلغم کی آمیزش ہو جاتی ہے تو تندرست آدمیوں تک پہنچتے ہیں۔ بچوں کے اندر جراثیم یا تو ماں باپ اور دوسرے گھر کے مریض افراد سے داخل ہوتے ہیں۔ یا بیمار حیوان کا دودھ پینے سے۔ اس ملک میں اتنی گائیں تپ دق میں مبتلا نہیں ہیں جتنی بعض ممالک یورپ میں۔ تاہم کبھی کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے۔ اس لئے دودھ ابالنے کے بغیر پینا محفوظ نہیں۔ بکری کے دودھ میں دق کے جراثیم نہیں ہوتے۔ زمین کیسی ہی زرخیز کیوں نہ ہو۔ جب تک بیج نہ پڑے درخت پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس اگر بیج بو دیا جائے تو اس کا پھوٹنا اور بڑھنا پھولنا زمین اور آب ہوا کی کیفیت پر منحصر ہوگا۔ وہ تمام حالات جو اس کی نشوونما کو موافق ہیں ان میں وہ خوب بڑھے اور پھلے پھولے گا۔ اور ان میں سے کوئی ایک بھی ناموافق ہو تو نشوونما میں فرق واقع ہو جائے گا۔ بالکل یہی حال دق کے جراثیم اور بدن انسانی کا ہے۔ جب تک دق کے جراثیم کسی نہ کسی طرح جسم کے اندر داخل نہ ہو جائیں۔ دق کا آغاز نہیں ہو سکتا۔ چاہے جسم کتنا ہی کمزور ہو۔ آب وہوا کیسی ہی خراب ہو اور غذا کتنی ہی ناقص ہو۔ البتہ اگر جراثیم کا جسم کے اندر کسی سبب سے داخلہ ہو جائے تو ان کا بڑھنا اور مرض پیدا کرنا اس ماحول پر موقوف ہو جس میں اس کی

پرورش ہوئی ہے۔ وہ حالات جو دق کے جراثیم کی نشو و نما میں مدد دیتے ہیں یہ ہیں :-

(۱) **آب وہوا**۔ تپ دق ہر آب وہوا اور ہر ملک میں ہوسکتی ہے۔ لیکن زیادہ تر گرم مرطوب ہوا میں ہوتی ہے گرمی کی شدت اور ہوا میں رطوبت کی زیادتی سے جسم کی قوت مدافعت کم ہوجاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سرد اور مرطوب ہوا میں جہاں ہر وقت بادل رہیں۔ مینہ برستا رہے اور برف پڑتی رہے۔ کیونکہ ان حالات میں سورج کی شعاع جو دق کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ بہت کم میسر آتی ہے۔

(۲) **موسم**۔ مرض کی ابتدا ہر موسم میں ہوسکتی ہے لیکن اکثر مریضوں میں علامات گرمیوں کے ابتدا میں شروع ہوتی ہیں۔

(۳) **عمر**۔ چھوٹے بچوں میں پھیپھڑوں کی دق اس انداز سے نہیں ہوتی جس طرح بڑوں میں۔ بلکہ اُن میں علامات بہت تیز۔ میعاد بہت کم۔ اور موت قریبًا یقینی ہوتی ہے۔ بڑے بچوں میں دس بارہ سال کی عمر کے بعد اس طرح ہوتی ہے جس طرح بڑوں میں۔

(۴) **قومیت**۔ پنجاب کے شہروں میں دق نسبتًا مسلمانوں کے ہاں زیادہ ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں افلاس ہے۔ کم علمی ہے اور پردہ کی قیود بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

(۵) **وراثت**۔ یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ دق کے جراثیم ماں یا باپ کی طرف سے بچے کو ورثہ میں نہیں پہنچتے۔ البتہ مرض کو قبول کرنے کا رجحان ضرور پہنچتا ہے۔ دق زدہ ماں اس طاقت کی مالک نہیں ہوتی۔ جو تندرست اور توانا بچے پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ایسی ماں کا بچہ جسمانی اور دماغی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ اس میں تندرست اور طاقتور خون کی کمی ہوتی ہے۔ اس کی ہڈیوں میں چونے کی قلت ہوتی ہے۔ اور جسم کی ساخت ناقص ہوتی ہے۔ اگر ایسی ماں اپنے بچے کو خود دودھ پلائے تو اُسے بیماری لگنے کے خدشات اور بھی زیادہ ہوجاتے ہیں۔ اگر بچہ تندرست ہی پیدا ہو یا اس کی پیدائش کے بعد والدین میں سے کسی کو دق لاحق ہوئی ہو تو بچے کے ہر وقت دق زدہ والدین کے پاس رہنے سے اس کو بیماری میں مبتلا ہونے کا بہت امکان ہوتا ہے۔ اول تو دق زدہ والدین کے ہاں بچے پیدا ہونے ہی نہیں چاہئیں۔ اور اگر ہو بھی جائیں تو ان کو فورًا علیحدہ کرنے سے اور صحیح ماحول اور تندرست آب وہوا میں رکھنے سے بچے تندرست و توانا ہوجاتے ہیں۔ اور مرض سے محفوظ رہتے ہیں۔

(۶) **رہائش اور بود و باش**۔ شہروں کی نسبت دیہات میں دق بہت کم اور شاذ و نادر ہوتی تھی۔ مگر اب ذرائع نقل و حرکت کی آسانی سے دیہاتیوں کی مالی حالت خراب ہونے پر اور اُن کی غذا ناقص ہوجانے سے یہ مرض دیہات میں بھی پھیل رہا ہے۔

(۷) **تھکان**۔ کام کی زیادتی۔ آرام کی قلت اور متواتر تھکان جسم کو کمزور کرکے دق کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ بات بڑوں میں اور بچوں میں یکساں اثر انداز ہے۔ بچوں کا ایسے سکول میں تعلیم پانا جہاں آرام و تفریح کا انتظام نہ ہو۔ ہر وقت استادوں کا خوف رہتا ہو۔ یا چھوٹے بچوں کو چھوٹی عمر ہی سے بڑے کاموں مثلاً مزدوری۔ دکانداری وغیرہ پر لگا دینے سے ان کے جسم کمزور ہوجاتے ہیں۔ اور اگر جراثیم دق کا داخلہ ہوجائے تو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے۔

(۸) **مالی حالات**۔ دق اور افلاس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ افلاس دق کا باعث ہوتا ہے۔ اور دق افلاس پیدا کرتی ہے۔ یہ چکر چلتا ہے تاوقتیکہ وہ لوگ جو اس چکر کے تختہ مشق بنے ہوتے ہیں۔ فنا ہوجاتے ہیں۔ افلاس سے غذا۔ مکان

لباس سب ناقص ہوتے ہیں۔ افلاس کے سبب سے تعلیم نہیں ہو سکتی۔ تعلیم نہ ہونے سے توہم پرستی ہوتی ہے۔ توہم پرستی سے پرہیز نہیں ہو سکتا۔ صحیح علاج نہیں ہو سکتا۔ اور جو تھوڑا بہت اثاثہ ہوتا ہے علاج میں۔ تعویذ گنڈوں میں اور نیم حکیموں میں صرف ہو جاتا ہے۔

(۹) **جہالت**۔ یہ علم اور عقل کا افلاس ہوتا ہے۔ امیر ہے مگر جاہل۔ نہ وہ تندرست رہنے کے اصول کو جانتا ہے نہ جاننا چاہتا ہے اس کا مکان بیشک عالیشان ہوتا ہے مگر وہ جہالت کے سبب دھوپ اور ہوا سے پرہیز کرتا ہے۔ اس کے ہاں غذا قیمتی ہوتی ہے مگر پر تکلف۔ ثقیل اور دیر ہضم۔ اس کے پاس مرض کے علاج کو روپیہ موجود ہے مگر وہ روپیہ نیم حکیموں۔ اشتہار بازوں اور تعویذ گنڈے والوں کے ہاں جاتا ہے۔ پرہیز کے اصول سمجھنے کی نہ اس میں توفیق ہوتی ہے۔ نہ خواہش۔ اس کے بچے پیٹ بھر کر غذا کھاتے ہیں مگر ناقص قسم کی۔ اس لئے اگر ایسے امرا کے ہاں دق کے جراثیم داخل ہو جائیں تو پھر نکلنے کا نام نہیں لیتے۔

(۱۰) **غذا**۔ آب و ہوا کے برابر اثر غذا کا ہے۔ جو لوگ غذائیت کے صحیح اصول سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ اور وہ غذا کھاتے ہیں جس کے اجزا سادہ ہوں۔ تازہ ہوں۔ مقوی ہوں۔ اور زود ہضم ہوں جس سے صالح خون بنتا ہو جس سے جسم کی نشو و نما درست ہوتی ہو۔ ان کے ہاں کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ جن لوگوں میں عادتاً زیادہ خوری ہو یا مجبوراً کم خوری ہو۔ وہ عموماً مرض کے شکار رہتے ہیں۔ اور تپ دق ان پر بہت جلد حملہ کر دیتا ہے۔

جیسا کہ پیشتر بیان ہوا۔ دھوپ تپ دق کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ وہ سب جراثیم کو فنا کر دیتی ہے۔ جسم میں صاف خون پیدا ہونے میں امداد کرتی ہے۔ جلد اور تمام جسم کے اندر مرض کے مقابلہ کی طاقت پیدا کرتی ہے۔ جہاں دھوپ اور تازہ ہوا ہے وہاں صاف خون اور تندرست جسم ہے اور جہاں یہ دونوں چیزیں ہیں وہاں دق نہیں رہ سکتی۔

ماؤں میں تپ دق۔ کمزور اور دبلی پتلی عورتوں میں دق کی ابتدا بالعموم بچے کی پیدائش سے کچھ قبل یا اس سے کچھ بعد بچے کو دودھ پلانے کے ایام سے شروع ہوتی ہے۔ دق کے جراثیم اس قدر عام ہیں کہ غالباً کوئی شخص جو شہر میں رہتا ہے۔ ایسا نہیں کہ کبھی نہ کبھی اس کے جسم کے اندر داخل نہ ہوتے ہوں۔ بعض اس قدر کمزور ہوتے ہیں کہ جسم مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور مرض کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ لیکن تیسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے جسم میں بعض خاص مقامات میں جراثیم ایک خوابیدہ صورت میں موجود رہتے ہیں۔ جب کبھی جسم غیر معمولی طور پر کمزور ہو جائے۔ چوٹ کے سبب سے یا کسی اور سخت مرض کے حملے کے بعد یا اس قسم کے کسی اور حادثہ سے۔ تو یہ جراثیم بیدار ہو کر عضو ضعیف تک پہنچ جاتے ہیں۔ کمزور عورتوں کا تمام جسم بچہ کی پیدائش سے کئی ماہ پہلے سے اپنے آپ سے غافل ہو کر بچے کی نشو و نما میں مصروف ہوتا ہے۔ اور اس کی تمام توجہ اس امر پر مرکوز ہوتی ہے کہ بچہ زیادہ سے زیادہ تندرست و توانا پیدا ہو۔ ایسی حالت میں کمزور ماؤں کے جسم اور بھی کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ زیادہ آسانی سے دق کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پیدائش کے بعد ماں کے فرائض اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ بچے کا تمام دن خیال رکھنا اُسے دودھ پلانا۔ اُس کے بستر بدلتے رہنا۔ اس کے کپڑے دھونا۔ رات کو اُس کی دیکھ بھال اور دودھ پلانے کے لئے کئی بار اُٹھنا۔

اور پھر اس کے علاوہ دوسرے بچوں کا بھی خیال رکھنا۔ شوہر اور دوسرے گھر والوں کو ہر وقت کھانا پکا کر کھلانا۔ ناقص غذا کھانا۔ گھر کی چار دیواری میں مقید رہنے کے باعث دھوپ اور تازہ ہوا سے محروم رہنا۔ اور ان سب کے علاوہ مالی اور خانگی مشکلات کے باعث ذہنی پریشانی میں مبتلا رہنا۔ ان سب اسباب سے ایسی عورت کی صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ اس کی نیند اڑ جاتی ہے ہاضمہ ضعیف ہو جاتا ہے۔ بھوک کم ہو جاتی ہے۔ اور عام جسمانی کمزوری لاحق ہونی شروع ہوتی ہے۔ اگر ماحول میں یعنی گھر کے کسی فرد کو یا محلے میں کسی کو دق ہو تو وہ آخر کار دق میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کے بچے بھی جو اس ماحول میں رہتے ہیں محفوظ نہیں رہ سکتے۔

اسکول کے بچوں میں تپ دق اس ملک میں سکول کے بچوں میں دق بہت عام ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب وہی ماحول ہے جس میں گھروں کے اندر ان کی پرورش ہوتی ہے یعنی ہوا۔ دھوپ اور غذا کی کمی۔ اور دوسرے یہ کہ اکثر سکول ایسے ہیں جو حفظان صحت کے اصول پر نہیں بنائے جاتے۔ بہت سے سکول سڑکوں کے کنارے پر واقع ہیں۔ جہاں گرد و غبار کی کثرت ہوتی۔ کمروں میں دھوپ کا گزر نہیں ہوتا۔ پڑھائی زیادہ سخت اور سبق بہت خشک ہوتے ہیں جن سے یاد کرنے میں بچوں کے دماغ پر غیر معمولی بوجھ پڑھتا ہے۔ استاد بچوں سے محبت نہیں کرتے۔ سبق میں دلچسپی نہیں پیدا کرتے۔ بچوں کو ہمدردی سے نہیں پڑھاتے۔ کھیل کے اوقات میں بھی بچوں کو کھیل بطور ڈیوٹی کے کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے ان کو کھیل سے حقیقی تفریح نہیں ہوتی۔

اسکول کے دکانداروں کو اجازت ہوتی ہے کہ جو اشیائے خورد و نوش دوسرے شہریوں کے کھانے کے لائق نہ رہیں۔ ان معصوموں کو کھلائیں۔ بچوں کی صحت کی حفاظت اور نگرانی کے لئے طبی معائنہ اور علاج کے انتظامات نہایت ناقص اور غیر تسلی بخش ہوتے ہیں۔ بچوں کے والدین اور استادوں میں اتحاد عمل نہیں ہوتا جس کے سبب سے بچوں کی جسمانی اور دماغی نشو و نما صحیح اور اعلیٰ پیمانہ پر نہیں ہو سکتی۔ ان کی بصارت کمزور۔ دانت خراب۔ خون کی قلت سے رنگ زرد۔ جسم کمزور۔ اور مرض کے مقابلہ کی قوت خفیف ہوتی ہے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ ان میں دق کا مرض عام ہو۔ لڑکیوں کے سکولوں میں صورت حالات اس سے بھی بدتر ہے۔ ان کے کمرے تنگ و تاریک صحن بڑی بڑی دیواروں سے گھرے ہوئے۔ جس سے روشنی اور ہوا کا کسی وقت گزر نہیں ہوتا۔ ان سکولوں میں کثرت ان کی ہے جو محلوں یا تنگ بازاروں میں واقع ہوتے ہیں جن کے ساتھ کوئی کھلے میدان نہیں ہوتے جن میں وہ بے زبان کھلی ہوا میں چل پھر سکیں۔ یا ورزش کر سکیں۔ بچوں میں تپ کی علامات۔ روک تھام۔ اور علاج کی تفصیل اگلی اشاعت میں درج ہوگی +

ملاح کا ساتھی

اشخاص:۔

۱۔ **مسنر واٹرز** .... ایک چھوٹے سے دیہاتی پبلک ہاؤس کی مالکہ۔

۲۔ **جارج بیکن** .... ایک پنشن یافتہ سپاہی۔

۳۔ **نڈ ٹر پورس** .... ایک فوجی سپاہی۔

منظر: مسنر واٹرز کی دوکان۔ بائیں ہاتھ کاؤنٹر (Counter) اس کے پیچھے ایک دروازہ ہے۔ جو بیٹھنے کے کمرہ میں کھلتا ہے۔ ایک اور دروازہ باغیچہ میں کھلتا ہے۔ اور تیسرا سڑک پر۔ کمرہ میں ایک کھڑکی اور ایک بڑی سی الماری بھی ہے۔

وقت۔ دس بجے رات۔

مسنر واٹرز کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی نظر آتی ہے۔ جارج کاؤنٹر کے سامنے کھڑا ہے۔ مسنر واٹرز خوبصورت تیس سال کی عورت ہے۔ جارج پست قد بھاری جسم کا شخص ہے۔ عمر تقریباً پچاس ہے

جارج:۔ مسنر واٹرز میں پہلے بھی بار ہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ خواہ تم کتنا ہی انکار کرو۔ میرے محسوسات میں فرق نہ آئے گا۔

مسنر واٹرز:۔ اور میرے محسوسات میں بھی نہیں۔

جارج۔ کیا تم مجھے کوئی امید نہیں دلا سکتیں؟ (شراب کا خالی جام مسنر واٹرز کی طرف ہٹاتا ہے)

مسنر واٹرز: یہ بڑی عجیب بات ہے مسٹر جارج! تم ہمیشہ شراب کے تین گلاس پی چکنے کے بعد مجھ سے شادی کے لئے کہتے ہو!

جارج۔ یہ صرف اس لئے کہ میں اپنے دل کو مضبوط کرنا چاہتا ہوں۔ آئندہ میں خیال رکھوں گا۔ اور اس سے پیشتر کہ ایک بوند بھی چکھوں تمہیں شادی کا پیغام دے دوں گا۔ پھر تم پر ثابت ہو جائے گا کہ میری خواہش میری دلی آرزو ہے۔ (وہ دروازہ کی طرف جاتا ہے۔ اور نہایت افسردہ لہجہ میں کہتا ہے) شب بخیر مسنر واٹرز۔ تم نے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ بھلا شراب کو شادی کے پیغام سے کیا تعلق ہے۔ شب بخیر خاتون!

مسنر واٹرز۔ ٹھیرنا مسٹر جارج۔

جارج۔ کیا میں اپنی کامیابی کی امید کر سکتا ہوں۔

مسنر واٹرز۔ نہیں۔ مگر تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟

جارج۔ تمہاری خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔

مسنر واٹرز۔ میری ملازمہ لڑکی آج چھٹی پر چلی گئی ہے۔ مجھے ابھی کھانا کھانا ہے۔ اور یہاں دکان پر اور کوئی نہیں ہے اگر تم اتنی مہربانی......

جارج۔ کیا صرف یہی کام ہے؟ میں سمجھا کوئی ایسا کام ہوگا جس سے میں ثابت کر سکوں گا..........

مسنر واٹرز۔ (بات کاٹتے ہوئے) لو میں کھانا کھانے جا رہی ہوں جلدی واپس آجاؤں گی۔

(ساتھ کے کمرہ میں چلی جاتی ہے۔ جارج ٹھنڈا سانس بھرتا ہے۔ اور کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے)

جارج۔ (شراب کا جام اپنی طرف بڑھاتے ہوئے) یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میرا دم گھٹ رہا ہے۔ یہ محبت کی انتہا ہے! کاش میں اُسے بتا سکتا کہ وہ کیسا زریں موقعہ کھو رہی ہے!

(شراب کا بھرا ہوا جام اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیتا ہے۔ اتنے میں نڈ ٹر پورس دکان میں داخل ہوتا ہے۔ وہ لمبے قد کا خوشرو جوان ہے۔ عمر ۳۸ برس ہے۔ چال ڈھال سے فوجی شان عیاں ہے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ ہے)

نڈ ٹر پورس۔ گڈ ایوننگ۔　**جارج۔** گڈ ایوننگ۔

ٹریورس۔ ایک گلاس شراب (جارج گلاس بڑھاتا ہے۔ ٹریورس لے لیتا ہے۔ اور قیمت ادا کرتا ہے)

جارج۔ کس قدر خوشگوار رات ہے۔

ٹریورس۔ ہاں۔ لیکن کسی قدر خنک۔ (شراب کا گلاس چڑھا جاتا ہے اور پھر چاروں طرف نظر ڈالتا ہے) نہایت آرام دہ جگہ کے مالک ہو۔

جارج۔ آرام دہ تو ضرور ہے۔ لیکن میری ملکیت نہیں۔

ٹریورس۔ کیا تم اس کے مالک نہیں؟

جارج۔ نہیں۔ بلکہ اس کی مالک میری ایک دوست ہیں۔ وہ ایک بیوہ ہے۔ اس وقت میں اس کی جگہ کام کر رہا ہوں۔

ٹریورس۔ خوش قسمت ہو! جارج۔ کیا کہا؟

ٹریورس۔ کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ ناراض نہ ہو۔ جارج۔ یہ تو درست ہے لیکن ..

ٹریورس۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ کیا تمھارے پاس پائپ بھرنے کا تمباکو ہے؟

جارج (تمباکو کا ڈبہ دیتے ہوئے) یہ لو۔ ٹریورس۔ شکریہ۔

جارج۔ کیا تم برٹش سپاہی ہو۔؟

ٹریورس۔ (تمباکو کا ڈبہ واپس کرتے ہوئے) تھا لیکن اب تو اپنا سپہ سالار ہوں!

جارج۔ (اپنا پائپ بھرتے ہوئے) کیا تم پیدل ہی سفر کرتے ہو؟

ٹریورس۔ یہ تو ظاہر ہی ہے (اپنا ٹوٹا ہوا گرد آلود بوٹ دیکھتا ہے)

جارج۔ (کاؤنٹر کے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تھوڑی دیر آرام کرو۔

ٹریورس۔ (بیٹھتے ہوئے) اچھا۔

جارج۔ (ٹریورس کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ کہتا ہے) یہ مانے یا نہ مانے۔ لیکن ہے ضرورت مند۔ بہر صورت میں کوشش ضرور کروں گا۔ (ٹریورس سے) ایک جام اور (ٹریورس پس و پیش کرتا ہے) میری طرف سے۔

ٹریورس۔ تو پھر مجھے بھی انکار نہیں (جارج شراب کے دو جام بھرتا ہے اور میز پر رکھ دیتا ہے) تو تم یہاں بہت بے تکلف معلوم ہوتے ہو۔

جارج۔ کاش یہ صحیح ہوتا! (جام منہ سے لگاتا ہے) دوست کیا ملازمت کی تلاش میں ہو؟

ٹریورس۔ ہاں بھئی میں تو تلاش کرتے کرتے تھک گیا۔

جارج۔ کام کرنے کے بہت شوقین معلوم ہوتے ہو۔

ٹریورس۔ مجھے کام میں مصروف رہنا بہت پسند ہے اور بیکاری سے سخت نفرت لیکن انسان جو چاہتا ہے وہ اُسے مہیا نہیں ہو سکتا (عقلمندی کا اظہار کرتے ہوئے) اور یہ ہمارے لئے بہتر بھی نہ تھا۔

جارج۔ کیا۔ کیا آدھ پونڈ تمھارے کسی کام آسکے گا۔

ٹریورس۔ (کرسی سے اُٹھتے ہوئے سختی سے) دیکھو! اس لئے کہ میں نے تم سے پائپ بھرنے کے لئے تمباکو ....

جارج۔ خفا نہ ہو۔ خفا نہ ہو۔ میرا مطلب یہ ہے۔ اگر تم اُسے ایمانداری سے حاصل کرو۔

ٹریورس۔ (غصہ کو مدہم کرتے ہوئے) آخر کام کیا ہے؟ باغبانی یا شیشے صاف کرنے کا؟

جارج۔ (سرگوشی کے لہجہ میں اور ساتھ کے کمرہ کی طرف دیکھتے ہوئے) نہیں

ٹریورس۔ تو پھر فرش صاف کرنا ہوگا۔ پچھلی دفعہ جب میں نے ایک گھر کا فرش صاف کیا۔ تو میں نے اُسے اتنا چمکایا۔ کہ وہ کم بخت مجھے صابن ضائع کرنے کا الزام دینے لگے۔

جارج۔ اور حقیقت میں تم نے ضائع نہیں کیا تھا؟

ٹریورس۔ (اُٹھتے ہوئے اور تمباکو پائپ سے پھینکتے ہوئے) مجھے افسوس ہے کہ میں تمھارا تمباکو واپس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں کسی قدر پی چکا ہوں۔ اور نہ اس کی قیمت ادا کر سکتا ہوں۔ کیونکہ میرے پاس صرف چھ پینس ہیں۔ اور ان کی مجھے اشد ضرورت ہے۔ (دروازہ کی طرف جاتا ہے) اچھا خدا حافظ دوست اور اگر پھر کبھی ایسا اتفاق ہو۔ کہ کوئی غریب تم سے تمباکو مانگے۔ تو انسان ہی طرح اُس سے پیش آنا۔

جارج۔ (اس کا بازو پکڑتے ہوئے) میں نے اپنی زندگی بھر تم جیسا زود رنج شخص نہیں دیکھا۔ میں نے جو کچھ پوچھا تھا۔ اس کی معقول وجوہ تھیں۔

ٹریورس۔ میں کہتا ہوں ..... جارج۔ پہلے میری بات سنو۔

ٹریورس۔ (بیٹھتے ہوئے) کہو۔ کیا کہتے ہو۔

جارج۔ (دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔ آہٹ معلوم ہوتی ہے

اور پھر آہستہ آواز میں کہتا ہے) میں نے تم سے آدھ پونڈ کا ذکر کیا تھا اور اب میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کہ میں تمہیں یہ رقم ایک معمولی سی نقب زنی کے بدلہ میں دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے تمھاری ایمانداری کے مطابق مجھے اپنی تسلی کرنا تھا۔

ٹریورس۔ نقب زنی؟ ایمانداری؟ خدا کی قسم یا تو تم نشہ میں بہک رہے ہو؟ اور یا میری عقل شراب نے زائل کر دی ہو۔

جارج۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تھوڑے عرصہ کے لئے تمہیں ایک نقب زن کا پارٹ ادا کرنا ہوگا۔

ٹریورس۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں ہی نشہ میں چور ہیں۔

جارج۔ اگر تم سننا نہیں چاہتے تو پھر جانے دو۔

ٹریورس۔ ہاں جانے ہی دو۔ میرا نام ہنڈ ٹریورس ہو۔ میں بھی دوسرے انسانوں کی طرح کبھی کبھی شراب پی لیتا ہوں۔ یہ سب اُسی کی کرامات ہیں۔

جارج۔ اس میں کیا مضائقہ ہو۔ شراب کے سب ہی شوقین ہوتے ہیں۔ (تمباکو کا ڈبہ پیش کرتے ہوئے) پائپ بھر لو۔ لیکن اب دوبارہ ایسا عمدہ تمباکو پھینک نہ ڈالنا۔

ٹریورس۔ (پائپ بھرتے ہوئے) تم کیا کام کروانا چاہتے ہو؟

جارج۔ میں نے ابھی پورے طور پر تجویز نہیں بنائی۔ البتہ میرے دل میں کئی دفعہ اس بات کا خیال آیا ہے۔

ٹریورس۔ یعنی تم ایک قسم کی سازش کرنا چاہتے ہو؟

جارج۔ یہ درست ہے (ٹریورس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہو) اب سنو یہ ایک چھوٹا سا پبلک ہاؤس ہو۔ اس کا نام بی ہائو (Bee Hive) ہے۔ اور اس کی مالکہ ایک عورت ہے۔

ٹریورس۔ ایک بیوہ ہے۔ تم مجھے بتا چکے ہو۔

جارج۔ ہاں میں نے بتایا تھا۔ قصہ مختصر اُس خاتون پر میری نظر ہے۔

ٹریورس۔ میرا پہلے ہی یہ خیال تھا۔

جارج۔ (لمبا سانس بناتے ہوئے) لیکن وہ مجھے قبول نہیں کرتی۔

ٹریورس۔ تو پھر یہ سمجھ لو۔ کہ اسے اچھے بُرے کی پہچان ہی نہیں۔

جارج۔ (گہرے سوچ میں غرق ہوتے ہوئے) وہ بیچاری تنہا ہو۔ بی ہائو بھی ایک سنسان جگہ ہے۔ آدھ آدھ میل تک کوئی آبادی نہیں۔

ٹریورس۔ پبلک ہاؤس کے لئے نہایت غیر موزوں جگہ۔

جارج۔ میں اُسے بار بار بتا چکا ہوں۔ کہ یہ بے حد محفوظ جگہ ہے۔

ٹریورس۔ اسے ایک آدمی... یا ایک کتے کی ضرورت ہو حفاظت کے لئے۔

جارج۔ کتا بے فائدہ ہے۔

ٹریورس۔ درست کہتے ہو۔ ایک آدمی کی اُسے ضرورت ہے۔

جارج۔ یہ تو میں اُس سے کئی دفعہ کہہ چکا ہوں۔

ٹریورس۔ وہ کیا کہتی ہے؟

جارج۔ کچھ بھی نہیں ہنس پڑتی ہو۔ وہ یقین ہی نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ میں پست قد آدمی ہوں۔ وہ دراز قد آدمی کو پسند کرتی ہے۔

ٹریورس۔ (اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے) عورتیں زیادہ تر دراز قد آدمیوں کو ہی پسند کرتی ہیں۔ جب میں جنوبی افریقہ میں تھا.....

جارج۔ (بات کاٹتے ہوئے) میں ایک پنتھ دو کاج پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اُسے حفاظت کے لئے ایک مرد کی ضرورت ہے۔ اور دوسرے میں ہی ایسا شخص ہوں جو اس کی حفاظت کرسکتا ہے آیا سمجھ میں؟

ٹریورس۔ (جارج کے بازو کو ذرا دبا کر) لوہے کی طرح مضبوط ہو۔

جارج۔ میرا خیال ہے کہ وہ نہ جانتے ہوئے بھی مجھ سے محبت کرتی ہو

ٹریورس۔ عورتوں کی عام طور پر یہی حالت ہوتی ہو جب میں جنوبی اف

جارج۔ (بات کاٹتے ہوئے) میں اُسے مایوس نہیں کرنا چاہتا۔

ٹریورس۔ یہ تمھاری شرافت ہے۔

جارج۔ اس کو خوب ذہن نشین کر لو۔ کہ میں ایک بہت اچھے دل و دماغ کا مالک ہوں۔ ورنہ ملاح کے معزز عہدہ کو کبھی نہ پہنچتا۔ میں سوچ بچار میں اس قدر غرق ہو جاتا ہوں کہ بعض اوقات میرا سر چکر کھانے لگتا ہے۔

ٹریورس۔ شاید یہ شراب کی وجہ ہو؟

جارج۔ شراب؟ نہیں یہ سوچ بچار کا نتیجہ ہے۔ شراب کا تو میں عادی ہو گیا ہوں۔

ٹریورس۔ اچھا تو تجویز کیا ہے؟

جارج۔ جو کام میں لینا چاہتا ہوں۔ اگر وہ کر دو تو مجھے ایک پونڈ دینے میں بھی تامل نہ ہوگا۔

ٹریورس۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔

جارج۔ اُس کے یہاں آنے سے پیشتر بہتر ہوگا۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔

ٹریورس۔ (کھڑے ہوتے ہوئے) کیوں؟ کیا تمہارا خیال ہے۔ کہ وہ مجھے پسند کرنے لگے گی۔

جارج۔ یہ ممکن نہیں۔

ٹریورس۔ ممکن کیسے نہیں۔ جب میں جنوبی افریقہ میں تھا۔....

جارج۔ خاموش ہو جاؤ۔ پہلے میری تجویز سنو۔

ٹریورس۔ اچھا۔

جارج۔ تم باہر کھڑے ہوئے میرا انتظار کرنا۔ جیسے ہی باہر آؤں گا وہ دکان بند کر کے سونے کے لئے دوسری منزل پر اپنی خوابگاہ میں چلی جائے گی۔ ہم تھوڑی دیر انتظار کریں گے۔ اور پھر... ......

ٹریورس۔ ہم نہیں مجھے شامل نہ سمجھو۔ کل ہوٹل میں مجھے کام ملنے کی امید ہے۔ اور ۱۲ میل پیدل چل کر مجھے وہاں پہنچنا ہے۔ بھلا آوارہ گردی کے لئے مجھے فرصت کہاں؟

جارج۔ (سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) ہم کچھ عرصہ انتظار کریں گے اور پھر... ......

ٹریورس۔ اس کا فائدہ ہی کیا۔ وہ دوکان بند کر دے گی۔ اور ہم شراب نہیں پی سکیں گے۔

جارج۔ (سختی سے) خدا کے لئے خاموشی سے سنو۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد میں تمہیں اس کھڑکی کے پاس لے آؤں گا۔

ٹریورس۔ (چونکتے ہوئے) ہوں!

جارج۔ تم اس کھڑکی میں سے اندر داخل ہو کر اوپر چلے جانا۔ اور اُسے ڈرانا دھمکانا وہ مدد کے لئے چلائے گی۔

ٹریورس۔ مدد کے لئے چلائے گی؟ دیکھ لو۔

جارج۔ میں وفاداری سے مکان کی حفاظت کر رہا ہوں گا جس وقت وہ چلائے گی۔ فوراً موقعہ پر پہنچ جاؤں گا۔ اور اُسے بچا لوں گا۔

دسکراتا ہے وہ شکریہ کا اظہار کرے گی۔ اور پھر میری طاقت اور دلیری سے مغلوب ہو کر مجھ سے شادی کرے گی۔

ٹریورس۔ اور مجھے پانچ سال کے لئے ہنی مون پر بھیج دیا جائے گا شب بخیر دوست شب بخیر۔

جارج۔ (ٹریورس کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے) اتنی جلدی نہ کرو۔ میں نے اس بات کا سب بند وبست کر لیا ہے۔

ٹریورس۔ تمہاری عنایت۔

جارج۔ تم مجھ سے زیادہ تیز بھاگ سکتے ہو۔ اس لئے تم بچ کر بھاگ نکلو گے۔ گرد ونواح میں اور کوئی آباد نہیں۔ اور اُس کی ملازمہ چھٹی پر ہے۔

ٹریورس۔ اچھا خدا حافظ دوست اس دل لگی کا شکریہ۔

جارج۔ (حیرانی سے) تم یہ کام نہ کرو گے؟

ٹریورس۔ ہرگز نہیں۔ اگر میں پکڑا جاؤں تو پھر؟

جارج۔ اگر تم پکڑے گئے تو میں سب باتوں کا اقبال کر لوں گا۔

ٹریورس۔ ممکن ہے۔ کہ تم کر لو۔ اور بہت ممکن ہے کہ نہ کرو۔ اس لئے خدا حافظ۔

جارج۔ (لجاجت کے لہجہ میں) میں تمہیں دو پونڈ تک دینے کو تیار ہوں۔ حقیقت میں تم ہی ایک ایسے شخص ہو جو اس کام کو سرانجام دے سکو۔

ٹریورس۔ مہربانی۔

جارج۔ (ٹریورس کا بازو پکڑتے ہوئے) میں تمہیں اپنی تحریر دینے کو تیار ہوں۔ تم بزدل نہیں ہو۔ ایک ملاح تو کام کی لذت کے شوق میں ہی ایسا کام کرنے بخوشی تیار ہو جاتا ہے۔

ٹریورس۔ تو پھر کسی ملاح سے کیوں نہیں کہتے۔ خدا حافظ۔

جارج۔ (ٹریورس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے) اگر تمہارے پاس میری تحریر ہو۔ اور تم پکڑے جاؤ۔ تو اس صورت میں میرے لئے برا ہوگا!

ٹریورس۔ مجھے تمہاری پرواہ نہیں۔

جارج۔ میں تمہیں دو پونڈ پیشگی ادا کر دوں گا۔ اگر اس وقت میرے پاس ہوتے تو فوراً ادا کر دیتا۔ پھر بھی جلدی دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔

ٹریورس۔ اگر تمہارے پاس نہیں تو پھر لو گے کہاں سے؟

جارج ۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں انتظام کرلوں گا۔

ٹریورس ۔ (بیٹھتے ہوئے) تو پھر سب کچھ لکھ کر اپنے دستخط کر دو اور میں تمہارا کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔

جارج ۔ شاباش دوست (جیب سے کچھ کاغذ نکالتا ہے) یہ رہے کچھ خطوط ان پر میرا صحیح نام اور پتہ لکھا ہے۔ انہیں ایک نظر دیکھ لو۔ تو پھر میں تمہیں اپنی تحریر دے دوں گا۔

ٹریورس ۔ یہ ہے کام کی بات (لفافہ کو اُلٹتا پلٹتا ہے۔ جارج اپنی جیب سے ایک پنسل نکالتا ہے اور لکھنا شروع کرتا ہے) اوہو اس لفافہ پر ٹکٹ نہیں لگایا گیا تھا۔ اور تمہیں دو پنس ادا کرنے پڑے۔ لاپرواہ لڑکی!

جارج ۔ یہ کسی لڑکی کا خط تو نہیں۔

ٹریورس ۔ اچھا! خط سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔

جارج ۔ نہیں! نہیں! اس خط کے لکھنے والی لڑکی نہیں لیکن خدا کے لئے مجھے پریشان نہ کرو میں نے ایک لفظ کے ہجے بھی غلط لکھ دئے ہیں۔

ٹریورس ۔ مجھے افسوس ہے دوست۔ اب میں خاموش رہوں گا۔

جارج ۔ (چند لفظ لکھنے کے بعد) نقب میں ک ہے یا ق؟

ٹریورس ۔ مجھے کچھ خیال نہیں۔ جارج میں نے تحریر ختم کرلی اسے پڑھ لو۔

ٹریورس ۔ (پڑھ کر کاغذ جیب میں رکھ لیتا ہے) معلوم تو ٹھیک ہی ہوتی ہے تمہیں تو ایک وکیل بننا چاہیئے تھا۔

جارج ۔ ہش۔ ٹریورس ۔ کیا؟

جارج ۔ (سرگوشی کے لہجہ میں) وہ آرہی ہے۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اور باہر میرا انتظار کرو۔ وہ تمہیں دیکھنے نہ پائے۔

ٹریورس ۔ درست کہتے ہو۔ میں جاتا ہوں۔ (باہر جاتا ہے۔ لیکن پھر واپس آکر دروازہ میں سے جھانکتا ہے) وہ دو پونڈ لانے نہ بھول جانا۔

جارج ۔ (گھبراہٹ سے) مجھے یاد ہیں۔ لیکن تم یہاں سے دفان بھی ہو۔ (جیسے ہی ٹریورس دروازہ بند کرتا ہے مسز واٹرز کمرہ میں داخل ہوتی ہے)

مسز واٹرز ۔ تم یہاں بیٹھے بیٹھے اکتا تو نہیں گئے؟ کیا کوئی گاہک آیا تھا؟ میں نے آواز سنی تھی۔

جارج ۔ ہاں ایک آوارہ گرد سا آدمی آیا تھا۔ مجھے تو بے حد مشکوک نظر آتا تھا۔

مسز واٹرز ۔ یہاں تو ایسے بیسیوں آوارہ گرد آتے رہتے ہیں۔

جارج ۔ اور تم بالکل تنہا ہو مسز واٹرز۔ میں بزدل نہیں ہوں۔

جارج ۔ فرض کرو کہ وہ شخص جو ابھی یہاں آیا تھا۔ آج رات یہاں نقب لگانے کا ارادہ کرے تو اُسے کون روک سکتا ہے؟

مسز واٹرز ۔ میرا خیال ہے تم مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو۔ شب بخیر مسٹر جارج۔ مجھے اب دکان بند کردینی چاہیئے۔

جارج ۔ لاؤ میں بھی دروازے اور کھڑکیاں بند کردوں۔ (نظر بچا کر کھڑکی کی چٹخنی نہیں لگاتا) کیا تم مجھے دو پونڈ قرض دے سکو گی میں ایک آدھ دن میں واپس کردوں گا مجھے ایک ضرورت ہے۔

مسز واٹرز ۔ بڑی خوشی سے (نقدی کا صندوقچہ اٹھا لیتی ہے)

جارج ۔ میں تمہیں رسید لکھے دیتا ہوں۔

مسز واٹرز ۔ رسید کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے تم پر کامل اعتماد ہے اور سب کچھ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔

جارج ۔ سوائے اپنے آپ کے (ٹھنڈا سانس بھرتا ہے)

مسز واٹرز ۔ (ہنستی ہے) یہ رہی تمہاری مطلوبہ رقم۔ مجھے یقین ہے کہ تم اسے کسی اچھے کام میں صرف کروگے!

جارج ۔ بیشک میں اسے بہترین کام میں خرچ کروں گا۔

مسز واٹرز ۔ اچھا شب بخیر۔ رات بہت گذر چکی ہے۔

جارج ۔ شکریہ اور شب بخیر مسز واٹرز اگر کبھی تم اپنا ارادہ بدلو تو یاد رکھنا کہ میں ہمیشہ تیار ہوں۔ (باہر نکل جاتا ہے مسز واٹرز دونوں دروازوں میں قفل ڈال دیتی ہے اور نقدی کا صندوقچہ اُٹھا لیتی ہے)

مسز واٹرز ۔ (خود سے) اگر میری جگہ کوئی اور عورت ہوتی۔ تو ضرور تنہائی سے سہم جاتی۔ شکر ہے خدا کا جس نے مجھے مضبوط دل بخشا۔ حیران ہوں کہ جارج نے دو پونڈ کس لئے لئے ہیں۔ کہیں وہ اس امید پر کہ شاید میں اپنا ارادہ بدل دوں منگنی کی انگوٹھی خریدنے کا خیال تو نہیں کر رہا۔ (ہنستی ہے اور میز پر سے لیمپ اُٹھا لیتی ہے) اُف مجھے کس قدر نیند آرہی ہے (وہ لیمپ لے کر کمرہ سے نکل جاتی ہے۔ سٹیج پر تھوڑی دیر کے لئے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور پھر جارج اور ٹریورس کھڑکی کے باہر کھڑے نظر آتے ہیں)

چاندنی چاروں طرف چھٹکی ہوئی ہے۔ ان کی حرکات وسکنات بخوبی نظر
آرہی ہیں۔ ٹریورس آہستہ سے کھڑکی کھول دیتا ہے۔ سٹیج پر چاند کی کرنیں
پڑنے سے روشنی ہوجاتی ہے)
ٹریورس۔ ہرطرف خاموشی ہے (کھڑکی کے اوپر چڑھتا ہے۔ جارج
اُسے چڑھنے میں مدد دیتا ہے اور پیچھے سے دھکیلتا ہے) اتنے زور
سے نہ دھکیلو ورنہ میں کمرے میں اوندھے منہ جا پڑوں گا۔ (ٹریورس
کمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ اور چاروں طرف دیکھتا ہے۔ جارج کھڑکی میں
سے جھانکتا ہے اور سرگوشی کے لہجہ میں پوچھتا ہے۔)
ٹریورس بالکل ٹھیک۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میں ساری عمر نقب
زنی کرتا رہا ہوں۔ لیکن تمہارا کیا حال ہے؟
جارج۔ میں قدرے گھبراہٹ محسوس کر رہا ہوں۔
ٹریورس۔ ایک ملاح اور گھبراہٹ ظاہر کرے؟ ہمت کرو دوست۔
جارج۔ یہ رہے دو پونڈ۔ (دے دیتا ہے)
ٹریورس۔ یہ تم نے لئے کہاں سے؟ کیا اُس بیچاری سے ہی؟
جارج۔ تمہیں اس سے کیا سروکار؟ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ اُسے
ڈرا دو۔ لیکن زیادہ خوف زدہ نہ کرنا۔ جب وہ چیخے گی تو میں فوراً موقعہ پر
پہونچ جاؤں گا۔
ٹریورس۔ اور تم اس بات کو خوب اچھی طرح گوش گزار کرلو کہ مجھے زیادہ
زور سے نہ مارنا ورنہ......
جارج۔ بہت اچھا۔ میں تم پر سخت ہاتھ نہ اُٹھاؤں گا۔
ٹریورس۔ کیا وہ متعجب نہ ہوگی کہ تم اتنی جلدی موقعہ پر کیسے پہنچ گئے۔
جارج۔ نہیں بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ میرا وفادار دل رات بھر اس
کی حفاظت کرتا ہے۔
ٹریورس۔ (اپنے بوٹ اتارتے ہوئے) بہت اچھا۔ تو پھر تمہارا وفادار دل
میرے جوتوں کی بھی حفاظت کرسکتا ہے (بوٹ جارج کو پکڑا دیتا ہے)
ایسی جگہ رکھنا جہاں سے جاتے ہوئے میں جلدی میں اُٹھا سکوں۔
جارج۔ بہت اچھا۔
ٹریورس۔ اچھا خدا حافظ۔ اب خواہ کامیابی کا منہ دیکھوں اور خواہ
موت کے منہ میں جاؤں۔ (جارج کھڑکی کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے)
پہلے اس کے کمرہ کا جائزہ تو لے لوں جس دروازہ سے میں داخل ہوا تھا
وہ تو مقفل ہے۔ یہ کیا ہے؟ الماری! (کمرہ میں چاروں طرف پھرتا ہے۔
اور کسی قدر گھبراہٹ محسوس کرتا ہے) مجھے یہ کام ذرا بھی پسند نہیں۔
کہیں دو پونڈ آخر دو پونڈ نہیں۔ اور... (چونک اٹھتا ہے) یا خدا یہ
کیا ہے؟ (جارج کا سر کھڑکی میں جھانکتا ہوا نظر پڑتا ہے) تم پرے
کیوں نہیں چلے جاتے۔ مجھے تو تم نے گھبرا دیا تھا۔
جارج۔ ابھی یہیں ہو؟ میں نے سمجھا تم اوپر پہنچ گئے ہوگے۔
ٹریورس۔ میں عجلت میں کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ سب سے پہلے
میں اس کمرہ کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ جب میں جنوبی افریقہ میں....
جارج۔ (جھنجھلاتے ہوئے) یہ افسانہ دوست پھر کسی وقت سنیں گے۔
فی الحال اس کام کو جلدی سرانجام دو میں سخت پریشان ہو رہا ہوں۔
ٹریورس۔ جلدی کیا ہے؟ کچھوے کی چال چلنے والے ہمیشہ کامیاب
ہوتے ہیں۔ اور اگر تم یہاں کھڑے باتیں کرتے رہے تو میں حشر تک
یہ کام سر انجام نہ دے سکوں گا۔
جارج۔ میں جاتا ہوں میں دخل دینا نہیں چاہتا۔ میں باغیچہ کے اُس
سرے پر کھڑا انتظار کروں گا۔ (چلا جاتا ہے)
ٹریورس۔ کاش میں اس مصیبت میں گرفتار نہ ہوتا۔ لیکن جب اوکھلی
میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈر۔ اب تو کرنا ہی ہوگا۔ خدا کرے وہ بیچاری
خوف سے کہیں بے ہوش نہ ہوجائے۔ (دروازے کی طرف جاتے ہوئے)
میرے خیال میں یہاں سے مجھے اوپر جانے کا راستہ مل جائے گا۔
(دروازہ کھولتے وقت میز پر پڑا ہوا جگ پٹاخ سے فرش پر گرتا ہے
ٹوٹ جاتا ہے) لعنت! اس جگ پر (خاموش کھڑا ہو کر آہٹ لیتا ہے)
بالکل خاموشی ہے۔ نیند کی ماتی معلوم ہوتی ہے۔ (دروازہ کی طرف جاتا
ہے اور اُسے کھولتا ہے) اگر میں یہ کام پورا نہ کرسکا تو جارج سمجھے گا...
خدایا وہ تو آرہی ہے اور اُس کے ہاتھ میں بندوق ہے۔ (واپس بھاگتا
ہوا میز کے قریب پہنچتا ہے۔ لیکن ایک خیال کے آتے ہی الماری میں
گھس کر الماری بند کرلیتا ہے۔ اتنے میں مسز واٹرز داخل ہوتی ہے
اس کے ایک ہاتھ میں موم بتی ہے اور دوسرے میں دونالی بندوق
وہ شب خوابی کے لباس میں ہے۔ چاروں طرف دیکھتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ

الماری کی طرف بڑھتی ہے)
مسز واٹرز۔ معلوم ہوتا ہے مجھے وہم ہی ہوا ممکن ہے کوئی چوہا ہو۔ یہ کہتے ہوئے وہ یک لخت الماری کے پاس پہنچ جاتی ہے اور اُسے مقفل کر دیتی ہے) اب قابو میں آئے۔ خاموش رہو۔ اگر تم نے الماری توڑ کر باہر آنے کی کوشش کی تو میں فائر کر دوں گی۔
ٹریورس۔ (جلدی سے) فائر نہ کرنا۔ میں ملنے جلنے کا نہیں۔
مسز واٹرز۔ ہاں یہی تمھارے لئے بہتر ہے۔ میرے ہاتھ میں اس وقت بھری ہوئی بندوق ہے۔ اور اُس کا منہ تمھاری طرف ہے۔
ٹریورس۔ تو پھر ایک اچھی لڑکی بنو۔ بندوق کا منہ نیچے کر دو۔ اور لبلبی سے ہاتھ ہٹا لو۔ کیونکہ اگر مجھے کوئی ہرج مرج ہو گیا تو تم بھی نہ بچ سکو گی۔
مسز واٹرز۔ اگر تم ہلے جلے نہیں تو میں بھی لبلبی نہ دباؤں گی۔ اور میں لڑکی نہیں ہوں۔
ٹریورس۔ نہیں تم ابھی لڑکی ہی ہو۔ میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ تم کوئی آسمانی حور ہو۔ میں نے تمھارے نازک پاؤں....
مسز واٹرز۔.... تمھاری .... تمہاری یہ جرأت!
ٹریورس۔ تمہیں اس طرح کھڑے کھڑے ٹھنڈ لگ جائے گی۔
مسز واٹرز۔ میری پرواہ نہ کرو۔
ٹریورس۔ تم مدد کے لئے کیوں نہیں چلاتیں؟
مسز واٹرز۔ مجھے تمھاری صلاح درکار نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ دیکھو اسی طرح خاموش رہنا۔ میں کھڑکی کے باہر فائر کرنے لگی ہوں۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ دوسری نالی تمھارے لئے بھری ہوئی موجود ہے۔
ٹریورس۔ عزیز خاتون۔ تم تو گرد و نواح کو خبردار کر دوگی۔
مسز واٹرز۔ یہی تو میرا مقصد ہے۔
ٹریورس۔ ٹھیرو عجلت نہ کرو۔ ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہیں بعد میں افسوس ہو۔ میں نقب زن نہیں ہوں۔ میں یہ کام تمھارے ایک دوست جارج کی خاطر کر رہا ہوں۔
مسز واٹرز۔ جارج!
ٹریورس۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ اور اس کی شہادت اس کاغذ سے مل سکتی ہے۔ جو میں اس سوراخ سے تمہیں دیتا ہوں۔ (کاغذ باہر سرکا دیتا ہے۔ مسز واٹرز بندوق میز پر رکھ دیتی ہے۔ کاغذ اٹھا لیتی ہے اور باآواز بلند پڑھتی ہے)
مسز واٹرز۔ یہ بطور ڈفنس کے لکھا جاتا ہے کہ میں جارج بیلن اپنے ہوش و حواس میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ میرے ہی ایما پر نڈ ٹریورس نے نقب لگائی ہے۔ وہ نقب زن نہیں۔ میں تمام وقت باہر کھڑا رہوں گا۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ یہ حقیقت ہے۔ دستخط جارج بیکن"
ٹریورس۔ الفاظ تو بہت موزوں چنے ہیں۔
مسز واٹرز۔ اپنے ہوش و حواس میں.... میرے ایما سے ...... حلفیہ کہتا ہوں۔ وہ ہے کہاں!
ٹریورس۔ باغیچہ کے پرے سرے پر کھڑا ہے۔ اگر تم کھڑکی میں سے جھانکو تو وہ تمہیں نظر آ جائے گا۔ لیکن پہلے موم بتی بجھا دو۔ ورنہ وہ دیکھ لے گا۔ (مسز واٹرز جو کھڑکی کی طرف جا رہی تھی۔ واپس مڑتی ہے موم بتی گل کر دیتی ہے اور پھر کھڑکی آہستہ سے کھولتی ہے)
مسز واٹرز۔ ہاں وہ مجھے نظر آ رہا ہے کارنیشن کی کیاری کے پاس کھڑا ہے۔
ٹریورس۔ بزدل شخص۔
مسز واٹرز۔ تم دونوں کو اپنے کئے پر شرم آنی چاہیئے۔
ٹریورس۔ کپڑوں کی کھونٹی میری کمر میں بُری طرح کھب رہی ہے۔
مسز واٹرز۔ اچھا ہوا تمہیں سبق تو مل رہا ہے نا۔
ٹریورس۔ بڑا سخت سبق! اب تم کیا کرو گی۔
مسز واٹرز۔ اُف (سردی سے کانپتی ہے۔ اور دروازے کے پیچھے سے کھونٹی پر سے میکنٹوش اتار کر اپنے گرد لپیٹ لیتی ہے)
ٹریورس۔ اچھا کیا۔ تمہیں پہلے ہی اس بات کا خیال کرنا چاہئے تھا تمہیں سردی نے چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا ہو گا۔
مسز واٹرز۔ (درشتی سے) دخل مت دو۔ (کسی سوچ میں غرق ہو جاتی ہے۔ اور کمرہ میں ٹہلتی ہے) اگر میں تمہیں نکال دوں تو کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ میرے کہے پر عمل کرو گے؟
ٹریورس۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔

مسز واٹرز۔ میں مسٹر جارج کو ایک ایسا سبق پڑھانا چاہتی ہوں جو وہ عمر بھر فراموش نہ کر سکے۔ میں فائر کرنے لگی ہوں۔ جب وہ آئے گا تو اُسے بتاؤں گی۔ کہ میں نے تمہیں مار ڈالا۔

ٹربورس۔ (ہنستا ہے) خدایا! خوب دل لگی ہوگی۔

مسز واٹرز۔ چپ۔ مت ہنسو۔ وہ سن لے گا۔ سنتے ہو؟ چپ رہو۔

ٹربورس۔ اچھا مجھے باہر نکالو۔

مسز واٹرز۔ ایک لمحہ توقف کرو۔ (وہ جلدی سے اپنے بال کھول کر شانوں پر بکھیر لیتی ہے۔ اور بندوق ہاتھ میں پکڑ کر الماری کھول دیتی ہے۔ ٹربورس باہر نکلتا ہے۔ مسز واٹرز بندوق کا سرا اس کی طرف کرتی ہے)

ٹربورس۔ (انگڑائی لیتے ہوئے) توبہ میں تو اکڑ ہی گیا۔

مسز واٹرز۔ یہ تمہاری اپنی غلطی ہے۔ تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہ تھی۔

ٹربورس۔ صرف یہی طریقہ..... خدا کے لئے بندوق کا منہ میری طرف نہ کرو۔ اگر تم میری طرح بندوقوں سے واقف ہوتیں......

مسز واٹرز۔ بہتر ہے میں دوسرے کمرے میں جاکر فائر کرتی ہوں۔ یہاں بندوق چلانے سے بڑے زور کی آواز نکلے گی۔

ٹربورس۔ بندوق کسی کشن میں چلانا۔ تاکہ کوئی اور آواز نہ سنے۔

(مسز واٹرز دوسرے کمرہ میں چلی جاتی ہے (غریب جارج! بیچارا گھبرا جائے گا۔ (فائر کی آواز آتی ہے۔ مسز واٹرز بھاگتی ہوئی آتی ہے اور دروازہ کھول دیتی ہے۔ جارج فوراً بھاگتا ہوا کمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ مسز واٹرز کو اپنے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔ وہ ایک چیخ مارتی ہے۔ ٹربورس اپنے آپ کو ساتھ کے کمرہ میں چھپا لیتا ہے)

جارج۔ کیوں... کیوں کیا بات ہے۔ میں نے فائر کی آواز سنی تھی۔

مسز واٹرز۔ (سہمی ہوئی آواز میں) ایک چور اندر گھس آیا تھا لیکن میں نے اُسے مار ڈالا ہے۔

جارج۔ تم نے اُسے مار.... مار..... مار ڈالا!

مسز واٹرز۔ ہاں پہلے ہی فائر میں۔

جارج۔ (دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے) وہ بیچارا آ.....

مسز واٹرز۔ (کوٹ کی آستین پکڑتے ہوئے) واپس آجاؤ۔

جارج۔ میں تو یہ دیکھنے جا رہا تھا۔ کہ میں اُس کے لئے کچھ کر سکتا ہوں یا نہیں۔ بیچارا آدمی (دروازہ کی طرف بڑھتا ہے)

مسز واٹرز۔ تم یہاں ہی ٹھیرو۔ میں یہ نہیں چاہتی۔ کہ پولس کو یا کسی کو بھی کانوں کان خبر ہو۔ میں اپنی دوکان کی بدنامی نہیں چاہتی۔

جارج۔ یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے!

مسز واٹرز۔ میرا خیال ہے کہ پہلے لاش کو کہیں چھپا دینا چاہیئے۔

جارج۔ لاش..... لاش آخر ہے کہاں؟

مسز واٹرز۔ (چھت کی طرف دیکھتے ہوئے) بالکل ہمارے سر کے اوپر مجھے جلدی اُسے یہاں سے اُٹھانا چاہیئے۔ ورنہ میری خواب گاہ کا فرش خراب ہوجائے گا۔ خون کے دھبے نہ چھوٹیں گے (جارج چھت کی طرف دیکھتا ہے۔) میرا ارادہ ہے کہ اُسے باغیچہ میں دفن کردوں۔ (کھڑکی کھول کر دیکھتی ہے) کھڑکی کے سامنے ایک موزوں ٹکڑا زمین کا موجود ہے۔

جارج۔ اُف! مسز واٹرز۔ کیوں کیا معاملہ ہے؟

جارج۔ (سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) کچھ نہیں۔

مسز واٹرز۔ تمہیں سردی محسوس ہو رہی ہے۔ آج رات ٹھنڈ بھی غضب کی پڑ رہی ہے۔ کھدائی کا کام کرنے سے تم گرم ہوجاؤ گے۔ آؤ۔ ایک گڑھا وہاں کھودو۔ کدال تمہیں ساتھ والے کمرہ میں پڑی ہوئی مل جائے گی۔

جارج۔ کدال؟ کھدائی؟

مسز واٹرز۔ جتنے عرصہ میں تم گڑھا کھودو گے میں اوپر جاکر فرش صاف کرلوں گی۔

جارج۔ وہ بیچارا (چہرے سے سخت پریشانی عیاں ہے)

مسز واٹرز۔ (دروازہ کھولتی ہے) کدال لے لو۔

جارج۔ میں..... میں آتا ہوں۔ وہ بیچارا (دونوں باہر چلے جاتے ہیں۔ ٹربورس دروازے سے باہر جھانکتا ہے)

ٹربورس۔ کمال کی عورت ہے۔ کمال کی! غریب جارج! وہ آرہا ہے مجھے چھپ جانا ہے۔ مسز واٹرز اور جارج کھڑکی کے باہر کھڑے نظر

آتے ہیں۔ جارج کے ہاتھ میں کدال ہے۔

مسز واٹرز۔ یہ ہے جگہ۔ بیرے پھولوں کا تو ستیا ناس ہو ہی جائے گا۔ لیکن اب مجبوری ہے۔ اور ممکن ہے کہ اگلے سال وہ زیادہ اچھی طرح نشو و نما پائیں (جارج بت کی طرح ساکن کھڑا رہتا ہے) وہ ایک لمبا آدمی تھا اس لئے گڑھا بھی لمبا ہی کھودنا پڑے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ موٹا نہ تھا۔ جلدی کرو۔ وقت ضائع نہ کرو۔

جارج۔ بیچ۔۔ بچارا۔۔۔

مسز واٹرز۔ جب تم اپنا کام ختم کر لوگے۔ تو میں لاش لے آؤں گی۔

جارج۔ تم اُسے نیچے کیسے لاؤ گی؟

مسز واٹرز۔ اُسے سیڑھیوں پر سے نیچے گھسیٹ لاؤں گی۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اُسے کھڑکی میں سے نیچے پھینک دوں گی؟

جارج۔ ممکن ہے ابھی اس میں جان باقی ہو۔

مسز واٹرز۔ کیا تمہارا خیال ہے میں اتنا بھی نہیں جانتی؟ اب باتوں میں وقت ضائع نہ کرو گڑھا بہت زیادہ گہرا کھودنے کی ضرورت نہیں میں اس کے اوپر سبزی بو دوں گی۔ (ٹریورس آہستہ آہستہ کھڑکی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اور پردے کے کونے سے جھانکتا ہے)

جارج۔ (کھدائی شروع کرتے ہوئے) بچارا

مسز واٹرز۔ جلدی کرو۔ تم تو بے حد گھبراتے ہو۔ حالانکہ تم کہتے تھے کہ میرے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو۔

جارج۔ اور۔۔۔۔ اور میں تیار ہوں۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ لیکن میں ذرا گھبرا گیا ہوں۔ اور ذرا میں قبریں کھودنے کا عادی بھی نہیں۔

مسز واٹرز۔ یہ تو بہت ہی آسان کام ہے۔ اب میں اندر جا رہی ہوں لیکن جلدی ہی واپس آجاؤں گی۔ (وہ اندر آجاتی ہے۔ اور دروازہ بند کر دیتی ہے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے) چلا گیا۔ (مڑتی ہے تو ٹریورس کھڑکی کے پاس کھڑا نظر آتا ہے) اچھا تم یہاں کھڑے ہو!

ٹریورس۔ یہاں آکر اُسے دیکھو! تم نے کمال کیا۔ میں یہاں سے سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ (مسز واٹرز کھڑکی کے باہر دیکھتی ہے۔ ٹریورس بھی دیکھنے کی کوشش کرتا ہے)

مسز واٹرز۔ پیچھے ہٹ جاؤ وہ تمہیں دیکھ لے گا۔

جارج۔ کیا۔۔۔۔ کیا یہ تم ہو مسز واٹرز۔

مسز واٹرز۔ بیشک! اور کون ہو سکتا تھا۔ اپنا کام جاری رکھو۔ یہ تم نے کھدائی بند کیوں کر دی!

(ٹریورس مسز واٹرز کے کندھے کے اوپر سے جھانکتا ہے)

ٹریورس۔ (آہستہ سے) کھدائی بہت اچھی ورزش ہے۔

مسز واٹرز۔ (چونک کر) وہ تمہیں دیکھ لے گا۔ (ٹریورس پیچھے ہٹتا ہے۔ جلدی میں اس کا سر کھڑکی کے ساتھ زور سے ٹکراتا ہے)

جارج۔ مسز واٹرز کیا تم یہاں نہ آؤ گی! تمہیں یہاں تنہائی میں خوف معلوم ہوتا ہے

مسز واٹرز۔ نہیں میں خوف زدہ نہیں ہوں۔

جارج۔ (کانپتی ہوئی آواز میں) مجھے بار بار ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ان جھاڑیوں کے پیچھے کوئی خوفناک چیز کھڑی ہے۔ تمہیں وہاں تن تنہا کھڑے ہونے کا کس طرح حوصلہ ہو رہا ہے؟ ابھی ابھی خیال گذرا تھا کہ تمہارے سر کے اوپر کوئی چیز باہر جھانک رہی ہے۔ فرض کرو کہ وہ ڈراؤنی چیز پیچھے سے آکر تمہیں دبوچ لے؟ (ٹریورس آہستہ سے آگے بڑھتا ہے اور مسز واٹرز کی کمر کے گرد اپنے بازو ڈال دیتا ہے)

مسز واٹرز۔ (آہستہ لیکن سختی کے لہجے میں) اگر پھر تم نے ایسا کیا۔۔۔۔

ٹریورس۔ اُسی نے تو یہ تجویز پیش کی ہے۔ ورنہ مجھے تو شاید یہ خیال بھی نہ ہوتا۔

مسز واٹرز۔ (کھڑکی کی طرف مڑتے ہوئے) جلدی کرو مسٹر جارج مجھے ابھی بہت سا کام کرنا ہے صرف گڑھا مکمل ہونے کا انتظار ہے۔

(ٹریورس سے) اب تم دوسرے کمرے میں چھپ جاؤ۔ اور جب میں واپس آؤں تو یوں ظاہر کرنا جیسے۔۔۔۔۔۔

ٹریورس۔ لاش ہوا

مسز واٹرز۔ نہیں بلکہ جیسے اپنے کئے پر سخت نادم ہو۔

ٹریورس۔ نادم تو میں ہوں ہی۔ لیکن خوب دل لگی رہی۔

(دوسرے کمرہ میں چلا جاتا ہے)

(مسز واٹرز باغیچہ والا دروازہ کھولتی ہے۔ جارج تندہی سے گڑھا کھودنے میں مصروف نظر آتا ہے سامنے ایک مٹی کا انبار لگا دیا ہے)

جارج۔ یہ۔۔۔۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اور مجھے بار بار محسوس ہوتا ہے

جیسے گھبراہٹ سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔ مسز واٹرز کو دیکھ کر قدرے تسکین ہوتی ہے)

مسز واٹرز۔ (گڑھے کا معاینہ کرتے ہوئے) اب میں اسے ختم کروں گی۔ مجھے کچھ ورزش کی ضرورت ہے۔ اگر یہاں سے کوئی گزرا اور تم نظر پڑ گئے تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ اس لئے تم سیدھے اپنے گھر چلے جاؤ۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ کسی سے اس معاملہ کے متعلق ایک بات نہ کہنا (اپنا ہاتھ جارج کے کندھے پر رکھ دیتی ہے۔ وہ کانپتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے)

جارج۔ شب بخیر.... بچارا (چلا جاتا ہے)

مسز واٹرز۔ اب وہ بغیر سوچے سمجھے مجھے چوروں سے بچانے کی حماقت نہ کرے گا (مٹی کے ڈھیر کی طرف دیکھتی ہے) میرا خیال ہے کہ مجھے یہ گڑھا بھر دینا چاہیئے۔ (کدال اٹھا لیتی ہے۔ ٹربورس دوسرے کمرے میں سے نکل آتا ہے اور کھڑکی میں باہر سر نکالتا ہے۔)

ٹربورس۔ لاؤ مجھے یہ کام کرنے دو۔ دراصل یہ میری قبر ہے۔

مسز واٹرز۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ باہر نہ نکلنا۔ بہر صورت تم میری مدد کر سکتے ہو اور مجھے سردی بھی لگ رہی ہے۔ (دروازہ کی طرف جاتی ہے)

ٹربورس۔ تم بڑی اچھی لڑکی ہو۔ تمہیں اپنا خیال رکھنا ضرور چاہیئے۔ میں نے اپنے بوٹ کہاں اتارے تھے؟ موم بتی جلاتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے۔

(مسز واٹرز کمرہ میں داخل ہوتی ہے)

مسز واٹرز۔ (اپنے آپ) کیسے دل گردے کا آدمی ہے۔ اور ہے بھی خوش مزاج (ٹربورس سے) تم کوئی کام کاج کیوں نہیں کرتے؟

ٹربورس۔ (بوٹ پہنتے ہوئے) کہنا آسان کرنا مشکل۔ جب سے میں فوج سے بیکار ہو کر آیا ہوں میں نے ہر قسم کے کام کرنے کی کوشش کی ہے لیکن بنا کچھ بھی نہیں۔

مسز واٹرز۔ تم ایک سپاہی ہو؟ اور میرا خیال تھا کہ تم بندوق سے ڈر گئے تھے۔ اب.... اب میں سمجھی تم جانتے تھے کہ بندوقیں کس قدر خطرناک ہوتی ہیں!

ٹربورس۔ یہاں میں ایک سپاہی تھا۔ یہ خیال دل سے نکال ڈالو کہ میں ایک بھیک منگا ہوں میں اپنے زور بازو سے روزی کمانے کا عادی ہوں.... اور ہاں میرا خیال ہے کہ جارج نے مجھے جو دو پونڈ دئے تھے میں ان کا حقدار نہیں ہوں

دکھڑا ہو جاتا ہے)

مسز واٹرز۔ دو پونڈ؟ دو پونڈ؟

ٹربورس۔ (جیب سے پونڈ نکالتا ہے اور حسرت سے انہیں دیکھتا ہے) ہاں یہ رہے۔

مسز واٹرز۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ان کے حقدار نہیں ہو۔

ٹربورس۔ نہیں! یہ جلدی سے لے لو (ٹھنڈی سانس بھرتا ہے) اس سے پہلے کہ میں ارادہ بدل ڈالوں۔ (مسز واٹرز پونڈ لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے)

ٹربورس۔ کیسے ملائم ہاتھ ہیں۔ کوئی تعجب نہیں۔ جو جارج کا یہ حال ہوا ہے اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میرا بھی یہی حال ہوتا۔ فوج کی ملازمت کے بعد میں اب صرف ایک کام کے لئے ہی موزوں ہوں۔

مسز واٹرز۔ نقب زنی کے لئے؟ ٹربورس۔ نہیں! پھر سوچو۔

مسز واٹرز۔ آوارہ گردی کے لئے؟

ٹربورس۔ نہیں بلکہ ایک دیہاتی پبلک ہاؤس کا مالک بننے کے لئے!

مسز واٹرز۔ تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی؟ (دروازہ کھولتی ہے) شب بخیر۔

ٹربورس۔ شب بخیر! مجھے اس بات کی حسرت ہی رہے گی کہ کسی طرح معلوم کر سکوں کہ جارج پر اس مذاق کا کیا اثر ہوا۔

مسز واٹرز۔ اگر تمہیں پھر کبھی اس راستہ سے گذرنے کا اتفاق ہو..... اور..... اور تم یہاں آؤ..... تو میں تمہیں بتا دوں گی۔ شب بخیر (دونوں دروازہ کی طرف بڑھتے ہیں۔)

ٹربورس۔ میں دو تین روز میں پھر آؤں گا۔ (مسز واٹرز کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) میں کہتا ہوں (نرمی سے) یہ مذاق خوب رہے گا۔ اگر جارج مجھے یہاں ایک مالک کی حیثیت سے پائے میں دل لگی کا شائق ہوں۔ ذرا سوچو تو سہی

مسز واٹرز۔ میں تنہائی میں زیادہ اچھی طرح سوچ سکوں گی خدا حافظ (جارج کھڑکی میں سے جھانکتا ہے۔ وہ ٹربورس کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ وہ دروازہ کی اوٹ میں کھڑا ہے)

جارج۔ میں.... میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا مسز واٹرز! اس لئے میں.... میں پھر واپس آ گیا ہوں میں..... (ٹربورس دروازے کے پیچھے سے نمودار ہوتا ہے۔ جارج خوفزدہ ہو کر واپس مڑتا ہے۔ اور گڑھے میں جو کھڑکی کے عین سامنے کھدا ہے گر پڑتا ہے۔ ٹربورس آگے بڑھ کر اُسے باہر کھینچتا ہے۔)

سیاسیاتِ عالم

جنگ حبشہ۔ جنگ چین جاپان قضیۂ چیکوسلواکیا۔ قضیۂ آسٹریا۔ قضیۂ البانیہ۔ الغرض زمانہ حال میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں اُن سب میں باقاعدہ اعلانِ جنگ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ گویا تاریخ عالم میں یہ ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ لیکن تین ستمبر ۱۹۳۹ء کو دنیا کی تاریخ میں ایک ایسی جنگ شروع کی گئی جو جرمن۔ برطانیہ۔ اور فرانس کے اعلانات جنگ کے باوجود ابھی تک شروع نہیں کی گئی۔ مسلسل دو ماہ تک تو مغربی محاذ پر غالباً کسی متنفس کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی۔ اس کے بعد سنا گیا ہے کہ ایک معصوم انسان کی جان ہلاک ہوئی۔

آئے دن یہی خبریں آرہی ہیں کہ مغربی محاذ پر خاموشی طاری ہے جو کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ جرمنی کی فوجیں فلاں مقام پر جمع ہو رہی ہیں۔ اور وہ کوئی فیصلہ کن حملہ کرنے والا ہے۔ لیکن نہ تو وہ طوفان آتا ہے اور نہ وہ گھمسان کا معرکہ ہوتا ہے پھر آخر ہو کیا رہا ہے ہو یہ رہا ہے کہ پہلے تو پولینڈ ختم ہوا۔ پھر لٹویا۔ لتھونیا اور استھونیا کی آزادی کا دیوالہ نکلا۔ پھر فن لینڈ کا قتل سرِ بازار ہوا۔ اُس بیچارے نے بھی اتحادیوں سے امداد کی بھیک مانگی۔ اتحادیوں نے یورپ سے لے کر امریکہ تک غل شور مچایا پر آج کل غل شور مچانے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ اب روسی خطرے کی نذر سوئڈن اور ناروے بھی ہوا چاہتا ہے اور ریاستہائے بلقان کی آزادی بھی چند روز کی مہمان دکھائی دیتی ہے۔ ہنگری اور رومانیہ دونوں ماسکو برلن کے زیرِ فرمان دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن جنگ ہے کہ کسی عنوان شروع نہیں ہوتی۔ "اتھینیا" کی غرقابی اور اُس کے بعد پے در پے کئی بڑے بڑے جہازوں کے برباد ہونے سے یہ شبہ پیدا ہو چلا تھا کہ شاید اتحادی جھنجھلا کر کوئی شدید کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائیں لیکن اتحادی بڑے ظرف والے ہیں اُن کی چشم ابرو پر بل بھی نہ آیا۔ اُنھوں نے "یو بوٹ" کو بیکار کرنے کے بحری آلات تیار کر لئے ہیں اور عنقریب آبدوزوں بموں یا سرنگوں کی ہلاکت آفرینی کا بھی کوئی علاج دریافت ہونے والا ہے۔

حلقہ بندی۔ حقیقت یہ ہے کہ اتحادی جنگ کو طول دے کر اور معاشی قلعہ بندی کر کے جرمنی کو مجبور کر دینا چاہتے ہیں۔ کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ نہ تو جرمنی کو اپنا مال باہر بھیجنے دیا جائے اور نہ باہر کا مال اس کی حدود میں آنے پائے۔ یہ طریقہ اقتصادی بلاکیٹ کا کس قدر کامیاب ہوا ہے۔ اس کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ سمندر کے خشکی کے راستوں کی ناکہ بندی ایک بہت ہی پیچیدہ اور دشوار کام ہے جو غالباً انسانی طاقت سے باہر ہے۔

ہندوستان۔ یہ بھی گمان کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی اندرونی سیاسیات کو حل کر کے اتحادی کوئی عملی کارروائی کریں۔ لیکن یہ کارِ عظیم ہے۔ موجودہ جنگ میں ہندوستان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ لیکن اگر ہندوستان ایک آزاد ملک تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان کی پوری طاقت اتحادیوں کے ساتھ ہے۔ کانگریس نے برطانیہ کو مقاصدِ جنگ کی توضیح کے لئے ایک ماہ کی مہلت دی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ برطانوی سیاست داں کیا جواب دیتے ہیں۔ اسی ایک فیصلہ پر دنیا کی بین الاقوامی سیاسیات کا بہت کچھ انحصار ہے اور

اسی ایک گتھی کے سلجھاؤ پر بڑے بڑے مدبروں اور ڈکٹیٹروں کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔

جنگ کا اثر۔ اگرچہ ہندوستان اس خوفناک جنگ میں باقاعدہ ابھی تک شریک نہیں ہوا ہے لیکن اس کے خوفناک اثرات سے متاثر ہو رہا ہے۔ اجناس کے نرخ اچانک تیس سے پچاس فی صدی تک بڑھ گئے ہیں۔ اشیاء خوردنی کی گرانی کی وجہ سے غریب اور مزدور طبقہ میں ایک بے چینی محسوس کی جا رہی ہے۔ قیمتوں اور بھاؤ کے قابو میں رکھنے کے واسطے مرکزی بورڈ کے علاوہ صوبجاتی انتظامات بھی کئے گئے ہیں لیکن ابھی تک سرمایہ داروں کو نفع اندازی سے روکنے کا کوئی موثر طریقہ عمل میں نہیں لایا گیا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ باہر کے مال نہ آنے کی وجہ سے دیسی مصنوعات پر اچھا اثر پڑ گیا لیکن جب خریدار ہی نہ ہوں گے یا کم ہوں گے تو مصنوعات پر کیا اچھا اثر پڑے گا۔ لوگوں کو اپنا پیٹ پالنا مشکل ہو رہا ہے۔ مصنوعات کی سرپرستی کیسے کریں گے۔

ہندو مسلم سوال۔ خیال کیا جاتا تھا کہ جنگ کی وجہ سے ہندوستان کی دو قومیں ہندو مسلمان متحد المقاصد ہو جائیں گی لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ اور نہ اس کے ہونے کی کوئی امید باقی ہے۔ مسلم لیگ کا اور کانگریس دونوں کا اگرچہ مقصد مکمل آزادی ہے لیکن ذرائع حصول میں تفاوت عظیم ہے۔ مسٹر محمد علی جناح نے جو عید کے موقعہ پر ایک تقریر براڈکاسٹ کی ہے وہ مسلمانوں کو اپنے برادران وطن کے ساتھ محبت اور رواداری سے رہنے اور اپنے فرائض پر عمل کرنے کی ایک نہایت عمدہ تلقین ہے اور اس سے بہت سی غلط فہمی دُور ہو گئی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ مسٹر جناح سے پنڈت جواہر لال نہرو عنقریب ملیں گے اور کسی ایسے حل کی تلاش کریں گے جو کم از کم ان دو فرقوں کو سیاسی حیثیت سے تو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کرے۔ لیکن بین الاقوامی سیاسیات ہو یا قومی پالیسی۔ وقت کی نزاکت اور تیز روی سے اس قدر جلد متاثر ہو کر رنگ بدل رہی ہے کہ یقین کے ساتھ کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ کل کیا ہو جانے والا ہے یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق تو صرف خیال آرائی ہی کی جا سکتی ہے اور آپ جانئے خیال آرائی بہر نوع خیال آرائی ہی تو ہے۔

زبیدہ زرّین (مورینہ)

بقیہ از صفحہ ۴۳۔ ان نتائج کو نہ بھگتیں جو آج یورپ اخلاقی نقطۂ نظر سے بھگت رہا ہے۔ ان کا سب سے پہلا فرض اپنے مذہب کا دامن تھامنا ہے اشتراک عمل کے ساتھ۔ اور پھر یقین جانئے وہ وہی آزادی حاصل کر سکتی ہیں جو کہ اسلامی دنیا نے عورتوں کو دی ہے۔ یہ یاد رکھئے کہ مردوں میں عورت کے لئے ٹھنڈے دل سے سوچ کر اچھی راہ بتانے کا مادہ فی زمانہ تو پیدا نہیں ہو سکتا۔ عورتوں کی خوش قسمتی سمجھئے کہ کئی صدیوں میں ایک راشد الخیری کی ہستی پیدا ہوتی ہے۔ مرحوم کی زندگی بھی عورت اور مرد دونوں کے لئے نمونہ تھی اور واقعی وہ عورتوں کے سچے رہبر اور بڑے محسن تھے ان کی تعلیم ایسی تھی جو واقعی عورت کو اس کے درجے پر پہنچا رہی ہے۔ بہر حال ب عورتیں ہی اپنے اچھے بُرے کی ذمہ دار ہیں۔ وہ اگر سنبھلیں اور گڑھے میں نہ گرتی چلی جائیں۔ تو پھر یہاں کے مردوں میں اتنی صلاحیت نہ ہوگی کہ وہ اُن کا دامن پکڑ کر تھام لیں۔ اور پھر ان کا حشر؟ یورپ کی مثال سامنے ہے۔"

صغرا عبدالسبحان (حیدرآباد دکن)

ذمہ دار کون ہے!

(ایک عزیز بھائی کے خط کا اقتباس)

"...... پست ہمتی انسان کے تمام احساسات کو مردہ کردیتی ہے اور وہ پھر اس قابل نہیں رہتا کہ اپنی زندگی میں کبھی اُبھر سکے۔ ہندوستانی عورت آج اتنی محکوم نہیں جتنی کہ کبھی پہلے تھی۔ اور نہ وہ اب زمانہ مستقبل میں رہے گی۔ محض اس وبال کو اپنے دماغ کی گہرائیوں میں سما لینے کی کوشش کرنا کہ ہندوستانی عورت محکوم ہے بیحد ہی ہمت شکن ہے۔ آپ لوگوں کا مقصد حیات اور مطمح نظر یہ ہونا چاہیئے کہ عورت ہی وہ کل ہے جو دوسری کل یعنی مرد کے ساتھ ہندوستان کی مشین کو چلا سکتی ہے۔ یہی بنیادی اصول ہمارے مذہب اسلام کا ہے اور اگر ہندوستان نے آزادی حاصل کرلی تو جب تک یہاں کے مرد اپنے ملک کی عورتوں کو اپنے ساتھ کام کرنے کا موقع نہ دیں گے ہندوستانی راج کا قائم رہنا مشکل بلکہ محال ہے۔ آپنے ترکی کی عورتوں کو دیکھا کس شعبہ زندگی میں عورتوں کا ہاتھ نہیں؟ فن سپہ گری میں وہ مشاق، تاجروہ، عدالت کی کرسی کو وہ سنبھالتی ہیں۔ علم کے میدان میں وہ آگے کاریگر وہ ہیں غرضکہ زندگی کے جس شعبہ میں مرد کا ہاتھ ہے وہاں عورت کا بھی دخل ہے۔ گویا یہ سمجھئے کہ حکومت کو ایک شانے پر مرد اور دوسرے پر عورت اُٹھائے ہوئے ہے۔ اسلام یہی چاہتا ہے اور اسلامی دنیا نے بھی یہی کر دکھایا تھا لیکن آج کل کے مردوں کی آنکھیں ان کے کان ان کے دماغ نہ دیکھتی نہ سنتے اور نہ سوچتے ہوں تو اس کا کیا علاج۔ آج کل مردوں میں بھی دو گروہ پیدا ہوگئے ہیں۔ پہلا گروہ تو وہ ہے جو مغربی فیشن اور مغربی ہوا کی رو سے متاثر ہو کر عورت کو بالکل ہی آزاد دیکھنا چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ عورت کو نیم برہنہ (تقریباً برہنہ ہی سمجھئے) انگریزی بولتا ہوا، پردے سے ناآشنا، بے حیا، بے شرم اور ناچتا گاتا دیکھے۔ اور اس گروہ کے معتقدین میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ آج کل کی بے حیائی چاہے کسی ذریعہ یا سبب سے ہو محض اس گروہ کی سرفرازی کا نتیجہ ہے۔ دوسرا گروہ انہیں عقادات کی آمیزش لئے ہوئے ہے جن کی وجہ سے قطعی طور پر عورت کو محکوم ہی رکھنا چاہتے۔ یہ اعتقادات آج کے نہیں بلکہ ہندوستان کے زمانہ جہالت کے ہیں جبکہ مسلم فاتحین نے یہاں کے ہندوؤں پر اپنا تسلط جمایا اور یہیں بسنے لگے۔ یہاں کی تہذیب اور تمدن کے ارتباط کا نتیجہ یہ ہوا اور ہم نے اپنے اچھی رسوم بالائے طاق رکھ کر یہاں کی مروجہ رسوم کی پیروی شروع کردی۔ ہم نے یہ نہ دیکھا کہ ہمارا قرآن عورت کا کیا درجہ بتاتا ہے اور کس طرح کا سلوک چاہتا ہے۔ ہم ویدوں سے عورت پر ظلم و زیادتی کرنا سیکھ بیٹھے۔ اور عورت پر حکومت کرنے لگے تو یہ دوسرا گروہ اسی قدیم طریقے کا حامل ہے۔ وہ عورتوں کی تعلیم کے بارے میں بھی کم نظر ہے پردے کے متعلق بھی ان کا نقطہ نظر عجیب ہی مضحکہ خیز ہے۔ وہ عورت کو گھر کی مکمل باندی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور عورت کا مقصد پیدائش بچے پیدا کرنا۔ کھانا پکانا۔ اور پھر مرجانا بتاتے ہیں۔ اب بتائیے یہ دونوں گروہ کس طرح اور کتنی سرعت کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کرسکتے ہیں۔ یہ تو حال ہوا مردوں کا۔ لیکن میں کہتا ہوں خدا نے عورتوں کو بھی عقل عطا فرمائی ہے وہ کیوں ایسے غار میں گر رہی ہیں یا گرنا چاہتی ہیں جس سے نکلنا غیر ممکن نہیں۔ وہ کیوں نہیں سمجھتی سے کام کرکے متفق ہو کر اپنی اصلاح خود کرلیتیں اور پھر اس کے بعد اپنی آواز کو بلند کرکے آزادی مانگتیں جو کہ ترکی کی عورتوں نے مانگی ہے؟ انہیں چاہیئے کہ وہ مغربی عورت کے ٹھاٹھ بھاٹھ اور سینٹ کی خوشبو سے اپنے دماغ کو پراگندہ نہ کریں اور ان کی جیسی آزادی کو لے کر

حقوق والفرائض

ص

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں امن وسکون قائم رکھنے کے لئے میاں بیوی کا رشتہ قائم کرکے ہرایک کے حقوق مقرر فرما دئیے۔ جن میاں بیوی نے اپنے ذمہ عائد شدہ حقوق کی نگہداشت کی ان کا گھر جنت کا نمونہ بنا۔ رزق میں ترقی ہوئی۔ عزت وحرمت میں اضافہ ہوا۔ اور اگر دونوں نے یا دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے ذمہ حقوق کو ادا نہ کیا تو گھر کا امن رخصت ہوا۔ رزق اڑا اور عزت ختم ہوئی۔

افسوس تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ وہ حقوق کون کون سے ہیں جنہیں ہم کو ادا کرنا ہے۔ آج ہم وہ حقوق جو بیوی کے میاں کے ذمہ ہیں پیش کرتے ہیں۔ آئندہ اشاعت میں بیوی کے ذمہ حقوق پیش کریں گے۔

میاں کے فرائض

اس میں شک نہیں کہ بحیثیت مخلوق وعبدیت مرد اور عورت درجہ میں بالکل برابر ہیں لیکن اسلام نے قیام نظام کے لئے شوہر کو ایک گونہ عورت پر فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ شوہر اپنا مال بیوی پر خرچ کرتا ہے یعنی بیوی کے کھانے پینے۔ لباس۔ دوا درمن اور آرام وآسائش پر مال صرف کرتا ہے اس کو اس طرح سمجھ کر جو مرد اپنی بیوی کا نان ونفقہ حیثیت (جس میں مذکورہ بالا کل امور داخل ہیں) کے موافق ادا نہیں کرتے ان کو یہ فضیلت بھی نہیں دی جاسکتی۔ نان نفقہ کی تفصیل حسب ذیل ہوگی۔

(۱) کھانا۔ اپنی حیثیت کے مطابق۔ (اگر کوئی شخص بصورت کنجوسی باوجود فراغت چٹنی روٹی یا چنے کھا کر گزارہ کرے تو اس کو اختیار ہے لیکن اگر بیوی کو اس کھانے پر مجبور کرے تو گنا ہگار اور بروئے اسلام قابل مواخذہ)

(۲) لباس۔ حسب حیثیت گرمی اور جاڑے کا کپڑا اور جڑاول وغیرہ۔

(۳) جیب خرچ جس طرح مرد کی ضروریات ہیں۔ اسی طرح عورت کی بھی ضرورتیں ہیں۔ مرد کے ذمہ ہے کہ حسب حیثیت بیوی کو جیب خرچ دیا کرے تاکہ وہ اپنی معمولی ضرورتوں میں پیسے پیسے کی محتاج نہ ہو اور نہ اس کو کسی وقت ہم چشموں میں شرمندگی اُٹھانی پڑے۔ اگر نہ دے گا تو گنا ہگار ہوگا۔ اور قابل مواخذہ۔ (ایسے مردوں کی بعض بیویاں اخلاقیات کو خیرباد کہدیتی ہیں) ایک بیوی کی اخلاقی توہین ہے کہ وہ ایک پیسے کی برف اور آئے گئے کے لئے دو پیسے کے پانوں کے لئے دوسروں سے مانگتی پھرے خواہ وہ دوسرا اُس کا شوہر ہی کیوں نہ ہو۔ اعتماد سے ہی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اگر مرد بیوی پر اعتبار نہ کرے گا تو اس کو بیوی سے بھی اعتبار کی امید نہ رکھنی چاہیے۔

(۴) آرام وآسائش۔ اس کے تحت میں محبت اور گفتگو میں نرمی۔ طعنے سے قطعی پرہیز۔ ضروریات زندگی کا خیال رکھنا۔ کاموں میں سہولت اور آسانی رکھنا۔ ضرورت کے وقت ہاتھ بٹانا۔ دلجوئی کرنا۔ رواداری برتنا۔ نکتہ چینی نہ کرنا۔ دوسروں کے کہنے میں آکر بلا تحقیق الزام قائم نہ کرنا۔ الزام صحیح نکلنے پر بنظر اصلاح نرمی سے سمجھانا۔ اور وہ بھی تنہائی میں۔ خرچ سے تنگ نہ رکھنا۔ وغیرہ۔

قرآن مجید میں چغلخوری. طعن. آوازے کسنے اور زبان سے کریہہ اور ناپسندیدہ الفاظ نکالنے کی ممانعت صاف موجود ہی جو عام ہے۔

خطبۂ نکاح

کسی جلسے میں جب کوئی تجویز پیش کی جاتی ہے تو تجویز کے پاس کرنے پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور تجویز کی ضرورت پر بذریعہ تقریر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ خطبۂ نکاح میں بھی نکاح کی ضرورت اور ذمہ داریوں کو بتایا گیا ہے۔ خطبہ نکاح کے بعد دولہا سے قبول کرایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے اس عہد یعنی قبول سے باندھ لیا جاوے۔ خطبہ میں اس کو پہلے غرض نکاح بتائی گئی ہے۔ اور اللہ رب العالمین کی تابعداری کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

(۱) "اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی بے چون وچرا تابعداری (غلامی) کرو جس نے تم کو ایک نفس (آدمؑ) سے (اس طرح) پیدا کیا کہ اس سے اس کے جوڑے (حوا) کو پیدا کیا (یہ قدرت کاملہ کہ تنہا مرد سے عورت کو پیدا کیا جس طرح آدمؑ سے حواؑ کو پیدا کیا یا تنہا عورت سے مرد کو پیدا کرنا جس طرح حضرت مریمؑ سے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کیا۔ سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی میں نہیں ہے لہٰذا اس کی غلامی مخلوق پر واجب ہے) اس سے آگے غرض نکاح کی طرف اشارہ ہے کہ:-

(۲) اور (اب) ان دونوں (آدمؑ و حواؑ کے میل سے) کروڑوں مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیں یعنی مرد اور عورت کی تخلیق کی غرض دنیا میں نسل کو پھیلانا اور قائم رکھنا ہے۔ اس غرض کے حصول کے لئے عورت مرد کے میل کا ضابطہ اور قانون مرتب کیا اور اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا کہ:-

(۳) اور ڈرتے رہو اس اللہ سے جس کے مرتبہ قانون کے تحت میں تم ایک دوسرے سے ملتے ہو (میاں بیوی بنتے ہو وغیرہ) اور نیز رشتوں سے بھی ڈرتے ہو"

(الف) تم کو خطبہ نکاح سنا دیا گیا حقوق و فرائض قرآن حکیم میں بتا دئیے گئے اور اللہ کے حکم کے ماتحت تم نے شوہر بننے کی ذمہ داری کو اپنے سر لے لیا ہے تو اب تم کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ کہ اگر تم نے اُس کے مُرتبہ حقوق و فرائض کو ادا نہ کیا تو وہ چھوڑے گا نہیں بلکہ اس کی خمیازہ تم کو اس دنیا میں بھگتنا پڑے گا اور عدول حکمی کی سزا آخرت میں۔

(ب) اور رشتوں سے بھی ڈرو کہ ماں بہنو وغیرہ کے کہنے میں آکر لگو بیوی کو تکلیف جسمانی یا روحانی پہنچانے یا اس کو ذلیل کرنے اتم کو چاہیئے کہ ایسے موقع پر صحیح روش اختیار کرو اور کسی کی طرف داری نہ کرو۔ اگر تم نے یہ طرز صلح کاری اور حق پسندی اور سلوک برتا تو تمھارے گناہ بھی معاف کر دئیے جائیں گے اور تمھارے حالات کو بھی سدھار دیا جائے گا۔

لڑائی جھگڑے

حقیقت یہ ہے کہ میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا تین وجوہ سے ہوتا ہے۔

(۱) میاں میں بردباری اور روا داری نہ ہونے سے کہ بات بات پر نکتہ چینی کرنا جس سے تنگ آمد بجنگ آمد کی صورت ہو جاتی ہے۔

(۲) طعن و تشنیع۔ اس سے طبیعت میں اشتعال پیدا ہو کر بالآخر زبان کے کھل جانے کا باعث ہوتا ہے یا عورت گھٹ گھٹ کر

فنا ہو جاتی ہے۔ دل برداشتہ اور رنجیدہ رہتی ہے۔ اور مرد اس کے غم واندوہ کا سبب نہیں پا سکتا۔ کیونکہ عام طور پر اپنے قصور یا غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔

(۳) عزیز و اقارب کے لگانے بجھانے سے جب بیوی پر سختی کی جاتی ہے اور وہ بے قصور ہوتی ہے تو پیچ و تاب کھاتی ہے اور بالآخر گھر نمونہ دوزخ بن جاتا ہے یا بچوں کو داغ یتیمی اُٹھانا پڑتا ہے۔

خطبۂ نکاح میں ان ہر سہ امور کی اصلاح بتا دی گئی ہے۔ لہٰذا اب پورا خطبہ مع ترجمہ غور سے ملاحظہ ہو:۔

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ○ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ○ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا" (ترجمہ:۔ اے لوگو اپنے اس پروردگار کی غلامی یعنی تابعداری بلا قیل وقال کرو جس نے تم کو ایک نفس واحد (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا (حواءؑ) بنا کھڑا کیا۔ اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورت (دنیا میں) پھیلائے۔ اے ایمان والو! بچتے رہو اللہ (کی گرفت) سے پوری کوشش کے ساتھ اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ ہو تم تابعدار۔ اے ایمان والو! بچتے رہو اُس اللہ (کی پکڑ) سے جس کے نام سے مانگتے ہو اور ڈرتے رہو قرابت سے۔ بیشک اللہ تم پر نگراں ہے۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور زبان سے ٹھیک بات نکالو۔ تمھارے عمل (کام) سنوار دیئے جائیں گے اور تمھارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی وہ بڑے درجے پر فائز ہوا)

یہ خطبہ مرد کو پہلے سے سن کر پھر قبول کرایا جاتا ہے تاکہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر وہ قبولیت زوجہ کا اقرار کرے۔ اس قبولیت میں تمام بیوی کی ضروریات زندگی شامل ہیں۔ اگر ایک میں بھی فرق آیا تو قبولیت ناقص ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا۔ کاش ہمارے مولوی صاحبان اور قاضی صاحبان جو نکاح پڑھاتے ہیں۔ نکاح سے پہلے اس خطبے کے معنیٰ اور مفہوم بیان فرما دیا کریں۔ بہر حال مسلمان ان شرائط کو جن کے ساتھ وہ اپنا گھر آباد کرتے ہیں ملحوظ رکھنے کی طرف متوجہ ہو جائیں تو بگڑے کام بن جائیں بیوی گھر والی ہے۔ گھر کی ملکہ ہے۔ رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے" وَالْمَرْاَةُ رَاعِیَةٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ۔

(بیوی اپنے شوہر کے گھر کی اور اولاد کی حاکم ہے) مرد کو (جو اپنے گھر میں حاکم اعلیٰ ہے) عورت کو خانہ داری کا پورا اختیار دینا اس حدیث کی رو سے ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ دیکھے کہ کوئی کام خراب ہو رہا ہے تو وہ دخل دے سکتا ہے یا اہلیت نہ ثابت ہو تو کل ذمہ داری اس کو ہی اٹھانی ہو گی کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ..... والرجل راعٍ علی اھل بیته ....." مردوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ بیویاں ان کی لونڈیاں نہیں ہے بلکہ وہ قریب قریب برابر کا حق رکھتی ہیں۔

محمد عبد الغفار الخیری

بچّوں کے لئے پیشہ کا انتخاب

سول سروس

تمہید:- اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ اولاد کی ناقص تربیت کا نتیجہ اس وقت ظہور میں آیا جبکہ ان کے لئے معاش کی سلسلہ جنبانی کی گئی یا بدقت ان کو اس مقصد کے لئے تیار کیا گیا۔ وہ ایام ایک دل خوش کن ماضی کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ گلستاں اور بوستاں پڑھ کر معمولی سعی اور سفارش سے ڈپٹی کلکٹری ملجایا کرتی تھی۔ مگر اب معمولی کلرک سے لے کر آئی سی ایس تک میں مقابلہ کی دقتیں اور قواعد کی بندشیں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ جب تک ایک آسامی یا پیشہ منتخب کرکے امیدوار کو اس کے لئے تیار نہ کیا جائے۔ کافی روپیہ پھونکنے کو نہ ہو اور امیدوار اپنا خون و پسینہ ایک کرنے کو تیار نہ ہو کامیابی مشکل سے ہوتی ہے۔ وہ کون والدین ہیں جنھیں اپنے لخت جگر کو آئی سی ایس میں پہونچنے کی تمنا نہیں ہوتی مگر سو میں سے کیا دس والدین بھی ایسے نکلیں گے جنھوں نے اپنی اولاد کو شروع سے اس مقصد کے لئے تیار کیا ہو؟ یا بروقت ان کے لڑکے آئی سی ایس کے امتحان میں بیٹھنے کے قابل ہوں۔ بظاہر میں تو اس آسانی کے لئے بی۔ اے یا زیادہ سے زیادہ امتیاز کے ساتھ ایم۔ اے پاس اور تھوڑا بہت ذہین ہونا ہی کافی تصور کیا جاتا ہے۔ مگر درحقیقت بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔

سب سے پہلے امیدوار کی جسمانی صحت کی سختی سے جانچ پڑتال کرائی جاتی ہے بہت سے امیدوار یہیں آکر ٹھوکر کھاتے ہیں۔ درحقیقت یہ سخت دشوار گذار مرحلہ ہے۔ مانا کہ پہلے اندرونی بیماریوں کو چھپانے کے لئے سول سرجن کا مصنوعی سرٹیفکٹ لیا جا سکتا ہے لیکن کان آنکھ زبان اور دیگر اعضاء کے نقائص کیسے چھپائے جاسکتے ہیں۔ اعضاء کی غیر موزونیت کیسے پوشیدہ رکھی جاسکتی ہے وبائی امراض کے مستقل نشانات کے متعلق آپ کیا جواب پیش کرسکتے ہیں بحیثیت مجموعی اگر امیدوار جسمانی طور پر کمزور اور لاغر ہے تو آپ کمیشن کی آنکھوں میں خاک جھونک کر کس طرح اس کو توانا چست اور اس کے جسم اور اس کے وزن کو کیونکر معیاری لمبائی چوڑائی اور وزن کے مطابق ثابت کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ انتخاب کے بعد گورنمنٹ کے میڈیکل بورڈ کے سامنے کس طرح عہدہ برآ ہوں گے۔ ان حقائق اور بصائر کو واضح کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی والدین اپنے بچوں کی جسمانی صحت کی طرف سے ازحد غافل اور لاپرواہ رہتے ہیں۔ بچّوں میں چھوٹے چھوٹے امراض جو اوائل عمری میں پیدا ہوجاتے ہیں اور بظاہر معمولی ہوتے ہیں رفتہ رفتہ نشو و نما پاکر مستقل صورت اختیار کرلیتے ہیں جن کا علاج کسی ماہر سے ماہر طبیب کے بس میں بھی نہیں ہوتا۔ اس طرح بچوں کے بعض جسمانی نقائص جو ابتدا میں آسانی سے معمولی علاج معالجہ سے دور ہو سکتے تھے ان کی تمام ذہنی خصوصیات اور دیگر محاسن پر جن سے معقول امیدیں وابستہ ہوتی ہیں پانی پھیر دیتے ہیں۔ کئی ایسے ہونہار بچّوں کے کوائف میرے مشاہدہ میں آچکے ہیں جو آئی سی ایس میں جانے کے اہل تھے یعنی وہ ماشاء اللہ کافی ذہین اور قابل تھے اور شکل و صورت سے بھی ان میں لیڈری کی صفت پائی جاتی تھی جو آئی سی ایس کے لئے ضروری ہے مگر ان میں سے کسی کی زبان میں نقص تھا یعنی وہ ہکلاتا تھا (یہ نقص ایک ملازم کی صحبت یا اس کے اثر سے پیدا ہوا تھا[1] اور پیدائشی نہ تھا) دوسرے بچّہ کی نظر میں کچھ کمزوری تھی وہ چشمہ لگاتا تھا تیسرے کے جسم پر چیچک کے بدنما داغ تھے۔ ایک اور لڑکا جسمانی طور پر بہت لاغر تھا ویسے اس میں اور کوئی نقص نہیں تھا مگر اسی نقص کی وجہ سے اس میں لیڈری کی

---

[1] میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کردیا ہے کہ بہت سے امراض ہم جنسوں کی صحبت کے اثر سے پیدا ہوجاتے ہیں۔ بہت سے مرض صاحب مرض کے نام کے اثر سے بھی ایک دوسرے میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ مثلاً کسی خاندان میں کوئی گٹھیا کے مرض میں مبتلا تھا یا ہے تو اس مریض کا اگر کوئی ہمنام خاندان میں ہے تو وہ مرض اس میں بھی پیدا ہوجانا کچھ بعید نہیں۔

صفت نہیں پائی جاتی تھی۔ ایک اور بچہ دیکھا گیا۔ ویسے اس کے والدین کی اس سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں مگر خراب چال چلن اور آوارگی نے اس کے چہرہ دبشرہ کا رنگ روپ اڑا دیا تھا اس وجہ سے وہ کسی کا حاکم بننے کا اہل نہ تھا۔ ایک اور بچہ تھا جو فطرتاً ذکی ہوشیار اور تندرست تھا مگر رسمی تعلیم کے علاوہ اس کی معلومات وسیع نہ تھیں جو بہترین کتب کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان نقائص یا جسمانی کمزوریوں کے متعلق آپ کچھ کہدیجئے یا سرے سے اللہ میاں کے سر تھوپ دیجئے (نعوذ باللہ) مگر میں نے خود ان بچوں کے والدین کے منہ پر کہدیا تھا کہ یہ سب انکی لاپرواہیوں کے نتائج ہیں کسی کا کوئی قصور نہیں کمیشن کو الزام دینا کہ اس نے فرقہ وارانہ تعصب کی بنا پر انتخاب نہیں کیا سراسر نادانی اور جہل ہے کمیشن ہرگز کسی کی رورعایت نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ میرے دلائل اور براہین سے قائل ہو گئے اور اعتراف کیا کہ بیشک اگر بچوں کی صحت اور چال چلن کی شروع سے حفاظت کی جاتی تو یہ ضرور آئی۔ سی۔ ایس میں کامیاب ہوتے۔

بہرحال گورنمنٹ اعلیٰ عہدہ داروں کی صحت کی سختی سے جانچ پڑتال اس وجہ سے کرتی ہے کہ عہدہ دار یعنی افسر کے طویل رخصت پر جانے، وقت سے پہلے پنشن لینے اور دوران ملازمت میں کسی خاص بیماری سے موت واقع ہونے سے گورنمنٹ کا روپیہ اور وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ اس لئے اولاً کمیشن کی یہ رائے ہوتی ہے کہ امتحان سے پہلے امیدوار سول سرجن سے مشورہ کرے۔ یہ رائے بہت صائب ہوتی ہے تاکہ امیدوار کو صرف جسمانی صحت کے کسی نقص کی بنا پر واپس نہ ہونا پڑے اور کمیشن اور امیدوار کا فضول وقت ضائع نہو۔ کیونکہ صرف کامیاب امیدوار کا ہی میڈیکل بورڈ سے معائنہ کرایا جاتا ہے۔

مقابلہ بالعموم تحریری امتحان میں ہوتا ہے اور بعض دفعہ اسمیں ملاقات بھی شامل ہوتی ہے چند لمحوں میں انتخاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ عام حالات میں صرف ایک اصول بروئے کار لایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ امیدوار تمام قواعد کے بموجب جسمانی طور پر اور قابلیت کے لحاظ سے گورنمنٹ کو یقین دلادے کہ وہ ایک مستعد اور جفاکش سویلین بننے کے قابل ہے جب ان تمام حالات کے ماتحت اور قواعد کے بموجب امیدوار چن لئے جاتے ہیں۔ پھر انہیں سے بہترین امیدوار جو مقابلہ میں آتے ہیں ٹریننگ یا پروبیشن (probation) کے لئے انتخاب کرلئے جاتے ہیں۔

انتخاب کی شرائط: جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے کہ گورنمنٹ نے انتخاب اور تقرری کے جس قدر قواعد اور ضوابط منضبط کئے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ امیدوار ان شرائط کے ماتحت (جو سول سروس کے میمورنڈم میں مفصل درج ہیں) امتحانی کمیشن کو مطمئن کردے۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ امیدوار ہندوستان برما سیلون یا ہندوستان کی کسی برطانوی ریاست یا برطانیہ عظمیٰ کا اصلی باشندہ ہو۔ یا وہاں یا یہاں پیدا ہوا ہو۔ (خواہ آبائی طور پر کسی دوسرے ملک کا رہنے والا ہو) اس شرط سے امیدوار کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری شرط عمر کے متعلق ہے۔ بالعموم ہر کھلے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم عمر کی حدیں مقرر کردی گئی ہیں اور ہر امیدوار کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ فلاں امتحان کی تاریخ جس میں وہ بیٹھنا چاہتا ہے اس عمر کا ہوگا معین عمر میں ایک دن بھی کم یا زیادہ نہ ہوگا ورنہ امیدوار کو روک لیا جائیگا۔ اس شرط سے بھی امیدوار کو کسی حالت میں مستثنیٰ نہیں کیا جائیگا اور نہ اس کے خلاف کوئی اپیل سنی جائیگی۔

جب امیدوار کو اپنی صحت اور عمر کیطرف سے اطمینان ہو جائے تو اسے امتحان میں بیٹھنے کے لئے درخواست بھیجنی چاہئے۔ درخواست کے ساتھ دس روپیہ بھیجنے ہوں گے۔ اگر درخواست امتحان کے لئے قبول کرلی جائے تو اسے امتحان کے داخلہ کا سرٹیفکٹ موصول ہوتے ہی اسی روپیہ اور بھیجنے ہوں گے۔ نقد روپیہ کسی مد میں نہیں لیا جائیگا بلکہ ہندوستان یا برما کے کسی سرکاری خزانہ یعنی امپیریل بنک میں روپیہ داخل کرکے اسکی رسید درخواست یا خط کے ساتھ بھیجنی چاہئے۔ پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر اور چک بھی کسی صورت میں قبول نہیں کیا جائیگا۔ فیس کی یہ رقوم قابل واپسی نہیں ہوں گی اور نہ کسی دوسرے پیش آئندہ امتحان کی فیس میں وضع کی جاسکتی ہیں۔ اس کے بعد اگر گذشتہ امتحان میں کامیابی ہو جائے تو صوبہ جاتی گورنمنٹ کو جہاں سے امیدوار منتخب کیا گیا ہے طبی معائنہ کی فیس سولہ روپیہ ادا کرنی پڑے گی۔

طبّی معائنہ:
جب امیدوار مقابلہ کے امتحان سے فارغ ہوجاتا ہے اور وہ تمام شرائط پوری کر دیتا ہے جن کی بنا پر وہ کامیاب کہلا سکتا ہے تو اس کا اس صوبہ میں جہاں کا وہ رہنے والا ہے، ایک میڈیکل بورڈ سے طبّی معائنہ کرایا جاتا ہے۔ یہ معائنہ گورنمنٹ اپنے اطمینان کے لئے کراتی ہے جس سے یہ معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے کہ آیا امیدوار کسی پوشیدہ یا وبائی مرض میں تو مبتلا نہیں ہے یا ایسی بیماری میں جو اس کے فرائض کی انجام دہی میں حارج ہو اور جس کی بنا پر وہ طویل رخصت یا وقت سے پہلے پنشن لینے پر مجبور ہو۔

قد کی کوتاہی جسمانی کمزوری۔ قلب پھیپھڑے۔ آنکھ اور کان کی بیماریاں۔ شدید کوتاہ نظری اور پیشاب کی بیماری یہ خاص وجوہات ہیں جن کی بنا پر امیدوار زیر امتحان کو (باوجود قابلیت یعنی نوشتہ امتحان میں پاس ہونے کے) انتخاب سے الگ کیا جا سکتا ہے مفصل وجوہات اس پمفلٹ یا میمورنڈم میں ملیں گی جو امیدواروں کے لئے فیڈرل پبلک سروس کمیشن کی جانب سے شائع کیا جاتا ہے اور جو پبلک سروس کے لئے بھرتی کا کلیتہً ذمہ دار ہوتا ہے کمیشن کا پتہ صرف نئی دہلی کافی ہے۔ اس میمورنڈم میں تشریحاً لکھا ہوتا ہے کہ امیدوار کس حد تک جسمانی صحت کے لحاظ سے ٹھیک ہونا چاہئے۔ امیدوار یا والدین کو چاہیئے کہ وہ کم سے کم تین چار سال قبل اس کو منگوا کر پڑھیں۔ اس درمیان میں امیدوار اگر وہ کسی جسمانی کمزوری یا نقص میں پہلے سے مبتلا ہے تو امتحان تک وہ علاج معالجہ سے ٹھیک ہو سکتا ہے مگر وقت پر کسی مرض کا فوری ازالہ تقریباً ناممکن ہے۔ انتخاب یا امتحان سے چھ ماہ قبل بھی ایک تازہ نقل میمورنڈم کی ضرور منگوا کر دیکھ لی جائے کیونکہ قواعد میں ہر سال ترمیم اور اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر بڑے بڑے اصولوں میں کوئی تبدیلی ۲۵ سال تک نہیں ہوتی۔

مزید معلومات:
فیڈرل پبلک سروس کا سکریٹری یا سپرنٹنڈنٹ مزید معلومات بھی مہیا کرے گا اور عام ریگولیشن وغیرہ کی مطبوعہ کاپیاں جن میں گورنمنٹ کے قواعد کا خلاصہ درج ہوتا ہے۔ امتحانوں کے متعلق مفصل حالات۔ درخواستوں کے فارم اور سول سروس کے متعلق دوسری امداد یا معلومات اس سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

کمشنر جنھیں ممبر بھی کہتے ہیں پبلک سروس کے منعقد ہونے والے امتحانوں کے اعلانات عام پبلک کی اطلاع کے لئے اخبارات میں شائع کرتے ہیں عموماً جن اخبارات میں پبلک سروس کمیشن کے تمام زیر اختیار امتحانات کے اشتہار چھپتے ہیں ان میں قابل ذکر ٹائمز آف انڈیا۔ اسٹیٹسمین۔ پائنیر اور لیڈر ہیں۔ تقریباً ہر امتحان سے چھ ماہ پہلے اشتہارات چھپ جاتے ہیں اور ٹھیک مقررہ تاریخ پر جو اشتہار میں درج ہو مکمل درخواستیں ضلع کے جس میں امیدوار رہتا ہے کلکٹر یا ڈپٹی کمشنر کے پاس پہونچ جانی چاہئیں۔ کلکتہ میں کمشنر پولیس کے پاس جانی چاہئیں ریاست کے باشندے امیدوار اپنی درخواستیں دربار کی معرفت یا ریاست کے پولٹیکل آفیسر یا ایجنٹ کے پاس بھیجیں۔ ہر درخواست رسید طلب Acknowledgement Due رجسٹری کرا کر بھیجیں اور معمولی خط وغیرہ کا پوسٹنگ سرٹیفکٹ ڈاکخانہ سے لے لینا چاہیئے بغیر اسکے کسی کا خط یا درخواست بھیجنے کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

عمر کی حد:
سول سروس کے امیدوار کی عمر جس سال امتحان ہونے والا ہو اس کی یکم جنوری کو ۲۱ سال ہونی چاہیئے نہ کہ ۲۴ سال جیسا کہ اکثر خیال کر لیا جاتا ہے اس طرح وہ تین سال امیدوار کو ولایت میں ٹریننگ کے لئے آزمائشی کام (پروبیشن) میں مصروف رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ٹھیک ۲۵ سال کی عمر میں باقاعدہ دفتر کے اختیارات تفویض کئے جاتے ہیں۔ عمر کی تصدیق میٹرک یا اسی کے مساوی دوسرے امتحان کے سرٹیفکٹ سے ہو سکتی ہے۔ اگر ایسے سرٹیفکٹ میں پیدائش کا مہینہ اور سال ہی درج ہو تو پہلے ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے اس پیدائش کا سرٹیفکٹ جو اسکول کے رجسٹر میں درج ہو میٹرک کے سرٹیفکٹ کے ساتھ بھیجنا چاہیئے۔ مگر ملحوظ رہے کہ عمر کی تصدیق کے واسطے درخواست کے ساتھ اصل سرٹیفکٹ ہی بھیجا جائے نہ کہ نقل جو اس مقصد کے لئے بیکار ہوگی۔ اصل سرٹیفکٹ کو کمیشن واپس کر دیگا۔ دوسرا پیدائش کی تاریخ کا سرٹیفکٹ بھی عمر کی تصدیق میں مستند تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر امیدوار کا دعویٰ ہو کہ اس کی پیدائش کی

تاریخ جو میٹرکولیشن کے یا اسی کے مساوی دوسرے امتحان کے سرٹیفکٹ میں درج ہے غلط ہے تو اسے اپنے دعوے کے ثبوت میں تمام شہادتیں براہ راست فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے پاس بھیجنی چاہئیں۔ اس امر کی تشریح کرنی چاہئے کہ کیونکر اس کی پیدائش کی تاریخ غلط درج ہو گئی اور آیا اس نے اس کو صحیح کرانے کی کوشش بھی کی اور اس میں کامیابی کیوں نہ ہوئی اور اگر ہوئی تو کیونکر۔ بہر حال امیدوار کو اس سرٹیفکٹ کے بھیجنے پر جسے وہ غلط سمجھتا ہے مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن اسے کمیشن کو اس معاملہ میں کسی مستند شہادت یا صدری سے مطمئن کردینا چاہئے

قابلیت اور چال چلن:- سول سروس کے امیدوار کو گورنمنٹ آف انڈیا کی کسی مستند یونیورسٹی کا آرٹ یا سائنس میں گریجویٹ ہونا چاہئے ترجیح ان امیدواروں کو دی جاتی ہے جنھوں نے امتیاز کے ساتھ ڈگری پائی ہو یا امیدوار اجمیر کے میو کالج کا سینئر ڈپلوما یافتہ ہو۔ اس امر کا فیصلہ کہ امیدوار کے پاس جو ڈگری ہے وہ امتحان میں داخلہ کے قابل ہے یا نہیں فیڈرل پبلک سروس کمیشن ہی کرے گا اور اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

جس کالج یا انسٹیٹیوٹ میں امیدوار نے تعلیم پائی ہے اس کے ڈسپلن کے چیف آفیسر کا سرٹیفکٹ اپنے چال چلن کے متعلق بھیجنا چاہئے۔ اس سرٹیفکٹ پر کالج کے جس میں امیدوار نے تعلیم پائی ہے پرنسپل ریکٹر، وائس چانسلر، پرو وائس چانسلر، پرووسٹ یا پروکٹر یا ڈین آف فیکلٹی کے جو ڈسپلن کا کل ذمہ دار کہا جاسکے، دستخط ہونے چاہئیں یا پھر اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل کی تصدیق کافی تصور کی جائیگی۔ امیدوار کو یہ اچھی طرح ثابت کرنا پڑیگا کہ اس کا چال چلن انڈین پبلک سروس میں ملازمت کرنے کے قابل ہے۔

نفسیاتی محاسن:- جن لڑکوں کے چہرے وچال ڈھال سے لیڈری کی شان پائی جاتی ہو۔ کافی ہوشیار اور ذہین ہوں۔ تمام اعضاء قوی توانا اور خوش شکل ہوں وہ آئی۔ سی۔ ایس کے لئے موزوں ہوتے اور پسند کئے جاتے ہیں۔

نوشتہ امتحان:- نوشتہ امتحانات بھی نہایت اہم مرحلے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ معلومات عامہ (جنرل نولیج) پر زور دیا جاتا ہے۔ باقی جو مضامین ہوتے ہیں ان میں سے اپنے صوبہ کی ایک یا دو زبانیں ہوتی ہیں بہر حال نوشتہ امتحانوں کے تین صیغے ہوتے ہیں جن میں سے صیغۂ الف کے تمام مضامین جواب امیدواروں کے لئے لازمی ہوتے ہیں، مع ان کے مارکس جو اس میں کامیابی کے لئے حاصل کرنے ضروری ہیں نیچے درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) جواب مضمون	مارکس ۱۵۰	(۲) انگریزی	مارکس ۱۵۰
(۳) معلومات عامہ	مارکس ۱۰۰	(۴) ہندوستان یا برما کی کوئی زبان۔	" ۱۰۰

صیغے ب اور ج میں مع زبانی گفتگو کے، ۵ مضامین ہوتے ہیں جن میں علاوہ انگریزی یا لاطانی زبان کے ہندوستان اور مشرق کی مختلف پرانی زبانیں (مثلاً عربی۔ فارسی۔ سنسکرت۔ پالی اور موجودہ ہندوستانی یا برمن زبانیں جیسے آسامی۔ اردو۔ ہندی۔ برمن۔ بنگالی۔ گجراتی۔ کنارسی۔ مالایانی۔ مرہٹی۔ پنجابی۔ گورکھی۔ سندھی۔ تامل تلنگو) اور تہذیبیں۔ تاریخ برطانیہ۔ معاشیات۔ سیاسیات۔ قانون فلسفہ۔ منطق۔ ریاضیات ادنیٰ و اعلیٰ۔ علم طبقات ادنیٰ و اعلیٰ۔ علم حیوانات ادنیٰ و اعلیٰ۔ جغرافیہ ادنیٰ و اعلیٰ۔ علم ہیئت۔ علم فن شمار و اعداد۔ علم ترکیب اجسام حیوانات۔ علم نفسیات (مع عملی تجربات) علم سوشل نوع انسان وغیرہ۔ ان میں سے امیدوار صرف اتنے مضامین اپنی دلچسپی کے انتخاب کرسکتا ہے کہ ان سے وہ مجموعی ۸۰۰ نمبر حاصل کرے۔ ہر ایک مضمون کے مارکس بلحاظ اہمیت قریباً ۱۰۰ ــ ۲۰۰ سے ۳۰۰ تک ہوتے ہیں تفصیل اصل میمورنڈم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

امیدوار ہندوستان کی زبانوں میں سے جو زبان امتحان دینے کے لئے منتخب کرے اسی کے ساتھ اس کی تہذیب بھی جواب اور بحث کے لئے لینا چاہئے جس کے نمبر بھی علیٰحدہ ملیں گے۔ جو امیدوار نیچرل سائنس لینا چاہیں انھیں اس امر کا سرٹیفکٹ پیش کرنا چاہئے کہ انھوں نے

سِیڈیٹ یا اسی کے مساوی دوسرے امتحان میں ایک سال انسٹیٹیوٹ کی لیبوریٹری میں گزارا ہے اور اس میں عملی تجربہ حاصل کرلیا ہے۔ اس سرٹیفکیٹ پر درسگاہ کے مہتمم اعلیٰ (ہیڈ) کے دستخط ہونے چاہئیں۔

یہی شرائط جغرافیہ کے مضمون کے لئے بھی ہیں۔ جو امیدوار علم ہئیت لینا چاہیں تو انھیں فیڈرل پبلک سروس کمیشن کو اطمینان دلانا پڑیگا کہ انھوں نے کسی محکمہ حوادث سماوی میں کم سے کم تین مہینے عملی تجربہ حاصل کرلیا ہے یا انھیں اس محکمہ کے آلات و اوزارات کا عملی تجربہ حاصل ہے۔

اگر کسی مضمون میں نمبر زیادہ ہوئے تو ان کی زیادتی کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے خام مضمون میں (اگر اس کے نمبر کم ہیں) رعایت نہ کی جائے گی۔ سب کے نمبر اچھی طرح جانچ پڑتال کرکے اس طرح رکھے جائیں گے کہ مجموعی تعداد وہ ہوجائے جو مطلوب ہے۔

اگر امیدوار کا خط صاف اور خوش وضع نہیں ہے تو نمبروں کی اس مجموعی تعداد میں سے جو مندرجہ بالا مضامین میں سے حاصل کیجائیگی اسکے نمبر کاٹ لئے جائیں گے۔ رعایت انکی کیجائیگی جن کی انگریزی اچھی ہوگی۔ ہر مضمون میں بکفایت اور زوردار الفاظ میں اپنا پورا مطلب بیان کریں گے۔ امیدوار کو زبانی گفتگو اور نوشتہ امتحان میں مجموعی طور پر اس قدر مارکس (نمبر) لینے چاہئیں کہ فیڈرل سروس کمیشن مطمئن ہوجائے۔ اگر بوجہ زیادتی امیدواران کمیشن کے لئے سب کا فرداً فرداً زبانی گفتگو کا امتحان لینا ممکن نہ ہو تو کمیشن کو یہ اختیار ہے کہ سب کے نوشتہ امتحان کے نمبر جمع کرکے صرف انھیں امیدواروں کو زبانی گفتگو کے امتحان میں طلب کرے جنھوں نے نوشتہ امتحان میں قابل اطمینان نمبر حاصل کئے تھے۔ ایسے امیدواروں کے نمبر ملاقات کی مجلس (بورڈ) پر ظاہر نہیں کئے جائیں گے۔

اس کے بعد مقابلہ میں شامل ہونے والے امیدواروں کی بلحاظ امتیاز ایک فہرست بنائی جائیگی۔ یہ امتیاز ان نمبروں کی بنا پر رکھا جائے گا جو ہر ایک امیدوار کو مجموعی طور پر آخری بار دئے جائیں گے۔ کیونکہ مقررہ تعداد کے مطابق ہی جو فیڈرل پبلک سروس کمیشن معلوم کرے گا ان امیدواروں کا انڈین سول سروس کے لئے آزمائشی تقرر ([illegible]) کیا جائیگا جو امتحان کے ذریعہ سے اس کے اہل ہوچکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن آسامیوں کا مقابلہ کے لئے اعلان کیا جاتا ہے وہ سب کی سب نہیں بھری جاتیں۔ کچھ آسامیاں خالی بھی رکھی جاتی ہیں۔ ان میں سے اگر ضرورت ہو تو کسی فرقہ کے جائز حق کو پورا کرنے کے لئے جس کی آواز لندن اور ہندوستان کے مقابلہ کے امتحانوں کے نتیجہ سے اٹھا کرتی ہے، براہ راست نامزدگی کی جاتی ہیں، بشرطیکہ کونسل میں وائسرائے کو اس امر کا اطمینان کلی ہوجائے کہ "کامیاب" امیدوار دیگر متعلقات (قوم۔ عمر، صحت اور چال چلن وغیرہ) میں ٹھیک ہیں۔ اگر وائسرائے کے خیال میں کسی وجہ کی بنا پر کوئی امیدوار مقررہ معیار پر نہیں اترتا ہے تو اس کے ناقابل ہونے کا اعلان کردیا جائیگا۔ اس کی جگہ جو خالی ہوگی اسے پُر کرنے کا اختیار سکریٹری آف اسٹیٹ کو ہے۔

ولایت میں تعلیم جو امیدوار ہندوستان میں تمام منعقدہ امتحانوں میں جو پبلک سروس کمیشن لیتا ہے کامیاب ہوجاتے ہیں ان کو ایکسال کے لئے ولایت (لندن) بھیجدیا جاتا ہے ایسے امیدواروں کو "پروبیشنر" (یعنی آزمائشی کام کرنے والے) کہتے ہیں۔ یہاں انہیں ایک سال تک آزمائشی کام دیا جاتا ہے یا بہ الفاظ دیگر ان کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ یہ آخری امتحان ہوتا ہے جس میں وہ پورے اترتے ہیں تو انہیں ہندوستان بلاکر مستقل کیا جاتا ہے۔ ولایت میں پروبیشنروں کو ان جامعات میں سے کسی ایک میں ٹریننگ حاصل کرنی پڑے گی:۔ آکسفورڈ۔ کیمبرج۔ لندن۔ اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز۔ سکریٹری آف اسٹیٹ کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی ایک جامعہ میں تمام تعلیم حاصل اور ختم کرنے کا حکم دے یا خاص حالات میں کوئی اس سے مختلف حکم جاری کرے۔ وہاں ان امیدواروں کو جو مضامین پڑھائے جائیں گے مع ان کے مارکس کے جو اختتام کورس پر امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ہندوستانی قانون (ہندو مسلم قوانین) مارکس ۶۰۰　　(۲) ہندوستانی تاریخ مارکس ۶۰۰
(۳) ایک دیسی زبان یا اسکی بجائے کوئی دوسرا مضمون جو اگر تسلیم کرلیا گیا۔ مارکس ۴۰۰　　(۴) گھوڑے کی سواری مارکس ۲۰۰

جو امیدوار اپنے صوبہ کی زبان سے اچھی طرح واقف ہیں ان کے لئے یہ ضروری نہیں۔ یہ شرط یورپین طبقہ کے امیدواروں کے لئے ہے۔ البتہ ہندوستانی امیدوار اس کی جگہ کوئی دوسرا مضمون کمیشن کی اجازت سے لے سکتے ہیں۔

آخری امتحان:- یہ خیال ہرگز نہ کیا جائے کہ جب ہندوستان میں تمام منعقدہ امتحانوں میں کامیابی حاصل ہو گئی تو گویا پوری کامیابی حاصل کر لی۔ ولایت کے امتحان بھی بہت آسان نہیں ہیں۔ یہاں بھی ٹریننگ کے زمانہ میں طالب علم کے چال چلن۔ طور طریق۔ محنت۔ صحت۔ غرض سب چیزوں پر جن کا امتحان بھی ہندوستان میں ہو جاتا ہے اچھی طرح نظر رکھی جاتی ہے اور جس میں بھی کمزوری ظاہر ہوتی ہے یا کوئی بات خلاف واقعہ ثابت ہوتی ہے تو سکریٹری آف اسٹیٹ کمشنروں کے مشورہ سے اس پروبیشنر کو سول سروس کے تعلق سے الگ کر سکتا ہے۔

علاوہ ان مضامین کے جو آخری امتحان کے لئے ضروری ہیں امیدوار کو ٹریننگ کے دوران میں دوسرے مضامین کے لیکچروں میں بھی طلب کیا جا سکتا ہے مثلاً ہندو مسلم قوانین۔ ہندوستان کے اصلاحی امور اور صحت عامہ۔

سول سروس کے کمشنر امیدواروں کی لحاظ قابلیت جو آخری (فائنل) امتحان کے مجموعی نمبروں سے معلوم ہوتی ہے، ایک فہرست تیار کرتے ہیں مگر ان نمبروں میں اس مضمون کے باقی نمبر شامل نہیں کئے جاتے جس میں وہ فیل ہو چکے ہیں۔ پھر انہیں نمبروں کے لحاظ سے بتدریج ان کا مستقل تقرر کیا جاتا ہے۔ اگر آخری امتحان میں امیدوار کسی وجہ سے جسے سول سروس کے کمشنر تسلیم کر لیں فیل ہو جائے تو وہ دوبارہ امتحان دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر امیدوار آخری امتحان کے کسی ایک مضمون میں بھی معقول وجہ سے فیل ہو جائے تو اس کا بھی دوبارہ امتحان دے سکتا ہے۔

وظیفہ:- پروبیشنر کو ولایت میں تعلیم حاصل کرنے یا آزمائشی کام کرنے کے دوران میں کوئی تنخواہ نہیں ملیگی بلکہ صرف ۳۵۰ پونڈ (تقریباً ۸-۴۶۲۷ روپیہ) سالانہ مختلف اقساط میں مختلف شرائط کے ماتحت ملیں گے۔ جو وہاں کے اخراجات کے لئے کافی ہونگے۔ سفر خرچ علیحدہ (بصورت پاس کے) ملیگا۔

سول سروس میں ابتدائی تنخواہ:- انڈین سول سروس کے آفیسر کی ابتدائی تنخواہ ہیں چار یا پانچ سو روپیہ ماہوار سے شروع ہوتی ہیں یہ علاوہ ضلع کی اعلیٰ افسری کے دیگر بڑے بڑے محکموں کی افسری پر تعینات کئے جاتے ہیں جن کی تنخواہیں دو تین ہزار تک پہونچتی ہیں۔ ان کا مستقبل محفوظ ہے قابل اور ہونہار بچوں کے لئے یہ میدان بہت اچھا ہے۔ اس میں وہ اپنی خداداد قابلیت کے جوہر دکھا سکتے ہیں۔

انڈین سول سروس کے انتخاب اور امتحانوں کے شرائط گو میں نے یہاں مختصر لکھے ہیں پھر بھی بہت شرح و بسط سے لکھے ہیں تاکہ والدین خصوصاً گھر کے اندر پردہ میں بیٹھنے والی مائیں دیکھ لیں کہ دنیا کی رفتار کیا ہے ملازمتوں اور دیگر مقررہ مشاہدوں کے پیشوں پر کیسی کیسی سخت قیود اور پابندیاں عائد ہو چکی ہیں اور آئے دن ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن والدین بے سوچے سمجھے اپنے بچوں کے لئے ایسے پیشے یا کام منتخب کر لیتے ہیں جو ان کے رجحان طبع قابلیت اور صحت کے لحاظ سے موزوں نہیں ہوتے یا کوشش کر کے انہیں موزوں نہیں کیا جاتا[1] پھر وقت پر کسی خاص خامی یا خامیوں کی بنا پر دونوں (امیدوار اور والدین) کو مایوسی ہوتی ہے۔

سید رضا احمد جعفری۔ اکبرآبادی

---

[1] بیرتی نفسیات (Behaviourism) کے بانی ڈاکٹر واٹسن اور ان کے رفقا نے اپنے تجربات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بچوں کی بعد کی زندگی کو ہم اپنی مرضی کے مطابق بنا سکتے ہیں یعنی ہم بچوں کو شروع سے انجینیر، ڈاکٹر یا ادیب بنا سکتے ہیں۔ دیکھئے واٹسن کی کتاب (Psychological care of the Infant)
جعفری

کراس اسٹچ میں
شکردانی
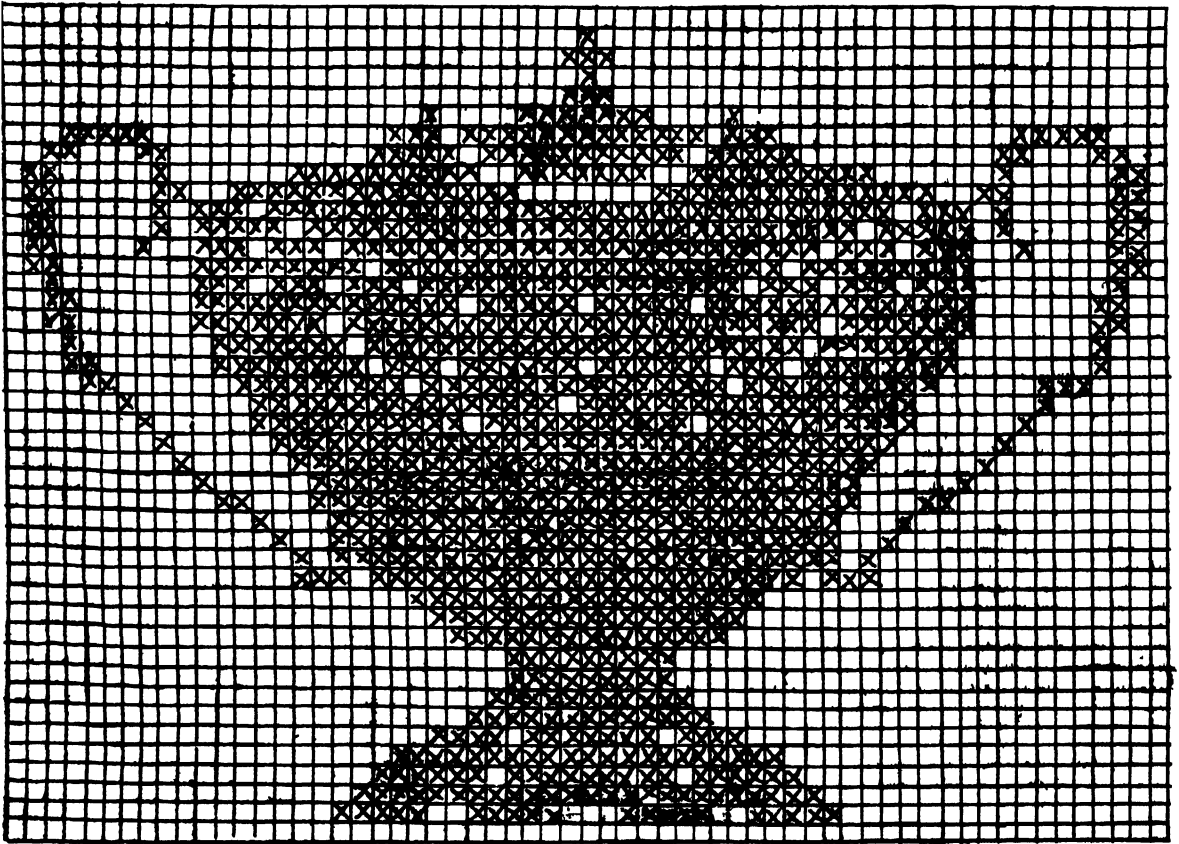
رنگین کپڑے پر سفید بنائیے۔
ہینڈل سیاہ۔

ر۔ ب۔ بنگلور

گوٹہ کا ترنج
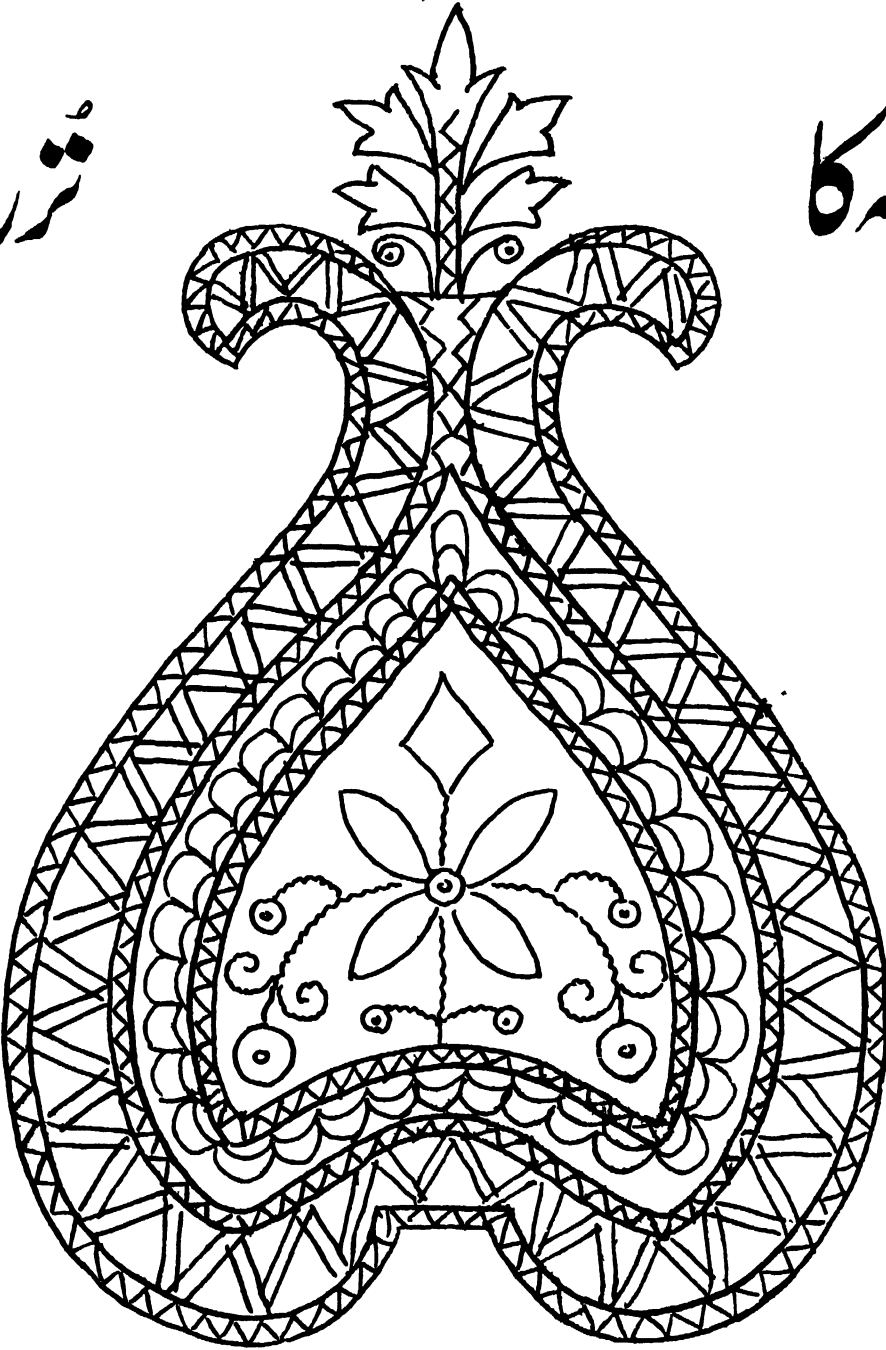
یہ ترنج صندوقچی کے غلاف کے کونہ پر بنائیے۔ اگر سرخ ساٹن کا پورا غلاف ہو تو سبز ساٹن کا ترنج اس نمونے کا کاٹ کر کونہ پر رکھ کر ترپ دیجیے اور تار گوکھرو ٹانکیے پھر دھنک کا مُرمرہ بنائیے اور پھر تار گوکھرو ٹانکیے بعدہٗ کچا گوکھرو بنا کر ٹانکیے اور تار گوکھرو۔ اب بیچ کے پھول کی پتیاں کاغذ کی کاٹ کر لئی لگا کر ایک انگل گوٹہ چپکا کر کاٹیے اور حسب نقشہ رکھ کر ترپ دیجیے۔ ڈال سلمہ سے بنائیے ستارہ غلاف کے چاروں کونوں پر ہمراہ پوتھ جڑ دیجیے۔

مس رئیس فاطمہ۔ لکھیم پور

گاجر کی چٹنی

چٹنیاں۔ اچار۔ مربے اگر زینت دسترخوان کہے جائیں تو بجا ہے۔ ہر موسم کے پھل سبزیاں اپنی اپنی جگہ نعمتِ خداداد ہیں۔ انھیں مختلف طریقوں سے مختلف اقسام میں لاکر استعمال کرنا گویا اُس صانع حقیقی کا شکریہ ادا کرنا ہے چونکہ آج کل گاجر ایک مفرح دل و دماغ نہایت مفید اور بافراط پھل یا سبزی ہے۔ اس کا اچار مربّہ اور مختلف اقسام کے حلووں کے علاوہ چٹنی بھی کئی قسموں کی بنائی جاسکتی ہے۔ یہاں عصمتی بہنوں کے استفادہ کے لئے گاجر کی ایسی قسم کی چٹنی بنانے کی ترکیب سپردِ قلم کرتی ہوں۔ جو کہ دوسرے موسموں میں بھی کام آسکے۔

اجزائے ترکیب:۔ زرد گاجریں عمدہ قسم کی دو سیر پختہ۔ کھانڈ آدھ سیر پختہ۔ سوگی ڈیڑھ پاؤ پختہ۔ چھوارے کترے ہوئے ڈیڑھ پاؤ۔ کلونجی نصف چھٹانک۔ زیرہ سیاہ تولہ بھر۔ سیاہ مرچ سالم نصف چھٹانک۔ الائچی کلاں کے دانے تولہ بھر۔ سرخ مرچ آدھ پاؤ۔ عمدہ سرکہ آدھ بوتل۔ نمک حسب ذائقہ۔ (یاد رہے کہ کھانے کے نمک کے ذائقہ سے چٹنی وغیرہ کا نمک ذائقہ میں زیادہ تیز ہونا چاہیئے)۔

اول گاجروں کو صاف کر کے کیل وغیرہ نکال پھینکیں۔ اور چھوٹے چھوٹے قتلے کر کے بھاپ دے لیں۔ یعنی گاجروں کو پانی کو دھوکر بغیر پانی کے چولھے پر چڑھا دیں اور چند مرتبہ اُچھالیں کہ اوپر نیچے یکساں بھاپ پہنچ جائے۔ مگر خیال رہے کہ گلنے نہ پائیں اب چولھے پر سے اُتار کر کسی سفید کپڑے پر دھوپ میں پھیلا دیں کہ نمی وغیرہ خشک ہو جائے۔

سرخ مرچ اور نمک کے علاوہ باقی سب مصالحہ سالم رہنے دیں۔ سب مصالحہ اور سرکہ کھانڈ وغیرہ ایک قلعی شدہ برتن میں ڈال کر گاجروں میں آمیز کر کے آگ پر رکھ دیں اور پانی بالکل نہ چھوائیں۔ جب خوب پکنے لگے تو کفگیر چلا کر ملائیں پکنے پر گاجریں پانی چھوڑیں گی۔ جب گاجروں کا پانی خشک ہو کر ذرا گاڑھا شہد کی مانند قوام ہو جائے تو آگ پر سے اُتار لیں اور ٹھنڈی ہونے پر شیشے کے مرتبان میں ڈال لیں۔ نہایت خوش ذائقہ۔ خوش رنگ اور دیرپا گاجر کی چٹنی تیار ہے۔ استعمال کرتے ہوئے خاکسار کو دعائے خیر سے یاد فرمائے گا۔

گ ن۔ بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل ایڈوکیٹ کپورتھلہ

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے۔

پاؤں کی تھکن بعض عورتیں اپنے پاؤں کا اسی طرح پورا پورا اخیال رکھتی ہیں، جس طرح اپنے ہاتھ اور چہرہ کا۔ لیکن ایسی بھی بہت سی عورتیں ہیں جنہیں پاؤں کی دیکھ بھال کی یا تو مہلت ہی نہیں ملتی، یا پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ پاؤں کی دیکھ بھال بیحد ضروری ہے کیونکہ دُکھتا ہوا پاؤں نہ صرف کام میں نقص پیدا کرتا ہے۔ بلکہ چہرہ اور چال ڈھال کی ساری دلکشی خاک میں ملا دیتا ہے۔ اس لیے پاؤں کی دیکھ بھال نتیجہ خیز ہے۔ اس کا فائدہ فوراً ہی محسوس ہوتا ہے۔ اگر ان کی دیکھ بھال میں چہرہ اور ہاتھوں کے سنگھار میں کمی رہ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر سولہ سنگھار کے بعد اگر پاؤں دُکھتا رہ جائے تو طبیعت کی شگفتگی جاتی رہتی ہے۔ اور سارا سنگھار بیکار ہو جاتا ہے۔

خاص تدبیر روزمرہ کے استعمال کے لیے یہ ہے کہ نیم گرم پانی میں معمولی کھانے کا نمک گھول کر پاؤں اس کے اندر دھوئیں۔ پاؤں خشک کرنے کے بعد تھوڑی سی میتھلیٹڈ سپرٹ (Methylated Spirit) ملیں تاکہ جلد میں چرچراہٹ نہ معلوم ہو۔

جیب میں پلستر کی چھوٹی دھجیاں اور بورک ایسڈ ملی ہوئی روئی رکھا کریں۔ جہاں جوتا تکلیف دینے لگے اس مقام پر پلستر کی دھجی چپکا دیں دھجی کے عین بیچ میں روئی لگا لی۔ اس سے اس جگہ چھالا پڑنے نہیں پاتا۔ ورنہ جوتی کے کاٹنے سے وہاں چھالا پڑ جایا کرتا ہے۔ اور وہ جگہ چھل جاتی ہے۔ پھر ہفتوں تکلیف رہتی ہے۔

اگر وقت کافی ہو تو نمک کے گرم پانی میں پاؤں ڈبونے سے پہلے چند منٹ زیتون کے تیل کی مالش کر لیا کریں۔ اگر آپ آدھ گھنٹہ دے سکیں تو پاؤں کی دُکھن اور تھکن کا نشان تک رہنے نہیں پاتا۔ گرم پانی میں تھوڑا سا اپسم سالٹس (Epsom Salts) یا کوئی اور پاؤں کا نمک ملائیں۔ اس پانی میں دس منٹ تک پاؤں رکھیں۔ خشک کرنے کے بعد پاؤں پر کولڈ کریم یا پاؤں کی کوئی کریم خوب ملیں اور پہلے تلووں اور ان کی گھائیوں اور تلووں پر، بیچوں۔ اور ناخنوں پر ملیں۔ انگلیوں کو مضبوطی سے پکڑ کر پاؤں کے سب پٹھوں پر انگلیوں کا اثر پہنچنا چاہئے۔ ٹھنڈے پانی میں کپڑا نکال کر نچوڑ لیں اور پاؤں کے گرد لپیٹ لیں اور اس پر برف ملیں۔ اگر برف نہ ملے تو ٹھنڈے پانی کی ٹونٹی کے نیچے چند سکنڈ ایک پاؤں رکھیں۔ پھر دوسرا۔ اس کے بعد پاؤں خشک کر لیں پاؤں کا پوڈر لگائیں۔ پھر بستر پر دس منٹ تک چت لیٹ جائیں۔ پاؤں ایک تکیہ پر سر سے ذرا اونچے رکھیں۔

سنگھار کا طریقہ آج کل نئے سنگھار کا بہت زور ہے۔ ہندوستانی عورتیں اپنے قدیم سنگھار کو بھول گئی ہیں۔ جو ان پر خوب پھبتا تھا۔ ایک دوسری کو دیکھ کر وہ بضرورت بے ضرورت سنگھاری اشیا استعمال کرتی رہتی ہیں۔ یہ مرض متعدی ہے اور پھیلتا جا رہا ہے۔ کالی گوری جوان ادھیڑ کی اس میں کوئی تمیز ہے نہ فرق۔ اس شوق کا روکنا فضول ہے۔ البتہ اس کی اصلاح ضروری ہے۔ تاکہ سنگھار کیا جائے تو مغربی درست طریقہ سے کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ دھوبی کا کتا نہ گھر کا رہے نہ گھاٹ کا۔

حسن و سنگھار کے ایک مبصر نے اس طریقہ پر اچھی بحث کی ہے۔ اور اس نے سنگھار کی ترتیب بھی قائم کر دی ہے۔ اس پر عمل کرنے سے سنگھار اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور دل خوش رہتا ہے:۔

(۱) سب سے پہلے جلد صاف کرنے والی کریم سے اور پھر صابن اور پانی سے خوب صاف کر لی جائے

(۲) اگر جلد کو تازگی دینے والی Skin freshner یا اس میں تناؤ پیدا کرنے والی اشیاء (Astringents) استعمال کی جائیں تو جلد صاف کرنے کے بعد ہی انھیں استعمال کریں۔

(۳) اب سنگھاری بنیاد Make-up Foundation لگائیں۔ جو چیز اس سلسلہ میں لگائیں وہ اس طریقہ سے اور ان ہدایات کے مطابق جو اس کی شیشی پر درج ہوں۔ اس میں جلد کی نوعیت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اگر جلد بے حد چکنی ہے تو ہنی سکل کریم (Honey-Suckle Cream) لگائیں۔ بنیادی چیز استعمال نہ کریں۔

(۴) اس کے بعد آنکھوں کا سنگھار ہے۔ پہلے آئی شیڈو Eye-Shadow لگائیں۔ اس پر ہلکے ہلکے پوڈر لگائیں۔ پوڈر پہلے ہی نہ لگائیں۔

(۵) اگر کریم روژ (Cream Rouge) استعمال کی جاتی ہے تو اس کا نمبر آتا ہے۔ بہت سی عورتیں کریم روژ استعمال نہیں کرتیں۔ ان کو کریم روژ خشک روژ۔ (Dry Cake Rouge) کے ساتھ لگانا چاہئے۔ اس سے رخساروں پر قدرتی رنگ کی بہار نمودار ہو جاتی ہے۔ جو دونوں قسم کے روژوں میں سے محض ایک کے لگانے سے کبھی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ کریم روژ پوڈر پر ہرگز نہ لگائیں۔

(۶) اس کے بعد چہرہ پر پوڈر لگائیں۔ یہ نہایت ضروری بات ہے کہ زائد پوڈر چہرہ سے بالکل صاف کر دیا جائے۔ اس کے لئے پوڈر کا برش کار آمد ہوا کرتا ہے۔ اس سے زائد پوڈر جھڑ جاتا ہے اور سطح بھی ہموار ہو جاتی ہے۔

(۷) اس کے بعد ہی خشک روژ رخساروں پر لگا لیا جائے۔ بعض مبصروں کی رائے ہے کہ روژ کی سطح روژ کے لگانے اور حسب منشا نمونہ پر لانے جلانے کے بعد چھیڑی نہ جائے۔ مگر بہتر طریقہ یہ ہے کہ روژ ہلکے ہلکے چھڑکنے کے بعد جلد میں ملا دیا جائے۔ بالخصوص اگر خالی خشک روژ ہی لگایا جاتا ہے اور اسے کریم روژ کی آب نہیں دی جاتی تو یہ طریقہ زیادہ ضروری اور کار آمد ہے۔

(۸) اس کے بعد ابروؤں کی پنسل اور پلکوں کا سنگھار آتا ہے۔ پہلے ابروؤں کی پنسل استعمال کریں۔ یہ ایک قسم کی جانچ کا کام دی جاتی ہے جس سے پلکوں کے سنگھار کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ گہرا اور سیاہ معقول درجہ تک ہو گیا ہے یا نہیں پہلے ابروؤں کا نمونہ قائم کرنا ضروری ہے۔ آنکھیں لمبی دکھائی جانی منظور ہیں یا بیضوی۔ یہ کام پنسل کی لکیروں کے نظری دھوکہ سے انجام پا سکتا ہے۔ اگر حسب منشا نمونہ سے پہلے یہ لکیریں کھینچ دی جائیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ چہرہ مہرہ کے مطابق نہ ہوں۔ اور اس پر موزوں نہ بیٹھیں۔ جب ابروؤں پر ان کے مناسب حال تناؤ کے مطابق پنسل استعمال کر لی جائے تو آنکھوں کے سنگھار کا مناسب طریقہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس کے مطابق سنگھار کیا جائے۔

(۹) اب لپ سٹک (Lip-Stick) لگائیں۔ ہونٹوں کی سرخی مناسب طریقہ سے قائم کی جائے۔

(۱۰) پھر گردن، کندھوں، بانہوں، کلائیوں اور ہاتھوں پر سنگھاری اشیاء لگائیں۔ بشرطیکہ جس موقع پر آپ جا رہی ہیں۔ اس کے لئے اس سنگھار کی ضرورت ہو۔ اگر نہ ہو تو اسے نہ کریں۔

(۱۱) آخر میں بالوں پر تھوڑی سی بریلی انٹین (Brilliantine) چھڑکیں۔ بالوں میں چمک آجانے سے چہرہ کی رونق بڑھ جاتی ہے اگر بال چمکدار ہوں تو اس کے لگانے کی ضرورت نہیں۔

خانہ داری کے گر۔ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔ عورتیں انھیں ایسا ہی سمجھتی ہیں۔ مگر مردوں کے دلوں پر ان کا برا اثر پڑ کر خانگی

مسرتوں کی بربادی شروع ہوجاتی ہے۔ محبت دلکشی پر پرورش پاتی ہے شادی کے بعد جو عورت اس اصول کو نظرانداز کردے یا بھول جائے اپنے لئے گویا مصیبتیں مول لیتی ہے۔ کوئی شوہر اپنی بیوی کو پھوہڑ اور بدسلیقہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ نازک اور عصبی مزاج کے آدمی کو عورت کی نفاست اور سنگھار سے بے اعتنائی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ شادی سے پہلے تو شوق اور سنگھار کا ہر پہلو نظروں کے سامنے رہتا ہے۔ مگر شادی کے بعد اسے بالکل خیرباد کہہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عورت کو چاہیئے کہ شادی کو وہ ایک مستقل محبت کی کشمکش سمجھے۔ اُسے اپنے کپڑوں اور سنگھار پر نظر رکھنی چاہیئے۔ اسے بالکل صاف ستھری۔ نفاست پسند اور صحت بخش عادات کا پابند رہنا چاہیئے۔ شوہر بیویوں کی اس عادت کو بُرا سمجھتے ہیں کہ وہ ان کے رازوں کی جویاں ہوں۔ یہ بدظنی اور بے اعتمادی کا اظہار ہے۔ شوہر کے خطوں اور جیبوں کی تلاش میں نہ رہا کرو۔

وقت اور اخلاق کی پابندی کرو۔ مرد بے نیازی اور بے توجہی سے بُرا اثر قبول کرتا ہے۔ مردوں کو عورتوں کی عدم صفائی نہایت ناپسند ہے۔ بیوی کو گھر بار کو صاف ستھرا رکھنا چاہیئے۔ شوہر حیران ہوکر دیکھا کرتا ہے کہ بیوی کی سنگھار میز پر بدسلیقگی کا منظر ہے۔ جرابیں۔ رومال۔ شیشیاں برش۔ ایک دوسرے پر الٹ پلٹ پڑے رہنا بڑا تکلیف دہ ہے۔ بیوی کو عورت کی دلکشی اور راز قائم رکھنا چاہیئے۔ مرد بیوی کی عامیانہ عادت کو نہایت ناپسند کرتا ہے۔ اُسے اُس میں حیا اور ایک حد تک خاموشی محبوب ہے۔ دیانت داری اور خوش معاملگی خوشگوار تعلقات کی ضامن ہیں۔

خانگی ٹوٹکے

گاڑی کے پہیوں کی سیاہی کپڑے میں لگ جائے تو دھبوں پر پہلے مکھن خوب ملیں۔ بعد میں دھوئیں۔

آلوؤں بالخصوص پُرانے آلوؤں کا رنگ سفید کرنے کے لئے اُنھیں پکانے سے پہلے ایک چمچہ سرکہ ان میں ڈال دو

کھولتے ہوئے پانی میں کشمش دو منٹ تک ڈالے رکھیں وہ پھول کر نسبتاً زیادہ سخت ہوجائیگی۔

نفری چیچوں پر ہوا کے دھبے پڑجائیں چیتھڑا پتلے سلفرک ایسڈ (Sulphanic Acid) میں ڈبو کر ان پر ملیں اور بعد میں صابن کے جھاگوں میں صاف کرڈالیں۔

تھرموس بوتل کو دھونے کے بعد اس کی ڈاٹ کٹے ہوئے لیموں پر رگڑیں بالکل صاف اور نئی نئی ہوجائیگی۔

نِکل کو صابن اور پانی سے دھوئیں اور سفیدی میں الکحل یا امونیہ ملاکر اس سے جلا دیدیں۔

چائے کے دھبوں پر نیل کا پانی لگائیں اور پھر کپڑا دبالیں دھبے جاتے رہیں گے۔

گھر کے کام کاج کا ایک دستورالعمل بنائیے اور روزانہ اس پر عمل کیجئے۔ ترتیب کا کام کرنے کی وجہ سے جی خوش رہیگا۔ اور کام بھی اچھی طرح ہوجایا کریں گے۔ ایک دن کا کام اس قدر نہ رکھیں کہ جی تھک جائے۔

پودوں کے گملوں کو ادلتے بدلتے رہیں تاکہ سب کو روشنی برابر مل سکے۔

دیگچی چولھے پر سے اُتارنے کے لئے گیلا کپڑا استعمال نہ کریں۔ خشک کپڑا حرارت کو اُنگلیوں تک پہنچنے اور انھیں جھلسنے نہیں دیتا۔

جب تک گھی بخوبی پگھل نہ جائے کوئی چیز تلنے کے لئے کڑھائی یا کرچھے میں نہ ڈالیں۔

مکھن کا مزا قائم رکھنا ہو تو چیز گرم کرنے کے بعد اُس پر مکھن چپڑ دیں۔ اگر چیز مکھن میں پکائی گئی تو مکھن کا مزا غائب ہوجائیگا

محمد ظفر

سیر بین

شادی کے عجیب طریقے

بلجیم میں لیشر کے قریب ہی ہر سال ایک قصبہ کی لڑکیاں ارد گرد کے کنواروں کی ضیافت کرتی ہیں۔ اشتہاروں میں قصبہ کی لڑکیوں کی خوبیاں اور خانگی مسرتوں کے خاکے درج کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے نیچے فقرہ ہوتا ہے کہ ہمیں شوہروں کی ضرورت ہے۔ کنواروں کا استقبال سٹیشن پر لڑکیاں کرتی ہیں۔ اور وہاں سے ایک وسیع باغ میں انھیں لے جایا جاتا ہے۔ مٹھائی وغیرہ کھانے کے بعد کھلے میدان میں رقص نغمہ اور اُچھل کود ہوتی ہے۔ ان کے ختم ہونے سے پہلے ہی ہر کنوارا منسوب ہوچکتا ہے۔ رات ہونے سے پہلے شادی کا دن مقرر ہوجاتا ہے۔ اس جگہ کنوار کوٹ شادی ہی چنے جاتے ہیں۔

ہمالیہ میں تبت کے نزدیک عورتیں اس میں اپنا فخر سمجھتی ہیں کہ وہ شوہر ڈھونڈھ لیں اور بعض تو پانچ پانچ شوہر منتخب کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ سب کو وہ خوش رکھتی ہے اور اس پر اس کو ناز ہوتا ہے۔ وہاں کے رواج کے مطابق یہ طریقہ معیوب نہیں عورتیں مردوں کو دعوت دیتی ہیں جو سب سے اچھا کھانا پکانا جانتی ہے۔ اُسے سب سے پہلے موقع دیا جاتا ہے وہ بہترین آدمی منتخب کرلیتی ہے۔ اس کے بعد اس سے کمتر عمدہ باورچن کو موقع دیا جاتا ہے۔ جتنے شوہر منتخب کئے جاتے ہیں اُتنے ہی سُور کے خون کے دھبے عورت اپنے رخساروں پر لگا لیتی ہے۔ یہ دعوتیں سال میں دو دفعہ ہوتی ہیں۔ عورتوں کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ اُسے پانچ خون کے دھبے لگانے کا اعزاز حاصل ہو۔ ایک ایک رخسار پر ایک ٹھوڑی پر اور ایک ایک ابرو کے اوپر۔ عورت جھونپڑی میں رہتی ہے۔ اس کے شوہر الگ رہتے ہیں وہ کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ مردوں کو آپس میں لڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت کی رائے کی پابندی اُن پر لازم ہے۔ ان ششماہی میلوں پر عورت کو اختیار ہے کہ جس شوہر سے وہ ناخوش ہو اُسے چھوڑ کر اس کی جگہ کوئی اور چن لے۔

وسط ایشیا میں ۴۰ سال کی عورتیں ۲۰ سال تک کے لڑکوں سے شادیاں کرتی ہیں۔ اُن کے اعتقاد کے مطابق تیس سال کی عمر سے زیادہ کا آدمی فضول ہے۔ اور ۴۰ سال کی عمر کو پہنچی ہوئی عورت خانگی کاروبار چلانے کی زیادہ اہل ہوتی ہے۔ لڑکیاں ادھیڑ عمر کے آدمیوں کے حصہ میں آتی ہیں۔ تاکہ انھیں اُن کی جوانی کے تجربات سے استفادہ ہو۔ زیادہ عمر کی عورتیں نوجوانوں کی مذمت کرتی ہیں۔ بعض عورتوں کو کئی کئی شوہر یکے بعد دیگرے کرنے کے بعد تجربہ و ثقہ کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ کسی جوان سے شادی کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

بلغاریہ میں لڑکی تین ناچوں سے اپنی رضامندی ظاہر کرتی ہے۔

بیویوں کی فروخت

سرویہ کے بعض گاؤں میں بیویاں خریدی اور بیچی جاسکتی ہیں۔ تھوڑے ہی دن ہوئے ایک شخص نے ایک لڑکی سے شادی کی۔ اُسے روپیہ کی ضرورت ہوئی۔ اس نے اُسے دوسرے شخص کے ہاتھ بیس روپیہ میں بیچ دیا۔ اس خاص گاؤں میں بیویوں کی قیمت ایک سے سو پونڈ تک ان کے حسن کے معیار اور خریدار کے تمول کے مطابق لگجاتی ہے

ایک زمانہ تھا برطانیہ میں بھی بکا کرتی تھیں یہ پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ ۱۸۸۲ء میں ڈربے شائر کے ایک قصبہ الفرٹن میں ایک شخص نے اپنی بیوی شراب کے ایک گلاس کے بدلے میں بیچدی۔ ۱۸۸۷ء میں ایک شخص نے شفیلڈ میں اپنی بیوی پانچ شلنگ (قریباً سوا تین روپیہ) میں بیچدی۔ بعض حکایات کے مطابق بعض میلوں میں بیویاں نیلام کے ذریعہ بیچدی جاتی تھیں۔ ایک صدی کے

قریب گذری ایک برمنگھم کا رہنے والا اپنی بیوی کے گلے میں پٹکا باندھ کر بازار لے گیا اور اُس پر بولیوں کا طلبگار ہوا۔ ایک اتفاقیہ خریدار نے اُسے پانچ شلنگ میں چھڑالیا۔

پریشانی دُور کرنے کا آلہ پرتگال کے ایک موجد نے فرانس میں اپنی ایک ایجاد کا اعلان کیا ہے جس کی مدد سے پریشانیاں دُور کی جا سکتی ہیں۔ جو لوگ پریشانی میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ جن کا دل ہر وقت بیٹھا جایا کرتا ہے جنہیں مارے فکروں کے پاگل ہونے کا ڈر رہتا ہے۔ اس آلہ کی مدد سے اُن میں سکون پیدا کیا جا سکتا ہے۔ امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ میں ۲۱۔ آدمیوں پر اس آلہ کا تجربہ کیا گیا جو ذہنی تکلیف میں مبتلا تھے۔ ۱۵ فیصدی کو بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ پچاس فیصدی کو درمیانہ درجہ کا آرام ہوا اور ایک مر گیا۔ جانوروں پر اس کا تجربہ کیا گیا تو ضدی اور شریر بندر محبت کرنے والا پالتو جانور بن گیا۔

کھوپری میں دو ننھے سوراخ کر کے ایک سوئی کی شکل کا آلہ دماغ میں پہنچایا جاتا ہے۔ سوئی کے سرے پر تار کا ایک پھندا ہوتا ہے جسے گھما کر دماغ کے چند بند حصوں کو توڑ دیا جاتا ہے۔

یہ عمل اس علاقہ میں کیا جاتا ہے جو دماغ کا خاموش حصہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی جگہ تخیلات اور تصورات پیدا ہوتے ہیں۔ عمل کے بعد تخیلات میں کمی آجاتی ہے اور طبیعت میں انتشار کی جگہ سکون لے لیتا ہے۔

قدرت کے کرشمے ایک شخص لندن کے ایک درزی کی دوکان میں کام کرتا ہے۔ ایک حادثہ اُس کی انتہائی خوشی کا باعث بن گیا۔ بچپن میں اُم الصبیان کی بدولت اس کی ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ برسوں وہ کانا رہا۔ ایک روز دکان میں ایک گاہک کو مال دینے کی وجہ سے اس قدر جلدی میں تھا کہ مڑتے ہوئے ایک سر برس ستون سے اس کا سر اس زور سے ٹکرایا کہ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور درد کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ سر سے خون کا فوارہ جاری تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ جو آنکھیں کھولتا ہے تو اندھی آنکھ میں بینائی واپس آچکی تھی۔ اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ اگر کوئی بینائی حاصل کرنے کا مجھے یہ طریقہ پہلے سے بتاتا تو اس زور کی ٹکر جھیلنے کے لئے مجھے ہمت نہ ہوتی۔

شکاگو امریکہ میں ایک عجیب آدمی ہے اس کے دماغ میں خدا جانے کیا خلل ہے کہ وہ جو کام کرتا ہے اوندھا۔ وہ بائیں سے دائیں کی طرف لکھنے کی بجائے دائیں سے بائیں کو انگریزی حروف لکھتا ہے۔ اوپر سے نیچے کو نہیں بلکہ نیچے سے اوپر کو لکھتا ہے۔ وہ مدرسہ میں ہوشیار شخص تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور گو وہ اُلٹا پڑھتا ہے مگر بالکل صحیح صحیح پڑھتا ہے۔

ایک شخص کا سر گھڑی کی طرح ٹک ٹک کرتا ہے۔ اس آواز کو پاس بیٹھنے والے بخوبی سنتے ہیں۔ یہ ٹک ٹک صرف اُس وقت بند ہوتی ہے۔ جب وہ باتیں کرتا ہو مگر لطف یہ ہے کہ وہ دیر تک باتیں نہیں کر سکتا۔

ایک چار سالہ بچہ امریکہ میں برابر کھلونوں کہانیوں وغیرہ کی باتیں کئے جاتا ہے۔ اُسے روکا جا ہی نہیں سکتا۔ نشیلی چیز دینے سے البتہ وہ رک جاتا ہے۔ مگر ہر وقت اُسے نشہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ اس کی صحت اس کی تاب نہیں لا سکتی

ایک دن میں اٹھارہ کھانے ایک خاص مقام میں پھیلے ہوئے باورچی خانوں کے کھانے چکھنے کے لئے ایک شخص مقرر ہے۔ کھانے کے اوقات اُس کے کام کے اوقات ہیں۔ وہ صرف ہوٹلوں میں پھر پھر کر کھانے اور چائے چکھتا ہے۔ اگر اُن میں خرابی ہوتی ہے فوراً باورچیوں کو اطلاع دی جاتی ہے۔ وہ شرط لگا کر کہتا ہے کہ وہ بالکل صحیح بتا سکتا ہے کہ ترکاریاں دوبارہ پکائی گئی ہیں یا نہیں۔ اور پیچیدہ سے پیچیدہ کھانے میں کوئی چیز کم رہ گئی ہو وہ فوراً بتا دیتا ہے۔ اُسے بعض اوقات ایک دفعہ کے سارے کھانے کھا کر دیکھنے پڑتے ہیں۔ پھر وہ جام

جاتا ہے۔ بعض دفعہ اس کا سارا وقت شرابوں کے چکھنے میں لگ جاتا ہے کبھی قہوہ، چائے۔ مکھن اور شربت رنگین پانی کی بوتلیں نوش کرنی پڑتی ہیں۔ صبح کے بعد دوپہر اور پھر سہ پہر اور رات کو کھانوں کا اُسے اسی طرح موازنہ کرنا پڑتا ہے کھانے کا ذکر کرنے سے اُس کا چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ بیس سال سے وہ بھوک کو بھول گیا ہے کہ کیا چیز ہوتی ہے۔ اوسطاً وہ دن میں پندرہ کھانے کھاتا ہے۔ اور بسا اوقات کھانے اٹھارہ بھی ہو جاتے ہیں۔ حریف ہوٹلوں کے کھانے کا بھی اندازہ کرنا پڑتا ہے اس لیے فالتو وقت میں وہ حریف ہوٹلوں کے کھانے کھاتا پھرتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُسے سارا ہی کھانا کھانا پڑتا ہے۔ تاکہ دیکھے کہ ایک وقت کے کھانے کے حریف کیا دام لیتے ہیں۔ اور کیا دیتے ہیں۔ اور وہ دُبلا پتلا آدمی ہے، اور اُس کی عمر ۳۰ سال ہے۔ اگر کوئی اُس کی دعوت کرے تو وہ اسے اپنی سخت توہین سمجھتا ہے۔ اُسے کھانوں سے اس قدر نفرت ہو گئی ہے۔

ٹوٹکوں کا اثر حال میں ایک عدالت نے ایک خاص گُھٹلی کے متعلق اپنا اعتقاد ظاہر کیا کہ وہ گٹھیا کو دُور کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں ریٹھے، کوڑیاں، اور مختلف بوٹیاں مختلف بیماریوں کے دُور کرنے کے لیے گلے میں پہنی جاتی ہیں۔ انگلستان میں بعض آدمی گُردے جیب میں لیے پھرتے ہیں۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ وہ پیشاب میں ریگ نہیں آنے دیتے۔ خود ہی جذب کرتے رہتے ہیں۔ سائنس داں حیران ہیں کہ جن لوگوں کے کان چھیدے جاتے ہیں اُن کی نظریں تیز دیکھی گئی ہیں۔ کان چھیدنے سے نظریں کیوں تیز ہو جاتی ہے اس مسئلہ کو وہ مطلق حل نہیں کر سکے۔ خاص طور پر نظر زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ اگر کان چھید کر سونے کی بالیاں پہنی جائیں۔ نیلے شیشے کے منکے کھانسی زکام کے علاج کے لئے پہنے جاتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے زمانہ قدیم سے جواہرات اور زیورات کا استعمال چلا آ رہا ہے۔

موت سے کھیل ایک انگریز دعویٰ کرتا ہے کہ وہ موت کے پنجہ سے اتنی مرتبہ بچا ہے کہ دنیا کے کسی آدمی کو اتنی دفعہ بچنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا۔ وہ آج کل فرانسسکو میں رہتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں جب وہ سولہ برس کا تھا وہ انگلستان میں ایک گھاٹ پر سے ۴۵ فٹ نیچے پڑے ہوئے شہتیروں پر گر پڑا ٹانگ تو اُس کی ضرور ٹوٹ گئی مگر وہ مرا نہیں۔ اس سے ایک سال بعد وہ اٹلی میں ایک جگہ ڈوب گیا۔ اور ایک گھنٹہ بیس منٹ بعد اس کا تنفس بحال کیا گیا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں وہ جزیرے وینکوور کے ساحل پر جہاز کے پاش پاش ہو جانے سے سمندر میں گرا اور ۷۰ گھنٹے بعد اُسے بچایا جا سکا۔ ایک سال بعد وہ جلتی ہوئی عمارت میں پھنس گیا۔ عمارت گر گئی، مگر اُس کے چوٹیں ہلکی آئیں۔ جب پچھلی جنگ چھڑی اس کی ریل گاڑی دشمن کے پھندے میں آگئی۔ اس کی گاڑی میں کئی آدمی مارے گئے۔ وہ اس قدر پٹا کہ بیہوش گیا۔ اُسے مردہ سمجھ کر دشمن چلے گئے۔ وہ کھلے میدان میں تین دن رات پڑا رہا۔ اس کی چھ پسلیاں اور دائیں ران ٹوٹ گئی تھیں سنہ ۱۹۲۳ء میں اس کا جہاز پھر ٹوٹا۔ اور اس کی موت کی خبر شائع ہوئی۔ سن فرانسسکو میں سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک کشتی بارود سے اُڑی تو وہ بھی دھماکے کے اثر سے اُڑ کر دُور جا گرا۔ تین ہفتے بعد ایک کشتی میں آگ لگی اور وہ ایک درجہ میں بند رہ گیا۔ آگ سے مقابلہ کرتا ہوا وہ بڑی مشکل سے نکلا۔ اس سے اگلے سال ایک اور کشتی بارود سے پھٹی تو وہ بیہوش ہو کر گرا۔ اور شعلوں کے بیچ میں آگیا۔ عین وقت پر لوگوں نے اُسے بچایا۔ موت سے اس طرح بار

بار آنکھ مچولی کرنے کے بعد یہ صاحب موت کی کسی نئی نیرنگی کے انتظار میں ہیں۔

پھلجھڑیاں

جرمنی میں ایک کل ایجاد ہوئی ہے۔ اس میں سکّہ ڈالیے۔ اور جو کچھ آپ کو لکھوانا ہو بولتے جائے۔ چند منٹ بعد آپ کا خط فونوگراف کے ریکارڈ کی صورت میں کاغذ میں اچھی طرح لپٹا ہوا برآمد ہوتا ہے۔ کاغذ پر مکتوب الیہ کا پتہ لکھئے اور ٹکٹ لگا کر ڈاک میں ڈال دیجیے۔

دنیا میں ۶۹۱۰۹ مختلف نمونوں کے ٹکٹ رائج ہیں۔

روس میں دریائی کشتیوں پر ۲۱۹۷۴۔ اور سمندری جہازوں پر ۵۰۸۸ عورتیں ملاحی کا کام کرتی ہیں۔ چند عورتیں کپتان بھی ہیں۔

عورتوں کو سب سے پہلے ۱۸۷۶ء میں شعبۂ طب میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔ اب ۳۳۰۶۲ مرد اور ۴۲۶۳ عورتیں طبابت کا کام کرتی ہیں۔

انگلستان میں لڑکیوں کو جوجٹسو جاپانی ورزش کے ہتھکنڈے سکھائے جارہے ہیں۔ تاکہ اگر انھیں کہیں کسی بدمعاش سے پالا پڑ جائے تو وہ اس کی مرمت کرسکیں۔

ہالی وڈ کا ایک شہر رینو طلاقوں کا شہر کہلاتا ہے۔ وہاں ہر سال ۶ ہزار شادیاں اور تین ہزار طلاقیں ہوتی ہیں۔ طلاقوں کا روزانہ اوسط تقریباً دس ہے۔ حکومت کے اخراجات طلاقوں کی آمدنی ہی سے چلتے ہیں۔ اگر کسی کو طلاق کا کوئی بہانہ نہ ملے۔ وہ یہاں آکر طلاق حاصل کرلیتا ہے۔

انگلستان میں سات ہزار ایسے سینما ہیں جو صرف بچوں کے لئے بولتی تصویروں کے تماشے دکھاتے ہیں۔

پایا گیا ہے کہ نامناسب غذا ناخنہ کا باعث ہوجاتی ہے۔

خیال ہے کہ بُورا بنگال سے بحیرہ روم کے ملکوں میں پانچویں صدی میں پہنچی تھی۔

لمبی لمبی چونچوں کے پرندے اور بطخیں نہایت چھوٹی غذا مثلاً باریک باریک کیڑے کھاتے ہیں۔

ہندوستان میں ہر سال دو لاکھ عورتیں زچگی کی بیماریوں کے مختلف شاخسانوں میں مرجاتی ہیں

دنیا میں سب سے لمبا پلیٹ فارم سون پور اسٹیشن کا ہے۔ اور دریائے سون کا پُل لمبائی میں دنیا میں تیسرے درجہ پر ہے۔

اکوئیڈار میں سورج روزمرہ چھ بجے نکلتا ہے اور چھ بجے چھپتا ہے۔

لندن میں کاروبار کی تیزی کے موسم میں یعنی جون اور اکتوبر کے درمیان ہر ہفتہ ۲۵۰ میلے لگتے ہیں۔

اگر ہم میں سے کوئی مریخ میں پہنچ جائے تو وہ ایک ہزار فٹ کی بلندی تک کود سکتا ہے۔

محمد ظفر

نئی کتابیں

ماہِ درخشاں

اُردو میں خواتین کے اچھے لکھے ہوئے ناول خال خال ہیں اور آجکل تو اور بھی کم لکھے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کم فرصتی اور زمانے کی روش کے مطابق ناول سے زیادہ مختصر افسانے مقبول ہوتے ہیں اور مردوں کی طرح عورتیں بھی اسی طرف متوجہ ہو گئی ہیں، لیکن عمدہ ناولوں کے لئے ہر وقت میدان ہے۔ چنانچہ جن ناولوں میں فنی لوازمات کے علاوہ حسن و دلکشی اور ذہنی افادیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے، وہ بالعموم پسند کئے جاتے ہیں۔ "ماہِ درخشاں" ایک عمدہ ناول ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ یہ ایک خاتون (محترمہ بیگم مرزا احمد علی) کا رہین منت ہے۔ مصنفہ نے اسے محض ناول لکھنے کے خیال سے نہیں لکھا۔ بلکہ ان کا مطمح نظر اس کے ذریعہ عورتوں میں اسلامی تعلیمات و مذہبی معلومات کی ترویج ہے۔ موقع موقع سے انھوں نے چند مشاہیر کے مضامین کو بھی قصے کے دوران میں نقل کیا ہے اور یہ ان سے واقف کرنے کا اچھا طریقہ ہے۔ ناول طویل ہونے کے باوجود بے ربط نہیں۔ البتہ کہیں کہیں غیر ضروری تفصیل آ جانے سے روانی میں فرق آ گیا ہے۔ مصنفہ نے کئی مقامات پر کردار نگاری اور منظر کشی کے اچھے نمونے دیئے ہیں۔ اسلوب بیان میں پرانا ناولی طرز اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے اجتناب کیا جاتا تو ناول اور بہتر ہو جاتا۔ پلاٹ دلچسپ اور ماحول مصر کی پراسرار سرزمین ہے۔ مکالموں پر مصنفہ کو کافی قدرت نہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی اس ناول کو کامیاب کہا جا سکتا ہے۔ کتابت۔ طباعت اور کاغذ اچھا ہے ۴۹۵ صفحات مجلد معہ گرد پوش۔ قیمت دو روپیہ ناشر:۔ حالی پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی۔

دنیا کی کہانی

اس کے مصنف پروفیسر محمد مجیب بی۔ اے ان ادیبوں میں سے ہیں جو بہت کم مگر بہت عمدہ لکھتے ہیں۔ مجیب صاحب کے قلم سے جو بات نکلتی ہے پہلے وہ اس پر اچھی طرح غور کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان کی تحریر میں کبھی شبہ اور اعتراض کی گنجایش شاذونادر نکلتی ہے۔ "دنیا کی کہانی" میں انھوں نے ایسے موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے جو بہت پرانا مگر ان لوگوں کے لئے جن کا مطالعہ وسیع نہیں بالکل نیا اور حد درجہ دلکش ہے۔ اچھوتے طرز بیان اور دلکش و شگفتہ عبارت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ انھوں نے سیدھے سادے انداز میں بتایا ہے کہ دنیا کیا ہے۔ کیسے بنی۔ جاندار اور غیر جاندار اشیاء کس طرح وجود میں آئیں۔ پھر انسان صفحۂ ہستی پر کیونکر نمودار ہوا اس نے آہستہ آہستہ ذہنی اور مادی ارتقا کن کن طریقوں سے حاصل کیا۔ زندگی اور اس کی ضروریات، خود اپنی اور اپنوں کی اہمیت کیسے ظاہر ہوئی۔ رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے میں برادری اور تنظیم کو کیونکر اختیار کیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کتاب کے دوران میں مختلف علوم مثلاً علم الانسان (Anthropo- logy) اور اس کے طبعی اور کلچرل پہلو۔ نیز (Palaentology) پھر (Anthropogeography) اور رفتہ رفتہ سائنس، مذہب۔ تہذیب، تجارت، سیاست، وغیرہ وغیرہ کا مختصر الفاظ میں مفصل ذکر آ گیا ہے۔ ابتدا "دنیا کی کہانی" سے اور خاتمہ "آج کی دنیا" پر ہوتا ہے۔ عام معلومات (General Knowledge) سے دلچسپی رکھنے والے حضرات و خواتین، خصوصاً طلباء کے لئے اس کتاب کے مفید ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کی اشاعت سے اردو کے علمی ذخیرے میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔ سائز عصمت کے نصف سے ذرا کم۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا صفحات ۲۲۷۔ اس کتاب کو مجلد شائع ہونا چاہئے تھا۔ اور قیمت بھی ناشر (مکتبۂ جامعہ دہلی) نے دو روپے زیادہ رکھی ہے۔

(ل)

گلشن زہرہ مؤلفہ مسز زہرا سید حسن صاحب برنی ضخامت ۱۱۱ صفحات - سائز عصمت کا قیمت سوا روپیہ
ملنے کا پتہ " دفتر عصمت دہلی"

جناب رازق الخیری صاحب ایڈیٹر رسالہ عصمت کی مساعی جمیلہ نے زنانہ دستکاریوں اور گھریلو صنعتوں کا جو وسیع لٹریچر فراہم کیا ہے اس کی مثال ہندوستانی زبان میں ملنی مشکل ہے۔ جہاں تک واقفیت کا تعلق ہے یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جناب رازق کی سعی پیہم خواتین بالخصوص مسلم خواتین میں شوقِ ہنر و ذوق دستکاری پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ آپ کی پیش کردہ دستکاری کی کتابوں سے ارض ہندوستان کے بہت سے حصوں کی خواتین مستفیض ہو رہی ہیں۔ مجھے امید ہے یہ کوشش جاری ہے مستقبل قریب میں دستکاری کا شاندار پہلو نمایاں کرنے میں ضرور کامیاب ہوگی۔ اور اس طرح خواتین اپنے اوقات فرصت کے صحیح مصرف اور ضرورت مند تکمیل ضرورت کے اصولوں سے واقف ہو کر اپنی مدد آپ کرنے کے قابل ہو جائیں گی۔ علاوہ مختلف قسم کی نسوانی دستکاریوں اور گھریلو صنعتوں کی متعدد کتب کی اشاعت کے حال ہی میں آپ کے ہاں سے کشیدہ کاری یعنی فن کروشیت کے متعلق ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام "گلشن زہرا" جو مولفہ کے نام سے متعلق ہے اور دفتر عصمت کے سلسلہ کتب کشیدہ کاری کی چوتھی کتاب ہے۔ اس میں نہایت عمدہ عمدہ آرائشی خاکے - (ڈیزائن) جمع کئے گئے ہیں کتاب مذکور ۹ ابواب پر مشتمل ہے - اور ہر باب ایک خاص وضع کے خاکے - ڈیزائن سے پر ہے۔ خصوصاً پہلے اور دوسرے باب کے خاکے اور بیلیں قابل تعریف ہیں۔ ساتھ ہی کروشیت کے متعلق نہایت ضروری ہدایات بھی درج ہیں: ٹانکے اور رنگوں کی تفصیل بھی ہے۔

لیکن آخری باب میں جو سین سینریز اور تصاویر پیش کی گئی ہیں ان پر مجھے اعتراض ہے۔ ان میں کچھ خصوصیت نہیں۔ نیز مناظر میں شاعرانہ دلکشی اور فطری نظر فریبی مفقود ہے۔ تصاویر کسی خوبی کی حامل نہیں۔ اگر ان سے قطع نظر کر کے مناظر قدرت کی صحیح نقشہ کشی کی جاتی اور نیچرل خاکوں میں کروشیت کا لحاظ رکھ کر پیش کیا جاتا تو بہتر تھا۔ ہمیں کرشن بنسری کنہیا اور گٹوماتا کی ضرورت نہیں۔ تاہم کتاب مجموعی طور پر اچھی ہے۔ جن خواتین کو فن کروشیت سے دلچسپی ہے اور ہمیشہ نئے نئے خاکوں کی متلاشی رہتی ہیں انھیں یہ کتاب ضرور خریدنا چاہیے۔ - کاغذ لکھائی۔ چھپائی قابل تحسین ہے

سیدہ اشرف

گلستانِ خیاطی دستکاری کے مشہور رسالے جوہر نسواں کا خاص نمبر ہے۔ جس میں نذیر فاطمہ صاحبہ نے کپڑوں کے کاٹنے اور سینے کے متعلق نہایت عمدہ مفید اور مستند مضامین معہ تصویروں کے بڑی محنت سے جمع کئے ہیں خیاطی زنانہ دستکاریوں میں سب سے زیادہ اہم اور مفید ہے۔ اس لئے یوں بھی اس کتاب کی بڑی ضرورت تھی - فاضل مرتبہ نے اسے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جن کے ناموں سے ہی آپکو اس کی عمدگی اور فوائد کا اندازہ ہو جائے گا۔ مردانہ کپڑے، زنانہ کپڑے۔ لڑکوں کے کپڑے۔ لڑکیوں کے کپڑے اور متفرق کپڑے۔ فنی مضامین - ہدایات اور نمونے وغیرہ ان کے علاوہ بھی مضمون نگاروں نے اپنے اپنے مضامین کو نقشوں کی مدد سے اس قدر آسان بنا دیا ہے۔ کہ نو آموز خواتین کو بھی خیاطی سیکھنے میں دقت نہیں ہوگی۔ عصمت سائز ۔ ۲۰۰ صفحات - کاغذ کتابت طباعت عمدہ سرورق جاذب نظر قیمت ڈیڑھ روپیہ - یہ کتاب عصمت بک ڈپو سے شائع ہوئی ہے اور وہیں سے منگائی جا سکتی ہے۔

نذرِ ولی
نذرِ دکن
اردو نظم کے معلم اول حضرت ولی کی شاعری اور خصوصیاتِ کلام پر حیدرآباد دکن کی چار گریجوایٹ خواتین کے تحقیقی مقالوں کا مجموعہ اس نام سے ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن نے نہایت شان وشوکت سے شائع کیا ہے۔ پہلے ڈاکٹر زور کا تعارف نامہ ہے۔ اس کے بعد لطیف النساء صاحبہ کا مضمون "ولی کا تخیل" ہے - پھر نجم النساء صاحبہ کا مقالہ "کلام ولی اور تصوف" درج ہے۔ تیسرے مضمون میں نعیم النساء بیگم صاحبہ نے ولی کی معلومات اور خصوصیات شاعری" پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ آخری مضمون عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ جہاں بانو بیگم (نقوی) کا "ولی کا فن شاعری" ہے۔ چاروں مقالے پڑھنے کے لائق

ہیں۔ اس لحاظ سے بھی کہ اب ہماری خواتین تحقیقی اور علمی مضامین بلند پایہ کے لکھنے لگی ہیں۔ کتابت طباعت بہت عمدہ ۲۴۶ صفحات مجلد قیمت درج نہیں۔

"نذرِ دکن" ۲۸ مضامین نظم و نثر کا مجموعہ ہے، جو خواتین دکن نے زیادہ تر حیدرآباد دکن کے متعلق لکھے۔ اس کی مرتبہ محترمہ سکینہ بیگم ہیں اور ناشر ادارۂ ادبیات اردو۔ مجموعہ میں کئی مضامین دلچسپ، مفید اور پُراز معلومات ہیں۔ حیدرآباد دکن کی اکثر مضمون نگار خواتین نے اس میں شرکت کی ہے۔ مگر محترمہ نوشابہ خاتون قریشی بی۔ اے کا نام نہ دیکھ کر جو وہاں کی غالباً سب سے بڑی شاعرہ ہیں۔ بڑی کمی محسوس ہوتی ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ حصہ نظم۔ نثر کے مقابلے میں بہت ہی ہلکا ہے۔ صفحات ۷۶۔۷۷ پر چند سطریں حامیانِ نسواں کے متعلق ہیں۔ افسوس ہے ان حضرات کی خدمات کا خیال رکھتے ہوئے ان کی مناسب تقدیم نہ ناخیر نہیں کی گئی۔ یہ مضمون ایک خاتون کے قلم سے ہے۔ جن سے اُمید ہونی چاہیے کہ اُنھیں فرقۂ نسواں کے محسنین اور ان کے احسانات کا پورا پورا علم ہوگا۔ کتابت طباعت کاغذ اچھا ہے۔ ۱۰۱ صفحات مجلد۔ سائز "بانگ درا" قیمت سوا روپیہ۔

معارف جمیل اُردو کے مشہور شاعر حضرت آزاد انصاری کا مجموعہ کلام اس نام سے شائع ہوا ہے۔ شروع میں خود موصوف نے اپنے ذاتی حالات شعر و شاعری، اپنے کلام کے تدریجی ارتقا اور اپنی شاعری پر تبصرہ کیا ہے اس کے بعد ڈھائی سو صفحات پر مختلف غزلیں نظمیں سہرے رباعیات وغیرہ درج ہیں آزاد اپنی چند خصوصیات کی وجہ سے اردو شاعری کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور سلاست و صفائی زبان ندرت بیان، حسین و مترنم الفاظ کی تکرار برجستگی اور بیساختگی کی وجہ سے اُن کا کلام اس لائق ہے کہ بار بار پڑھا جائے۔ وہ سیدھے سادے الفاظ میں بڑی گہری اور پُراز حکمت باتیں کہہ جاتے ہیں۔ جن سے دل پر بے حد اثر ہوتا ہے۔ ابتدائی کلام کو چھوڑ کر ان کی ساری شاعری پر میر، مومن، غالب اور انداز بیان پر حالی کا رنگ چھایا ہوا ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات مختلف النوع ہیں۔ اور ہر موضوع پر انھوں نے نہایت کامیابی سے شعر کہے ہیں۔ مثلاً:۔

ہائے مکروہات دنیا اور ہم ؎ ہائے! کیا کیا کچھ گوارا ہو گیا
آہ! ہماری ناؤ کی حالت ؎ موجیں مائل طوفاں برپا
طالب ہوں مگر ناکام، سائل ہوں مگر محروم ؎ تقدیر بری تقدیر مقسوم ہے مقسوم

"معارف جمیل" عصمت کے نصف سائز پر شائع ہوئی ہے تین سو صفحات۔ مجلد۔ کاغذ اور چھپائی خاصی۔ البتہ کتابت بہت لاپروائی سے ہوئی ہے۔ قیمت ڈھائی روپیہ ملنے کا پتہ:۔ کاشانۂ ناز۔ بازار گھانسی۔ حیدرآباد دکن

رحمۃ للعالمین
رسول پاکؐ
حضور رسول مقبول صلعم کے متعلق بہت سی عمدہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ رحمۃ للعالمین بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جسے قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان نے نہ صرف بہت سی اسلامی کتب بلکہ مختلف مذاہب کے صحیفوں کا مطالعہ کرکے مرتب کیا ہے۔ مقصداً آنحضرتؐ کی سیرت اور انکی پاک تعلیمات سے روشناس کرانا ہے۔ اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب معلوم ہوتے ہیں "رحمۃ للعالمین" تین جلدوں میں ختم ہوگی ہے [illegible] جلد پہلی اور اس میں مولف نے اتنی معلومات بھر دی ہیں کہ باقی دونوں جلدوں کے چھپنے کا انتظار رہتا ہے۔ اس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ فہرست میں تمام مضامین کو صفحے وار تقسیم کیا گیا ہے۔ گویا یہ اشاریہ (Index) کا کام بھی دیتی ہے اور ہمیں بیک نظر مسیح سے دو ہزار سال قبل کے حالات سے لیکر آنحضرتؐ کے معجزانہ کارناموں۔ ان کی پاک زندگی سبق آموز سیرت قرانی تعلیمات اسلام کے بتدریج نشوونما مسلمانوں کی تکالیف اور فتوحات وصال نبویؐ۔ آپ کی تلقین و کوششوں کے اثرات تک کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ کتاب بڑی محنت سے مرتب کی گئی ہے اور مرتب مرحوم کی اچھی یادگار ہے۔ صفحات ساڑھے چار سو سے زائد سائز عصمت کا نصف کاغذ لکھائی چھپائی خاصی اچھی مجلد مع خاک پوش

"رسول پاکؐ" بھی نبی کریمؐ کی مختصر سوانح عمری ہے جسے عبدالواحد صاحب سندھی نے بچوں کے واسطے لکھا ہے۔ اس کتاب کا موضوع "رسول پاکؐ کون تھے۔ کیسے تھے، اور آپ نے کیا سکھایا ہے" ہے اور مولف نے نہایت آسان اور دلچسپ زبان میں اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے سائز دو درسی کتابوں کا کتابت بھی اسی انداز کی ہوئی ہے کاغذ طباعت خاصی ۶۵ صفحات قیمت ۴؍ دونوں کتابیں مکتبہ جامعہ دہلی نے شائع کی ہیں۔ (صادق الخیری)

دوربین

جنگ در جنگ ۱۹۱۸ء کے بعد روس میں سے کئی ریاستیں کاٹ کر آزاد کر دی گئی تھیں۔ روس نے اب وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن پر جارحانہ پیشقدمی کر کے اُن پر اپنا تسلط جمانا شروع کر دیا ہے۔ پولینڈ کا نصف سے زیادہ حصّہ دبا چکا ہے۔ استھونیا، لٹویا۔ لیتھونیا، اُس کے آگے جُھک چکی ہیں۔ اب اس نے فنلینڈ سے جنگ چھیڑ دی ہے پہلے تو یہ وہم ظاہر کیا کہ روس کا دارالسلطنت لینن گراڈ پوری طرح محفوظ نہیں اور اُس کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ فنلینڈ کا کچھ علاقہ جو لینن گراڈ کے سامنے ہے لے لیا جائے۔ اور بعض جزیروں پر قبضہ کر لیا جائے۔ پھر یہ حیلے تراشے گئے کہ فنلینڈ کی فوج روسی علاقہ میں گھس آئی اور روسی فوجیوں کو اُس نے ہلاک کیا۔ بہرحال روس نے خواہ مخواہ فنلینڈ پر اعلان جنگ کئے بغیر حملہ کر دیا۔ اُس نے فنلینڈ پر تین طرف سے حملہ کیا۔ ایک حملہ اُس کے شمال میں پٹشو ما کی بندرگاہ کو گھیر لینے کے لئے کیا ہے۔ "تاکہ بحرِ منجمد شمالی سے فنلینڈ کو کوئی مدد نہ ملے۔ دوسرا حملہ جھیل لڈوگا کے شمال میں کیا گیا ہے۔ فنلینڈ کی فوج بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کر رہی ہے۔ روسیوں نے زہریلی گیس استعمال کی۔ اس کے باوجود فنلینڈ والے جان توڑ توڑ کر روس کے چھکے چھڑا رہے ہیں۔ برف بھی پڑنے لگی ہے۔ جس سے روسی سپاہی اس قدر سردی کے عادی نہ ہونے کی وجہ سے جم کر رہ جاتے ہیں۔ ان کو خیمے بھی نہیں ملے۔ اور نہ سینکنے کے لئے آگ سُلگا سکتے ہیں۔ مبادا فنلینڈ کے ہوائی جہاز اُن پر بم پھینکیں۔ غرضیکہ روس سخت پریشان ہے۔ اور اس کی فوج میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔

جنگ جرمنی جرمنی نے اپنی سرنگوں اور آبدوزوں سے سمندروں میں مسلسل تباہی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اُس نے مقناطیسی سرنگوں کا سلسلہ شروع کیا جو نہایت خطرناک چیز ثابت ہوئی ہے۔ آبدوزیں سرنگیں اس طرح پھیلاتی جاتی ہیں جس طرح کھیت میں بیج ڈال دیئے جاتے ہیں۔ جہاز کے چلنے سے جو لہریں پیدا ہوتی ہیں اُن سے یہ سرنگیں پھٹ کر جہاز کو لے بیٹھتی ہیں۔ بحر جاپان۔ ارساک کے متعدد تجارتی جہاز ایسی سرنگوں سے ٹکرا ٹکرا کر ڈوب گئے۔ انگریزوں کے بھی کئی جہاز غرق ہو گئے۔ جرمنی کے تین چھوٹے جنگی جہاز بتائے جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک سے جنوبی بحراوقیانوس میں اتحادی جہازوں کی جنگ ہوئی۔ جرمنی کا جہاز یوروگوے جنوبی امریکہ کی ایک ریاست کی بندرگاہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ ریاست نے ۷۲ گھنٹے میں مرمت کر کے چلے جانے کا نوٹس دیا۔ اس عرصہ میں کئی اتحادی جہاز بندرگاہ کے باہر اُس کی تاک میں بیٹھے رہے۔ آخر وہ میعاد ختم ہونے پر آدھی رات کی تاریکی میں نکلا اور کہا جاتا ہے کہ ہٹلر کے حکم کے مطابق اُس کے کپتان نے اُسے خود ہی غرق کر دیا اور اُس نے خود بھی خودکشی کر لی۔ اُس کے سارے آدمی گرفتار کئے گئے۔

اتحادی طیاروں نے جرمنی پر کئی مرتبہ پرواز کی۔ اور اتحادیوں نے جرمنی کے کئی جہاز ڈبو دیئے۔ بحری سرنگوں کے جواب میں برطانیہ نے جرمنی کا تجارتی مال ضبط کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس سے جرمنی کا لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو گیا۔ جرمنی میں کسی نامعلوم مقام سے ایک خفیہ آلہ صوت ہٹلر کے خلاف چرچا کر رہا ہے۔ اُس میں ہٹلر کو دھمکی دی گئی ہے کہ یا تو وہ اپنے آپ کو قوم کے حوالے کر دے یا ملک چھوڑ کر بھاگ جائے۔ ورنہ اُسے مار ڈالا جائے گا۔ جرمنی میں ایک عورت کو غیر ملکی ریڈیو کا مقالہ سننے پر نو ماہ قید کی سزا دی گئی۔ یہودیوں پر الگ ظلم ہو رہے ہیں۔ غرضیکہ ہٹلر سخت پریشان ہے۔ اور معتبر ذریعہ سے کہا

جو عورتیں اولاد سے محروم ہیں

ان کے ہاں بھی اولاد ہو سکتی ہے

نئے زمانہ کی سائنس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھائے ہیں وہاں یہ بات معلوم کرکے بھی ہماری ہندوستانی بہنوں کو بے حد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی اس سائنس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گزر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہو سکے گی۔

سائنس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "**محافظ اولاد**" کا گزشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گزر چکے تھے مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی محافظ اولاد نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر ہے اور امید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دنیا کو ثابت کیا جائیگا کہ اس مقصد کے واسطے محافظ اولاد دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا "**محافظ اولاد**" ہدایات کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں) اور اس کے بعد خدا تعالےٰ کی طرف سے مہربانی ہو جاتی ہے اور آئندہ سال ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہوگا۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطباء اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص محافظ اولاد کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دواخانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں۔ لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۳۴ دہلی** کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر دوا محافظ اولاد کی ایک شیشی بذریعہ وی پی پارسل منگالیں۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے (عہ/۲) ہے اور پارسل پر سات آنے (۷/) خرچ ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ ہٹلر نے اپنے مشیروں سے دیر تک سرگوشیوں کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ اگر مغربی محاذ پر جرمنی کو شکست ہوئی تو وہ حکومت سے دستبردار ہو کر ملک کے باہر چلا جائے گا۔ جرمنی اتحادیوں سے صلح پر مجبور ہو تو ڈینزگ کے سوا باقی پولینڈ کا حصہ واپس کر دے

یوم نجات

ایک زمانہ تھا کہ کانگریس ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کی تائید ضروری سمجھتی تھی اور اس زمانہ کے لیڈر مسلمانوں کو حقوق دینے پر آمادہ رہتے تھے۔ مگر اب ہندوؤں کے لیڈروں کا یہ خیال ہے کہ ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے۔ اور وہ خود اپنے بازو کی قوت سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں اور بعد میں وہ ذاتی معاملہ کے طور پر قلیل آبادیوں سے معاملہ داری کرلیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اور دیگر قلیل التعداد جماعتیں کانگریس سے سخت بیزار ہو گئیں مسلم لیگ کے صدر مسٹر جناح کے اعلان کے مطابق ۲۲- دسمبر ۱۹۳۹ء کو یوم نجات ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مسلمانوں نے منایا۔ مندرجہ قرارداد اس دن کے جلسوں میں تیار کی گئی۔ کہ کانگریسی حکومتوں نے مسلم دشمنی سے ثابت کر دیا ہے کہ کانگریس ہندوستان کے کی تمام قوموں کی نمایندہ نہیں۔ وہ نظم ونسق اور قانون سازی میں مسلمانوں کی رائے سے بے پروا رہیں۔ مسلم تمدن کو تباہ کرتی رہیں۔ اور مسلمانوں کی مذہبی و معاشری زندگی میں مداخلت کرتی رہیں۔ اور ان کے اقتصادی اور سیاسی حقوق پامال کرتی رہیں۔ جن مقامات میں ہندو مسلم مناقشات تھے وہاں ہندوؤں کی طرفداری اور مسلمانوں کے حقوق سے روگردانی کرتی رہیں۔ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی ضلع کے حکام کے عام فرائض میں مداخلت کرتی رہیں۔ جس سے ہندوؤں کے دلوں میں یہ وہم پیدا ہو گیا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کا راج قائم ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور مسلمانوں سے وہ بدسلوکی کرتے رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب ہندوستان کو کانگریسی حکومتوں سے نجات حاصل ہو گئی ہے۔

دوسری طرف مسلمانوں نے مطالبہ کیا ہے کہ کانگریسی صوبوں میں جو مظالم ان پر ہوئے ان کی فہرست تیار کر کے انکی تحقیقات کی جائے۔ وزیر بنگال نے ہندوؤں کے اس شور پر کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی کثرت ہے وہاں ہندوؤں پر سختیاں ہوئیں چیلنج دیا ہے کہ ہندو اس قسم کی فہرست تیار کریں وہ اسے غلط ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

بازاری عورتوں کا تدارک

ترکی میں اس وقت جو فاحشہ عورتیں پیشہ کرتی ہیں۔ ان میں نوے فیصدی غیر ملکی ہیں ترکی حکومت نے ان مقامات میں جہاں فوجی نقل و حرکت کا سلسلہ جاری رہتا ہے سخت احکام جاری کئے ہیں۔ کہ وہاں کے قحبہ خانے سب بند کر دیئے جائیں۔ اور تمام بازاری عورتیں نکال دی جائیں۔ جو عورت چوری چھپے اپنا پیشہ جاری رکھیگی یا تو اسے ترکی سے باہر نکال دیا جائیگا۔ یا اسے لمبی قید کی سزا دی جائیگی۔ دلالوں۔ ملازموں اور دربانوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائیگا۔ جو لوگ ایسی عورتوں کو مخفی طور پر مکان کرایہ دیں گے۔ ان کے مکان ضبط کر لئے جائیں گے۔ جو لوگ موٹروں میں ایسی عورتوں کو سیر گشت کرینگے ان کی موٹریں ضبط کرلی جائیں گی۔ اور مالکوں کو سزا دی جائیگی۔ حکومت نے عوام سے اپیل کی ہے کہ اس معاملہ میں اس کا ہاتھ بٹائیں اور ایسی عورتوں کا پتہ لگائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو سخت سزا دی جائیگی جو کسی کو بدنام کرنے کے لئے جھوٹی اطلاع دیں گے۔ اور جائداد کے مالکوں کو نقصان پہنچانے کے لئے غلط خبریں دیں گے۔

ترکی کا اتحادیوں سے معاہدہ

روس سے اتحادی معاہدہ نہ کر سکے۔ مگر ترکی سے معاہدہ کرلینے کی وجہ سے یہ ناکامی مہنگی نہیں پڑی جرمنی اور روس بھی ترکی سے معاہدہ کرنے کے بہت زیادہ متمنی تھے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتے تو وہ اپنے جہاز بحر روم میں بھیج کر مصر اور سویز کو خطرہ میں ڈال سکتے تھے۔ اور بلقان میں ان کا بے حد اثر بڑھ جاتا۔ اور دنیائے اسلام کی ہمدردی ان کے ساتھ ہوتی۔ اور ان کا اثر عراق۔ ایران۔ اور افغانستان میں بڑھ جانے کی وجہ سے ہندوستان خطرہ میں پڑ جاتا۔ اب برطانیہ کو بحر روم کے مشرقی حصہ میں ایک جنگی اڈا مل گیا ہے۔ ترک مصر و سویز کی مدافعت کر سکتے ہیں۔ دنیائے اسلام کی ہمدردی ان سے

ریشمی بُرقعہ ـــ قیمت پانچ روپے (صہ)

سلائی کی قیمت نہیں لی جاتی۔ ڈیزائن کی قیمت نہیں لی جاتی۔ کارخانہ کو شہرت دینے کیلئے صرف کپڑے کی قیمت لی جاتی ہے ہزاروں عورتوں نے ہمارے ہاں سے برقعے منگائے اور جس جگہ ایک برقعہ چلا گیا وہاں سے درجنوں کے آرڈر بھر آئے۔ کیونکہ ان داموں یہ برقعہ یقیناً مفت برابر ہے عصمتی بہنوں میں سے بھی جو بہن چاہیں منگا دیکھیں۔ چیز دیکھ کر اُن کا جی خوش ہو جائیگا۔ اگر پسند نہ آئے تو خوشی سے واپس کر دیں۔

جس رنگ کا برقعہ درکار ہو۔ جس سائز کی ضرورت ہو منگا لیجیے۔ سائز کے لئے سر سے پیر تک یا تو ڈورا ناپ کر بھیجدیں یا گزوں کے حساب سے برقعہ کی لمبائی بتا دیں اور جو رنگ پسند ہو وہ لکھ بھیجیں بالکل وہی چیز آپ کو گھر بیٹھے پہونچا دی جائیگی۔ خواہ کوئی سائز ہو۔ کوئی رنگ ہو۔ ایک عدد برقعہ کی قیمت صرف پانچ روپے لی جائیگی محصول پارسل گیارہ آنے لگے گا وہ آپکے ذمہ ہوگا۔ **منیجر کامیاب بک ڈپو ۲۴۳ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر جتنے برقعے درکار ہوں بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجیے۔ آپ کو گھر بیٹھے برقعہ ملجائے گا۔ اس سے بہر صورت مطمئن رہئے جو چیز آپکو بتائی گئی ہے بالکل وہی آپکے پاس پہنچے گی۔ برقعہ کا کپڑا ریشمی ہوگا اور رنگ وہ ہوگا جو آپ لکھ کر بھیجیں گی (سائز کے ساتھ ہی سر کی گولائی اور کمر کی پیٹی کا ناپ بھی ضرور لکھئے) برقعہ کی ٹوپی اور اس کا بہترین باریک کام دیکھ کر آپ یقیناً خوش ہوں گی۔ کیونکہ برقعہ کی کاریگری میں ٹوپی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ہمارے اس برقعہ کی ٹوپی میں بھی بہت باریک جینت کاری ہے۔ جس کے باعث برقعہ میں پچیس روپے کا معلوم ہوتا ہے۔ منگانے کا پتہ :- **منیجر کامیاب بک ڈپو ۲۴۳ دہلی** (نوٹ برقعہ دو حصوں میں ہے۔ ایک حصہ سر سے کمر تک دوسرا کمر سے پیروں تک)

ماں کا دُودھ

عام طور پر یہ سنا جا رہا ہے کہ اکثر عورتیں اپنی صحت کی خرابی کے سبب اپنے گود کے بچوں کو دودھ نہیں پلا سکتیں یا ان کے دودھ اترتا ہی نہیں یا کم اترتا ہے اور یا اگر ہوتا ہے تو وہ تندرست دودھ نہیں ہوتا بلکہ اس کے پینے سے بچہ ہمیشہ بیمار رہتا ہے پس ایسی عورتوں کی اطلاع کیلئے لکھا جاتا ہے کہ اگر دودھ میں کمی ہو یا کوئی خرابی ہو یا دودھ نہ اترتا ہو تو **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۲۴۳ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر "جوہر غذا" کی ایک شیشی منگائیں اور استعمال کریں جوہر غذا استعمال کرنے سے دودھ بہت ہی زیادہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ اور بالکل صحیح اور صاف اور صحت بخش دودھ اترتا ہے۔ کیونکہ جوہر غذا بعض پھلوں کے جوہر اور قیمتی دواؤں سے تیار کی جاتی ہے۔ اور بچوں کی تندرستی ٹھیک کرنے کے لئے بے حد مفید ہے۔ ایک شیشی باوجود اتنے قیمتی اجزا شامل کرنے کے صرف تین روپے آٹھ آنے (۳) کو ملتی ہے اور ڈاکخانہ کے پارسل پر سات آنے کے ٹکٹ لگتے ہیں کل تین روپے پندرہ آنے میں آپ کو گھر بیٹھے جوہر غذا کی ایک شیشی مل سکتی ہے۔

دمہ کا بیمار زندگی سے بیزار

یہ بالکل سچ ہے کہ دمہ کا بیمار زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے۔ لیکن اب اس بیزاری کی ضرورت ہی نہیں۔ ہندوستان کے ایک مشہور و معروف یونانی طبیب نے اس مشکل کو حل کر دیا۔ اور اب چالیس ہزار مریض دمہ کے مرض سے بچا لئے گئے۔

اگر دمہ کا مریض دوا **سانسول** استعمال کرے تو چند روز میں اس تکلیف دہ مرض سے نجات مل جاتی ہے۔ اور اب تک تقریباً چالیس ہزار دمہ کے مریضوں کو آرام ہو چکا ہے۔ اگر سردی کے موسم میں یا کسی اور موسم میں آپ کو دمہ کی تکلیف ہو جاتی ہو تو آپ ایک دفعہ دوا "سانسول" استعمال کر لیجئے پھر آپ خود ہی دیکھ لیں گے کہ کسی وقت بھی آپ کو یہ تکلیف ہرگز نہیں ہو سکتی **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۲۴۳ دہلی** کو خط لکھ کر دوا "سانسول" منگا لیجیے۔ ایک شیشی کی قیمت ایک روپیہ چھ آنے ہے محصول ڈاک سات آنے ہے۔

حاصل ہوگی ترکی اب بہت زیادہ نوجوان ہے، سارا فرقہ آزاد ہو گیا ہے صنعت و حرفت ان کے ہاتھوں میں ہے بہت سے بینک اور کارخانے وہاں جاری ہوگئے ہیں دولتمند بھی ہو چکی ہیں۔ فوج بہادر ترکی دنیا کی بہترین فوج سے مقابلہ کر سکتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر ایک ترک بہادری اور جان نثاری میں بے مثل ہے اس معاہدہ کا فوری اثر یہ ہوا ہے کہ ہٹلر کا حوصلہ پست ہو گیا ہے۔

تاروں کا جھرمٹ

لیڈی انیس امام ایم۔ ایل۔ اے پٹنہ یونیورسٹی کی ممبر منتخب کی گئی ہیں۔ آپ کے مقابلہ میں مسٹر دھرم سلہ لال بیرسٹر ایٹ لاء امیدوار ممبری تھے۔

حکومت بمبئی اور پنجاب نے ایک ہدایت جاری کی ہے کہ آئندہ سرکاری مراسلات میں محمڈن کی بجائے مسلم لکھا جائے۔

ضلع امرتسر کے ایک دیہات میں ایک برات گئی۔ لڑکے کے باپ نے اصرار کیا کہ میں بہو کا منہ شادی سے پہلے دیکھ لینا چاہتا ہوں۔ لڑکی کے باپ نے کہا کہ شادی آپ سے نہیں آپ کے لڑکے سے ہو رہی ہے۔ وہ چاہے تو ہم اسے لڑکی دکھانے کا انتظام کئے دیتے ہیں لڑکے کا باپ خود دیکھنے پر بضد رہا آخر برات واپس گئی۔

ماہر معماروں اور انجینیروں نے روضۂ تاج محل کے گنبد کا معائنہ کیا۔ تاکہ اگر ضرورت ہو تو اس کی مرمت کی جائے تاج محل کی مرمت پر حکومت ہند ہر سال ۲۰ ہزار روپیہ صرف کرتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دوسری تاریخی عمارتوں سے تاج محل کی حالت بہت اچھی ہے۔

برودان میں ایک ہندو بیوہ دن رات پوجا پاٹ میں رہا کرتی۔ ایک مرتبہ اس کی بھاوج بیمار ہو گئی، ڈاکٹروں کے علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا اس نے پوجا پاٹ کے زور سے اسے چنگا کر لیا۔ اب اسے اور گھر والوں کو وہم ہو گیا ہے کہ وہ پہنچی ہوئی ہو گئی ہے۔ چنانچہ اس کی پوجا بڑھ گئی اور اسے یہ خیال گذرنے لگا کہ وہ مردہ کو زندہ کر سکتی ہے ایکدن اس نے کمرے میں بھائی کو لٹا کر چھرے سے قتل کر ڈالا اور گھر والوں کو کہا کہ دیکھو میں اسے زندہ کر دونگی۔ رات بھر وہ منتر پڑھتی رہی مگر بھائی کی لاش ٹس سے مس نہ ہوئی صبح کو پولیس آئی اور اسے قتل عمد کے جرم میں پکڑ کر لے گئی۔

اتاترک مصطفی کمال کی لے پالک لڑکی صبیحہ کی نسبت کپتان علی کامل سے قرار پائی ہے وہ ترکی ہوائی جہاز راں فوج کے ایک ممتاز افسر ہیں۔ صبیحہ نے پچھلے دنوں ہوابازی میں کمال حاصل کر لیا ہے۔ اور وہ کپتان کے عہدہ پر مامور ہے۔

لالہ لاجپت رائے آنجہانی کے لڑکے ڈاکٹر امرت رائے نے دماغی توازن بگڑ جانے کی وجہ سے لندن میں خودکشی کر لی اور وصیت میں اپنی تمام جائداد اندھوں کے مدرسہ کو دیدی

زنانہ کانفرنس کی شاخ پنجاب کا جلسہ لیڈی ڈمارلو کی صدارت میں بمقام لاہور ہوا۔ دوسرے دن شام کو ختم ہو گیا۔ اس میں قرارداد منظور ہوئیں کہ میونسپل کمیٹیوں میں رائے دینے کا حق عورتوں کو بھی دیا جائے۔ ہندو قانون میں ایسی تبدیلی کی جائے کہ ہندو عورت کو حصہ مل سکے حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ایسا قانون بنا دے کہ ایک عورت کی موجودگی میں مرد دوسری شادی نہ کر سکے۔

اکتوبر میں جن عورتوں نے دائی کا امتحان پنجاب سے پاس کیا انکی تعداد ۵۳ ہے۔ جن میں صرف تین مسلمان ہیں بیس عورتوں نے دایہ نرس کا امتحان پاس کیا جن میں ۹ مسلمان ہیں۔

مصر کی عورتوں نے حکومت سے درخواست کی ہے کہ ملکی رضاکار فوج میں انھیں بھی بھرتی ہونے کی اجازت دیجائے کیونکہ مصری عورتوں میں مردوں کے سے جذبات ہیں اور وطن کی خدمت کرنا چاہتی ہیں۔ اجازت ملنے پر کئی ہزار عورتیں بھرتی ہو جائینگی۔ حکومت نے اس جذبہ کی تعریف کرتے ہوئے درخواست پر غور کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

سوڈان میں ایک مصری تنسو سالہ عرب نے ایک ۲۵ سالہ لڑکی سے شادی کی ہے اس کے قوی نہایت مضبوط ہیں۔ بینائی درست ہے۔ کھیت کا کام خود کرتا ہے۔ نماز روزہ کا سخت پابند ہے۔ اور ایک بڑے قبیلہ کا شیخ ہے اور بڑا زمیندار ہے۔

مسٹر جناح مسلم مفاد کی حفاظت کے لئے ایک روزانہ انگریزی اخبار جاری کرنے والے ہیں اس کے لئے تقریباً ۵۴ ہزار چندہ ہو چکا ہے۔

ہٹلر نے قیصر کی پنشن بند کر دی ہے اسے اس کی جائداد سے ۳۵ ہزار پونڈ سالانہ ملتا رہتا تھا۔

ترکی میں طلاق سے پہلے دیکھا جاتا ہے کہ شادی کو ایک سال ہو چکا ہے۔ اور دونوں کی عمریں ۲۵ سال سے زیادہ ہیں۔ ورنہ والدین کی رضامندی ثابت کرنی پڑتی ہے، عدالت دونوں میں پہلے مصالحت کرانیکی کوشش کرتی ہے۔ ناکامی پر ایک دو ماہ کی مہلت دیجاتی ہے۔ اس پر بھی اصرار پایا جائے تو طلاق کا حکم دیدیتی ہے۔

خوبصورت گھڑیاں انعام میں ملیں گی
ہر بہن کو انعام مل سکتا ہے
معزز بہنو! رسالہ عصمت میں جو انعامی اعلان کیا جا رہا ہے یہ بالکل سچا اعلان ہے۔ ہم آپ کو دعوے کے ساتھ ضرور ہی انعام دیں گے اور آپ کو انعام سے خواہ کچھ بھی ہو محروم نہ رکھیں گے ہم نے یہ انعامی سلسلہ اپنی گھڑیوں کی شہرت کے لئے جاری کیا ہے۔
پہلا انعام۔ سنہری رسٹواچ زنانہ کلائی کے لئے قیمتی پچیس روپے۔ دوسرا انعام۔ فیشن ایبل چورس شیپ رسٹواچ قیمتی پندرہ روپے (۱۵ روپے)
تیسرا انعام۔ ینگ لائف رسٹواچ سنہری کیس قیمتی دس روپے۔ چوتھا انعام۔ سنڈے لیور رسٹواچ قیمتی چھ روپے (۶ روپے)
یہ انعام آپ کیونکر حاصل کر سکتے ہیں؟
ذیل میں ہم ایک معمہ درج کرتے ہیں جو آپ کی دماغی تفریح اور دلچسپی کا بہترین ذریعہ ہے اس کو آپ حل کر کے اس کے ساتھ ایک لفافہ میں پانچ آنے کے ٹکٹ جو فیس داخلہ ہے بھیجدیجئے جو گھڑی آپ کے نام نکلے گی وہ بذریعہ پارسل آپ کے نام روانہ کی جائے گی۔
حل طلب معمہ۔ صحابہ کرام رضی کی جماعت میں وہ کون صحابی ہیں جن کے نام و صفت ملانے سے آٹھ حرفوں کا مجموعہ بنتا ہے۔
۱-۲-۳ حرف کو جوڑا جائے تو دنیا کی بہت پیاری چیز کا نام بن جاتا ہے۔
۴-۶-۵-۸ حروف کو ملایا جائے تو جدائی کے ہم معنی لفظ بن جاتا ہے۔
۸-۲-۶ حرف کو ملایا جائے تو ایک روشن سیارہ کا نام بن جاتا ہے
۲-۴-۳-۴ کو ملانے سے ایک جنتی جانور کا نام بن جاتا ہے۔
۷-۶-۸ کو ملایا جائے تو لکھنے کی ایک چیز بن جاتی ہے
۳-۲-۸ کو جوڑنے سے بے حقیقت چیز کا ہم معنی لفظ بن جاتا ہے
۴-۵-۶-۷-۸ کو جوڑا جائے تو ایک جلیل القدر خلیفہ کا لقب بن جاتا ہے
شرائط
ہر بہن خواہ اس رسالہ کی خریدار ہو یا نہ ہو اس انعامی مقابلہ میں شریک ہو سکتی ہیں اور ایک یا ایک سے زائد حل بھیج سکتی ہیں ہر حل کے ساتھ فیس داخلہ پانچ آنے کے ٹکٹ ڈاک انگریزی ڈاک خانہ کے لفافہ میں آنا ضروری ہیں۔ اگر فیس داخلہ نہ آئی تو جواب شریک مقابلہ نہ ہوگا۔ معمہ صاف کاغذ پر حل کر کے بھیجا جائے۔ اگر صرف معمہ کا جواب یعنی صحابی رضی کا نام بھی لکھ کر بھیجدیا جائے گا تو وہ جواب صحیح شمار ہوگا۔ ٹکٹ انگریزی ڈاک خانہ کے ہونے چاہئیں۔ تمام حل ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کی دوپہر تک
انعامی منیجر بی۔ کے برادرس اینڈ کمپنی کلاں محل دہلی
کے پتہ پر آجانے ضروری ہیں اس تاریخ اور وقت کے بعد کوئی حل شامل مقابلہ نہ ہوگا۔ انعامات بکم فروری سنہ ۱۹۴۰ء کو پانچ بجے شام نکالے جائیں گے اور ۲ فروری ۱۹۴۰ء کو تمام بہنوں کے نام بذریعہ ڈاک خانہ روانہ کر دئے جائیں گے اور اس کا اعلان اسی رسالہ کی کسی اشاعت میں کر دیا جائے گا۔ منیجر صاحب کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔ تمام انعامات بذریعہ قرعہ اندازی تقسیم ہوں گے۔
ڈاکوؤں سے بچو
امریکن ریوالور کا کمال۔ اس ریوالور کی خوبیاں بیان کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہے مگر پھر بھی آپ کو بتائے دیتے ہیں کہ یہ امریکن پستول امریکہ سے ابھی حال ہی تیار ہو کر آئے ہیں جن میں یہ خوبی رکھی گئی ہے کہ اصلی پستول کی مانند اس میں کارتوس رکھنے کی چرخی بنی ہوئی ہے اور اس کے اندر چھ خانے بنے ہوئے ہیں ان چھ خانوں میں چھ کارتوس آجاتے ہیں کھٹکا دبانے سے چرخی خود بخود گھومنے لگتی ہے۔ اور کارتوس کی اس زور سے چھوٹنے کی آواز آتی ہے کہ خود بخود چھوڑنے والا بھی حیران رہ جاتا ہے، اپنی جان و مال کی حفاظت کیلئے اس پستول سے بہتر اس وقت کوئی ریوالور نہیں ہے۔ اس میں ½ انچ کا کارتوس چلتے ہیں۔ اس پستول کا وزن بارہ اونس ہے۔ لمبائی چھ انچ ہے انسان دور سے دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ قیمت ایک پستول کی چار روپے آٹھ آنے (للعہ) اس کے ساتھ پچیس کارتوس مفت دئے جاتے ہیں زائد کارتوس منگانے سے ایک روپے میں ایک سو ملیں گے، محصول ڈاک ایک پستول پر گیارہ آنے اور خرچ ہوگا۔
ایجنٹ:- بی۔ کے برادرس اینڈ کو فولاد خاں اسٹریٹ ۱۵ دہلی

نادار فنڈ

مارچ ۳۹ء سے جو روپیہ دفتر عصمت میں بمد کار خیر وصول ہوا۔ اور حسب اعلان نادار فنڈ میں جمع کیا گیا اُس کی تفصیل یہ ہے:-

بیگم میجر محمد اکبر خاں صاحب جبلپور عہ، مولوی عنایت حسین صاحب راولپنڈی عہ، بیگم علی حسن صاحب لکھنؤ عہ، بیگم بشیر صاحب کانپور عہ، ظفر بیگ صاحب میرپور خاص عہ، عابدہ خانم صاحبہ جبلپور عہ، ایس ایچ ابراہیم سیٹھ صاحب بنگلور عہ، ی۔ ج۔ صاحبہ ہمشیرہ غلام سردار خاں صاحب راولپنڈی للعہ، اے۔ اس موئد صاحب برما۔ عہ، ایم۔ اے کریم صاحب گنتور ہے، شیخ محمد یعقوب صاحب متھرا کینٹ ہے، روشن آرا بیگم صاحبہ جونا گڈھ ہے، امیر النساء بیگم صاحبہ سکندرآباد عہ، سید ذاکر حسین صاحب مشہدی بحرین عہ، مس ایم۔ اے۔ حقی صاحب بلاقی پور۔ عہ، کے۔ جے معزت ایم۔ کے نیازی گوجرانوالہ عہ، محمد اکرم بیگ صاحب فیروز پور کینٹ عہ، احمد رضا صاحب نیورہ ضلع پٹنہ عہ، مسز جی۔ ایچ کرمانی کلکتہ عہ، مسز ایس۔ جے مرزا صاحب کراچی عہ، مسز ایس سعید حسن صاحب محمود آباد (سیتاپور) عہ، محمد بشیر صاحب پورینہ عہ، ایس احمد صاحب بسولی ضلع بدایوں عہ،

میزان عہ

مطابق عصمت مارچ ۳۹ء نادار فنڈ میں جو جمع تھا ما عہ

کل میزان نادار فنڈ کی ما عہ

عصمت مارچ ۳۹ء سے جن نادار یتیم یا کم استطاعت غریب بہنوں کے نام ایک ایک روپیہ وصول ہونے پر باقی تین تین روپیہ نادار فنڈ سے پورے کرکے رسالہ سال بھر کے لئے جاری کیا گیا ان کے خریداری نمبر یہ ہیں:-

۱۷۷۷- ۳۳۵۱- ۴۶۹۴- ۴۳۴۴- ۵۹۱۸- ۴۶۴۴- ۹۳۶۴- نادار فنڈ سے لئے گئے عہ

جن کے نام دو دو روپیہ وصول ہونے پر باقی دو دو روپیہ نادار فنڈ سے لیکر رسالہ جاری کیا گیا ان کے خریداری نمبر یہ ہیں:-

۸۹۰۱- ۲۱۱۷- ۸۷۱۷- ۴۲۹۴- ۷۲۹۴- ۹۲۶۹- ۴۲۸۰- ۴۶۷۷- ۸۱۱۵- ۱۷۱- ۲۰۴۵- ۸۵۹۸- نادار فنڈ سے لے گئے عہ

جن کے تین تین روپیہ وصول ہوئے باقی ایک ایک روپیہ نادار فنڈ سے لیکر رسالہ جاری کیا گیا۔ ان کے خریداری نمبر یہ ہیں۔

۸۲۶۲-۹۳۲۹-۷۷۲۰-۵۹۱۳-۱۲۳-۹۱۶۷-۶۶۴۵-۲۲۵-۹۱۲۵-۴۱۰۶-۴۱۰۵-۱۷۶۶-۹۰۴۲-۷۸۷۵-۴۹۲
۱۰۳-۸۲۳-۴۹۵۷-۱۰-۳۰۳-۸۲۰-۴۵۷-۹۵۷-۴۲۶-۹۵۵۶-۹۷۱۲-۹۷۱۶- نادار فنڈ سے لئے گئے عہ

متفرق نمبر ۱۲۴۶ کو عہ، ۴۸۴۸ کو عہ، ۶۱۲۵ کو عہ، ۱۲۷۵۶۶ کو عہ، ۳۲۵۶ کو عہ، ۴۷۴۲ کو عہ، ۴۳۴۴ کو عہ، ۵۰۷ کو عہ، ۶۲۳۸ کو عہ، ۸۹ کو عہ، ۱۵۹۸ کو عہ

میزان متفرق لہ عہ

تین تین روپیہ والی رقموں کی میزان عہ، دو دو روپے والی رقموں کی میزان عہ ایک ایک روپیہ والی رقموں کی میزان عہ۔ متفرق لہ عہ

کل میزان اس رقم کی جو نادار فنڈ سے لیکر رسالہ جاری کیا گیا۔ عہ میزان آمدنی مندرجہ بالا ما عہ باقی رقم جو نادار فنڈ میں جمع ہے ما عہ

منیجر

بزم عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں (۱) نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارہ میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ایڈیٹر

نہایت مسرت سے اطلاع دیتی ہوں کہ میری بڑی بہن عفت کرمانیہ صاحبہ بی اے۔ جو عصمت میں آئی این کے نام سے مضامین لکھتی رہتی ہیں کی شادی ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی ام بی بی اس کے ساتھ بخیر و خوبی ۹ نومبر ۱۹۳۶ء کو انجام پائی۔

نزہت کرمانیہ

مہربانی فرما کر عاجزہ کی جانب سے سوا دو روپیہ نادار فنڈ میں شامل فرما کر ممنون احسان ہونے کا موقع دیں۔ یہ میں نے اپنے والد مرحوم کی پاک روح کو ثواب پہونچانے کی غرض سے آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔

مس الیاس ابراہیم۔ کلکتہ

مس طاہرہ خورشید صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ چہرہ کا رواں دور کرنے کا نسخہ عصمت نومبر میں بھائی محمد ظفر صاحب نے جو تحریر فرمایا تھا اس کے استعمال کرنیکے بعد کیا کیفیت ہوئی۔ مفید ثابت ہوا۔ دوبارہ تو نہیں نکلا مفصل حال معہ ادویات اور ترکیب مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ کیونکہ نومبر ۱۹۳۶ء کا پرچہ میرے پاس نہیں ہے بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں۔

خریدار نمبر ۲۴۷۶

برائے نوازش کوئی عصمتی بہن یا بھائی یہ بتانے کی تکلیف گوارا کریں کہ اون اور کریپ اونی اور ریشمی وغیرہ کے کھانے والے کیڑے دفع ہوں۔ حالانکہ میں کافور کی گولیاں اور برگ نیم الماریوں میں اچھی طرح رکھتی ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ کیڑے الماریوں میں موجود ہوجاتے ہیں جس سے میرے قیمتی کپڑے خراب ہو رہے ہیں میں بہت ممنون ہونگی

حیدری محمد منیر الدین حسین خاں

سوال ماہ ستمبر م۔ ف۔ خریداری نمبر ۴۹۰۴ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ اپنے شوہر کا حال رسالہ "ہمدرد صحت" دہلی میں شائع کرا دیں۔ فی سطر ۳ پیسہ فیس دینی ہوگی۔ اس سے آپ کو بہترین طبیبوں کی رائے معلوم ہوگی۔ اور آپ ان کے دوستوں سے پتہ لگائیں کہ اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ بعض اوقات انسان ذہنی صدموں کی وجہ سے بھی ایسا ہوجاتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ کسی خطرناک بیماری کا پیش خیمہ ہو۔ بہرحال تحمل سے کام لیجئے اور جس قدر ہوسکے درود شریف اور کلمہ پڑھ کر اپنے شوہر کو پانی اور کھانے میں پھونک کر دیجئے۔ خدا سے زیادہ آپ کی کون مدد کرسکتا ہے۔

معظمہ رضوی

قریباً ۴ سال ہوئے میرے آدھے سر میں دائیں طرف کنپٹی سے درد شروع ہو کر سر میں ہوتا ہے جس سے میری آنکھ اور دیگر اعضاء کو سخت تکلیف رہتی ہے خصوصاً آنکھ کو زیادہ بلکہ بینائی میں بھی نسبتاً فرق ہے۔ کوئی بہن یا بھائی خصوصاً ڈاکٹر صاحبان یا بیگم حکیم محمد عزیز خاں توجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

اے۔ مجید۔ خریداری نمبر ۸۲۶۳

میری درخواست انجمن مسلم خواتین کی سکریٹری بہنوں سے ہے کہ وہ ازراہ نوازش اپنے انجمن کے اغراض و مقاصد و نیز قواعد و ضوابط سے خاکسار کو ذیل کے پتہ پر اطلاع دے کر مرہون احسان فرمائیں گی۔ کیونکہ یہاں بھی انجمن قائم کی گئی ہے لہٰذا ان معلومات کی سخت ضرورت ہے۔

کلثوم بی۔ اکوٹ فائل سنئے گاؤں۔ برار۔

سچے موتی دھونے کی ترکیب درکار ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی بہن آزمودہ نسخے سے بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں۔ بے حد ممنون ہوں گی۔

خریدار نمبر ۷۹۲

دسمبر کے پرچہ میں ایک خریدار بہن نمبر ۵۰۹۷ نے بال نہ گرنے کے متعلق تدبیر دریافت فرمائی ہے۔ اس خصوص میں بہن صاحبہ سے عرض ہے کہ "عروس بہار" کی ایک بوتل منگوا کر استعمال کریں۔ جس سے آپ کے بال گھنے اور لانبے ہو جائینگے یہ تیل دماغ کے لئے بھی مفید ثابت ہوا ہے۔ آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آیندہ آپ کے بال نہیں گریں گے۔ یہ تیل ہماری فیملی کا آزمودہ اور مجرب ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ حالی میں مل سکتا ہے۔

حیدری محمد منیرالدین حسین خاں حیدرآباد دکن

نومبر کے عصمت میں کسی بہن صاحبہ نے صابن کے سانچے ملنے کا پتہ دریافت فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ دفتر جام جمشید آرگنزیشن آگرہ سے خط وکتابت کریں۔ یہ ادارہ نہ صرف ہر قسم کی چیزوں کے ملنے کے پتے بتاتا ہے بلکہ صنعت وحرفت کے سلسلہ میں ہر قسم کی معلومات بہم پہنچاتا ہے اور مشورہ دیتا ہے

ن۔ ف۔ حسن۔ آگرہ

ماہ اکتوبر کے پرچہ میں مس بشیر بیگم نے دریافت کیا تھا کہ پیشانی پر کے روئیں دور ہونے کی ترکیب بتائیں۔ یہ ترکیب بیحد آسان ہے۔ گیہوں کا آٹا نمک ڈال کر بھگوئیں۔ ایسا بھگوئیں کہ ہاتھ سے پیڑے بنا سکیں۔ چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر صبح میں منٹ شام میں منٹ مالش کریں۔ پھر کبھی روئیں نہ اٹھیں گے۔

مس نور فاطمہ سید نور العلی مصنف

ستمبر ۳۹ء کے بزم عصمت میں خریدار نمبر ۴۶۶۸ نے نمبر ۴ ایس۔ جے بیگم صاحبہ کے ایجاد کردہ اکسیر رواں کا دریافت فرمایا ہے۔ میں نے اپنے تجربہ میں اکسیر رواں و نمازہ رجو اکسیر رواں کے ساتھ بیگم صاحبہ موصوفہ لازمی فرماتی ہیں) کو سخت نقصان دہ پایا ہے۔

از بیگم شیخ رحمت اللہ خاں۔ لاہور نمبر ۲۰۱

رشتہ کی ضرورت

اعلیٰ ایرانی وافغانی خاندان کی ایک تعلیم یافتہ اور امیر مسلمان لڑکی کے لئے بر کی ضرورت ہے۔ جو کسی اچھے پٹھان، افغان یا مغل خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ عمر چوبیس تیس سال کے درمیان ہو چال چلن بہت عمدہ، تعلیم وافر۔ فرسٹ گریڈ ملازمت یا باعزت پیشہ اور مالی حالت نہایت اچھی ہونا چاہئے۔ شادی جلد ہونی ہے۔ پہلے ہی مکتوب میں جملہ حالات لکھئے۔

"ب" معرفت منیجر "عصمت" دہلی سے مراسلت کیجیے۔

عصمتی بہنیں

اگر ان قواعد کی پابندی کریں

تو اُن کو کبھی ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے

(۱) عصمت ہمیشہ پابندی وقت سے ۲۰ تاریخ کو شائع ہو کر دوسری تیسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پہنچ جاتا ہے۔ اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی، لیکن اگر ڈاکخانہ کی غلطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ کے بعد مگر پندرہ تاریخ تک کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالہ سے دوبارہ پرچہ منگا لیں اس کے بعد قیمتاً ملیگا۔ (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو جدید خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیدی جائے۔ کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا حالانکہ تمام خریداروں کو ۲۰ تاریخ کو رسالہ بھیجدیا جاتا ہے۔ ہر بہن کا فرض ہے کہ جب پتہ تبدیل ہو تو فوراً دفتر کو اطلاع دیدیں (۳) جب ہمیں خط لکھیں تو خریداری نمبر ضرور لکھیں ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے۔ اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ رہا ہو آپ نے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیجکر دفتر سے معلوم کر لیجئے کیونکہ نمبر خریداری بغیر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکیگی۔ (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹکارڈ یا تین پیسے کا ٹکٹ بھیجئے۔ (۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمانا چاہئے۔ (۶) خریداروں کو چندہ کی میعاد یا اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدی جاتی ہے۔ اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہو تو دفتر کو مطلع کر دیں اور اگر پرچہ بدستور جاری رکھنا ہے تو چار روپیہ (للعہ) منی آرڈر کے ذریعہ آیندہ سال کا چندہ بھیجدیں۔ انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی واپس کر کے شدید نقصان پہنچانا تعلیم یافتہ بیبیوں کے لئے زیبا نہیں۔ اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی ضرور وصول کر لینا چاہئے۔

براہِ کرم ان چند باتوں کا ہمیشہ خیال رکھئے۔

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے۔ (۱) مضامین کاغذ کے ایک رُخ پر روشن سیاہی سے، نظر ثانی، مناسب ترمیم و اصلاح و اضافہ کے لئے ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھنے چاہئیں (۲) ایڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضمون کے لئے تین تین چار چار ماہ بعد بھی ممکن ہے کہ جگہ نہ نکل سکے لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون بہت مختصر لکھیں۔ اور کم از کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے صرف وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو عصمت کے لئے ہی لکھے جائیں۔ وہ مضمون ہرگز نہ روانہ کیا جائے جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو۔ (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات جن پر بارہا عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان، ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جا سکتے ہیں خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں۔ (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا شخص کی دل آزاری ہو سکتی ہے ردی کر دیے جاتے ہیں۔ عصمت مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑا نہیں ہے۔ عصمت کے لئے ایسے مضامین بھیجنے چاہئیں جو ہندو مسلمان، عیسائی، سکھ غرض سب کے لئے مفید ہوں۔ (۸) مضامین کی زبان سلیس عام فہم ہونی چاہئے۔ رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی عربی انگریزی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے۔ (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں ان کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے۔ (۱۰) عصمت سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں تقریباً چار سو روپیہ کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے کم استطاعت مضمون نگار عورتوں کو معاوضہ بھی دیتا ہے۔ غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں۔ جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے۔ ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔

ایڈیٹر

خاص رعایت بہو بیٹیوں اور بہنوں کے لئے نعمت لازوال سال نو کے لئے

۱۔ بہو بیٹیوں اور بہنوں کے لئے **ٹرکی بیوٹی پلز**! بہو بیٹیو! میری عمر اس وقت قریب پچاس سال کے ہے۔ اگر تم مجھے دیکھو تو ۲۵ یا ۲۰ سال سے زیادہ کبھی نہ بتلاؤ گی۔ اس کا کیا سبب؟ ایک سفر میں میری ایک ترکی بہن سے محبت ہو گئی۔ انہوں نے بوقت علیحدگی مجھے ایک تحفہ عنایت کیا جس کو میں ہر ماہ ۲۰ یوم استعمال کرتی ہوں۔ اکثر زنانہ اخباروں میں دیکھتی ہوں کہ پوڈر اور کریم وغیرہ کا ہمارے ملک میں خصوصاً بہو بیٹیوں میں بے حد رواج ہے۔ جو اپنے شوہروں کے دام بیدریغ ان فضول چیزوں پر خرچ کرتی رہتی ہیں جس سے قدرتی خوبصورتی کا نمک پانی ہو کر چہرے کا رنگ بالکل پھیکا پڑ جاتا ہے اور چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ جو چیز کہ میں کھاتی ہوں اس کا نسخہ اپنی بہو بیٹیوں اور بہنوں کے لئے کئی بار بالکل مفت شائع کروا چکی ہوں۔ اپنے گھر میں بنا لو اور استعمال کرو تاکہ تم یہ نہ سمجھو کہ نسخہ غلط ہے۔ کم از کم تین ماہ تو ضرور استعمال کرنی چاہئے۔ اگر کوئی بہو بیٹی نہ بنا سکے تو میرے پاس سے بطور نمونہ ایک ماہ کے استعمال کے لئے بیوٹی پلز منگا کر استعمال کر سکتی ہے۔ لاگت تین روپے (تین ماہ کے کورس کی لاگت سات روپے)۔

۲۔ **سفید بالوں کو سیاہ کرنے کا بیضرر تیل**۔ یہ تیل بالوں کو سیاہ کرتا ہے خصوصاً وہ جو قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں یا ہو رہے ہوں۔ اس کے استعمال سے سفید بال سیاہ ہو جاتے ہیں اور پھر سیاہ ہی نکلتے ہیں۔ بڑے بڑے تجربوں اور جانفشانی کے بعد بڑے بڑے قیمتی اجزا سے تیار ہوتا ہے۔ کم از کم ایک ماہ ضرور استعمال کرنا چاہئے۔ لاگت فی بوتل جو ایک ماہ کیلئے کافی ہے ساڑھے تین روپے۔

۳۔ **سر دھونے کا سفوف سکائی**۔ یہ سفوف بھی نہایت اعلےٰ چیز ہے۔ اس سے سر دھونا چاہئے تاکہ بال مضبوط گھنے لمبے اور چمکدار ہو جائیں۔ بال گرتے ہوں تو فوراً بند ہو جائیں گے۔ لاگت اڑھائی روپے۔ ایک ماہ کے لئے یہ دونوں یعنی تیل اور سفوف ضرور استعمال کرنے چاہئیں۔ مرد بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

۴۔ **عنبری لوشن**۔ نہایت معطر اور زود اثر اور مفید لوشن ہے۔ چہرے کے بدنما داغوں۔ کیلوں۔ تلوں۔ مہاسوں۔ روئیں اور چہرے کی سیاہی کو دور کر کے چہرے کو صاف ملائم اور خوبصورت کرتا ہے۔ لاگت فی شیشی ایک روپیہ پندرہ آنے۔

۵۔ **ابٹن خاص**۔ یہ ابٹن چہرہ اور جسم کی تمام جلد کو نکھار کر صاف ملائم اور بے خطر بنا دیتا ہے۔ خشکی بالکل ہونے نہیں دیتا۔ غسل کے لئے نہایت مفید معطر اور عجیب چیز ہے۔ لاگت ایک روپیہ فی کورس۔

۶۔ **اکسیر رواں**۔ اس اکسیر کے استعمال سے روئیں کی بیخکنی ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی نہیں نکلتا۔ کوئی نشان۔ داغ۔ دھبہ چہرے پر نہیں پڑتا۔ بالکل بیضرر ہے۔ لاگت دو روپے پندرہ آنے۔

۷۔ **غازہ دافع رواں**۔ یہ غازہ اکسیر رواں کے ہمراہ استعمال ہوتا ہے۔ ان دونوں کا استعمال لازم و ملزوم ہے۔ لاگت فی کورس دو روپے۔

۸۔ **حبوب عنبری**۔ اس کے استعمال سے بڑھا ہوا پیٹ بالکل اصلی حالت میں بلا کسی دقت کے ہو جاتا ہے مجرب ہے۔ لاگت تین روپے تین آنے۔

۹۔ **اکسیر النساء**۔ تمام اندرونی نقائص درد۔ سوزش۔ درد کمر۔ ورم پردہ۔ پنڈلیوں کا درد۔ چہرے کی زردی۔ چلنے پھرنے سے سانس کا پھولنا۔ طبیعت کی سستی وغیرہ غرضیکہ سب کو دور کر کے بار آور کرتی ہے۔ لاگت فی سیٹ سات روپے۔ سیٹ میں اکسیر النساء۔ قیروطی۔ یاقوتی اور ضماد وغیرہ ہوں گے۔

۱۰۔ **ایموٹایا**۔ یہ نہایت برا۔ موذی اور سخت تکلیف دہ مرض ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے مجرب۔ زود اثر اور بے ضرر ادویات تیار کی گئی ہیں۔ جو بلا پرہیز کے بآسانی استعمال ہوتی ہیں۔ لاگت پونے چھ روپے۔

۱۱۔ **پائیریا کی مجرب بیضرر ادویات**۔ جو اپنے بے نظیر اوصاف کی وجہ سے بیحد قابل تعریف ہیں۔ ان کے استعمال سے مسوڑھوں کے پھولنے اور دانتوں سے خون اور پیپ کا آنا بالکل بند ہو جاتا ہے۔ اور دانت مضبوط۔ چمکدار اور پائدار رہتے ہیں۔ لاگت دو روپے چار آنے۔

۱۲۔ **ادویات دافع کدو دانہ**۔ یہ مرض سخت مہلک اور تکلیف دہ ہے۔ بڑی محنت اور تجربوں سے اس کی بیخکنی کے لئے یہ مجرب ادویات تیار کی جاتی ہیں ان کے استعمال سے بفضلِ خدا بالکل صحت ہو جاتی ہے۔ مجرب اور بالکل بیضرر اور زود اثر ہے۔ لاگت ادویات تین روپے پندرہ آنے۔

۱۳۔ **اکسیر دافع چھائیاں وغیرہ**۔ اس اکسیر کے استعمال سے چہرے کی تمام چھائیاں و داغ وغیرہ بآسانی رفع ہو کر چہرہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ لاگت دو روپے دس آنے۔

۱۴۔ **بواسیر خونی و بادی**۔ اس موذی و تکلیف دہ مرض کی بیخکنی کرنے کے لئے مجرب زود اثر اور بیضرر ادویات تیار کی جاتی ہیں۔ لاگت تین روپے۔

۱۵۔ **اکسیر حلوہ**۔ یہ اکسیر استعمال کرنے سے دائمی قبض کی بیخکنی ہو جاتی ہے۔ یہ دل و دماغ اور تمام اعضائے رئیسہ کو بے حد تقویت دیتا ہے۔ خوبی یہ کہ مرد عورت دونو استعمال کر سکتے ہیں۔ کاروباری بھائی اور بہنیں خصوصاً دماغی کام کرنے والے ضرور استعمال کریں۔ نہایت لذیذ بالکل بیضرر اور مجرب ہے۔ لاگت تین روپے۔

۱۶۔ **عورتوں کی تندرستی** اعضا کی محافظ اکسیر ضماد خاص (رسٹو) پچاس سال کی عمر کی بہنوں کی کھوئی جوانی واپس آ گئی۔ لاگت فی نسخہ چار روپے۔

رسالہ کا حوالہ ضرور دیں

رسالہ کا حوالہ ضرور دیں۔

ملنے کا پتہ:۔ ایس جے بیگم صاحبہ (مستند) کھرڑ ضلع انبالہ

دو روپے میں اصلی فوٹو کیمرہ

اس فوٹو کیمرہ سے عورتیں اور بچے بھی فوٹو تیار کر سکتے ہیں

بچہ پیدا ہوتا ہے —— اور —— مرجاتا ہے

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کے مضامین کے جدید مجموعے

احکامِ نسواں

عورتوں کے متعلق احکام قرآن مجید اور ان کی تفسیر خواتین ہند کے محسن اعظم نے کئی سال تک مسالہ بنا بہم یہ تفسیر اس غرض سے لکھی تھی کہ مسلمان عورتوں کو مسائل کے دریافت میں جو دقت محسوس ہوتی ہے وہ رفع ہو۔ افسوس موت نے مہلت نہ دی کہ علامہ مغفور تفسیر کو مکمل فرما دیتے تاہم تمام احکام بڑی محنت سے رازق الخیری صاحب نے جمع کئے ہیں۔ علامہ مغفور کی تفسیر کے علاوہ بہت سے احکام کی ضروری تشریح بھی عام فہم اور صاف ستھری زبان میں ہے۔ کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہیئے۔ قیمت ایک روپیہ عہ ر

محسنِ حقیقی

مسلمانوں کے آقا و مولا سردار دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات مصنف آمنہ کے لال کے قلم سے اور اس قدر مؤثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت چھ آنے ۶ر

قرآنی قصے

اُن نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے حضرت علامہ راشد الخیری نے یہ قصے مسلمان لڑکیوں کیلئے انکی سمجھ کے مطابق انہیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے۔ عورتوں کیلئے نبیوں کے حالات میں بہترین کتاب ہے۔ جس کا درجہ باعتبار ادب نہایت بلند ہے قیمت ایک روپیہ عہ ر

گدڑی میں لعل

لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ مند کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کیلئے خانہ داری کے متعلق نہایت مفید نسخے دلچسپ پیرایہ میں۔ یہ کتاب زنانہ لٹریچر میں بیش بہا اضافہ ہے یہ مضامین ہیں جنہوں نے دس بیس سو نہیں ہزاروں عورتوں کی زندگی میں انقلاب کرکے خوشگوار زندگی بنا دی قیمت عہ ر

دُعائیں

حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف۔ ہم اپنے مقاصد کی کامیابی کیلئے دعائیں تو مانگتے ہیں مگر نہ دعا مانگنی جانتے ہیں نہ دعا سمجھتے ہیں مصور غم نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نظم و نثر کی یہ دعائیں لکھی تھیں۔ جو اس قدر سوز و گداز اور زود اثر ہیں۔ بنی ہوئی ہیں ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ کلیجہ کے پار ہے قرآن مجید کی دعائیں پیغمبروں کی دعائیں سرکار کائنات اور آپ کے عزیزوں کی دعائیں بھی ہیں۔ باعتبار ادب عالی کوئی کتاب اس قدر بلند درجہ نہیں رکھتی قیمت ۸ر

چمنستانِ مغرب

خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشرت۔ ادب غرض ہر موضوع پر جو خواتین کیلئے مفید ہو سکتا ہے انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت علامہ مغفور کا رنگ بھی ان میں جھلکتا ہے جنہیں پڑھ کر ترجمہ کا گمان نہیں بلکہ طبعزاد کا دھوکہ ہوتا ہے۔ مشرق کے بہترین ادیبوں نے مغربی لٹریچر کو اردو زبان میں منتقل کیا تو اس سلیقہ کے ساتھ کہ مشرقی بیبیاں ادبی دلچسپیوں کا لطف اٹھانے کے علاوہ خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں تجربہ کی باتوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکیں قیمت عہ ر

دلّی کی آخری بہار

۶۰ برس پہلے دلی کیا تھی۔ مرد عورتیں لوٹتے ہوئے کس طرح بے فکری اور سادگی کیساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے میلے ٹھیلے کس طرح منانے اور سیر و تفریح کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کا جواب اس کتاب میں ملیگا جو نصف صدی پہلے کی معاشرت محبت تعلقات اور وضعداری کی دردناک کہانیاں اور دلی کی بربادی کے جگر خراش افسانے ہیں جنہیں علامہ مغفور نے انشا پردازی کا کمال ہی نہیں کھایا قلعہ معلی کی کوثر سے دُھلی ہوئی بیگماتی زبان ہی نہیں لکھی بلکہ فسانہ عجب سنا کر دردمندوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ ر

داستانِ پارینہ

حضرت مصور غم جامع حیثیات مصنف تھے۔ انکی مورخانہ حیثیت کے آگے بڑے بڑے نقادوں کی گردن جھکی۔ بڑی اسلامی تاریخ کے ضخیم ناول دیکھئے اب تاریخی مضمونوں کا مجموعہ پڑھیئے اور دیکھئے کہ تاریخ میں افسانہ سے بڑھ کر لطف پیدا کر دینا علامہ راشد الخیری جیسے انشا پرداز مورخ کا کام تھا واقعات سب تاریخی ہیں مگر پیرایہ بیان بار بار پڑھنے پر مجبور کرتا ہے قیمت ۱۲ ار

مسلی ہوئی پتیاں

دلی کی بیگماتی زبان میں انشائے خطوط انشا کی معمولی کتاب نہیں حیات انسانی کے وہ راز ہیں جنکو پڑھکر بیساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے حضرت مصور غم کا سب سے پہلا مضمون جو سنہ ء کے مخزن میں شائع ہوا تھا وہ بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔ قیمت چھ آنے ۶ر

شادی کا انتخاب

اس وقت اولاد کی شادی کا انتخاب مسلمانوں کے لئے نہایت اہم مسئلہ ہے کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جہاں والدین پریشان نہ ہوں کہ جوان لڑکیاں بیٹھی ہیں اور موزوں بر نہیں جڑتا۔ لڑکیاں اس معاملہ میں دم بخود ہیں اور والدین بھی حالات کے تحت بیں کرنے پر مجبور۔ لڑکیاں شادی کے وقت کیا کریں اسلام نے انکو کیا حق دیا ہے شادی کے وقت کن باتوں کو دیکھنا چاہئے۔ علامہ مغفور نے بیمار پڑنے سے قبل اس موضوع پر کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ لیکن موت نے کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دی جس قدر صفحے لکھے جا چکے تھے انکے ساتھ عصمت کے تیس سال کے فائل سے تلاش کر کے اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ مضامین جمع کئے گئے ہیں قیمت آٹھ آنہ (۸؍)

عروسِ مشرق

یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے تہائی صدی تک حضرت مصورِ غم نے اپنی مخصوص طرز میں بے بہا مضامین تحریر فرمائے تھے یہ ان کا مجموعہ ہے ان مضامین میں ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ قیمت دس آنہ ۱۰؍

بزمِ رفتگان

اُردو ادب کے غیر فانی مرثیے جو ملک کی مایۂ ناز خواتین اور باکمال شعراء وادباء کی یاد میں لکھے گئے تھے اور جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر پارے ہیں حضرت علامہ مغفور کا یوں تو ہر مضمون تاثیر سے لبریز ہوتا ہے مگر بزمِ رفتگاں کا ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اُردو زبان میں نثر کے بہترین مرثیے بالخصوص ہیں۔ قیمت دس آنے ۱۰؍

نالۂ زار

خواتین ہند کے محسن اعظم کے درد انگیز مضامین جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر بحث کی گئی ہے یہ وہ معرکۃ الآرا مضامین ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں نالۂ زار میں عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور ان کے مصائب و آلام کی درد انگیز داستانیں ہیں جنہیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ قیمت بارہ آنے

زیورِ اسلام

مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کیلئے نہایت مؤثر مذہبی مضامین جن کے مطالعہ سے انہیں معلوم ہوگا کہ انکی ہستی کیا معنی رکھتی ہے اور آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پُر لطف و باطمینان زندگی کس طرح بسر کی جاتی ہے خدا اور اس کے بندوں کے ان پر کیا حقوق ہیں اور انہیں دینی و دنیاوی فرائض کو خوش اسلوبی کیساتھ کس طرح انجام دینا چاہئے خشک سے خشک موضوع کو اس قدر لطیف اور دلآویز پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ مجال ہے طبیعت ذرا اکتا جائے معمولی پڑھی لکھی عورتوں ہی کیلئے نہیں تہذیب جدید کی دلدادہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے لئے بھی اس مجموعہ میں گراں بہا اسلامی معلومات ہیں جو زندگی کو کامیابی کے ساتھ بسر کرنے میں مدد دیں گی۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

بے فکری کا آخری دن

اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کے لئے جن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اچھی عادات و خصائل پیدا ہوں۔ وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگیں خوشگوار زندگی گذارنے کی تیاری کر سکیں۔ اپنے والدین کو نعمت جانیں اور کنوارپنے کی قدر کریں۔ قیمت (۸؍)

بلبلِ بیمار

لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور پردے کے مختلف پہلوؤں پر طبقہ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تہائی صدی تک غور و فکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے انکا بے انتہا قیمتی مجموعہ جنمیں خشک سے خشک موضوع کو نہایت دلآویز پیرایہ میں بیان فرمایا مصورِ غم خداداد قابلیت رکھتے تھے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بڑی خوش اسلوبی سے حل فرمایا ہے۔ قیمت دس آنے ۱۰؍

سیاحتِ ہند

ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کا علامہ مغفور نے دورہ فرمایا تھا اور دورہ کے جو حالات عصمت و بنات میں تحریر فرمائے تھے وہ سب اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں۔ جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ دردمند خواتین و حضرات کا تذکرہ ہے جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت و تمدن سے واقفیت ہوتی ہے اور علامہ مرحوم کی طبیعت و عادات و خصائل کا پتہ چلتا ہے قیمت عہ

یادگارِ تمدن

تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری مردانہ رسالہ تھا۔ اسکے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے انکا مجموعہ ہے طرز بیان اس قدر دلآویز اور موثر ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے بہترین انشا پردازی کا نمونہ ہے۔ قیمت ۶؍

مسلمان عورت کے حقوق

حقوق نسواں کی حمایت میں وہ مضامین جو ہزاروں انسانوں سے آنسو کا خراج حاصل کر چکے ہیں۔ جو عورت خانگی زندگی خوشگوار بنانے کی آرزومند ہیں۔ جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں جس دل میں مسلمانوں کی بہتری اور ترقی کا درد ہے ممکن نہیں کہ وہ ان مضامین کو پڑھے اور نہ تڑپ اٹھے قیمت ۱۲؍

ساجن موہنی

بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتیں۔ کیونکہ انہیں تمیز شوہر کے گُر ہی نہیں معلوم۔ میاں بیوی میں آئے دن لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے اور زندگی میں بے لطفی بھیکا پن ہی نہیں ناخوشگواری بلکہ تلخی محسوس ہوتی ہے۔ اس مجموعہ کا مطالعہ نہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کیلئے بے انتہا مفید ہے بلکہ اُن لڑکیوں کے لئے بھی جن کی عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ قیمت چار آنے ۴؍

عالمِ نسواں

اُن ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے۔ حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرایہ میں تبصرہ۔ تحریک نسواں۔ بیداری نسواں۔ آزادی نسواں۔ حُریت نسواں سے جنہیں ذرا سی بھی دلچسپی ہے وہ علامہ مغفور کے جنہوں نے تمام عمر عورتوں کی ترقی اور بہتری کی کوشش میں ختم کردی۔ ان گراں بہا خیالات کی قدر کریں گے

قیمت آٹھ آنے (۸؍)

بکھری ہوئی پتیاں

مختلف موضوعات کے متفرق مضامین۔ اس مجموعہ میں وہ مضامین بھی شامل ہیں جو بعض گذشتہ مجموعوں میں مثلاً گدڑی میں لعل، بزم رفتگاں، بے فکری کا آخری دن، عروس مشرق، گرداب حیات وغیرہ میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ انشائے لطیف اور کئی درد انگیز نظمیں بھی ہیں۔ گویا اس مجموعہ میں علامہ مغفور کی کئی مختلف حیثیتیں نظر آتی ہیں۔

قیمت ایک روپیہ چھ آنے (۱؎۶)

فریبِ ہستی

وہ بیش بہا مضامین جو اصلاح معاشرت اور اصلاح اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھو کھلے ہو رہے ہیں اور ان کی حالت درست ہونے کی کیا تدابیر ہیں۔ قیمت (۶؍)

افسانوں کے جدید مجموعے

خدائی راج اور دوسرے افسانے

اُردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بیش بہا مجموعہ جس میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ اور جذبات نسوانی کی درد انگیز ترجمانی کی گئی ہے۔ پلاٹ، مکالمہ، کردار نگاری، منظر نویسی، جذبات نگاری غرض ہر اعتبار سے یہ افسانے مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں۔ جن پر اُردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔

قیمت ایک روپیہ (۱؎)

گردابِ حیات

حضرت مصور غم نے عورتوں کی اصلاح و حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور مؤثر افسانے عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان میں سے ۲۵ افسانوں کا مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ ان افسانوں نے بیسیوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ قیمت ایک روپیہ (۱؎)

بساطِ حیات

چار مختصر افسانوں کا مجموعہ جذبات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ تمام افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں یہ جانوروں کی زبانی معمولی انسانی کہانیاں۔ قصہ کے پیرایہ میں درستی اخلاق اور اصلاح معاشرت کے اسباق بے بہا ہیں۔

قیمت چھ آنے (۶؍)

حُور اور انسان

اب سے ۲۵ سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند نہایت مؤثر اور درد انگیز افسانے تحریر فرمائے تھے جنہوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس مجموعہ میں ان افسانوں کے علاوہ عصمت کے دور اول کے بھی چند مشہور افسانے ہیں۔ ان افسانوں کے عنوانات یہ ہیں:- حُور و انسان، پریوں کی محفل، ضمیرہ، شرع کا خون۔ انتہائے حمیت۔ ایک روح کی سرگذشت۔ سوکن کی نصیحت ہر افسانہ سبق آموز ہے قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

نشیب و فراز

آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ ہر افسانہ حد درجہ دلچسپ ہے۔ اور نسوانی زندگی کے کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

قیمت چار آنے (۴؍)

دادا لال بجھکڑ

پانچ نہایت ہی پُر لطف قصے جنہیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں ولائتی نھنی اور نانی عشہ کے سلسلہ کی نتیجہ خیز کتاب جس سے معلوم ہوگا کہ مصور غم ظرافت نگاری میں بھی انتہائی کمال رکھتے تھے۔ قیمت آٹھ آنے (۸؍)

حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی معرکۃ الآرا تصانیف

حیاتِ صالحہ

علامہ مغفور کی سب سے پہلی تصنیف جس نے جادو نگار

مصنف کے کمال فسانہ نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بجا دیا تھا۔ اسمیں ایک نیک لڑکی کی زندگی کے وہ تمام واقعات نہایت ہی مؤثر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے ہیں۔ صالحات سے معلوم ہوگا کہ وہی باپ جو اولاد کا عاشق زار ہے بچوں کی جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ صالحات بتائیگی کہ جاہل سوتیلی ماں کس طرح سوکن کے بچوں کی مٹی پلید کرتی ہے۔ صالحات سے معلوم ہوگا کہ نیک کوکھ کی لڑکیاں مصائب کا ہیبت کیلئے بیتا اور قربانیوں سے مقابلہ کرکے دنیا کو حیرت میں ڈالدیتی ہیں۔ قصہ کے ضمن میں آج سے چالیس سال پہلے کے گھرانوں کی معاشرت رسم و رواج وغیرہ نہایت حسب طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔ زبان قلعۂ معلیٰ کی کوثر سے ڈھلی ہوئی واقعات پڑھ کر کلیجہ کے پار ہوجاتے ہیں ۱۷۵ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

نوحۂ زندگی

وہ سنگدل باپ جس نے لڑکی کو اس گناہ پر کہ نکاح ثانی کیا عدالت تک گھسیٹ کر جیل خانہ پہنچا دیا باغ باغ ہے۔ وہ پتھر ماں جس نے نو مہینہ پیٹ میں رکھا۔ اور پندرہ برس تک پرورش کیا۔ بیگناہ بچی کو یہ دیکھ کر کہ نکاح ثانی کے جرم میں قید کی مصیبتیں جھیل رہی ہے نہال نہال ہے نوحۂ زندگی میں آپ کو ایک قبرستان ملیگا جس میں ایک عصمت کی لاج رکھنے والی بیوی اور غیرت پر قربان ہونیوالی ماں اپنے دو معصوم بچوں کو دائیں بائیں لئے گہری نیند سو رہی ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جسے پڑھ کر کتنے ہی کنواروں نے بیواؤں سے نکاح کئے اور جن خاندانوں میں بیوہ کا نکاح گناہ سمجھا جاتا تھا ان میں کتنی ہی بیوؤں کے نکاح شرع کے مطابق ہوئے۔ کتاب نہیں ایک جادو ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ دل کے پار ہوجاتا ہے۔ مصور غم کی مشہور و مقبول تصنیف ہے۔ اور آٹھ دفعہ چھپ چکی ہے۔　　قیمت بارہ آنے (۱۲)

منازل السائرہ

حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی بہت مشہور تصنیف ہے جو اردو کے چوٹی کے اصلاحی ناولوں میں شمار ہوتی ہے۔ ایک لڑکی کی پیدائش سے موت تک کے حالات نہایت ہی دلآویز پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ واقعات اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب ہاتھ سے نہیں چھوڑی جاسکتی۔ زبان قلعۂ معلیٰ کی ٹکسالی کوثر سے ڈھلی ہوئی۔ بڑے بڑے نقادوں نے اس کا مطالعہ کرکے مصنف کی ناول نگاری کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ منازل السائرہ اردو کی ایک غیر فانی تصنیف ہے۔ جو اپنے رنگ میں بےمثل اور بےنظیر رہیگی۔ یہ یونیورسٹیوں کی اعلیٰ جماعتوں کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ حال ہی میں اس کا جدید ایڈیشن نہایت اہتمام سے شائع ہوا ہے۔　　قیمت دو روپے (عہ)

جوہرِ قدامت

دو بہنوں کی پُر لطف کہانی دو لڑکیوں کی مفصل زندگی

دو عورتوں کا جگر خراش داستان۔ جن میں ایک دورِ قدیم کی درخشندہ تصویر اور دوسری دورِ جدید کی دلدادہ ہے۔ طبقۂ نسواں آج سے پچاس سال پہلے کیا جوہر رکھتا تھا۔ مسلمان گھرانوں میں اس وقت کیسے کیسے لعل گدڑیوں میں چھپے تھے اور مغربی دکس سمت انہیں بہا رہی ہے جوہرِ قدامت کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ اور بڑے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ بعض اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں بھی داخل ہے۔　　قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عـہ)

طوفانِ حیات

قبیح رسوم اور شرک و بدعت مسلمانوں کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کر چکے ہیں۔ اس کتاب کی ہیروئن مشرکہ کی زندگی اس قدر دلچسپ ہے کہ پڑھنے کے بعد گھر میں لغو رسوم کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ شرک جو دنیائے نسواں پر چھا رہا ہے تابعر طوفان حیات کے مطالعہ سے کوسوں دور بھاگ جاتا ہے۔ اور رسوم مروجہ خوفناک اژدہے کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں۔ انسان خدائے واحد کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ قصہ کی دلچسپی زبان کی سلاست کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے واقعات اسقدر دردانگیز ہیں کہ ہچکی بندھ جاتی ہے قیمت عہ

گرفتارِ قفس

روداد قفس کا دوسرا حصہ۔ یہ نظمیں اس قدر درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔
قیمت چار آنے (۴ر)

شامِ زندگی کا انیسواں (۱۹) ایڈیشن

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی اس غیر فانی تصنیف سے زیادہ گذشتہ چوتھائی صدی میں اور کوئی کتاب مقبول نہیں ہوئی۔ انیس ۱۹ دفعہ چھپ چکی ہے لیکن مانگ کا وہی حال ہے۔ جو شروع میں تھا۔ جو مرد چاہتے ہیں ان کی بیویاں ان کے مزاج کے موافق ہو جائیں شامِ زندگی کو انہیں پڑھواتے رہیں اور جو عورتیں اتنا رکھتی ہیں کہ ان کا گھر رشکِ جنت بن جائے وہ شامِ زندگی کو پڑھتی ہیں۔ اور اس کی مدد سے اپنے خاوند کا دل موہ لیتی ہیں۔ جنہیں اولاد کی تربیت کا خیال ہو ان کے لئے شامِ زندگی بہترین اتالیق ہے۔ شامِ زندگی میں قصہ کے طور پر ایک لڑکی کا حال لکھا ہے کہ اس نے شادی سے لیکر مرنے کے وقت تک کیونکر زندگی بسر کی۔ زندگی کے کسی شعبہ اور حیات کے کسی مرحلہ کو جس سے ہر عورت گذرتی ہے نظر انداز نہیں کیا پھر پیرایہ اس قدر دلچسپ کہ چند صفحے دیکھ کر کتاب ہاتھ سے چھوڑ دیجئے تو پوری قیمت مع محصول واپس دینے کو تیار ہیں۔ اور موثر اتنی کہ قوم نے اسی کی وجہ سے مصنف کو مصورِ غم کا خطاب دیا تھا۔ ہر باب آنکھوں کو پُر نم کر دیتا ہے۔ غرض شامِ زندگی بڑی ہی کامیاب کتاب ہے۔ کسی اعتبار سے کوئی عیب اس میں نہیں ملتا۔ محاسن ہی محاسن ہیں۔ ایک جلد طلب فرما لیجئے آپ کے تمام خاندان اور احباب میں پہنچ جائیگی عورت اور مرد سب اس پر شیدا ہو جاتے ہیں۔ تمہارے دُکھے ہوئے دل کا علاج۔ تمہارے دل کا بہلاوا تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک شامِ زندگی اور صرف شامِ زندگی ہے۔ شامِ زندگی نے سینکڑوں جانوروں کو انسان بنا دیا۔ لامذہبوں میں مذہبیت پیدا کر دی۔ اور گم گشتہ راہوں کو راہ پر لگا دیا جو شخص شامِ زندگی سے محروم ہے اور شامِ زندگی سے فائدہ حاصل نہ کرے اس کی تقدیر ہے۔ ورنہ شامِ زندگی نے دین و دنیا کی درستی کا سامان پیش کر دیا ہے۔ ضخامت ۸ جزو سے اوپر بہترین قسم کا چکنا ولایتی کاغذ۔ اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی۔

قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

صبحِ زندگی

یہ شامِ زندگی کا پہلا حصہ ہے شامِ زندگی میں نسیمہ بیگم کی شادی سے موت تک کے حالات پڑھنے سے پہلے ذرا ان کا کنوارپنا بھی دیکھ لو۔ اس سے تمہیں پتہ لگے گا کہ ایک لڑکی کی پیدائش سے شادی تک کیونکر تعلیم و تربیت کرنی چاہیئے حضرت علامہ راشد الخیری رح اس قسم کے مضامین کو دلچسپ اور مؤثر بنا دینے میں جو ملکہ رکھتے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ صبحِ زندگی لڑکیوں کی اتالیق، بیویوں کی مشیر اور مردوں کے لئے لٹریچر کا بیش بہا خزانہ ہے۔ لڑکیوں کی تربیت پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ قصہ اس قدر دلچسپ کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر نہ رہا جائے۔ زبان اتنی شیریں کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہے۔ صبحِ زندگی میں درد، بیان کیف زبان اور زندگی کا سامان سب کچھ موجود ہے۔ اکیس ۲۱ مرتبہ چھپ چکی ہے۔

قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

شبِ زندگی

صبحِ زندگی میں نسیمہ کے بچپن اور جوانی کو دکھایا گیا ہے۔ شامِ زندگی میں اسے آخری منزل تک پہنچایا ہے۔ شبِ زندگی میں موت کے بعد حالات پڑھ کر جن سے معلوم ہوگا کہ نسیمہ نے دنیا میں وہ کون سے کام کئے تھے کہ حوریں استقبال کرتی ہیں۔ اور وہ کونسی دو عورتیں ہیں جنہیں ایک دوزخ میں خوش اور دوسری جنت میں بھی متفکر ہے نسیمہ کی بہو وسیم دلہن کی جگر خراش داستان اور اس کی سوکن نسترن کے مفصل بیان سے ممکن ہی نہیں کہ دل پر کچھ اثر نہ ہو۔ شبِ زندگی خود پڑھو اور اپنے بیوی بچوں کے سامنے نسیمہ کا پاک نمونہ پیش کرکے انہیں اس جیسا بناؤ کہ وہ کامیاب زندگی گذاریں۔ دنیا کے ساتھ دین بھی حاصل کریں۔ یہاں بھی اچھے بیج بوئیں اور وہاں بھی اچھے پھل کھائیں۔ اس کے چودہ ایڈیشن نکل چکے ہیں ضخامت ۸ جزو ولایتی چکنا کاغذ۔

قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

شبِ زندگی حصہ دوم

بتائے گی کہ دنیا کی بدترین مخلوق وسیم دلہن کس طرح ایک خدا ترس اور نیک بی بی بن جاتی ہے۔ اور اس کے بچھڑے ہوئے لعل کس طرح اس سے ملتے ہیں۔ کتاب کی ہیروئن فاطمہ ساس اور شوہر کے تمام مظالم سہتی اور ایسی ایسی قربانیاں کرتی ہے کہ آپ دنگ رہ جائیں گے۔ اتنا دلکش پلاٹ ہے کہ اردو کی کسی کتاب میں ملنا ناممکن ہے۔ یہی وہ بے مثل کتاب ہے جو علامہ مرحوم نے اپنی بہو محترمہ خاتون اکرم کو رونمائی میں دی تھی۔ کاغذ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ۔ اس کے بھی بارہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ) شبِ زندگی مکمل دونوں حصے دو روپے۔

(ب) حضرت مصورِ غمؒ کے مشہور اصلاحی معاشرتی افسانے

تمغۂ شیطانی

صدرجہ دلآویز اور سبق آموز افسانہ جس میں امت شیطانی کے آٹھ کیرکٹر دکھائے گئے ہیں ان لوگوں کے جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے مگر انکے صرف ایک نفس سے جو بظاہر بہت معمولی بات تھی حلقۂ شیطانی میں داخل ہوئے جہاں ناک کٹے والی بہری - ملاجی - خانصاحب کے حالات پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجاتے ہیں - وہاں شمس پیرجی شیرازی کے واقعات اس قدر دردانگیز ہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں - قیمت بارہ آنے (۱۲)

سات روحوں کے اعمالنامے

دنیا کی سات عجیب و غریب روحوں میں ایک شیطان کی مغفرت کیلئے پیش کیجاتی ہیں جن کے مطالعہ سے کہیں ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑیں کہیں آنسو نکل آئیں آخری روح کے کارنامے اسقدر دردانگیز ہیں کہ ہچکی بندھ جائے قیمت ۸

غدر کی ماری شہزادیاں

یا بیتیہ میں میلہ" سنہ ۵۷ء کے غدر کی لٹی ہوئی دلی کی شہزادیوں اور بیگموں کی دل ہلا دینے والی کہانیاں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں باتصویر قیمت ۱۲ / ار

ستونتی

نہایت دلچسپ سبق آموز قصہ جسمیں ثابت کیا گیا ہو کہ مرد کیلئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوسکتی اور شریف عورت شوہر کیلئے سب کچھ قربان کرکے اور ایثار کے جوہر دکھا کر دنیا کو محو حیرت کردیتی ہے - پانچ دفعہ چھپ چکی ہے - قیمت (۷)

موؤدہ

لڑکیوں کے ترکہ پدری کے متعلق علامۂ مغفور کا نہایت مؤثر درد و غم سے بھرا افسانہ جس میں اس قدر درد و سوز و گداز ہے کہ پتھر سے پتھر دل بھی اس کو پڑھ کر پسیجتے ہی نہیں بلکہ موم ہوجاتے ہیں قیمت ۸

تفسیر عصمت

جوبلی نمبر عصمت کا مقبول دلآویز افسانہ عبدل کا کیرکٹر اس قدر پرلطف ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجاتے ہیں - اور واقعات اس قدر دردانگیز کہ بیساختہ آنسو نکل آتے ہیں - خلع اور ارتداد پر اس سے بڑھ کر مؤثر افسانہ آجتک شائع نہیں ہوا - قیمت پانچ آنہ (۵)

انگوٹھی کا راز

جدید ایڈیشن حضرت مصنف سے نظر ثانی اور بہت کچھ اضافہ کراکے شائع کیا گیا ہو یہ تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ ہو رابعہ کا عبرت انگیز انجام اسلامی کی جگرخراش داستان اور صفیہ کی مشکلات انگوٹھی کا راز اس خوبی سے حل کرتا ہے کہ پڑھنے والے کو حیرت ہوجائے - بار پنجم قیمت (۶)

ولایتی ننھی

(باتصویر) نانی عشو کے جوڑ کا نہایت پرلطف افسانہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجاتے ہیں - بی ننھی نے بڑھاپے میں جو سوانگ بھرے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں قیمت ۶

منازلِ ترقی

اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہو کہ انسان ترقی کی دھن لیڈری کے شوق اور دولت کے نشہ میں اخلاق انسانیت اور مذہب کو تج کر غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے مظالم ڈھاتا ہو - ولی اور بشیرن دونوں میاں بیوی کے کیرکٹر نہایت دلچسپ ہیں - قیمت (۴)

بچہ کا کرتہ

ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ وہ مصیبتیں اٹھاتی ہو کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا اس کی محبت اور ایثار کا وہ عبرت انگیز جواب دیتی ہو کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں بہت مؤثر افسانہ ہے کئی بار چھپ چکا ہے - قیمت (۴)

ویڈیا کی سرگذشت

مگر وہ موتی وہاں بھی نہ تھا فیشن وجدت کی دلدادہ ایک انگریز عورت کی کہانی اسی کی زبانی مغربی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو قیمت ۴ ر

چہار عالم

ایک دردانگیز افسانے میں تین چار سبق آموز افسانے حیات انسانی پر پرندوں پرندوں کی بحث ہندوستانی معاشرت کا یہ افسانہ گویا مرقع ہے چند نسوانی کمزوریوں کو دردناک پیرایہ میں بیان کیا ہو پلاٹ بیحد دلکش ہے - قیمت (۴)

بنت الوقت

ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا بہترین مرقع وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا عبرت انگیز انجام چھ دفعہ چھپ چکی ہے - قیمت ۸

سرابِ مغرب

غیرمسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے - اس بحث پر مشہور کتاب تقلید مغربی کے دردناک نتائج - پارٹیز کا حشر ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی اور لڑکی کی تباہی آٹھ مرتبہ چھپی ہے - قیمت ۸ ر کنواری لڑکیاں نہ منگائیں -

فسانۂ سعید

بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے - مگر جس قابلیت سے حضرت مصور غم نے سعید کا نکاح ہے ثابت کیا ہے وہ حق رکھتا ہے کہ ہر مسلمان اس کتاب کو پڑھے - سعید کی جگرخراش داستان دل ہلادے گی - سوتیلے رشتوں پر مؤثر کتاب ہے - قیمت ۸ ر

(ج) مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہرِ عصمت

حضرت علامہ راشد الخیریؒ اردو کے پہلے مختصر افسانہ نگار تھے - مصور غم نے مختصر افسانوں میں جذبات نسوانی کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی صحیح ترجمانی نہیں جادو نگاری کی ہو - ناممکن ہو کہ سنگدل سے سنگدل انسان ان افسانوں کو پڑھ کر کلیجہ پکڑ کر نہ رہجائے - جوہر عصمت مصور غم کے ان ۱۳ مختصر افسانوں کا مشہور مجموعہ ہے (۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ (۲) بھنور کی دلہن (۳) اگلی محبتیں (۴) فسانۂ تنویر (۵) بیگناہ کا قتل (۶) بھاوج کا کینہ (۷) مامون الرشید کا دربار اور سچی عورت (۸) عدل جہانگیری (۹) بلبل کی...

سیلابِ اشک

حضرت مصورِ غم کے سات دردانگیز افسانے (۱) پرستارِ محبت (۲) بلوچن کے تین رنگ (۳) طلاقن کا سفید بال (۴) حج اکبر (۵) عدل گلبدن (۶) بے قصور بچی (۷) ثریا کا تخیل۔ ہر افسانے کے ساتھ زرِ کثیر صرف کرکے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ پانچ دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ

طوفانِ اشک

یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں وہ مؤثر اور سبق آموز کتاب جس میں یہ ۱۲ دل ہلا دینے والے افسانے ہیں۔ رواج کی بھینٹ۔ کلنگ کا ٹیکہ۔ بیوی کی صحنک۔ محروم وراثت۔ سوتیلی ماں کا آخری وقت۔ توصیف کا خواب۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ تغیرِ عبادت۔ میں نے کیا دیکھا۔ شہیدِ معاشرت۔ طوفان اشک بارِ سوم قیمت ایک روپیہ

شہیدِ مغرب

طرابلس اور مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے اسلام اور نصرانیت کے معرکے مسلمان عورتوں کی ناموس اسلام پر قربانیاں مسلمانوں کی ترقی کا راز تنزل کے اسباب شدھی اور تبلیغ کا اثر مندرجہ ذیل دردانگیز افسانے ہیں۔ وداعِ ساقی ساز عرب سیدانی صدائے دلگداز شہیدِ مغرب۔ سیاہ داغ۔ کلونتیاں۔ طرابلس سے صدا۔ افراط و تفریط سیمونہ۔ ان کے مطالعہ سے حب وطنی جوشِ ایمانی بہادری شجاعت، خودداری غیرت و حمیت کے شریفانہ جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ عہ

نسوانی زندگی

یوں تو حضرت علامہ مغفور نے ہر تصنیف میں عورت کی مختلف حیثیتیں دکھائی ہیں مگر اس کتاب میں خصوصیت کیساتھ ماں، بیوی، بیٹی، بہن کی ہر حیثیت علیحدہ علیحدہ دکھائی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حیثیت میں ایسا ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے۔ قیمت صرف ۸

نانی عشو

آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں ناممکن ہے "نانی عشو" پڑھتے یا سنتے وقت آپکے پیٹ میں بل نہ پڑجائیں۔ علامہ مغفور نے ہنسی کے مضامین بھی لکھے تو اس کمال کے کہ تمام ہندوستان میں ان کا ڈنکا بج گیا۔ نانی عشو کیساتھ ایسے ہی ظرافت آمیز مگر نتیجہ خیز افسانے "توب اور گلشن، رفاعی سجدہ، ندامت" پڑھ کر بھی ایک موقع پر آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑینگے تو دوسرے موقعہ پر ہنسی ضبط نہ ہو سکے گی۔

گلدستۂ عید

عید کی دعا۔ عید کی خوشی۔ ام جعفر کی عید۔ ترکن ملا کی عید وغیرہ ایسے ایسے سبق آموز افسانے اور مضامین عید کے متعلق ہیں۔ سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے رمضان شریف میں کیا کرنا چاہیے اس کا جواب گلدستۂ عید سے ملیگا۔ جو ایک طرف بہترین علمی عیدی ہے تو دوسری طرف ہر وقت پڑھنے زندگی میں بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کی چیز ہے با تصویر قیمت ۸

رودادِ قفس

حضرت علامہ مغفور کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی نظموں کا مجموعہ۔ مظلوم حسینہ، روضۂ اقدس پر۔ اسلم کا خط شوہر کے نام۔ ماں کا پیام۔ سہراب کا دمِ واپسیں۔ التجائے یتیم بیٹیوں کی فریاد۔ بچپن کی یاد۔ عید کا کرتہ۔ سہیلی کا خط وغیرہ وغیرہ مسلمان گھرانوں کے عبرت انگیز معاشرتی مناظر ہیں۔ چھٹی مرتبہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۰

(د) تاریخ و سیر۔ ادب و انشاء

آمنہ کا لال

اردو زبان کا سب سے بہتر مولود شریف پڑھی لکھی عورتوں کی مجالس میلاد میں یہی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ اپنی غیر مسلم سہیلیوں کو بڑے فخر کے ساتھ بلاتی ہیں۔ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مرد بڑے ذوق و شوق سے آمنہ کے لال کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو خلافِ عقل کہا جا سکے۔ نثر کے ساتھ ساتھ جہاں نظم ہے۔ وہ بھی اس قدر مؤثر ہے کہ اہلِ دل تڑپ اٹھیں۔ کیونکہ تمام اشعار خود علامہ مغفور ہی کے ہیں۔ آمنہ کے لال میں علامہ راشد الخیری کا بہترین لٹریچر ہے۔ قیمت عہ

سیدہ کا لال

شہادت کی مکمل و مفصل تاریخ حصہ اول مکمل تاریخ شہادت ہے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ اور جناب سیدہ کے فضائل سرور کائنات صلعم کی رحلت۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت۔ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ حضرت علی رضی اللہ عنہم کی شہادتیں اور دردناک مرثیے۔ جنگ جمل جنگ صفین کا مکمل بیان۔ شیعہ سنی اختلاف کی ترقیاں۔ بنی امیہ کی کوششیں امیر معاویہؓ کی سیاست امام حسنؓ کی شہادت یزید کی حکومت کی پوری کیفیت۔ جس سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے۔ حضرت مسلمؓ ان کے بچوں اور حضرت حُرکی شہادت۔ بی بی زینبؓ کا میدان کربلا میں مثل ایثار۔ شہادت حضرت عباسؓ۔ حضرت قاسم۔ حضرت علی اکبر۔ کربلا کا ننھا شہید۔ بیمار صغرا کا قاصد۔ سیدہ کے لال کی شہادت۔ خانماں برباد سیدانیاں۔ ابن زیاد اور یزید کے دربار۔ شیعہ سنی اختلاف پر تبصرہ۔ قاتلانِ حسین کا انجام اور خدائی فیصلہ۔ یوں تو تمام کتاب اس قدر دردانگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی مگر نثر میں جو مرثیے علامہ مغفور نے لکھے ہیں ان کی ایک ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے۔ ادبِ لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کا اس قدر مفصل اور مکمل دردانگیز اور مؤثر بیان کسی کتاب میں نہیں تعلیم یافتہ عورتیں اور مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب پڑھتے ہیں یا مجلسوں میں پڑھواتے اور سنتے ہیں ضخامت ۲۵۰ صفحے قیمت (عہ ۱۲)

الزہرا

اردو زبان میں جگر گوشۂ رسولؐ سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہؓ کی بہترین سوانح عمری جو بتاتی ہے کہ میاں بیوی کو کس طرح رہنا چاہیے۔ بچوں کی پرورش کس طرح کرنی چاہیے۔ دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے۔ واقعات دردانگیز کہ ہچکی بندھ جائے آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان اور مصورِ غم کا قلم آٹھ دفعہ چھپ چکی ہے قیمت عہ

قلبِ حزیں

چھوٹے چھوٹے نہایت لطیف ادبی مضامین کا دلآویز مجموعہ جذبات نسوانی کی دردانگیز ترجمانی ان مضامین میں علامہ مغفور نے شاعری کی ہے بہترین نظم نما نثر طرزِ تحریر اتنا پیارا ایک ایک فقرہ حفظ کر لینے کو جی چاہے قیمت ۸

امین کا دمِ واپسیں

شہنشاہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر شہزادہ امین الرشید کا دردناک قتل اسلامی تاریخ کا یوں ہی ایک دردانگیز واقعہ ہے اس پر مصورِ غم نے قصہ کے دلکش پیرایہ میں عبرت انگیز واقعات اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں قیمت ۱۲

نوبتِ پنج روزہ

شاہجہاں آباد اجڑ چکا مگر اسکے کھنڈر اب تک سننے والوں کے کارنامے سنا رہے ہیں اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے مہانوں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی۔ بادشاہ کا جلوس۔ قلعہ معلی کی بہاریں۔ شاہی جھگڑے۔ میلے تماشوں کے رنگ۔ دربار کی کیفیت۔ قطب صاحب کے مقبرے۔ پیر غیب۔ شاہ برج اور کوٹلہ کے جشن۔ شہر کی آبادی کی چہل پہل۔ ہندو مسلمانوں کی معاشرت۔ رمضان عید۔ سلونو سالگرہ کے تزک و احتشام۔ شادی بیاہ کی رسوم۔ غرض دورِ گذشتہ کی بہار اگر دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداع ظفر ملاحظہ فرمائیے جس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اوس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوادینگی۔ پانچویں نوبت وہ ہے جب دلی نے بادشاہ کو وداع کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات مخبروں کا ظلم مظلوموں کی حالت زار مردوں کی بربادی عورتوں کی تباہی اور بادشاہ کے بیہم مصائب ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں بادشاہ کی تصویر اور بیگمات کی تصویریں ہیں قیمت ۸ر

وداعِ خاتون

یعنی وہ مضامین جو ادیبہ جلیلہ جنت مکانی محترمہ خاتون اکرم کی جواں مرگی پر لکھے گئے نہے جو بتائیں گے کہ بہو کسے کہتے ہیں اور لڑکی شادی کے بعد کس طرح سسرال والوں کے دل کو تسخیر کر سکتی ہے ناممکن ہے کہ نہیں پڑھ کر آنسو کی جھڑیاں نہ شروع ہو جائیں۔ سو کتابوں کے پڑھنے کا وہ اثر دل پر نہیں ہو سکتا جو صرف اس ایک کتاب کے پڑھنے کا کیونکہ یہ آپ بیتی ہے قیمت ۵ر

اسلامی تاریخ افسانہ کی طرز پر

عروسِ کربلا

علامہ محترم کے تمام تاریخی ناولوں میں بلحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے۔ کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم درد انگیز نہیں۔ اس پر مولانا کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھادی ہے۔ کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلاویز افسانہ ہے بہت مشہور کتاب ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ اور آج بھی اسی طرح دھڑا دھڑ نکل رہی ہے۔ عروس کربلا کی طرز پر کئی مصنفوں نے ناول لکھے۔ مگر عروس کربلا عروس کربلا ہی ہے سال بھر میں چھٹی دفعہ چھپی ہے۔ قیمت (عہ)

محبوبۂ خداوند

قرون اولی کے پر جوش دیا کیا مسلمانوں کی ولولہ خیز جاں بازیاں پڑھنے والوں کو مبہوت بنا دیتی ہیں۔ طرابلس کا مقدس خداوند کا رقیب شمالی افریقہ کی حسینہ سفیرہ کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے زمینی دھندوں میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے اور محبوبہ خداوند کس طرح اپنی عزت بچا کر اسلام قبول کرتی ہے۔ یہ ایک راز ہے جو صرف کتاب محبوبۂ خداوند کے مطالعہ سے حل ہو گا۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کے معرکے لڑائیوں کے حالات جنکا ہر واقعہ کلیجے کے پار ہو جاتا ہے چار دفعہ چھپی ہے قیمت ۱۲ر

دُرِ شہوار

ایران، مازندران، سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع بہرام کے شجاعانہ کارنامے اور ملکہ پر احسانات شہزادی سبطورہ کی فراست اور بہادری اور سوذیر کی مکاری اور فریب۔ قیمت صرف (۸ر)

شہنشاہ کا فیصلہ

عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت میں ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ ماں کا بیگناہ بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور ماں کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے۔ اور آخر میں کس خوبی سے شہنشاہ کا فیصلہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے۔ یہ ایسے ایسے باب ہیں جو صرف پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت (۱۲ر)

منظرِ طرابلس

تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی۔ حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل بہادری۔ ایثار و شجاعت، محبت کے آتشکدہ میں بے گناہ لڑکی کی قربانی۔ حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل۔ مذہبی پیشوا کی سیاہ کاریاں۔ علقیہ اور شہزادی لیبی کی کہانی اور فتح طرابلس کا منظر قیمت ۵ر

سودائے نقد

جس سے معلوم ہو گا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے یہ افسانہ بتائے گا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا ایک زبردست گناہ ہے۔ دو سگی بہنوں کی کوششیں حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل۔ محبت کا جواب غرض نہایت دلچسپ پلاٹ ہے۔ قیمت (۵ر)

یاسمینِ شام

امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمرؓ کے زمانہ کی اسلامی لڑائیاں ہلال و صلیب، اسلام و عیسائیت کے معرکے تسخیر اردن میسان حمص، بعلبک، ارسنا، حلب، انطاکیہ بیت المقدس اور یرموک کے لئے مجاہدین اسلام کی سرفروشانہ قربانیاں جنگ یرموک وہ اسلامی جنگ تھی جس میں ۳۶ ہزار مسلمانوں نے عیسائیوں کی متفقہ طاقت یعنی ۳ لاکھ کے لشکر عظیم پر فتح پائی جس میں مسلمان عورتیں اس طرح لڑیں کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ حضرت خالد بن ولید اور شرجیل کی تقریریں۔ مسلمانوں کے جوش ایمانی، جرأت جانبازی اور ایثار کے دل ہلا دینے والے مناظر یاسمین شام ہی میں نظر آئیں گے۔ اگر محبت کا دلآویز افسانہ دیکھنا ہے تو یاسمین شام کا مطالعہ کرو۔ جو سفاک و سنگدل باپ خدا ترس ماں اور مظلوم بچی کی دلخراش داستان بھی ہے۔ حال میں جدید ایڈیشن خاص اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ قیمت صرف (عہ)

تیغِ کمال

اگر آپ کو غازی اعظم مصطفےٰ کمال کے مفصل حالات یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے مناظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھئے جس میں یورپ کی سازشوں کے راز افشا کئے گئے ہیں۔ شہزادی کونسٹ کا افسانۂ محبت۔ مصطفےٰ کمال کا سب کے دانت کھٹے کرنا۔ یونان کے درد انگیز مناظر اور علامہ راشد الخیریؒ کا قلم۔

قیمت ایک روپیہ (عہ)

Regd No. L. 1872 May 1940 Established 1908

ترکی کا فوجی توپ خانہ

رسالہ عصمت دہلی

بتیسواں (۳۲) سال بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۴۰ء عیسوی جلد ۶۴ نمبر ۵

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ للعہ ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، والیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر ہیرز اے ایچ وہیلر کے بک سٹال پر بھی ۵ر میں ملتا ہے۔

باہتمام ابو امین مولوی محمد امان الرحمٰن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

ایک پھوپی کا خط بھتیجی کو

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

آنکھوں کی ٹھنڈک۔ کلیجے کے ٹکڑے پیاری ملکہ۔

بڑھ سہاگن ہزاری عمر۔ آج تمہاری چوتھی ہے۔ اور میں ہزاروں کوس دور بیٹھی سمدھنوں کی بہار دیکھ رہی ہوں۔ سارا سماں آنکھ کے آگے ہے۔ تم کہتی تو ضرور ہو گی۔ کہ پھوپی جان کے سب پھپڑ دلالے تھے۔ مگر بیٹی میرا خدا دیکھتا ہے جیسی جیسی آنے کو تڑپتی ہوں۔ تمہارے پھوپا جان کا پیٹھ پیچھا ہے۔ انہوں نے کوشش میں کسنہیں کی۔ مگر حاکم ہی تقدیر سے ایسا پلے پڑا۔ کہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ میں تو ان کی بھی پروا نہ کرتی۔ اور اکیلی چل کھڑی ہوتی مگر ریل بھی تو یہاں سے تیس کوس ہے۔ اس پر چوروں کی چھینا جھپٹی یہ کچھ کہ رات دن مسافر لٹ رہے ہیں کیا کروں دل مار کر بیٹھ گئی۔ نہیں تو میں اور اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے دلہن نہ بناتی؟ پر نہیں جو اڑ کر آؤں اور دیکھوں کہ پیاری ملکہ کیسی دلہن بنی۔ خیر جیتی ہوں تو اگلے مہینے میں سہی۔

تمہاری ساس کو میں اس وقت سے جانتی ہوں جب تمہارے میاں گود میں تھے جن پور میں برسوں ان کا میرا ساتھ رہا ہے کیسی مسکین بیوی ہیں۔ کہ کبھی کسی سے بگڑنا جانتی ہی نہیں۔ پھر تم جیسی بے زبان بہو کو تو وہ سر آنکھوں پر بٹھائیں گی۔ وہ بھی خوش نصیب اور تم بھی خوش نصیب۔ خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے۔ انہیں جیسی بہو کا ارمان تھا۔ ویسی بلکہ اس سے افضل اور تمہیں جیسی ساس کی ضرورت تھی۔ اللہ نے اس سے بہتر دی۔ ملکہ بیگم تمہاری ساس ایسی ساس ہے۔ کہ چراغ لے کر ڈھونڈو۔ تو ایسی ساس نہ ملے گی۔ مجھے ان بہوؤں کی حالت پر رونا آتا ہے۔ جو چالوں ہی میں ساس نندوں کی جانی دشمن ہو جاتی ہیں۔ اور اتنا نہیں سوچتیں۔ کہ یہ ماں جس نے دکھ سہے مصیبتیں بھگتیں اور آج خدا نے اسے یہ دن دکھایا۔ کہ بہو والی کہلائی۔ کس طرح دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکیں۔ مجھے تمہاری سعادت مندی سے امید ہے کہ تم اپنی ساس کو ماں سے بڑھ کر سمجھو گی اور دنیا کو دکھا دو گی کہ ساس بہویں بھی ماں بیٹیاں ہو سکتی ہیں۔ بہو اگر دل پر رکھ لے تو ساس کا رام کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ آدمی کسی کے دل میں گھر کرنا چاہے اور نہ ہو سکے؟

میری اس نصیحت کو یاد رکھنا۔ ساس کا سر کر لینا میاں کو فتح کر لینا ہے۔ رہیں نندیں۔ ایک کواری ہے۔ ایک بیاہی بیاہی کا تو ذکر ہی نہیں کبھی برس چھٹے مہینے دو چار دن کو آئی۔ رہ گئی۔ ہاں چھوٹی کا ہر وقت کا ساتھ ہے۔ سو وہ بھی سدا رہنے والا

نہیں۔ لاکھ شریر اور شوخ ہو۔ مگر پھر بچہ ہے چمکار کر رکھوگی۔ تو کلمہ پڑھے گی ماوروں کی تو مجھے خبر نہیں۔ اپنی کہتی ہوں
چودہ برس کی بیاہی گئی تھی۔ اپنے پھوپا جان کا مزاج تو تم خود ہی جانتی ہو۔ گھڑی میں اولیا۔ گھڑی میں بھوت۔ اماں جان
بھی اللہ بخشے مزاج کی کڑوی ہی تھیں۔ ماشاء اللہ بھرا گھر تھا۔ دیور جیٹھ دیورانیاں جٹھانیاں سگی نندیں۔ چچا جان
کی بیٹیاں مگر اپنی اماں جان سے پوچھو۔ کہ بتیس دانتوں میں زبان کی طرح رہی جل جائے۔ یہ زبان اگر کبھی اماں جان
کے سامنے ہوں بھی کی ہو۔ جو انہوں نے فرمایا۔ سر آنکھوں پر۔ ایک دو ہی مہینے میں یہ رنگ جم گیا۔ کہ بیٹوں کی بات ٹال دیتی
تھیں۔ اور میرا کہنا پتھر کی لکیر تھا۔ بیٹی خدمت سے عظمت ہے۔ اپنی جان ہلکان کی۔ قریشہ اللہ اللہ رکھے دس برس کی
تھی۔ اس کو اس طرح ہاتھ میں رکھا۔ کہ اماں جان تک کو بھول گئی۔ بھابی دُلہن بھابی دُلہن کہتے منہ خشک ہوتا تھا۔

بیٹی سُسرال ایک عجیب جگہ ہے۔ جہاں نام کو کوئی اپنا نہیں۔ بڑے سے چھوٹے تک سب غیر۔ پھر غیر بھی کیسے۔ جو
ہر وقت اور ہر لمحہ اسی فکر میں رہیں کہ کوئی بات ہاتھ آئے۔ اور ڈونڈی پیٹیں۔ سوچ لو کہ ایسے گھر میں کیسے پھونک پھونک
کر قدم رکھنا ہوگا۔ یوں سمجھو کہ زندگی کا دارو مدار عمر کا انحصار ان ہی دو چار مہینوں پر ہے۔ یا بیڑا پار ہو گیا یا عمر بھر
جوتی پیزار رہی۔ ایسے وقت میں لگانے بجھانے والے خوب موقعے تکتے ہیں۔ بہو کی ساس سے اور ساس کی بہو سے
اِدھر کی سُنی اُدھر جڑی۔ اُدھر سے لائے اِدھر پروئی۔ دونوں میں فرق ڈلوا چمپت ہوئے۔ ان کا کیا بگڑا۔ ساس بہوؤں
میں جلتوائی پڑنی تھی پڑ گئی۔ خدا کے واسطے ملکہ ان مرداروں سے بچنا۔ اور منہ نہ لگانا۔ بات کا بتنگڑ یہ بنائیں
مکھی کا ہاتھی میل کا بیل تل کا پہاڑ ان سے سُن لو۔ پانی کے آگے پاڑ یہ باندھیں۔ جوتیوں میں دال یہ بٹوائیں۔ اور
پھر مزا یہ کہ بھلے کے بھلے اور خیر خواہ کے خیر خواہ۔ خدا نہ کرے۔ کہ کوئی بدنصیب بیٹی اُن کے ڈھب پر چڑھے۔ ایسا
گھر کھونچ کھوئیں۔ کہ عمر بھر بیٹھی پیٹے۔

اپنے ہاں ہی بی نصیبا کو دیکھ لو۔ ایک کی چار اور دو کی ہزار۔ خدا سے وہ نہ ڈرے۔ دُنیا سے وہ نہ شرمائے۔ جوتیوں
کا ڈر اُسے نہیں غیرت کا پاس اُسے نہیں۔ نوسو کی بندی کے ڈنڈ پر لکھی۔ خالہ امینہ کا گھر اُس نے کھوایا۔ ماں بیٹوں
میں بیر اُس نے ڈلوائے۔ چچی جان کا بڑا مکان اُس نے بکوایا۔ بڑی بھابی کو بھیک اُس نے منگوائی۔ یہ بڑھیا زہر
کی پڑیا۔ اور بِس کی گانٹھ ہے۔ ساٹھ پینسٹھ برس کی عمر ہونے کو آئی۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے۔ مگر اپنی عادتوں
سے باز نہیں آتی۔ چاہے کیسی ہی تکلیف اور بے آرامی کیوں نہ ہو۔ اس کو پاس نہ رکھنا۔ صنوبر کے سر پر جو کبھی کبار
جن چڑھتا ہے اور ماں سے گلہ کرتی ہے۔ یہ اسی کی بدولت۔

سُسرال پہنچ کر تمہارا سب سے پہلا فرض میاں کو یہ یقین دلا دینا ہے۔ کہ تم سے بہتر بیوی۔ تم سے اچھی خدمتگار
تم سے زیادہ خیر خواہ تم سے بڑھ کر محبت کرنے والی۔ تم سے اعلیٰ منتظم۔ تم سے بڑی سگھڑ نہیں۔ مختصر یہ کہ اب دُنیا میں
اس کا جو کچھ ہے وہ تم ہو۔ تم ایسی دولت ہو۔ کہ مفلسی میں وہ تم پر ناز کرے۔ تم ایسی نعمت ہو۔ کہ فاقے میں وہ تم پر شکر

کرے پہلی کوشش یہ کرو. کہ اس کے مزاج. اس کی عادتوں. اُس کی خصلتوں سے واقف ہو جاؤ. اور پھر عمر بھر کوئی کام ایسا نہ کرو. جو اُس کی مرضی کے خلاف ہو. اُس کے دوست تمھارے دوست. اُس کے دشمن تمھارے دشمن. جانور بھی مالک کا رُخ پہچانتے ہیں. منہ سے کہنے کی اُنہیں ضرورت نہیں. گھوڑے کی باگ جدھر اُٹھائی. اُدھر چل کھڑا ہوا. مَیں یہ نہیں کہتی. کہ وہ تمہارا خدا ہے. مگر ہاں یہ کہتی ہوں. اور تمھارے بھلے کی کہتی ہوں. کہ جینے کی بہار. رہنے کا مزا دُنیا کا لُطف. دونوں کے سلوک پر ہے. اگر کوئی تکلیف پہنچے. تو دل میں رکھو. شکایت تو درکنار ہونٹوں تک نہ لاؤ. یہ نہ ہو کہ آیا اور گیا. رشتہ دار اور غیر سب کے آگے میاں کا دفتر کھل رہا ہے. یاد رکھنا. بیوی خاوند کی سب سے بڑی رازدار ہے. رُوح تن سے نکل جائے. مگر شوہر کی بات باہر نہ جائے. لڑکیوں میں بدگمانی ایک بُرا مرض ہے جس کا انجام موت سے بھی بدتر ہے جب تک آنکھ سے نہ دیکھ لو کسی بات کا یقین نہ کرنا. جتانا مگر نرمی سے. کہہ دینا مگر آہستگی سے. تمھاری زندگی کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض یہ ہوگا. کہ بیوی ہو جانے کے بعد میاں کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے. گھر کو ایسا بنانا. کہ باہر سے جی گھبرائے. تو اندر آکر لگے. یہ نہ ہو کہ گھر سے گھبرائے. اور باہر لگے. لو بیٹی خدا حافظ.

عصمتی بہنیں اگر ان قواعد کی پابندی کریں تو ان کو کبھی ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے:۔

(۱) عصمت ہمیشہ نہایت پابندی وقت سے ۲۰ تاریخ کو شائع ہو کر تیسری چوتھی تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پہنچ جاتا ہے اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی لیکن اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۱۰ تاریخ کے بعد مگر ۱۵ تاریخ تک کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالہ سے دوبارہ پرچہ منگالیں اس کے بعد قیمتاً ملے گا (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو جدید خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دی جائے کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچانا ہے کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا. حالانکہ تمام خریداروں کو ۲۰ تاریخ کو رسالہ بھیجا جاتا ہے ہر بہن کا فرض ہے کہ جب پتہ تبدیل ہو تو فوراً دفتر کو اطلاع دیدیں. (۳) جب ہمیں خط لکھیں جلی حرفوں میں اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں. ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ رہا ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیج کر دفتر سے معلوم کر لیجئے کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی. (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا تین پیسے کا ٹکٹ بھیجئے. (۵) منی آرڈر کی کوپن پر ضرور اپنا خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمائیے.

(۶) خریداروں کو چندہ کی میعاد یا اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدی جاتی ہے. اگر کسی بہن کو آئندہ خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں اور اگر پرچہ بدستور جاری رکھنا ہے تو چار روپیہ منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیجدیں. انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے. وی پی واپس کر کے شدید نقصان پہنچانا تعلیم یافتہ بیبیوں کے لئے زیبا نہیں اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی ضرور وصول کر لینا چاہئے.

براہِ کرم ان چند باتوں کا ہمیشہ خیال رکھئے

منیجر

تدابیر صحت

اب سے نہیں چالیس برس پہلے ہمارے بزرگوں کی صحتیں ہم سے بدرجہا بہتر ہوتی تھیں۔ ان کی حالت دیکھ کر عمر کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ پچاس پچپن برس کی عمر کی بیبیاں بغیر عینک کے سارے دن سینے پرونے میں مشغول رہتی تھیں۔ باریک چھاپے کے قرآن شریف اور پنجسورہ پڑھتی تھیں۔ پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں کی پرورش اس طرح کرتی تھیں کہ ماؤں کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی کہ بچے کدھر پل رہے ہیں مگر اب جسے دیکھئے ایک نئی مصیبت میں گرفتار نظر آتا ہے چالیس برس کی عمر ہو تو دیکھنے میں پچاس کی معلوم ہوتی ہے بال کھچڑی۔ آنکھوں پر چشمہ۔ دانت کچھ ٹوٹے ہوئے کچھ ہلتے ہوئے کسی کو اختلاج کی دائمی شکایت ہے تو کسی کو ہاضمہ کی خرابی کی۔ ان حالات کو دیکھ کر اس بات کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ اگلے زمانے میں ہمارا طرز معاشرت اب سے بہت بہتر تھا اور ایسے عمدہ اصول گھروں میں رائج تھے جو جسمانی قوت وصحت کو عرصہ تک قائم رہنے میں مدد دیتے تھے۔ کھانے پینے سونے جاگنے ہر کام کے لئے وقت مقرر تھے اور ان کی پابندی اس طرح کی جاتی تھی کہ شہر میں جس کے گھر جایئے وہی ایک سا طریقہ نظر آتا تھا۔ آج کل یہ بات نہیں رہی ہے کھانے ہی کے اوقات کو لے لیجئے تو ایک خاندان کے دو چار گھروں میں بھی یکسانیت نہ ملے گی۔ کہیں تین دفعہ کھایا جاتا ہے کہیں چار دفعہ۔ اسی طرح سب باتوں میں فرق ہوگا کچھ لوگ سات بجے سو کر اُٹھتے ہیں اور چائے پلنگ پر پیتے ہیں۔ کچھ فجر کو جاگتے ہیں اور نماز پڑھ کر چھ ہی بجے ناشتہ کر لیتے ہیں۔ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ صاف ظاہر ہے کہ چند ہی روز میں جہاں کہیں پرانے طریقے رائج ہیں وہ بھی اُٹھ جائیں گے۔ لیکن یہ کچھ اچھی بات نہیں ہے ہم لوگوں کو ضرور اس کی فکر کرنی چاہیئے کہ وہ اصول محفوظ کرلیں جو ہمارے بزرگوں نے برسوں کے تجربہ کے بعد مقرر کئے تھے۔ مثلاً خاص خاص وقتوں میں اُس سے بچنا۔ بارش ہونے سے پہلے آم نہ کھانا۔ رات کے وقت پھل کھانے سے پرہیز کرنا۔ پسینہ آتے میں ٹھنڈے پانی سے نہ نہانا۔ سخت محنت اور کھانے کے بعد فوراً نہ نہانا۔ بچوں کو زیادہ بوجھ نہ اُٹھانے دینا۔ سوتے اُٹھ کر ایک دم سے ٹھنڈا پانی نہ پینا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنا۔ زکام بخار شروع ہوتے ہی فوراً علاج نہ کرنا۔ چیچک میں خوشبو بدبو سے بچانا۔ خاص خاص بیماریوں اور خاص خاص دواؤں کے پرہیز۔ ایسی غذائیں جو سخت گرمی اور سخت سردی کے دنوں میں موسمی شکایتوں سے محفوظ رکھیں۔ وہ چیزیں جو گرمی یا برسات میں نقصان دہ ہیں۔ شربت پینے کے اوقات۔ برف کے فائدے اور نقصان۔ ایسی ہزاروں باتیں ہیں جنھیں عام طور پر لوگ نہیں جانتے اور بے سوچے سمجھے جو جی میں آتا ہے کر گزرتے ہیں اور پھر اُن سے نقصان اُٹھاتے ہیں جب دو چار دفعہ کے تجربہ سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

کہ یہ بات اُس وجہ سے ہوتی ہے تو بھر احتیاط کرتے اور دوسروں سے کہتے ہیں اور وہ مقولہ صادق آتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہے۔ آج کل بہت لوگ یہ جان گئے ہیں کہ زکام اور معدہ کے امراض میں یونانی علاج زیادہ مفید ہوتا ہے اس لئے وہ حکیموں کا علاج کرتے ہیں مگر پرہیز ٹھیک ٹھیک نہیں کرتے اور اکثر نقصان وہ باتوں کی انھیں ایسی عادت ہوتی ہے کہ جن کے بغیر ان سے رہا نہیں جاتا مثلاً چائے پینا اور اس کے ساتھ مکھن کا استعمال کرنا روز نہانا برف کھانا وغیرہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے فائدے کے اُلٹا نقصان اُٹھاتے ہیں۔ میں نے ایک حکیم صاحب کی لڑکی کا حال سُنا ہے کہ اُس نے باپ سے یہ بات سُن کر کہ رنگ صاف کرنے کی بھی دوائیں ہوتی ہیں اصرار کیا کہ میں پیوں گی۔ اُنہوں نے پہلے تو یہ کہا کہ تم سے پرہیز نہیں ہو سکے گا اور اُلٹا نقصان ہوگا جب اُس نے پکّا وعدہ کیا تو کچھ مصفی خون دوائیں دیں اور چالیس دن تک نمک کھانے اور دھوپ میں نکلنے کو منع کیا گھی کثرت سے کھانے کو بتایا اور اس سے واقعی اسے بہت فائدہ ہوا مگر اس عرصہ میں وہ اپنی جان سے عاجز آ گئی۔ اور اگر اسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ بدپرہیزی سے سخت نقصان ہوگا تو وہ ضرور اپنا پرہیز توڑ دیتی۔ ایک دفعہ ایک صاحب کا کسی جلدی مرض کا علاج ہو رہا تھا اور انھیں مسہل دئیے جا رہے تھے۔ اُسی زمانے میں اُنھیں کچھ ایسا کام پڑ گیا کہ دھوپ محنت اور غصہ سب ہی کچھ برداشت کرنا پڑا۔ اور اس کے اثر سے ان کی طبیعت اور زیادہ خراب ہو گئی۔ مجبوراً دوسرے حکیم سے رجوع کیا۔ انھوں نے تمام حالات مفصل طور پر دریافت کئے اور کہا کہ بڑی ناعاقبت اندیشی کی گئی کہ ایسے سخت جلاب آپ کو دیئے گئے اور اُن کے پرہیز کی بابت کچھ نہ بتایا گیا۔ اُس وقت آپ کو کامل آرام وسکون کے ساتھ کسی ٹھنڈے اور نفرح بخش مقام میں رہنا چاہئے تھا سبز پردے اور ہرے بھرے گملے آپ کے اردگرد ہوتے اور دو چار دل بہلانے والے بے تکلف عزیز دوست کہ آپ کی طبیعت پر کسی قسم کا بار نہ پڑنے پاتا۔ اُس وقت یہ علاج آپ کے لئے مفید ہوتا مگر اب یہ بالکل اُلٹا ہو گیا۔ اگر ایسے انتظامات نہ ہو سکیں کہ بہتر ہے کہ چند روز معمولی دواؤں سے مرض کو روکا جائے اور پھر موقع سے مسہل دئیے جائیں۔ اسی طرح چند روز ہوئے ایک بہن کو اختلاج کا دورہ پڑا۔ اور دوسری نے ہسٹریا سمجھ کر اُنھیں لہسن چھیل کر سنگھا دیا جس سے اور بھی زیادہ ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اور کئی دن تک وہی بو دماغ میں سمائی رہی۔ غرض اس مضمون سے میرا مطلب یہ ہے کہ جو بہن یا بھائی اس کی لیاقت رکھتے ہیں جیسے بیگم حکیم محمد عزیز خاں صاحبہ جاورہ یا گ ن صاحبہ کیور تھلہ وہ ادھر متوجہ ہوں اور اس قسم کی احتیاط اور پرہیز پر ایسی آسان کتاب لکھیں جس سے ہر اردو خواں فائدہ اُٹھا سکے۔

سیر و سیاحت

ہم اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے بہترین قسم کے مدرسے تلاش کرتے ہیں. ایسے مدرسے جو جدید ترین اصولوں پر چلائے جا رہے ہیں. اور ایسے لائق تربیت یافتہ اتالیق اُن پر متعین کرتے ہیں جو ان کی امداد اور رہبری کر سکیں. لیکن اس ساری کوشش کے باوجود ہمارے بچوں کی تعلیم مکمل نہیں ہوتی. تعلیم یافتہ خاندانوں میں یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ بچوں کو کونونیٹ میں داخل کرنے کے بعد والدین کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے.

اچھے مدرسے اور اچھے اساتذہ کی جس قدر ضرورت ہے اچھے والدین کی بھی اُسی قدر ضرورت ہے. اگر ہم اچھے والدین ہونا پسند کریں تو ہمیں تھوڑی سی نفسیات اطفال مطالعہ کرنا ایک لازمی امر ہوگا. ہمیں تعلیم و تربیت کے لئے نو دریافت اُصول جاننے ہوں گے. بچوں کی جبلتوں سے واقف ہونا ہوگا.

تعلیم خواہ افراد کی ہو یا اقوام کی. اصلاح خواہ ایک متنفس کی ہو یا اجتماع عظیم کی اس کے اُصول قریب قریب ایک سے ہیں. قرآن پاک نے دیگر مذاہب کی طرح اصلاح و تربیت کے لئے دو وسائل اختیار کئے ہیں اور وہ دو وسائل ایسے ہیں جنھیں تعلیم کا اساس اولین قرار دیا جا سکتا ہے. پہلا وسیلہ تو ہمارے آبا و اجداد کے کارنامے یا اسلاف کی تاریخ ہے جس سے عبرت اور سبق حاصل ہوتا ہے. اور دوسرا طریقہ قدرت اور فطرت کے مطالعہ سے بلا واسطہ کسب علم کرنے کا ہے. تاریخ کی پرانی کتابوں کو تو چھوڑیئے کیونکہ ان کا مطالعہ ایک خشک اور دلچسپی سے کلیتہً عاری ہوتا ہو تاریخ اور تاریخی تاثرات کے دیگر ذرائع موجود ہیں. مثلاً پرانے سکّوں. کتبوں اور تصویروں کا مطالعہ کرنا. قدیم عمارتوں اور ہتھیاروں سے اُس زمانہ کی کاریگری کا اندازہ لگانا. الغرض اگر آنکھیں کھول کر دیکھا جائے تو تاریخ عجائب خانوں اور تاریخی مقاموں پر بکھری پڑی ہوئی ہے.

دوسرا وسیلہ بہت آسان ہے. شہروں کی تنگ و تاریک فضا میں قدرت کی جلوہ گری غلاف در غلاف رہتی ہو. یا شہر کے باہر کھلے ہوئے میدانوں میں. اونچے سر بفلک پہاڑوں پر. ہرے بھرے لہلہاتے کھیتوں. اُبلتے چشموں. جوش مارتے سمندروں اور لق و دق جنگلوں اور صحراؤں میں خدا کی عظمت منہ سے بولتی نظر آتی ہے. چاند سورج کے طلوع و غروب کے مناظر دامان کوہ سے عجیب سماں دکھاتے ہیں. یہ تعلیم براہ راست ہو.

لکڑی کے سخت بنچوں پر بیٹھے ہوئے. تختۂ سیاہ پر نگاہ جمانے سے تعلیم نہیں ہوتی. اور نہ انسان نے عقل اس طرح حاصل کی ہے. انسان نے کوہ و بیابان کو روند ڈالا ہے. سمندروں میں گھوڑے ڈال دئے ہیں. تب جا کر قدرت کے راز ہائے سربستہ کا پتہ لگا ہے.

یورپ میں مدرسہ کی چاردیواری سے باہر بھی لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے سرگرمیاں، سیر سیاحت، تماشے اور ٹرپ موجود ہیں جو ان کی تعلیم پوری کر دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہندوستان کے جدید سے جدید مدارس میں بھی بچوں کو سیر سیاحت کرانے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ ایک سال میں ایک بار ٹور پر لیجانا اور اس میں بھی صرف چند گنے چنے کھلاڑیوں کو لے جانا کوئی معقول بند وبست نہیں کہلایا جا سکتا۔

ضرورت ہے کہ والدین اس کام کو اپنے ذمہ لیں کیونکہ یہ کام موجودہ حالات میں مدرسوں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ اور مالی انتظامی دشواریاں اس راہ میں حائل ہوں گی۔ ایک سال دو سال کے بچوں کو بھی شام کے وقت ہوا خوری کے وقت ہمراہ لیا جا سکتا ہے۔ ریلوے اسٹیشن پر ریل کے ڈبے انجن اور تار گھر سب سمجھایا جا سکتا ہے ڈاکخانے لیجا کر آپ منی آرڈر، رجسٹری اور دیگر کارہائے ضروری سے واقف کرا سکتے ہیں۔ بجلی گھر میں بجلی کی روپیدا کرنے والا انجن ٹیلیفون ایکسچنج اور واٹر ورکس میں پانی کے آنے کا سرچشمہ دکھا کر ان کی معلومات میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ بڑی بڑی دوکانوں پر سودا سلف خریدنے اور ہوٹلوں میں کھانا اور چاء طلب کرنے کے طریقے سکھائے جا سکتے ہیں۔ بینک سے روپیہ نکلوانے۔ فائر سٹیشن پر آگ بجھانے والا انجن دکھانے۔ لوہے کے بڑے بڑے کارخانے دکھانے چمڑے کاغذ اور کپڑے کی ملوں کی اندرونی تقسیم عمل سمجھانے سے جو علم حاصل ہو گا وہ کتابوں کے پڑھے ہوئے علم سے زیادہ پائیدار ہو گا۔ میں نے اپنے بچوں کو گوالیار پوٹری ورکس میں چینی کے برتن ڈھلتے دکھائے ہیں جیل خانہ اور پاگل خانہ تک دکھایا ہو۔ ہوائی اسٹیشن بھی دکھانے کی جگہ ہے اور جن شہروں میں چڑیا خانے اور میوزیم ہوں اُن شہروں کے رہنے والوں کو اُن سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ بات یہ ہو کہ ہم لوگ عجائب خانوں سے فائدہ اٹھانا ہی نہیں جانتے۔ چھوٹے بچوں کو جانوروں سے محبت ہوتی ہو وہ اُنھیں شوق اور غور سے دیکھتے ہیں۔ برٹش میوزیم لنڈن کو ایک دن میں لاکھوں انسان دیکھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور اس سے تاریخی معلومات میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔ آپ اپنے بچوں کو مجلسی اجتماعات میں ضرور شریک کرایا کیجئے۔ شادی بیاہوں کے علاوہ عیدین۔ محرم کی مجالس عزا، مشاعرے۔ ٹی پارٹیاں۔ ایٹ ہوم۔ عُرس۔ میلے تماشے۔ جلسے جلوس وغیرہ ایسے مواقع ہیں جہاں اُنہیں قرینے سے اُٹھنے بیٹھنے کے آداب سکھائے جا سکتے ہیں۔ ہمیں نے اکثر ایسے بچوں کو دیکھا ہو جن کے دلوں میں ریل میں بیٹھنے کی حسرت ہو یا برف سے لدے ہوئے پہاڑ دیکھنے کی آرزو ہے یا لہریں مارتے ہوئے سمندر کو دیکھنے کی تمنا ہے۔ آپ سے ہو سکے تو اپنے بچوں کو لے جا کر یہ مناظر قدرت دکھا دیجئے ورنہ اپنے قرب و جوار کی ندی ہی دکھا دیجئے۔ میرے بچوں کو پہاڑوں پر چڑھنے میں مطلق تھکن محسوس نہیں ہوتی اور وہ سمندر میں نہانے سے مطلق نہیں ڈرتے۔ مدت سے ان کا تقاضہ تھا کہ آگرہ روضہ تاج گنج دکھایا جائے میں نے ان کی یہ حسرت بھی پوری کر دی۔ تاریخی مقامات میں لاہور۔ دہلی۔ آگرہ اور لکھنؤ ایسے مقامات ہیں جن کا دیکھنا بصارت اور بصیرت دونوں بڑھاتا ہے۔ اس لئے میری ناچیز رائے میں والدین خواہ اچھے ٹیوٹر نہ رکھیں لیکن اس ٹیوشن سے جو روپیہ بچے اُس سے بچوں کی آؤٹنگ کے صرفہ میں لائیں۔ اور علامہ سر محمد اقبال کا یہ شعر ہر حال میں یاد رکھیں۔

خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش
مدرسہ نے تری آنکھوں سے چھپایا جس کو

سید ابن حسن شارق

عورتوں کی نئی دنیا

آج کل دنیا میں بہتیرے ہنگامے برپا ہیں. بہت سی بحثیں ہو رہی ہیں. مختلف مسائل زیرِ غور ہیں. مگر یہ بات تو قریب قریب سمجھئے طے ہو گئی کہ پرانے طریقے سب غلط ہیں. اور نئے سب صحیح. پرانے طریقوں میں کوئی اور خوبی چاہیئے نہ ہو مگر اتنی بات تو تھی کہ سب انھیں جانتے تھے اور جو نہیں جانتے تھے یا بھول جاتے تھے ان کو بتانے کے لئے ان کے بڑے بوڑھے موجود تھے۔ اب نئے طریقوں میں اور کوئی عیب ہو یا نہ ہو یہ عیب ضرور ہے کہ انہیں کوئی جانتا ہی بہت کم ہے. جو لوگ ان کے بادلوں کی طرح بدلتے ہوئے رنگوں سے واقف نہ ہوں انھیں بتانے والا تو کوئی نہیں ہوتا مگر ان پر ہنسنے کو سب تیار ہو جاتے ہیں۔ جو شخص ہر موقع اور موسم کے لئے فیشن سے بے خبر ہو گفتگو میل ملاقات کے نئے نئے ڈھنگوں کا کچھ پتہ نہ رکھتا ہو اس کا مضحکہ اڑتا ہے اور جو ہر موسم کے ساتھ لباس اور آرائش کے ہر نئے اشتہار کو دیکھ کر اپنا روپ بدل سکے وہی زمانہ شناس اور تہذیب کا قدردان مانا جاتا ہے۔

آج کل ترقی کی رفتار تیز موٹروں کی دوڑ کہئے تو بیجا نہیں جس میں واہ واہ اسی کی ہوتی ہے جو سب سے آگے نکل جائے. دوڑنے والوں سے کوئی یہ تو کہہ نہیں سکتا. کہ آگے نکلنے کی کوشش نہ کرو اور اس شور و ہنگامہ میں کوئی بات کہیں بھی تو کس طرح اس کا کوئی اور طریقہ سمجھ میں نہیں آتا سوا اس کے جو امریکہ میں ایک شخص نے اختیار کیا. اس نے موٹروں کی تیزی کے خلاف اس طرح پروٹسٹ کیا کہ ایک مرتبہ نیویارک کی ایسی سڑک پر جہاں کوئی موٹر چالیس پچاس میل کی رفتار سے کم نہ چلتا تھا اپنا موٹر صرف پانچ میل کی رفتار سے چلایا اور اس کی اس حرکت نے پیدل اور سوار جتنے راستہ چلنے والے تھے سب کو تھوڑی دیر کے لئے اپنی طرف متوجہ کر لیا. مگر کیا نتیجہ ہوا اس ایک موٹر کی سست چال کی وجہ سے خدا جانے کتنے حادثے ہوتے ہوتے رہ گئے. اور آخر ایک پولس والے نے موٹر کا چالان بھی کر دیا. یہ کہئے کہ قانون نے حد سے زیادہ سست چلانے والے کے لئے کوئی سزا مقرر نہیں کی تھی ورنہ جرم تو ایسا تھا کہ پولس اسے چند مہینوں کے لئے قید ہی کرا کر چھوڑتی لیکن تہذیب و اخلاق کے قوانین تو بالکل جدا ہیں وہاں اس قسم کے خطروں اور حادثوں کا تو خوف ہے نہیں اور نہ سرکاری پولس کا کوئی دخل ہے۔ ہاں اس جگہ ہم سب خود ہی پولس کا کام کرنے لگتے ہیں. عورتوں کو تو اس میں خاص ملکہ ہے وہ ایک دوسرے پر ایسی گہری نظر رکھتی ہیں اور ایسی جانچ پڑتال کرتی ہیں کہ ان کے سامنے سرکاری پولس کی کیا حقیقت لیکن اس سے بھی کیا فائدہ اچھائی اور برائی کا کوئی معیار مقرر نہیں کوئی کسی کو پکڑے تو کیا. نہ کوئی بات اچھی ہے نہ کوئی بری جس چیز کو زیادہ سے زیادہ اچھا کہیں وہی اچھی اور جو بات آج کل کی تہذیب میں شامل ہو جائے وہ قابل اعتراض نہیں جو اعتراض کرے وہ احمق ہے گویا اسے کوئی تمیز نہیں کچھ جانتا ہی نہیں. یورپ اور امریکہ وغیرہ کی عورتوں نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جنھیں وہ عورتوں کے

پاؤں کی زنجیر سمجھتی تھیں ۔ اب وہ آزاد ہیں مہذب ہیں روشن خیال ہیں ۔ ان کے یہاں رسم کی جگہ فیشن نے لے لی اور اخلاقی پابندیوں کی جگہ ان قاعدوں نے جن کو برت کر آدمی مہذب بن جاتا ہے ۔ لیکن تہذیب کا معیار کیا ہے یہ فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا ہے بس اپنی اپنی طبیعت کا رنگ دیکھ کر آدمی خود ہی اپنے لئے ایک راستہ نکال لیتا ہے اور اس کی خواہشات اور ترقی کا حوصلہ اسے جہاں چاہے پہنچا دے ۔ مہذب ملکوں میں خود حکومت کی طرف سے سینکڑوں کام عورتوں کے سپرد کر دئے گئے ہیں ۔ اگر کہیں آزادی بڑھانے کی ضرورت پڑے تو انعام مقرر کر دیا جاتا ہے ۔ لیکن دفتروں اور کارخانوں میں کام کرنا ان کے لئے لازمی کر دیا گیا ہے مگر صرف قانون کے حکم کی پابندی کی وجہ سے عورتیں سب کام نہیں کرتیں بلکہ اپنے شوق اور رائے سے اب یہ ان کی سمجھ پر منحصر ہے کہ وہ اپنے کو کس خدمت کے لائق سمجھتی ہیں ۔ دولت خوبصورتی اور ترقی کا حوصلہ چاہیے جس کو جس راہ پر لگا دے وہ اس کے لئے کھلا ہوا مانا جاتا ہے ۔

یورپ میں یہ پرانا خیال مٹایا جا چکا ہے کہ عورت و مرد کو خدا نے الگ الگ خدمتیں سپرد کر کے بھیجا ہے اس لئے موجودہ تہذیب و ترقی کے دور میں عورت کے لئے دوہری مشکلیں ہیں اس کو شادی کے لئے بھی تیار رہنا پڑتا ہے اور اس کے لئے بھی کہ ضرورت پڑے تو روٹی کی بھی محتاج نہ ہو ۔ اس کا نتیجہ جا ہے جہاں دیکھ لیجئے یہ ہوا کہ عورتیں جیسے بوکھلائی سی رہتی ہیں شادی کے بعد بھی تو چین کی زندگی نصیب نہیں ہوتی ۔ وہاں ذرا سی اَن بن میں شوہر سے طلاق لے لینا ایک نہایت معمولی سی بات ہے ۔ اس لئے جن کی شادی ہو جائے انہیں شوہر بدلنے کے لئے اور جو کسی کام میں لگی ہوں ان کو کام چھوڑ کر شادی کرنے پر ہر وقت تیار رہنا پڑتا ہے ۔ آپ دیکھئے تو اس نئی تہذیب و ترقی کے اثر سے ہمارے ملک میں بھی ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے ۔ پہلے ہر عورت کی چاہے وہ خوبصورت ہو یا بدصورت لائق ہو یا نالائق ایک ہی خواہش ہوتی تھی ۔ ایک ہی اطمینان کی صورت ۔ مگر اب انھیں بھی چین نہیں اب کوئی مقصد معین نہیں ۔ یہ منزل مقصود کا پتہ ہے ۔

بیگم محمد مجیب (دہلی)

راکھی

"بابا.... پیسہ دونا" ایک برہنہ بچے نے کہا۔

اُس کی کمر کے گرد ایک سیاہ ڈور میں دو کالے مونگے بندھے ہوئے تھے اور جسم پر میل کی تہہ جمی ہوئی تھی وہ اُس اسکول کا طالب علم معلوم ہوتا تھا۔ جہاں برہنہ رہنے کے فوائد سکھائے جاتے ہیں "دیں گے بے ٹھہر" باپ نے جھڑکی دی۔

"دونا ...."

بچے نے کہہ تو دیا لیکن وہ افسردہ ہو گیا یہ سوچ کر کہ روز یہی جواب ملتا ہے "دیں گے"۔ لیکن دینے کی مبارک گھڑی کبھی آتی ہی نہیں۔ چترو نے بچے کی بات پر دھیان نہیں دیا اُس نے حسب دستور پھٹے چیتھڑے کو سر پر باندھا دھوتی کو گھٹنوں سے اوپر اُٹھا کر کس لیا اور رکشا اُٹھانے سے قبل ہاتھ جوڑ کر گرو اور ایشور کی یاد کی۔

"یہ چترو کا مکان ہے؟" ڈاکیہ نے دریافت کیا۔

"میرا ہی نام چترو ہے!" اُس نے نرمی سے کہا۔

"اپنی چٹھی لو"

چترو نے چٹھی لی اور اپنی شریک زندگی سے مخاطب ہو کر بولا "سنتی ہو۔ دیوا کی ماں چٹھی آئی ہے"

"کہاں سے"

"پتہ نہیں"

"بھیا کی ہو گی جاؤ کسی سے پڑھا لاؤ" وہ بولی۔

پڑوس میں جو صاحب رہتے ہیں چترو اُن سے چٹھی پڑھوا لایا۔

"بھیا کی ہے"

نہیں کیسر کی ہے.... "راکھی لائیں گی تم کو رام رام لکھا ہے۔

رام رام.... وہ رنجیدگی سے بولی۔

وہ ہنسی خوشی جو بھائی کی چٹھی کے خیال سے پیدا ہوئی تھی کیسر کا نام سن کر کافور ہو گئی پھر وہ اپنے بچے سے مخاطب ہو کر بولی "کیوں روتا ہے رے بدنصیب!" اور اُس کی بانہہ پکڑ کر اپنے تاریک کمرے میں چلی گئی۔

چترو بیوی کی ناراضگی کا مطلب بھانپ گیا اُس کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ بہن کو بلا کر کیا کرے گا اور صرف بلانے سے کیا ہوتا ہے۔ آئے گی تو جاتے وقت کچھ کپڑا لتا لینا ہو گا کیسر تم سمجھ لو تمھارا کوئی بھائی ہی نہیں"

کرشنا نے دل میں سوچا میں میکے جا کے کتنی بے چین رہتی ہوں۔ کیسر بھی عورت ہے میری طرح اُس کا بھی جی چاہتا ہو گا سسرال میں میکے کی یاد آتی ہے۔۔

"تم کیسر کو لکھو کہ وہ ضرور آئے" کمرے سے نکل کر کرشنا نے کہا "تم ہو میں ہوں۔ دیوا ہے راکھی تو بندھوائیں گے"

"پر......"

"پر ور کچھ نہیں"

"کام دھندا ایسا ہی ہے مشکل سے گزر ہوتی ہے"

"میں کہتی ہوں کیسر کو بلوانا ہو گا۔ بہنیں اپنے اپنے بھائیوں کو راکھی باندھنے جائیں گی اور میری ننا۔ اپنی سسرال میں رہے ایسا نہیں ہو سکتا" وہ ایک عورت کے احساسات کا اندازہ لگا کر بولی "میرا بچہ دوسرے بچوں کے ہاتھوں میں راکھیاں

بندہی دیکھ کر رنجیدہ ہو یہ مجھ سے نہیں دیکھا جائے گا اپنی حیثیت کے موافق ہم سے جو بن سکے گا وہ نند کے آگے دھر دیں گے تو وہ انکار نہیں کرے گی۔"

لاجواب ہو کر چیترا نے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے گھونگرو اُتارے رکشا اُٹھایا اور چل دیا۔

وہ رکشا لے کر اسٹیشن پہونچا۔ گاڑی آگئی تھی اُس نے دیکھا زنانے ڈبہ میں سے کیسر اُتری اُس نے کالی اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی جس کے کنارے پر روپہلی گوٹہ ٹکا ہوا تھا ہاتھ میں میلے کپڑوں کی ایک گٹھڑی تھی۔

چیترو نے پھٹے کپڑوں کو ٹھیک کیا اور ایک عرصے بعد اپنی ماں جائی کو دیکھ کر خوشی میں آنسو بہانے لگا کیسر کی بھی آنکھیں پرنم تھیں جوش مسرت میں اُس کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا "دادا" لیکن اس لفظ کی حلاوت آخر میں کچھ چیترو کے قلب ہی نے محسوس کی۔ کیسر کے منہ سے یہ لفظ سن کر اُس کا دل گلاب کی نرم و نازک پنکھڑی کی طرح کھل گیا۔

"کیسر تمھاری بھابی راہ دیکھ رہی ہوں گی جلدی چلو"

کیسر رکشا میں بیٹھ گئی۔

وہ رکشا اُٹھا کر خوشی خوشی دوڑنے لگا آسمان پر اُودی اُودی گھٹائیں جھوم جھوم کر چھا رہی تھیں خنک ہوا کے جھونکے چل رہے تھے وہ خاموش بیٹھی دوش صبا پر سوار بادلوں کی دوڑ دیکھ رہی تھی۔

"بابا پیسہ........؟" بچے نے کہا۔

"آج تجھے دو پیسے دوں گا" بچے کا منہ چوم کر چیترو نے کہا۔

بچے کا دل خوش ہو گیا اور وہ ناچنے لگا۔ اُس مور کی طرح جو ساون کی گھٹاؤں کو دیکھ کر ناچتا ہے۔

کیسر نے مسرور و فرحاں بچے کو گود میں اُٹھا لیا۔ "بوا بابا آج دو پیسے دے گا"

"میں پہونچے پر راکھی باندھوں گی اور اپنے بابو کو مٹھائی دوں گی" کیسر بولی۔

بچے کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی اُس کا ننھا سا دل یہ سوچ نہ سکا کہ آج اس غیر معمولی التفات کی وجہ کیا ہے وہ اپنے ہم عمر لڑکوں کو دکھلائے گا کہ اُسے راکھی اور مٹھائی ملی ہے۔

چیترو رکشا اٹھا کر چلنے لگا تو کیسر بولی "دادا آج بھی رکشا چلاؤ گے۔ کم از کم تہوار کو تو چھٹی کر لی جائے ایسا بھی کیا؟"

"جانا ہے تو راکھی باندھ کر چلے جانا" کرشنا نے اپنی نند کی تائید میں کہا۔

ایک بابو سے ماہواری ٹھیری ہے ان کے بچے کو سیر کو لے جانا ہو گا...... میں تو ابھی آئے جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ جب بابو کے بچوں کو چھوڑ کر لوٹنے لگا تو راہ میں اور سواریاں مل گئیں اُس سے انکار کرتے نہ بنا محض اس خیال سے کہ بہن کو رخصت کرنا ہے کم سے کم ایک ساری اور دونوں طرف کا کرایہ دینے کے لئے روپیہ ہو جائے۔

"بھائی جلدی چلو کہیں ہمیں دیر نہ ہو جائے" سواریاں بولیں۔

"ابھی چلا بابو صاحب!" یہ کہہ کر اُس نے اپنی چال تیز کر دی لیکن وہ دل میں سوچ رہا تھا۔ آج بابو کے لڑکے سے جو قمیص مانگی ہے اُسے بہن کر دیوا کتنا خوش ہو گا اُس کی جیب میں دو پیسے ڈال دوں گا۔

"رکشا والے جلدی چلو۔ ہماری گاڑی چھوٹنے میں دس منٹ باقی ہیں"

"ابھی...... ابھی لو بابو!"

اب اُس کے پاؤں تار کول کی گرم سڑک پر چل رہے تھے ہوا بند تھی جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں چڑھائی طے کرنی تھی اس لئے جیسے ہی اُس کی رفتار سست پڑی سواریاں یک زبان ہو کر بول اُٹھیں "دیکھو جلدی چلو ورنہ گاڑی چھوٹ جائے گی صرف پانچ منٹ باقی ہیں"

"بابو چڑھائی ہے جلدی چلا نہیں جاتا" وہ ناقابل برداشت تکلیف سے گھبرا کر بولا۔

"تو کیا پیسے مفت کے لوگے" بابو لوگوں نے ترش لہجے میں کہا۔

"نہیں بابو" اُس نے عاجزی سے جواب دیا۔

آسمان سے آگ برس رہی تھی اُس کی پیٹھ اور برہنہ سر تمازت آفتاب سے تپا جا رہا تھا بھوک سے حالت غیر تھی آنکھیں خود بخود بند ہوئی جا رہی تھیں سڑک کے کنارے کے درخت موٹروں اور تانگوں کے ساتھ دوڑتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

"او بدمعاش تین منٹ باقی ہیں"

"اچھا بابو" یہ کہہ کر جیسے ہی اُس نے پوری طاقت سے رکشا کھینچی اُسے چکر آگیا وہ رکشا رکھ کر اُس کے سہارے بیٹھ گیا

"ارے چل جلدی، بس اب گاڑی چھوٹنا چاہتی ہے"

"سنگدل انسان جلدی چلنے کی ضد کر رہے تھے اُن کو اس کا احساس نہ تھا جبکہ وہ آرام سے بیٹھے تمازت آفتاب سے پریشان ہو رہے ہیں تو اُس غریب پر کیا بیت رہی ہوگی جو ان کا چار من کا بوجھ اُٹھائے بمشکل چڑھائی طے کر رہا ہے لیکن وہ پیسے دیں گے اُنہیں بُرا بھلا کہنے کا اختیار ہے۔

"کیا اب نہیں اُٹھے گا" وہ یک زبان ہو کر بولے۔

وہ اُٹھا اب اترائی تھی رکشا آگے کی طرف اُس کو ڈھکیلنے لگی اُس کے پاؤں جو تھکن سے من من بھر کے ہو گئے تھے جواب دینے لگے تاہم اُسے دوڑنا پڑا۔

"دیکھا..... اُس نے کیسا ڈھونگ رچایا تھا"

ناگہاں چنتو کو خیال آیا کہ اُسے راکھی باندھنا ہے گیارہ بج گئے ہیں کیسر راہ دیکھ رہی ہوگی دیوا پیسہ کے لئے رو رہا ہوگا اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اسٹیشن قریب تھا بھوک سے بُرا حال ہو رہا تھا سر چکرا رہا تھا ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے کہ ایک ٹھوکر لگی...... اور!

آج راکھی تھی تہوار کا دن تھا گھر گھر خوشیاں منائی جا رہی تھیں، کیسر نے بھی مٹی اور گوبر سے گھر لیپا چوکا لگایا تھا تھالی میں راکھی اور تیل میں تلا ہوا پکوان رکھا اور بھائی کا انتظار کرنے لگی کبھی باہر جا کر دیکھ آتی پھر دل میں کہتی کہ دادا اب آتے ہی ہوں گے لیکن جب چین نہ آتا تو اپنی بھاوج سے پوچھ لیتی۔

بھابی دادا نہیں آئے"

"بس اب آتے ہی ہوں گے"

"ماں، کب آئیں گے؟"

"بس اب آتے ہی ہوں گے"

"ماں...... ماں کستوری کہتی ہے تجھے پیسے نہیں ملیں گے"

"نہیں رے پاگل ضرور ملیں گے"

دیوا مطمئن ہو کر باہر کھیلنے چلا گیا تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولا "کالو نے راکھی باندھی ہے ہم بھی باندھیں گے"

"ترے بابا ابھی آئے جاتے ہیں نا بیٹا ضد کیوں کرتا ہے" ماں نے کہا۔

"بوا میں یہ راکھی باندھوں گا؟" راکھیوں کے پاس بیٹھ کر دیوا للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"یہ اچھی راکھی ترے ہی لئے ہے" کیسر بولی۔

گیارہ بجے ایک بجا چترو نہ آیا تو دیوا صبر کرتے کرتے ضد پر اُتر آیا کبیر کا دل نہ معلوم کیوں دھک دھک کر رہا تھا کرشنا اداس تھی۔

اتنے میں راما رکشا لئے آیا کرشنا نے متشکک نظروں سے دیکھا "یہ تو اُن کا رکشا ہے"

"دی دی" وہ بولا۔

کبیر اور کرشنا کے دل میں پنکھا چلا وہ اُس کی طرف دیکھنے لگیں۔ وہ بولا "اُسے ٹھوکر لگی ہے"

"پھر......؟" وہ یک زبان ہو کر بولیں۔

"وہ ہسپتال میں ہے اُسے گرمی کا چکر چڑھا ہے"۔ راما نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "ڈاکٹر کہتے ہیں وہ نہیں بچے گا"۔

عورتوں کے دلوں میں چھری سی چل گئی وہ ایک فلک شگاف چیخ مار کر رو پڑیں۔ بچہ بھی رونے لگا۔

ایک طرف تنہائی میں راکھیاں اور دوسری طرف بکوان جیون کا تینوں رکھا ہوا تھا اور غریب چترو ہسپتال کے جنرل وارڈ میں زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا.....!

کاش یہ وحشت خیز تماشہ یہ حسرت ناک منظر وہ سنگدل انسان دیکھتے!!

تقی علی ہاشمی

(ترجمہ)

محبت

"اگر دنیا سے محبت مفقود ہو جائے تو آفتاب کی کرنوں میں وہ تمازت باقی نہ رہے"۔

جس طرح آفتاب کی کرنیں خوبصورت غنچے کھلانے کے لئے ضروری ہیں اسی طرح انسان کے دل کا کنول بغیر محبت کے شگفتہ نہیں ہو سکتا"۔

"دنیا کا سب سے قیمتی موتی محبت ہے"۔

"حقیقی محبت کبھی فنا نہیں ہوتی"۔

"محبت شیریں اور لطیف خواب ہے"۔

"محبت ایک ایسا لفظ ہے جس کی تعریف ناممکن ہے"۔

"محبت مرد کے لئے زندگی ہے اور زندگی عورت کے لئے محبت"

"محبت کا ہاتھ افلاس کو شکست دیتا ہے"۔

"شاہراہ ترقی تاریک ہے جب تک شمع محبت انسان کی رہبری نہ کرے وہ اس شاہراہ پر گامزن نہیں ہو سکتا"۔

سرور جہاں رعنا بی اے

دنیا کے کاموں میں عورتوں کا حصّہ

"تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ دنیا کے اچھے کاموں کی ابتدا عورتوں ہی سے ہوئی ہے۔ لیکن انسان کے خودساختہ رواجوں کے شکنجہ میں گرفتار ہوکر وہ اپنے وراثت کے میدان سے کوسوں دور ہوچکی ہیں یہاں تک کہ خود ان کی شخصیت صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹنے والی ہے۔

اس قسم کا بیان موجودہ دور میں جو کہ عورتوں کی رہائی کا زمانہ ہے بعید از قیاس معلوم ہوگا۔ کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں قوم کی سیاسی زندگی میں بھی حصّہ لے رہی ہیں۔ اور خود ان کی زندگی میں بے انتہا پیچیدگی آگئی ہے۔

عورتوں کی آزادی دور جدید میں انسان کی زندگی کا خاصہ ہے۔ اور اُن کی آزادی بہت ضروری ہے کیونکہ وہ انسان کو زندگی کی منزل اور زندگی کے مقصد حاصل کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ انسان کے دوش بدوش زندگی کے ہر شعبہ میں چلنے اور دنیا کے کاموں کو بحسن خوبی انجام دینے کے لئے ہمت اور جرأت کی ضرورت ہو لیکن سب سے بڑی ہمت تو یہ ہے کہ عورت اپنی ہستی کو فنا ہونے سے بچالے۔

عورت جو کچھ حقوق حاصل کرچکی ہے اس کے تحفظ کے لئے اس کو پہلے ابتدائی مقصد...... یعنی اپنے بچوں کی آئندہ زندگی کا خاکہ...... قائم کرنا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کی نجات کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اس کی موجودہ حالت انسانی معیار سے بہت پست نہ رہے اور وہ اسی حالت میں رہے گی تاوقتیکہ اس کو عورتوں کی ضروریات کی ہمہ گیری کا احساس نہ ہو۔

عورتیں اپنے اُن سیاست دانوں پر نازاں ہیں جنہوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ عقل اور ہمت میں عورتیں مرد سے کسی حالت میں کم نہیں۔ لیکن شخصیت اور کیرکٹر کی پائیداری کا کیا علاج؟ عورتوں کے حقوق اور آزادی کی اشاعت اچھا کام ہے لیکن معاشیت کے حق کے سامنے یہ مسئلہ واہیات وخرافات معلوم ہوتا ہے۔ سب سے بڑا اہم سوال عورتوں کے سامنے یہ ہے کہ وہ دنیا کو نسائیت کی متفق آواز سے محرک بنادے۔ بہت دنوں تک مرد دنیا کا کام اپنے کندھے پر اُٹھائے رہے، اور بہت دنوں تک عورتیں ان کے انتظام کے برے نتائج کی شکار بنتی رہیں۔ لیکن اب وہ وقت آتا ہے کہ عورتیں نسائیت کی آواز سے دنیا کے جنگ کی ہنگامہ آرائی کو دور کریں۔ نسائیت کی آواز نہ تو مردوں کے خلاف گونجے گی، اور نہ تحکم آمیز ہوگی، بلکہ یہ ایک تجویز کی شکل اختیار کرے گی اور ببانگ دہل دنیا والوں سے کہیں گی یہ عورتیں آئے دن کی برائی، عالمگیر جنگوں اور اسی خدمت سے جس میں کہ ان کو اپنے بچوں کی پرورش کرنی ہوتی ہے تنگ آگئی ہیں"

عورتوں کے سامنے اپنی جنسی تحفظ کا مسئلہ درپیش ہے۔ لیکن جب تک کہ مردوں کے اُس خبط کو جو کہ دنیا کے چند فرقوں پر طاقت حاصل کرنے کے لئے حاوی ہے دور نہ کیا جائے اور دنیا کو امن اور چین کی جگہ نہ بنا دی جائے تاکہ عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ اوسط درجے کی بھی زندگی گزار سکیں، عورتوں کی کل بغاوت بے سود ثابت ہوگی۔ اس ضمن میں عملی اشاعت کا حل یہ ہے کہ عورتوں کی متفرق جماعتیں عالمگیر اتفاق عمل حاصل کرلیں۔ ہم لوگوں کے سامنے نئے دور کا آغاز اُس روز ہوگا جب کہ عورتیں قوم اور رنگ کے اختلافات کو دور کرکے باہم دنیا کو لڑائی کے شکنجے سے بچالیں اور امن وچین کا ہدیہ پیش کریں۔ اس وقت وہ بھولا ہوا پیغام جن کے تحفظ کے لئے عورتیں پیدا کی گئی تھیں دنیا کے سامنے نظر آئے گا۔ امن وچین کی منزل حاصل کرنے کے لئے بہت سی دشواریاں پیدا ہوں گی۔ کیونکہ نظر کو ایک خاص مرکز پر قائم رکھنا ہوگا۔ تاکہ راستہ کی ترغیبوں کے دام میں پھنس کر ابتدائی مقصد کو بالائے طاق نہ ڈال دیں۔ حقیقی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ تنگ نظری، دنیاوی بندش، تعصب، رنگ، اور فرقہ کی قید کا قلع قمع کر دیا جائے اور یہ احساس ہو کہ دنیا کی کل عورتیں ایک مشترکہ مصیبت کو رفع کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔

آج کی دنیا میں عورتوں کا بہت بڑا حق یعنی حق مادری کا مقصد فوت ہو رہا ہے اس کی زندہ جاوید مثال جرمنی ہے جہاں کی عورتیں بچہ پیدا کرنے پر مجبور کی جاتی ہیں۔ جرمنی کی عورتوں کو بھی اس کا احساس ہونا چاہئے کہ وہاں کے آمر کی توپ کی غذا بہم پہونچانے سے ان کے فطرتی جذبۂ مادریت کی پائمالی ہو رہی ہے اس قسم کے بیجا تصرف اور پائمالی برداشت کرنے کے لئے عورتیں کہاں تک تیار ہوسکتی ہیں۔ اس کے اثرات صرف ذاتی نہیں بلکہ اشتراکی اور عالمگیر ہیں۔

دنیا کی فضا تو عورتوں کی اُس آواز سے گونجتی ہے «کیا اس بیجا تصرف کے لئے ہم لوگ بچوں کو پیدا کرتے ہیں؟» اگر جرمنی کی عورتیں اس استدعا کو سننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو کم از کم اُن کو اُن نالوں اور آہ وزاری سے بھی تو متاثر ہونا چاہئے جو کہ چین، اندلس، حبش، اور زیکوسلوویکیا سے آ رہی ہے۔ آج دنیا کی ساری عورتیں اُن معصوم بچوں کے قتل کے ظالمانہ منظر کو دیکھ کر متحیر ہیں۔ لیکن آخر کیوں وہ اس شقاوت کو دیکھتے ہوئے کنارہ کش ہیں؟ کہاں گئی ان کی وہ ہمدردی جس پر وہ ناز کرتی تھیں۔

شہر بانو

خواتین الہ آباد کی عمرانی حالت

الہ آباد میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے لوگ کثیر تعداد میں آباد ہیں جن کا طرز معاشرت ایک دوسرے سے بہت کچھ جداگانہ ہے۔ الہ آباد شہنشاہ اکبر کا آباد کیا ہوا مشہور تاریخی شہر ہے۔ یوں تو ہر زمانہ میں اپنی شخصیت اور نوعیت کے اعتبار سے یہ شہر ممتاز رہا ہے مگر برطانیہ کے راج میں ہائی کورٹ یونیورسٹی اور بڑے بڑے دفاتر نے تو گویا اس کی شان ہی دوبالا کر دی ہے۔ یہاں کی آبادی بہت گھنی ہے۔ زبان یہاں کی دو قسم کی ہے۔ نیچ قوم اور دیہاتی لوگ (جو آس پاس سے آکر مستقل طور پر یہاں بود و باش اختیار کر چکے ہیں) پوربی بولتے ہیں باقی سب لوگ شائستہ اردو بولتے ہیں

غذا معمولی لوگوں میں صبح کے وقت ارہر کی دال خشکہ ترکاری روٹی اور شام کو بکری کا گوشت روٹی ناشتہ بازار کا حلوا پوری جلیبی اور کبھی شام کے بچے ہوئے کھانے سے ناشتہ ہو جاتا ہے۔ جاڑے میں صبح کو چائے گرمی میں شربت تلخا دیے ہوئے مرمرے کا شربت پیا جاتا ہے۔ امیروں کے ہاں کئی کئی رنگ کے کھانے صبح و شام دسترخوان پر ہوتے ہیں ناشتہ میں بھی دو انڈا مکھن کیک اور مٹھائی پھل ہوتے ہیں اور پھل تو ویسے بھی الہ آباد میں کثرت سے کھائے جاتے ہیں۔ یہاں کے ادنیٰ مزدوری پیشہ لوگ تک دو چار پیسے کے پھل ضرور کھا لیتے ہیں اور خربوزہ کی فصل میں تو صرف اسی پر قناعت کرتے ہیں۔ بکری کا گوشت یہاں کی عام غذا ہے گائے کا گوشت ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں کھایا جاتا ہے۔ مرغ مچھلی انڈا بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ بازار سے کھانا منگوانا برا سمجھا جاتا ہے مگر ناشتہ اور خصوصاً مہمان کے لئے بازار سے منگانا عام ہے۔ مٹھائیاں اور نمکین چیزیں یہاں بازار میں بہت عمدہ ملتی ہیں۔ رمضان شریف میں بازار کی افطاری ضرور منگائی جاتی ہے۔ چھوٹے بچوں کو بہت جلد کھانے پر ڈال دیتے ہیں جس سے ان کی صحت اچھی نہیں رہتی پہلے بچوں کو مائیں اپنا دودھ پلاتی تھیں لیکن اب روز بروز گائے یا ڈبہ کا دودھ شیشی اور لٹیا سے پلانے لگی ہیں جس کی صفائی میں بھی اکثر بے توجہی برتی جاتی ہے پان کثرت سے کھاتی ہیں۔

لباس عورتیں ساری یا بڑے پائنچے بعض غرارہ پہنتی ہیں۔ زیادہ عمر والیاں کرتہ اور نوعمر قمیص بلاوز لڑکیاں غرارہ اور جمپر بعض شلواریں پہننے لگی ہیں۔ لباس گھر میں خواہ معمولی پہنیں مگر باہر جاتے وقت متوسط الحال بیبیاں بھی عمدہ اور نفیس استعمال کرتی ہیں سلیپر اور جوتہ کی جگہ اب روز بروز سینڈل اور چپل لے رہی ہے۔ نیچ قوموں میں چھڑی دار پاجامہ ساری اور کرتی پیر میں سلیپر یا جوتی پہنتی ہیں۔

پٹری۔ پہنچی۔ گلوبند۔ بچلڑی۔ جگنو کرن پھول جھمکے۔ اتراج مچھلی۔ چھاگل۔ پازیب جھومر۔ ٹیکا سب ہی کچھ شوق سے پہنا جاتا ہے نتھ صرف شادی کے وقت پہنائی جاتی ہے فیشن ایبل زیوروں میں نکلس۔ لاکٹ۔ ایرن۔ وست بند، چوڑی رائج ہے۔

تعلیم تعلیمی لحاظ سے الہ آباد اپنی حیثیت سے بہت پیچھے ہے یہاں کے تعلیم یافتہ اصحاب بھی لڑکیوں کا اسکول بھیجنا معیوب خیال کرتے اور صرف گھریلو تعلیم پر اکتفا کرتے ہیں تاہم خواتین میں کچھ کچھ بیداری ہو چلی ہے اور وہ اپنی لڑکیوں کو اسکول بھیجنے لگی ہیں بعض پرائیوٹ امتحان بھی دلا دیتی ہیں جس کی وجہ سے چند لڑکیاں انٹرنس۔ ایف اے اور دو ایک گریجویٹ بھی ہو گئی ہیں مگر پھر بھی کوئی مسلم گرلز ہائی اسکول اس وقت تک قائم نہیں بہت عرصہ ہوا جب مولوی کرامت حسین صاحب نے ایک اسکول مسلمان لڑکیوں کے لئے کھولا تھا جو مسلمانوں کی شدید مخالفت کے باعث مرحوم کو لکھنؤ منتقل کرنا پڑا اور وہاں اس پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا چنانچہ اب وہ ایک انٹرمیڈیٹ کالج کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی اسکول کالج ہندوؤں کے ہیں جہاں عام مسلمان لڑکیوں کے لئے سخت دشواریاں ہیں مسلمان لڑکیوں کا ایک ادھ پرائمری اسکول کے علاوہ ایک حمیدیہ گرلز اسکول ایسا ہے جہاں وہ باقاعدہ ساتویں کلاس تک تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔ خدا ہمارے مقامی بھائیوں کو جلد یہ توفیق دے کہ وہ اس اسکول کو انٹرمیڈیٹ یا ہائی کر کے الہ آباد کی لڑکیوں پر احسان عظیم کریں۔

مذہب کا خیال عورت مرد میں یکساں ہے نماز روزہ کے سب عادی ہیں یہاں تک کہ جہلا بھی رمضان میں نماز روزہ فرض سمجھتے ہیں تعزیہ واری مجلس ماتم شیعوں میں کثرت سے اور سنیوں میں بھی محرم عقیدت اور دل سے کرتے ہیں جا بجا سبیلیں اور لنگر ہوتا ہے۔ ساتویں کو سنیوں کے یہاں جلوس اور شیعوں کے یہاں ذوالجناح نکلتا ہے جو تمام دن گشت کرتا ہے چہلم کو بھی بہت شان سے سیاہ لباس میں شیعوں کا جلوس نکلتا ہے۔ شب برات۔ بقرعید، عید، بہت احترام سے منائی جاتی ہے عرس بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں جس میں جاہل طبقہ کے علاوہ معزز اور تعلیم یافتہ خواتین بھی اعتقاد سے جاتی ہیں بعض ہندوانی تہوار مثلاً ڈھنڈیا دیوالی بھی منائے جاتے ہیں۔ رمضان میں مساجد میں افطاری بھیجی جاتی ہے اور عورتیں تراویح بھی پڑھتی ہیں۔ حج کربلائے معلّے کاظمین۔ نجف اشرف، شیعہ خواتین اور سنی اجمیر شریف درگاہ نظام الدین اولیاً جانا سعادت سمجھتی اور جاتی ہیں۔

پیشہ غریب عورتیں ماماگیری کرتی بیڑی بناتی اور دوکانداری کرتی ہیں زیادہ تر بیل فیتہ کیڑا رنگ بسکٹ کباب مٹھائی دہی بڑے بیچتی ہیں۔ شریف عورتیں معلمی یا سلائی کرتی ہیں کم پڑھی ہوئی خواتین بنگالی ٹریننگ کالج سے سلائی کی ٹریننگ پاس کر کے نوکر ہو گئیں ہیں بعض لڑکیاں قانون اور ڈاکٹری پڑھنے کا بھی ارادہ رکھتی ہیں۔ مگر ابھی تک ان کا فقدان ہی ہے

عورتوں کی آزادی اور حقوق دیہاتی خاندانوں میں لڑکیوں کو ترکہ نہیں ملتا تھا مگر اب عدالت کے ذریعہ لڑکیاں لینے لگی ہیں باقی شہری خاندانوں میں شرع کے موافق عمل درآمد ہوتا ہے۔ پردہ کی سختی سے

پابندی ہے۔ اور جن گھرانوں سے پردہ اُٹھ گیا ہے ظاہر ہے وہ بھی کرتی ہیں کھیل تماشہ سنیما وغیرہ بھی پرانی روشنی کے خاندانوں میں برا سمجھا جاتا ہے کنواری لڑکیوں کا تعزیت میں جانا معیوب ہے لیکن ویسے لڑکیوں پر زیادہ پابندیاں نہیں بلکہ اب تو روز بروز آزاد ہوتی جا رہی ہیں شادیاں بھی لڑکیوں کی کمسنی میں نہیں ہوتیں اور شادی سے پہلے سسرال والوں سے پردہ بھی اُٹھتا جاتا ہے بلکہ عزیزداری میں تو لڑکے سے بھی نہیں کراتے۔ مہر ہر گھر میں خاندانی یا شرعی باندھا جاتا ہے بعض عورتیں تقریریں مضمون نگاری۔ شاعری اور افسانہ نگاری بھی کرنے لگی ہیں۔ بیوہ کا نکاح شرفا میں سخت معیوب خیال کیا جاتا ہے۔

رسوم۔ شادی بیاہ بچہ کی پیدائش وغیرہ پر خرچ اپنی اپنی حیثیت کے موافق ہوتا ہے لڑکے کی زیادہ خوشی اور ہر چیز کا خرچ دوگنا ہے شادی کے علاوہ چھوٹی چھوٹی تقریبیں ختنہ عقیقہ بسم اللہ وغیرہ اپنی طبیعت اور حیثیت پر منحصر ہے۔ فی زمانہ ان کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے۔ باجا معمولی تقریبوں میں بھی بہت ضروری ہے۔ شادی میں پیغام لڑکے والوں کی طرف سے جاتا ہے رشتہ منظور ہونے پر منگنی کی رسم ادا ہو کر کنبہ میں مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ شادی کے متعلق رسمیں سات آٹھ روز پیشتر ہی شروع ہو جاتی ہیں اور کئی کئی دن بعد تک رہتی ہیں۔ مثلاً مہندی۔ مانجھا لگن رت جگا چوتھی چالہ وغیرہ بارات کے روز دولھا کے گھر مہمان جمع ہو کر دعوت ہوتی ہے اس کے بعد بارات آتشبازی باجہ وغیرہ کے ساتھ نہایت اہتمام سے دولہن کے گھر تین چار بجے رات کو جاتی ہے دولھا کے گھوڑے سے اترتے وقت دولھا دلہن کے بھائی دونوں کوشش کرتے ہیں گھوڑے پر سوار ہونے کی اور جو کامیاب ہوتا ہے دولھا کے باپ سے نیگ وصول کرتا ہے اسی وقت نکاح ہو کر شکر لوٹائی جاتی ہے۔ صبح کو ناشتہ کے بعد دولھا کو گھر میں بلا کر بہت سی رسمیں کراتے ہیں جن سے بچارہ پریشان ہو جاتا ہے۔ مثلاً روٹی میں دہا گا پروانا کپڑوں میں سوئی لگوانا۔ صندل پسانا اس کے علاوہ سالیاں اور بہت سے مذاق کرتی ہیں جوتی چرانے کی رسم بھی ہوتی ہے۔ دولہن کی سہیلیاں بھاوجیں دولہن کو کپڑے زیور پھولوں سے سجا کر آرسی مصحف کرواتی ہیں اور بارات کو کھانا کھلا کر جہیز دکھایا جاتا ہے رخصتی کے وقت دلہن کے عزیز اس سے مل کر رونے لگتے ہیں۔ دولہا دولہن کو گود میں لے کر پالکی میں بٹھاتا ہے اور بارات چکر کاٹتی ہوئی دولھا کے گھر واپس آتی ہے۔ راستہ میں پالکی پر سے روپیہ پیسہ نچھاور کرتے ہیں دولہن کو پالکی سے اُتارتے وقت بہنیں رستہ روک کر اپنا نیگ لیتی ہیں۔ اور کھیر چٹائی وغیرہ کی رسمیں ہوتی ہیں دوسرے دن دولہن کا بھائی مٹھائی لے کر بہن کو لینے آتا ہے۔ دولہن کے ساتھ جو نائن یا ماما آتی ہے اُس کو دولہا کے گھر سے روپیہ اور کپڑے دیئے جاتے ہیں شام کو دولھا کے گھر سے مٹھائی اور پھل چوتھی کھیلنے کے لئے لے کر لوگ دولہن کے یہاں جاتے ہیں۔ بعد شادی اعزا اور احباب کے یہاں دولھا دولہن کی دعوتیں ہوتی ہیں بارات چوتھی کا جوڑا دولہا کا دولہن کے دولہن کا دولہا کے گھر سے آتا ہے بعض خاندانوں میں زیور بری میں نہیں چڑھاتے بلکہ مونھ دیکھ کر پہناتے ہیں۔ لڑکے کی شادی میں ان کے ماں باپ کو دولھا کے نانا ماموں چکٹ یعنی کپڑے پہناتے ہیں شادی اور ختنہ وغیرہ کے موقع پر بہن یا دولھا کی پھوپی مہندی لاتی ہے اور بعد شادی کے اس کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کرتے ہیں یہی دین ہر تقریب میں ہوتا ہے۔

عیادت اور تعزیت کو جانا بہت ضروری ہے۔ متوفی کے گھر تین روز کھانا عزیزوں کے گھر سے جاتا ہے تیجہ دوسرے تیسرے

روز ہوتا ہے۔ تیجہ چالیسویں کو کھانا برادری کا بہت ضروری ہے۔ متوفی کے نام کے کپڑے برتن جائے نماز قرآن مجید غربا میں تقسیم ہوتے ہیں شیعوں میں مجلس اور سنیوں میں میلاد چالیسویں کے موقع پر ضرور ہوتا ہے تیجہ چالیسویں میں اور تقریبوں کی طرح نوبل پھرتی ہے سواری کا کرایہ بھی تیجہ چالیسویں میں میزبان کے گھر سے دیا جاتا ہے موت کے بعد پہلی شبرات میں عرفہ ہوتا ہے جس میں شیرمال اور حلوے کا حصہ تقسیم ہوتا ہے۔

متفرق باتیں یہاں کی خواتین بہت ہی خوش خلق۔ ملنسار اور مہمان نواز ہوتی ہیں۔ مہمان کو بغیر ناشتہ یا کھانے کے رخصت نہیں کرتیں۔ دوستی اور ملاقات کے مراسم بعض اوقات عزیزداری سے بڑھ جاتے ہیں کسی کے گھر جاتے وقت مٹھائی یا پھل بچوں کے لئے لے کر جانا ضرور ہے۔ لڑکیوں کو دستکاری اور خانہ داری کی تعلیم بچپن ہی سے دی جاتی ہے جس کی وجہ سے عام طور پر لڑکیاں سلیقہ مند اور دستکار ہوتی ہیں اور گھر کا زیادہ دار ومدار ان ہی کے سر ہوتا ہے لڑکے لڑکی کی پرورش میں لڑکے کو لڑکی پر فوقیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ باپ تو زیادہ تر بیٹیوں سے ہی سے محبت کرتے ہیں۔ علاج انگریزی اور یونانی دونوں ہیں۔ اپریشن اور انجکشن سے گھبراتی ہیں۔ دیگر اخراجات میں کمی کرکے مذہبی کاموں اور لڑکوں کی تعلیم پر زیادہ پیسہ صرف ہوتا ہے۔ خاندانی جھگڑے کثرت سے ہیں۔ لڑکی کے مرجانے پر اس کی جو سوت بیاہ کر آتی ہے مثل لڑکی کے سمجھی جاتی ہے اور دیتے لیتے ہیں۔ اور وہ بھی لڑکی کہلاتی ہے۔ بیماری وغیرہ کے موقعوں پر منتیں مانتیں ہیں اور اچھے ہونے پر لوگوں کے گھر سے مٹھائی اور باجہ کے ساتھ صدقہ آتا ہے حصہ ملنے والیوں کو برابر بھیجتی ہیں۔ پردیسی مہمانوں کے ساتھ ناشتہ اور امام ضامن بہت ضروری ہے۔ بہو بیٹیوں کے ساتھ اتنا ناشتہ کیا جاتا ہے کہ کنبہ میں تقسیم ہوسکے۔ بچوں کی تربیت میں بہت لاپرواہی برتتی ہیں۔ کپڑا گھر ہی میں زیادہ تر سلتا ہے۔ نوکروں کے سامنے آنے کا رواج بھی ہو چلا ہے۔ بعض خواتین سیاحت کا بھی شوق رکھتی ہیں۔ لڑکیاں بغیر کسی بزرگ کے تنہا کہیں نہیں جاتیں۔

سردار محمد حسین الہ آباد

(بقیہ از صفحہ ۳۴۸)

کہ برسوں کتاب کھولنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ان کی زندگی کا سہارا یا ماحصل جو چاہے کہ لیجئے پارٹیز یا جلسے ہیں اور یہ دوسروں کو بھی مجبور کرتی ہیں خواہ ان میں اسی دلچسپی کے ساتھ شرکت کریں انکار کرنے والوں کو بد دماغ یا بے وقوف سمجھا جاتا ہے پارٹیوں کا مرض بڑھتا جاتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی عورتوں کی ایک کثیر تعداد ابھی تک اس سے بہت کچھ محفوظ ہے اور میرا مقصد یہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ میل جول اور پارٹیوں کی شرکت کی لت نہ لگائیں۔ اور اپنے حلقہ میں اس وبا کو پھیلنے سے بچائیں۔ ورنہ زندگی مشکل ہو جائے گی۔

شائستہ اختر سہروردیہ (بی اے آنرس)

جنگ میں استعمال ہونے والی گیسیں

جنگ کے موقع پر جو گیسیں استعمال کی جاتی ہیں ان کے متعلق عوام کی معلومات بہت محدود ہیں خصوصیت سے عورتوں کو تو اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم کہ جنگ میں استعمال ہونے والی گیسیں زہریلی اور مہلک ہوتی ہیں۔ یہ گیسیں کس قسم کی ہوتی ہیں اور ان کے اثرات کیا ہیں اس کا انہیں بالکل علم نہیں۔ اس پر ایک انگریزی رسالہ نے نہایت بسیط مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جس کا اقتباس عصمتی بہنوں کی معلومات اور دلچسپی کے لئے ہدیۂ ناظرین کرتی ہوں۔ اپریل ۱۹۱۵ء میں جرمنوں نے سب سے پہلے کلورین گیس استعمال کی تھی یہ گیس جب چھوڑی جاتی تھی تو ہوا میں منتشر ہو کر سطح زمین سے کچھ اوپر دھندلے سبزی مائل بادل کی شکل میں چھا جاتی تھی۔ ۱۹۱۷ء سے مسٹرڈ گیس سے کام لیا جانے لگا۔ یہ زرد گیس کے نام سے موسوم تھی۔ جنگ عظیم میں ان دونوں گیسوں کی وجہ سے بیحد جانیں ضائع ہوئیں۔ کیونکہ ان دنوں ایک تو یہ گیسیں نئی ایجاد ہوئیں اور پہلے پہلے استعمال کی گئیں تھیں اور دوسرا سوائے ان قدیم آلات تنفس کے جو ۱۹۱۷ء میں ایجاد ہوئے تھے ان گیسوں کے مضر اثرات کے سدباب کی کوئی تدبیر معلوم نہ تھی۔ بعد میں جوں جوں سائنس میں ترقی ہوتی گئی تو گیس کی ہلاکت خیزی کے تدارک اور انسدادی تدابیر کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے پیش نظر طرز جدید پر گیس پروف اور گیس پوش نقاب وغیرہ ایجاد کی گئیں جو ننانوے فی صدی کامیاب ثابت ہوئیں۔

جنگی گیسوں کی قسمیں جنگ میں استعمال ہونے والی گیس عموماً دو قسم کی ہوتی ہیں۔ (۱) تغیر پذیر (۲) دائم الخواص۔

(۱) تغیر پذیر گیس: جب یہ گیس خارج ہوتی ہیں تو فوراً ہوا میں پھیل جاتی ہیں۔ اور کچھ وقفہ کے بعد اپنا اثر کھو بیٹھتی ہیں۔ اور اس وقفہ کی طوالت کا انحصار موسمی حالات اور سطح زمین کی نوعیت پر ہوتا ہے (۲) دائم الخواص گیس۔ یہ عموماً سیال ہوتی ہیں اور اس حصہ زمین کو جہاں یہ انڈیل دی جاتی ہیں مسموم کر دیتی ہیں اور اس کے بعد کئی گھنٹوں بلکہ بعض صورتوں میں کئی دن تک بخارات بن بن کر اڑتی اور ہوا کو مسموم کرتی رہتی ہیں۔ یہ گیس ان کی تاثیروں اور افعال کے بلحاظ اس طرح منقسم کی گئیں ہیں۔ (الف) آنکھوں میں سوزش پیدا کرنے والی یا آنسو لانے والی گیس (ب) ناک میں سوزش پیدا کرنے والی گیس (ج) پھیپھڑوں میں خراش پیدا کرنے والی یا دم گھٹانے والی گیس۔ (د) جسم پر آبلہ ڈالنے والی گیس۔

(الف) آنکھوں میں سوزش پیدا کرنے والی یا آنسو لانے والی گیسوں میں۔ کلورسیٹوفینس (سی۔ اے۔ پی۔) ایتھل آیوڈو ایسیٹیٹ (کے۔ ایس۔ کے) برومو بنزل سائینڈ (بی بی سی) قابل ذکر ہیں۔ ان گیسوں کی تاثیر سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ جاتی ہے۔ اور آنکھوں میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ عام طور پر یہ گیس بلوائیوں کو منتشر کرنے کے لئے پولیس استعمال کرتی ہے

اس گیس کا اثر فوری مگر عارضی ہوتا ہے۔ اور گیس آلود فضا سے دور ہوجانے پر اس کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔ (ب) ناک میں سوزش پیدا کرنے والی گیس:۔ یہ سنکھیا سے مرکب ہوتی ہیں اور ڈی ۔ اے ۔ ڈی ۔ ایم ۔ ڈی سی کہلاتی ہیں۔ ان کے کیمیائی نام یہ ہیں۔ ڈیفنل آمنوسائن آرسن۔ ڈیفنل آمنو کلورارسن۔ ان گیسوں کا ناک پر خاص اثر ہوتا ہے۔ اگر یہ گیس زیادہ مقدار میں ہوں یا زیادہ دیر تک اس گیس کے زیر اثر رہیں تو اس سے ناک حلق اور سینہ میں سوزش اور جلن پیدا ہوجاتی ہے۔ ان گیسوں سے پاک اور غیر متاثر فضا میں چلے جانے سے اس کے اثرات زائل ہوجاتے ہیں مگر اس سے کچھ دیر تک دماغ پر افسردگی سی طاری رہتی ہے۔ ان گیسوں اور ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے گیس نقابیں ایجاد کی گئیں جو ان کے مضر اثرات کی مدافعت کے لئے ننانوے فی صدی مفید ثابت ہوئیں (ج) پھیپھڑوں پر اثر ڈالنے والی یا دم گھٹانے والی گیس۔ پھیپھڑوں پر اثر ڈالنے والی گیس بڑی مہلک اور جان لیوا ہوتی ہیں۔ ابتداءً ان سے آنکھوں ناک اور حلق میں خراش اور جلن پیدا ہوتی ہے۔ پھر آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگتے ہیں۔ لیکن ان گیسوں کا خاص اثر ہوا کی نالی اور پھیپھڑوں پر ہوتا ہے۔ جو بیحد نقصان پہنچاتی ہیں اور اگر فوری حفاظتی تدابیر اختیار نہ کی گئیں تو مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ اس قسم کی گیسوں میں بعض اہم حسب ذیل ہیں۔ فاسجن (سی جی) جس کا کیمیائی نام۔ ڈائی کلور کاربونل ہے۔ کلورین جو سب سے پہلے اپریل ۱۹۱۵ء میں گیس کے ہوائی حملہ میں استعمال کی گئی اور ڈائی فاسجن اکثر فرانسیسی اور جرمن استعمال کرتے رہے کلوروپکرن (پی سی) جسے قے آور گیس بھی کہتے ہیں۔ ٹرائی کلورنائیڈ میتھین جو خاصیت میں کلورین سے ملتی جلتی ہے۔

فاسجن اور ڈائی فاسجن۔ نامی گیسوں کا اثر پھیپھڑوں پر ذرا دیر سے ہوتا ہے۔ اس کی خاصیت معالجہ کے نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ پھیپھڑوں پر اثر کرنے والی گیسوں بالخصوص فاسجن سے متاثر ہونے ہونے پر حسب ذیل امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔ (۱) نسبتاً معمولی یا زیادہ مگر دائمی طور پر (۲) محدود یا عام قسم کا جس کا انحصار گیس سے پیدا ہونے والی امراض پیچیدگیوں پر ہوتا ہے۔ (۳) نرخرے کی نالیوں کا ورم وغیرہ بشرطیکہ اس گیس سے تنفس کے بالائی اعضا متاثر ہوئے ہوں۔ (د) جسم پھلانے اور آبلے ڈالنے والی گیس۔ اس قسم کی دو گیس ہیں یعنے مسٹرڈ گیس اور لیوسائٹ مسٹرڈ گیس (ایچ یس) جو کیمیائی حیثیت سے ڈائی کلور ایتھل سلفائیڈ۔ سی۔ ایچ۔ سی۔ ایل۔ سی۔ ایچ ۲۔ ایس ۲ کہلاتی ہیں یہ وزنی روغن نما سیال شئے ہے۔ جو خالص ہو تو شفاف اور غیر خالص ہو تو دھندلی ہوتی ہے۔ اس کی بُو خفیف لہسن کی بُو سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اسے پہلے پہل جولائی ۱۹۱۷ء میں استعمال کیا گیا اور اس کے بعد جن حملوں میں گیس استعمال کی گئی ان میں اس گیس کا بہت حصہ رہا۔ یہ گیس جنگ کے خاتمہ تک مفرد یا مرکب و آمیختہ صورتوں میں مستعمل ہوتی رہی۔ یہ سب سے زیادہ پُرتاثیر گیس ثابت ہوئی اور اس نے اس سے پیشتر استعمال شدہ تمام گیسوں کی جگہ لے لی۔ فاسجن گیس کی طرح مسٹرڈ گیس کا اثر کسی خاص عضو پر نہیں ہوتا۔ لیکن وہ سیال شکل میں ہو یا بخارات کی صورت میں جس حصہ جسم سے لگتی ہے اسے متاثر کردیتی ہے، وہ چربی اور تیلوں میں آسانی کے ساتھ حل ہوسکتی ہے اور اپنی اس آسان تحلیل کی وجہ سے جسم کے اندرونی حصوں

میں بہت جلد جذب ہوکر فوری اثر دکھاتی ہے جس طرح جاذب سیاہی کو خشک کرکے اپنے اندر جذب کرلیتا ہے اسی طرح جلد بھی اس گیس کو جذب کرلیتی ہے۔ چونکہ اس گیس کا اثر ذرا دیر سے ہوتا ہے اس لئے جسم پر اس کے اثرات ظاہر ہونے میں چند گھنٹے لگتے ہیں اگر پیشتر سے اس کی احتیاطی تدابیر پر عمل نہ کیا جائے اور گیس پوش نقابوں کا استعمال نہ کیا جائے تو اس سے آنکھیں اور اعضائے تنفس سب کے سب متاثر ہوکر آبلہ دار ہوجاتے ہیں جسم پھول جاتا ہے جلد پر آبلے پڑکر بدن میں سوزش پیدا ہوجاتی ہے۔

فاسجن اور مسٹرڈ گیس میں اس بات کا فرق ہوتا ہے کہ فاسجن اعضائے تنفس پر اس کے زیریں حصوں کو متاثر کرتی ہوئی اُوپر صعود کرتی اور بالائی حصوں کو مجروح کرتی ہے۔ مگر مسٹرڈ بالائی حصوں کو مجروح کرتی ہوئی زیریں حصوں پر اثر کرتی ہے۔ جب یہ گیس پھیپھڑوں کو متاثر کردیتی ہے تو اس سے نمونیہ ہوجاتا ہے جو مفسد خون کا باعث ہوتا ہے۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ جسم کو سڑانے اور اس میں نقص پیدا کرنے کے علاوہ مسٹرڈ گیس یا اس کے مُرکبات نظام جسمانی پر کسی اور طرح کا اثر ڈالتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعضائے تنفس کے علاوہ دیگر اعضا و نظام جسمانی گیس سے متاثر نہیں ہوتے۔ مگر اعضا شکم پر اس کا اتنا اثر ضرور ہوتا ہے جس سے بواسیری علامات پیدا ہوجاتی ہیں۔ (د) لیوسائیڈ ایک بے رنگ سیّال نما گیس ہے جس کا اثر پانی کی موجودگی میں فوراً زائل ہوجاتا ہے۔ اس کے اثرات وخواص تقریباً مسٹرڈ گیس کے مشابہ ہیں۔ گذشتہ جنگ عظیم میں اس گیس کا استعمال نہ ہوا تھا۔ اور ممکن ہے کہ موجودہ جنگ میں اس حربہ کو استعمال کیا جائے۔ اس گیس میں سنکھیا کے اجزا پائے جاتے ہیں۔ اور یہ ایک حد تک مسٹرڈ گیس سے اس کے اثرات مختلف ہیں۔ بہ عام طور پر اس کا اثر مسٹرڈ گیس سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ عموماً ان گیسوں کا اثر اعضا تنفس اور آنکھ جلد قلب اور اعصاب پر ہوتا ہے اور مختلف گیسیں اپنا اثر جُدا جُدا رکھتی ہیں۔ عام طور پر جب فضا میں گیس چھوڑی جاتی ہے تو ان کا پتہ اس غبار سے جوکہ بم کے پھٹنے پر نمایاں ہوتا ہے لگ جاتا ہے۔ علاوہ اسکے کسی مخصوص بُو یا اس کے کسی خاص فعل وعمل جیسے عینی یا جلدی سوزش وغیرہ سے بھی گیس کے حملہ کا پتہ چل جاتا ہے مگر ان تمام میں مہلک مسٹرڈ گیس ہے جس کا پتہ لگانا دشوار ہے۔ لیکن اب ایک کیمیائی مرکب ایسا معلوم ہوچکا ہے جو تمام آبلہ انگیز گیسوں سے متاثر ہوتا ہے اور خصوصیت سے مسٹرڈ گیس کی موجودگی میں اس مرکب کا رنگ زرد سے سرخ میں تبدیل ہوجاتا ہے اور اب اس مرکب کے ذریعہ سے اس گیس کا بہ آسانی پتہ چل جاتا ہے۔ اسی کے پیش نظر جنگ کے موقع پر اس مرکب کو کسی نمایاں جگہ پر پینٹ کردیا جاتا ہے جہاں اس گیس کے چھوڑے جانے کا خطرہ ہو اور جب اس گیس کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہ حصّہ جہاں پر مرکب لگا ہوتا ہے سرخ ہوجاتا ہے جس سے یہ معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ کس قسم کی گیس استعمال کی گئی ہے۔ تاکہ بروقت فوری مدافعانہ تدابیر بروئے کار لائی جاسکے۔ سائنس کی یہ تحقیق ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جو اسی خطرناک گیس کی ہلاکت آفرینی سے ابنائے آدم کی حفاظت کے لئے ایجاد کی گئی۔ (ترجمہ)

ب۔ ن۔ آنسہ ابراہیم (مدراس)

حد سے زیادہ میل جول

(از محترمہ شائستہ اختر بانو سہروردیہ۔ بی اے۔ آنرس)

اس میں شک نہیں کہ ملنا ملانا، معلومات بڑھانے علم مجلس سیکھنے اور بے جا جھجک اور رُکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ضروری ہو لیکن آئے دن گشت لگاتے رہنا اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع کرنا ہے۔ اب چونکہ آنے جانے میں کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں عورتیں یہی کر رہی ہیں اور اس کو تہذیب میں داخل خیال کرتی ہیں۔ پارٹیوں اور جلسوں میں جانے کا تار نہ ٹوٹے۔ ان خواتین کے لئے وہ ہفتہ بہت مشکل سے گزرتا ہو جس میں کہ دو ایک بار کوئی نہ کوئی بہانہ باہر جانے کا نہ ہو۔ وہ بار بار یہ کہتی ہیں کہ دل بہت گھبراتا ہے بہت روز سے کہیں آنا جانا نہیں ہوا۔ میرا بے ساختہ انہیں وہ جواب دینے کو دل چاہتا ہو جو خیر النسا نے حسن آرا کو دیا تھا کہ "ادئی نوج خدا ہم عورتوں کا ایسا دیدہ ہوائی کرے کہ گھروں میں دل نہ لگے۔ اس قسم کی آوارہ گردی نہ صرف خانہ داری کے کاموں میں حرج ڈالتی ہے بلکہ اس طرح سے وقت ضائع کرتے رہنے سے ذہنی نقصان بھی پہنچتا ہے۔ سکون اور تنہائی، خیال کی یکجائی اور مطالعہ کے لئے ضروری ہے۔ پڑھنے اور پھر اس پر غور کرنے سے ہی لیاقت بڑھتی ہے ہر روز لوگوں سے مل مل کر لایعنی باتوں میں وقت گنوانے سے نہیں۔ ہاں ملاقات ایک طرح ضرور معلومات بڑھانے کا ذریعہ ہو سکتی ہے یعنی یہ کہ ایسے لوگوں سے ملا جائے جو علم و عقل رکھتے ہیں یا گفتگو ادب، سیاست اور ایسے ہی کسی اور معقول موضوع پر ہو۔ ستھرا مذاق اور ظرافت ملاقات کو پُر لطف بنا سکتی ہیں۔ پر سطحی تعلیم ظرافت کے لئے بھی سم قاتل ہے۔ شاید یہ سمجھ کر ان کی تہذیب یافتگی میں خلل آجائے گا آج کل عورتیں بھی بعض مردوں کی طرح بہت ہی سنجیدہ اور متین شکلیں بنائے رکھتی ہیں۔ ان کی مجلسوں میں اس شوخی اور بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کا پتہ تک نہیں ہوگا۔ ان "تعلیم یافتہ" عورتوں کی مجلس تو بس گناہ بے لذت ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ آج کل حلقۂ ملاقات وسیع ہو گیا ہے اور جن سے ملاقات ہوتی ہو وہ زیادہ سے زیادہ برس چھ مہینے کی واقف ہوتی ہیں۔ اور مذاق کرنے اور چھیڑ چھاڑ کے لئے بے تکلفی کی ضرورت ہو اس لئے ان مجلسوں میں رُکاوٹ رہتی ہے۔ دوسرے اکثر پارٹیوں میں میمیں ہوں یا نہ ہوں ہندوستانی عورتیں انگریزی میں بولتی یا کم سے کم بولنے کی کوشش کرتی ہیں اور کسی زبان میں مذاق اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس پر پورا عبور ہو سو یہ ہم ہندوستانی عورتوں میں سے کتنوں کو نصیب ہے؟ لہذا اس طرح وقت گنوانے سے کیا فائدہ؟ میرے خیال میں تو بعض خواتین صرف اس لئے خواہ مخواہ گھومتی رہتی ہیں کہ کہیں ایسا نہ کرنے سے ان کے مہذب ہونے میں کسی کو شک نہ ہو۔ ورنہ اکثر کو تو فرصت نہ ملنے کی شکایت رہتی ہے۔ لیکن ان کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ صاف جواب دے دیں۔ اگرچہ میں ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتی ہوں کہ پارٹیوں کی وبا سے خود کو بچائے رکھنا آسان نہیں۔ وہ عورتیں جن کو خود دنیا میں کچھ کام نہیں ہوتا اور جنہوں نے خانہ داری کے کل بکھیڑوں سے یہ کہہ کر فرصت حاصل کرلی ہے کہ "ہم تعلیم یافتہ ہیں یہ ہماری شان کے خلاف ہے۔ ہم بچے پالیں یا روٹیاں پکائیں"۔ لیکن جن کی تعلیم یافتگی کا یہ عالم ہو۔

(بقیہ برصفحہ ۳۴۴)

فن لینڈ کی عورتوں کی شجاعت

فن لینڈ میں جاڑوں کی یخ بستہ ہواؤں کے تھپیڑے برفانی پہاڑوں سے ٹکرا کر اس قدر تیزی سے آتے ہیں کہ اس مصیبت سے پناہ ملنی دشوار معلوم ہونے لگتی ہے۔ ہندوستانی تو بھلا اس جگہ کیا ٹھہریں گے۔ روس کے رہنے والے بھی ٹھٹر ٹھٹر کر سردی سے مر گئے۔ لیکن اس قیامت خیز موسم کی پرواہ کئے بغیر روزانہ راتوں کو اس کوہستانی سرزمین میں بہادر خاتون Lotta Svaerd کی معاون خواتین زخمیوں کی نگہداشت میں مصروف نظر آتی رہیں۔

یہ بھوری لباس والی عورتیں Look out corps کی ممبر کہلاتی ہیں۔ یہ تختے کے اونچے اونچے پلیٹ فارم پر حملہ آور ہوائی جہازوں کے طیاروں کی خبر رکھتی ہیں۔ اس بلند مقام پر نہ کوئی چھت گیری لگائی گئی ہے۔ اور نہ دوسری کوئی پناہ گاہ ہے۔ اس میں بیشمار رضاکار خواتین مصروف ہیں۔ فن لینڈ کی عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش جنگ آزما ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ دوران معرکہ روس ۱۸۰۸-۹ء میں ایک فن عورت اپنے شوہر کے ساتھ محاذ جنگ پر گئی اور وہاں ایک دستہ تیار کیا۔ جب اس کا شوہر میدان جنگ میں کام آیا تو وہ اپنے غم کو قوم کی مصیبتوں میں بھول گئی اپنی سوگوار حالت پر رونے دھونے اور ماتم کرنے کے بجائے اُس نے اپنے دستہ کے قیام پر خوب زور لگایا۔ کیونکہ اس کی مددگار خواتین بہادر سپاہیوں کے کھانے پکاتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ چنانچہ وہ شوہر کے مارے جانے کے بعد بھی اُسی خدمت میں مصروف رہی۔ اس خاتون کا نام دراصل Lotta Svaerd تھا۔ اور آج اس نامور خاتون کی زندہ جاوید نام کی یادگار میں تمام رضاکار خواتین کو Lotta موسوم کرتے ہیں۔ تاکہ یہ قدیمی روایت قائم رہے۔ اگرچہ یہ ہتھیار بند ہو کر دست بدست جنگ آزمائی نہیں کرتی ہیں مگر میدان کارزار میں خطرناک سے خطرناک مقام پر ان کی موجودگی ضروری ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ خبر رسانی کے سلسلہ کو درست اور قائم رکھیں۔ سخت سے سخت اہم اور ضروری موقعوں پر بھی وہ ٹیلیفون پر مصروف عمل رہتی تھیں۔ یہ بڑی ہوشیار Skiers اس کی چلانے والیاں ہیں۔ اُنہیں نقشہ اور قطب نما کے ذریعہ راستہ تلاش کرکے نکالنے کی تربیت دی گئی ہے۔

فن لینڈ کے لئے حال میں ایک بڑا سانحہ پیش آیا۔ یعنی ۳ "لوٹا" لڑکیاں جنگی خدمت انجام دیتے ہوئے ماری گئیں۔ یہ نرس تھیں جو عین محاذ جنگ کے عقب میں زخمیوں کے اسپتال میں کام کر رہی تھیں۔ ابھی یہ جاں نثار عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹیاں کر ہی رہی تھیں کہ روسیوں کے گولوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان نیک ہستیوں کا خاتمہ کر دیا۔

فیلڈ مارشل منیزہیم نے فنش قوم کو اپنی تقریر میں مخاطب کرتے ہوئے سب سے پہلے ان جاں باز لڑکیوں کی موت پر افسوس ظاہر کیا۔ اور ہمت دلائی کہ عورت تو عورت مرد بھی اس سے حب الوطنی اور بہادری کا سبق سیکھیں۔

یہ لوٹا لڑکیاں ۳ شعبوں میں منقسم کی جاتی ہیں۔ ایک شعبہ تو طبی خدمت انجام دینے کی غرض سے قائم کیا گیا ہے دوسرا کسٹرٹ

کہلاتا ہے جس کی ڈیوٹی فوج کے لئے کھانا پکانا، انہیں کھلانا برتن بھانڈے صاف کرنا ہے۔ یہ کوئی آسان مرحلہ نہیں۔ جب آپ فن لینڈ کے فوجیوں کی نقل وحرکت اور کوچ کا خیال کریں گی کیونکہ روزانہ کتنے میلوں کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ اور فوج کی رفتار کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑتا ہے: تاکہ وقت پر انہیں خورونوش کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے سپاہی اس کو فوجی باورچی خانہ نہیں کہتے۔ بلکہ اس کو Soup Cannon "شوربے کی توپ" کہتے ہیں۔ ان لڑکیوں کی خصوصیت یہی ہے کہ نہایت مزیدار بھنے ہوئے گوشت جو کی روٹی۔ اور ذائقہ دار شوربے تیار کریں۔ ایک دفعہ پکاتے ہوئے ایک "لوٹا" پر گولی آ کر لگی اور وہ اسی جگہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہوگئی شہید قوم بہادر لڑکی طبی شعبہ نرس بہم پہونچانے مرہم پٹی تیار کرنے اور Hospital unit کی Territorial force کے سامان تیار کرنے پر قادر ہے۔ ہوائی حملوں کی دفاعی تدابیر بھی انہیں کے ذمہ ہوتی ہے۔ سامان کی تیاری کا شعبہ چندہ دن اور مختلف مقاموں سے کپڑوں اور فوجیوں کی آرام کی چیزوں کی فراہمی کا کام بھی انجام دیتا ہے۔ بعض سپاہیوں کی وردیاں مرمت کرتی اور اندر پہننے کے لباس بھی سیتی ہیں۔ مجموعی کلرک والی اسٹاف کا یہ کام ہے۔ کہ تربیت یافتہ خواتین کو دفتروں کے کاموں میں مختلف مراکز پر پہنچے۔ نیز یہ رضاکاروں کی بھرتی بھی کرتی ہے اور انہیں شوق دلا دلا کر اس ملکی اور قومی خدمت پر آمادہ کرتی ہیں Lottas نے شہر خالی کرنے میں بھی بیحد اہم ذمہ داریاں انجام دی ہیں۔ اور اب شہر سے باہر رہنے والے بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی اپنے ہاتھوں کیا ہے۔ ہر لوٹا اپنے پسند اور رجحان طبع کے مطابق خدمات منتخب کر لیتی ہے۔ وہ ٹریننگ بڑی سرگرمیوں سے لیتی ہے۔ حالانکہ یہ خدمت رضاکارانہ ہے جب چاہے وہ مستعفی ہوسکتی ہے لیکن دوران جنگ میں فوجی قاعدے کے مطابق اپنی جائے ملازمت سے الگ نہیں ہوسکتی۔ ایک لاکھ بیس ہزار Lottas نامزد ہیں جن کی عمریں دس سال سے لے کر اوپر تک ہیں۔ البتہ دس سال کی لڑکیوں سے کوئی جنگی خدمت نہیں لی جاتی۔ مگر انہیں ابھی سے ابتدائی تربیت ہوتی ہے: تاکہ ۱۶ سال کی عمر میں وہ باقاعدہ بھرتی ہوجائیں۔

کبرسنی کی بھی یہاں کوئی قید نہیں۔ بہت سی بوڑھی خواتین ممبر بھی ہیں ایک ستر برس کی لوٹا کے پاس Ski-ing میں ریکارڈ قائم کرنے کا اعزازی تمغہ بھی ہے۔

ان لڑکیوں کی بیرون خانہ وردیاں بالکل فیشن مردانہ فوج کے لباس کے مشابہ ہیں۔ بھورے و سبز کپڑوں سے یہ بنائی جاتی ہیں۔ اور یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر نقل وحرکت میں آسانی رہے جاڑوں میں پیدل سفر کرنے والی Lottas پاجامے اور موٹے فرکی وسبز تہہ لگی ہوئی بوٹ پہنتی ہیں۔ لیکن عام لباس جوان کی وردی خیال کی جاتی ہے۔ ایک دبیز کپڑوں کا لہنگا۔ جیکٹ اور بلٹ لگا ہوا بڑا کوٹ ہے۔ اندرون خانہ وردی Lottas کے کاموں کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ جو طبی شعبہ میں ہیں۔ انہیں برٹش ریڈکراس نرسوں جیسے لباس ملتے ہیں۔ سامان کرنے والا شعبہ جست بھوری فراک کو وردی قرار دیتا ہے۔ ان کی قواعد اور ضوابط سیکھنے کی تعلیم بھی بڑی ڈبل اور پیچ ہوتی ہے۔ انہیں شہری اچھے بننے کا بھی سلیقہ سکھایا جاتا ہے: تاکہ صلح کے زمانے میں وہ ذہنی اور اخلاقی تربیت کی خدمت بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔ انہیں علمی مباحثہ

سکھایا جاتا ہے۔ معاشرتی موضوع پر لکچر بھی سنائے جاتے ہیں۔ ہر شہر اور گاؤں میں Lotta کی تربیت کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔ جہاں جلسوں کے علاوہ اکثر شاموں کو ڈیوٹی پر رہ کر مختلف کاموں کو انجام دینا سکھاتے ہیں۔

ورزش جسمانی اور Ski بھی فوجی قاعدے کے مطابق سکھائی جاتی ہے کشتی رانی بھی سکھاتے ہیں۔ پیدل سفر کرنے میں اچھی مہارت پر اعزازی نشان بھی دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ بیرون خانہ کھیلوں کی تربیت جو حال میں دی جانے لگی ہے ان کی دلچسپیوں میں اور اضافہ کر رہی ہے۔ بہت سی لڑکیاں سفر دور دراز تک Skis میں کرتی ہیں۔ ایک بچی کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کی ماں کسی دور دراز کے زراعت خانہ میں تنہا سخت بیمار ہو گئی۔ مرد تمام جنگ پر چلے گئے تھے اس کے گاؤں میں کوئی نہ تھا۔ لیکن اس ۱۱ سال کی ننھی بچی نے کمر ہمت باندھی۔ اور اپنی Skis چڑھا کر ۶ میل تک تن تنہا امداد حاصل کرنے کے لئے سفر کیا جب وہ یہ مسافت طے کرکے جائے مقصود پر پہونچی اور مردوں کو جا کر اس کی اطلاع دی تو وہ اس کی ہمت ہوشیاری۔ اور دور اندیشی پر عش عش کرنے لگے۔ آخر کار یہ لڑکی Lotta بنائی گئی۔ اور بر وقت امداد پہونچنے سے اس کی ماں کی جان بھی بچ گئی۔

جمیلہ بیگم (کلکتہ)

ملاپ

(۱)

شیریں اور فیروز کو ازدواجی زندگی میں منسلک ہوئے دو سال گزر چکے ہیں اور ان کی زندگی نہایت آرام و اطمینان اور مسرت سے گزر رہی ہے۔ ان کے مختصر سے گھر میں صرف تین ہستیاں ہیں۔ شیریں ایک وفا شعار۔ خدمت گذار اور نیک دل لڑکی ہے۔ فیروز نیک سرشت و پاک طبیعت مرد ہے اور خورشید فیروز کا باپ۔ اپنی تمام راحتوں و مسرتوں کو اپنے اکلوتے بیٹے اور بہو کے لئے قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہے ان کی یہ پرمسرت زندگی اسی طرح گزرتی چلی جاتی اگر ہرمزجی کی شخصیت رخنہ انداز نہ ہوتی۔

ہرمزجی روئی کا تاجر ہے۔ لیکن طبیعت کا خبیث۔ شرابی۔ جھگڑالو اور بے ایمان۔ بہت کچھ بدنام ہو چکا ہے اور اس کا کاروبار بھی مدہم پڑ چکا ہے۔ اب وہ ایسے شخص کو پھانسنا چاہتا ہے جو نیک نام ہو اور جس کے ساتھ مل کر وہ اپنا کاروبار چمکا سکے۔ فیروز بھی روئی کا بارسوخ تاجر تھا اور اکثر یہ دونوں تجارت کا مال خرید و فروخت کرنے ساتھ ہی جایا کرتے تھے۔ اس طرح فیروز و ہرمزجی میں دوستی ہو چلی تھی اور آخر کار ہرمزجی فیروز کا شریک ہو گیا اور دونوں مشترکہ تجارت کرنے لگے۔

شیریں ہرمزجی کو ہمیشہ بُری نظروں سے دیکھتی اور فیروز کو اس کی دوستی سے اور اس کے ساتھ تجارت کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی۔ کیونکہ وہ ڈرتی تھی کہ اس کی عادات کسی نہ کسی دن فیروز کو نقصان عظیم پہنچائیں گی۔ لیکن فیروز اس کے اس خیال کو نسوانی کمزوری پر محمول کرتا اور اپنی فطرتی خوش خلقی سے اس موضوع کو بدل دیتا اور شیریں بھی اُس کی باتوں میں آکر اپنی کمزوری پر خائف ہو جاتی۔

آخر کار وہی ہوا جس کا شیریں کو خدشہ تھا۔ ایک دن اتفاقاً فیروز ہرمزجی کے ساتھ روئی فروخت کرنے نہ جا سکا اور ہرمزجی کو اکیلا جانا پڑا۔ اس وقت اس کو ہاتھ رنگنے کا موقعہ ملا۔ اس نے ایک ہزار من روئی کی گانٹھیں فروخت کر کے چھ سو روپیہ فیروز کو دئیے۔ حسن اتفاق سے فیروز کی ملاقات اس خریدار سے بھی ہو گئی جس نے ایک ہزار روپیہ ہرمزجی کو دئے تھے اس وقت فیروز کے بدن میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک لہر دوڑ گئی۔ اسے مطلق خیال نہ تھا کہ ہرمز دھوکا دے گا گو اس نے اس کا ذکر ہرگز ہرمز سے نہیں کیا۔ لیکن دل میں رنجش بڑھتی گئی اور اس رنجش کا علم ہرمز کو بھی ہو گیا۔

دوسری دفعہ فیروز اور ہرمز پھر روئی فروخت کرنے گئے اس دفعہ ان کی گفتگو کا لہجہ سخت تھا اور ان کی صورت عوام پر ان کی رنجش کا انکشاف کر رہی تھی۔ لیکن واپسی پر ایسا واقعہ ہوا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ہرمز ایک چوراہے پر مردہ پایا گیا اور اس کے قریب فیروز بیہوش ملا۔ اور نزدیک ہی ہرمز کی بندوق پڑی تھی۔ فیروز گرفتار کر لیا گیا اور مقدمہ عدالت کے سپرد ہوا۔ عدالت نے فیروز کو مجرم ٹھیرایا۔ اور عمر قید کی سزا تجویز کی اور فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "فیروز اور ہرمز میں روپیہ پر باہمی تنازع ہونے کی وجہ سے فیروز نے ہرمز کو قتل کیا اور ہرمز نے خود کو بچانے کے لئے فیروز پر حملہ کیا جس کی وجہ سے یہ بیہوش ہو کر گر گیا۔" لیکن فیروز برابر یہی کہے گا کہ وہ بالکل بیگناہ ہے۔ اور وہ ہرمز کا قاتل ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی بندوق جو اس کے ساتھ تھی وہ لاپتہ تھی اور اس کا لے جانے والا ہی قاتل ہے اس نے اس قدر اقرار ضرور کیا کہ اس میں اور ہرمز میں روپیہ پر جھگڑا ہوا۔ ہرمز نے اس کے ایک گھونسا رسید کیا اور وہ بیہوش ہو گیا اور جب اس کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو حوالات میں بند پایا۔ اس سے زیادہ اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ لیکن ماحول اس قسم کا تھا کہ اس کا بیان کوئی حقیقت

نہ رکھتا تھا۔ اور عوام کا خیال تھا کہ فیروز نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے خود ہی بندوق کہیں پھینک دی کیونکہ ہر گناہگار قانون کے سامنے اپنی بے گناہی کا ثبوت کسی نہ کسی طرح دیتا ہے۔ سچ ہے گردش زمانہ کسی کو چین نہیں لینے دیتی۔ اور فیروز اس کی گردش کا ادنیٰ شکار تھا۔

آخر کار وہ دن آپہنچا جس کے لئے شیریں اور خورشید فکرمند اور پریشان تھے۔ فیروز آخری دفعہ پولس کے زیر حراست شیریں سے ملنے آیا اور اپنی بے گناہی کا یقین دلایا۔ لیکن شیریں کے یقین کرنے نہ کرنے سے ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اس نے شیریں سے عاجزانہ درخواست کی کہ وہ کبھی اس سے ملنے جیل نہ آئے اور نہ کبھی خط لکھے۔ کیونکہ یہ باتیں گذشتہ کی یاد دلائیں گی اور اس کے تھوڑے بہت سکون کو بالکل پراگندہ کر دیں گی اور اس کو جیل میں زندگی کاٹنی دوبھر ہوجائے گی۔ اور ممکن ہے وہ ایسی کوئی حرکت کر بیٹھے جس کی سزا سخت ملے اس کی نہایت ہی موثر اور آخری آرزو یہ تھی کہ وہ کبھی اپنے ہونے والے بچہ کو یہ نہ بتائے کہ اس کا بدنصیب باپ زندہ ہے اور قیدی ہے ابھی وہ جملہ ختم نہ کرنے پایا تھا کہ پولس آفیسر نے پندونصائح کے دفتر کو بند کرکے لوٹ کر چلنے کا سختی سے حکم دیا۔ شیریں فیروز کو جاتا ہوا نہ دیکھ سکی اور بیہوش ہوکر گر پڑی۔

(۲)

شیریں کو جب ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ خورشید اس کا شفیق خسر تولیہ سے اس کا منہ پونچھ رہا تھا۔ اس کو ہوش میں دیکھ کر نہایت مسرور ہوا اور اپنے رنج کو چھپاتے ہوئے کہا "بیٹی۔ انسان رنج و مصیبت اٹھانے کے لئے پیدا ہوا ہے اور یہ تم پر کوئی نئی مصیبت نہیں آئی۔ سب پر آفتیں پڑتی ہیں۔ جو ضبط و صبر سے برداشت کی جاتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے نزدیک صابر کا بڑا درجہ ہے اور اگر تم صبر سے کام لوگی تو یقیناً رحمت الٰہی جوش میں آئے گی اور فیروز جلد ہم میں پھر آجائے گا"۔

شیریں کی زندگی فیروز کے بعد بے کیف ہوچکی تھی۔ تمام تجارت چوپٹ ہوگئی۔ غرضیکہ اس کی زندگی میں کچھ لطف اور رنگینی نہ رہی اور نہ وہ زندہ رہنے کی آرزومند تھی۔ اس کی روح مردہ ہوچلی تھی اور جسم کمزور لیکن صرف ایک خیال اس کو زندہ رکھنے پر مجبور کرتا تھا اور وہ خوش آئند خیال بچہ کا تھا۔ غم نصیب خورشید اکثر فیروز سے ملنے جیل جاتا تھا۔ اس طرح دو ماہ گزر گئے۔ اب وہ ایک توانا و تندرست پوتے کا دادا تھا جو اپنے باپ کی مکمل تصویر تھا جب خورشید نے فیروز کو باپ ہونے کی خوش خبری سنائی تو اس نے چاہا کہ صرف ایک نظر بچہ کو دیکھ لے۔ لیکن اس کا جانا ناممکن تھا اور شیریں بچہ کو لے کر آ نہ سکتی تھی۔

بچہ کا نام جمشید رکھا گیا اور پیار سے جمی کہلانے لگا۔ خورشید بہت مسرور تھا۔ لیکن وہ اکثر چھپ چھپ کر فیروز کی یاد میں آنسو بہاتا اور اس کی رہائی کی دعائیں مانگا کرتا تھا۔

(۳)

شیریں کو اب ایک مشغلہ ہاتھ آگیا تھا اور اس کی غم آلود زندگی میں کچھ کچھ مسرت پیدا ہوچلی تھی۔ اب اس کو اپنے گردوپیش کی فکر ہوئی وہ ایک بلند ہمت اور عالی حوصلہ ماں تھی۔ اس نے ارادہ کرلیا کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے جمی کو آرام پہنچائے گی اور کسی یتیم خانہ یا رحم دل مالدار کی ہرگز دست نگر نہ رہے گی۔ اس کو بچپن ہی سے مویشیوں سے دلچسپی تھی اور اب اس کے شوق نے عملی صورت اختیار کرلی۔ اس نے تھوڑے سے سرمایہ سے جو اس کی پُرمسرت زندگی کی یادگار تھا، چھوٹے سے پیمانہ پر ڈیری فارم کھولا۔ بڈھا خسر اس کا مشیر کار تھا۔ اور اپنے ناتواں ہاتھوں سے شیریں کو حساب وغیرہ رکھنے میں مدد دیا کرتا۔ شیریں خود دودھ اور مکھن کی دیکھ بھال کرتی اور نہایت ایمانداری سے فروخت کرتی۔ رفتہ رفتہ اس کی ایمانداری و حسن انتظام نے علو ہمتی کی بدولت شہرت پائی اور اس کا چھوٹا سا ڈیری فارم بہت جلد ترقی کر گیا۔ اور وہ خود بھی بہت تجربہ کار ہوگئی۔ مویشی کے رکھ رکھاؤ پر اس کے مضامین چھپتے جو عوام میں قابل قدر نگاہوں سے دیکھے

جاتے اس کی ڈیری فارم کی مستند اخباروں میں تصاویر چھپیں۔ اور توانا و تندرست مویشی کو انعام ملتا۔ اب وہ کئی انجمنوں کی ممبر اور شہر کی مشہور خوش حال عورت تھی، ہزاروں کا اس نے بھلا کیا اور سینکڑوں اس کی دولت سے فیضیاب ہوئے۔ بڑے بڑے نسب و لقب والے اس سے شادی کے خواہشمند تھے۔ لیکن وہ ان درخواستوں کو حقارت سے ٹھکرا دیتی کیونکہ جس کی ہو چکی تھی اس سے علیحدگی اس کی وفاشعار طبیعت نے پسند نہ کی۔

(۴)

آرام و اطمینان کو بھی شیریں سے سخت دشمنی تھی۔ خورشید اس کا مہربان مسٹر جس کو اس نے ہمیشہ باپ کی طرح جانا اور جس نے اس سے بیٹی کی سی محبت کی اور اس کے مصیبت کے ایام کو آرام دہ بنانے کے لئے اپنے آرام کی کوئی ضرورت نہ سمجھی اس جہان فانی سے کوچ کر گیا اس کی موت شیریں کے لئے ایک نیا تازیانہ تھی کیونکہ وہ اس کا بہترین مددگار اور جمی کا مخلص رفیق تھا وہ اکثر شیریں سے فیروز کے متعلق باتیں کیا کرتا تھا۔ کبھی کہتا کہ فیروز چند قیدیوں کا افسر مقرر ہوا ہے کبھی کہتا کہ وہ قیدیوں کو پڑھاتا ہے کبھی کہتا کہ اس نے ایک قیدی کو بھاگتے ہوئے پکڑ لیا۔ اس صلہ میں اُسے جیل سے باہر قیدیوں کے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی ہے اور کبھی اس کی اخلاقی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے کہتا کہ وہ جیل میں آگ بجھاتے ہوئے سخت زخمی ہوا لیکن جب ڈاکٹر پہلے اُسے دیکھنے آیا تو اُس نے کہا کہ پہلے وہ دوسرے مجروحین کو دیکھے۔ شیریں اپنے شوہر کے ان کارناموں سے نہایت خوش ہوتی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ باتیں فیروز کے لئے بہت معمولی ہیں۔ جو اوروں کے لئے قابل تعریف اور انوکھی ہیں۔ لیکن قسمت کی بدنصیبی دیکھئے کہ تھوڑا بہت تعلق جو خورشید کے ذریعہ فیروز سے تھا منقطع ہو جانے کے بعد اس کو ایک بار پھر معلوم ہوا کہ وہ زندہ رہنے کے لئے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ لیکن صرف جمی کے خیال سے دامن ہاتھ سے نہ دیا اور دوچند مستعدی سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

(۵)

اس طرح سات سال گزر گئے اور اب جمشید قریب کے سکول میں داخل ہو گیا

ایک دن شیریں روزمرہ کے کام سے گھر واپس آ رہی تھی کہ اس نے سنا کہ ہرمزجی کے قاتل کا پتہ چل گیا ہے۔ اس نے خود اقرار کیا ہے کہ فیروز اور ہرمزجی کے جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر اُس نے ذاتی دشمنی کی بنا پر جو ان میں مدت سے چلی آ رہی تھی۔ ہرمز کو قتل کیا اور بندوق جنگل میں چھپا دی۔ پولس نے بندوق دستیاب کی جس پر فیروز کا نام کندہ تھا۔ عدالت نے بھی اس کو قاتل جانا اور فیروز کی رہائی کا حکم دے دیا۔ شیریں بے انتہا مسرور تھی۔ فیروز چھ دن بعد پھر ایک آزاد شخص ہو گا لیکن اس کو اس وقت خورشید کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی خصوصاً اس کا فیروز کے لئے گڑگڑا کر دعائیں مانگنا اور التجائیں کرنا۔

شیریں نے ان تمام خیالات کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے فیروز کے استقبال کی شاندار تیاری شروع کر دی

(۶)

فیروز کے رہا ہونے سے دو دن پہلے کسی نے شیریں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ شیریں نے جا کر دروازہ کھولا تو اس کو ایک شخص نظر آیا جو نہایت ہی میلے اور کثیف کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ بڑھے ہوئے سر کے بال میلی اور پھٹی ٹوپی آنکھوں تک آئی ہوئی۔ جلے ہوئے ہاتھ۔ کٹی ہوئی انگلیاں ایک کریہہ منظر پیش کر رہی تھیں۔ پہلے تو وہ کچھ خوف زدہ ہوئی۔ لیکن پھر اس نے رحم دلی اور ہمدردی سے جو اس کا خاصہ تھا پوچھا "تمہیں کیا چاہیئے؟" "شیریں" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا "میں دو دن پہلے چھوٹ کر آ گیا ہوں"۔ شیریں نے آواز کو پہچان لیا۔ اور اُس کی آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا اور تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور ایک زبردست

انقلاب رونما ہوا۔ وہی شیریں جو فیروز کی آمد کے دن گن رہی تھی۔ اس وقت چاہتی تھی کہ کسی طرح یہ دوبارہ قید ہو جائے۔ کیونکہ وہ ایک فقیر بدصورت شخص کو ہرگز اپنا شوہر کہنے کے لئے تیار نہ تھی۔ دل پر جبر کرکے اس نے فیروز کو اندر آنے کی اجازت دی۔

فیروز نے مہر سکوت کو توڑتے ہوئے پوچھا "جمشید کہاں ہے" شیریں نے سختی سے جواب دیا "پہلے تم آدمیوں کی سی شکل بناؤ پھر تم جمی سے مل سکتے ہو" یہ کہتے ہوئے اس نے غسل خانہ کا رستہ بتایا۔ فیروز خوب صابن سے مَل کر نہایا لیکن وہ یہ خوب سمجھتا تھا کہ صابن جیل کی کثافت کو دھو سکتا ہے۔ لیکن قیدی کی لعنت کو دور نہیں کر سکتا۔

اسی کشمکش میں کھانے کا وقت آ گیا۔ کھانے کی میز پر شیریں نے ترشروئی سے جمی کو بتایا کہ یہ تمہارے والدین جمی کی آنکھیں جو خورشید کی موت کے بعد ایک رفیق کو ڈھونڈتی تھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور وہ اس سے لپٹ گیا۔ فیروز سے بھی اس کو محبت سے پیار کیا۔ کھانا نہایت خاموشی سے کھایا گیا۔ جمی حیرت سے کبھی ماں اور کبھی باپ کو دیکھتا تھا۔ فیروز اپنے ہی گھر میں اپنی ہی میز پر ایک اجنبی کی طرح بیٹھا تھا۔

(۷)

فیروز کو واپس آئے ایک مہینہ ہو چکا ہے۔ گو اس کی ہمت وقوت رخصت ہو چکی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ شیریں کے ہر کام کو نہایت شوق و مستعدی سے پورا کرتا تھا جمی اس سے بہت جلد مانوس ہو گیا۔ کیونکہ وہ اکثر اس کو لکڑی کے کھلونے بنا کر دیا کرتا تھا۔ ایک دن جمی نے فیروز سے خواہش کی کہ وہ اس کے لئے ایک ایسا گھوڑا بنائے جیسا کہ اس کے باپ کا ہے۔ فیروز نے کہا "میرے پاس تو کوئی گھوڑا نہیں ہے" جمی نے معصومیت سے جواب دیا "نہیں جیسا کہ تصویر والے پاپا کے پاس گھوڑا ہے جس کی تصویر میرے کمرے میں لٹک رہی ہے" آج فیروز کو محسوس ہوا کہ اس کی صورت میں اس قدر تبدیلی ہوئی ہے کہ جمی سمجھتا ہے کہ اس کے دو باپ ہیں۔ لہٰذا اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اب اپنے بچہ کی زندگی کو پیچیدہ نہ بنائے گا۔

(۸)

شیریں فیروز سے علیحدگی چاہتی تھی۔ لیکن وہ اپنی زبان پر اس گفتگو کو نہ لا سکتی تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی اور اچھی طرح جانتی تھی۔ کہ گو فیروز کی صورت مسخ ہو چکی ہے لیکن روح زندہ ہے۔ جمی کی اس درخواست نے فیروز کو بھی موقعہ دیا کہ وہ اپنا ارادہ ظاہر کرے "شیریں" فیروز نے کہا "مجھے تمہاری ہمت واستقلال کا اعتراف ہے۔ کہ تم نے کس نیکنامی اور عزت کے ساتھ میرے بعد سات سال گزارے لیکن میں آج ایک معاملہ ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اس زندگی سے تم بھی خوش معلوم نہیں ہوتیں اور میں بھی خوش نہیں ہوں۔ اس کا ہم کو کافی تلخ تجربہ ہو رہا ہے۔ میں وہ شخص نہیں رہا جو قید ہونے سے پہلے تھا اور افسوس مجھے کہنا پڑتا ہے کہ تم وہ نہیں رہیں۔ جیسا کہ میں چھوڑ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی ہمارے پاس چند پُرمسرت یادگاریں ہیں جو ہماری آئندہ زندگی کو خوشگوار رکھنے کے لئے کافی ہیں مگر ہم کو اپنے بچہ کے مستقبل کے متعلق سوچنا ہے۔ وہ ہماری کشیدگی سے بے چین اور افسردہ ہے۔ اور اس قسم کے ماحول سے خوف کھاتا ہے اس لئے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں دوسرے گھر میں سکونت اختیار کروں اور اپنے آبائی پیشہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اس طرح اپنی زندگی کے تنہا سرمایہ سے مسرت کی زندگی کو بے لطف دبے کار نہ بناؤں۔ اور اگر تم مناسب سمجھو تو جمی کو مجھ سے ملنے کی اجازت دے دینا۔ کیونکہ اب اس کشش سے شائد میں اور کچھ دن زندہ رہ سکوں" شیریں کی آنکھوں سے سیلاب اشک رواں تھے۔ دل میں رنج و مسرت کے ملے جلے جذبات نے ہیجان برپا کر رکھا تھا۔ فیروز جا چکا تھا۔

(۹)

وقت گزرتا گیا جمی برابر سکول جاتا تھا اور روزانہ واپسی پر فیروز کے ہاں جایا کرتا تھا جو اس کو اکثر گھر تک پہنچانے آتا اور ساتھ ہی

لکڑی کے بیشمار کھلونے بنا کرتے جاتا۔ اب اس کے کھلونے میں زیادہ مویشیوں کے گلے اور ایک عورت ان کے انتظام میں مشغول نظر آتی تھی۔ جمی کو ان کھلونوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی لیکن شیریں ان کھلونوں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتی۔ شاید ان کھلونوں کا سبب تخلیق جانتی تھی۔

(۱۰)

اس انقلاب کو کافی زمانہ گزر چکا ہے شیریں حسب معمول اپنی فارم میں مشغول ہے۔ جمی سکول کا ہونہار طالب علم ہے۔ اور فیروز پھر سے خوش حال تاجر۔

شیریں کا معمول تھا کہ وہ جمی کا انتظار تین بجے شام سے شروع کر دیا کرتی تھی لیکن آج شام کے چھ بج چکے تھے وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ پریشان ہو کر خود جانے والی تھی کہ اس نے دیکھا فیروز جمی کو گود میں لئے آ رہا ہے۔ جمی کو تیز بخار تھا۔

ڈاکٹر آیا اس نے جمی کو نمونیہ بتایا۔ فیروز واپس جانا چاہتا تھا کہ جمی نے کہا "تم میرے پاس سے مت جاؤ"۔ شیریں خاموش تھی۔ وہ جمی کے لئے ہر شے قربان کرنے کو تیار تھی۔ کل جمی کی سختی کی رات تھی۔ فیروز و شیریں کا دل امید و بیم کے سمندر میں غوطہ کھا رہا تھا۔

جمی کی سختی کی رات گذر گئی۔ وہ رات فیروز و شیریں نے جمی کے بستر کے گرد بیٹھ کر گزاری۔ اب اس کی زندگی کی امید ہو چلی تھی۔ اس وقت شیریں کو محسوس ہوا کہ صرف فیروز ہی تھا جس نے جمی کے علاج کے لئے دن رات ایک کر دیئے۔

جمی تندرست ہو چکا ہے لیکن کمزور بے حد ہے۔ بستر سے سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ فیروز و شیریں کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ شیریں نے مناسب سمجھا کہ اس مسرت کو حقیقی مسرت میں تبدیل کر دے اور اپنے غم و غصہ کو بھول جائے۔ اس لئے اعتراف شکست کرتے ہوئے کہا "فیروز۔ اگر تم مجھے جیل آنے سے منع نہ کرتے تو میں تمہاری ہر تبدیلی سے واقف رہتی۔ اور پھر تمہاری آمد مجھ کو اس قدر دل برداشتہ و خود رفتہ نہ کر دیتی"۔ فیروز نے مسکراتے ہوئے کہا "شیریں۔ اگر میں تمہارے کہے پر عمل کرتا اور ہر مرجی سے دوستی کی پینگیں نہ بڑھاتا۔ تو یقیناً مجھ کو اس قدر آفتیں نہ جھیلنے پڑتیں"۔ ابھی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ جمی لطیف آواز میں پکارا "پاپا جمی"۔ شیریں اور فیروز دوڑ کر اس کے پاس پہونچے۔ "تم دونوں میرے پاس سے مت جاؤ"۔ جمی نے دوبارہ کہا۔

جمی اب بالکل تندرست ہے۔ کمزوری بھی رفع ہو چکی ہے۔ اب فیروز و شیریں کی زندگی پہلے سے بھی زیادہ پر مسرت ہے کیونکہ ان کی مسرتوں میں گوناگوں اضافہ کرنے والا جمی شد ہے۔ اور وہ بھی اس تبدیلی سے حد درجہ مسرور و شاداں ہے۔

"بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر"

طیبہ صغرا خاتون

ہماری پڑوسن

ایک محلہ یا گلی میں رہنے والے ضرورت کے وقت ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ منگوا لیتے ہیں۔ اور ضرورت پوری ہونے کے بعد واپس بھی کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ بے سودی قرضہ جاری رہتا ہے۔ مثلاً آٹا ختم ہو گیا ہے مہمان آ گئے ہوئے ہیں چلو جلدی پڑوسن سے منگوا لیا بعد میں بھیج دیا۔ مشین کی سوئی ٹوٹ گئی مستعار لے لی۔ بڑے بڑے قالین اور چاندنیاں منگوائیں اور واپس کر دیں قینچی کھو گئی۔ اور بی پڑوسن نے ضرورت پوری کر دی۔ لیکن اللہ بھلا کرے۔ ہمارے خاں صاحب کے دولت کدے کا جو حیدرآباد کی دیوار قہقہہ سے کم نہیں۔ سچ پوچھئے تو اللہ ہم جیسے پڑوسی ان جیسے ضرورت مندوں کو ہر روز نصیب کرے جو چیز جاتی ہے ہماری پڑوسن کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی خدمت میں عمر ختم کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں کے بیسیوں سٹ خراب ہو گئے متعدد چیزیں ان کی نذر ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ امّی نے حق ہمسائیگی سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اور ادھر ہمارے ملازمین بھی ایسے وفادار اور کفایت شعار، ایاز ہیں کہ جہاں کہیں ان کے گھر سے طلبی ہوئی فوراً ہی جواب دے دیتے ہیں "نہیں ہے مال ختم ہو گئی۔ ایک مرتبہ ان کے یہاں کی ماما آٹا مانگنے آئی اور یہاں سے ایک سریلی آواز نکلی: ارے شیخ چاند کدھر مر گیا کب سے کہہ رہی ہوں آٹا جا کر لے آ۔ لیکن کیا آدمی ہے سنتا ہی نہیں۔ سرکار کے خاصہ کو دیر ہو جائے گی، تب ہمارے سکھائے ہوئے نوکر جواب دیتے ہیں "ابھی لاتا ہوں خالہ یہ کام کر لوں" اور ادھر والی کو جواب ملتا ہے "نہیں ہے۔ ماں ہمارے پاس گیہوں چنے رکھے ہیں دیکھو تمہارے سامنے اُس سے کہا کمبخت سنتا ہی نہیں"۔ وہ بیچاری سیدھی سادی عورت ان ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارکنوں کو کیا جانے گھر جا کر شہادت دے دی حالانکہ یہ بھید کسی کو نہیں معلوم کہ شیخ چاند کی خالہ ابھی مودی خانہ میں آٹا رکھ آئی ہیں۔

بہر حال یہ منتر نہ چلا تو ایک نیا گر معلوم ہوا وہ یہ کہ ضرورت پڑنے پر چٹھی لے کر میرے پاس آئی کہ اتنا گھی، اتنا آٹا یا اتنے چاول یا فلاں چیز بھیج دو۔ اب بھلا ہم جیسے فراخ دل اور با مروت آدمیوں کو کب گوارا ہو گا کہ ان کو جواب نفی میں دیا جائے فوراً اپنا کمرہ چھوڑا اور باورچی خانہ پر دھاوا بولا۔ اور چیز دلا آئے حالانکہ وہاں بہت سے عذر موجود ہیں۔ بی بی اتنا سا تو گھی ہے۔ اب سالن میں کیا پڑے گا ہمارا ارشاد کہ خود نہ کھاؤ ان کو دے دو۔ اس وقت تو حاتم کی قبر بھی لرزتی ہو گی۔ پھر یہیں اس سے بحث نہیں اور نہ تشویش کہ سرکار کے سالن میں دسترخوان پر گھی کہاں سے کھڑا ہو گیا۔ اب پھر فرمائش میں ذرا تیزی ہونے لگی۔ دم بدم پیامبر آتے۔ ایک مرتبہ دیہ بڑی دعوت تھی، حکم ہوا کہ چاندنی کے پاٹ۔ جاجم، اُگالدان۔ چائے کے سٹ جتنی ممکن ہو سکیں رکابیاں۔ چمچے۔ پان کی ڈبیاں اور کشتیاں جلدی بھیج دو۔ اب کیا تھا نادری حکم کی تعمیل ہوئی۔ بیچاری الماری پر ڈگری آئی۔ مال قرق ہو رہا ہے اور بیچاری عالم یاس میں ہمارا منہ تکتی رہ گئی۔

اب چیزیں واپس ہوتی ہیں فہرست ملاحظہ ہو۔ عمدہ سٹ کی چائدانی ٹوٹی سے سبکدوش۔ جگ کا جگر چاک۔ چاء کی ٹین

پیالیاں ندارد۔ دو بدلی ہوئی۔ ایک بڑی پلیٹ کا انتقال ہوگیا۔ دو چار رکابیاں مجروح۔ چاندنی کئی جگہ سے سگرٹ سے جلی ہوئی جا جم پر اُگالدان نے سجدہ کیا تھا اور خود اُگالدان کی گردن اکڑی ہوئی! ہے ہے میں نے ان کو بھیجتے وقت خدا حافظ نہ کہا تھا نہ یہ کہنا یاد رہا کہ جیسی پیٹھ پھیر کر جاتے ہو اللہ منہ دکھائے۔ نہ امام ضامن یاندھا۔ نہ اللہ وعلیؑ کے سپرد کیا! بھلا یہ فوج محاذ جنگ سے زندہ واپس کیسے آتی؟؟ سچ ہے ہم اپنی بڑی بوڑھیوں پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ ان کی مندرجہ بالا تدابیر بڑی کارگر ہیں کم از کم بہ سلامت روی و باز آئی، ہی کہہ دیتے۔ خیر ہم تو "انا للہ" پڑھ کر خاموش ہو رہے۔ لیکن امی مجھ پر بھادوں کے دھارے کی طرح برس پڑیں "ساری گھر کی چیزیں غارت کردیں۔ ہمیشہ سے ایسی ہی کھوچی ہے!! خود ہمیشہ اپنی چیزیں لوگوں کو دے دے کر برباد کرتی رہتی ہے۔ ادہر میرا سارا سامان ستیاناس کر دیا! بڑی آئی تھیں دوستوں کی خاطر جمع رکھنے! اسی وقت میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ یہ چیزیں بخیر واپس نہ ہوں گی۔ بھلا ان کے ہاں جاکر کوئی چیز واپس بھی آئی ہے؟ وہ تو خدا جانے یہ بھی کیسے بھیج دیا! اے ہے! یہ چار کاسٹ تو دو کوڑی کا ہوگیا۔ پھینک دو اس کو کوڑے پر۔ وہ بھی سب واپس کر دو۔ بڑی فرشتہ بنی پھرتی ہیں۔ ایسی اور پھوہڑ لڑکیاں کہیں کی نہ ہوں گی۔ لوگ اپنی ذرا ذرا سی چیز کا خیال رکھتے ہیں لیکن تمہیں کسی بات کی پرواہ نہیں۔ بڑی دولت مند ہو۔ مفت کا خزانہ لٹ رہا ہے۔ اب تم کوئی چیز بھیج کر دیکھ لو۔ خبردار جو اب کبھی الماری کو ہاتھ لگایا۔ میری الماری کیسی بھری رہتی تھی۔ برسوں کی چیزیں اس میں سلیقہ سے رکھی رہتی تھیں۔ لیکن جب سے تم نے فیاضی اختیار کی میری الماری خالی ہوگئی۔ میں کس شوق سے برتن جمع کرتی ہوں۔ اور تم یوں اجاڑ دیتی ہو۔ اب اپنے جیب خرچ سے اس کی تکمیل کرنا!!"

دریا کا بند اگر ٹوٹ جائے تو کیا اس سیلاب کو کوئی روک سکتا ہے۔ کس کی مجال ہے جو سامنا کر سکے! اور واقعی میں کر ہی کیا سکتی تھی۔ میری آنکھیں اپنی ٹوٹی پھوٹی چیزوں کا ماتم کر رہی تھیں۔ لیکن آخری جملہ کی فرمائش کیسے پوری ہو! ایک غریب طالب علم۔ دنیا بھر کی ذاتی ضروریات جیب خرچ پر منحصر۔ اور شاید سال کا جیب خرچ بھی اس نقصان عظیم کی تلافی نہ کر سکے۔ بہرحال خاموشی سے سنتی رہی اور برتن رکھنے میں مشغول ہوگئی۔ چاندنی کا پاٹ تہہ کر کے چپکے سے الماری میں رکھ آئی خدا جانے اس پر اگر امی کی نظر پڑ جاتی تو مجھے زندہ نہ چھوڑتیں۔ غرض کچھ ظاہر کچھ باطن برداشت ہی کر لیا۔ لیجئے ایک معذرت نامہ بھی تو ساتھ ہے ملاحظہ ہو۔

"مائی ڈیر ثریا! آپ کی کیتلی ٹوٹ گئی۔ اور ایک دو رکابیاں خدا جانے کس کمبخت نے توڑ دیں۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ آپ بُرا نہ مانیں۔ اس کی قیمت لکھ بھیجئے۔ میں منگوا دوں گی۔" ایں بڑی منگوانے والی! اگر حقیقت میں منگوانی ہی تھیں تو یوں نہ پورا کر دیتیں جیسے کسی نے کسی کے حلوائی بندے کھو کر بنوا دئیے۔!!! اب ہمارے اخلاق حمیدہ ملاحظہ ہوں۔ بدر یحانہ! افسوس کی کوئی بات نہیں۔ اگر مجھ سے نقصان ہوتا تو میں کس سے حرجانہ لیتی۔ اور اگر مجھے یوں ہی اس کا بدل لینا منظور ہوتا تو تمہارے گھر میں کیوں بھیجتی" اور اس معافی پر اس قدر خوش کہ کچھ نہ پوچھئے۔ اب اگر کوئی ہماری تعریف میں کہہ دے کہ پڑوسیوں کا یہی حق ہے۔ دوستی اور محبت

اسی کا نام ہے تو بیجا نہ ہوگا۔

ابھی ہمارا زخمِ جگر مندمل نہ ہوا تھا کہ دوسری چوٹ پڑی ایک محبت نامہ آیا جس میں ہماری فارسی کی وہ کاپی منگوائی جس میں ہمارے تیس مضامین اور تمام سوانح عمریاں اردو اور فارسی میں موجود تھیں۔ حالانکہ وہ خود فارسی کا ایک لفظ نہیں جانتی ہیں ان کے مضامین اختیاری کو فارسی سے کوئی نسبت نہیں مگر سنا کہ ان کے ایک بھائی کو شوق چرایا تھا ملاحظہ فرمانے کا۔ کسی نے ان کے سامنے تعریف کردی تھی۔ اب چھ مہینے ہوگئے نہ کاپی ہے اور نہ اس کی کوئی اطلاع۔ ذمہ دار صاحبہ پر مطالبہ کیا گیا جواب ندارد معلوم ہوا کہ ان کی زندگی کا ورق پلٹنے میں میری کاپی بھی الٹ پلٹ ہوگئی۔ میری پروفیسر ہیں۔ کہ ہر وقت پرستی رہتی ہیں کہ کوئی کتاب ہوتی تو منگوا لیتیں۔ اب یہ چیز کہاں سے لاؤ گی تم یوں ہی ہمیشہ اپنی چیزیں دوسروں کو دے دے کر نقصان اٹھاتی ہو" اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی!!!

اس ادبی لوٹ کے بعد۔ اگر میں عہد کروں کہ آئندہ کبھی کسی کی مدد نہ کروں تو کیا برا ہے؟

احمد النسا بیگم ثریا جبین (حیدرآباد)

ملکی حکومت اور خاندان

یورپ کے بعض ممالک میں کچھ مدت سے عجیب و غریب سیاسی و عمرانی نظریے مروج ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے ممالک مذکورہ کی خاندانی زندگی پر مُہلک اثر پڑ رہا ہے اور تمدن کی جڑیں کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ نظریات محض جدت کے باعث سے پسند کئے جا رہے ہیں ظاہر ہے کہ یورپ کے معمولات ہندوستان پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں یہی سبب ہے کہ بعض اُردو جرائد و صحائف میں نظریاتِ مذکورہ کسی نہ کسی شکل میں پیش ہوتے رہتے ہیں۔ جب یہ صورت حال ہے تو مناسب ہے کہ معاملات کا اصلی رُخ ظاہر کیا جائے۔

تمدن و معاشرت کا دارو مدار خاندانوں پر ہے۔ اگر ہم جماعات کے معاملہ حقوق و فرائض کو کماحقہ سمجھنا چاہتے ہیں تو غیر متعلقہ یعنی تنہا افراد سے نظر ہٹا کر بشر کا رخاندان پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ خاندان کا مفہوم سب کو معلوم ہے شوہر بیوی، بچوں سے مل کر خاندان بنتا ہے۔ ایسے بھی خاندان ممکن ہیں جن میں بچے نہ ہوں یا والدین میں ایک خواہ دونوں انتقال کر گئے ہوں۔ استثنائی حالات کو چھوڑ کر فی الحال ہم عمومی صورتوں کو نظر میں رکھیں یعنی وہ خاندان جو والدین اور بچوں پر مشتمل ہیں۔ ہمارا جسم اُسی وقت صحیح و توانا رہ سکتا ہے جب مختلف اعضا اپنے اپنے فرائض منصبی انجام دیں۔ خاندان اُسی وقت خوش حال رہ سکتے ہیں جب شادی شدہ خاتون بیوی اور ماں کی حیثیت سے مرد شوہر اور باپ کی حیثیت سے اور بچے اولاد کی حیثیت سے اپنے اپنے خاندانی فرائض انجام دیں بشر کائے خاندان کو چاہیئے کہ اپنی ذاتی پسند اور غرض کے مقابلے میں کل خاندان کا فائدہ مدنظر رکھیں۔

لہذا ملک بھر کے فائدے کے لئے (جس میں مُلکی حکومت بھی شامل ہے) مندرجہ ذیل دو باتیں اشد ضروری ہیں:۔ اول میاں بیوی کو احساس ہونا چاہیئے کہ اُن کا باہمی تعلق اُن کی زندگی کی بہت خاص معاشری حقیقت ہے۔ والدین کو احساس ہونا چاہیئے کہ باپ اور ماں ہونا اُن کے لئے شوہر اور بیوی ہونے سے بھی بڑی حقیقت ہے۔ بچوں کو احساس ہونا چاہیئے کہ اُن کی زندگی کی اہم حقیقت وہ خون کا تعلق ہے۔ جو وہ اپنے والدین کے ساتھ اور آپس میں رکھتے ہیں۔ دوم چاہیئے کہ ملکی قوانین قانونِ فطرت کی اعانت کریں۔ ملکی قوانین کی نظر میں مُلک کے باشندے افرادِ محض نہ ہوں بلکہ بشر کائے خاندان کی حیثیت سے ملحوظ رکھے جائیں۔ اور اسی نظر سے قوانین مذکورہ کا عمل درآمد ہو کیونکہ خاندانوں کے بہبود پر کُل جماعت کی راحت مبنی ہے۔

عابد مسیح (بی۔ اے)

گنہگار مجاہد

ابومحجن جو شجاعانِ عرب میں تھے غیور　　بادۂ ناب کا نشہ ان کی رگ و پے میں خمیر
اور طبیعت میں بھرے تھے وہ سخن کے جوہر　　کہ عرب کے شعرا میں تھے وہ آپ اپنی نظیر
ایک دن پڑھ رہے تھے شعر کچھ ایسے جن سے　　بادۂ ناب کی ہوتی تھی بظاہر توقیر
حضرت سعدؓ نے جب ان کے یہ اشعار سُنے　　ڈال دی پاؤں میں زنجیر انھیں کرکے اسیر
عین اسی وقت ہوا معرکۂ رزم بھی گرم　　فوج اسلام کی میدان میں گونجی تکبیر
ابومحجن کی رگوں میں بھی تھا اسلام کا جوش　　اُن کے چہرے کی شکن تھی غم دل کی تفسیر
جذبۂ شوقِ شہادت سے تھے ایسے بے تاب　　کاٹنا چاہتے تھے پاؤں کی بوجھل زنجیر
اُن سے زنجیر کسی طرح سے جب کٹ نہ سکی　　شرکتِ جنگ کی آخر یہ نکالی تدبیر
زوجۂ سعدؓ سے بولے کہ رہا کردو مجھے　　بچ کر آیا تو پہن لوں گا خود آکر زنجیر
کام آجاؤں تو پھر دفن کرا دینا مجھے　　میں یہ سمجھوں گا کہ تھی خاکِ عجم دامن گیر
غلبۂ کفر کا میں دیکھوں اور ان آنکھوں سے　　میں اِدھر قید حریفوں کا اُدھر جمِ غفیر!!
جوشِ مذہب کا تقاضا ہے کہ اس معرکہ میں　　کفر پر برق کی صورت گرے میری شمشیر
زوجۂ سعدؓ کو رحم آگیا ان باتوں پر　　جاکے چپکے سے رہا کردیا وہ مردِ اسیر
اپنے شوہر کا سواری کے لئے اسپ دیا　　صفِ کفّار کو جو چیرتا تھا بن کر تیر
حضرت سعدؓ نے دیکھا تو نہیں حیرت تھی　　سرِ اعدا پہ چمکتی ہے یہ کس کی شمشیر
کون جانباز مجاہد مرے گھوڑے پر ہے؟　　عربستان کے قبیلے کا ہے یہ کون امیر؟
سعدؓ سے قائدِ عسکر بھی نہ پہچان سکے　　ہے یہ کس شعلۂ جوّالہ کی زندہ تصویر
ابومحجن کا وہاں ان کو گماں تک بھی نہ تھا　　وہ تو ڈال آئے تھے خود پاؤں میں ان کے زنجیر
خانۂ سعدؓ کی جانب ابومحجن لوٹے　　خونِ اعدا میں ڈبوئے ہوئے آب شمشیر
پاؤں میں ڈال کے زنجیرِ گرانبار کو خود　　پھر اس طرح سے وہ بیٹھ گئے بن کے اسیر
معرکہ ختم ہوا جانبِ خیمہ لوٹے　　حضرت سعدؓ جہانگیر و جہاندار و امیر
حضرت سعد سے سلمٰی[1] نے ابوالمحجن کے　　جذبۂ شوقِ شہادت کی بیان کی تفسیر
اس گنہگار مجاہد کی سنی جو روئیداد　　ہوکے خوش آپ نے پھر بخش دی اس کی تقصیر

ابومحجن کی یہ حالت تھی کہ اس روز کے بعد
ساغرِ مے کی طرف جھک نہ سکا ان کا ضمیر

محمود اسرائیلی

[1] سلمٰی زوجہ حضرت سعد کا اسم گرامی تھا۔

مفلس ہندوستان

ہمارے ملک میں حکومت کی آمدنی زیادہ تر کاشتکاروں کی مالگذاری اور دوسرے محصولوں سے ہوتی ہے۔ یہ آمدنی رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے۔ حکومت کے حساب کے مطابق سنہ ۲۲-۱۹۲۱ء میں آمدنی ۱۰۵،۶۴۵۴،۰۵۳ روپیہ تھی اور سنہ ۳۶-۱۹۳۵ء میں ۸۰۷،۶۹،۹۰،۲۱۰ روپیہ محصول کے ذریعہ وصول شدہ آمدنی میں سے۔ فوج۔ پولس جیل خانوں پر زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے تعلیم، حفظانِ صحت۔ کاشت کاری وغیرہ کی تحریک و ترقی پر زیادہ روپیہ صرف نہیں کیا جاتا۔ سنہ ۳۶-۱۹۳۵ء میں تعلیم پر صرف چھ ۶ فی صدی صحت پر۔ دو فی صدی اور کاشتکاری پر صرف ایک فی صدی خرچ ہوا۔

تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔ (لاکھوں میں)

	فوج	پولس	جیل خانہ	قرض	تعلیم	حفظ صحت	کاشت کاری
سنہ ۱۹۲۱ء	۸۷۷۵	۱۲۸۴	۲۷۰	۳۰۹۷	۹۰۰	۱۵۸	۱۹۸
سنہ ۱۹۳۶ء	۵۰۱۹	۱۲۶۲	۲۴۱	۵۵۷۰	۱۲۲۶	۱۶۸	۲۷۷

فوجی خرچ:۔ فوج کے لئے سب سے زیادہ روپیہ ہندوستان میں خرچ کیا جاتا ہے یعنی ۲۴ فی صدی اس کے مقابلہ میں برطانیہ ۱۵ فی صدی۔ فرانس ۱۶ فی صدی۔ جرمنی ۱۷ فی صدی خرچ کرتا ہے۔ مرکزی اسمبلی میں کسی کو یہ حق نہیں کہ فوجی خرچ کے متعلق اعتراض کر سکے۔ اعداد مندرجہ ذیل سے معلوم ہوگا کہ پچھلے اسّی سال میں فوجی خرچ کس قدر بڑھتا رہا۔

فوجی خرچ	
۱۸۶۰—۶۱	۱۵،۸۳،۸۹،۰۰۰
۱۸۸۰—۸۱	۲۸،۹۳،۵۴،۰۰
۱۹۰۰—۰۱	۲۲،۶۲،۴۲،۰۰۰
۱۹۲۰—۲۱	۸۷،۷۵،۰۰،۰۰۰
۱۹۳۰-۳۱	۵۸،۲۸،۸۹،۰۰۰
۱۹۳۵-۳۶	۵۰،۱۸،۵۳،۰۰۰
۱۹۳۸-۳۹	۵۲،۰۸،۵۴،۰۰۰

تنخواہیں الونس وغیرہ۔ ہندوستان میں کل ۱۶۸۱۳۳ یورپین ہیں۔ ان کی آبادی ہندوستان کی کُل آبادی کا $\frac{1}{200}$ واں حصہ ہے۔ ان میں مرد۔ ۱۱۷،۳۳۵ اور عورتیں۔ ۵۰۷۹۸ ہیں۔ ان کی تنخواہیں۔ وظیفے اور دوسرے الاؤنس سب

کچھ ہندوستان برداشت کرتا ہے۔ ویسرائے کی تنخواہ علاوہ الاؤنس کے ماہانہ ۲۱,۳۳۳ روپیہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ ویسرائے کی تنخواہ اور الاؤنس کی رقم پچیس ہزار ہندوستانیوں کی آمدنی کے برابر ہے۔ گورنر کی ماہانہ تنخواہ ۱۰,۰۰۰ روپیہ ہے۔

ضلع کے افسر کی تنخواہ ۱۲۰۰ سے ۳۵۰۰ روپیہ تک۔ ہمارے ملک سے دوگنی آمدنی والا ملک جاپان اپنے وزیر اعظم کو ۶۲۲ روپیہ ماہانہ تنخواہ دیتا ہے۔ ہمارے ملک سے بائیس حصے مالدار ملک یعنی امریکہ اپنے صدر کو ماہانہ ۱۷,۰۶۲ روپیہ۔ انگلستان کے وزیر اعظم کی ماہانہ تنخواہ ۵,۷۰۰ روپیہ ہے۔

تعلیم ۔ ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ اشخاص فی صدی ۹½ ہیں۔ آمدنی کا صرف چھٹا حصہ تعلیم پر صرف ہوتا ہے۔

حفظانِ صحت ہندوستان میں پچیس[۲۵] فی صدی آدمی لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ انگلستان میں بارہ[۱۲] آدمی فی سینکڑہ امریکہ میں گیارہ۔ جاپان میں سترہ۔ ہالینڈ میں نو۔ آسٹریلیا میں گیارہ۔ ہمارے ملک میں سنہ ۱۹۳۴ء میں پلیگ سے ۸۰۱۳۱ آدمی۔ چیچک سے ۱۹۹۷۰۳ آدمی۔ بخار سے ۳۹۵۵۷۰۷۷ آدمی تنفس کی بیماری کی سبب سے ۴۸۳۰۱۸ آدمی اور دوسری بیماریوں سے ۱۷۶۷۲۷۲ آدمی موت کے منہ میں چلے گئے۔ مگر کُل آمدنی کا دو فی صدی روپیہ حفظانِ صحت پر خرچ کیا جاتا ہے۔

زراعت ہمارے ملک کی ترقی زیادہ تر زراعت پر ہے۔ ترقیٔ کاشت کاری کے لئے حکومت کل آمدنی میں فی صدی ایک روپیہ خرچ کر رہی ہے۔

سنہ ۱۹۳۷ء تک ہندوستان کا کل قرض ۱۲۰۸ کروڑ روپیہ تھا۔ اس کی ادائیگی ہم ہندوستانیوں پر فرض ہے۔ رعایا جو لگان ادا کرتی ہے کیا یہ اخراجات کے لئے کافی نہیں۔ جو حکومت کو مزید قرض لینا پڑا ہے؟ ایک سو پچاس[۱۵۰] سال سے یہ قرض گناہوں کے انبار کی طرح بڑھتا چلا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرض ایک زمانے کا ہے یعنے زمانۂ ایسٹ انڈیا کمپنی سے چلا آتا ہے۔ انگریزوں کو اپنی حکومت ہندوستان میں قائم کرنے کے لئے لڑائیوں میں جو حصہ لینا پڑا اُس کے کل اخراجات کا ہندوستان ہی ذمہ دار ہے۔

(۱) لارڈ ویلزلی ویسرائے ہند نے سنگاپور۔ مولاکا۔ سلون۔ وغیرہ ملکوں سے جو لڑائیاں کیں ان کے اخراجات۔ (۲) لارڈ منٹو ویسرائے ہند کی جزیرہ جاوا پر چڑھائی کا خرچ (۳) نیپال اور انگلستان سے جنگ کا خرچ (۴) برما سے سنہ ۱۸۲۴ء سنہ ۱۸۲۶ء میں سنہ ۱۸۵۲-۵۳ء میں ہوئیں ان جنگوں کا خرچ (۵) پرشیا اور چینا سے ہوئیں ان جنگوں کا خرچ۔ جنگوں کا کل خرچ ۵۲ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے سنہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کو دبانے کے لئے ۴۰ کروڑ قرض لیا گیا سنہ ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنی باگ حکومت کے ہاتھ دیتے وقت جو نقصان ہوا وہ ۵۵ کروڑ ۸۰ لاکھ ہے سنہ ۱۸۵۸ء تک ہندوستان کا کل قرض ۹۸ کروڑ ۳۰ لاکھ سنہ ۱۸۵۸ء سے سنہ ۱۹۱۴ء تک کا جنگی قرض ۹۵ کروڑ۔ جنگ عظیم کا خرچ ۳۳۹ کروڑ سنہ ۱۸۵۸ء سے ۱۹۲۹-۳۰ء میں ناکافی آمدنی کے سبب ۲۴ کروڑ قرض لینا پڑا۔ ریلوے پر جو سرمایہ لگایا گیا وہ ۷۷۷ کروڑ۔ دوسرے اخراجات کے لئے قرض ۳۰ کروڑ سنہ ۱۹۳۷ء تک کُل قرض ۱۲۰۸ کروڑ روپے

ترکِ رسوم

زنانہ مسلم لیگ کانفرنس لاہور میں ۲۳۔ مارچ کو خاکسار نے یہ تقریر کی تھی۔ صغرا ہمایوں مرزا

جناب صدر اور معزز حاضرین۔

اس میں شک نہیں کہ ہر مذہب کے ماننے والے عیسائی ہوں یا پارسی۔ ہندو ہوں یا یہودی اور چینی ہوں یا بدھ سب اپنے اپنے طریقہ سے کچھ نہ کچھ رسوم شادی وغمی میں ضرور ادا کرتے ہیں لیکن ہم ہندوستانی مسلمانوں کی بہت سی رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں مثلاً سہرا باندھنا۔ ہلدی لگانا۔ پھول پہنانا۔ بہت زیادہ جہیز کا دینا وغیرہ۔ غمی کے موقع پر بھی بعض ہندوانی رسوم ادا کی جاتی ہیں مثلاً سوم کے روز پان و میوہ جو رکھا جاتا ہے وہ ہندوانی طریقہ ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم اسلامی رسوم اختیار کریں جس طرح ہم کو ہمارے رسول مقبول نے بتایا ہے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی شادی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو نہ پھول پہنائے گئے نہ ہلدی لگائی گئی نہ سہرا باندھا گیا نہ جہیز بہت دیا گیا صرف عقد ہوا مختصر سا جہیز دیا گیا اور ولیمہ ہوا ہم نے اپنی سادہ زندگی چھوڑ کر دوسروں کی رسمیں اختیار کر لیں۔ اب جب مسلم لیگ ہو رہی ہے سب مسلمان ایک ہو رہے ہیں تو اسلامی رسوم بھی ایک ہی طریقہ سے ادا ہونی چاہئیں۔ اس سے بہت فائدہ ہے ایک تو ہمارا وقت خراب نہ ہوگا دوسرے روپیہ بچے گا۔ اگر حساب لگایا جائے تو صرف پھول ایک دن میں تمام ہندوستان کے مسلمان جو خریدتے ہیں وہ ہزاروں روپے کے ہو جاتے ہوں گے ان ہی رسوم کی وجہ سے ہم قرضدار ہو رہے ہیں۔ سود پر روپیہ لیا جاتا ہے ہزاروں روپے سود دینا ہوتا ہے اس کا خیال نہیں ہوتا کہ جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا حرام ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ہم مسلمان سودی روپیہ تو کسی کو قرض نہیں دیتے صرف اس خیال سے کہ سود لینا حرام ہے لیکن سودی روپیہ قرض لیتے ہیں۔ آج صرف رسوم کی مجبوری کے لئے قرضدار ہونا پڑتا ہے۔ بعض گھرانوں میں دلہن کو گود میں دولہا اٹھاتا ہے ہمارے حیدر آباد میں بیرسٹر کیمبرج اف اے۔ بی اے لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے تو انھیں بھی دولہا گود میں اٹھا کر موٹر میں سوار کرتا ہے اور جہیز اس قدر دیا جاتا ہے کہ والدین عمر بھر قرض ادا کرتے رہتے ہیں۔ بعض ایسی بھی خواتین ہیں کہ اپنی لڑکی کی بسم اللہ کی رسم ایسی دھوم دھام سے کی کہ وہ جوان ہو گئی اس کی شادی کا زمانہ ہے مگر بسم اللہ کا قرض ادا نہ ہوا جب تعلیم یافتہ گھروں میں اس طرح کی رسوم ہوں تو جاہل غریب بیچارے کیا کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ رسوم ترک کس طرح کی جائیں مضمون لکھنا یا تقریریں کرنا تجاویز پاس کر دینا کوئی بڑی بات نہیں لیکن اس کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے۔ عملی جامہ اُس وقت پہنایا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے مسلم لیگ کے ماتحت ایک ایک کمیٹی ہر ایک شہر میں بنائی جائے اُس کا کام یہ ہو کہ غریبوں کے محلہ میں جا کر ان کو نصیحت کریں ترک رسوم کے لئے۔ قرضدار ہونے سے روکا جائے۔ کفایت شعاری صفائی لڑکیوں کی تعلیم وغیرہ کے اصول بتائے جائیں اس وقت ممکن ہے مسلمان خواتین بیدار ہوں۔ جب میں لاہور آ رہی تھی تو بمبئی سے گوالیار تک رانی راج واڑے صاحبہ اسی ٹرین سے جا رہی تھیں مسلم لیگ اور کانگرس کا ذکر رہا انہوں نے کہا جناح صاحب جو مسلمانوں کے لئے تقسیم ہند پر زور دے رہے ہیں وہ کس لئے؟ آپ کا ہمارا طریقہ زندگی ایک ہے۔ ہم پتھر کی پوجا کرتے ہیں آپ لوگ مزاروں پر اس طرح سے دعا مانگتے ہیں اور پھول چڑھاتے ہیں۔ ہم اپنے دیوتا کے آگے مٹھائی وغیرہ رکھتے ہیں آپ لوگ بھی مٹھائی وغیرہ رکھتے ہیں۔ ہم شادی میں سہرا وغیرہ دولہا دلہن کو باندھتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی۔ غذا جو ہماری ہے وہ مسلمانوں کی ہے میں نے جواب دیا آپ کا کہنا ٹھیک ہے لیکن اسلام میں یہ رسوم نہیں ہیں مسلمان جو جو رسوم ادا کرتے ہیں وہ سب ہندوؤں سے لی ہیں۔ ہمارے عرب میں یا ایران میں یا ترکی۔ مصر۔ افغانستان وغیرہ میں ایسی رسوم نام کو نہیں۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گئیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم اپنے اسلامی طریقے چھوڑ کر دوسروں کے طریقے اختیار کر رہے ہیں اور ان کی رسموں سے نقصان اٹھا رہے ہیں۔

ہدایات القرآن

(۱) عقائد (۲) عبادات (۳) اعمال

عقائد

عقیدہ رکھنا فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں انسان آباد ہوں اور ان کا کوئی عقیدہ نہو انسان ماحول سے متاثر ہوکر کچھ کام کرتے ہیں اور پھر وہ عقیدے بن جاتے ہیں۔ مثلاً ابتداء میں جب آدمی نے دودھ کا استعمال سیکھا، تو گائے کو ماتا (ماں) کہنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ گائے کی پرستش عقیدہ بن گئی۔ اسی طرح دنیا کے ماحول پر نظر کرنے سے اس کو خیال پیدا ہوا کہ تمام کائنات جو آنکھوں کے سامنے ہے از خود نہیں بنی اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ انسان نے اپنی اپنی زبان میں اس بنانے والے کے نام رکھے۔ اور اس تخیّل کی بنا پر صفات بھی مقرر کردیں۔ مثلاً آریہ سماج نے ماحول سے دیکھا کہ جب تک لکڑی نہو میز کرسی پلنگ وغیرہ نہیں بن سکتے۔ اور لوہا نہ ہو تو کنڈی چٹخنی۔ قفل۔ ریل۔ کیل وغیرہ نہیں بن سکتی، لہذا دنیا کو بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ پہلے سے از خود ہونا چاہئے۔ اور اُنھوں نے پرمیشور پرماتما کے ساتھ روح اور مادہ کو ازلی قرار دیا اور عقیدہ بن گیا۔

دنیا میں اختلاف مذاہب کی سب سے بڑی وجہ اسی عقیدے کا اختلاف ہے۔ آج دنیا میں یہ خیال عام ہے کہ قومیں ملک سے بنتی ہیں۔ اور اس نے عقیدے کی صورت اختیار کرلی ہے۔ اس عقیدے میں بیرون ہند کے اور کچھ ہند کے مسلمان بھی شامل ہوگئے۔ لیکن مسلمانان ہند کی کثرت کا عقیدہ یہ ہے کہ قوم مذہب سے بنتی ہے۔ میرا موضوع اس بحث میں پڑنا نہیں۔ صرف یہ اظہار مقصود ہے کہ عقائد میں جتنا بُعد ہوگا اتنا ہی بُعد قومیت میں ہوگا۔ اور عقائد سے مذہبی آدمی ہو یا دہریہ، کوئی خالی نہیں۔

انسان کے خیالات پر جو مختلف ماحول کا اثر پڑتا ہے وہ کبھی تخیّل کی یکرنگی اور یگانگت پیدا نہیں کرسکتا۔ اور قومیت کی تعمیر کے لئے خیالات کی یکرنگی لازمی ولابدی ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے انسان کو ان امور میں جو ہم خیالی کے لئے ضروری ہیں آزادی نہیں دی۔ انہی امور میں بنیادی چیز عقائد ہیں۔ لہذا قرآن حکیم نے عقائد بیان کردیئے۔ تاکہ اختلاف ہوکر نظامِ قومیت درہم برہم نہ ہونے پائے۔

اس ذات کے خیال سے کسی کا دماغ خالی نہیں ہے جس نے تمام کائنات کو خلق فرمایا۔ کسی نے اس کا نام گاڈ God رکھا۔ کسی نے پرماتما۔ کسی نے خدا وغیرہ۔ یہ جتنے بھی نام ہیں صفاتی ہیں۔ ذاتی نہیں۔ اسلام نے ہم کو بتایا کہ اس ذات کا نام "اللہ" ہے۔ اور قرآن میں اللہ کی ننانوے صفات بیان کی گئیں۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کسی چیز کا نام لینے سے اس کی جملہ صفات ذہن میں آجاتی ہیں۔ مثلاً کرسی کا نام سن کر اس کی صورت شکل۔ بناوٹ وغیرہ ذہن میں آجاتی ہے۔ اسی طرح گاڈ سن کر ہمارا ذہن تثلیث کی طرف منتقل ہوگا اور پرماتما یا پرمیشور کا نام مادہ اور روح کے محتاج کو تصور میں پیش کرے گا۔ مگر اللہ کے نام سے ہمارے ذہن میں اس ذات کا خیال پیدا ہوگا جو نہ کسی کی محتاج ہے، نہ وبیل ہے اور نہ منّت پذیر، اور حقیقت میں ایسی ہی ذات قابلِ عبادت اور پرستش ہوسکتی ہے۔ پس قرآن نے اللہ تعالیٰ کے بنیادی عقیدے کے لحاظ سے صفات یہ بیان کیں کہ وہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے پرواہ یعنی بے غرض ہے۔ (بندوں یا جملہ مخلوق سے

اس کی اپنی غرض کوئی وابستہ نہیں) اس کی کوئی اولاد نہیں (اولاد کی خاطر بہت سے کام ہوتے ہیں اور غرض آجاتی ہے) اس کے ماں باپ بھی نہیں (ماں باپ کی تعظیم وتکریم ادب اور لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برابر کا بھی کوئی نہیں (برابر والوں کے اثر سے بعض اوقات دبنا پڑتا ہے۔ اور خلاف منشا کام کرنا پڑجاتا ہے) یہ تلقین کی گئی کہ کوئی چیز بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ایسی نہیں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کا اثر ڈال سکے۔ ورنہ انصاف اور عدل نہیں رہ سکتا۔ اور غرض آجاتی ہے۔ اس عقیدے کو عقیدۂ توحید کہتے ہیں۔ عملاً چاہے نہ ہو مگر قولاً ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کو نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ کی شان۔ عظمت قوت۔ قدرت اور طاقت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ محتاج نہیں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کو اس دنیا میں کیا فائدہ ہے؟

بادی النظر میں سطحی بصارت والے کو دنیا میں اس کا کوئی فائدہ نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن ذرا سا غور وتامّل اس کی خوبیوں اور برکتوں کو ظاہر کردے گا۔ سُنئے (۱) اوپر بیان ہوچکا ہے کہ قومیت کی تعمیر کے لئے بنیادی چیز عقیدہ ہے۔ اور عقائد میں بھی وہ عقیدہ جو تعمیر کے لئے بنیادی اینٹ ہو۔ سب سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ وہ مرکز ہے جس پر اجتماع ہوتا ہے۔ اسلام نے مرکز اس عقیدۂ توحید کو قرار دیا۔ جو سب کے لئے قابل قبول ہے۔ اور ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ سے کسی مذہب رکھنے والی قوم کو انکار نہیں۔ ہندو "شرب شکتیمان" اور عیسائی "آمنی پوٹینٹ" Omni Potent کہتے ہیں۔

پس توحید کی اس تعریف پر جو سورہ اخلاص (قل ھو اللہ احد ...) میں کی گئی ہے۔ سب جمع ہوسکتے ہیں۔ اور اس طرح دنیا میں تمام فرقہ بندیوں کا قلع قمع ہوکر ایک عالمگیر قوم بن سکتی ہے۔ جس میں عرب کے صدیقؓ۔ روم کے صہیب۔ فارس کے سلمان۔ حبش کے بلال۔ نینوا کے عداس وغیرہم اسی مرکز توحید پر جمع ہوکر سب ایک قوم بن گئے۔

(۲) اس تعریف توحید سے جب یہ عقیدہ دلنشین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی قسم کی کوئی سفارش کارگر نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ صمد ہے۔ وہ "لم یلد ولم یولد" ہے۔ اور اس کی شان "لم یکن لہ کفواً احد" ہے۔ تو ہم کو جو کچھ کرنا ہے، خود ہی کرنا پڑے گا۔ یہ عقیدہ ہم کو اپنے پیروں پر کھڑا کرتا ہے۔ ہم میں قوت عمل پیدا کرتا ہے، خودداری اور ایک کیفیت استغنا پیدا کرتا ہے۔ اور اس ذات سے وابستہ کرتا ہے۔ جو قادر مطلق۔ خالقِ کل، رزاق ورب العالمین اور ذوالقوت ہے۔ جس کے قبضہ میں دنیا وآسمان کے خزانے ہیں۔ جمالِ ہمنشین اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہؓ قیصر وکسریٰ کی شاہانہ شخصیتوں اور ان کے درباروں کی شان وشوکت سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی چند صفات کو دل میں بٹھانے کی تلقین سورہ فاتحہ میں ہم کو کی گئی ہے۔ کیونکہ کلام۔ ہدایت اور حکم کی وقعت صاحبِ کلام کی شان وعظمت سے وابستہ ہوتی ہے۔ شان وعظمت قائم ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل اور سب سے بڑی تو محبت ہے، اور یہ نیکی اور بھلائی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی تفصیل اس طرح کی گئی کہ "جملہ تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جو تمام جہانوں کا پالنے پوسنے والا ہے۔ یعنی مخلوق کی جملہ ضروریات کا انتظام وہی کرتا ہے۔ وہ رحمٰن ہے اور وہ رحیم ہے۔ ان صفات کا دلنشین ہونا اور ان کے مشاہدات محبت پیدا کرتے ہیں۔ اور محبت وہ جذبہ ہے جو سرِ تسلیم خم کرا دیتا ہے۔ اور محبوب کی ہر بات کو غیر محبوب کی باتوں پر ترجیح دینا اور اعلیٰ رکھتا ہے۔ دوّم خوف۔ ان صفات کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ وہ روز جزا کا مالک بھی ہے۔ (مالک یوم الدین) مالک اسی کو کہا جاسکتا ہے، جو اپنی ملک پر اپنی مرضی سے پورا پورا اور ہر طرح کا تصرف اور اختیار رکھتا ہو۔ اور جس کی مرضی میں کوئی دخیل نہ ہوسکے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپی اور پیاری بیٹی سے فرمایا کہ "میرے مال میں سے (اس دارِفانی میں)

جو کچھ مانگنا ہے، مانگ لو۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مجھ کو تمہارے لئے (بھی) کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا (لا املک لکما من اللہ شیئا) کیونکہ وہ مالك یوم الدین ہے۔ اس عقیدے نے تمام ان دیدہ دلیروں کو، جو پیروں ولیوں کے بھروسے پر انسان اپنے خود ساختہ عقیدے کی بنا پر کرتا ہے، نیست و نابود کر دیا۔ اور روز جزا کا خوف و خیال دل میں قائم کر دیا محبت کی تکمیل یہ ہے کہ محبوب کی ناراضی کا بھی دھڑکا لگا رہے۔ اور عقیدۂ مالک یوم الدین سے اس دھڑکے کو دل میں بٹھا دیا۔

اور اس طرح محبوب کی شان، عظمت اور جبروت جب دل میں قائم ہو گئی تو محب کی زبان سے یہی الفاظ ادا ہو سکتے ہیں کہ "ہم تیری ہی عبادت (غلامی) کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے (ہر کام میں) مدد کے طالب ہیں"۔ کیونکہ ان دونوں امور کی قابلیت کسی محتاج ہستی میں نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس اعتراف بیچارگی اور بے مائگی کے بعد سب سے جامع درخواست یہی ہو سکتی ہے کہ "تو ہی ہم کو سیدھی راہ چلا" اور چونکہ انسان خود صراط مستقیم سے واقف نہیں، ورنہ یہ درخواست ہی لایعنی ہے۔ تو اپنے نفس کی تنبیہ کی خاطر اس درخواست میں یہ تفصیل بھی شامل کی گئی کہ بادی النظر میں ہماری سطحی نظر اپنی فہم۔ ادراک اور عقل پر چلنے والوں کی عارضی کامیابی کو اگرچہ سیدھی راہ قرار دے لیکن ہمارا دل اس پر گواہی نہیں دیتا کہ انسانی عقل۔ فہم اور ادراک کو ہم مکمل سمجھ کر تمام اغلاط اور نقائص سے پاک صاف سمجھ کر صراط مستقیم سمجھ لیں لہٰذا "ان لوگوں کی راہ سے ہم کو بچا جو گمراہ ہیں یا تیرے غضب کے مستحق ہیں"۔

یہ وہ عقائد ہیں جن کی پختگی اور تکمیل میں آیندہ تمام قرآنی ہدایات سے مستفید ہونے کا دارومدار ہے جن کا لب لباب حسب ذیل ہے

(۱) اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کو بیم و رجا کے ساتھ دل میں قائم کرنا۔

(۲) اپنی بیچارگی اور بے مائگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بے چون و چرا اطاعت کا اقرار کرنا جس کا تعلق دل سے ہو۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے ہدایت کی طلب اور اس پر عمل کے لئے استعانت۔

(۴) تمام دنیا کی تحریکات کو ٹھکرا کر ان سے خالی الذہن ہو جانا۔ (صحابہؓ کی حالت یہ تھی کہ وہ عام اور بدیہی امور میں بھی خالی الذہن ہو گئے تھے۔ کہ حج کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کونسا مہینہ ہے۔ کونسا مقام ہے اور کونسا دن ہے" تو انھوں نے ہر سوال کے جواب میں یہی عرض کیا کہ "اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے"۔

قرآن حکیم کی پہلی ہدایت ہے اور احادیث صحیح میں اس کا نام 'فاتحۃ الکتاب' اور 'ام القرآن' آیا ہے۔ آیندہ آنے والی ہدایات قرآنی سے استفادہ بغیر ان چاروں امور کے ہو ہی نہیں سکتا۔ بغیر اس پر عامل ہوئے کتاب (قرآن) کی کیفیت دل پر نہیں کھل سکتی۔ یہ ام القرآن ہے۔ بغیر اس کی مرضی کے اور بغیر اس کی عزت کئے اور بغیر اس کا عامل ہوئے قرآنی ہدایات تک پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ کلام کی وقعت صاحب کلام کی وقعت اور عظمت سے وابستہ ہے۔ اور یہ سورۃ اسی امر کی تکمیل کے لئے ہے۔

حاکم ہو یا لیڈر معبود ہو یا ہادی۔ ان میں سے کسی میں بھی اگر ذراسی کمزوری ہو تو والہانہ عقیدے میں تزلزل پیدا کر دے گی اور وقعت کم ہو جائے گی۔ اسلام نے جس معبود کو پیش کیا اس کو ہر قسم کے نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور صاف بنایا۔ اور انسانی تخیل کو مسدود کر دیا۔ تاکہ اختلاف نہ ہونے پائے۔

(۲) اس کے بعد دوسرا عقیدہ رسالت کا ہے۔ کہ اللہ نے ہر قوم اور ہر ملک میں اس کی ہدایت کے لئے نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافۃ للناس (تمام دنیا کے لوگوں کے لئے) نبی اور رسول بنایا۔ لفظ رسول کے مفہوم میں امانت اور دیانت، خلوص اور حق گوئی، مضمر ہیں۔ رسول وہی ہے جو پیغام کو من و عن پہنچا دے۔ اور اصلی الفاظ پیغام پیش کر دے۔ (وما ینطق عن الھویٰ ..... الآیہ) اور اپنی طبیعت اور عقل اور فہم سے کچھ نہ کہے۔ اور نہ الفاظ میں رد و بدل

کرے۔ چونکہ رسول پیغامبر ہوتے ہیں، لہذا وہ صاحب کتاب کہلاتے ہیں۔ کیونکہ کتاب ہی پیغام ہے۔
نبی کے لئے صاحب کتاب ہونا ضروری نہیں۔ جب کوئی قوم اپنے وقت کے رسول کی لائی ہوئی ہدایات میں تحریف کرکے ان کو بدل ڈالتی ہے اور کتاب (پیغام) اپنے اصلی الفاظ کے ساتھ اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہتا تو دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کرنے کے لئے نبی بھیجے جاتے ہیں۔ اور ان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ اصلی ہدایت میں جو تحریفات اور جذباتی ملونیاں ہوگئی ہیں، اللہ تعالیٰ سے ان کی اطلاع اور خبر پاکر تحریفات کو صحیح کردیں۔ اور ملونیوں کو نکال ہدایت کو اس کی اصل پر قائم کردیں۔ لیکن ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے۔ یعنی اس ہدایت یا پیغام یا کتاب کے علاوہ، جس کو وہ لے کر آیا ہے۔ اس کی تشریح اور طریق عمل کی خبر بھی اس کو دی جاتی ہے۔ جو اصل کتاب سے الگ چیز ہے۔ (مثلاً نماز کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ لیکن ترکیب نماز اور یہ کہ نماز میں کیا کیا پڑھا جائے۔ قرآن میں بالتفصیل درج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عملاً اپنے رسول کو اس کی تعلیم دلاکر ہدایت کو مکمل کردیا۔ اور لوگوں کو اپنے اپنے خیال کے بموجب ترکیب وغیرہ کی اجازت نہ دی کہ اس سے بھی افتراق لازم آتا ہے) پس کتاب ہدایت کو من وعن پہنچادینا منصب رسالت ہے۔ اور اس پر طریق عمل پیش کرنا اور اس کی حکمت سمجھانا اور تزکیہ نفس منصب نبوت ہے۔ (...... **ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین**) لہذا رسالت اور نبوت کا عقیدہ ہدایت یاب ہونے کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ مثلاً جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہ مانیں وہ قرآن مجید کو بھی اللہ کی طرف سے ہدایت نہیں مانیں گے۔ اور نہ ماننے کی صورت میں اس سے استفادہ نہ کرسکیں گے۔ (یہاں یہ بحث نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور نبی کیوں مانا جائے۔ یہ بحث الگ ہے۔ اس عقیدے سے بھی کوئی قوم خالی نہیں ہے کسی نے انسان کی ہستی کو بحیثیت رسول مانا تو کسی نے یہ مانا کہ خود پرماتما انسان کی شکل میں ہدایت کے لئے آیا وغیرہ۔ اسلام نے اس کو صاف کردیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، رسالت کے لئے منتخب کرکے خاص کرلیتا ہے: کہ بندوں کو یہ کہنے اور عذر کا موقع نہ ملے کہ یہ کام جن کی ہدایت کی گئی ہے۔ ہماری قوت سے باہر ہے کیونکہ جو کام ایک آدمی کرسکتا ہے وہ دوسرا بھی کرسکتا ہے پس اسلام کا پیش کردہ یہ عقیدہ بھی مکمل اور تمام کمزوریوں سے پاک ہے۔

(۳) جزا و سزا (جنت و دوزخ) بعد ممات کا تیسرا عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کے قائم ہوجانے کے بعد انسان عیوب اور برائیوں سے پاک ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ اس کا اجر مرنے کے بعد رکھا گیا ہے لہذا دنیا کی زندگی میں تمام عمر جزا کا شوق اور سزا کا خوف ہدایت پر عامل بنا دیتا ہے۔ اور مکروہات ومنکرات دنیا سے بچا تا رہتا ہے۔ اس طرح پاک صاف ہوکر جب انسان آپس میں ملتے ہیں، تو ایک زبردست قوم کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور ترقی کے تمام راستے کھل جاتے ہیں۔

عمل صالح اور مخلص خدمت الناس سے دنیا میں جو امن وسلامتی اور عزت کا حصول بلا قصد ہوتا ہے۔ یہی شاہراہ ترقی پر چلانے والا ہے۔ نفس پرستی سے خود غرضی اور منکرات کی دنیا میں ترقی کا نام تو ہوتا ہے۔ مگر ترقی نہیں ہوتی۔ بجز منکرات اور فتنہ وفساد کے یورپ جو آج بام ترقی پر سمجھا جارہا ہے، فتنہ وفساد، نفس اور غرض پرستی کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ ترقی اگر ہے تو انسان کو ہلاک کرنے کے سامانوں میں۔ غلام بنانے کی تدبیروں میں۔ عیش پسند بنانے میں۔ مگر وہ شخص جس کے دل میں اس جزا اور سزا کا کھٹکا اور دھڑکا ہے۔ وہ بلا ضرورت قطعی انسانی ہلاکت سے محترز اور غلام بنانے سے مجتنب رہ کر ہمیشہ یہی کوشش کرے گا کہ بنی آدم ترقی کرکے ایک سطح پر آجائیں۔ سب بھائی بھائی ہوں اور ترقی میں سب شریک۔ وہ آلۂ ہلاکت کو صرف اس وقت حرکت میں لائے گا، جس وقت کہ ایک سرجن اپنے آلۂ قطع برید کے استعمال پر مجبور ہوتا ہے۔ اور یہ سمجھ کر کہ اگر کسی عضو کو نہ کاٹا گیا تو زندگی ختم

ہو جائے گی۔ اس کو کاٹ کر جسم سے الگ کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ ہر عمل کی جیسا ہو جزا بھی ہے اور سزا بھی

عقیدہ وہی ہے جس کا تعلق دل سے ہو اور اس پر پوری طرح یقین ہو۔ اس وقت اس کے اثرات عمل سے نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اور جب تک عمل سے اظہار نہ ہو تو کہنے کو عقیدہ کہلو، حقیقت میں عقیدہ نہیں ہے ؎

ہو دعوئے توحید مبارک تمھیں اکبر　　　ثابت بھی کرو اس کو مگر طرزِ عمل سے

عقیدہ قوتِ ارادی کو پیدا کرتا ہے۔ ہمت اور استقلال کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی بنیاد صحیح ہو اور کسی قسم کی کمزوری نہ ہو تو وہ قوت پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے مقابل دشت و جبل بحر و بر کی تمام مزاحمتیں پرکاہ کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ انھیں صحیح عقائد کی پختگی نے صحابہ کرامؓ کی جماعت کو ہر جگہ دشمنوں پر غالب کیا۔ جہاں گئے ہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔ انہی عقائد نے ان کو بڑے سے بڑے بشری قصوروں کے اعتراف پر آمادہ کیا۔ اور سخت سے سخت سزاؤں کے برداشت کرنے کے قابل بنا دیا۔ تاکہ وہ مرنے کے بعد کی سزا سے بچ سکیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا کی ہر تکلیف اور ہر راحت عارضی ہے۔ اور آخرت کی ہر چیز ہمیشہ رہنے والی ہے۔

یہ تین قرانی عقائد پیش کر دیئے گئے ہیں۔ انہی کو دل میں بٹھانے کے لئے، عبادات میں جو مقاصد کو مدنظر رکھ کر ادا کی جائیں، تو مقاصد کا حصول آسان ہے۔ ورنہ ایک رسم ہے۔ عبادات حصول مقاصد کے لئے ضروری ہیں لہذا قرآن نے ان کے بارے میں بھی ہدایات پیش کیں۔ اور اب ان کا ذکر بھی آپ کے سامنے لانا ہے۔ (باقی آیندہ)

محمد عبدالغفار الخیری

ازلی تمنّا

اگر دنیا میں رہنا ہے سلف کی شان پیدا کر　　　فدا ہو جائے جو اسلام پر وہ جان پیدا کر

مصائب گر پڑیں لاکھوں مگر ہمت نہ تو ہارے　　　رہیں قائم جو ہر حالت میں وہ اوسان پیدا کر

دیا تھا جو ابوبکرؓ و عمرؓ کو اے خدا تو نے　　　دلوں میں پھر مسلمانوں کے وہ ایمان پیدا کر

نہ ہونے سے اسی کے ہم سے اب کچھ ہو نہیں سکتا　　　عطا کر غیرتِ قومی وہی پھر آن پیدا کر

سدھر جائے ہمارا حالِ بد جس سے زمانہ میں　　　الٰہی غیب سے ایسا کوئی سامان پیدا کر

ازلؔ کی ہے دعا یا رب ہر اک مسلم کے پھر دل میں
وہ ہمت جس سے ہوں سب مشکلیں آسان پیدا کر

ابوالاعجاز ازلؔ۔ لاہور

ہمارے اخبارات

دورِ حاضرہ میں اخبارات کا مطالعہ عورتوں کے لئے بھی ایسا ہی ضروری ہے، جیسا کہ مردوں کے لئے۔ جن لوگوں کو اخبار بینی کا شوق ہے وہ اس کو ایسا ہی ضروری خیال کرتے ہیں جیسے زندہ رہنے کے لئے غذا۔ اتفاق سے کسی گاؤں یا قصبہ میں انھیں اگر اخبار نہ ملے تو کچھ ایسے بے کل سے رہتے ہیں کہ نہ معلوم کیا کھو دیا ہے۔ برخلاف ان کے معمولی استعداد کی بیبیاں سال میں ایک مرتبہ بھی اخبار اُٹھا کر نہیں دیکھتیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اخبارات معمولی اُردو جاننے والی بہنوں کے واسطے کچھ بیکار سے ہی ہوتے ہیں۔ اردو اخبارات میں فارسی۔ عربی کے موٹے موٹے ثقیل الفاظ کی بھرمار اور اُس پر انگریزی کا پچارا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صرف تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ ان ٹھیلا اخباروں کو پڑھنے کی بجائے انگریزی کے زود خبر اور معتبر اخبار کیوں نہ پڑھے گا۔ اب رہے معمولی اردو داں، تو ان بیچاروں کے لئے نہ انگریزی اخبار مفید ہو سکتے ہیں اور نہ اپنی مادری زبان کے اخبارات۔ کیونکہ ایڈیٹر صاحبان اپنی قابلیت اور علمیت جتانے کے لئے اخبارات کو ناظرین کے لئے ایک معمہ بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً ایک مشہور اخبار کے تازہ پرچہ کے چند فقرے ملاحظہ فرمایئے:۔

(۱) مزید تفصیل مظہر ہے (۲) موجب طمانیت (۳) اپنی بقا کے لئے بطیب خاطر شریک ہوئے۔ (۴) حزب مخالف کی تحریک التوا مسترد ہو گئی…… مقرضین کے ترمیمی بل پر دفعہ وار بحث (۵) تحویل میں لانا۔ یہ ایسے الفاظ ہیں کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بغیر لغت کے نہیں سمجھ سکتا۔ بعض بیبیوں کو خبریں پڑھنے اور دنیا کے حالات معلوم کرنے کا شوق ہوتا ہے لیکن ان بیچاریوں سے اپنی زبان کے اخبارات کی دو تین سطریں چلانی بھی ایک مصیبت ہو جاتی ہے۔ اور وہ تنگ آ کر وہیں چھوڑ دیتی ہیں، حالانکہ سیدھی سادی عام فہم زبان میں ہر قسم کی خبریں آسانی سے دی جا سکتی ہیں خبروں کے لئے نہ کسی انشا پردازی کی ضرورت ہے اور نہ کسی مغلق مضمون کی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ فارسی۔ عربی الفاظ کی مداخلت بیجا کیوں کی جاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ فارسی عربی کے الفاظ استعمال ہی نہ کئے جائیں، کیونکہ اُردو بغیر فارسی کے ایک مہمل سی زبان رہ جاتی ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں جو غیر مانوس اور ثقیل ہیں۔ جس طرح بچوں کی کتابیں اور رسائل عام فہم اور آسان اُردو میں لکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح چند اخبار عورتوں اور معمولی استعداد کے لوگوں کے لئے سیدھی سادی زبان میں شائع ہونے چاہئیں۔ تاکہ عام پبلک اس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اور مستورات اس سے باخبر ہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔

آمنہ نازلی

صبیحہ

اتاترک کی منھ بولی بیٹی

صبیحہ چھریرے بدن کی بھوری آنکھوں والی ترکی کی نوجوان ہواباز خاتون ہے جو دنیا کی چند فوجی ہواباز خواتین میں سے باجر (بم برسانے والا) ہوائی جہاز لامحدود بلندی تک اڑاتی ہے۔ اس کی زیر اقتدار پرواز کرنے والی خواتین کی جماعت موت کے دروازے تک اس کا ساتھ دینے کو تیار رہتی ہیں۔ چند سال ہوئے کہ صبیحہ حرم کے لئے منتخب کی گئی تھی...... ایک صبح کو انگورہ میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی، صبیحہ یتیم و یسیر صبیحہ دنیا میں یکہ و تنہا تھی۔ وہ اپنے رنج و ملال کو بہلاتی ہوئی دھوپ سے تپتی ہوئی سڑک پر کھڑی اُس کا انتظار کر رہی تھی جس کے متعلق انگورہ میں ہر شخص کہہ رہا تھا کہ "بڑا جنگجو آرہا ہے" ترک اپنے نجات دہندہ کے لئے سڑکوں پر کھڑے ہوئے تھے جن کے ساتھ صبیحہ بھی تھی۔ دوپہر کی دھوپ سے منتظر تماشائی نڈھال ہو رہے تھے کہ بینڈ کی سامعہ نواز آواز نے ہوا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ صبیحہ سڑک پر دوڑنے لگی، وہ گویا "بڑے جنگجو" کا استقبال کر رہی تھی۔ یا "ترکی کے باپ" کے دامنِ شفقت میں پناہ لینی چاہتی تھی، یکایک اسے ٹھوکر لگی اور وہ سڑک پر گر پڑی۔ ہراول سواروں کا دستہ بالکل اس کے سر پر آپہنچا۔ قریب تھا کہ ترکی گھوڑوں کے ٹاپ اس کے جسم کو روندیں کہ ایک گرج دار آواز نے "ہالٹ" کی ہدایت دی اور سوار رُک گئے۔ ایک کشادہ سینے والا خاکی وردی میں ملبوس "سام برون بلٹ" لنگانے گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور صبیحہ کے پاس پہنچ کر پوچھنے لگا۔ "کیا معاملہ ہے" اس کی نرم آواز، شفقت آمیز لہجہ اور اس کی آنکھوں میں پدرانہ محبّت دیکھ کر صبیحہ نے اپنی داستانِ الم جنگجو سے کہہ دی۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے اپنی یتیمی یسیری کا قِصّہ، حرم میں داخلہ کا حکم اور حرم میں جانے سے اپنی بیزاری ساری باتیں سُنا دیں۔ اور آخر میں کہنے لگی۔ میں حرم میں اپنی عمر ضائع کرنا نہیں چاہتی دنیا میں کوئی نمایاں کام کرنا چاہتی ہوں۔

"کیا تم اپنے ساتھ کھیلنے کے لئے اور لڑکیاں چاہتی ہو؟" اُسے اُٹھا کر کھڑا کرتے ہوئے ترکی جنگجو نے سوال کیا۔

"کیا تم یونیورسٹی میں شریک ہو کر مختلف علوم و فنون حاصل کرنا چاہتی ہو؟" اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے ترکی سورما نے دریافت کیا۔

"ہاں" صبیحہ نے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

اس واقعہ کے دو مہینے بعد صبیحہ ان معدودے چند طالبات میں سے تھی، جو ترکی میں زیر تعلیم تھیں۔ اس نے سائنس ریاضی اور لاطینی کی تعلیم شروع کی تھی۔ جو اتاترک نے لازمی قرار دی تھی۔ وہ پہلی ترکی خاتون تھی، جو حرم سے باہر یعنی بے پردہ ہوئی تھی۔ وہ بازار میں نظر آتی تو لڑکے اس کے پیچھے دوڑتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ بڑی بوڑھی عورتیں اس کو بے حیا اور بے شرم کہتی تھیں مگر اسے

کسی کی پروانہ تھی۔ اس نے یونیورسٹی میں دس سال گزارے اور تعلیم سے فارغ ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ میں ایک فوجی ہوا باز خاتون بننا چاہتی ہوں"

اتاترک اُس کے مصارف کے کفیل اور سرپرست تھے۔ جب اُنھیں اس خاتون کے اعلان کی اطلاع ملی تو صرف ہنس پڑے اور فرمایا "ایک چست لڑکی" اس کے بعد اتاترک نے صبیحہ کو ہوائی بیڑے میں شرکت کی اجازت دیدی اور اپنی بیٹی بنا لیا۔

اتاترک کا انتقال گو یا ترکی شان و شوکت کے لئے ایک سخت جھٹکہ تھا اور ترکی ترقی کو ایک سخت ضرب لگی تھی۔ سارا ملک "پدر ترکیہ" کے لئے رو رہا تھا، اتاترک کا جنازہ گویا ترکی وقار کا جنازہ تھا، جو فوجی طریقے پر توپ گاڑی پر رکھا ہوا دارالخلافت کی سڑکوں پر سے گزر رہا تھا یوں جنازے کے ہمراہ سب تھے۔ مگر ان میں سب سے نمایاں، سب سے زیادہ رنجیدہ، سب سے بڑھ کر الم رسیدہ بہت ہی معصوم ایک خاتون تھی جو خاکی وردی میں ملبوس چھریرے بدن کی ترکی فوجی ہوا باز تھی، جو جنازے کے سامنے چل رہی تھی۔ یہ اتاترک کی منھ بولی بیٹی پہلی مسلمان ہوا باز خاتون صبیحہ تھی۔

وہ ہوا بازوں کی سی خاکی وردی پہنے، فوجی طریقے پر چل رہی تھی، مگر ہونٹ منھ خشک تھے۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ آنکھیں سُرخ اور سوجھی ہوئی تھیں۔ ان میں آنسو اُمڈے ہوئے تھے۔ وہ انتہائی حزن وملال کرب واذیت محسوس کر رہی تھی، کیونکہ اس نے اپنی زندگی کے ہیرو اور اپنے باپ اتاترک کو کھو دیا تھا۔

اتاترک کو سپرد خاک کرنے کے بعد صبیحہ نے ایک باجر طیارہ میں بیٹھ کر طیران گاہ سے پرواز کیا اور بغیر کسی خاص ارادے کے فضا میں چکر کاٹتی رہی۔ اس نے طیارے کے ہوائی پائپ کھول دیئے۔ اور طیارہ بلند ہونے لگا، انتہا یہ کہ ابر سے ٹکرا کر ایک دم پستی ہونے لگا۔ صبیحہ نے اُسے روکنے یا اس پر قابو حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اور طیارہ زمین تک پہنچ کر ایک درخت سے ٹکرا گیا۔ پاش پاش طیارہ میں صبیحہ پائی گئی۔ جسے لوگوں نے شفا خانہ پہنچا دیا

"اس خاتون کو ایسے وقت پرواز نہیں کرنی چاہئے تھی۔ جبکہ اس کا دل بے قابو تھا" ڈاکٹر آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

صبیحہ چار گھنٹے بیہوش پڑی رہی اُسے معلوم نہ ہو سکا کہ ترکی کی ہر ایک عورت اُس کی صحت یابی کے لئے دست بدعا ہے اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کے باپ اتاترک نے اس کے لئے اپنے وصیت نامہ کی رو سے خاص جائداد چھوڑی ہے۔

آمنہ تمکین کاظمی

"لیکن مشرف! تم نے تو آج کمال ہی کر دیا - یہ آخری گول کیا صفائی سے ہوا"

"ہاں کچھ ایسا ہی موقع تھا" ، ہم نے جواب دیا -

اقبال "جانتے ہو۔ کلیم صاحب دیکھ رہے تھے - تمہارے کھیل کی بہت تعریف کر رہے تھے"

ہم "جیت گئے - اس وجہ سے! آپ مل جانے کے سبب سے!"

اقبال "نہیں نہیں - آج کھیل ہی بہت اچھا ہوا -

مجھے تو بڑی خوشی ہوگی - اس سال ہاکی پرائز تمھیں ملے گا"

ہم - اونہہ! اور نہیں تو ایک دن کی چھٹی تو ضرور ہی ملیگی -

اقبال ایک دن کی کیوں - دو دن کی نہیں یا"

آفتاب عالم تاب دن بھر کے کام سے تھک کر آرام کرنے جا چکا تھا - سڑک سنسان تھی - صرف کہیں کہیں ایک دو بھولے بھٹکے راہگیر نظر آ جاتے تھے - ہم دو لڑکے آج کے میچ کے متعلق دل خوش کن باتوں میں محو لمبے لمبے قدم بڑھاتے چلے جا رہے تھے - اور چاہتے تھے کہ جلد گھر پہنچیں اور " داد شجاعت " حاصل کریں کہ مالک میرے کی آواز نے ہمیں چونکا دیا ..... ہم گویا خواب سے جاگ اٹھے - سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک پستہ قد آدمی کھڑا تھا - خوش پوش مگر چہرہ سے پریشانی عیاں تھی - ہم دونوں رک گئے -

"ادھر آؤ لڑکو!" ایک تحکمانہ آواز آئی -

اقبال نے ہمیں دیکھا اور ہم نے اقبال کو -

" مالک میرے .... اللہ تمھاری امیدیں پوری کرے"

"امید - امید تو پوری ہو گئی" اقبال نے زیر لب کہا -

ہم "اور وہ دن کی چھٹی!"

" اوہ - ہاں!" اقبال نے کہا اور جیب سے کچھ نکال کر اس شخص کو دیا -

"ہم دونوں ہاکی سٹک ہلاتے چل دیئے - دور --- اندھیرے میں سے آواز آئی " مالک میرے " ہم دونوں مسکرا دیئے - " عجیب انسان ہے" ہمارے منھ سے نکلا

" ہاں کچھ سمجھ میں نہیں آیا " اقبال نے جواب دیا اور گنگنانا شروع کر دیا -

---

اب ہم لوگ سول لائنز میں رہتے تھے - جاڑے کے دن تھے سب باہر صحن چمن میں بیٹھے دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے - ہر ایک کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی چیز ضرور تھی - بھائی صاحب مزے لے لے کر اپنی روداد سفر سنا رہے تھے - امجد نے کہا کیوں بھائی جان انگلینڈ کے اسکولوں اور لڑکوں کا کیا حال ہے" وہاں کے اسکول بھی تمہارے ہی اسکولوں کی مانند ہیں - لڑکے اسکول جانا پسند کرتے ہیں - اسکول میں انھیں مکمل آزادی ہوتی ہے - مگر وہ اس آزادی کا بیجا استعمال نہیں کرتے - لڑکوں کو اپنے اسکول سے محبت ہوتی ہے اور ...."

اور باہر ایک شور سنائی دیا - اور چشم زدن میں - وہی صاحب نظروں کے سامنے تھے - ان کے پیچھے بہت سے آدمی تھے - مگر وہ سب پھاٹک کے پاس سے باہر چلے گئے - "آئیے شاہ صاحب" بھائی جان نے کہا - " آپ نے تو ہمیں یہاں بھی نہ چھوڑا"

شاہ صاحب برابر بڑبڑا رہے تھے - بچاؤ - بچاؤ - سارے مرے اللہ کرے ، میرا روپیہ - میرا کپڑا - کتا کاٹ لے ....."

بھائی جان نے کہا " تشریف رکھئے " اور وہ انگلیوں سے امجد کی طرف اشارہ کیا - امجد نے ایک دونی لا کر شاہ صاحب کو دیدی وہ ایک عجیب قہر آلود نظروں سے ہمیں دیکھتے ہوئے چلے گئے

اور امجد دونوں سہم گئے۔ کوٹھی کے پھاٹک سے آواز آئی :۔
" مالک میرے "!

"مالک میرے" امجد نے نہایت خوش گلوئی کے ساتھ شاہ صاحب کے لہجہ کی ہو بہو نقل کی۔ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے

"بری بات" بھائی جان نے امجد سے کہا۔ اور ہمیں گھورنے لگے۔ ہم ایک ایک کر کے وہاں سے غائب ہو گئے" یہ تھی ہماری اور شاہ صاحب کی دوسری ملاقات!

ہم بچوں کی ایک مجلس شوریٰ ہوئی اور بالاتفاق رائے ہم نے ان کا نام "مالک میرے" رکھ دیا۔ "مالک میرے" اب اکثر ہمارے یہاں آتے تھے۔ دو منٹ تک ٹھیرنا اور اپنی دونی لے کر چلا جانا۔ یہ ان کا معمول تھا۔ ایک دن سب جگہ چھٹی تھی۔ ہمارا ارادہ سیر کے لئے جانے کا تھا۔ صبح کے آٹھ بجے ہوں گے ہم روانہ ہونے ہی کو تھے کہ "مالک میرے" آگئے

"بھائی جان! "مالک میرے" آرہے ہیں" ہم نے کہا اور وہ بے تحاشا کمرے میں داخل ہو گئے

" تم لوگوں نے دیر کر دی۔ ہم نماز پڑھیں گے" انھوں نے کہا۔ اور فرش پر اپنی چادر بچھانے لگے۔

"یا اللہ! یہ کیا؟ امجد نے بھائی جان کا ہاتھ پکڑ کر کہا "ٹھیرئیے ٹھیرئیے۔ میں جانماز منگاتا ہوں" بچہ جا کر جلدی سے جانماز لاؤ" والد نے کہا۔ مگر "مالک میرے" نے نہ مانا اور نیت باندھنے لگے۔

"شاہ صاحب! ادھر قبلہ ہے" بھائی جان بولے۔

" نہیں۔ میں نہیں لوں گا" انھوں نے جواب دیا۔ اور نماز شروع کر دی۔ ایک ایک رکعت میں پانچ پانچ چھ چھ رکوع اور درجنوں سجدے۔ اور پھر وہ بھی شمال کی طرف۔ ہنسی ضبط کرنے کی وجہ سے ہمارا برا حال ہو رہا تھا۔

خدا خدا کر کے نماز ختم ہوئی۔ "مالک میرے" نے چادر اٹھائی اور چل دیئے۔ حسب معمول میاں امجد نے دونی حاضر کی

مگر وہ اسے پھینک کر یہ جا وہ جا اور کوٹھی سے باہر
والد کے چہرے پر افسوس اور تعجب کے آثار نمایاں تھے
بھائی جان ان کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ اور ہم دونوں کبھی والد کو کبھی بھائی جان کو اور کبھی ایک دوسرے کو۔ مسکراہٹ ہمارے لبوں پر کھیل رہی تھی اور امجد کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ بس وہ اب چیخا۔ "مالک میرے"

لوگوں کا بیان ہے کہ شاہ صاحب "مالک میرے" ایک متوسط الحال تاجر تھے۔ سیدھے سادے آدمی اور بھولے بھالے دوکاندار۔ انھوں نے اپنی ایمانداری اور زور بازو سے کچھ روپیہ جمع کر رکھا تھا۔ روپیہ امیروں کا دل و دماغ غریبوں کے ہاتھ کا میل بخیل کی زندگی۔ اس کا عیش و آرام اس کا بہشت۔ اس کا سب کچھ۔ اور بندوں میں خدائے قہار کے خلاف بغاوت پیدا کرنے والا ہے۔

تو ان کے پاس کچھ دولت تھی۔ ان کے بڑے بھائیوں نے بہلا پھسلا کر ان سے ان کی یہ متاع زندگی لے لی۔ اور ان کو خارج از عقل مشہور کر دیا۔ وہ فی الحقیقت اس تہمت بیجا کے حامل نہ تھے۔ مگر کچھ لوگ بھی بنا دیا کرتے ہیں۔ اور اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے بھائیوں نے ان کو گھر سے نکال دیا۔ وہی شخص جو کبھی خوشحالی کی زندگی بسر کرتا تھا اب اس حالت کو پہنچ گیا۔ اور نان شبینہ تک کو محتاج ہو گیا۔

دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب انسان آلام و مصائب میں گرفتار ہو جاتا ہے تو۔ اس کے بھائی بند۔ دوست۔ احباب۔ خویش و اقارب سب اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کو خدا یاد آتا ہے۔ اور وہ جا کر خدا کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔ وہی اس کو سکون بخشتا ہے
"مالک میرے" کو ایک سنسان مسجد میں جگہ مل گئی۔ یہیں وہ شاہ صاحب کے لقب سے موسوم ہوئے۔ زیارت

مزارات اولیا ان کا مرغوب فعل تھا۔ چنانچہ اس وارفتگی کے ایام میں بھی انھوں نے دہلی اجمیر اور دور دور تک کے سفر پیادہ کیے۔

یکایک شاہ صاحب" مالک میرے" کے دماغ میں ایک روشنی ہوئی۔ انھوں نے کہا " میں حج کو جاؤں گا"۔ مالک میرے میں حج کو جاؤں گا"۔

" میرے روپے دیدو! "

" اچھا تم چلو ہم روپیہ بھیج دیں گے"۔ ان کے بھائیوں نے کہا۔

" نہیں تم نہیں بھیجو گے"۔

" نہیں تم جاؤ۔ ہم تمھارے روپیہ روانہ کردیں گے"۔

" تم نہیں۔ تم نہیں۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔

ایک دو۔ تین ...... جہاز روانہ ہوتے گئے۔ آخری جہاز کے جانے میں صرف دو دن باقی تھے۔ مگر ابھی تک روپے نہ آئے۔ روپے نہ آنے تھے نہ آئے۔ دو دن ایک دن۔ چند گھنٹے اور پھر ایک گھنٹہ ..... جہاز روانہ ہونے والا تھا۔ " مالک میرے" پُر از حسرت نگاہوں سے جہاز کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے بدن کا ہر موئے رو رہا تھا۔ جہاز چل دیا۔ "مالک میرے" دل تھام کر رہ گئے۔ آنسوؤں کے دو بڑے بڑے بڑے قطرے ان کی آنکھوں سے نکل کر ان کے ہاتھوں پر ٹپک پڑے۔ یہ گویا درگاہ خداوندی کے لئے نذرانہ تھا ۔ ان کے منھ سے چیخ نکلی۔ "آہ جہاز چلا گیا" انھوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور بدن نوچ لیا۔

اب ان کا دماغ فی الواقع بالکل بیکار ہوچکا تھا۔

"مشرف تم تو کہہ رہے تھے کہ " مالک میرے" حج کو گئے ہیں لیکن میں نے آج ہی صبح ان کو دیکھا۔ اُف کیسا پُر درد منظر تھا وہی "مالک میرے" میری آنکھوں نے خطا نہ کی۔ اور لوگوں نے بھی کہا

کہ یہ وہی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر گھسٹتے چل رہے ہیں اور سوکھ کر بالکل کانٹا ہوگئے ہیں میں نے چاہا کہ جاکر ان کی کچھ مدد کروں۔ میں آگے بڑھا بھی۔ مگر ان کی یہ حالت دیکھ کر میرے دل پر ایک رقت طاری ہوگئی۔ اور میں بمشکل اپنے کو سنبھالتا ہوا وہاں سے نکل آیا"۔

بھائی جان نے درست فرمایا تھا۔ دوسرے دن کالج سے لوٹتے وقت سڑک کے کنارے آدمیوں کا ہجوم نظر آیا۔ جاکر دیکھا تو وہی " مالک میرے " خاک میں بتھڑے ہوئے زمین پر لوٹ رہے تھے۔ تمام کہنیاں۔ گھٹنے پشت۔ شانے سب لہولہان ہو رہے تھے۔ ان کے دائیں ہاتھ میں ایک اینٹ تھی۔ ہم آگے بڑھے کہ چل کر ان کی مدد کریں اور اگر ہوسکے تو اٹھا کر شفاخانہ لے چلیں۔ " مالک میرے" نے ہمیں آتا دیکھ کر کہنا شروع کیا:۔

" میرے روپے! تم میرے روپے لائے ہو؟ کیا تم میرے روپے لائے ہو؟ .... اہا! میرے روپیہ آگئے۔ اب جہاز .... "

" ہٹئے بابوجی۔ بچئے بچئے " ایک سفید پوش طالب علم کو آگے بڑھتا دیکھ کر تماشائیوں نے شور مچایا۔ ہم نے ادھر اُدھر دیکھا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اتنے میں ایک اینٹ آکر ہماری بائیں ٹانگ میں لگی اور پھر تمام مجمع میں ایک کھلبلی مچ گئی

اس سانحہ کے دوسرے دن " مالک میرے " خدا معلوم کس طرح اپنے آبائی گھر پہنچے۔ بھائیوں میں سے کوئی باہر نہ نکلا انھوں نے کہنا شروع کیا " میں اپنے روپے لینے آیا ہوں۔ لاؤ میرے روپے دیدو۔ نہیں تو میں تمھیں کھا جاؤں گا۔ کیوں نہیں دیتے؟ - اچھا مت دو۔ اب میں اپنے روپے وہاں (آسمان کی طرف اشارہ کرکے) جاکر لوں گا۔ انھوں نے ایک نظر پہلے اپنے دروازہ پر ڈالی اور پھر آسمان کی طرف دیکھا اور گر پڑے

" وہ جہاز۔ دیکھو چلا جائے گا۔ ہاں میں رہ جاؤں گا "۔

مالک میرے اس وقت زندگی کے بحر بے پایاں میں (باقی صفحہ ۳۷۷ پر)

وطن

کچھ عرصہ ہوا کہ محترمہ رقیہ کریانیہ صاحبہ کا ایک مضمون بعنوان "وطنیت" نظر سے گذرا۔ عنوان بے حد جاذب توجہ تھا۔ اور مضمون بھی اس قدر دلچسپ نکلا۔ مگر اختلاف رائے کی وجہ سے جی چاہا کہ میں بھی اپنے ناچیز خیالات ناظرات کی خدمت میں پیش کروں۔ اسی سلسلہ میں یہ عرض کر دینا چاہتی ہوں کہ میرا مطلب اس سے کسی ناخوشگوار بحث کا آغاز کرنا نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنے خیالات پیش کرنے ہیں۔ اگر کسی بھائی یا بہن کو ناگوار گزرے تو معاف فرمائیں۔

وطنیت وہ جذبہ ہے، جو قدرت نے ہر انسان کے اندر پیدا کیا ہے "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" اقبال کی مشہور نظم کا ایک مصرعہ ہے۔ جو شاعرانہ بلند خیالی کا ثبوت ہے۔ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا سے شاعر کی مراد یہ نہیں ہے کہ ہمیں بحیثیت مسلمان ہونے کے کسی خاص ملک کو اپنا وطن نہ بنانا چاہئے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان چونکہ دنیا کے ہر حصے میں بستے ہیں۔ اس لئے دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو کسی مسلم کا وطن نہ ہو۔

ذرا غور تو کیجئے کہ ہم ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان میں پلے۔ ہندوستان میں بڑھے۔ اسی ہندوستان پر ہم نے صدیوں راج کیا۔ اسی ہندوستان کی پیداوار سے ہم نے پیٹ بھرا۔ اسی ہندوستان کی مٹی میں ہمارے آباؤاجداد کی ہڈیاں ملیں۔ اور آج ہمارا یہ کہنا کہ ہم ہندوستانی نہیں ہیں سخت غلطی اور صریحاً بے انصافی ہے۔ ہمارے پاک مذہب نے ہمیں کسی جگہ بھی اس قسم کی تعلیم نہیں دی۔ ذرا ہم اسلامی تاریخ پر نظر ڈالیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ مذہب اور وطن کی خاطر جانیں دی ہیں۔ دور کیوں جائیں زمانہ موجودہ کو ہی دیکھیں۔ آج ترک قوم وطن پرستی کی بدولت کہاں سے کہاں پہنچی ہے۔ مصریوں نے اپنے پیارے وطن کی خاطر کس قدر قربانیاں کر کے آزادی حاصل کی ہے۔ چینی مسلمان اپنے وطن کی آزادی برقرار رکھنے کے لئے اپنی دیگر ہم وطن قوموں کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ اور عرب مجاہد اپنے وطن کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔ مجاہد اعظم اتاترک نے اپنی بیش بہا خدمات اور اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

مشہور عالم ادیبہ اور فخر قوم خاتون خالدہ ادیب خانم اپنی ایک تقریر میں فرماتی ہیں:۔

"اے بہادر ترکوں! یہ وہی زمین ہے جسے ہمارے آباؤاجداد نے اپنے لہو سے سینچا ہے۔ اے دلیر مجاہدو! یہ وہی زمین ہے جس کی آج تک ہم خون بہا کر حفاظت کرتے ہیں۔ یہ وہی زمین ہے جس میں ہمارے بزرگوں کی ہڈیاں دفن ہیں مٹ جاؤ اور قربان ہو جاؤ اس پر پہلے اس کے کہ کوئی اور ہمارے وطن پر قبضہ کرے۔ بہادر ترکوں! قربان کر دو اپنی جانیں آزادی وطن کی حفاظت پر"

بہنو! ہمیں بھی چاہئے کہ ہم ان مقتدر ہستیوں کے کارناموں سے سبق لیں۔ آج ہمارے ملک کی جو حالت ہے۔ وہ ہر دردمند دل کو رلا دینے کو کافی ہے۔ ہمارے وسیع اور زرخیز ملک میں افلاس کی گھٹائیں دن بدن چھاتی جاتی ہیں۔ جہالت کی تاریکی نے فضا کو اور بھی بھیانک کر رکھا ہے۔ اگر اب بھی ہم میں سے ہر شخص اپنے صحیح فرض کا احساس کرے تو وہ دن دور نہیں کہ ہندوستان ترقی کی منزلوں تک پہنچ جائے۔ ہندوستان کا افلاس اب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ یہاں کے باشندوں کو زندگی کی ضروریات تو کجا، پیٹ بھرنے کو اناج نہیں ملتا۔ ہماری سڑکوں کی پٹریاں ان غریب لوگوں سے بھرتی جاتی ہیں، جن کے تن پر کپڑا ہے نہ کھانے کو مٹھی بھر اناج اور نہ

رہنے کا کوئی ٹھکانہ۔ یہ ان ہی پٹریوں پر پیدا ہوتے ہیں۔ بڑھتے ہیں پلتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں۔ اچھے ہوتے ہیں۔ غرضکہ زندگی کی کشمکشوں میں سرگرداں رہنے کے بعد موت انھیں ان ہی پٹریوں پر ابدی نیند سلا دیتی ہے۔

اس زمانہ میں امریکہ میں روزانہ آمدنی کا اوسط ہر شخص کا آٹھ روپیہ۔ جرمنی میں چار روپیہ۔ فرانس میں آمدنی تین روپیہ، انگلستان میں ساڑھے تین روپیہ۔ اٹلی میں دو روپیہ آٹھ آنے پڑتی ہے۔ اور ہندوستان جسے سونے کی چڑیا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہاں ہر شخص کی روزانہ کی اوسط آمدنی ہے صرف ایک آنہ!!!

ذرا خیال تو فرمائیے کہ یہ ایک آنہ ایک انسان کی ضروریات تو علیحدہ، پیٹ بھرنے کے لئے بھی کافی ہے۔ یا نہیں؛ ہمیں ہر نوالہ حلق سے اُتارتے وقت یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنے اتنے ہم وطنوں کا پیٹ کاٹ رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ صرف ہمارے ہی ملک میں غریب بستے ہیں۔ نہیں بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں غریب بھی ہیں، لیکن ساتھ ہی وہاں وہ مخیّر ہستیاں بھی تو ہیں۔ جو اپنے ہم وطنوں کی ہمدردی کا مادہ دل میں رکھتی ہیں۔ لیکن ہم ہندوستانیوں میں سے ہمدردی کا مادہ جو ہمارا بیش قیمت جوہر تھا ضائع ہو چکا ہے۔

مسلمان وطن کی کیسی قدر کرتے ہیں وہ ذیل کی مثال سے معلوم ہو جائے گا۔ ایک دفعہ ایک ہندوستانی نواب صاحب مصر تشریف لے گئے۔ راستے میں اُنھوں نے ایک مصری فقیر کو دیکھا، جو نہایت دردناک صدائیں لگا رہا تھا۔ نواب صاحب کے دل میں ہمدردی کا مادہ تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے فوراً جیب سے ایک سکہ نکال کر دینا چاہا۔ مصری فقیر نے انکار کر دیا۔ وہ یہ سمجھے کہ زیادہ لینا چاہتا ہے اور زیادہ بڑھا کر دینے چاہے۔ مگر وہ انکار کئے گیا۔ اخیر میں اس نے اپنے انکار کی جو وجہ بتائی اور اس کا ترجمہ نواب صاحب کو سنایا گیا وہ ہم سب ہندوستانیوں کے لئے سبق آموز تھا۔ اس نے کہا۔ "اے ہندی تو اپنے سکے واپس لے لے۔ تو غلام ہے اور ایک غلام کی خیرات میں نہیں لے سکتا۔" ہمیں ان الفاظ سے دو سبق ملتے ہیں۔ اول تو یہ کہ ہم چاہے کچھ ہی کہیں دنیا ہمیں ہندوستانی ہی سمجھتی ہے، اور دویم یہ کہ ہماری پستی اب اس درجہ پہنچ چکی ہے کہ ایک آزاد اسلامی ملک کا فقیر ہماری خیرات تک لینی گوارا نہیں کرتا۔

پیاری بہنو، ہماری خدمتِ وطن یہ نہیں ہے کہ ہم اونچے طبقے میں کھڑے ہو کر لیکچر دیں اور اپنی قابلیت کے سکے بٹھائیں۔ ہمارے دل سچی ہمدردی سے واقف نہ ہوں، لیکن قومی اور وطنی خدمت کے نعرے لگائیں۔ حب وطنی کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح بھی اور جو کچھ بھی ہم سے اپنے پیارے وطن کے لئے ہو سکتا ہے، خوشی خوشی کریں اور بغیر امتیاز مذہب وملت سب کی بھلائی کا خیال رکھیں۔ ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا   ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

شوکت ریاض حسین - کلکتہ

۳۷۵ صفحہ کا بقیہ

سفر کر رہے تھے۔ اور اب ان کا جہاز عمر اس سمندر سے روانہ ہونے والا تھا ——— اور پھر جہاز ...... میرا جہاز...
.... میرا جہاز ...... میرا جہاز ..... آہ، آہ جہاز چھوٹ گیا اور ہائے ——— " اور ان کا جہاز چلدیا اور چلا گیا وہ بمبئی سے خدا کے گھر کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ اور اب وہ سیدھے خدا سے ملنے چلے گئے۔ ان کا جہاز بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ گیا۔

ایم۔ اے۔ کے۔ یوسف زئی۔ آگرہ

دودھ کے دانت

دودھ کے دانتوں کے متعلق پنجاب کے ایک ماہر ڈاکٹر کا مضمون اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ چونکہ بچوں کی پرورش اور پرداخت کی ذمہ دار زیادہ تر مائیں ہیں، لہٰذا عصمتی بہنوں کی آگاہی اور معلومات کے لئے اس مضمون کے ضروری اقتباس ذیل میں درج کرتی ہوں۔

دودھ کے دانتوں کی تعداد فک اعلیٰ اور فک اسفل میں بیس ہوتی ہے۔ اور یہ دانت سات ماہ سے تیسرے سال تک نکل چکتے ہیں اور چھ سال کی عمر پر پہنچ کر بارہ سال کی عمر تک ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کا ٹوٹنا قدرتی اور طبعی ہے۔ ڈاڑھیں یا اضراس عارضی نہیں ہوتیں۔ بلکہ ۱۶ یا ۵ ۲ سال تک کی عمر میں مستقل طور پر نمودار ہوتی ہیں۔ ۱۲ سال کے بعد بچے کے مستقل دانت پھوٹنے شروع ہوتے ہیں۔ اور ساٹھ ستر سال کی عمر تک قائم رہتے ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں تادم آخر۔

عام طور پر اکثر مائیں کہا کرتی ہیں کہ دودھ کے دانتوں کی خبر گیری ضروری نہیں اور دس بارہ سال کی عمر میں طبعی طور پر گر جاتے ہیں۔ یہ ایک عذر لنگ ہے ان کی صفائی عمل میں نہ لانے کے لئے۔

مستقل دانتوں کی طرح دودھ کے دانت بھی غذا کو چبانے میں معاون ہوتے ہیں۔ اگر غذا بخوبی چبائی نہ گئی ہو تو معدہ اسے قبول نہیں کرتا۔ مستقل دانتوں کے نکلنے سے قبل اگر کوئی عارضی دانت نکال دیا جائے تو اس کے ساتھ کے دونوں دانت دوسرے دانت کے نکلنے میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ وہ کسی قدر زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ اور جدید دانت چھوٹا رہ جاتا ہے۔ بدیں وجہ دانتوں کی قدرتی ساخت اور ترتیب خراب ہوجاتی ہے۔

بدنما دانت انسان کے لئے مصیبت اور خوبصورت دانت اس کے لئے نعمت ہیں۔ ماؤں کا فرض اولین ہے کہ وہ باقاعدہ بچوں کو برش اور منجن کا استعمال سکھائیں۔ دانتوں کی حفاظت برش کے ذریعہ صفائی کر کے عمل میں لائی جاتی ہے۔ برش کے استعمال سے دانتوں کے درمیانی جوف میں غذا کے ذرات باقی نہیں رہتے۔

جس طرح صابون سے ہاتھوں کا میل صاف ہوتا ہے۔ اس طرح دانتوں کی صفائی منجن کے ذریعہ عمل میں آتی ہے معمولاً بعد از طعام بچوں کو برش سے دانتوں کو صاف کرنا چاہئے۔ ناشتہ کے بعد اور بستر استراحت پر دراز ہونے سے قبل بھی دانت صاف کرنا خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے بچے زیادہ تر نباتاتی اغذیہ کھاتے ہیں۔ مثلاً دالیں وغیرہ۔ ان میں مادہ شکری کثیر مقدار میں شامل ہوتا ہے۔ اور لعاب دہن اور رطوبات انہضام کے شمول سے دانتوں کے لئے مضرت رساں بن جاتا ہے۔ دانتوں کی بیرونی سطح یا غلاف اس کے اثر سے عرصہ تک برش نہ کرنے کے باعث شکستہ و شق ہوجاتی ہے۔

جب تک بچہ برش کرنے کے قابل نہ ہو دانت پھوٹنے کے وقت سے ہی استعمال کیا جانا ضروری ہے۔ بعد ازاں ماں کو اپنی زیر نگرانی بچہ سے دانتوں کی صفائی کرانی چاہئے۔ صرف یہی نہیں ان کو چاہئے کہ وہ بچہ کا معائنہ دہن بھی عمل میں لائیں۔ اگر ذرا خرابی عمل میں آجائے تو انہیں بچہ کو فوراً کسی ماہر "ڈینٹسٹ" کے پاس لے جائیں۔ اور علاج حاصل کریں۔ یہ سوال کہ بچہ کو کس عمر میں ڈینٹسٹ کے پاس لے جانا چاہئے اکثر پیش کیا جاتا ہے۔ میری رائے میں تین سال کی عمر میں اس کو ضرورت ہوتی ہے۔ فی زمانہ حفظ ماتقدم بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا بچہ کو درد دنداں کی تکلیف میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈینٹسٹ کے پاس

لے جایئے نیز امراض سے تحفظ کی تدابیر بہت زیادہ دستیاب ہوگئی ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے واقعی جملہ امراض سے نجات ملتی ہے،

آج کل معالج و ماہر دنداں حفظ و بقاءِ صحت کے سلسلہ میں زبردست اہمیت حاصل کرچکا ہے۔ دانتوں کی درمیانی جوف میں ذرات غذا کا باقی رہنا دانتوں کی خرابی کا بڑا بھاری سبب ہے۔ دانتوں کی حفاظت ان کے بیرونی غلاف سے ہوتی ہے۔ اس میں ذرا بھی خرابی نہیں پیدا ہونی چاہیئے۔

غذا میں ایسے اجزا کی قلت جن سے دانت کی ساخت عمل میں آئی۔ دانتوں کی خرابی کا اندرونی اور داخلی سبب ہے۔ دانتوں کی ساخت میں خون کے مختلف اجزا کام آتے ہیں۔ اگر لائم اور فاسفورس کی غذا میں قلت ہو اور دانت ناقص اجزا سے تعمیر پذیر ہوں تو بیشک حامضات کے اثر اور ناکافی صفائی کی وجہ سے جلد شکستہ ہو جاتے ہیں۔

ورزش اور آفتاب کی تمازت سے بچے طاقتور ہو سکتے ہیں۔ جو بچے گرم آب و ہوا میں پرورش پاتے ہیں۔ ان کے دانت اور ہڈیاں (اعاظم) مضبوط رہتی ہیں۔ پھل، ترکاریاں دانتوں کے لیے عملی طور پر مفید ہیں۔ دانت کا بیرونی غلاف بہتر حالت میں رہتا ہے۔ مسوڑھے بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اگر غذا بخوبی چبائی جائے، تو مسوڑھوں میں دوران خون تیز رہتا ہے۔ نیز سخت قسم کی اشیا کو چبانے سے فک اسفل اور فک اعلیٰ اور مسوڑھے طاقتور ہو جاتے ہیں۔ غذا میں ٹوسٹ ڈبل روٹی (خشک) روے کی ڈبل روٹی خام ترکاریاں دینی زیادہ مناسب ہیں۔ اس قسم کی اشیا سخت ہوتی ہیں اور دانتوں کے لئے سودمند۔

بچوں کے دانتوں کی صفائی کی اہمیت عیاں ہو جاتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ امراض متعدی میں مبتلا ہونے والے بچوں کے دانت کرم خوردہ اور مسوڑھے متورم ہوتے ہیں۔ اور جن بچوں کے دہن صاف رہتے ہیں وہ متعدی امراض میں مبتلا نہیں دیکھے جاتے۔ اس امر سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جب منہ میں شگاف موجود ہوں تو ان کے اندر جراثیم نباتی، اور دیگر حیوانی جراثیم وغیرہ پرورش پا سکتے ہیں۔ اور بچوں کو اسکول میں ایک دوسرے سے، یا ساتھ کھیلنے والے بچوں سے مختلف امراض کا عدوی لگ جاتا ہے۔

آج کل بچے مٹھائیاں۔ ثقیل اغذیہ ترکاریاں اور پھل کھاتے ہیں۔ اس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ان کو مٹھائیاں قلیل مقدار میں اور پھل اور ترکاریاں افراط کے ساتھ دینی چاہئیں۔ مزید برآں ان بچوں کو آزادی کے ساتھ دھوپ اور کھلی ہوا میں ورزش کرانا ضروری ہے۔

گ۔ ن۔ بنت شیخ ابو الفضل

ماں کا پیارا بچّہ

حوض کا یہ صاف شفاف پانی، اُڑنے والے پرندوں کے پیچھے، روپہلی نکلنے والی دھوپ، ان چیزوں کا لُطف میرے پیارے تجھے چپکا بیٹھا ہوا اُٹھا تا رہ۔ اِدھر اُدھر نہ بھاگتا پھر۔

تیرے خوبصورت اور دلفریب مکھڑے پر مجھے ناز ہے۔ تیری مسکراہٹ اور بھولی بھالی اداؤں پر ماں واری۔ دنیا کو بھی میری خوش قسمتی پر رشک ہے۔ وہ بھی تیرے پیروں تلے آنکھیں بچھا رہی ہے۔ مگر اے جانِ مادر! بھول کر بھی اُدھر کا رُخ نہ کرنا

قسم قسم کے پھول کھل رہے ہیں۔ ان کے خوشنما اور دلکش رنگ دیکھ کر تو بھی اس طرف بھاگے گا۔ ان کی بہار لوٹنے میں محو ہو جائے گا۔ لیکن میں ڈرتی ہوں۔ جب تو ان میں مِل جائے گا۔ تو میرا اپنا پھول کونسا ہے۔ یہ میں نہ پہچان سکوں گی اس لئے اے میرے پھول اُدھر نہ جا۔ بادِ صرصر کے جھونکے چل رہے ہیں۔ کبھی کبھی زور کی ہوا چل جاتی ہے۔ تیرا یہ نازک جسم بھی ہوا کے مانند ہے۔ ہوا تجھ کو اپنا سمجھ کر لے اُڑے گی۔ تو خوش خوش آسمان کی طرف بھاگے گا۔ پھر میرے کمزور ہاتھ تجھ تک نہ پہنچ سکیں گے۔

حوض کے شفاف پانی میں آسمان کا جو عکس پڑ رہا ہے اس کو دیکھ کر تو پانی کی تہہ میں چلا جائے گا تیری خوبصورتی سے پانی اور عکس کا رنگ ایک ہو جائے گا۔ میں تجھے کہاں ڈھونڈوں گی۔ جس طرح پانی پر بُلبلے دکھائی دیتے ہیں ان کو پانی کی لہریں اور موجیں فنا کر دیتی ہیں۔ اسی طرح تو دنیا کے سمندر میں ایک بُلبلا ہے مصیبت کی لہریں اور آفت کی موجیں تجھے فنا کر دیں گی، اس لئے اے پارۂ جگر تو میری گود میں ہی بیٹھ جا۔ کہ ہر حال میں محفوظ رہیگا۔

پھول اور پرند کی آزادی کو تو نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ اے میرے پیارے بچے! یہ سب تجھے پھانسنے کے جال ہیں تو ادھر دھیان نہ دے۔ اگر میرا کہنا نہ مانے گا تو اس کے ساتھ تو اُنھیں کے رنگ میں مِل جائے گا۔ اور مجھ سے چھوٹ جائے گا۔

بغیر لفظ کے دلفریب و دلکش نغمے تال اور سُر کو خدا ہی جانتا ہے جب تو گاتا ہے تو سورج افق کے پردے سے اپنی کرنوں کو دے کر تیرا مُنھ چومنے کے لئے آتا ہے۔ پرند آسمان پر اُڑتے ہوئے تجھ پر صدقے ہوتے ہیں۔ پھول اپنی خوشبو کا تحفہ تجھے پہنچاتے ہیں۔ یہ نغمے نہ گا ورنہ تجھے نظر لگ جائے گی۔

دیکھ! دیکھ! صبح نکلنے والے سورج کی بانکی ترچھی کرنیں اس فوارہ پر جن میں سے پانی اُچھل رہا ہے۔ پڑ کر قوسِ قزح کا رنگ پیدا کر رہی ہیں اس رنگ کو لینے کے لئے نہ بھاگ۔ یہ صرف رنگ ہے۔ دھوکا ہے تو دیکھنے میں محو ہو جائے گا۔ قوسِ قزح کا عکس جب تجھ پر پڑے گا تو تو بھی پانی کی سی بوندوں میں مل کر حوض میں گر جائے گا۔ تُو تو خوشی خوشی اُچھلتا کودتا رہیگا۔ اور اور میں پریشان ہو جاؤں گی۔ اس لئے اپنے پھول سے رخسار میرے منھ سے لگا۔ میں چوم لوں گی۔ پھر ہم ایسے لطف اور بہار کی لذت محسوس کریں گے۔ جس کے سامنے۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

(ترجمہ)

ملک فضل امام شیدا کیوروی

کاغذی ترش لیمو

از محترمہ امت الحفیظ مولفہ "صنعت و حرفت" از مڈغاسکر

کاغذی لیمو ایک ایسی کارآمد چیز ہے، جس کا استعمال ہر بہن کو جاننا چاہیئے۔

(۱) گرمیوں میں شدّت کی پیاس کے وقت اس کا شربت نہایت ہی فرحت بخش اور تسکین پہنچاتا ہے۔ تین، چار اچھے تازہ لیمو کا عرق نکال لو، اب اس میں تین انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملا دو۔ ٹھنڈا پانی اور چینی حل کر کے اچھی طرح ملاؤ۔ اور چھان کر تھوڑی برف ملا کر پیو۔ یہ شربت نہ صرف تسکین بخشیگا، بلکہ گرمی کی وجہ سے جو طبیعت گری گری سی رہتی ہے اور کمزوری محسوس ہوتی ہے اس کو بحال کر دیگا۔

(۲) مچھلی پکاتے وقت اس میں تھوڑا لیمو کا عرق نچوڑ دو، مچھلی کے ذائقہ خوشبو اور رنگت میں نمایاں فرق پاؤ گی

(۳) تازہ پھلوں کی جیلی پکا کر ٹھنڈی کرنے سے قبل اس میں تازہ لیمو کا تھوڑا سا عرق ملا کر رکھو، اس کی رنگت کا گہرا پن نہ رہے گا۔

(۴) چاول اُبال کر پانی نچوڑنے سے قبل نصف لیمو کا عرق اس میں نچوڑ دو چاول الگ الگ اور بالکل سفید رہیں گے۔

(۵) گھر کی آرائش کی اشیاء جو کہ پیتل وغیرہ کی ہوں ان کو صاف کرنے کے لیئے لیمو اچھی چیز ہے۔ لیمو کو کاٹ کر ان اشیاء پر خوب ملو۔ پھر گرم پانی سے دھو کر نرم کپڑے سے گھس کر پالش کر دو۔

(۶) چمڑے کے سوٹ کیس، جوتے اور دیگر اشیاء صاف کرنے کے لیئے لیمو کاٹ کر ان پر ملو۔ پھر تھوڑی دیر بعد رگڑ کر صاف کر ڈالو۔ سب مٹی، دھول جو جم گئی ہے صاف ہو جائیگی۔

(۷) سیاہی کے داغ دھبے اور نیز لال دوا (پوٹیشیم پرمینگانیٹ) جو کنوؤں وغیرہ میں ان کا پانی صاف کرنے کے لیئے ڈالی جاتی ہے۔ اس کے داغ دھبّے بھی لیمو کے پانی سے دور ہو جاتے ہیں۔

(۸) نمک اور لیموں کا عرق دونوں ملا کر ہاتھی دانت کی اشیاء پر لو پھر پانی سے دھو کر نرم کپڑے سے ملو۔ خشک ہونے پر ہاتھی دانت کی اشیاء بالکل نئی معلوم ہوں گی۔

(۹) جس زمانہ میں صابن وغیرہ نایاب اشیاء تھیں اس وقت سر کے بال دھونے کے لیئے یہ ایک بہترین چیز تھی سر کو دھو کر آخری پانی میں ایک تازہ لیمو کا عرق ملا کر دھوؤ۔ بال خشک ہونے پر بہت ہی چمکدار اور ملائم ہوں گے۔

(۱۰) اگر کسی کے دانت بہت میلے ہوں، تو اس کو چاہیئے کہ کھانا کھانے کے بعد لیمو کو دانتوں پر گھسے متواتر ایسا کرنے سے دانت کبھی میلے نہ رہیں گے بلکہ موتی کے آبدار و چمکدار بن جائیں گے۔

(۱۱) نصف لیموں کے عرق کو ایک گلاس پانی میں ملا کر اس کے غرارے کرنے سے گلے کی خراش اور سردی کو آرام آئے گا۔

(۱۲) نصف لیمو کے عرق کو علی الصباح ایک پیالی چائے میں ڈال کر پینا (بغیر دودھ کی چائے) پھیپھڑے کو طاقتور اور تندرست بناتا ہی اس کے گندے مواد کو خارج کر دیتا ہے جن بہنوں کا دل دھڑکتا رہتا ہے ان کے لئے اس سے سستی اور بہتر کوئی دوا نہیں۔

(۱۳) اگرمیوں میں کھانے کا سوڈا یعنی سوڈا بائی کاربونیٹ کو ایک چمچہ پانی میں ملاؤ اب اس میں ایک تازہ لیمو کا عرق ملا دو سوڈا واٹر کی بوتل کی مانند اس میں اُبال آئیگا، یہ بہت بہتر چیز ہے اگر کھاری اچھا نہ معلوم ہو تو تھوڑی چینی ملا لینے سے تازہ لائم جوس کا مزا دیگا۔ اس سے فائدہ مند اور بہتر

(۱۴) لیمو کا عرق اور گلیسرین دونوں کو ملا کر ہاتھوں اور منھ پر مل لیا کرو یہ ان کو صاف اور ملائم رکھنے کے لئے لاجواب چیز ہے۔

(۱۵) لیمو کا عرق اور ہائیڈروجن پروکسائیڈ دونوں کو ملا کر رات کو سونے سے قبل ہاتھوں اور منھ پر مل لیا کرو چند دن کے استعمال سے اپنے رنگ میں نمایاں تبدیلی پاؤگی۔ کیونکہ یہ دونوں رنگت نکھارنے اور صاف کرنے کے لئے بہترین چیزیں ہیں۔ اگر متواتر ایسا کرتی رہوگی تو کسی اچھی سے اچھی کریم یا سنو کی کبھی ضرورت محسوس نہ کروگی۔ اس سستی چیز سے فائدہ اُٹھاؤ۔

(۱۶) اگر کسی جگہ مچھر بہت ستاتے ہوں تو ان کو چاہئے کہ گلیسرین اور لیمو کا عرق جسم پر مل لیں جس جگہ پر یہ لگا یا ہوا ہوگا وہاں مچھر نہ کاٹیں گے۔

(۱۷) دھوپ جلے کے لئے لائم جوس کی مرہم ایک مانی ہوئی مجرب دوا ہے۔ اس کو بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ لیموں کو چھیل کر اس کی تریاں نکال کر ایک چینی کے پیالہ میں ڈالو۔ اب اس پر ایک پیالی گرم دودھ کی ڈالو اور خوب ہلا کر رکھ دو۔ دو تین گھنٹہ کے بعد باریک کپڑے میں سے چھان ڈالو۔ اب اس کو دھوپ جلے حصوں پر لگاؤ۔ چند دن کے استعمال سے دھوپ جلے کے بھورے بھورے داغ دھبے بالکل جاتے رہیں گے۔

لیمو کا اچار:۔ دو درجن تازہ پکے ہوئے لیموں لے کر ان کو دھو کر کپڑے سے صاف کر ڈالو اور چار چمچے پسے ہوئے نمک کے ملا کر اوپر ایک درجن دوسرے لیمو کا عرق نکال کر ملا دو۔ اس بوتل کو ہر روز دھوپ میں رکھ دیا کرو۔ ایک ہفتہ کے بعد کھانے کے لائق ہو جائے گا۔ نہایت ہی زود ہضم اور مفید اچار ہے کھانے کو ہضم کرتا ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔ اشتہا کو بڑھاتا ہے۔

اسی طرح لیمو کا عرق ملانے کے بجائے سرکہ ملا کر سرکہ والا۔ یا تیل ملا کر تیل والا اچار بنایا جا سکتا ہے۔

سکنڈے نیویا

یورپ کی موجودہ لڑائی کے تیور بتا رہے ہیں کہ اس کا مورچہ میجینو لاین اور سیگفرڈ لائن تک ہی محدود نہ رہے گا، اور اور مستقبل قریب میں اس عالم گیر تباہی کے تند و ہلاک آفریں شعلے اپنی لپیٹ میں ریاست ہائے بلقان اور سکنڈے نیویا کو لے لیں گے۔ جزیرہ نما سکنڈے نیویا یورپ میں سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس میں ناروے سویڈن شامل ہیں لیکن سکنڈی نسل کے لوگ ڈنمارک میں بھی آباد ہیں۔ اور آئس لینڈ و گرین لینڈ کے جزائر میں بھی آباد ہیں۔ یہ لوگ آریائی نسل کے فرقہ ڈک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جرمنی۔ فرانس اور برطانیہ میں تو یہ نسل دوسری قوموں کے ساتھ خلط ملط ہو گئی لیکن اس دور دراز ملک میں آریائی خون میں کسی قسم کی بیرونی آمیزش نہ ہو سکی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سکاٹ لینڈ کے باشندے نسلی اعتبار سے سکنڈے نیویا کے باشندوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۸۰۰ء تک بہت کم لوگوں کو اس ملک کا حال معلوم تھا۔ اس کے بعد یہاں عیسائی مشنری آئے، اور تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ ڈنمارک کا ذکر کرنا ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن ناروے اور سویڈن کا حال آپ کو سناتے ہیں۔ ان دونوں ملکوں کو کیل کا سلسلہ جدا کرتا ہے۔ ناروے کی ڈھلان جنوب مغرب کی طرف ہو گئی ہے۔ اور سویڈن کی جنوب مشرق کی طرف: ناروے در اصل اٹلانٹک اور شمالی سمندر کا ملک ہے، اور سویڈن بالٹک سمندر کا۔ ناروے میں ایسے دریا موجود نہیں جن میں بآسانی جہازرانی کی جا سکے۔ برخلاف اس کے سویڈن میں اکثر دریا قابل جہازرانی ہیں۔ ناروے کے دریا چھوٹے اور تیز رفتار ہیں۔ اور اکثر ان میں سے گلیشیر ہیں اور سویڈن کے سست اور نرم رفتار۔ ناروے انگلستان سے دو ڈھائی گنا بڑا ہے لیکن اس ملک کا بڑا حصہ پہاڑی، اور ناقابل کاشت ہے۔ آبادی اس کی تیس پینتیس لاکھ کے قریب ہے۔ ناروے میں جنگلات بڑے گھنے ہیں اور نارویی لوگ اس سے فائدہ بھی خوب اٹھا رہے ہیں۔ یہ لوگ بھیڑیں چرا کر ان کی اون سے کپڑا تیار کرتے ہیں۔ ناروے کے لوگوں کا سب سے زیادہ شوق ماہی گیری اور جہازرانی کی طرف ہے۔ اتنے چھوٹے سے ملک کے جہاز دنیا کے بڑے بڑے سمندروں کو کھنگالتے پھر رہے ہیں۔ ساری دنیا کی بحری طاقت میں چوتھا درجہ ناروے کا ہے۔ ۱۔ برطانیہ۔ ۲۔ امریکہ۔ ۳۔ جاپان۔ ۴۔ ناروے۔ ۵۔ جرمنی۔ ۶۔ فرانس۔ ۷۔ اٹلی۔ ۸۔ نذرلینڈ۔ ۹۔ سویڈن ۱۰۔ یونان۔ ۱۱۔ ہسپانیہ۔ ۱۲۔ ڈنمارک۔

ناروے میں قدرتی معدنیات کی کمی ہے۔ البتہ کیونکہ یہاں کے دریا بہت سے آبشار بناتے ہیں، اس لئے جگہ جگہ بجلی کی طاقت حاصل کر کے اس سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اور بہت سے کارخانے قائم کئے گئے ہیں۔ باشندے اس ملک کے بڑے مضبوط، توانا اور تندرست ہوتے ہیں۔ اور ان کا اخلاق اچھا ہوتا ہے۔ یورپ کے کسی ملک کے باشندے جانوروں کے ساتھ

رحم کرنے میں ان سے بڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ جفاکشی ان پر ختم ہے ہمت اور اولوالعزمی ان پہاڑی لوگوں کے خمیر میں شامل ہے۔ سارے کرۂ ارض پر سفر کرنا ان کے لئے معمولی سی بات ہے۔ جہاز راں اس ملک کے بڑے جوانمرد ہوتے ہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قطب جنوبی جس بہادر نے سب سے پہلے دریافت کیا وہ اسی ملک کا باشندہ ایمنڈسن تھا اور شمالی قطب کی تلاش میں ڈاکٹر نینسن کے انکشافات قابل قدر ہیں۔ تعلیم یہاں عام ہے۔ اوسلو اس ملک کا دارالخلافہ ہے۔ جس کی آبادی تین لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ برگن ایک عظیم الشان بندرگاہ ہے۔ ملک کے شمالی حصہ میں لوہے کی کانیں ہیں۔ جہاں تک ریل کی لائن پہنچائی گئی ہے۔ مگر یہاں سردی بلا کی پڑتی ہے۔ شمالی علاقوں میں ۱۲ مئی سے ۲۹ جولائی تک سورج دن رات چمکتا رہتا ہے۔

سویڈن ناروے سے زیادہ آباد علاقہ ہے۔ اور یہاں کاشتکاری بھی خوب ہوتی ہے۔ لکڑی کا غذ اور دھاتیں باہر بھیجی جاتی ہیں۔ لوہا اور فولاد جس قدر صاف اور خالص قسم کا یہاں کی کانوں میں نکلتا ہے۔ ایسا دنیا کے کسی ملک میں نہیں نکلتا۔ جست، گندھک اور تانبا چاندی بھی پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ ان دھاتوں کے پگھلانے کے واسطے کوئلہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور کوئلہ اس ملک میں کم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ڈنمارک اور جرمنی سے آتا ہے۔ یہاں کے دریاؤں میں جہاز رانی ہوسکتی ہے۔ ملک میں نہروں کا جال بچھا دیا گیا کہ ریلیں ملک کے گوشہ گوشہ میں بچھا دی گئی ہیں۔ یہاں رینڈر جانور پایا جاتا ہے۔ سٹاک ہالم دارالسلطنت ہے یہ بڑا خوبصورت شہر ہے۔ جس میں ایک ہسٹاریکل میوزیم دیکھنے کے قابل ہے۔ آبادی اس شہر کی چھ لاکھ سے زائد ہے۔ بندرگاہ گوتھن برگ بھی بڑی تجارت کی منڈی ہے۔ ایک ایک لاکھ آبادی کے کئی شہر ہیں۔ سویڈ لوگ یورپ کے شائستہ ترین انسان سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں جمہوری حکومت ہے۔ پراٹسٹنٹ مذہب کے یہ آزاد خیال آدمی زیادہ تر تجارت کرتے ہیں۔

شاید آپ نے سُنا ہوگا کہ الفرڈ نوبل نام کے ڈائنامیٹ کے موجد ۱۸۳۳ء میں سٹاک ہالم میں پیدا ہوئے تھے اور اُنھوں نے نوبل پرائز دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو اب تک جاری ہے۔ اور دنیا کے بڑے بڑے مصنفوں کو ہر سال دیا جاتا ہے۔

خبر آئی تھی کہ سویڈن کے لوہے پر جرمنی کا اور جنگلات پر روس کا دانت ہے۔ اور اب یہ خبر بھی آئی ہے کہ ڈنمارک پر جرمنی نے قبضہ کرلیا۔ اور ناروے پر سخت حملہ کر رکھا ہے۔ بلکہ کئی مقامات بھی لے چکا ہے

(بک آف نالج سے ماخوذ)

زبیدہ زرّیں ۔ مورینہ

عصمت کا سالگرہ نمبر نہایت آب و تاب سے آخر جون میں شائع ہوگا

شنائل اور سلمہ موتی کی بیل

ریشمی ساری کے بورڈر کے لئے

سامان ۔شنائل سبز۔شنائل عنابی۔ سلمہ سنہرا۔ موتی سفید ایمی ٹیشن۔ دھاگہ ہمرنگ شنائل۔شنائل بہت عمدہ ہونی چاہیئے۔

ترکیب تیاری۔ نقشے کو ریشمی ساری کے کناروں پر ٹریس کر لیجئے۔ کاربن کاغذ نہ لگایئے بلکہ ساری کا کنارا نقشے کے اوپر رکھئے۔ نقشہ نظر آنے لگے گا۔ پس ڈرائنگ پنسل سے نقل کر لیجئے۔ اور پتوں پر اطراف پتہ معہ ڈالی سبز شنائل ٹانکئے۔ پھول کے اطراف عنابی شنائل ٹانکئے۔ ٹانکے قریب اور نہایت باریک ہوں تاکہ نظر نہ آئے۔ جب تمام بیل پر شنائل ٹک چکے تو سلمہ کے ٹکڑے باریک قینچی سے کتر لیجئے۔ اور پھول پتوں کی نسوں پر حسب نقشہ ٹانک کر سفید ایمی ٹیشن موتی جڑ دیجئے۔ موتی اکیلا ہی لگیگا۔ اور اس طرح لگایا جائے گا۔ کہ اس کے ٹانکے اوپر نہ نہ دکھائی دیں۔ کنگورہ عنابی شنائل سے بناکر گول نشانات پر موتی ٹانکئے اور اطراف موتی سلمہ کا حلقہ بنا دیجئے۔ یہ بیل بعد تیاری نہایت خوبصورت معلوم ہوگی۔ اور آسان ہے۔

غدیر فاطمہ

مجھے پورا یقین ہے کہ دُوسرے صابُونوں کی نسبت جنھیں میں جانتی ہوں، سنلائیٹ صابُون کپڑوں کو بدرجہا صاف دھوتا ہے۔

میرے کپڑے دُھلنے کے بعد بالکل بے چمک اور مَیلے سے لگتے تھے اور میں حیران تھی کہ کیا تدبیر کروں، اس لئے کہ کپڑے اُجلے دُھلیں۔ پھر ایک سہیلی نے مجھ سے سنلائیٹ صابون کا ذکر کیا، اور مجھ سے کہا کہ ایسے ویسے صابون استعمال کرنے سے سب باتوں کا نقصان ہوتا ہے۔ کیوں کہ اُن صابونوں سے پھین بہت کم نکلتا ہے۔ اور صابون کا پھین ہی وہ چیز ہے جو کپڑے کا مَیل نکال کر اُسے اُجلا کرتا ہے۔

سنلائیٹ صابُون اور صابُونوں سے زیادہ پھین دیتا ہے اور اِس سے دُھلے ہُوئے کپڑے حقیقی معنوں میں صاف ہوتے ہیں۔

یہ صابون صرف خالص نباتی تیلوں سے ہندُوستان ہی میں بنتا ہے۔

اصلی سنلائیٹ صرف اِن کاغذ کے بکسوں میں بکتا ہے۔

S. 16 95 UD

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

شاخ پہ چڑیا
از محمودہ مہر بانو
امراؤتی
چڑیا پر نارنجی
ایسے نشان کتھئی
کنٹھی کتھئی - آنکھ کا حلقہ
سیاہ - پتلی چوکلٹ
چونچ سیاہ
ڈال - چوکلٹ
پتیاں - سبز
پھول - شیڈ دار سرخ
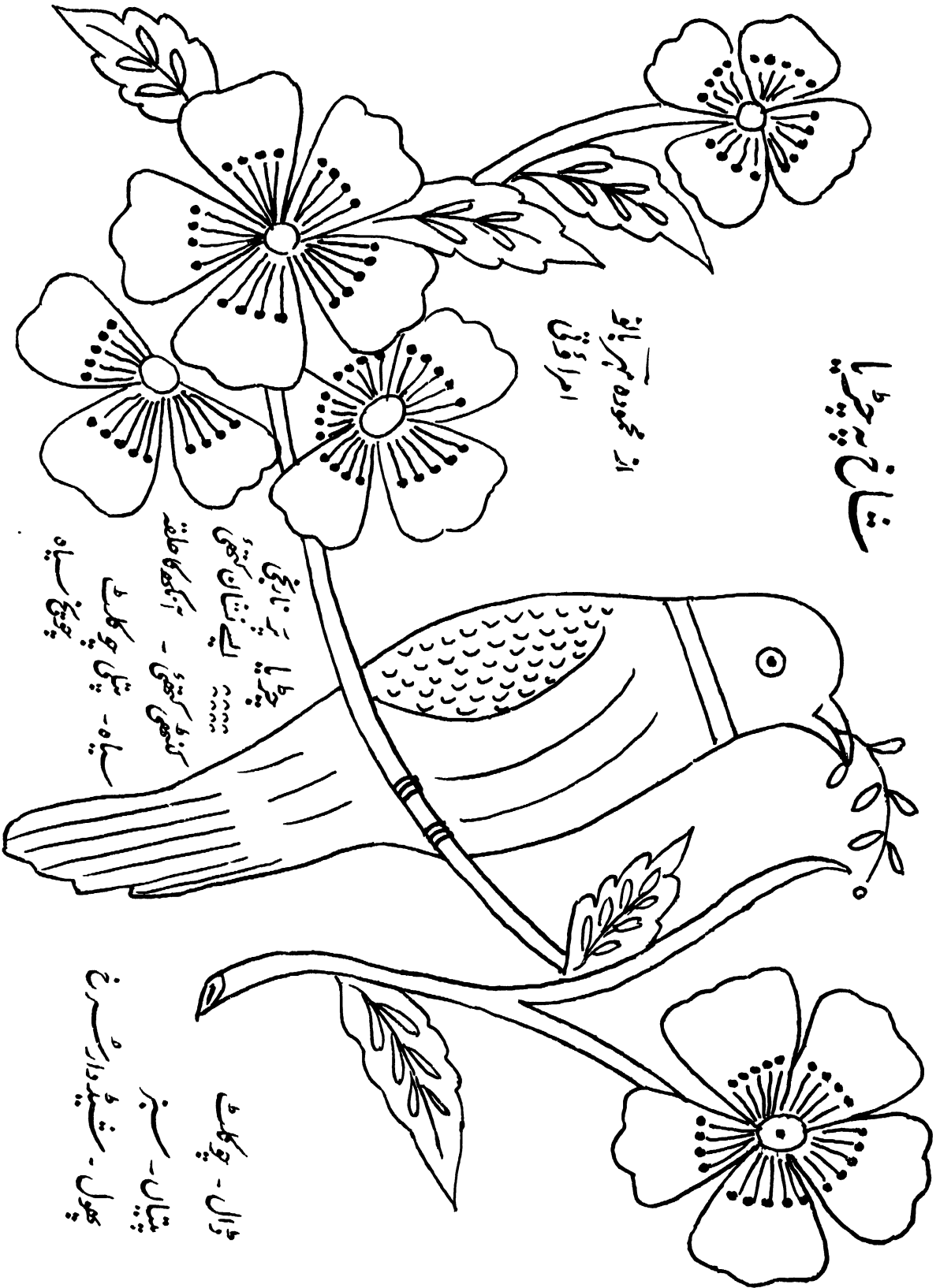
میرے کپڑے مجھے چبھتے نہیں
امّی جان لکس استعمال کرتی ہیں
بچوں کے کپڑوں کو ملائم رکھنا ضروری ہے کیونکہ سخت
بری طرح دھلے ہوئے کپڑے اس نازک جسم کو تکلیف دیتے
ہیں۔ لہذا اس کے اور اپنے کپڑوں کیلئے لکس استعمال
کریں۔ رنگ دار کپڑے چمکیلے رہتے ہیں اور نازک سے
نازک کپڑوں کو نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ لکس بالکل
خالص ہے
آپ کو ایک پیکٹ لکس اور
صرف ٹھنڈا پانی درکار ہے
لکس سے ٹھنڈے پانی میں کثرت سے جھاگ پیدا
کیجئے اور اس جھاگ کو آرام سے کپڑوں میں جذب
کیجئے۔ حتیٰ کہ میل نکل جاوے
ٹھنڈے پانی میں تین مرتبہ کھنگالئے مروڑنے
کے بغیر دبا کر پانی خارج کیجئے اور سایہ میں خشک
کریں
لکس
زود اثر — آسان — محفوظ
ہندوستان میں صرف خالص نباتاتی تیلوں سے تیار کیا جاتا ہے
LUX
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

کپڑوں کی دیکھ بھال

روز مرہ کے کپڑوں کی دیکھ بھال کے لئے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر لینا چاہیئے۔ انھیں درست رکھنے کے لئے ان کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جائے۔ اور جب تک وہ درست نہ ہو جائیں انھیں الماری یا ٹرنک میں نہ رکھیں۔ کپڑوں کی دیکھ بھال بے حد ضروری ہے کیونکہ آدمی ان کی بدولت اچھا نظر آتا ہے۔ کپڑے کیسے ہی اچھے ہوں جب تک ان کی باقاعدہ دیکھ بھال جاری نہ رہے ان کی خوش نمائی زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہر جوڑا نکال نکال کر دیکھ لینا چاہیئے پہن کر آئینہ کے سامنے کھڑی ہوں اور دیکھیں کہ کوئی نقص نظر آتا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی نقص ہو اس کے دور کرنے میں لگ جائیں۔ کیا کہیں شکن پڑ گئی ہے؟ کیا کسی جگہ کوئی تاگہ نکل رہا ہے؟ کیا کہیں دھبّہ پڑ گیا ہے۔ یا لباس دھلائی کا محتاج ہے؟ کیا کوئی کاج بڑا ہو گیا ہے؟ کیا کپڑا ڈھل کر سکڑ گیا ہے۔ کیا کہیں مرمّت کی ضرورت ہے؟ غرضیکہ اس قسم کی تفصیلات کی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔

حسن و جمال کے لئے کوئی چیز اس قدر نقصان رساں نہیں جس قدر وہ لباس جس کی دیکھ بھال نہ کی جائے۔ معمولی سے معمولی لباس بھی اچھا معلوم ہونے لگتا ہے اگر اس پر استری اچھی طرح ہوئی ہو جسم پر چُست آتا ہو۔ اور اس پر ذرا سا بھی دھبّہ نہ ہو۔ اس کے برعکس عمدہ سے عمدہ لباس بھی جسم پر زیب نہ دیگا اگر اس کی طرف سے غفلت برتی گئی ہو۔

قمیصوں اور کرتوں کے گلے خاص طور پر توجہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ پسینہ اور گردن کی چکنائی اور ہوا کا غبار ان پر میل جما دیتا ہے ہماری قمیص اچھی خاصی ہوتی ہے گلا ہی خراب ہوتا ہے اسے دھو ڈالو یا کسی مصالحہ سے مَل کر صاف کر لو۔ پٹرول یا بنزین اس کے لئے کارآمد ہے۔

بٹنوں کا رنگ اُڑ گیا ہو انھیں اُکھاڑ کر ان کی جگہ نئے لگا لیں کپڑے میں جان پڑ جائے گی۔ ہفتہ یا مہینے میں ایک مرتبہ کپڑوں کے دیکھتے رہنے میں وقت تو صرور لگتا ہے۔ مگر اس کا معاوضہ کافی مِل جاتا ہے۔ کیونکہ رعنائی میں ان سے اضافہ ہوتا ہے

حسن و جمال کی ورزشیں

قاعدہ سے ورزش کرنے کی بدولت عورتوں کی آواز شیریں اور سُریلی اور جسم موزوں اور خوبصورت بن سکتا ہے اور سانس لینے کا طریقہ درست ہو سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل سادہ ورزشیں گھر پر بآسانی کی جا سکتی ہیں:۔

(۱) پالتی مار کر زمین پر بیٹھ جاؤ۔ باہنہ کو دائرہ کو گھماو، گویا سامنے رکھی ہوئی گیند کو حلقہ میں لڑھکا رہی ہو۔ آہستہ سے ایک سکنڈ سانس لو، دو سکنڈ تک سانس روکو۔ پھر پھیپھڑوں کو خوب ہوا سے بھر لو۔ آہستہ آہستہ سانس نکالو۔ بدن آہستہ آہستہ گھومتا ہے اور پیٹ کے پٹھوں کی ورزش ہو جاتی ہے۔ اور خون بدن کے تمام اہم حصوں میں بخوبی گھوم جاتا ہے۔ دائیں بائیں باہنہ کو خوب حرکت میں لاؤ

(۲) زمین پر بیٹھ کر ٹانگیں آگے پھیلاؤ اور انگوٹھے ملاؤ آگے کو جھکو، حتیٰ کہ سر گھٹنوں سے جا ملے اور ٹخنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لو اور اس حالت میں سانس گہرا اور آہستہ لو۔ اس ورزش کو درست طور سے کرنے سے سانس کی رفتار ٹھیک ہو جاتی ہے۔ آہستہ سے پھر اپنی اصلی حالت پر بیٹھ جاؤ۔ آہستہ آہستہ موجودہ ورزش کی تکرار کرو۔

(۳) زمین پر اوندھی لیٹ جاؤ۔ ٹانگوں کو اُٹھا کر کولھوں کی طرف جھکاؤ اور جسم کا اگلا حصّہ فرش پر سے اوپر کو اُٹھاؤ۔ تمھارا جسم

کمان کی طرح کھنچ اور جھک جائے گا۔ سر کو کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف موڑ موڑ کر آگے پیچھے جھلاؤ۔ جب زور پڑتا معلوم ہو تو ڈھیل دو۔ اس ورزش کی تکرار کرو۔
یہ کن بھل، باہوں کے پٹھوں کے لئے بے نظیر ورزش ہے۔ اس سے گہرے اور مناسب تنفس میں مدد ملتی ہے۔ اور اس کا اثر سارے جسم پر پڑتا ہے۔ صرف پھیپھڑے ہی اس سے متاثر نہیں ہوتے۔

(۴) کروٹ سے زمین پر لیٹ جاؤ۔ ٹانگیں اوپر کو اٹھاؤ اور جسم کو کولھوں کے بل زمین پر ٹکا رہنے دو۔ اب پاؤں کو اچھالو اور آہستہ آہستہ آگے اور پیچھے جھومو۔ ساتھ ہی ساتھ سانس ترتیب سے لیا جائے۔ تو اس سے کولھوں کا فضول گوشت چھٹ جاتا ہے۔ اور جسم میں توازن پیدا ہوتا ہے۔ اور جسم پر ایسا تسلط حاصل ہو جاتا ہے جس سے نقل و حرکت پیاری اور دلکش ہو جاتی ہے۔

(۵) اپنے پاؤں قدرے ہٹا کر سیدھی کھڑی ہو جاؤ۔ ہاتھ کولھوں پر رکھ لو اور جس قدر گہرا ہو سکے سانس لو۔ پھر ہتھیلی سے دائرہ کی صورت میں نیچے کی طرف پیٹ کی مالش کرو اس سے پیٹ کا کھنچاؤ جاتا رہے گا۔ اور سانس لینے میں سہولت رہے گی۔

ان سب ورزشوں کو مناسب حرکات سے کرو اور سانس گہرا اور آہستہ لیتے رہو۔ ایک ہفتہ میں اثر معلوم ہوگا۔ پیٹ کے پٹھوں پر قابو حاصل ہو جائیگا۔ اور آواز میں سریلا پن اور موزونیت نمودار ہو جائے گی۔

نہ کرنے کی باتیں لباس یا ذاتی سجاوٹ میں زیادتی سے کام مت لو۔ یہ فضول حرکت عامیانہ لوگوں کے لئے چھوڑ دو۔ فیشن کی غلام نہ بنو۔ اپنی عقل کی رہنمائی اور آئینہ کی دوستداری پر اعتبار کرو۔ اپنی ذاتی خصوصیات اور بٹوہ کو مدِ نظر رکھو۔ وضع اور ترکیب کی پابندی کرو۔ اپنی انگلیوں کو انگوٹھیوں سے نہ بھرو۔ چند منتخب اور پسندیدہ انگوٹھیاں ہاتھ کی خوبصورتی بڑھا دیتی ہیں بہت سی انگوٹھیاں اس کو بدنما کر دیتی ہیں اور اس قسم کی نمائش عامیانہ مذاق کا اظہار کرتی ہے۔

بالیاں ایسی استعمال نہ کرو جن سے لوئیں کھنچ کر لمبی ہو جائیں۔ اچھا اور موزوں شکل کا کان خد و خال کی خوش نمائی میں اضافہ کرتا ہے۔ جو کان بالیوں اور بندوں سے بدنما ہو جائے۔ اس کے دیکھنے سے جی خوش نہیں ہوتا۔

قدرتی خوبیوں میں سنگھار دان اور رنگ دانی کے استعمال کا متعلق خیال نہ کرو۔ تازہ ہوا اور ورزش، صبح کا غسل اور اور مناسب غذا رخساروں میں اصلی قدرتی سرخی پیدا کریں گے۔ اور اس کے مقابلہ میں تصنع میں اصلی خوبصورتی نہیں آتی مٹھائی وغیرہ سے زیادہ شوق نہ کرو۔ اعتدال کو مدِ نظر رکھو۔ اپنی آواز کو بلند اور کان سے پار ہو جانے والی نہ بناؤ۔ آواز میں وہ نرمی اور آہستہ لہجہ پیدا کرو جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں عورتوں کی ایک خاص خوبی سمجھا جاتا ہے۔ قصہ خوانی میں مبتلا نہ ہو۔ عورتوں کے لئے اس قسم کا مطالعہ بمنزلہ گناہ ہے۔ عام مقامات میں بلند آوازی سے پرہیز کرو۔ الگ تھلگ اور شرمیلا طرز آج کل فیشن میں داخل نہ ہو۔ لیکن یہ اب بھی عورت کی خوبصورتی میں ایسا ہی داخل ہے۔ جیسا کبھی کسی زمانہ میں تھا۔
اپنی ملنے والی سے اس کے لباس کی قیمت کے متعلق سوال و جواب نہ کرو کسی دکان پر جا کر اس کے کام کرنے والوں کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ کرو۔ اور نہ ان کے اخلاق میں فرق آنے دو۔ یہ خیال رکھو کہ بعض چیزیں جو دکان کے کسی دور کے کونے یا اونچے مقام سے لا کر دکھانی پڑتی ہیں ان سے بار بار چیزیں منگا منگا کر ناپسند کرنے سے وہ تنگ آ جاتے ہیں۔ جس چیز کے خریدنے کا ارادہ نہ ہو اس کو منگا کر دیکھنے سے پرہیز کرو۔ اپنے ملازموں کو اڑوس پڑوس کے لوگوں اور نوکروں سے سنی ہوئی باتیں اپنے سامنے دہرانے سے روکو جب تمہارا شوہر دن بھر کے کام سے تھک کر گھر آئے تو اپنی خانگی تکالیف کے دفتر اس کے سامنے نہ کھولو۔ اس وقت تو چہرہ کو مسکراہٹ سے خوش گوار بنائے رکھو۔ اپنے شوہر کی موجودگی میں نوکروں کو برا بھلا نہ کہو۔ اس کے چلے جانے تک اپنی شکایات کو ملتوی رکھو اپنے شوہر

کو آپ کو خراب کپڑوں یا پھوہڑپن کی حالت میں دیکھنے کا موقع نہ دو۔
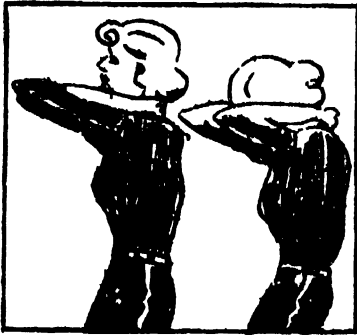
گردن اکڑنا ایک ہی حالت میں بیٹھے رہنے سے گردن یا کندھے یا کمر کا بالائی حصہ اکڑ جایا کرتا ہے۔ اس کا ایک علاج تو یہی ہے کہ پہلو بدلتے رہنا چاہئیے بیٹھے بیٹھے کھڑے ہو جانا اور ذرا دیر ٹہلنا ضروری ہے۔ رات کو سوتے میں بھی یہ حالت ہو جایا کرتی ہے۔ گرم پانی کے ٹب میں اپسم سالٹس Epsom salts کا پیالہ ڈال کر اس میں پندرہ منٹ لیٹنے کے بعد زور زور سے کمر وغیرہ ملنے سے آرام آجاتا ہے۔ مگر جن کے دل کمزور ہوں انھیں اس سے پرہیز کرنا چاہئیے۔ نقصان پہنچنے کا خوف ہے۔ مرد اور عورتیں مندرجہ ذیل ورزشیں کر کے فائدہ اُٹھائیں۔ سر داہنے کندھے کی طرف جھکائیں نظریں بالکل آگے رکھیں۔ بایاں ہاتھ چہرہ کے بائیں طرف اس طرح رکھیں کہ ہتھیلی کان پر ہو اور انگلیاں کنپٹی پر۔ بائیں ہاتھ کے دباؤ کے برخلاف سر کو اُٹھاتے ہوئے اس کی اصلی جگہ پر لائیں۔ اس اثناء میں اپنی بائیں بانہہ اور کہنی بلند اور اُلٹی کندھے کی سیدھ میں رکھیں۔ اگر یہ ورزش درست طریقہ سے پوری ہو تو آپ کو گردن اور ریڑھ کی ہڈی کے دھچکے کا اثر کندھوں کی پچھلی ہڈی تک معلوم ہوگا مگر اس کے برعکس ورزش کریں یعنی دائیں طرف بسر کو کر کے دائیں ہاتھ سے کام لیا جائے۔ یہ دائیں بائیں طرف کی ورزش دس مرتبہ کریں۔ اس کے بعد سر اس قدر آگے کو جھکائیں کہ ٹھوڑی سینہ کے بالائی حصے سے چھو جائے۔ گدی پر اپنے ہاتھوں کو باہم خوب پکڑ لیں ان ہاتھوں کے دباؤ کے خلاف سر کو اٹھائیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ گردن کی رگیں کھنچنے سے درد کو آرام آگیا ہے۔ اور ریڑھ کی ہڈی کے نیچے تک پٹھے ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ پانچ سے دس مرتبہ تک یہ ورزش کریں۔ اس کے بعد اپنی گردن جہاں تک پیچھے کو جھکائی جا سکے جھکائیں ریڑھ کی ہڈی سیدھی رہے۔ اپنے ہاتھ ایک دوسرے پر گردن پر ٹھوڑی کے نیچے رکھیں انھیں مضبوطی سے جمائے رکھیں اور سر کو آہستہ آہستہ اُٹھا کر اس کی جگہ پر لے آئیں گردن کے پٹھے درست ہو جاتے ہیں۔ اور پھولے ہوئے گال کھنچ جاتے ہیں۔ پانچ سے دس مرتبہ یہ عمل کریں۔ ان ورزشوں کے بعد جہاں تک ہاتھ جائے گرم روغن بادام سے گردن اور کمر کی مالش کریں اور چند منٹ کے لئے لیٹ جائیں۔ آپ کو آرام آجائے گا۔

خانگی ٹوٹکے بورکیک پوڈر ایک چمچہ ڈیڑھ پاؤ پانی میں ملا کر لوشن بنائیں۔ اس سے آنکھیں ٹھیک رہتی ہیں آنکھوں کے گرد کی جلد بہت نازک ہوتی ہے اس پر کریم تھپکی سے لگائیں۔ مالش سے جلد کھنچ کر شکنیں نمودار کرے گی۔ جس سے زیادہ عمر کی شکنیں لگتی ہے شکنیں دور کرنے والی کریم Anti-wrinkle cream اور شکنوں کا تیل Wrinkle oil لگانے سے شکنیں پیدا ہونے نہیں پاتیں۔

دو اونس گلیسرین اور ایک لیموں کا عرق چار اونس خالص شہد میں ملا دینے سے کھانسی کی ایک عمدہ دوا تیار ہو جاتی ہے ایک سے دو چمچہ تک دیں۔ حقہ یا سگرٹ پینے والوں کے گلے کی خراش کے لئے ٹنکچر آف آیوڈین کے چند قطرے آدھے پانی کے گلاس میں ملا کر غرغرہ کرنا مفید ہے جو آلو اُبالنے میں سیاہ پڑ جائیں اُن کے پانی میں اُس وقت جب کہ وہ آدھے پک جائیں سرکہ کی ایک چمچہ ڈالنے سے ان کا رنگ ٹھیک رہتا ہے جس کپڑے پر آیوڈین کے دھبے پڑ جائیں اُسے کار بالک صابن سے دھوئیں اس سے بہتر ایسے دھبوں کے دور کرنے میں اور کوئی چیز موثر نہیں پائی گئی۔ دودھ کو برتن میں ڈال کر آگ پر رکھنے سے پہلے خالی برتن میں پانی کے دو بڑے چمچے ڈالیں اور اسے چند منٹ اُبلنے دیں۔ اس کے بعد دودھ ڈالیں دودھ جلنے نہ پائے گا۔

محمد ظفر

سیر بین

نابیناؤں کے کمال

اندھوں کی تربیت کا کام ڈیڑھ سو سال سے ترقی کر رہا ہے۔ مگر گزشتہ جنگ عظیم کے بعد اس میں معمول سے زیادہ تیزی پیدا ہو گئی ہے پچھلی لڑائی میں نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد اندھی ہو گئی تھی سلطنت برطانیہ میں اس وقت آٹھ ہزار اندھے مدرسوں، کارخانوں کلبوں اور ہوٹلوں میں مختلف فرائض انجام دے رہے ہیں کینیڈا میں بہت سی پیچیدہ مشینیں اندھوں کی پھرتیلی اور تربیت یافتہ انگلیوں کے اشاروں پر چلتی ہیں حالانکہ ان کے چلانے میں خاص مہارت اور بصیرت ضروری ہے۔

آج کل کے ایک بڑے آدمی کا قول ہے کہ دنیا میں بہت کم ایسے ہیں جن میں اندھے کامیاب نہ ہوتے ہوں۔ یہ شخص سر ہے اور پچھلی لڑائی میں اس کی دونوں آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ لیکن وہ نیوزی لینڈ میں نابیناؤں کی درسگاہ کا ناظم اعلیٰ ہے اور پارلیمنٹ کا ممبر ہے ماہر قلم ہے اور جب وقت ملتا ہے کھیتی کیاری سے جی بہلاتا ہے۔ اب وہ ہندوستان میں اندھوں کے شعبہ میں وائسرائے ہند کے نمائندہ کے طور پر مامور ہے۔

اندھوں کے سننے اور چھونے کی طاقت نسبتاً بڑھ جاتی ہے۔ وہ خوب مالش کرنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ برطانیہ کے ایک بڑے شفاخانہ میں مالش کے کام پر اندھوں ہی کو ملازم رکھا جاتا ہے۔ اٹلی میں اندھوں کو دشمن کے ہوائی جہازوں کی آواز پہچاننے کے کام پر لگایا ہوا ہے۔

اندھوں میں انتظامی قابلیت بھی خوب ہوتی ہے۔ متذکرہ بالا شفاخانہ کا صدر لمبے قد کا نابینا ہے۔ ۱۶ء میں میدان فرانس میں آنکھیں جواب دے گئیں۔ اس وقت، ہزار مرد عورتیں اور بچے اس کے انتظام و اہتمام میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ دارالعوام انگلستان کا کچھ عرصہ تک ممبر رہا ہے۔ بڑی بڑی کمپنیوں کا ڈائرکٹر ہے۔ اور کئی کاروباری مجلسوں میں صدارت کے فرائض انجام دے چکا ہے۔

ایک اندھے نے کیمبرج میں جا کر قانونی ڈگری حاصل کی۔ اب وہ جنوبی افریقہ میں ایک کامیاب بیرسٹر ہے۔ اور نابیناؤں کی مجلس کا صدر رہے۔ بہت سے نابینا گرجاؤں میں واعظ ہیں۔ ایک برطانوی کیمیائی کارخانہ کے محکمہ تحقیق کا حاکم اعلیٰ ہے کئی اندھوں نے عمدہ عمدہ ناول۔ قصے۔ نظمیں۔ مضامین اور تنقیدیں لکھی ہیں مختلف پیشوں اور کاموں میں اندھے خوب کامیاب ثابت ہو چکے ہیں۔ بعض ملکوں میں اندھے مرد اور عورتیں ٹیلی فون اور ٹائپ رائٹروں پر کام کر رہی ہیں۔ بعض اندھے نقب زنی میں بھی کمال دکھا چکے ہیں۔ ایک نے نقب زنی کے لئے چابیوں کا گچھا بھی خود ہی بنایا تھا۔ ایک اندھے نے اخباروں میں اشتہار دیا کہ تین سو پونڈ کما سکتے ہو۔ صرف ایک شلنگ فلاں پتہ پر بھیجو۔ شلنگ بھیجنے والوں کو اس نے جواب میں لکھا کہ جو میں کرتا ہوں تم بھی کرو۔ اخباروں میں اشتہار دو۔ اس کی سزا میں اُسے جیل بھیج دیا گیا۔

فقیروں کی چالیں

ناگپور میں انسداد گداگری مجلس قائم ہے۔ اُس نے اپنی تحقیقات کے نتائج شائع کئے ہیں جو بڑے دلچسپ ہیں۔ صدر بازار میں ایک مضبوط نوجوان آدمی بھیک مانگ رہا تھا۔ وہاں کی ایک مشہور عورت نے کام اور خوراک کے وعدہ پر اُسے اپنی کوٹھی پر لے جانا چاہا۔ تو فقیر نے کہا میم صاحب اگر مجھے آپ پچاس روپیہ دیں تو شاید میں آپ کی کوٹھی پر کام کرنے کے لئے راضی ہو سکوں۔

دسمبر میں ایک روز صبح کے وقت ایک سردی سے کانپتی ہوئی فقیرنی نے ایک ڈاکٹرنی سے اس طرح گڑگڑا کر ساری مانگی کہ وہ اسے

لینے میں کامیاب ہوگئی۔ لیکن وہ بھول گئی۔ اگلے ہفتہ آنہی پھٹے پرانے کپڑوں میں اسی ڈاکٹرنی سے سردی سے بچنے کے لئے ساری مانگی فقیروں نے ایک دوکان کھول رکھی ہے۔ جہاں اس طرح مانگے ہوئے کپڑے وہ فروخت کر ڈالتے ہیں۔ ایک فقیر لڑکے کے بدن پر زخم ہیں جن کی بدولت وہ بھیک مانگتا ہے۔ دو عورتوں نے مہینوں تک اُسے شفا خانہ اپنے ساتھ چلنے کی ترغیب دی۔ مگر وہ راضی نہ ہوا۔ ایک فقیر مردہ بن جاتا تھا۔ اُس پر کپڑا ڈال دیا جاتا تھا۔ اُس کے دوست جمع ہوکر روتے اور لوگوں سے اُس کی تدفین کے لئے چندہ کی بھیک مانگتے۔ بعد میں وہ اس رقم کو آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ فقیروں میں کارخانوں میں مزدوری پر کام کرتے ہیں اور رات کو بھیک مانگتے ہیں۔ آمدنی سے اُنھوں نے ایک ہوٹل کھول رکھا ہے۔ جہاں اور فقیروں کے لئے سستا کھانا تیار کیا جاتا ہے اور تھوڑے کرایہ پر اُنھیں رہنے کو جگہ دیدی جاتی ہے۔ چار فقیروں پر جوا کھیلنے کے جرم میں فی کس بیس روپیہ جرمانہ ہوا۔ اُنھوں نے پانچ روپیہ فی ہفتہ کی شرح سے جرمانہ ادا کیا۔

ڈھانچہ کی تاجپوشی

مغرب میں ایسے بہت سے واقعات بڑے آدمیوں میں ہو چکے ہیں۔ جب ایک بیوی موجود ہے تو دوسری سے شادی نہیں ہوسکتی، تاوقتیکہ پہلی کو طلاق نہ دے دی جائے۔ نپولین کی زندگی اسی سے تلخ ہوئی۔ پرتگال کی تاریخ ایک اور مثال پیش کرتی ہے

سنہ ۱۳۴۰ء میں پرتگال کے ولیعہد پیڈرو کی شادی ڈیوک پنافیل کی لڑکی کانسٹنس سے ہوئی۔ مگر اُسے فوراً ہی معلوم ہوگیا کہ یہ شاہانہ وابستگی کا رشتہ اُس کے لئے بہت گراں بڑا ہے۔ گو اُسے اپنی دُلہن بالکل ناپسند تھی وہ اپنی دُلہن کی چچازاد بہن اینس ڈی کیسٹرو کو پسند کرتا تھا۔ وہ بے حد خوبصورت تھی اور اُس کی رگوں میں بھی کیسٹائل کا شاہی خون دوڑتا تھا۔ اُس کے حسن وجمال سے ہر شخص آسانی سے متاثر ہو جاتا تھا۔ وہ لڑکی بھی شادی کے لئے رضامند تھی۔ مگر جب تک پہلی بیوی کو طلاق نہ مل جائے وہ اس سے شادی نہ کرسکتی تھی۔ مگر وہ ولی عہد کے ساتھ رہنے لگی۔ کئی سال تک دونوں لطف ومسرت کے ساتھ رہے، وہ پڈرو کے محل میں رہتی تھی کافی مدت تک دونوں ہنسی خوشی کی زندگی گذارتے رہے۔ ایک روز شہزادہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا محل میں داخل ہوا اور پھولے ہوئے سانس سے اینس سے بولا، کانسٹنس مرگئی ہے۔ میں نے پوپ کے پاس خاص قاصد بھیجا ہے کہ وہ ہماری شادی پر مہر تصدیق ثبت کردے۔ وہ ضرور منظور کرے گا۔ کیونکہ تمھارے جسم میں بھی آخری شاہی خون دوڑتا ہے۔ مگر فی الحال یہ راز ہی کیونکہ والد کسی اور ہی اُدھیڑ بُن میں ہیں۔ پوپ نے منظوری دیدی۔ ایک پادری کو رازداری کے لئے رشوت دیکر دونوں نے شادی کرلی۔ لیکن نتیجہ بڑا خطرناک نکلا۔ مشیروں نے بادشاہ کو رائے دی کہ وہ شہزادہ کو مجبور کرے کہ وہ کسی زبردست بیرونی شہزادی سے شادی کرے۔ چونکہ پڈرو کا نکاح اینس سے ہو چکا تھا، اب یہ ناممکن تھا چنانچہ ولیعہد نے بڑی ہمت احتیاط سے اس تجویز کو مسترد کردیا۔ بعد میں محبت کے جوش میں بڑے بڑے عہدے اینس کے عزیزوں کو دینے شروع کر دیئے۔ کیسٹرو کے خاندان کے اثر کو بڑھتا دیکھ کر دشمنوں کو اب معلوم ہوا کہ اینس تو باقاعدہ ولیعہدہ ہو چکی ہے تین دشمنوں نے بڑی عیاری سے بادشاہ پر ڈورے ڈالے اور اُسے قائل کردیا گیا کہ ملک کو تباہی سے بچانے کے لئے اینس کو قتل کردیا جانا بے حد ضروری ہے۔

سنہ ۱۳۵۵ء میں ایک روز پڈرو شکار پر گیا ہوا تھا کہ بادشاہ اپنے بدباطن مشیروں کے ساتھ منھ ڈھکے سوار محل میں گھس آیا۔ مسلح آدمیوں اور اُن کی تیز اور سخت نظروں کو دیکھ کر اینس اپنے ننھے ننھے بچّوں سمیت بادشاہ کے قدموں پر گر پڑی۔ بادشاہ کا دل اُس کی خوبصورتی اور گریہ وزاری سے اس قدر موم ہوا کہ اُس نے اس سے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا اور واپس ہوگیا۔ اُن شریر مشیروں نے اس میں اپنی تباہی دیکھی اور بادشاہ کو اس کے محل پر چھوڑ کر اُلٹے پاؤں واپس ہوئے اور نہایت غصہ اور تندی میں

امینس کو اکیلا دیکھ کر ٹوٹ پڑے ۔ اور اُسے بے رحمی سے خنجر بھونک بھونک کر مار ڈالا۔ کٹا پھٹا جسم قریب کے گرجا میں گھسیٹ کر اُنھوں نے جلدی سے کھُدی ہوئی قبر میں گاڑ دیا۔ پڈرو واپس ہوا تو قتل کا حال معلوم کر کے بے حد غمگین ہوا۔ بادشاہ نے قاتلوں کو اُس کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ آخر رنج و غصہ میں بیٹے نے باپ کے خلاف بغاوت شروع کر دی۔ ۱۳۵۷ء میں الفانسو مغرور مر گیا۔ اور غمزدہ پڈرو تخت نشین ہوا۔ اُس نے پہلا ہی کام یہ کیا کہ امینس کے قاتلوں کی گرفتاری کے لئے سپاہی بھیجے ایک تو ہسپانیہ بھاگ گیا اور باقی دونوں پکڑے گئے۔ جنہیں سخت عذاب دے دے کر اُس نے مروا ڈالا

سات سال بعد پڈرو نے اپنے اُسی رنج و غم کی تیزی میں فیصلہ کیا کہ اُس کی دُلہن کے سامنے قوم کو ضرور جھکنا چاہئے جو اعزاز اُسے زندگی میں نہ دیا گیا اب موت کے بعد اُسے حاصل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اُس کی لاش اُس گرجا سے اُکھڑوائی گئی۔ ایسی ہیبت ناک حالت میں اُسے تخت پر بٹھایا گیا اور اس کے ڈھانچے کے سر پر جو سات سال پہلے ایک نہایت خوبصورت عورت تھی ایک بے بہا جگمگ جگمگ کرتا ہوا تاج رکھا گیا۔ اُس کے ساتھ جُڑے ہوئے تخت پر پڈرو اپنی دُلہن کے ڈھانچہ کے برابر دربار کی غرض سے چڑھ کر بیٹھ گیا نفیریاں، تاشے اور نقارے بجے سخاوت کے دروازے کھُل گئے اور بڑے بڑے خطابات عطا کئے گئے۔ امرا اور وزرا کو ایک ایک کر کے بادشاہ کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور اُس کی ہمنشین کے سوکھے ہوئے ہڈیوں کے ہاتھ کو چومنا اور اس بے شکل ڈھانچہ کے سامنے حلف وفاداری اُٹھانا پڑتا تھا۔

اس رسم کے ختم ہونے پر اُس سات سال پہلے کی مری ہوئی ملکہ کو شاہی لباس پہنے تاج مرصع سر پر رکھے اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہجوم شرک پر سے جایا گیا۔ لوگوں نے اُس پر اس طرح پھول برسائے گویا وہ زندہ ملکہ تھی۔ اُسے پہلے سے تیار شدہ سفید سنگ مرمر کے عظیم الشان مقبرہ میں لے جا کر دفن کر دیا گیا۔

یہی ایک ملکہ ایسی ہوئی ہے جس سے زندگی میں تخت چھین لیا گیا۔ مگر وہ مرنے کے بعد تخت پر بیٹھی اور جیتے جاگتوں نے ڈرتے ڈرتے اُس کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

زمانہ جنگ میں شادیاں بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ زمانہ جنگ میں شادیوں کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ لیکن مشاہدہ نے دکھا دیا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ آج کل یورپ جنگ میں مبتلا ہے اور شادیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ شریک جنگ ممالک میں شادیاں کم ہو جاتی ہیں۔

۱۹۱۴ء کی لڑائی کی شادیوں کے اعداد اب شائع ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلائے جنگ ممالک میں شادیوں کی شرح بڑی جلدی سے بہت زیادہ گر گئی تھی۔ فرانس میں ۱۸۵۱ء تا ۱۹۱۳ء کی آبادی کے تناسب پر فی ہزار آٹھ شادیاں۔ ۱۹۱۵ء میں گر کر ۲ء۳ رہ گئی تھیں۔ جرمنی کی ۸ فی ہزار شادیوں کی شرح ۱۵ء ۱۶ء میں ۴ء۱ ہو گئی تھی۔ اٹلی کی شرح ۱۷ء میں ۲ء۷ تک جا پہنچی تھی۔ برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ پر چونکہ حملہ کا اثر نہ تھا اس لئے وہاں شادی کی رفتار پر زیادہ اثر نہ پڑا تھا۔ انگلستان کی شرح ۸ فی ہزار ۱۵ء میں ۹ء۶ ہو گئی تھی۔

لڑائی ختم ہوتے ہی شادی کی رفتار یک سخت تیز ہو گئی۔ کیونکہ جنگ کی وجہ سے ملتوی شدہ شادیاں جلد جلد ہونے لگیں۔ فرانس میں ایک سال کے اندر ہی ۱۹۱۸ء کی شرح ۵ء۵ فی ہزار سے ۱۹ء میں ۱۴ ہو گئی اور ۲۰ء میں ۱۶ تک جا پہنچی۔

مرد بننا ناپسند آج کل کی عورتیں مرد بن رہی ہیں۔ بعض کے متعلق تو اخباروں میں کہیں کہیں یہ خبر آ جاتی ہے کہ وہ سچ مچ مرد بن گئیں۔ مگر عام طور پر عورتوں کو مردوں کی عادات و خصائل اختیار کرنے کا شوق ہو رہا ہے۔ اور اسی کو وہ اپنی اصلی فتح قرار دیتی ہیں مگر ایک

عورت کہتی ہے کہ عورت رہنے میں فائدہ ہے - اور وہ اس طرح:-

عورت کا لباس کتنا عمدہ اور ہلکا پھلکا ہے - وہ اس میں اچھی حرکت کر سکتی ہے - ریشمی لباس کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے - کیا عورتوں کو اس کے مقابلہ میں مردوں کے چمڑے جیسے کپڑے کے لباس میں ناچنا پسند آئیگا - جو مرد خود پہن کر عورت کے ساتھ ناچتا ہے - کیا عورتیں کالر لگانا پسند کریں گی؟ کیا مردوں کے بے رونق کپڑوں کے لباس عورتوں کو ایک آنکھ بھائیں گے؟ - دیکھا لباس کے معاملہ میں مرد و عورت میں کس قدر فرق ہے! - عورتیں پتلون پہن کر باہر پھرتی ہیں اور کسی کو خیال بھی نہیں آتا - لیکن اگر مرد گھگرا پہن کر جھمکڑا دکھائے تو یقیناً پولس اسے سنگوائے گی۔

عورت مرد کی طرح بال کٹوا کر پھرے تو کسی کو نہیں کھٹکتی - لیکن مرد عورت کی طرح اپنے بال رکھے اور گُندھوائے تو سب کی نظریں اس پر پڑیں - عورتیں اونچی اور چھوٹی ایڑی کے جوتے پہن سکتی ہیں - مرد اونچی ایڑی کا جوتہ پہنے تو سب دیکھ دیکھ کر حیران رہ جائیں - لباس کے بارے میں عورت بہت آزاد ہے - اور مرد بچارا بندھا ہوا ہے۔

عورتیں کیسے کیسے زیورات پہنتی ہیں دلکش خوشبوئیں لگاتی ہیں - رنگین کپڑے پہنتی ہیں - مرد بچارے کو یہ کہاں نصیب! معاش میں اب عورتوں کے لئے ہر جگہ دروازہ کھلا ہوا ہے - اس پر بھی مرد ہی کی کمر بوجھ سے خمیدہ ہے - قانون بحیثیت باپ اور شوہر اُسی کو ذمہ دار قرار دیتا ہے - مرد شادی کرنے کے بعد عورت کو چھوڑ دے تو مہر دیتا ہے - نان نفقہ دیتا ہے - لیکن عورت چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا - عورت شادی کا وعدہ کر کے اس پر قائم نہ رہے تو مرد منھ دیکھتا رہ جاتا ہے - اگر مرد ایسا کرے تو عورت کو حرجانہ مل جاتا ہے۔

اگر وہ کسی پھوہڑ عورت سے بندھ جائے تو اُسے قانوناً اس کے ساتھ نباہنا پڑتا ہے - مرد اپنی بیوی کے انکم ٹکس کا ذمہ دار ہے اگر وہ اپنی آمدنی پر ٹیکس نہ دے تو اس بچارے کو دینا پڑتا ہے - لیکن عورت کماؤ ہو اور اس کا شوہر ٹیکس نہ دے تو قانون اس سے وصول نہیں کر سکتا - عورت قتل کرے تو شاذ ہی ایسا ہوتا ہے کہ اُسے پھانسی کی سزا ہوتی ہو اُسے صرف کالے پانی بھیج دیا جاتا ہے - اگر عورت کی کسی مشہور آدمی سے شادی ہو جائے تو اس سے اس کی شہرت ہوتی ہے - اگر کسی مرد کی کسی مشہور عورت سے شادی ہو جائے تو اس سے اس کی شہرت نہیں بڑھتی - اس عورت کو تو مسز فلاں کہا جائے گا - مگر مرد کو فلاں کا شوہر نہ کہا جائے گا - مگر ان باتوں سے پایا جاتا ہے کہ عورت مرد سے پھر اچھی ہے!

پھلجھڑیاں

تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ پودے دوپہر سے ۴ بجے سہ پہر تک جڑوں کے ذریعہ زمین سے زیادہ رس کھینچتے ہیں اور پتوں سے جس قدر بخارات باہر نکلتے ہیں - ان سے زیادہ نمی اُن میں قائم رہتی ہے۔

عورتوں کو فرانس میں رائے دینے کا حق نہیں - حالانکہ وہاں جمہوری سلطنت ہے - انھیں روس میں یہ حق حاصل ہے - حالانکہ وہ مطلق العنان حکومت ہے۔

جہاں تقریر ہو رہی ہو وہاں سے ۳ ہزار میل پرے کے لوگ آواز پہلے سُن لیتے ہیں - اُس مکان کے پاس کے لوگ ان کے مقابلہ میں دیر سے آواز سنتے ہیں - کیونکہ ریڈیو کی لہریں ایک سکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل طے کرتی ہیں اور آواز کی لہریں ایک سکنڈ میں صرف ۱۱۰۰ فٹ ہی چلتی ہیں

جنوبی ہندوستان میں ۸ لاکھ آدمی ہندی سیکھ رہے ہیں - ہندی کی ترقی کے لئے دو ہزار مرکز کھولے گئے ہیں بارہ سو آدمی ہندی کے گریجوایٹ بن چکے ہیں - دو سو ہائی سکولوں میں ہندی پڑھائی جاتی ہے - ہندی پھیلانے کے لئے ایک سو بیس مبلغ کام کر رہے ہیں - جنوبی ہند میں اب تک ہندی کی ترقی کے سلسلہ میں دس لاکھ روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے۔

سابق ملکہ البانیا کو ایک بولتی تصویروں کی کمپنی نے ایک تصویر میں آنے کے لئے ۲۶½ لاکھ روپیہ پیش کیا تھا - جسے اُس نے نامنظور کر دیا - کہ میں نہیں چاہتی کہ لوگ مجھے ایک عجوبہ چیز سمجھ کر دیکھیں -

محمد ظفر

بزمِ عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ایڈیٹر

میں نے مارچ کے پرچہ میں پڑھا کہ محترمہ بیگم احسن بلبیا کو کھجلی کی شکایت ہے۔ ایک ماہ گذرا میں بھی اسی موذی مرض میں مبتلا تھی۔ میرا جسم بھی لاغر اور رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ مگر ایک دوا کے تین چار دفعہ ہی لگانے سے کھجلی بالکل دور ہو گئی اور سیاہ چھٹے بھی جاتے رہے۔ اس کی قیمت عہ ر ہے اور پتہ ذیل سے ملتی ہے:-

دواخانہ ڈاکٹر عبدالعزیز۔ نقاشاں سٹریٹ، اکبری گیٹ لاہور

اے رشیدہ ۔ لاہور

مجھے ایک برقعہ کی ضرورت ہے جس کے نیچے کا حصہ تو آجکل کے فیشن کے مطابق ہو۔ مگر اوپر کے حصہ میں بجائے ٹوپی کے جالی اور رومال ہو۔ جیسا کہ میں نے چند یو۔پی اور پنجاب کی مستورات کو پہنے دیکھا ہے۔ کوئی بہن معتبر دوکان کا پتہ لکھیں بے حد ممنون ہونگی۔ نیز یہ بھی بتلائیں کہ جاتے وانی کی نوک جھڑ جانے پر جو پنسل کی نوک چڑھا لیتے ہیں، جیسی کنڈائنگ کار میں چڑھی رہتی ہیں وہ کہاں اور کس قیمت پر دستیاب ہوتی ہیں

ایک خریدار

بالوں کے لمبے ہونے کی ادویات کئی بار بزم عصمت میں نظر سے گذریں، مگر میں غالباً سر کی کمزوری کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔ کوئی ایسی زود اثر اور مجرب دوا بتائیں جس سے بال لمبے بھی ہوں۔ گرنا اور سرے پر دو دو ٹکڑے یعنی پا چھڑ ہونا بھی بند ہو جائیں۔ بچپن میں ہر سال گرمیوں کے دنوں میں میرے سر میں پھوڑے نکلا کرتے تھے جن کی وجہ سے بال کٹوانے پڑتے تھے

ثریا اقبال پشاور

عصمتی بہنوں اور بھائیوں سے عرض ہے کہ محترمہ والدہ محمد افضل علی انجم ٹیکس آفیسر کی کتابیں کہاں اور کس قیمت پر مل سکتی ہیں، نیز یہ بھی عرض ہے کہ محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ کی کتاب نیرنگ زمانہ مکمل ہوئی یا نہیں۔ اور رسالہ نورجہاں اب شائع ہوتا ہے یا نہیں۔ بذریعہ بزم عصمت مطلع کریں

رابعہ بائی ، عبداللہ جان ۔ کوچین

اگر کوئی بہن گنے کا مُربّہ بنانا جانتی ہوں تو مفصل ترکیب بذریعہ عصمت ارسال فرماویں بیحد ممنون ہونگا۔ میں نے گنے کا مُربّہ بازار سے اکثر خریدا ہے، مگر بعض احباب کا خیال ہے کہ وہ گنا نہیں، بلکہ کوئی اور چیز ہے۔ جسے مربّہ فروش گنا بتا کر فروخت کرتا ہے۔ اُمید ہے کہ عصمتی بہنیں توجہ فرمائینگی

م - ا بہرائچ

میری بہن کے جسم پر سفید داغ پڑنے لگے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُنھوں نے بعض خاص امراض کے لئے انگریزی دوا بہت پی۔ ان کے مزاج میں اتنی گرمی بڑھ گئی کہ اب اس کا اُتار مشکل ہو گیا۔ کسی بہن کو کوئی آزمودہ نیز بہدف علاج یا دوا معلوم ہو تو جلد سے جلد بذریعہ عصمت تحریر فرمائیں بے حد احسان ہو گا۔

خریدار نمبر ۲۸ ۱ ۷

اگر کسی بھائی یا بہن کو حلق کے اندر بڑھے ہوئے غدود کا علاج بغیر اوپریشن معلوم ہو تو بذریعہ رسالہ عصمت مطلع کریں، نہایت ممنون ہوں گی۔

خریدار نمبر ۱۷ ۴ ۹

دوربین

وقف جائدادوں کا انتظام

یہ عام طور پر شکایت ہے کہ اوقاف کی حالت خراب ہے - اور جو لوگ متولی ہیں وہ انھیں اپنی جائداد سمجھ کر اندھا دھند خرچ کرتے رہتے ہیں - بنگال میں ۵۶۴۳۸ وقف معلوم ہو سکے - کہا جاتا ہے - ابھی اور بہت سے باقی ہیں، جن کا پتہ لگانا کچھ وقت لے گا - ان سے کل آمدنی ۶۴۱۸۵۷ روپیہ ہے - اور خرچ کرنے کے بعد اصلی آمدنی ۴۲۲۸۲۹۸ روپیہ ہوتی ہے - بنگال وقف ایکٹ فروری سنہ ۳۴ء میں نافذ ہوا - اور یہ دیکھا گیا کہ آیا اوقاف سے اتنی حصہ رسدی آمدنی محکمہ انتظامیہ کو ہو سکتی ہے - کہ ایکٹ پر عمل کیا جا سکے بشمولہ ۳۵ء کے آخر تک پتہ چل گیا کہ آمدنی اتنی کافی ہے کہ محکمہ بخوبی چل سکتا ہے - چنانچہ یکم مارچ سنہ ۳۶ء سے خان بہادر ایم - اے - مومن کمشنر اوقاف اور خانصاحب مولوی قاضی محمد صدر العلی نائب کمشنر مقرر کر دیئے گئے - اس ایکٹ کی رو سے عام اور ذاتی اوقاف درج رجسٹر ہونے ضروری ہیں - متولیوں سے جمع خرچ کا حساب لینا اور آن کی آڈیٹروں سے پڑتال کرانا اوقاف کے متعلق شکایات کی تحقیقات کر کے دادرسی کرنا اور متولیوں کی بدانتظامیوں کو دور کرنا بورڈ اوقاف کا فرض منصبی ہے - یہ بورڈ اپنے اخراجات کے لئے سارے اوقاف سے حصہ رسدی چندہ لیتا ہے - اور اوقاف کو متولیوں کی دستبرد سے بچاتا ہے -

حصہ رسدی چندہ کی وجہ سے یہ بورڈ غیر ہر دلعزیز ہے - لیکن اس کے مفید کام کے نتائج معلوم کر کے لوگ اس کو گوارا کرنے لگیں گے - اب تک متولیوں کے خلاف ۱۶۲۲ شکایات بورڈ کو موصول ہوئیں جن میں سے ۱۸۲۹ کی تحقیقات کی جا رہی ہے - ان میں متولیوں کی نا قابلیت اور بدنظمی و غفلت زر اوقاف میں تغلب، ناموں لہ کے حقوق کی عدم ادائیگی اور اوقاف کی تباہی کا رونا رویا گیا ہے - گو ایکٹ میں ایسے متولیوں کی گوشمالی کا محکمہ کو اختیار نہیں دیا گیا - بایں ہمہ ذاتی رسوخ سے متعدد اوقاف تباہی سے بچا لیئے گئے - اور انتظامات متعدد مقامی کمیٹیوں کے سپرد کئے گئے - ایکٹ میں ترمیم کی جا رہی ہے - اور وہ جلد منظور ہو جائے گی -

گورنر صاحب بنگال نے مارچ کے آخری ہفتہ میں بورڈ اوقاف کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا - اس پر ۵۵ ہزار روپیہ صرف ہوں گے - گورنر صاحب نے محکمہ کی کارگذاری کی تعریف کی - اور اوقاف کے انتظام کو قوم متعلقہ کے لئے ضروری بتایا - خان بہادر محمد مومن نے محکمہ کی کارگذاری کی روئداد سنائی - انریبل مولوی فضل الحق وزیر اعظم نے لاٹ صاحب کا شکریہ ادا کیا -

دہلی کے مضافات

مارچ کے آخری ہفتہ میں وائسرائے بہادر نے دہلی کے ارد گرد دیہاتی علاقہ میں ۷۰ میل کا دورہ کر کے دیہاتی اصلاحات کا ذاتی طور سے معائنہ کیا - دس سال میں دہلی کے صوبہ میں دیہاتی علاقہ جات میں سڑکوں کا جال بچھا دیا جانا منظور ہے - اس پر ۲۰ لاکھ روپیہ صرف ہوگا - ایک مالک کے کھیت ایک جگہ اکھٹے کر دیئے جائیں گے - اس کو اشتمال آراضی کہا جاتا ہے - سڑکیں اس لئے بنائی جا رہی ہیں تاکہ کسان اپنی پیداوار جلد سے جلد شہر میں پہنچا کر اچھی قیمت حاصل کر سکے - اور شہری تاجر گاؤں میں جا کر کم سے کم قیمت پر اپنا مال فروخت کر کے زمینداروں کو شہر آنے کے اخراجات سے بچائیں - پہلے پانچ سالوں میں ۷۰ میل کی سڑکیں بنی ہیں - دوسرے پانچ سالوں میں ۱۴ نئی سڑکیں نکلینگی - جو ۳۵ میل لمبی ہونگی - یہ سب سڑکیں سنہ ۴۶ - ۴۷ء تک مکمل ہو جائیں گی - حکومت پٹرول کے ہر گیلن پر دس آنے ٹیکس لیتی ہے وہ آنے خود

رکھ کر باقی ۸ سڑکوں کے فنڈ میں دیدیتی ہے جس قدر پٹرول علاقہ میں صرف ہوتا ہے اُسی کے تناسب سے اُس علاقہ کی سڑکوں کے لیئے امداد دی جاتی ہے۔ دہلی کی سڑکوں کے لئے امداد معقول دیجاتی ہے کیونکہ یہاں پٹرول کا کافی خرچ ہے۔ اب تک دہلی کو سڑکوں کے لیئے ۱ لاکھ روپیہ پایا جاچکا

جلسۂ مسلم لیگ

مارچ کے آخر میں مسلم لیگ کا جلسہ لاہور میں بڑی شان اور کامیابی سے ختم ہوا۔ مسٹر جناح کو لاہور کے مسلمانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا کسی بڑے حاکم کی طرح اُن کے ساتھ محافظ دستہ رہتا تھا۔ سر سکندر وزیر اعظم پنجاب نے اُن کے اعزاز میں پارٹی دی جس میں گورنر پنجاب اور دوسرے بڑے بڑے آدمی بھی شریک تھے۔ اگر خاکساروں کا سانحۂ عظیم لاہور میں اس کے اجلاس سے دو ایک روز پہلے نہ ہوجاتا تو اُن کا جلوس اس زور شور سے نکلتا کہ اس کی یاد برسوں دلوں سے محو نہ ہوتی۔ مسلم لیگ نے طے کیا کہ ہندو مسلمان دو مختلف قومیں ہیں۔ ان کا تفرقہ اسی طرح مٹ سکتا ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے۔ ایک مسلم ہند دوسرا ہند وہند۔ دونوں اپنی اپنی قلیل آبادی کی حریف کے حصہ میں خیر منانے کے لئے اُس کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھیگا۔ حکومت سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کما حقہٗ کی جائے۔

خاکساروں کے متعلق مسلمانوں کو صبر و شکیبائی کی تلقین کی گئی اور حکومت سے غیر جانبدار تحقیقاتی کمیٹی کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔ چنانچہ حکومت پنجاب نے کمیٹی قائم کردی ہے جس میں چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ اور الہ آباد کے سابق جج چودھری نعمت اللہ صاحب ہیں۔ لاہور میں اس کے سامنے گواہان پیش ہونے شروع ہوگئے ہیں خاکساروں کو بھی شہادت دینے کا حوصلہ دلایا گیا ہے۔

شعبۂ نسواں کے اجلاس میں دو ہزار مسلم خواتین شریک تھیں۔ صدارت بیگم مولانا محمد علی مرحوم نے کی۔ قراردادیں یہ منظور ہوئیں کہ مسلم خواتین اپنے اپنے حلقۂ اثر میں مسلم لیگ کو فروغ دیں۔ عورتوں کو شریعت کے موافق حقوق دیئے جائیں اور اردو کی ترقی میں سخت کوشش کی جائے۔

جنگ یورپ

جرمنی نے سکاٹ لینڈ کے شمال میں سکاپانلو پر ہوائی حملہ کیا۔ یہ مقام برطانوی بیڑہ کا اہم مرکز ہے ایک جہاز کو معمولی سا نقصان پہنچا۔ گھبراہٹ میں جرمنوں کے بم بے نشانہ اور بے جگہ گرتے رہے۔ جواب میں برطانوی ہوائی جہازوں نے جزیرہ سلٹ پر سات گھنٹہ بمباری کی جس سے جرمنوں کو شدید نقصان پہنچا۔

برطانیہ نے بحر شمالی میں جرمن آہن وزنوں اور دیگر سامان رسد رسانی کے جرمن جہازوں کی روک تھام کے لئے ناروے کے ساحل کے پاس سرنگیں لگادی تھیں۔ اس پر ناروے نے اعتراض کیا۔ لیکن جرمنوں نے اس اقدام کا فوراً یہ جواب دیا کہ اُس نے ڈنمارک پر پوری طرح اور ناروے پر بہت کچھ قبضہ کرلیا۔ ڈنمارک نے تو ذرا بھی ہاتھ پاؤں نہیں ہلائے البتہ ناروے کہیں کہیں مقابلہ کررہا ہے۔ ناروے کا ساحل ٹوٹا پھوٹا ہے اور پہاڑی علاقہ ہے جو اندر تک بہت سی جگہ سو سو میل چلا گیا ہے اور اس ساحل کی لمبائی ۱۷سو میل ہے۔ راس شمالی پر سورج ۱۲ مئی سے ۲۹ جولائی تک اُفق سے اوپر رہتا ہے۔ جنوبی ناروے میں اپریل کے آخر سے وسط اگست تک راتیں تیرہ و تار نہیں ہوتیں دھندلکہ رہتا ہے۔ شمالی حصہ میں ۱۸ نومبر سے ۲۴ جنوری تک سورج اُفق سے اوپر نہیں اُٹھتا۔ وسط موسم سرما میں جنوبی ناروے کا دن صرف ۶½ گھنٹے رہتا ہے۔ ایسے ملک پر جنگی قبضہ رکھتے ہوئے اتحادیوں سے جرمنی کا مقابلہ کرنا بظاہر بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ناروے کے قبضہ میں آجانے سے ۸۰ لاکھ پونڈ سالانہ کی مچھلی، لوہا۔ لکڑی کا گودا۔ کاغذ، پٹھا۔ کھالیں، ملائم لکڑی اتحادیوں کو ملنی بند ہوجائیگی۔ اور ڈنمارک سے ۴½ کروڑ پونڈ کا دودھ مکھن باہر جانا رک جائے گا۔

انگریزوں نے ناروے میں نارو ک کے مقام پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور جرمنوں کا سمندری رستہ بالکل روک دیا ہے

ریشمی برقعہ ــــ قیمت پانچ روپے

سلائی کی قیمت نہیں لی جاتی۔ ڈیزائن کی قیمت نہیں لی جاتی۔ کارخانہ کو شہرت دینے کے لئے صرف کپڑے کی قیمت لی جاتی ہے ہزاروں عورتوں نے ہمارے ہاں سے یہ برقعے منگائے اور جس جگہ ایک برقعہ چلا گیا وہاں سے درجنوں کے آرڈر پھر آئے۔ کیونکہ ان داموں یہ برقعہ یقیناً مفت برابر ہے۔ عصمتی بہنوں میں سے بھی جو بہن چاہیں منگا دیکھیں۔ چیز دیکھ کر ان کا جی خوش ہو جائے گا۔ اگر پسند نہ آئے تو خوشی سے واپس کر دیں۔

جس رنگ کا برقعہ درکار ہو جس سائز کی ضرورت ہو منگا لیجئے۔ سائز کے لئے سر سے پیر تک یا تو ڈورا ناپ کر بھیج دیں یا گزوں کے حساب سے برقعہ کی لمبائی بتا دیں۔ اور جو رنگ پسند ہو وہ لکھ بھیجیں۔ بالکل وہی چیز آپ کو گھر بیٹھے پہونچا دی جائے گی۔ خواہ کوئی سائز ہو۔ کوئی رنگ ہو ایک عدد برقعہ کی قیمت صرف پانچ روپے لی جائے گی۔ محصول پارسل گیارہ آنے لگے گا وہ آپ کے ذمہ ہوگا۔ **منیجر کامیاب بکڈپو ۳۴ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر جتنے برقعہ درکار ہوں بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ آپ کو گھر بیٹھے برقعہ مل جائے گا۔ اس سے بہر صورت مطمئن رہئے جو چیز آپ کو بتلائی گئی ہے۔ بالکل وہی آپ کے پاس پہنچے گی۔ برقعہ کا کپڑا ریشمی ہوگا۔ اور رنگ وہ ہوگا جو آپ لکھ کر بھیجیں گی۔ سائز کے ساتھ ہی سر کی گولائی اور ٹھڑی پٹی کا ناپ بھی ضرور لکھئے۔ برقعہ کی ٹوپی اور اس کا بہترین باریک کام دیکھ کر آپ یقیناً خوش ہوں گی۔ کیونکہ برقعہ کی کاریگری میں ٹوپی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ہمارے اس برقعہ کی ٹوپی میں بھی بہت باریک جنت کاری کی گئی ہے۔ جس کے باعث برقعہ بیس پچیس روپے کا معلوم ہوتا ہے۔ منگانے کا پتہ:۔ **منیجر کامیاب بک ڈپو ۳۴ دہلی**

دو روپے میں۔ اصلی فوٹو کیمرہ

اس فوٹو کیمرہ سے بہت صاف تصویر آتی ہے۔ گھر کے بچوں اور گھر کی عورتوں کے فوٹو خود ہی تیار کر لیجئے۔ ترکیب بہت آسان اتنی آسان کہ ایک معمولی سمجھ کا بچہ بھی اس فوٹو کیمرہ سے بہت آسانی کے ساتھ فوٹو کھینچ سکتا ہے۔ کارڈ کے ½ سائز کی تصویر آتی ہے۔ بہت صاف اور روشن آتی ہے۔ اس کیمرہ سے مناظر اور عمارات کے فوٹو بھی بہت صاف آتے ہیں۔ اسی لئے ہندوستان میں بڑی تیزی کے ساتھ فروخت ہو رہا ہے جہاں ایک فوٹو کیمرہ منگایا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے درجنوں کی مانگ آتی ہے۔ کیونکہ بہت خوبصورت اور مضبوط اور کارآمد چیز ہے اس لئے خریدار اسے لیکر خوش ہوتا ہے۔ اس فوٹو کیمرہ کے ساتھ اسکے فلم اور پرنٹنگ کارڈ اور فوٹو تیار کرنے اور دھونے کا مسالہ بھی ساتھ ہی مفت دیا جاتا ہے۔ تاکہ کیمرہ وصول کرتے ہی استعمال کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ یہ تمام سامان علیحدہ بھی ہر وقت ہم سے یا بازار سے خریدا جا سکتا ہے آسان ترکیب استعمال کا فارم بھی کیمرہ کے ساتھ روانہ ہوتا ہے۔ ایک عدد فوٹو کیمرہ کی قیمت صرف دو روپے (عہ) ہے (تمام سامان اس کے ساتھ مفت ملتا ہے) محصول ڈاک سات آنے لگے گا۔

منیجر کامیاب بکڈپو ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ دو عدد فوٹو کیمرے ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف۔

تاروں کا جھرمٹ

جرمنی کا ارادہ ہے کہ اپنی ناروے کی فوجوں کو سویڈن کے راستے مدد بھیجے۔ اس سے اندیشہ ہے کہ وہ عنقریب سویڈن پر بھی حملہ کر دے۔ بحری مڈبھیڑ میں جرمنی کے بہت سے جہاز ڈبو دیئے گئے ہیں۔ امریکہ نے اپنے آدمیوں کو ہنگری سے چلے آنے کا حکم دے دیا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید جرمنی زور جنوب کی طرف پڑنے لگے۔ سمندر کے ذریعہ اپنا گلا گھٹتا دیکھ کر بہت ممکن ہے جرمنی بحیرہ روم میں اٹلی کی مدد سے کچھ سرگرمی دکھائے۔ تاکہ اتحادیوں کی توجہ اُدھر ہو جائے۔ ہالینڈ۔ سوئٹزرلینڈ بھی زور شور سے اپنی حفاظت کے سامان کر رہے ہیں۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ بمبئی میں ۱۲ سال سے کم عمر کے فقیر دو ہزار ہیں اور ان کی سالانہ آمدنی ۷ ½ لاکھ روپیہ ہے

پچھلے سال کلکتہ سے ۷ میل کے قریب دو رایک جگہ ڈاک گاڑی دوسری گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ جس میں چند آدمی مارے گئے تھے۔ ایک ممبر اسمبلی کی بیوہ کو ریل والوں نے ۱۳ ہزار روپیہ بطور معاوضہ ادا کر دیا ہے۔ ہرجانے کے دعوے کا نوٹس ریل والوں کو دیا تھا۔

لاہور میں پنجاب کے سول سرجنوں کی کانفرنس میں اس امر پر غور کیا گیا کہ آج کل کی دائیوں لی دستبرد سے زچاؤں کو کس طرح بچایا جائے کیونکہ وہ عورتوں کی صحت کے لئے بڑا خطرہ ہیں

نواب صاحب بھوپال کے بھتیجوں نواب زادہ فخر الملک اور نوابزادہ مبین الملک نے علیگڈھ یونیورسٹی کو ایک لاکھ ۴۴ ہزار روپیہ عنایت کیا ہے

۳۱۔ مارچ سنہ ۱۹۴ء کو ختم ہونے والے گیارہ دنوں میں تمام سرکاری ہندوستانی ریلوں کو ۳ کروڑ ۲۲ لاکھ روپیہ آمدنی ہوئی۔ اس سے پہلے سال کے اسی عرصہ کے مقابلہ میں ایک لاکھ روپیہ زیادہ آمدنی ہوئی۔

سنہ ۳۹ء میں ۸۱۰۳ آدمیوں پر جانوروں سے بیرحمی کرنے کے مقدمے چلے۔ ۷۵۶۳ کو سزا ملی۔ ۹۷۰۶۔ مویشیوں اور ۱۸۲۵ پرندوں سے بیرحمی کے سلوک ہوئے۔ چار ہزار جانوروں سے زیادہ کا شفاخانوں میں علاج کیا گیا۔ نو کچھوے، چار گیدڑ، سات گدھے چار سانڈ ۸۰ ابلیاں ۸۸ گھوڑے ۲۶۷ بیل اور ۳۵۴ کتوں کے ساتھ بیرحمی ہوئی۔

رنگون کے پاس ایک جھیل میں باپ مصنوعی بازوؤں سے تیر رہا تھا کہ ایک بازو الگ ہو گیا اور وہ ڈوبنے لگا۔ ۱۶ سالہ بیٹا اُسے بچانے کودا۔ باپ بیٹے دونوں ڈوب گئے۔

شمالی ارکاٹ کے ایک گاؤں میں ایک آدمی نے دو لڑکوں کے ساتھ لڑتے ہوئے دونوں کو کنوئیں میں دھکیل دیا ایک تیرنا نہ جانتا تھا ڈوب کے رہ گیا۔ دوسرا بھائی کنوئیں کی دیوار سے صبح تک چمٹا رہا اور پاس بھائی کی لاش پانی پر تیرتی رہی۔ صبح کو اُسے لوگوں نے کنوئیں سے نکالا۔ ایک شخص اس سلسلہ میں گرفتار ہوا ہے۔

کولمبو میں دو جوانوں بات بڑھ کر نوبت دھینگا مشتی تک پہنچ گئی، لوگ بیچ بچاؤ کے لئے آئے وہ بھی لپیٹ میں آگئے ایک کتا پاس سو رہا تھا چیخ پکار سے جاگ کر اس قدر گھبرایا کہ اُس نے تابڑ توڑ لوگوں کی ٹانگوں میں کاٹنا شروع کر دیا۔ لڑائی ختم ہو گئی۔ اب جو دیکھا تو سب کی ٹانگیں زخمی تھیں۔ اس طرح ایک لڑائی ایک کتے نے ختم کرادی۔

عید میلاد کے روز لکھنؤ میں سنیوں کے جلوس کے وقت شیعہ سنی تصادم ہو گیا۔ پولیس کو گولی چلانی پڑی، بلوہ میں تین مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے۔ پولیس کے آدمی بھی زخمی ہوئے۔

بمبئی میں قانون بن گیا ہے جس کی رُو سے صرف وہی لوگ حکیم کا کام کر سکیں گے، جنہوں نے باقاعدہ امتحان پاس کیا ہو، یا دس سال پہلے سے باقاعدہ حکمت کرتے رہے ہوں یا اتنے ہی عرصہ کسی مستند حکیم کے ساتھ کر چکے ہوں حکیموں کو رجسٹری کرانے کے لئے دس روپیہ فیس دینا

جن عورتوں کے ہاں اولاد نہیں ہوتی

اب اُن کے ہاں بھی اولاد ہو سکتی ہے

نئے زمانہ کی سائنس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھائے ہیں وہاں یہ بات معلوم کر کے بھی ہماری عصمتی بہنوں کو بے حد خوشی ہو گی کہ اب نئے زمانہ کی اس سائنس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے۔ یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گزر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہو سکے گی۔

سائنس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "**محافظ اولاد**" کا گزشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے۔ بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گزر چکے تھے مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی محافظ اولاد نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر ہے اور امید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دنیا کو ثابت کیا جائے گا کہ اس مقصد کے واسطے محافظ اولاد دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا "**محافظ اولاد**" ہدایات کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں) اور اس کے بعد خدا تعالےٰ کی طرف سے مہربانی ہو جاتی ہے اور آئندہ سال ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہو گا۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطباء اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص "محافظ اولاد" دوا کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دواخانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۳۴ دہلی** کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر دوا "محافظ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیں۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے (۲/۸) ہے اور پارسل پر سات آنے (۷/) خرچ ہوں گے۔

دوا منگانے کا پتہ:۔ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۳۴ دہلی**

بجلی کا اثر خوبصورتی پر

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ یورپ کے ماہرین حُسن
عورتوں اور مردوں کے چہرے اور اعضا کا تناسب
بذریعہ بجلی درست کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں آخری
ترقی یہ ہے کہ ماہرین آلٹرا وائیلٹ برقی شعاعوں کی مدد سے بائیوسیل
بنانے کی تکمیل میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ بائیوسیل بہی مادہ
ہے جو انسان کی کھال میں ہوتا ہے۔ اس کا فعل یہ ہے کہ جلد
کے لاکھوں غدودوں کو متحرک رکھے تاکہ غدود جلد کے فاسد
نمک اور خشک شدہ ذرات کو مسامات سے باہر دھکیلتے رہیں
اور باہر سے آکسیجن جذب کرتے رہیں۔ قدرتی نظام کے ماتحت
بائیوسیل غدودوں کو روزمرہ کی غذا سے ملتا ہے لیکن خراب
ہوا و پانی یا غیر خالص غذائیں یا غلط خوراک یا فکر یا عام جسمانی
کمزوری کی وجہ سے جن لوگوں کا نظام جسم بائیوسیل کی پوری تعداد
غذا سے حاصل نہیں کر سکتا ان کا رنگ اور جلد کی تر و تازگی
خراب ہوجاتی ہے اور مصنوعی آرائش کی ضرورت ہوتی ہے مصنوعی آرائشی سامان
سے اگرچہ چہرہ بظاہر بہتر ہوجاتا ہے لیکن درحقیقت مسامات میلے ہوجانیکی
وجہ سے بائیوسیل کا قدرتی نظام اور زیادہ بگڑ جاتا ہے اور خوبصورتی
رفتہ رفتہ ضائع ہوتی جاتی ہے، یہانتک کہ بغیر نمائشی سامان کے جلد
بے رونق معلوم ہونے لگتی ہے۔ درحقیقت خوبصورتی نظام جسم صحیح ہونیکا
دوسرا نام ہے جس کے لئے بائیوسیل کی صحیح مقدار کا جسم میں ہونا
ضروری ہے نظام جسم کی درستی اور پرورش یعنی خوبصورتی کے لئے جدید تحقیقات
اور تجربات کے مطابق بائیوسیل سکن ٹانک ہی کا استعمال سب سے زیادہ موثر
اور کارآمد ہے اس میں بائیوسیل کی صحیح تعداد شامل ہے جو غدودوں میں بذریعہ
مسامات سرایت کر کے جلد کی نشو و نما قدرتی طریقے پر کرتی ہے یہانتک کہ چیچک کے
داغ بھی اس کے استعمال سے زیادہ نمایاں نہیں رہتے۔ اسی اصول پر جیسے جوانی
میں بائیوسیل کی اچھی تعداد جسم میں ہونیکے سبب چیچک کے نشان دبے رہتے ہیں
قیمت بڑا سائز دو روپیہ بارہ آنے۔ چھوٹا سائز ایک روپیہ سات آنے محصول
علیحدہ۔ اجمل اینڈ کمپنی امپورٹرز۔ دریا گنج۔ دہلی

یادگار حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

The ISMAT, Delhi.

عصمت

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لیے

پاکیزہ خیالات

علمی۔ ادبی مضامین

اور

مفید معلومات کا ماہوار ذخیرہ

جولائی ۱۹۳۰ء

ایڈیٹر۔ رازق الخیری

چندہ سالانہ قیمت خاص ۱۰/

چندہ سالانہ عام

انگریزی و جرمنی کھانے	ترکی اور عربی کھانے	ایرانی اور افغانی کھانے	بنگالی اور بہاری کھانے	کشمیری اور مدراسی کھانے
گجراتی اور پنجابی کھانے	حیدرآبادی اور براری کھانے	لذیذ لذیذ کھانے	دلی اور لکھنؤ کے کھانے	پشاوری اور ہندی کھانے

سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اُردو زبان میں بے نظیر کتاب

عِصمتی دسترخوان حِصّہ اوّل

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ نکلے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ اس لئے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تقریباً عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔ باورچیخانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات اور مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر ۲ چیزوں پڈنگ اور کبابوں کی فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

پلم پڈنگ	انجیر پڈنگ	ران کے کباب	کباب بیضہ مرغ	تاشش کباب
کھوئے کی پڈنگ	امنڈ پڈنگ	آلو کے کباب	کچے قیمہ کی ٹکیاں	شامی کباب
نارنگی بھری پڈنگ	بیر پڈنگ	کچے آلو کے کباب	گوشت کے میٹھے کباب	آنتوں کے کباب
ججر پڈنگ	جلیبیوں کی پڈنگ	ناریل کے کباب	کباب مرغ مسلم	انگریزی کباب
روز پڈنگ	میوہ دار پڈنگ	مچھلی کے بیسنی کباب	سیخ کے چٹ پٹے کباب	اردی کے کباب
اناناس پڈنگ	کشمش پڈنگ	سیخ کے کباب	مچھلی کے شامی کباب	اور کئی کئی قسم کے کباب
کمزور بیماروں کے لئے	بالائی پڈنگ	پسندے کے کباب	دہی کے کباب	

یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے

اسی سے کتاب کا اندازہ کرلیجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے ہوئیاں کھیر فیرنی ساد ے اور ترکاری کے سالن مچھلی مرغ جیلی بسکٹ کیک۔ دالیں مٹھائیاں۔ حلوے چٹنیاں۔ مربے۔ آچار۔ سموسے۔ بڑے۔ پوری کچوریاں پراٹھے۔ روٹی غرض ہر قسم کے کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں! اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری سمجھ کر جہیز میں دیجاتی ہے سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلفہ و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ چند ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ ۸ ایڈیشن نکل گئے۔ قیمت دو روپے مجلد سوا دو روپے۔ حصہ دوم مشرقی مغربی کھانے عما مجلد عہ

عصمتی ہنڈ کلیا

یہ کتاب بچیوں کے لئے ہے تاکہ وہ شادی سے قبل کھانے پکانے کے فن میں ماہر ہو جائیں اور ایک کنواری بچی کو جو کچھ جاننا چاہئے عملی طور پر اس سے واقف ہو جائے سوا سو کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں بچیوں ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں پھر خوبی یہ کہ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کار آمد ہدایتیں بھی ہیں قیمت صرف ۸ر

ناشتہ

دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا ہے اس موضوع پر قابل قدر کتاب جس میں چاء۔ کوکو۔ شربت لسی۔ فالودہ۔ آئس کریم۔ بسکٹ۔ کیک۔ توس۔ کڑہائی وغیرہ وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی موجودگی میں جس حصہ ملک کا مہمان ہمارے ہاں آجائے اسی کے مطلب کی چیز ہم پیش کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۰ر

بچوں کے کھانے

ننھے بچوں کو اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہئے۔ کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر بے نظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی کئی درجن تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت کار آمد مضامین بھی ملک کے قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کے لکھے ہوئے ہیں قیمت ۸ر

بیماروں کے کھانے

بیماروں کے جو کھانے بیحد مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ تمام ترکیبیں تجربہ کی ہوئی ہیں۔ مضامین بھی بے انتہا مفید و قابل قدر ہیں ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۱۰ر

مذاقیہ کھانے

دولہا بھائی سے، نندوئی سے سہیلیوں سے مہذب مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس کی ہر ترکیب صحیح ہے بیہودہ عامیانہ مذاق کی جگہ اس کتاب سے شائستہ مذاق کرو۔ اور اس ہنسنے ہنسانے والی کتاب سے زندہ دلی کا ثبوت دو۔ لڑکیوں کی شادی کے وقت دولہا بھائی کی تواضع کے لئے لڑکیاں یہ کتاب نہایت شوق سے منگاتی ہیں۔ قیمت ۶ر

عصمتی دسترخوان حصہ دوم
مشرقی مغربی کھانے

باعتبار مضامین پہلے حصہ پر بھی فوقیت رکھتا ہے قریباً ۱۰۰ صفحوں کے نہایت ہی کار آمد اور قابل قدر مضامین ہیں۔ چند عنوانات یہ ہیں۔ ہماری خوراک اور غذا کے متعلق تحقیقی مضامین۔ کھانے کے اصول۔ کھانے کی حفاظت۔ جرمنی باورچی خانہ۔ جاپانی باورچی خانہ۔ کچی سبزی۔ ترکاریوں کے خواص۔ کھانے کا کمرہ۔ اناج کا صندوق ایرانی دعوت وغیرہ وغیرہ۔ ترکیبیں سب نئی اور آزمودہ ہیں اور ایک ایک چیز کی متعدد ترکیبیں۔ عربی۔ ایرانی۔ ترکی۔ جاپانی عراقی۔ روسی۔ اطالوی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ کھانوں کی اچھی اچھی ترکیبیں ہیں۔ عصمتی دسترخوان بغیر حصہ دوم کے مکمل نہیں یہ بھی بہت مقبول ہوا ہے۔ قیمت عما مجلد عہ۔ عصمتی دسترخوان مکمل یعنی دونوں حصوں کی قیمت للعہ۔ مجلد للعہ۔

محصول ڈاک بذمہ خریدار **پتہ مینیجر عِصمت بُک ڈپو دہلی** محصول ڈاک بذمہ خریدار

رسالہ عصمت دہلی

سالگرہ نمبر (جولائی) سنہ ۱۹۴۰ء

جلد ۶۵	تینتسواں ۳۳ سال	نمبر ۱

فہرستِ مضامین

باہتمام ابوامین مولوی محمد امان الرحمٰن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا۔

تصاویر:- (۱) جزیرہ مداغاسکر کی دیہاتی عورت (۲) مداغاسکر کی مسلمان عورت (۳) مداغاسکر کی عیسائی عورت (۴) مچھلی کا شکار (۵) برھوا قوم کا ایک مرد (۶) رانچی کے وحشی قبائل (۷) نہر سوئز (۸) پورٹ توفیق کا مشرقی دروازہ (۹) پورٹ سعید (۱۰) ممباسہ کا ایک بازار (۱۱) ممباسہ کی ایک سڑک (۱۲) ناریل اکٹھے کئے جا رہے ہیں (۱۳) ممباسہ شہر کا باہر سے نظارہ (۱۴) علی مسجد خیبر (۱۵ تا ۱۹) جنگ یورپ کے متعلق۔

تندرست بچے:- (۲۰) محترمہ رابعہ خاتون پٹھاں کے بچے (۲۱) جمیلہ بیگم صاحبہ کی بھتیجی (۲۲) بے فکری (۲۳) ننھی بہنیں (۲۴) بیگم نبی بخش سکھر کے بچے (۲۵) مسز یوسف علی کانپور کے بچے (۲۶) ڈاکٹر اعظم کریوی کی بچی۔

چندہ سالانہ پیشگی مع محصولڈاک چار روپیہ للعہ، **ممالک غیر سے** دس شلنگ قیمت سالگرہ نمبر دس آنے۔
قسم خاص آرٹ کاغذ کا ایڈیشن دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، والیان ریاست سے سنو روپے۔
ممالک غیر سے ایک پونڈ۔

رسالہ عصمت:- ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے۔ ایچ وہیلر کے بک سٹال پر بھی ملتا ہے۔

مڈغاسکر کی دیہاتی عورت

مڈغاسکر کی مسلمان عورت

مڈغاسکر کی ... عورت

مچھلی کا شکار

رانچی کے وحشی قبائل

برہور قوم (بہار) ...

The ISMAT Delhi.
ANNUAL NUMBER 1940

بنت ڈاکٹر اعظم
کریوی (۹ ماہ)

چند باتیں

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ عصمت کا بتیسواں سال بخیر پورا ہوا۔ اس پرچہ سے اس کا تینتیسواں سال شروع ہوتا ہے اور یہ پرچہ قدیمی روایات کے مطابق سالگرہ نمبر ہے اور دوگنی ضخامت کا شائع کیا جا رہا ہے۔

جنگ کی وجہ سے کاغذ اور دوسرے سامان طباعت کی قیمتوں پر آگ پڑ رہی ہے۔ جو کاغذ عمہ رم کا آ رہا تھا وہ اب للعہ کا ہے اور جو للعہ میں با آسانی مل رہا تھا اب ۲ے میں بھی مل جائے تو سستا ہے۔ اس گرانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض پرچے ہلکا کاغذ لگانے لگے بعض نے صفحات کم کر دیئے اور بعض پرچوں نے چندہ میں اضافہ کر دیا۔ عصمت کو بتیسویں سال میں اس گرانی کا سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن نہ اس نے کاغذ ہلکا کیا نہ ضخامت گھٹائی اور نہ چندہ بڑھایا اور الحمد للہ اپنی تمام خصوصیات قائم رکھیں۔ اب تینتیسواں سال شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد مستقبل میں بھی اس کے شامل حال رہے اور استقامت اور مستعدی کے ساتھ اسے اپنی تمام خصوصیات قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عصمت نہایت پابندی وقت سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے مضامین کے صفحے اور تعداد میں تصاویر بھی زنانہ رسالوں میں سب سے زیادہ دیتا ہے کاغذ لکھائی چھپائی کے اعتبار سے بھی ملک کے بہترین رسائل کے پہلو بہ پہلو ہے لیکن اصل چیز عصمت کے مضامین ہیں اور مضامین کے لحاظ سے یہ سالگرہ نمبر امید ہے قبولیت عام حاصل کریگا۔ کئی مضمون اس سالگرہ نمبر میں ایسے شائع ہو رہے ہیں جو اردو صحافت کے لئے باعث فخر کہے جا سکتے ہیں عصمت کی قدیم و مخصوص مضمون نگار خواتین کی مستقل جماعت بھی اس سالگرہ میں شریک ہے اور کئی ہونہار نئی لکھنے والیاں بھی۔ یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنیوالی خواتین نے بھی اپنے پرچہ کی زینت بڑھائی ہے اور ان محترم بیبیوں نے بھی جن کی تصانیف زنانہ لٹریچر میں بلند پایہ رکھتی ہیں۔ علاوہ ان خواتین کے اردو کے اُن مشہور لکھنے والے مردوں نے بھی سالگرہ نمبر کی دلچسپی میں اضافہ کیا ہے جن کی مقالہ نگاری افسانہ نویسی یا شاعری کا ملک میں ڈنکا بج رہا ہے عملی طور پر جن مضامین سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ان کی بہت معقول تعداد اس سالگرہ نمبر میں ہے اور ایسے مضامین بھی کافی ہیں۔ جو انتہائی دلچسپی کے ساتھ دیکھے جائینگے بعض مضامین نئے نئے موضوعوں پر ہیں۔ بعض عنوانات میں دلکشی نہیں مگر نئی نئی باتیں دلآویز پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں ضروری معلومات کے مضامین بھی ہیں اور سنجیدہ ظرافت بھی ملکی و غیر ملکی حالات پر نہایت مدلل اور بڑی معقول بحثیں بھی ہیں اور سبق آموز و نتیجہ خیز افسانے اور موثر نظمیں بھی۔ الغرض مضامین کے اعتبار سے یہ سالگرہ نمبر کافی کامیاب ہے۔ البتہ تصاویر اس دفعہ بہت اچھی نہیں رہیں خاکسار ایڈیٹر ۲۵ جون کو درد گردہ کی ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہو گیا اور نقاہت اس درجہ ہو گئی کہ اس وقت تک زیادہ دیر کام نہیں کر سکتا۔ اس علالت کی وجہ سے تصاویر پر خاص توجہ نہ کی جا سکی لیکن مضامین سے امید ہے محترم خواتین مطمئن ہو جائیں گی۔

ایڈیٹر

پیغامات

خان بہادر سر عبدالقادر (سابق لا ممبر حکومت ہند و سابق ایڈیٹر مخزن)

مولانا راشد الخیری مرحوم کے بعد جس تن دہی اور سرگرمی سے اُن کے خلف الرشید مولوی رازق الخیری اور اُن کے چھوٹے صاحبزادے صادق الخیری نے اپنے والد بزرگوار کی اس یادگار کو قائم رکھا ہے اور اُن کی تصنیف کردہ کتابوں کی اشاعت کی ہے اس کے لئے وہ مستحق آفریں ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ اُنہیں اپنے باپ سے ایسی عقیدت تھی جو عشق کا درجہ رکھتی تھی اور وہی اب کام کر رہی ہے۔ رازق صاحب نے کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب لکھی تھی "عصمت کی کہانی" اور اُس کی ایک کاپی مجھے تحفۃً بھیجی تھی۔ اُسے میں نے دلچسپی سے پڑھا خاص کر اسلئے کہ عصمت کی کہانی میرے مرحوم دوست مولانا راشد کی کہانی ہے اور اس کے ساتھ میرے ادبی مشاغل کے بہترین زمانے کی کہانی مربوط ہے۔ اس کتاب کے شروع میں مولانا کی جو تصویر چھاپی گئی ہے وہ اُس زمانے کی ہے جب میری ان سے پہلے پہل ملاقات ہوئی۔ اُن کے چہرے میں ذہانت اور متانت کی ایسی ملاوٹ تھی کہ کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اس تصویر کو دیکھکر ۱۹۰۸ء و ۱۹۰۹ء کی وہ صحبتیں یاد آگئیں جو دہلی میں نصیب ہوئی تھیں۔ جب تقریباً ہر شام کو دفتر مخزن میں ایک بے تکلف بزم ادب جمع ہوتی تھی۔ راشد صاحب ان دنوں سرکاری ملازمت سے رخصت لیکر آتے ہوئے تھے ہیں اور شیخ محمد اکرام صاحب اُن کو ترغیب دیتے رہے کہ ملازمت کو خیرباد کہیں اور دہلی میں قیام کر کے ادب اُردو کی خدمت میں مصروف ہو جائیں۔ وہ کچھ عرصہ متامل رہے۔ روزگار کا معاملہ تھا۔ مگر بالآخر ادبی کاموں کی طرف طبعی میلان غالب آیا اور اُنہوں نے ملازمت ترک کر دی۔ اُنہی دنوں میں شیخ محمد اکرام صاحب نے ادارۂ مخزن سے ایک رسالہ عورتوں کے لئے نکالنے کا ارادہ کیا۔ اس کام سے مولانا کو بھی دلی لگاؤ تھا۔ پھر کیا تھا۔ "مل گئے دیوانے دو" اور خوب گزری۔ رازق صاحب نے عصمت کے اجراء اور نشو و نما کی کہانی دل لگا کر لکھی ہے۔ جب ۱۹۰۹ء کے بعد میں دتی سے لاہور آ گیا اور شیخ محمد اکرام نے لندن کا عزم کیا تو عصمت کے چلانے کی پوری ذمہ داری مولانا کے کندھوں پر آ گئی۔ اُنھوں نے جس خوبی سے اس ذمہ داری کو سنبھالا اور جس طرح خدمت نسواں میں دوسرے رسالوں کے اجراء سے اور مدرسہ بنات قائم کر کے حصہ لیا وہ دُنیا کو معلوم ہے۔ اور اسی لئے مسلمانوں میں اور خاص کر مسلمان خواتین میں اُن کی خدمات اور اُن کے احسانات کا احساس اب تک موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جو مشکلات مولانا کو اس راہ میں پیش آئیں اور جو قربانیاں اُنہوں نے اپنی دُھن کو پورا کرنے کے لئے کیں۔ اُن کی تفصیل رازق صاحب کی کتاب میں درج ہے۔ مختلف انقلابوں سے گزرنے کے بعد اب عصمت مضبوطی کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہے۔ اس کی سالگرہ کا خاص نمبر چھپ رہا ہے۔ اس تقریب پر میں ادارۂ عصمت کو اور مولوی رازق الخیری و مولوی صادق الخیری کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی۔ ایم۔ اے۔

مبارک ہے وہ زندگی جو دوسروں کے فائدہ یعنی خدمت کیلئے بسر ہوئی ہو۔ یہ بحث منطقی خفقان تک پہنچا دیگی کہ فائدہ اور حقیقی فائدے کی جامع اور مانع تعریف کیا ہے؟ اور یہ کہ دوسروں سے کیا مطلب ہے؟ میں ایک مثال سے اس دعوے کا ثبوت پیش کرونگا۔ اور وہ مثال ہے اللہ بخشے مولانا راشد الخیری کی اور رسالہ

عصمت کی۔ چونکہ مولانا مرحوم کی زندگی مسلمان بی بیوں کی بہتری کے مساعی میں صرف ہوئی۔ اور ان مساعی کا ذریعہ سب سے زیادہ عصمت ہی تھا اسلئے آج عصمت کی سالگرہ کے موقع پر اسی رسالہ کی نسبت کچھ کہا جائیگا جس کی افادیت مسلم ہے۔

عزیز رازق الخیری صاحب نے یہ بہت اچھا کیا کہ "عصمت کی کہانی" میں اس کی سوانح عمری بے کم وکاست لکھدی۔ ہر شخص کی طرح ہر ادارے کو بھی زندگی کے سفر میں بہت سنگ راہ پیش آتے ہیں، بہت سی کڑیاں جھیلنی پڑتی ہیں، لیکن عصمت ایسے شخص کے ہاتھوں میں تھا جو آگے قدم بڑھا کر پیچھے ہٹانا نہیں جانتا تھا۔

آج بتیس ۳۲ برس ہوتے ہیں جب عصمت جاری ہوا تھا چونکہ خوب سوچ سمجھ کر اس کی بنیاد راسخ اصولوں پر رکھی گئی تھی اس لئے اس کی پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت نہ پڑی۔ ذیل کے اقتباس سے عصمت کے اساسی اصولوں پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے:۔

"وہ آزادی نسواں جس میں مرد و عورت کا امتیاز مشکل ہو جائے اسے عصمت نے ہمیشہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اُس زمانے میں بھی اِس موضوع کے کافی مضامین شائع کئے۔ مغرب کی کورانہ تقلید کی عصمت نے ہمیشہ مخالفت کی لیکن دوسروں کی خوبیوں کا بھی معترف رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلامی روایات زندہ رکھنے پر زور دیا اور انہیں اصولوں عصمت نے ترقی نسواں اور بیداری نسواں کی کوششیں کیں۔"

میرے خیال میں کوئی سلیم الطبع شخص خواہ کسی فرقہ اور ملت سے تعلق رکھتا ہو اس واقعی مصلحانہ اساسی اصول کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا۔ یہ بات ہمیشہ ہوتی رہی ہے کہ اچھے سے اچھے کام کے خلاف بھی بعض لوگ آستینیں چڑھاتے ہیں عصمت کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ حشرات الارض کی مانند زنانہ رسالے دھڑا دھڑ نکلے اور بعض رسالوں نے ہر جائز و ناجائز طریق سے عصمت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے زیر باری کے علاوہ مکروہات دنیا نے بھی نرغہ کیا لیکن واہ رے راشد الخیری اسکی تیوری پر بل نہ آیا۔ صبر و شکر کے ساتھ اپنے کام سے کام رکھا۔ آخر مخالفت کے بادل چھنٹ گئے اور فضا صاف ہو کر پرضیا ہو گئی۔ عصمت کے بانی کی دائمی جُدائی کا الم بھول جانے والا نہ تھا لیکن یہ واقعہ مرحوم کے محبّوں کی کافی اشک شوئی کرتا ہے کہ رازق میاں نے عصمت کو خوب سنبھال لیا۔ بلکہ یہ کہنا سچ ہے کہ رسالے میں ہر پہلو سے ترقی کی۔ ان کے چھوٹے بھائی صادق میاں ایم۔ اے بھی نہایت ستھرا ادبی مذاق رکھتے ہیں اور عصمت و بنات کی خدمت گزاری میں اپنے بڑے بھائی کے قدم بہ قدم ہیں "عصمت کی کہانی" میں یہ الفاظ غالباً انہیں کے رشحات قلم کے ممنون ہیں۔ لکھا ہے اور کتنا سچ لکھا ہے:۔

"صحیح تبصرے بالعموم کئے ہی نہیں جاتے۔ توجہ کے قابل بعض معاصرین کی نگاہ میں وہی کتابیں ہوتی ہیں جن کا اُن کی کتابوں پر کوئی اثر نہ پڑے۔ یا کسی دوست کی لکھی یا شائع کی ہوئی ہوں۔ یا کسی ایسے شخص کی ذات سے تعلق رکھتی ہوں جسے کسی مصلحت سے ممنون کرنا مقصود ہوتا ہے۔"

یہ الفاظ اس طرز تنقید کی بہت کچھ قلعی کھولتے ہیں جو آجکل وبائی مرض کی طرح پھیلا ہوا ہے۔

ترقی کی کوئی حد معیّن نہیں ہوا کرتی۔ مجھے اُمید قوی ہے کہ عصمت اور ترقی کریگا۔

سید سجّاد حیدر صاحب یلدرم۔

حضرت راشد الخیری مرحوم کے ادبی کارنامے صحیفۂ ادب میں سُنہری حرفوں سے لکھے جاچکے ہیں۔ اُنہوں نے مولوی نذیر احمد مرحوم کے نقش قدم پر چلنا شروع کیا، مگر بہت جلد اپنا خاص مسلک، اپنی خاص شاہراہ اختیار کرلی۔ میں مرحوم کے خاص نیازمندوں

میں تھا میری اُن کے ساتھ ارادت، انکی مجھ پر عنایت بے پایاں تھی۔ میں دہلی جاتا، انکی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا جس شہر میں میں ہوتا، اگر انکا گزر اس سے ہوتا، وہ مجھے ڈھونڈھ نکالتے اور وہ لمحات جو اُن کی صحبت میں گذرتے مصاحبت ادبیہ کے بہترین لمحات ہوتے۔ آنکھیں اُن صحبتوں کو ڈھونڈتی ہیں، مگر وہ کہاں صرف اُنکی حسرت ہے۔ میں اس حسرت کو سینہ میں دباتے ہوئے تھا۔ نامور اہل قلم حضرات نے مرحوم کے مرثیے لکھے اُنکے متعلق مضامین لکھے۔ ان مضامین نے میری حسرت کو اور بھڑکایا، مگر میں گریہ خاموش، آہ دروں سینہ پر عمل کرتا رہا۔ رازق صاحب کا اصرار یہ چند سطریں لکھوا رہا ہے۔ اتنے عرصہ کے بعد انکا شائع ہونا بر محل سا ہے۔ مگر میں چند الفاظ عصمت کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں، عصمت مرحوم کی یادگار ہے عصمت کو انھوں نے کیسی مشکلات کا مقابلہ کر کر چلایا اور اس درجہ پر پہونچایا، اسکا مفصل بیان عصمت کی کہانی میں پڑھکر میری آنکھیں کھُل گئیں۔ مجھے ان مشکلات کا تھوڑا سا علم تھا، مگر اس جنگ عظیم کا حال مجھے معلوم نہ تھا جو مخالف قوتوں سے مرحوم کی عصمت کے بارے میں رہی جس چیز کو مرحوم نے اس طرح اپنے خون جگر سے پالا، اور پروان چڑھایا، مجھے اُمید ہے کہ مسلمان خواتین اسکو اپنا عزیز ترین سرمایہ سمجھیں گی اور اسکی پیش از پیش قدر کریں گی۔

لالہ تلوک چند محروم بی۔اے

آنجہانی مولانا راشد الخیری کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے ادیبوں میں تھا اور وہ صحیفہ جو اُن کے جذبات کا آئینہ دار اور اُنکے خیالات کا ذریعہ اظہار رہو۔ ادبی معیار میں اپنا نظیر آپ ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ادبی نکتہ نظر سے میرے دل میں ہمیشہ عصمت کی وقعت اُردو کے بہترین مردانہ رسائل کے برابر رہی ہے۔ یہ امر مزید تسکین کا باعث ہے کہ مولانا کے سفر آخرت کے بعد بھی اُن کے قابل جانشین نے اس معیار میں سر مو فرق نہیں آنے دیا۔ عصمت کی دوسری خوبی جس کا میں روز اوّل سے قائل اور مداح ہوں۔ یہ ہے کہ باوجود گوناگوں ادبی دلچسپیوں کے اس میں زمانہ حال کی عریاں طرز نگارش کو بھول کر بھی داخل نہیں ہونے دیا گیا اور پوری چھان بین کے بعد ایسا مواد مہیا کیا جا رہا ہے جو تمام طبقات نسواں کیلئے دلچسپی اور سبق آموزی کا ذریعہ ہونیکے باوجود کسی پہلو سے قابل اعتراض نہ ہو۔ خالص مذہبی مضامین کو چھوڑ کر جو کلیتہً مسلمان بی بیوں کیلئے ہوتے ہیں، عصمت میں ایسے مضامین بھی بافراط شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے دیگر مذاہب کی مستورات بھی مستفید ہو سکیں۔ عصمت نے ۳۲ سال میں جو پاکیزہ نسوانی لٹریچر شائع کیا ہے اسکی مثال مغربی زبانوں میں ممکن ہے مل جاتے، اُردو میں یقیناً نایاب ہے۔

خدا کرے کہ مولانا کے ہاتھوں کا لگایا ہوا یہ علم و ادب کا شاندار درخت ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے۔

پروفیسر حامد حسن صاحب قادری۔

عصمت کی کہانی شائع کرنیکی واقعی آپکو خوب سوجھی، اور غالبًا یہ ایک ادبی جدت اور صحافتی اختراع بھی ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اخبار اور رسالے بھی جاندار ہستیاں ہوتی ہیں، اُنکی بھی ایک سیرت ہوتی ہے اور ایک کریکٹر، ان پر بھی معیشت و معاشرت کے قانون جاری ہوتے ہیں، اور ان پر بھی موت و حیات کے اصول عائد ہوتے ہیں۔ اس لئے جسطرح انسانوں کی سیرت و سوانح کی اشاعت ملک و ملت کیلئے مفید ہے۔ اخبار و رسائل کی بھی ہونی چاہیئے خصوصاً وہ رسالہ جسکی حیثیت ایسی ہو جیسی انسانوں میں کسی قائد و مصلح کی۔ بلاشبہ عصمت اسی نوع کا پرچہ ہے۔ آپ نے جس محنت اور حسن ترتیب کے ساتھ "عصمت کی کہانی" مرتب کی ہے۔ لائق تحسین ہے۔ اور جو حالات، جو معیار، جو مقصد، جو لائحہ عمل عصمت کا پیش کیا ہے، وہ عالم صحافت کیلئے "پیغام عمل" ہی یہ حقیقت میں حضرت علامہ راشد الخیری رحمتہ اللہ علیہ کا فیضان ہے۔ اور اس بنا پر یہ کہانی بھی گویا علامہ ہی کی سیرت کا ایک باب ہے۔ خدا کرے اُن کی مکمل سیرت بھی آپ جلد شائع کر سکیں۔

تبریکِ سالگرہ

گلستانِ مسرت میں بہارِ جانفزا آئی
ہوئی اقصائے عالم میں طرب کی کارفرمائی
وہ جوشِ زمزمہ ریزی نوا سنجانِ گلشن میں
سمٹ کر آ گیا ہے ناطقہ نغمہ کے دامن میں
کرن سورج کی برگِ گل میں ایسے جھلملاتی ہے
عروسِ ناز آئینہ میں گویا مسکراتی ہے
دُرِ شبنم سے دامن سبزۂ رنگیں کا بھرتا ہے
خرامِ نازمیں موجِ صبا کا، گُل کترتا ہے
جبینِ گل پہ افشاں شبنمِ گل ریز چُنتی ہے
کہ تارِ زر سے سورج کی کرن زربفت بُنتی ہے
ہوا جب پتیوں کے درمیاں لہرا کے چلتی ہے
وفورِ کیف سے رنگت شگوفوں کی بدلتی ہے
تبسم زیرِ لب گا ہے کبھی بے ساختہ خندہ
ہو جیسے گُدگُدی سے طفلکِ معصوم کا نقشہ
طرب کی روشنی چمکی مسرت کی اُڑی نکہت
نوائے خرمی سے گونج اُٹھا گلشنِ عصمت
مبارک باد۔ پھر بزمِ ادب میں تازگی آئی
نگاہِ آرزو نے پھر نئی اک زندگی پائی
بہارِ نو یہ نو آئی چمنِ زارِ تمنا میں
ہوا امروز روشن تابشِ امیدِ فردا میں
مبارک۔ پھر گرہ پڑتی ہے سلکِ عمرِ عصمت میں
فروغ اس کو ملا ہے سایۂ دامانِ رحمت میں
الٰہی تا ابد یہ نیرِ روشن رہے تاباں
چمن علم و ادب کا اسکے پرتو سے ہو گُل افشاں
دوامی اے خدائے پاک ہو فیضانِ عصمت کا
مددگار و معیں دائم رہے رحمانِ عصمت کا

ہزاروں سال تک قائم رہے رسمِ گرہ بندی
محبت آشنائی۔ لطف زائی، رشتہ پیوندی
دعا یہ خامۂ پنہاں کی مقرونِ اجابت ہو
دُر افشاں فیضِ راشد لطفِ رازق نورِ عصمت ہو

رابعہ پنہاںؔ

سالگرہ نمبر کی تاریخ

فضلِ خالق سے ہی مقبولِ جہاں　　شکرِ صد شکر، ہمارا عصمت
واہ بے ساختہ مُنہ سے نکلی　　جس کسی نے کبھی دیکھا عصمت
صاف ستھرا ادبِ اُردو کا　　پیش کرتا ہے نمونہ عصمت
اِسکا مقصد ہے فلاحِ قومی　　اپنا ہمدرد ہے سچا عصمت
اس سے قائم ہی ترقی کی اُمید　　بامِ رفعت کا ہی زینا عصمت
اس کی خوشبو سے معطر ہے چمن　　ہے گُلِ باغِ تمنا عصمت
پھر ہوئی سالگرہ کی تقریب　　پھر نئی شان سے نکلا عصمت
بہرِ تاریخ کہا ہاتف نے　　سامنے آج جو آیا عصمت

شکرِ صد شکر ہوا ہے زہرا
"آج بتیس[۳۲] برس کا عصمت"
۱۳۵۹ھ

اُمِ زہرا ہاشمی

تاریخ

یہ دیکھکر کہ ہے سرسبز گلشنِ عصمت
دل از دیادِ مسرت سے شادکام ہوا
کہا یہ جام نے برجستہ مصرعۂ تاریخ
بخیر سال یہ بتیسواں[۳۲] تمام ہوا
۱۹۴۰ء

جام نوائی (بدایونی)

سالگرہ کی مبارکباد

عصمت کی یہ پینسٹھویں سالگرہ عصمتی بہنوں بھائیوں اور اسکے محترم ایڈیٹر کو مبارکباد ہو!

عصمت کی خدمات اور اسکے احسانات سے علم دوست حضرات اچھی طرح باخبر ہیں۔ اسکا مسلک ہمیشہ صلح کل اور معتدل رہا ہے جن مقدس اور بلند ترین ارادوں کے زیر اثر اسکے محترم بانی جنت مکانی نے اسکا اجراء فرمایا تھا وہ ہم سے مخفی نہیں اور ہمارے علم میں ہے کہ کن کن جاں فشانیوں سے اس نخل آرزو کو سینچکر بار آور کیا تھا جو آج یہ شجر سایہ دار ہم پر جلوہ فگن ہے۔ اس دور قیامت خیز میں جبکہ صحافتی دنیا انجام کار کے خوف سے ہر آن لرزاں و خیزاں ہے۔ یہ رسالہ اسی شان اور آب و تاب سے مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر ماہ کی پہلی کو بلا توقف شائع ہو رہا ہے اور قارئین کو فیضیاب کر رہا ہے۔ وہ کونسی باتیں ہیں جو اسمیں نہیں۔ دور جدید کی تمام معلومات بسیاسی اہم مسائل کے بیشتر نکات اور اخلاقی نقطہ نظر سے بہت ارفع و اعلیٰ مضامین پیش کرکے یہ ثابت کرچکا ہے کہ ہندوستانی خواتین میں بھی اب ان رہنما رسائل و جرائد کی بدولت علمی معلومات اور سیاسی اہمیت سے کافی دلچسپی پیدا ہوچکی ہے۔ ناظرین اور ناظرات عصمت بیشتر ہندوستانی یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین اور حضرات ہیں جنکا مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ "دیں جہد میکند کہ بگیرد غریق را" پر کاربند ہوکر اپنی قوم کی درماندگی کو دور کریں۔ اور انہیں پھر اسی صف میں لا کھڑا کریں جہاں انکے آبا و اجداد جلوہ فرما تھے۔ جب مولانا راشد الخیری غفرلہ کا ارتحال ہوا تو عصمت کے مستقبل کے متعلق فکر ہوگیا تھا۔ مگر رازق الخیری صاحب نے اپنے والد مرحوم کے بعد بھی عصمت کی شان میں فرق نہ آنے دیا اور نہ صرف عصمت کو ترقی دی بلکہ مولانا محترم کے تمام بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو نہ معلوم کن کن جاں فشانیوں سے یکجا کرکے انکے مجموعے علیحدہ شائع کئے جو تا دیر انکی زندہ جاوید یادگار رہ کر محسن قوم کے احسانوں کو تازہ رکھیں گے۔ اور سالہا سال تک پشت در پشت آنیوالی ہندوستانی نسلیں ان سے فیضیاب ہونگی۔ اور ان جواہر پاروں کی لمعہ فگن خیرگی سے انکا نام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے درخشاں رہیگا۔

پچھلے سال جب اعلان جنگ یورپ ہوا تو کاغذ کی گرانی کے باعث بہتیرے رسالے بند ہوگئے۔ بہتیروں نے کاغذ خراب لگانا شروع کیا۔ اور بعضوں نے صفحات میں کمی کردی۔ مگر اس معیاری پرچہ کی ضخامت میں نہ کمی کی گئی اور نہ کاغذ خراب لگایا گیا۔ بعض بہنوں کا خیال ہے کہ رسالہ میں صرف قصے کہانیاں اور مزیدار گفتگو ہونی چاہیئے۔ جس سے مطالعہ کے بعد طبیعت میں شگفتگی اور خاطر جمعی محسوس ہو۔ مگر سچی بات تو یہ ہے کہ ہندوستانی اردو داں خواتین کے حلقوں میں بڑی حد تک جنرل نالج (معلومات عامہ) کی کمی ہے اسی وجہ سے عورتوں کے اس ہردلعزیز رسالہ میں معلومات سے پُر مضامین ہوتے ہیں۔ فسانوں کا موجودہ معیار بھی خوب ہے۔ دستکاری کے مضامین کی کمی کی بعض بہنوں کو شکایت ہے۔ جب ایک علیحدہ پرچہ "جوہر نسواں" دستکار بہنوں کے لئے شائع کیا جا رہا ہے تو پھر اس کے قیمتی صفحات پر مزید بار ڈالنے سے فائدہ؟ اس میں شک نہیں کہ عصمت خانہ دار خواتین کیلئے بہترین رہنما ہے۔ عصمت کی غیر مسلم خواتین بھی نامہ نگار ہیں۔ مضامین تعصبات سے مبرا اور بہترین موضوع پر ایک باقاعدہ اصول کے ماتحت شائع ہوتے ہیں جس میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو تمام تعلیم یافتہ گریجویٹ خواتین کو عصمت کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس کی تحریکوں نے انکے والدین میں ترقی کی روح پھونکی۔ اور ان میں اسقدر بیداری ہوئی کہ انہوں نے بہ طیب خاطر انکو علم کے اعلیٰ مدارج پر پہونچانا قبول کیا۔ ورنہ مردوں نے ہمارے حقوق غصب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ ہمیں راہ ترقی میں گامزن کرکے صبح زندگی شام زندگی اور غضب زندگی کی ہیروئن کی سیرت کو اپنا مطمح نگاہ قرار دیکر کاربند ہونے اور بہترین بیوی ہمدرد اور جاں نثار ماں تابعدار

[illegible]

بتیسویں ۳۲ سال کے مضمون نگار

شائستہ اختر بانو صاحبہ سہروردی بی اے آنرس

پانچ چھ سال سے عصمت کی نہایت قابل قدر قلمی اعانت کر رہی ہیں اور عصمت کی مخصوص لکھنے والیوں میں نہایت ممتاز درجہ حاصل کر چکی ہیں انھیں عصمت سے اس قدر تعلق اور اپنے طبقہ کی بہتری کا اس قدر خیال ہے کہ تین سال کے قریب انگلستان میں مقیم رہیں اور بہت کافی مصروف لیکن ننھے ننھے بچوں کی نگہداشت۔ خانہ داروں کی ذمہ داری تعلیمی افکار سیر و سیاحت کوئی چیز انکی مضمون نگاری اور اپنی بہنوں کی خدمت کی کوشش میں مخل نہ ہو سکی ان کا مطالعہ وسیع اور نظر دور بین ہے ان کے خیالات سلجھے ہوئے اور تحریر میں روانی اور تسلسل ہے "تعلیم یافتہ خواتین کی جہالت" (اگست) بے کار چیزیں (نومبر) "حد سے زیادہ میل جول" (مئی) ان مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ محترمہ موصوفہ کا دل زردجیسی بے بہا دوست سے لبریز ہے "اٹلی کی سیر" (جولائی) "لندن" (دسمبر) "وائسرائے ہند کے صاحبزادے کی شادی" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں قوت مشاہدہ غیر معمولی ہے واقعات دلچسپ ہیں لیکن ان کی دلکشی کو طرز بیان کی دلآویزی نے بڑھا دیا ہے "مثالی مکانوں کی نمائش" اور "انگریزی باورچی خانہ" (اکتوبر) خواتین ہند کے لئے بے انتہا مفید مضامین ہیں "تعلیمی کھلونے" (جنوری) ماؤں کے لئے بے حد کار آمد اور سبق آموز مضمون ہے۔ جون کے پرچے کے دونوں مضمون معلومات سے پُر۔ دلچسپی سے لبریز اور دردمندی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ

مصنفہ "فیروزہ" کے مضامین اس سال بھی سب سے زیادہ شائع ہوئے ہیں یہ بہن بھی بہت قابل ہیں اور مختلف موضوعوں پر گراں قدر مضامین لکھتی ہیں ان کے سیاسی تاریخی علمی تحقیقی مضامین بہت محنت و کاوش اور سلیقہ سے لکھے ہوتے ہیں چنانچہ "فرانس میں عورتوں کو رائے دینے کا حق" (اگست) "ٹیلی وژن میں ترقی" (اکتوبر) "عورتوں کی جنگی خدمات" (جنوری) "انسان کی طاقت جانوروں کے سامنے" (فروری) "ہٹلر کی سرزمین" (اپریل) "فن لینڈ کی عورتیں" (مئی) یہ سب مضامین کافی مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بہت محنت سے لکھے گئے ہیں اور ان میں زیادہ سے زیادہ معلومات دی گئی ہیں جمیلہ بیگم صاحب کے بعض مضامین ایسے ہوتے ہیں کہ عنوان میں کشش نہیں ہوتی۔ مثلاً "خواب" (نومبر) "احتیاط" (دسمبر) مگر ان کی تحریر کی یہ بڑی خوبی ہے کہ خشک عنوان پر بھی وہ دلچسپ مضمون لکھتی ہیں اور باتوں باتوں میں بڑی مفید اور کام کی باتیں کہہ جاتی ہیں۔ سادگی سنجیدگی پختگی اور ٹھوس معلومات ان کی تحریر کی خصوصیات ہیں۔

سرور جہاں صاحبہ عنابی (سیال کوٹ)

مصنفہ "پھول پھلواری" و "شہزادی نیلوفر" کئی سال سے لکھ رہی ہیں مگر تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے پچھلے دو سال ان کے مضامین کم چھپے اس سال ان کے مضمونوں کی بہت معقول تعداد ہے۔ خانہ داری اور حفظ صحت اور عام معلومات پر ان کے مضامین بہت اچھے ہوتے ہیں "گھر" (نومبر) "نرسنگ" (دسمبر) "تپ دق" (فروری) "چائے اور تمباکو" (مارچ) چاروں مضمون اپنی اپنی جگہ نہایت کامیاب ہیں اور خواتین کے لئے ان کا مطالعہ بہت فائدہ مند ہے سرور جہاں صاحبہ ترجمہ بھی خوب کرتی ہیں اس سال انھوں نے مغربی ادب سے ایک ڈراما اور تین افسانوں کا انتخاب کیا جو قابل داد ہے۔

۱۰ بلقیس بیگم صاحبہ منشی کامل

مصنفہ "خانہ داری کے تجربات" ہندوستان کی نامور لکھنے والی خواتین میں سے ہیں۔ خیالات سلجھے ہوئے رکھتی ہیں تحریر میں غضب کی روانی ہے۔ عبارت نہایت عام فہم اور سلیس

لکھتی ہیں۔ انداز بیان سادہ اور موثر ہے۔ خانہ داری اور معاشرت و اخلاق پران کے سینکڑوں مضامین عصمت میں چھپکر مقبول خاص و عام ہوچکے ہیں اس سال ان کے مضمونوں کی معقول تعداد ہے "تہذیب" دسمبر) اور "اُس علم سے فائدہ" (نومبر) دونوں مضمونوں میں انھوں نے بڑی قابلیت سے موثر پیرایہ میں اپنے قابل قدر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ "طوفان یا دوباران" (نومبر) میں عبرت کا درد انگیز سبق ہے۔ خانہ داری کی ذمہ داری" ذاتی تجربوں اور وسیع مشاہدوں کی بنا پر لکھا گیا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں خواتین کے لئے اس میں بہت سی کام کی باتیں ہیں "تدابیر صحت" بھی خوب ہے اور نہایت قیمتی مشورے دیئے گئے ہیں

زبیدہ زرّین صاحبہ

کے مضامین تین چار سال سے شائع ہو رہے ہیں لیکن انھوں نے بہت سی پرانی لکھنے والیوں پر فوقیت حاصل کرلی ہے۔ یہ بھی سلیقہ کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ سیاست پر سب سے زیادہ مضامین انہی کے شائع ہوئے ہیں اور کافی مطالعہ اور غور و فکر کے بعد دلنشین پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔

شہر بانو صاحبہ

عصمت کی مخصوص اور مشہور لکھنے والیوں میں سے ہیں۔ ان بہن کے مسلسل کئی سال تک سب سے زیادہ مضامین شائع ہوئے ہیں مگر دو تین سال سے ان کی صحت اچھی نہیں اس پر بھی عصمت کی قلمی اعانت کا انھیں بہت خیال ہے جسکے لئے ہم ان کے بے حد ممنون ہیں محترمہ موصوفہ اپنے محققانہ مضامین کی بنا پر حلقہ عصمت میں کافی شہرت حاصل کرچکی ہیں۔ بڑی خوبی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ "ہماری غذا" (دسمبر) اور ہمارے گھر" (اکتوبر) دونوں مضمون بہت اچھے ہیں اور خواتین کی خاص توجہ کے مستحق "دنیا کے کاموں میں عورتوں کا حصہ" (مئی) اور تربیت کا ایک پہلو" (جون) بھی خوب ہیں۔ اور کافی غور و فکر کے بعد لکھے گئے ہیں "چیچک" (فروری) کا مطالعہ تمام خواتین کے لئے ازحد ضروری ہے "چھوٹے ناگپور کی برھور قوم" (نومبر) بہت محنت و تلاش

اور کافی تحقیق کے بعد دلاویز پیرایہ میں لکھا گیا ہے جس سے دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

امتہ الحفیظ صاحبہ

مولفہ "صنعت و حرفت" (مداغاسکر) بہت سا وقت اور کافی روپیہ کے صرف سے متعدد چیزوں کا ذاتی تجربہ کرنے کے بعد ان کے صحیح نسخوں سے ہزارہا عصمتی بہنوں کو کئی سال تک مستفید کرتی رہی ہیں اور آج کل جزیرہ مداغاسکر میں مقیم ہیں جس کی سیر و سیاحت کے نہایت ہی دلچسپ حالات ستمبر دسمبر کے پرچوں میں شائع ہوئے ہیں "نیم کے فائدے" (مارچ) اور لیموں کا استعمال (مئی) دونوں مضمون ذاتی تجربوں کی بنا پر بہت محنت سے لکھے گئے ہیں۔ جن کا مطالعہ خواتین کے لئے ازحد ضروری ہے ان مضمونوں میں بتایا گیا ہے۔ کہ نیم اور لیموں جنھیں ہم کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے ہمارے لئے کس قدر مفید چیزیں ہیں۔

صالحہ خاتون صاحبہ دہلی

کامیاب افسانہ نگار خواتین میں سے ہیں۔ "بدمزاج بیوی" (نومبر) "اور شیشے کا گھر" (مارچ) دونوں افسانے سبق آموز اور بہت موثر ہیں "سعیدہ" نتیجہ خیز کامیاب مختصر ڈراما ہے۔ یہ اپنے خیالات کو وضاحت سے ادا کرنے کی قدرت رکھتی ہیں طرز بیان میں بھی دلکشی ہے۔

ب۔ ن۔ ابراہیم صاحبہ مدراس اور بیگم حکیم عزیز خاں صاحب

جاورہ کے مضامین اس دفعہ بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ ب۔ ن صاحبہ کے مضامین طبع زاد بھی ہوتے ہیں ترجمے بھی۔ "جنگ میں استعمال ہونے والی گیسیں" (مئی) "بچوں کی تفریح طبع" ان کے اس سال کے بہترین مضامین ہیں۔ بیگم عزیز صاحبہ کے طبی مضامین خصوصیت سے قابل تعریف ہوتے ہیں۔

نذر سجاد حیدر صاحبہ اور رفیعہ امیر کریانیہ

صاحبہ (ایس ار کے) ہندوستان کی مایۂ ناز افسانہ نگار خواتین ہیں اور افسانہ نگاری کی وہ تاریخ ہرگز مکمل نہیں کہی جا سکتی جس میں خاتون اکرم مرحومہ اور ان دونوں بہنوں کا تذکرہ نہ ہو۔ اس دفعہ کئی سال بعد ان خواتین کے افسانے شائع ہوئے ہیں۔ کچھ تعجب نہیں کہ سالہائے گذشتہ کی خاموشی کی تلافی یہ شرم خواتین ۴۳ سال میں کر دیں

جہاں بانو بیگم صاحبہ ایم اے جو اپنے اسلوب بیان کی شگفتگی کے اور **ایس بی طاہرہ صاحبہ** (پشاور) جو مختصر ادبی مضامین کے باعث اور **سیدہ اشرف صاحبہ** جو زنانہ دستکاری کے عمدہ عمدہ نمونوں کی وجہ سے حلقۂ عصمت میں کافی شہرت حاصل کر چکی ہیں اس دفعہ اپنے پرچہ پر کچھ زیادہ توجہ نہ فرما سکیں اور ان کے مضامین خلاف توقع کم شائع ہوئے۔

خورشید اقبال صاحبہ اور خورشید آرا بیگم صاحبہ منشی فاضل و ادیب فاضل مشہور عصمتی شاعرات ہیں افسوس ہے اس دفعہ انکی نظمیں بہت کم چھپی ہیں۔

سکینہ عبید صاحبہ بی اے اور اے این صاحبہ بی اے

دونوں بہت ہونہار ہیں مشق کرتی رہیں تو افسانہ نگاری اور خیالی مضامین لکھنے میں خوب نام پا سکتی ہیں شادی کے بعد دونوں نے لکھنا کم کر دیا ہے۔

محمودہ رضویہ صاحبہ کراچی کے مضامین نئی لکھنے والیوں میں سب سے زیادہ شائع ہوئے ہیں یہ بھی ہونہار ہیں اور مشق کرنے سے جلد ترقی کر سکتی ہیں۔

عصمت کی مشہور شاعرات محترمات بلقیس جمال رابعہ پنہاں۔ نواب قمر جہاں بیگم۔ انور جہاں سراج۔ گوہر اقبال۔ زہرہ ہاشمی صفیہ شمیم کی نظمیں۔ افسوس ہے اس سال بھی بہت کم چھپیں **اسی طرح** محترمات آمنہ نازلی بیگم محمد مجیب۔ دردانہ۔ سیدہ قانتہ بیگم۔ صغرا ہمایوں مرزا طیبہ صغرا خاتون۔ ظفر جہاں بیگم۔ گ۔ن مسز حمید۔ مسز فضلی۔ سعیدہ ضمیر الدین۔ زیب النسا خاتون۔ منفعتہ الرحمن معظمہ گل۔ مسز برلاس۔ مسز م مسلم کے مضامین بھی شمار میں بہت کم ہیں

نئی لکھنے والیوں میں محترمات ساجدہ منشی فاضل ادیب فاضل سیدہ فطینہ اختر بانو نسیم بی۔ اے۔ شوکت ریاض۔ م بیگم۔ مسز م بشیر۔ میمونہ قدیر۔ نصرت نشاط۔ وحیدہ عزیز۔ جلد ترقی کر سکتی ہیں۔ ان خواتین کو مضمون نگاری کی مشق ضرور جاری رکھنی چاہیئے۔

افسوس ہے محترمات عطیہ فیضی۔ زہرہ فیضی کنیز محمد بیگم منشی فاضل محمدی بیگم بی۔ اے۔ مہرالنسا مدراس۔ فاطمہ بیگم بنگلوری۔ نوشابہ تعین بی۔ اے۔ مسز راجکماری جھینگن۔ مسز ماتھر۔ مسز غلام رسول لاہور بیگم متین احمد۔ انیس فاطمہ بنت ممبوق۔ شرافت بیگم منشی فاضل۔ فاطمہ بیگم منشی فاضل لاہور۔ فاطمہ بیگم مولفہ سوئی کا کام سلیمہ اتقی۔ بی اے عطیہ نصرت خانم۔ مسز یوسف الزماں اور بلقیس صمد بیگم جیسی قدیم لکھنے والیوں کا اس سال ایک مضمون بھی نہیں چھپا۔

مردوں میں مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے۔ سید رضا احمد صاحب جعفری۔ ڈاکٹر ممتاز حسین صاحب۔ سید ابن حسن شارق۔ جناب دعا ڈبائیوی۔ لالہ تلوک چند صاحب محروم۔ تقی علی صاحب ہاشمی۔ حضرت بصیر صدیقی ایم۔ اے۔ جام نوا، صاحب صوفی عبدالرب صاحب۔ مولوی عبدالغفار الخیری۔ مولانا محمود اسرائیلی۔ مولانا نصیر الدین ہاشمی۔ کپتان نصیر الدین احمد صاحب۔ ل احمد صاحب حضرت امام اکبر آبادی۔ مولوی شاہد احمد صاحب ایڈیٹر ساقی۔ نہال سیوہاروی صاحب اور شہنشاہ حسین صاحب رضوی ایم اے نے خصوصیت کے ساتھ اس سال جو قیمتی قلمی اعانت فرمائی اس کے لئے یہ حضرات ہمارا دلی شکریہ قبول فرمائیں۔

رازق الخیری

خاتون اکرم عصمتی انعامات

عصمت کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کیا جائے اس کوشش میں عصمت کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے شاید اس کی نظیر نہ نکل سکے۔ آج ہندوستان کا کوئی صوبہ ایسا نہیں جہاں عصمت کی مضمون نگار خواتین کی نہایت معقول تعداد نہ ہو۔ اس پرچہ کے آخری چار صفحوں پر بتیسویں سال کے مضمون نگاروں کی فہرست شائع ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ مضمون نگاروں کی تعداد پونے دوسو کے قریب ہے جن میں سوا سو کے قریب خواتین ہیں۔ یقیناً ہندوستان کا کوئی زنانہ رسالہ کسی سال کی مضمون نگار خواتین کی یہ تعداد پیش نہیں کرسکتا۔ ادیبۂ جلیلہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی یادگار میں سالگرہ کے موقعہ پر عصمت ہر سال مضمون نگار بیبیوں میں انعامات تقسیم کرتا ہے مگر یہ انعامات صرف ان خواتین کو دیئے جاتے ہیں جنکے سال میں کم سے کم ۲ مضمون شائع ہوئے ہیں اس شرط کی وجہ سے عصمت کی مخصوص و ممتاز لکھنے والیوں میں سے کئی بیبیوں کے نام انعامات حاصل کرنے والی خواتین کی فہرست میں نہیں ہیں لیکن ہمیں امید ہے سال آئندہ میں ان بہنوں کے مضامین معقول تعداد میں شائع ہونگے۔

خانہ داری کے مضامین حسب معمول بتیسویں سال میں نہایت کامیاب رہے "گھر" (نومبر) از سرور جہاں صاحبہ اور "خانہ داری کی ذمہ داری" (اپریل) از و۔ ا۔ صاحبہ اور شائستہ اختر بانو صاحبہ کے مضامین "بیکار چیزیں" (نومبر) اور "انگریزی باورچی خانہ" (اکتوبر) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ۵-۵ روپیہ کی حقیر رقم ان تینوں بہنوں کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

صحت و تندرستی پر کئی مضامین نہایت قابل قدر شائع ہوئے ہیں خصوصیت سے "کان اور اس کی احتیاط" (اکتوبر) از ب ن ابراہیم صاحبہ۔ "نرسنگ" (دسمبر) سرور جہاں صاحبہ اور "تدابیر صحت" (مئی) از و۔ ا صاحبہ اور بیگم حکیم عزیز خاں صاحب کے مضامین یونانی علاج اور مصالحہ کی غرض و غایت نہایت ہی کارآمد ہیں۔ ان چاروں بہنوں کو ۵-۵ روپیہ بطور انعام دیئے جاتے ہیں۔

بچوں کی پرورش اور تربیت پر بہت اچھے اچھے مضامین شائع ہوئے۔ "تعلیمی کھلونے" (جنوری) از شائستہ اختر بانو صاحبہ اور "تربیت کا ایک پہلو" (جون) از شہر بانو صاحبہ خصوصیت سے قابل تعریف ہیں جن پر ۵-۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

سنگھار و آرائش پر مولوی محمد ظفر صاحب کے مفید نوٹ ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر اور بھی بہت سے مفید مضامین اس سال شائع ہوئے ہیں "لیمو" کے متعلق امت الحفیظ صاحبہ کا مضمون بھی انعام کا مستحق ہے۔

معاشرتی تمدنی مضامین کے لحاظ سے ہمیشہ کی طرح بتیسواں سال بھی بہت کامیاب ہے مگر انعامات کے مستحق دو مضمون ہیں "ہمارے گھر" (اکتوبر) از شہر بانو صاحبہ اور "مستورات آگرہ" (جنوری) از و۔ ا صاحبہ۔ ان دونوں مضمون پر ۵-۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

اخلاقی اور مجلسی مضامین بھی برے نہیں رہے لیکن کم از کم ۲ مضمون لکھنے والیوں میں سے کسی کا کوئی قابل انعام مضمون اس موضوع پر نہیں چھپا۔

مذہبی مضامین بہت اچھے رہے لیکن کم سے کم ۲ مضمون لکھنے والی خواتین میں اس موضوع پر کسی بہن کا قابل انعام مضمون نہیں ہے۔

تاریخ و سیرت کے لحاظ سے بھی یہ سال اچھا رہا لیکن ۵ روپیہ کے انعام کے قابل دو مضمون ہیں

فرانس میں عورتوں کو رائے دینے کا حق" (فروری) از جمیلہ بیگم صاحبہ اور "ہاریں جیت" (جنوری) از محمودہ رضویہ صاحبہ۔

سیاسی مضامین بھی اس سال بہت اچھے رہے۔ اول روپیہ کے اول درجہ کے انعام کی مستحق زبیدہ زرین صاحبہ ہیں اور ۵-۵ روپیہ کے انعامات کی مستحق جمیلہ بیگم صاحبہ اور شائستہ اختر بانو صاحبہ ہیں۔

سیر و سیاحت کے مضامین بھی برے نہیں ہیں۔ "اٹلی کی سیر" (سالگرہ نمبر) از شائستہ اختر بانو صاحبہ اور "مڈاغاسکر کا سفر" (ستمبر و دسمبر) از امت الحفیظ صاحبہ ۵-۵ روپیہ کے انعام کے مستحق ہیں۔

تفریحی مضامین کی تعداد خاصی ہے مگر کم سے کم ۴ مضمون لکھنے والیوں کا کوئی قابل ذکر تفریحی مضمون نہیں چھپا۔

تعلیمی مضامین۔ کی تعداد بھی بری نہیں مگر کم سے کم چار مضمون لکھنے والیوں کا اس موضوع پر بھی کوئی مضمون قابل انعام نہیں ہے۔

تنقیدی مضامین کے اعتبار سے بتیسواں سال خاصا رہا۔ سیدہ اشرف صاحبہ کا مضمون (فروری) ۵ روپیہ کے انعام کا مستحق ہے۔

صنعت و حرفت کے مضامین کی تعداد بہت اچھی ہے لیکن ۴ مضمون لکھنے والیوں میں کسی بہن کا کوئی مضمون اس موضوع پر نہیں ہے۔

مختصر ادبی مضامین کئی بیبیوں کے شائع ہوئے اور اچھے اچھے مگر ۵ روپیہ کے انعام کے مستحق ایس بی طاہرہ صاحبہ کے مضامین ہیں۔

افسانے بتیسویں سال میں اچھے رہے طبع زاد افسانوں میں "تین بھاوجیں" (جولائی۔ اگست ستمبر) از تدرسجاد حیدر صاحبہ اور "ساس" (مارچ) از رفیعہ کرامتہ صاحبہ (والیس۔ آر۔ کے) بہترین ہیں۔ مغربی افسانوں کے ترجمے سب سے بہتر سرورجہاں صاحبہ رعنا کے ہیں۔ صالحہ خاتون صاحبہ کا افسانہ "اور شیشہ کا گھر" (مارچ) بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ان چاروں بہنوں کی خدمت میں ۵-۵ روپے پیش کئے جاتے ہیں۔

ڈراما سالہائے گذشتہ سے ۳۲ بتیسویں سال میں بہتر رہا۔ ملاح کا ساتھی (از سرورجہاں صاحبہ رعنا) اور رسیدہ (از صالحہ خاتون صاحبہ) پر ۵-۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

تقریریں اس سال کوئی ایسی درج نہیں ہوئی جس پر انعام دیا جاسکے۔

تصاویر سے کسی بہن نے کوئی خاص قابل ذکر مدد نہیں کی۔

نظمیں بہت اچھی رہیں گذشتہ پندرہ سال میں یہ پہلا موقع ہے کہ کم سے کم ۴ نظمیں کسی شاعرہ کی اس سال نہیں چھپیں

تعداد مضامین ۳۲ بتیسویں سال میں سب سے زیادہ مضامین جمیلہ بیگم صاحبہ کے شائع ہوئے ہیں ان کی خدمت میں دس ۱۰ روپے پیش کئے جاتے ہیں۔

دوسرے نمبر پر زبیدہ زرین صاحبہ اور شائستہ اختر بانو کے مضامین برابر تعداد میں ہیں۔ ان دونوں کو ۵-۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

متفرق انعامات قاعدہ کے بموجب ۴ مضمون جن خواتین کے شائع ہوئے ہیں۔ انہیں انعام نہ ملنا چاہئے خواہ ان کا ہر مضمون اپنے موضوع پر بہترین مضمون کیوں نہ ہو۔ لیکن خورشید اقبال صاحبہ حیا عصمت کی قدیم اور مخصوص شاعرہ ہیں اور کئی سال ان کی نظمیں دوسری شاعرات کے مقابلہ میں سب سے زیادہ شائع ہوئی ہیں۔ محترمہ جہاں بانو بیگم اور محترمہ سکینہ عبید اپنے طرز تحریر کی شگفتگی اور دلآویزی کے باعث بہت سی مضمون نگاروں پر فوقیت رکھتی ہیں۔ اس لئے ان تینوں بہنوں کو ۵-۵

روپیہ بطور انعام دیئے جاتے ہیں۔
یہ انعامات مالیت کے لحاظ سے کچھ شک نہیں نہایت حقیر ہیں لیکن اس لئے کہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی یادگار کے طور پر تقسیم کئے جاتے ہیں۔ امید ہے وقعت کی نظر سے قبول کئے جائیں گے

راز ق الخیری

بتیسویں سال کے خاتون اکرم عصمتی انعامات حاصل کرنے والی بیبیاں

۱۔ شائستہ اختر صاحبہ سہروردی بی۔ اے آنرس شملہ ۵، ۵، ۵، ۵، ۵، ...... ۲۵ روپیہ

۲۔ جمیلہ بیگم صاحبہ مصنفہ "فیروزہ" کلکتہ ۵، ۵، ۱۰، .... ۲۰ روپیہ

۳۔ سرور جہاں صاحبہ رعنا بی اے مصنفہ (پھول پھلواری) سیالکوٹ ۵، ۵، ۵، ۵، .... ۲۰ روپیہ

۴۔ و۔ا بلقیس بیگم صاحبہ منشی کامل آگرہ ۵، ۵، ۵، .... ۱۵ روپیہ

۵۔ زبیدہ زرّین صاحبہ گوابیار ۵، ۵، .... ۱۰ روپیہ

۶۔ شہر بانو صاحبہ مظفرپور ۵، ۵، .... ۱۰ روپیہ

۷۔ امت الحفیظ صاحبہ مولفہ صحت و حرفت مدفا سکر ۵، ۵، .... ۱۰ روپیہ

۸۔ صالحہ عابد حسین صاحبہ نئی دہلی ۵، ۵، .... ۱۰ روپیہ

۵۔۵ روپیہ کے انعام کی مستحق یہ بیبیاں ہیں

۹۔ نذر سجاد حیدر صاحبہ مصنفہ 'جانباز' لکھنو
۱۰۔ رفیعہ امیر کریانیہ صاحبہ (ایس ار کے مصنفہ نیرنگ) بنارس
۱۱۔ خورشید اقبال صاحبہ حیا میرٹھ
۱۲۔ جہاں بانو بیگم صاحبہ ام۔ اے حیدر آباد دکن
۱۳۔ سکینہ بیگم صاحبہ بی۔ اے (آنرس)، لاہور
۱۴۔ ب۔ن ابراہیم صاحبہ مدراس
۱۵۔ ایس بی طاہرہ صاحبہ پشاور
۱۶۔ سیدہ اشرف صاحبہ مولفہ گلدستہ ناکشی هگین گھاٹ
۱۷۔ بیگم حکیم عزیز خاں صاحب جاورہ
محمودہ رضویہ صاحبہ کراچی

راز ق الخیری

کنواری بچی کے تین دور اور وداع

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

اے معصوم بچی! تو آج جوان ہے۔ تیرا قد لمبا۔ تیرے ہاتھ پاؤں اور تیرا جسم توانا ہے مگر میری آنکھیں تجھے آج بھی اُسی حالت میں دیکھ رہی ہیں۔ جب تو بے بس لاچار پنگوڑے میں پڑی تھی۔ تیری صورت مجھے وہ وقت یاد دلا رہی ہے۔ جب ایک گھر نئے مہمان کی آمد کا انتظار کر رہا تھا،

مہینوں پہلے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مدتوں پیشتر لباس مکمل ہو رہا تھا اور ہر چھوٹا بڑا اس وقت کا منتظر تھا۔ جب تیری دلکش صورت نظر آئے! مجھے وہ گھڑی بھی یاد ہے جب تیری پیدائش سے گھر بھر میں سناٹا چھا گیا۔ امیدوں بھرے دل افسردہ اور شگفتہ ہونے والے چہرے پژمردہ ہو گئے، چھٹی اور عقیقہ کی گرما گرم خبریں پھیکی پڑیں، اور کرتے ٹوپیوں کی دھوم دھام سرد ہوئی۔ مامتا نے دودھ پلوایا، قدرت نے پرورش کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اے پیاری بچی! تو جو پتھر کے نام سے مشہور تھی، رستہ چلتوں کے دل موہنے لگی۔ تیری ہر بات مصری کی ڈلی تھی۔ تیرا ہر کام آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا۔ اے پاک روح! میں بھولا نہیں ہوں۔ وہ وقت جب تو بنگالے کی مینا بنی چاروں طرف باتیں ملکاتی پھرتی تھی ختم ہو گئے وہ دن۔ مگر آنکھوں کے سامنے ہے وہ سماں جب تیری باتیں غضب ڈھاتی تھیں۔ تیری بے لوث محبت، تیری سچی ہمدردی، تیرے ننھے ننھے ہاتھ ہمیشہ یاد رہیں گے۔

اے معصوم بچی! اے چند روزہ مہمان! تیرے میکے کی زندگی کا پہلا دور وہ تھا جب تو ماں کی گود میں پڑی چسر چسر دودھ پیتی اور ماں باپ کی گود میں مٹر مٹر منہ تکتی، ہمک ہمک کر آتی۔ اور جھپٹ جھپٹ کر لپٹتی۔ لڑھکتی پڑھکتی چلتی، اور گھسٹتی گھٹا نی بڑھتی۔ تیرے کپڑے میں لت پت ہاتھ پاؤں سے گھن نہ آتی۔ اور مٹی سنے منہ پر پیار آتا۔ تیرے ٹوٹے پھوٹے فقرے اور آدھی پونی باتیں کلیجہ میں گھستیں۔

پیاری بچی! گذر گئیں۔ مگر بھولیں نہیں وہ راتیں جب تو سینہ پر لوٹتی اور گلے میں ہاتھ ڈال کر لیٹتی۔

اے معصوم بچی! اور میکے کی رونق! تیرا دوسرا دور وہ تھا جب تو پاؤں چلنے لگی۔ تیری توتلی زبان سے جان میں جان آتی تیری شرارت پر دل خوش ہوتا، تو نا سمجھ تھی، بھولی تھی، مگر ہمدردی تجھ میں موجود تھی، تو دن بھر کے چھوٹے ہوئے باپ کا شام کے وقت دروازے میں آکر انتظار کرتی، تیرا کنول صورت دیکھ کر کھل جاتا۔ اے بنگالے کی مینا تو برابر لپٹ کر دنیا بھر کے رنج و غم، دن بھر کی کوفت و تکان بھلا دیتی۔

معصوم بچی! تیرا تیسرا دور وہ تھا جو آج ختم ہوتا ہے۔ تو نے خانہ داری میں ماں کا ہاتھ بٹایا، باپ کی تیمارداری کی۔ بہن بھائیوں کی خدمت کی۔ گرم موسم میں جب میں جون کی قیامت خیز دھوپ میں جلتا بھلستا پسینہ میں شور بہ شور گھر آتا تو کس خاموشی سے کس محبت سے میٹھے کے پیچھے کھڑی ہو کر پنکھا جھلتی۔ دس دس گیارہ گیارہ بجے رات کے جب دوست احباب جمع ہوتے اور بیگم سو جاتیں تو اے رخصت ہونے والی بچی! تیرے پیارے ہاتھ مردانہ میں پان بھیجکر باپ کی عزت رکھتے۔ نماز صبح کے بعد جب دودھ پینے بچہ کی وجہ سے رات بھر کی جاگی ہوئی ماں سو جاتی۔ تو اے باپ کی چہیتی بچی تو اپنے ہاتھ سے ناشتہ کا انتظام کرتی میں جا بیٹھتا اور تو چھپا چھپ میرے لئے پان بناتی۔

میری پیاری دلہن! میں تیرا قصور وار رہوں معاف کیجیو! اے جھکی جھکائی بچی، کہ باپ تیری محبت درکنار تیری خدمت کا بھی معاوضہ ادا نہ کرسکا تو باپ کی مہمان تھی، مگر بھائیوں کے ہاتھ کی ماریں کھائیں بے گناہ بچی اور بے قصور گھرکیاں سنیں قربان ہو باپ اے مظلوم بیٹی کہ تو خواہ مخواہ کے غصہ پر بھی باپ کا منہ دیکھ کر اوڑھنی سے آنسو پونچھ چکی ہوگی۔

دلہن میں مجبور تھا جن بیٹوں کو چمکتا ہوا لال سمجھا۔ وہ غرض کے بندے نکلے اور تو جس کو بھاری پتھر خیال کیا۔ سچی غمگسار ثابت ہوئی، آج تیری وداع پر ماں باپ ایک ایسے شخص سے جدا ہوتے ہیں جو سچا رفیق اور پورا شفیق تھا، جس کو خدمت سے عذر تھا، نہ اطاعت سے انکار، جو ہر حال میں خوش تھا۔ اور ہر طرح رضامند، جو فاقہ میں شاکی نہ تھا اور میلے چکٹ کپڑوں میں بیزار نہیں دلہن ہم نہیں ہمارا سارا گھر تم کو یاد کریگا اور پچھتائیگا کہ مہمانداری کا حق مطلق ادا نہ ہوا۔ اب ہم کہاں اور تم کہاں، جاؤ سدھارو دنیا کی بہار ہمارے سامنے ہوگی مگر تمہارا فراق ہمارے کلیجے میں کھٹکے گا۔

(تمدن ۔ سنہ ۱۴ء)

ہندوستان پر ہوائی حملہ کا امکان اور اس سے محفوظ رہنے کی تدابیر

ہم جنگ کر رہے ہیں میں اپنے ایک مضمون میں جو دنیا میں کیا ہو رہا ہے کے عنوان سے عصمت سالگرہ نمبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا یہ بتا چکا ہوں کہ جب دو قوموں میں جنگ ہوتی ہے تو اس کا اثر دنیا کی ہر قوم پر پڑتا ہے۔ اس سال کے دوران میں ہمنے دیکھا کہ جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا تو روس بھی حصہ بٹانے کے لئے دوسری طرف سے آگیا اور انگریز اور فرنچ پولینڈ کی مدد کرنے سے تو قاصر رہے لیکن جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر کے لڑائی میں شریک ہو گئے۔ ظاہر میں تو یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ پولینڈ اور جرمنی مشرقی یورپ میں لڑیں اور مغرب میں انگریز اور فرنچ لڑائی میں کود پڑیں۔ ایک ملزم جرمنی سے تو جنگ کرنا ضروری سمجھا جائے لیکن دوسرے ملزم رُوس سے جنگ جائز نہ قرار دی جائے۔ خیر یہ تو سیاست کی چالیں ہیں جن میں جائز و ناجائز کی تفریق بہت مشکل ہے ہمیں تو یہ معلوم کر لینا بہت ضروری ہے کہ ہندوستان کی طرف سے بھی انگریزوں نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ لہذا ہم لوگ اس وقت جنگ میں مشغول ہیں۔ گو اس ملک میں امن وامان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انگلینڈ۔ فرانس اور جرمنی ہر وقت خطرہ میں ہیں اسی طرح ہم پر بھی جس وقت ممکن ہوا حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ حملہ کیوں اور کس طرح ہو سکتا ہے ذرا سُن لیجئے :-

روس و جرمنی حصّے بخرے کرنا چاہتے ہیں جرمنی روس کے بہت خلاف تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اپنی دیرینہ دشمنی کو عارضی طور پر پس پشت ڈال کر ہٹلر اور اسٹالن نے یہ سمجھوتہ کر لیا ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی قومیں جو حشرات الارض کی طرح یورپ میں خود مختار حکمرانی کر رہی ہیں اُن کو تقسیم کر کے بڑی بڑی دو سلطنتیں ایسی تیار کر لی جائیں کہ جن کے مقابلہ کی تاب دنیا کا کوئی اور ملک یا قوم نہ لا سکے۔ جرمنی یہ کھیل پہلے ہی سے کھیل رہا تھا اور بغیر جنگ کئے اُس نے آسٹریا اور چیکوسلوویکیہ وغیرہ اپنی حکمرانی میں لے لیا تھا۔ جب پولینڈ کو بھی لینا چاہا تو روس کے منہ میں پانی بھر آیا اور اُس نے ہٹلر سے کہا کہ بھائی تم ہم مل بانٹ کر کھائیں تو خوب پیٹ بھی بھر سکتا ہے اور دوسروں کو مخالفت بھی دیکھ بھال کر کرنا پڑے گی۔ لہذا پولینڈ دونوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر روس نے چھوٹی چھوٹی پودنہ سلطنت ایسٹونیہ، لیٹویا۔ اور لتھونیا کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور فن لینڈ سے کہا کہ تم بھی ہماری آزاد وقوی سلطنت میں مدغم ہو جاؤ۔ اُس نے انکار کیا اور دوسروں کی امداد کے بل بوتے پر لڑا لیکن اُس نے اپنا حال پولینڈ کی طرح ہوتے دیکھا تو روس کا من مانگا حصہ اُس کو دے کر اپنی جان بچائی اور فن لینڈ کو برائے نام ہی سہی خود مختار ملکوں میں شریک رکھا۔ جب روس اپنے حصوں کی ایک قسط حاصل کر چکا تو جرمنی نے ہاتھ پھیلا کر ڈنمارک اور ناروے پر قبضہ

جما لیا لیکن انگریز جن کے گھر کے قریب دشمن آپہنچا ہے ناروے پر پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہیں تاکہ اس کو جرمنی کے قبضہ میں نہ رہنے دیں۔

اب کس کی باری ہے

اگر روس و جرمنی کا یہ با منافع کاروبار جاری رہا تو بلقان کو چھوٹے ٹکڑوں کی حکومت کے پُرزے پُرزے کرکے کئی خودمختار سلطنتوں کے رنگ میں نمودار کیا گیا ہے روس و جرمنی کی بڑی قوتوں میں شامل کئے جانے کا کام شروع ہوجائے گا۔ اس کمپنی میں ممکن ہے اٹلی بھی حصہ دار کی حیثیت سے شامل ہوجائے۔ لمیٹڈ کمپنی آسانی سے دیوالیہ نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ سودا بھی با منافع رہے۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو اتحادی جن کو اپنی دکانیں بند ہوجانے کا خدشہ ہی نہیں یقین ہوجانا چاہیئے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس غاصب کمپنی کو ناکامیاب بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔ خواہ اُنھیں روس ہی سے کیوں نہ لڑنا پڑے۔ اب اگر روس سے لڑائی چھڑ جائے تو اُس کی سرحد افغانستان سے ملتی ہے اور ہندوستان کو جو پہلے ہی سے اس کمپنی کے خلاف جنگ کا اعلان کرچکا ہے کیوں چین سے بیٹھنے دیا جائے گا۔

ہندوستان پر حملہ کی صورت

یہ تیمور لنگ کا تو زمانہ ہے نہیں کہ چند پٹھان اور ترک درخیبر سے نکلے پشاور اور لاہور پر قبضہ کیا اور پانی پت میں ہندوؤں اور ہندوستانیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا اور دہلی پر آجمے۔ فوجی کٹ مرے اور رعایا جو گائے کی طرح معصوم اور بے ضرر مگر دودھ دینے والی ہے بلا چون و چرا اور بغیر جانی نقصان اُٹھائے حکمراں و فاتح کے قبضہ میں چلی گئی "جی حضور" کہتی رہی اور دل میں فتنہ و فساد اور بغاوت کی چنگاریوں کو پھونکیں دیتی رہی۔ یہ زمانہ تو جیسا میں نے پہلے لکھا تھا۔ سپاہیوں سے کم اور رعایا سے زیادہ لڑنے کا ہے۔ تاکہ عام لوگوں کی ہمت ٹوٹ جائے۔ اور چونکہ آج کل تہذیب دار حکومت گو عام لوگوں کی بنائی ہوئی تو نہیں لیکن اُن کے ذریعہ بنائی جاتی ہے جسے جمہوریت کہنے لگے ہیں اس لئے عام لوگ جب خائف ہوجاتے تو اپنی حکومت کو مجبور کرتے ہیں کہ لڑائی بند کرو۔ فوجی مرتے ہیں تو رعایا اُن کو بہادر کہتی اور ان کی تعریف میں نظمیں لکھتی ہے لیکن جب اپنے اوپر پڑتی ہے تو جان بچانے اور صلح کر لینے کی سوجھتی ہے اور جنگ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ لہٰذا دشمن کے لئے ہندوستان پر حملہ کی آسان صورت فی الحال ایک ہی ہوسکتی ہے اور وہ ہوائی حملہ ہے۔

ہوائی حملہ کن مقامات پر کیا جاتا ہے اور کیوں

ہوائی حملہ دو غرض سے کیا جاتا ہے (۱) ملک کی صنعت و حرفت جنگی سامان کی تیاری کے مرکز۔ کوئلہ کی کانیں سلسلۂ آمد و رفت۔ مثلاً ریلوے کے کارخانے، اسٹیشن دریا کے پُل ہوائی جہازوں کے مستقر وغیرہ تباہ کرنے کے لئے تاکہ غنیم کی فوجی نقل و حرکت اور سامانِ جنگ کے مہیا کرنے کی مشنری معطل و بیکار ہوجائے اور (۲) دوسری غرض عام لوگوں پر تباہی و بربادی لاکر جنگ سے واقف کرانے کو تاکہ رعایا خوف زدہ و پریشان ہوکر حکومت کو صلح کر لینے پر مجبور کرے اور اگر حکومت نہ مانے تو مصیبت سے نجات پانے کے لئے ایسی گورنمنٹ کے خلاف آواز اٹھائے بغاوت کرے

اور غدر مچادے۔

ہندوستان پر کس غرض کے لئے حملہ مفید ہو سکتا ہے ہندوستان پر ہوائی حملہ پہلی صورت کے لئے تو شاید مفید ہو لیکن دوسری غرض کے لئے بیکار ہے کیونکہ ہندوستانیوں کو اپنی گورنمنٹ کی پالیسی پر اختیار ہی کہاں ہے اور اگر ہو بھی تو ان کی دو سوا دو ہزار برس کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ جنگ کے حامی، قائل اور قابل ہی کب رہے ہیں اور اب تو وہ اور بھی صلح کن و صلح پسند ہو گئے ہیں۔ وہ حملہ آور سے یہ کہتے ہی کب ہیں کہ تو جنگ کر یا ہم جنگ کریں۔ وہ تو " تو جانے تیرا ایمان جانے" کے قائل ہیں۔ لہٰذا ان کہنہ مشق ستم رسیدہ، ظلم دیدہ اور جفا کشیدہ لوگوں کو کوئی کیا ڈرائے گا۔ کوئی قتل و غارت ہی پر آمادہ ہو تو مارے ہم چالیس کروڑ ہیں۔ کہاں تک مارے گا۔ یہی نہ ہوگا کہ ہم نہ برتھ کنٹرول جیسی مذموم رسم کو کونسل آف اسٹیٹ میں پیش کرنے کی ضرورت سمجھیں گے اور نہ "برہمچاری" (تجرد) جیسے مسئلہ کے پرچار کی بلکہ ہمارے لیڈر صاحبان کے خیال کے مطابق ہماری بھوک پیاس اور آبادی کی زیادتی کی وجہ سے تمدنی و معاشرتی خرابیوں کے مسئلہ کا خود حل ہو جائے گا۔ ہماری خانگی زندگی جو ہماری لاتعداد آبادی کی وجہ سے نیچے درجہ پر بسر ہو رہی ہے بہت سے لوگوں کے کٹ مرنے سے کم ہو کر اعلیٰ ہو جائے گی۔ یہ ہیں ہمارے سیاسی، سوشیل اور فلسفی لیڈروں کے بحث و مباحثے اور رہنمائی کے طریقے۔ ان کو اعلیٰ خیال اور اعلیٰ دماغ لوگوں ہی کے لئے چھوڑ دیا جائے ہم سیدھے سادھے روزانہ زندگی کو آرام سے گزارنے کے عادی و متلاشی جو ہر صورت میں مطمئن و خوش نظر آتے ہیں۔ اور جن کو اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی، بیٹے بیٹیاں اور عزیز و اقارب کی زندگیاں پیاری ہیں اور جس عورت کو اپنا خاوند اور خاوند کو اپنی بیوی عزیز ہے وہ تو یہی سوچتے ہیں کہ آبادی زیادہ ہو یا کم۔ خانگی زندگی کا معیار معاشی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہمارے عزیز ہمارے سامنے ہوائی جہازوں کے بم سے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہونے پائیں اور ان کے زہر سے ہمارے سامنے نہ تڑپنے لگیں تو اچھا ہو۔ لہٰذا وہ ان باتوں کو جو ان کے بچاؤ کے لئے بتائی جائیں ضرور سنیں گے اور ممکن ہوا تو ان پر عمل بھی کریں گے۔

کیا ہوائی حملے سے بچ سکتے ہیں معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ جب آسمان سے بم برسیں اور "المتوکیف" کی تفسیر ہونے لگے تو کوئی کس طرح بچ سکتا ہے لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ہوائی حملہ بڑے بڑے شہروں کے علاوہ دوسری جگہ اس قدر تباہ کن نہیں ثابت ہوتا جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے کہ جس ملک میں حملہ آوروں کے مقابلہ کے لئے ہوائی جہاز گرا دینے والی توپیں اور دیگر مدافعت اور مقابلہ کرنے کے سامان مہیا ہیں وہاں تو بڑے شہروں کو بھی ایک حد تک محفوظ رکھا جا سکتا ہے لیکن ہندوستان میں جہاں مقابلہ کے لئے نہ ہوائی جہاز کافی ہیں اور نہ ہوائی جہازوں کو مار کر گرا دینے والی توپیں اور نہ دوسرے سامان ہوائی حملہ بہت تباہ کن

ثابت ہو سکتا ہے۔

ہوائی جہاز کس طرح حملہ کرتے ہیں آج سے چھتیس برس پہلے ۱۷۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں مسٹر رائٹ اور اس کے بھائی ولبر نے سب سے پہلے ایک خود ساختہ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بارہ سیکنڈ کے عرصے میں ایک سو بیس فٹ پر واز کی۔ یہ ایجاد حیرت انگیز ضرور تھی لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ چھتیس برس کے اندر ہی اندر اس ہی بارہ سیکنڈ میں ایک سو بیس فٹ کے بجائے سات ہزار فٹ اُڑا جا سکے گا اور دنیا کے گرد چار دن میں چکر لگایا جا سکے گا۔ آج جنگی ہوائی جہاز چار سو میل فی گھنٹہ کی پرواز رکھتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے بھاری بمب لے جا کر غنیم پر گرا سکتے ہیں۔ وہ مشین گن سے گولیاں برسا سکتے ہیں۔ وہ زہر کی بارش کر سکتے ہیں۔ وہ بموں کے ذریعہ شہروں میں آگ لگا سکتے ہیں۔ وہ غنیم کے ملک اور جنگی محاذ کے نقشے اتار کر لا سکتے ہیں۔ وہ ہوا میں اُڑتے اُڑتے سمندر میں بحری جہاز کی طرح تیرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ دشمن کے بحری جہازوں پر ہوا میں سے تارپیڈو مار سکتے ہیں۔ وہ بحری جہازوں پر سوار پھرتے ہیں۔ اور جب ضرورت ہو جہاز سے اُڑ کر پرندہ کی طرح اِدھر اُدھر کی خبر لا سکتے اور حملہ کرنے اور مدافعت کے کام آ سکتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر بھی سواری کر سکتے ہیں اور ایک اُڑتے اُڑتے کچھ دور گیا کہ اُس کی کمر پر سے دوسرا فراٹے لیتا ہوا آگے بڑھ گیا جس طرح زمین پر سپاہی پریڈ کرتے ہیں بعینہ اسی طرح ہوا میں ہوائی جہاز بھی قطار در قطار پریڈ کرتے اور "چپ و راست" کا حکم مانتے ہیں۔ ان ہوائی جہازوں کی قوت عمل کا بیان یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ کس طرح حملہ کر سکتے ہیں۔

ہوائی حملہ ہندوستان پر کس طریقہ سے ہو سکتا ہے لائیے یہ فرض کریں کہ شمال کی جانب سے حملہ ہو گا۔ دشمن افغانستان کے قریب کسی مقام پر اپنا مستقر قائم کر کے رات میں آئے اور کئی ہزار فٹ کی بلندی پر اُڑتے رہے۔ اتنے اونچے کہ نہ ہم اُن کو دیکھ سکیں اور نہ اُن کی آواز سن سکیں۔ اس بلندی سے اُنہوں نے کسی شہر کو نشانہ بنایا اور بڑے بڑے تباہ کرنے والے یا چھوٹے آگ لگانے والے بمب گرا دئے۔ وہ اس لئے اس قدر اونچے اُڑتے ہیں کہ زمین کی توپوں کی گولہ باری سے محفوظ رہ سکیں اور رات میں اس لئے آتے ہیں کہ ملک کے ہوائی جہاز اُن کی آمد سے مطلع ہو کر مدافعت نہ کر سکیں۔ لیکن جو ملک ہندوستان جیسا وسیع ہو اور اس کی مدافعت کا سامان بھی قلیل ہو دشمن کے جہازوں کو نہ رات میں آنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ بلند پروازی کی۔ ایسی صورت میں جہاز بہت نیچے اُڑتے ہیں۔ بڑے تباہ کن بمب اسٹیشنوں اور ایسے ہی دوسرے مقاموں پر گراتے ہیں۔ آگ لگانے والے بمب فیکٹریوں اور گوداموں اور کارخانوں پر مارتے ہیں اور مشین گنوں سے بھاگتے ہوئے عام لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں اور اگر زہریلے گیسوں کے بمب بھی حملہ میں استعمال کئے گئے ہوں اور پبلک نے ہوائی حملوں سے محفوظ رہنے کی تدابیر اختیار نہیں کی تھیں تو حملہ کے ایک

زمانہ بعد تک نقصان پہنچتا رہتا ہے۔

ہوائی جہاز کس قسم کے بم گراتے ہیں (۱) تباہ کن بم۔ ان کا وزن تین من سے ۳۵ من تک ہوتا ہے یہ یا تو زمین یا کسی عمارت سے ٹکرا کر پھٹ جاتے ہیں۔ یا چھتوں کو پھاڑتے ہوئے کہیں نیچے جا کر پھٹتے ہیں جس مقام پر یہ گرتے ہیں اس کا بچنا عموماً ناممکن ہوتا ہے زمین میں بڑے بڑے گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ اردگرد کی عمارتیں وغیرہ دھماکے کی شدت سے گر جاتی ہیں۔ بم کے ٹکڑوں اور اُن میں بھری ہوئی چیزوں سے دور دور تک نقصان پہنچتا ہے۔ ایک چھ من کا بم جو چھوٹا مانا جاتا ہے اگر گرے تو پچاس فٹ کے اردگرد کی عمارتیں جن کی دیواریں پختہ اینٹ کی ہوں لیکن سوا فٹ سے کم چوڑی دھماکے کی تاب نہ لا کر گر سکتی ہیں ایک شخص اس ہی فاصلہ پر اگر کھڑا ہو تو بم کا ایک معمولی ریزہ اُسے ہلاک کر سکتا ہے ڈیڑھ انچ سے کم موٹی لوہے کی چادر کے ٹکڑے اُڑ سکتے ہیں۔ اگر آدمی قریب ہی کھڑا ہو تو صرف ہوا کے تھپیڑے سے اُس کا جسم پھٹ کر چیتھڑے ہو سکتا ہے۔ اب ذرا سوچئے کہ ۳۵ من کا بڑا بم اگر کسی محلہ بازار یا عمارت پر آ گرے تو کیا قیامت نہ برپا کرے گا!

(۲) آگ لگانے والے بم ان کا وزن ایک سیر سے تیس سیر تک ہوتا ہے۔ یہ جہاں گرتے ہیں خود بھی جلتے ہیں اور اپنے اردگرد تیزی سے آگ لگا دیتے ہیں جس کا بجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۳) گیس کے بم ان کا وزن کئی سیر سے تین من تک ہوتا ہے جس میں نصف وزن گیس بھری ہوتی ہے۔ یہ گیس دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ عارضی تکلیف دہ گیس یہ گیس سوزش پیدا کرتی ہے۔ آنکھوں سے آنسو اور ناک سے پانی جاری کر دیتی ہے گلے اور پھیپھڑوں میں سوزش پیدا کر کے کھانسی ہوتی اور دم گھوٹتی ہے۔ انسان نیم مدہوشی کی حالت میں گھبراتا اور پریشان ہو کر بے بس ہو جاتا ہے۔ پنجاب میں پولس نے گولی چلانے کے بجائے اس قسم کی گیس کا استعمال شروع کر دیا ہے اس کو "ٹیر گیس" یا رُلانے والی گیس کہتے ہیں۔ اس کا اثر بہت دیرپا نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ دیرپا گیس اس قسم کی گیس کا اثر دیر تک رہتا ہے۔ رائی گیس۔ جو گیس نہیں بلکہ سیال شئے کی صورت میں ہوتی ہے۔ بم سے نکل کر زمین پر پھیل جاتی ہے اور اس میں سے ابخرات گھنٹوں ہی نہیں بلکہ کئی دن تک اُٹھتے رہتے ہیں جو جہاں بدن پر لگتے ہیں آبلے ڈال دیتے ہیں۔ یہ بہت تکلیف دہ اور مہلک گیس ہوتی ہے۔

زہریلی گیس کی بارش کبھی کبھی ہوائی جہاز بجائے بم گرانے کے زہریلی گیسوں کی بارش کرتے ہیں۔ وہ رائی کے سیال مادہ کو چھڑکتے چلے جاتے ہیں جو زمین پر پانی کی طرح برس کر گیس بن جاتا ہے۔ اور نقصان پہنچاتا ہے۔

گیس کا استعمال جنگ میں بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے لیکن قانون کی خلاف

سزا کون دے ؟

مشین گن سے گولیوں کی بارش جب غنیم کے ہوائی جہازوں کا مقابلہ کرنے کا انتظام ناکافی یا بالکل نہ ہو تو آج کل کے جنگی جہازوں میں ایک حصہ گھومتی ہوئی مشین گن کا بھی ہوتا ہوائی جہاز بہت نیچے آکر پرواز کرتا ہے اور بھاگتے ہوئے لوگوں اور مجمعوں پر گولیاں برساتا ہوا نکل جاتا ہے۔ تجارتی اور مسافروں کے بحری جہازوں، چلتی ہوئی ریل گاڑیوں، غیر مسلح یا بے خبر فوجیوں، فوجی بارکوں وغیرہ کو ایسا حملہ بہت نقصان پہنچاتا ہے۔

حملہ سے بچنے کی تدابیر ان تدابیر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) حملہ سے پہلے۔ (۲) حملہ کے وقت اور (۳) حملہ کے بعد۔

حملہ سے پہلے پہلی تدبیر تو یہ ہے کہ ایسا انتظام کیا جائے کہ رات کے وقت دشمن کے ہوائی جہازوں کو یہ معلوم ہی نہ ہوسکے کہ اُس کا نشانہ کہاں ہے۔ اس مقصد کے لئے تمام شہر میں اندھیرا کر دینے کا انتظام کیا جاتا ہے اور دوسری وہ تدابیر ہیں جن کے ذریعہ حملہ کے وقت بم کے ٹکڑوں۔ دھماکے کی شدت اور زہریلی گیسوں سے محفوظ رہ سکیں۔ اس کے لئے خطرہ کے مقامات سے بوڑھے بچوں اور اپاہجوں کو محفوظ مقامات پر بھیج دینا ہے اور ہر گھر میں ایک کمرہ ایسا تیار رکھنا ہے کہ جس میں ضرورت کے وقت پناہ لی جاسکے۔ دوسرے ملکوں میں گورنمنٹ بھی شہر کے مختلف حصوں میں پناہ لینے کے مقامات تیار کراتی ہے لیکن ہندوستان میں اس کا انتظام نہیں ہے۔ اس لئے ہر خاندان کو اپنا انتظام خود ہی کر لینا بہتر ہے۔ کلکتہ میں ایک عمارت کے نیچے اتنا بڑا پناہ کا کمرہ تیار ہو رہا ہے کہ جس میں خطرہ کے وقت پندرہ سو آدمی کھڑے ہوسکیں گے۔

اندھیرے کا انتظام ہر گھر والے کو چاہیئے کہ وہ خطرہ کے وقت تمام روشنیاں بند کر دے اور جن کمروں میں روشنی رکھے وہاں ایسا انتظام کرے کہ باہر سے کسی طرح بھی روشنی نظر نہ آسکے۔ اس غرض کے لئے کھڑکیوں۔ دروازوں۔ روشندانوں وغیرہ میں کاغذ لگا کر یا پردے ڈال کر یا شیشوں کو کالا رنگ کر امتحاناً اندر روشنی کر کے، اور خود باہر کھڑے ہوکر ہر طرف سے دیکھ لینا چاہیئے۔ کہ کسی سوراخ تک سے روشنی نکل کر باہر نہیں آرہی ہو۔ جب حملہ کا خطرہ ہو تو برآمدے۔ سیڑھیوں صحن اور دوسری باہر کی تمام روشنیاں بجھا دینا چاہیئیں اور اگر بجلی کی روشنی ہو تو یہ بہتر ہوتا ہے کہ باہر کے بلب نکال لئے جائیں: تاکہ غلطی سے اگر کوئی بتی جلا بھی دے تو روشنی نہ ہوسکے۔ ہندوستان کے بڑے شہروں میں اس طرح اندھیرا کر دینے کی مشق ایک عرصہ سے جاری ہے۔ اس کو "بلیک آؤٹ" (Black out) کہتے ہیں۔ کلکتہ میں جب یہ مشق کی گئی تو ہم وہاں موجود تھے۔ خطرہ کا اشارہ پاتے ہی جو کارخانوں کی سیٹیوں اور توپ کے داغنے کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ تمام شہر جو بقعۂ نور بنا ہوا تھا ایک لخت ظلمت کدہ ہو گیا۔ تمام گاڑیاں

موٹریں۔ ٹرام کار وغیرہ جہاں تھیں وہاں ہی کھڑی ہوگئیں۔ کچھ ہی عرصہ بعد حملہ آور ہوائی جہاز نمودار ہوئے۔ عجیب ہیبت ناک منظر تھا۔ جہازوں کے جاتے ہی ہسپتال کی مدد پہنچانے والی امبولینس کاریں اور آگ بجھانے والے انجن اپنے کام پر بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ اور "سب ٹھیک ہے" All clear کی اطلاع پاتے ہی پھر روشنیاں ہوگئیں۔ اور کلکتہ اپنے اژدھام میں مشغول ہوگیا۔ حملہ تو خوفناک ہوتا ہی ہے لیکن ایک بڑے شہر کا ہر کاروبار بند ہوجانا اور ہر طرف ظلمت اور خموشی کا پھیل جانا اس کو اور بھی ہیبت ناک بنا دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان خموشی اور تاریکی کا سماں پیدا کرکے موت کے استقبال کے لئے تیار ہے۔ اور یہ انتظار کر رہا ہے کہ دیکھیں موت آتی ہے۔ یا ٹلتی ہے۔

محفوظ کمرہ کا انتظام تخمینہ کیا گیا ہے کہ ایک چھ من کے بم کی مار کو شاید لوہے اور سیمنٹ کی چار گز گہری چھت برداشت کرسکے۔ معمولی مکان کی چھت تو تاب نہیں لاسکتی۔ اس لئے اگر بم کسی عمارت کے اوپر ہی آپڑے تو اُس کا تو عام لوگوں کے پاس کوئی علاج نہیں۔ ہاں اگر بم کچھ فاصلہ پر گرے تو اُس کے ٹکڑوں کی مار۔ دھماکے کے نقصان اور زہریلی گیس سے کچھ عرصہ محفوظ رہنے کے لئے ایک پناہ لینے کا مخصوص کمرہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

کس قسم کا کمرہ کام دے سکتا ہے کوئی بھی گھر کا کمرہ جس میں مندرجہ ذیل صفات ہوں موزوں ہوسکتا ہے۔ (۱) کافی مضبوط بنا ہو۔ (۲) بہت کھڑکیاں اور دروازے نہ ہوں لیکن دو دروازے ضرور ہوں۔ (۳) اگر کئی منزلہ مکان ہو تو بالکل اوپر کی منزل میں نہ ہو۔ بلکہ بالکل نیچے کی منزل میں بہتر ہے۔ (۴) ہوا کے رُخ پر نہ ہو اور سڑک یا میدان کی طرف نہ کھلتا ہو۔ (۵) اگر اُس سے ملحق تھانہ بھی ہو تو بہتر ہے۔ (۶) ہندوستان میں دس فٹ اونچے کمرہ میں فی کس ۲۵ مربع فٹ جگہ چوبیس گھنٹے تک بغیر ہوا کے رہنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ یعنی اگر دس فٹ چوڑا اور دس فٹ لمبا کمرہ ہو تو اس میں سو مربع فٹ جگہ ہوئی جس میں چار آدمی بغیر دم گھٹے ہوئے چوبیس گھنٹے رہ سکتے ہیں۔ کمرہ کے اندر کی ہوا کافی ہوتی ہے باہر سے تازہ ہوا لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ احتیاط اس لئے کی جاتی ہے کہ اگر زہریلی گیس کے بم حملہ میں استعمال ہوئے ہوں تو چوبیس گھنٹے تک لوگ کمرہ میں محفوظ رہیں اور باہر کی گیس اُس میں نہ جانے پائے اس عرصہ میں گیس کو بے ضرر کیا جاسکتا ہے۔

گیس سے بچنے کے لئے اس کمرہ کو کیسے تیار کیا جائے اس تیاری کی غرض آپ کو معلوم ہوچکی ہے کہ جب بند کرلیا جائے تو پناہ کے کمرہ میں باہر سے کسی طرح بھی اندر ہوا نہ جاسکے۔ لہٰذا ہر موری۔ کھڑکی، دروازہ روشندان ہی نہیں بلکہ ہر سوراخ اور درازیں اس طرح بند کی جائیں کہ ہوا اندر نہ جاسکے۔ کسی نجار کو بلاکر دروازے۔ کھڑکیوں اور روشندانوں کو اس طرح مرمت کرالینا چاہیئے

نہ برابر لگ سکیں. باقی موریوں اور سوراخوں میں ردی کاغذ بھگو کر اور کوٹ کر بھر دینا چاہیئے. کھڑکی اور دروازے کی چوکھٹوں پر موٹا کاغذ چپکا دینا چاہیئے. جو کام نہ آئیں اُن کو پٹھے اور لکڑی سے جوڑ دینا بہتر ہوگا. دو دروازے استعمال کے لئے رکھئے تاکہ ایک کسی وجہ سے بند ہو جائے تو دوسرے کے ذریعہ باہر نکل سکیں. دروازے جہاں فرش سے ملتے ہیں وہاں سے عموماً ہوا آجاتی ہے اس لئے احتیاط ضروری ہے. جو دروازے استعمال ہوں اُن پر اگر وہ اندر کھلتے ہوں تو باہر اور باہر کھلتے ہوں تو اندر چادر یا کمبل بھی اس طرح لگا دینا چاہیئے کہ وہ ہر طرف سے بند ہو جائے اور صرف ایک حصہ آنے جانے کے لئے اُٹھ سکے. یہ اس قدر لمبا ہو کہ کئی انچ فرش پر پڑا رہے. حملہ کے وقت اس کو پانی سے تر کر دینا چاہیئے تاکہ گیس اگر آئے تو اس میں جذب ہو جائے.

پناہ کے کمرہ میں کیا کیا رکھا جائے تمام وہ ضروریات کی چیزیں جو چوبیس گھنٹے تک ایسے موقع پر کام آسکتی ہیں کمرہ میں رکھ لینا چاہئیں. مثلاً کھانے پینے کی چیزیں لیکن ایسے برتنوں میں ہوں جن میں ہوا نہ جا سکے. سونے کے لئے دریاں اور چادریں. منہ ہاتھ دھونے اور دیگر ضرورت کے لئے پانی. بجلی یا ہاتھ کے پنکھے. اگر کہیں بعد میں سوراخ نظر آئیں تو اُن پر کاغذ چپکانے کا سامان، کاغذ. پرانے چیتھڑے وغیرہ اور اگر خرید سکیں تو گیس ماسک" gas mask ہر شخص کے لئے یا کم از کم ایک دو تاکہ اُس کو چہرہ پر چڑھا کر ضرورت کے وقت باہر نکل سکیں. گیس ماسک چہرے کو محفوظ رکھتا ہے. آنکھ. کان. ناک ہی زہریلے گیس کے اثر سے نہیں بچ جاتے بلکہ باہر کی ہوا جو ناک میں آتی ہے وہ ایسے فلٹر میں سے ہو کر آتی ہے جو تمام قسم کے زہریلے گیسوں کو جذب کر لیتا ہے اور صاف ہوا سانس لینے کے لئے مہیا ہو جاتی ہے. جی بہلانے کا سامان. کچھ کتابیں، ٹارچ اور موم بتی یا لالٹین بھی ضرور رکھیں. لیکن موم بتی یا لالٹین جب جلتی ہے تو ہوا کو کھا جاتی ہے اور گندہ بھی کر دیتی ہے. اس لئے اُن کا استعمال کم کیا جائے. یہ سب انتظام زہریلی گیس سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے. ورنہ ہوائی حملہ تو چند منٹ میں ہو کر ختم بھی ہو جاتا ہے آپ اس پیمانے پر بھی انتظام نہ کر سکیں تو جتنا ہو سکے اتنا ہی کیجئے باہر رہنے سے تو کسی نہ کسی طرح محفوظ کمرہ میں چلے جانا بدرجہا اچھا ہوگا. اپنے گھر کے دوسرے کمروں کو بھی گیس کے داخل ہونے سے بچانے کی حتی الامکان کوشش کرنا چاہیئے.

بم کے ٹکڑوں اور دھماکے کی شدت سے بچنے کا انتظام کمزور اور پرانے مکان کو بہت خطرہ رہتا ہے اس لئے اگر ممکن ہو تو ایسے مکان میں نہ رہیئے. آسان طریقہ یہ ہے کہ بالو سے بھرے ہوئے تھیلے یا بوریوں کو کھڑکیوں. دروازوں اور دیوار کے دیگر کمزور حصوں کے پاس لگا دیجئے پندرہ انچ موٹی اینٹ کی دیوار عموماً چھوٹے بم کے دھماکے کی شدت کو برداشت کر لیتی ہے. کھڑکیوں کے کانچ معمولی دھماکے سے ٹوٹ کر اچھلتے اور زخمی کر دیتے ہیں. اس لئے شیشوں پر باریک کپڑا چپکا دیجئے تاکہ جب وہ ٹوٹیں تو اُن کے ٹکڑے اُڑ نہ

نہ سکیں۔ چھت اگر کمزور ہو اور اوپر کا ملبا گرنے سے بیٹھ جانے کا خطرہ ہو تو کسی راج یا انجینیر سے رائے لے کر نیچے ایسے سہارے لگوا دیں کہ مضبوط ہو جائے۔

آگ لگا دینے والے بم سے کیسے بچیں یہ کمرہ آگ لگا دینے والے بم سے بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ ہاں یہ احتیاط کر لیں کہ کئی منزلہ مکان کے اوپر کی منزلوں میں سے جلد جلنے والی چیزیں ہٹا لیں اگر چھت لکڑی کی ہو تو اُس پر ٹین لگوا لیں۔ اگر دو سیر بجھا ہوا چونا اور ایک چھٹانک نمک کو ڈیڑھ سیر پانی میں گھول کر کمرہ کے تمام لکڑی کے حصوں پر دو تین ہاتھ پھیر دیں تو اُن میں آسانی سے آگ نہیں لگ سکے گی۔ گھر میں پانی اور بالو ریت کے چند ٹین بھر کر بھی اگر ممکن ہو تو محفوظ رکھیں تاکہ آگ لگتے ہی بجھانے کے لئے وقت پر کام آسکیں۔

امداد حاصل کرنے کے ذرائع کا علم پولس کی چوکی، ہسپتال۔ آگ بجھانے کے انجن کا اسٹیشن۔ اور ہوائی حملہ سے محفوظ رکھنے اور فوراً طبی امداد دینے والی سوسائیٹیوں کے پتے پہلے ہی سے معلوم کر لینا چاہئیں اور اگر آپ کے اور اُن کے پاس ٹیلیفون ہوں تو نمبر بھی علیٰحدہ لکھ لینا بہتر ہوتا ہے ہر بڑے گھر میں مرہم پٹی اور فوری طبی امداد کا سامان بھی اگر رکھا جائے تو بہت کام آتا ہے۔ تعلیم یافتہ بھائی اور بہنوں کو فوری طبی امداد کی کلاسوں میں تعلیم حاصل کر کے سرٹیفکٹ حاصل کر لینا بہت مفید ہوگا۔ یہ تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ اپنے مقامی سول سرجن یا ڈاکٹر یا ریڈ کراس کا مرکز اگر قریب ہو تو اُس سے خط و کتابت کیجئے۔ یا براہ راست انتظام کیا جا سکتا ہے۔

حملہ کے وقت

اے، آر، پی کمیٹی یہ کمیٹیاں مختلف مقامات پر ہوائی حملہ سے محفوظ رہنے اور اُس کے متعلق انتظامات مثلاً طبی امداد وغیرہ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ وہ عام حملہ کی خبر پبلک کو دیں جب حملہ آور چلے جائیں تو اُس کی خبر دیں تاکہ اطمینان ہو جائے اور گیس وغیرہ اگر پائی جائے تو اُس کی بھی اطلاع دیں اور اُس کو بے ضرر کریں۔ اور پھر پبلک کو "آل کلیئر" All clear کی اطلاع دیں۔ ان اطلاعوں کے علاوہ جو لوگ زخمی ہو گئے ہوں یا گیس سے خطرہ میں ہوں اُن کو جگہ جگہ سے جمع کرنا۔ فوری طبی امداد دینا۔ ہسپتالوں میں پہنچانا اور آگ بجھانے میں مدد دینا بھی ان کا کام ہے۔ حملہ سے بچنے کی تدابیر کے لئے بھی ان سے مدد لی جا سکتی ہے۔ گورنمنٹ ان کمیٹیوں کی حتی المقدور مدد کرتی ہے۔

حملہ کی اطلاع کے طریقے ہر مقام کے لئے آے۔ آر۔ پی چند نشانات مقرر کرتی ہے جو حملہ کے خطرہ کی اطلاع، حملہ آوروں کے چلے جانے لیکن خطرہ باقی رہنے۔ گیس کے خطرے وغیرہ کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ ہوتے ہیں۔ یہ نشانات کارخانوں کی سیٹیوں۔ توپ کے داغنے۔ گھنٹیوں کے بجانے یا جس طرح بھی مقامی طور

موزوں ہوں مقرر کر کے پہلے ہی سے پبلک کو بتا دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک سیٹی ہو تو محفوظ مقامات میں چلے جاؤ۔ دو سیٹی ہوں تو سمجھو کہ حملہ آور چلے گئے لیکن خطرہ باقی ہے۔ باہر آنا درست نہیں۔ تین سیٹیاں ہوں تو یہ سمجھو کہ گیس کے بم استعمال ہوئے ہیں۔ باہر آنا بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ چار سیٹیوں کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ سب ٹھیک ہے باہر آجاؤ۔

حملہ کی اطلاع پاکر کیا کرنا چاہیئے اگر آپ باہر ہوں تو بھاگ کر کسی محفوظ جگہ میں پناہ لینے کی کوشش کیجئے لیکن اگر اس اثنا میں حملہ ہو جائے اور آپ کھلی جگہ میں ہوں تو فوراً اوندھے منہ زمین پر دراز ہو جایئے اس طرح اگر کوئی بم آپ پر آ ہی نہ پڑا تو آپ اُس کے ٹکڑوں اور دھماکے کی ضرب سے شاید بچ جائیں اگر ہمت ہو تو کبھی کبھی اِدھر اُدھر بھی دیکھتے رہیئے تاکہ اگر خطرہ سے بچ نکلیں تو حملہ کے چشم دید واقعات اخباروں اور رسالوں میں شائع کر سکیں۔ اگر خوش قسمتی سے آپ گھر میں ہوں اور پناہ کا کمرہ تیار ہو تو گھر والوں کو معہ تمام ضروری اشیاء کے کمرہ میں روانہ کر دو تمام کمروں کو بند کر دو تو آگ بجھانے کے سامان کو دیکھ لو کہ ٹھیک ہے۔ گیس اور باورچی خانہ کی آگ وغیرہ بجھا دو اور بتیاں گل کر کے خود بھی محفوظ کمرہ میں چلے جاؤ اور جب تک آل کلیر کی اطلاع نہ ملے اس کمرہ سے نہ نکلو۔

حملہ کے بعد

اگر تمھارے مکان کو خدا نخواستہ نقصان پہنچ جائے تو باہر آتے وقت اس کا خیال رکھو کہ کہیں باہر زہریلی گیس نہ ہو۔ اگر تمھارے پاس گیس سے بچنے کے کپڑے اور "ماسک" ہو تو وہ پہن کر نکلو۔ ورنہ کم از کم بڑے بوٹ اور موزے پہن کر اور تمام جسم کو کپڑوں سے ڈھک کر اور ناک اور منہ پر گیلا کپڑا ڈال کر ایک چشمہ آنکھوں پر لگا کر باہر نکلو اور گیس نہ پاؤ تو دوسروں کو بھی دوسری جگہ تبدیل کرنے کے لئے نکال سکتے ہو۔ اگر اے آر پی کمیٹی تمھارے شہر میں ہو تو کوشش کرو کہ اُس کی مدد سے تم یہ معلوم کر لو کہ تمھارے گھر میں گیس تو نہیں ہے۔ اگر کہیں کوئی سیّال شئے پڑی ہو تو اس پر قدم نہ رکھو یہ رائی کی گیس ہو سکتی ہے۔ اگر کسی جگہ آگ لگی ہو اور تمھاری نظر پڑ جائے تو اُسے بجھانے کی کوشش کرو اور آگ کے انجن کے لئے خبر بھیجدو۔ اگر ایک ہی کمرہ میں آگ لگی ہو تو اُس کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر دو تاکہ آگ کچھ عرصہ دوسری جگہ نہ پھیل سکے۔ اگر کسی جگہ بم کے مانند کوئی شئے پڑی ہوئی ملے تو اُسے ہاتھ نہ لگاؤ نہ اُس پر پانی ڈالو بلکہ لوگوں کو دور ہٹا دو اور اے۔ آر۔ پی کو اطلاع دے دو۔ تم چاہو تو اس پر بالو ریت آہستہ سے ڈال دو بعض بم کچھ دیر بعد پھٹتے ہیں اور بعض ہاتھ لگانے یا پانی ڈالنے سے پھٹ جاتے ہیں۔ اس لئے احتیاط ضروری ہے۔

یہ احتیاطیں غیر معمولی معلوم ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہوائی حملہ کا نہ تجربہ ہے اور نہ اس سے بچنے کا موقع ملا ہے۔ لیکن کیا خبر۔ ایک نہ ایک دن ہندوستان پر بھی حملہ ہو جائے۔ اُس وقت یہ غیر معمولی احتیاطیں سب کو کرنا پڑیں گی۔ ان سے جلد سے جلد واقفیت ہو جانا ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی دریافت کرے

کہ جناب غریب کچی جھونپڑیوں میں رہنے والے کیا کریں؟ اور آگ لگانے والے بم سے کیسے بچیں یا غریب غربا جو ہندوستان کی اصل آبادی ہیں کس طرح ان احتیاطوں پر کاربند ہو سکتے ہیں؟ تو اس کا صرف یہ جواب ہے کہ ہوائی حملہ عموماً بڑے شہروں اور اُس کے مشہور اور اہم مقامات گورنمنٹ اور فوجی عمارتوں اور کارخانوں اور اسٹیشنوں وغیرہ پر ہوتا ہے۔ غریب ایک حد تک اس سے محفوظ ہیں۔ اور جو اس کی زد میں آجائیں اُن کا اللہ ہی حافظ ہے۔ بہر حال خطرہ سے محفوظ رہنے کے عام اصولوں سے واقفیت وقت پر بہت کام آتی ہے اور وقتی ضرورت کے موافق بہت سی تدبیریں خود سمجھ میں آجاتی ہیں! خدا ان بلاؤں سے محفوظ رکھے!

(کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد

پردیسی

مدت ہوئی وہ نوجوان پردیس گیا تھا۔ دُور دراز ملکوں میں۔ صبح سویرے۔ دوپہر کی چھاؤں میں۔ شام کے اندھیرے میں۔ اس کا خیال اپنے وطن میں گھوما کرتا...... اپنی گلیوں میں۔ اپنے بازاروں میں۔ اپنے گھروں میں۔ وہ سوچتا..... انگور کے باغ اب بھی سبز ہوں گے۔ ننھے بچے اب بھی کھیل رہے ہوں گے۔ خوش اخلاق گوالن دودھ لاتی ہو گی؟ میری ماں اب بھی مجھے پکارتی ہو گی۔ اس کا خیال اپنے وطن میں گھوما کرتا۔

ایک مُدت بعد وہ وطن واپس آیا۔ اس کا گھر بوسیدہ ہو چکا تھا۔ آہ اس کی ماں مر چکی تھی! بازاروں کے بچے جوان ہو گئے تھے۔ انگور کا باغ میدان بن گیا تھا۔ خوش اخلاق گوالن نامعلوم کہاں چلی گئی۔ وہ کسی کو بھی اچھی طرح نہ پہچان سکا۔ تو اُسے کون پہچان سکتا تھا۔ نوجوان ایک مدت بعد واپس آیا تھا۔ اب دیس بھی اس کے لئے پردیس بن گیا تھا۔ اور وہ ہر طرف مایوسی سے دیکھ رہا تھا۔

ایس بی طاہرہ (پشاور)

گدھا

"یقیناً میں اس زمانہ میں پیدا ہوا تھا جب مچھلیاں ہوا میں اڑا کرتی تھیں، جنگل پاؤں پاؤں چلا کرتے تھے، انجیر کانٹے دار جھاڑیوں میں اُگا کرتے تھے اور چاند سورج کی طرح ایک بڑا انگارہ تھا"

"تب میرا سر خوفناک تھا، آواز بھدّی تھی اور کان پرندوں کے پروں کی مانند تھے۔ میں دوسرے جانوروں کی طرح جب چار ٹانگوں پر چلتا تھا تب میری چال شیطان لعین کی سی ہو جاتی تھی"

"میں دنیا کے قوانین کی محافظت سے خارج ہوں لیکن پھر بھی میں ہٹیل طبیعت کا مالک ہوں۔ اے انسان! اگر تو مجھے بھوکا رہنے کی سزا دیگا یا میرا مذاق اڑائے گا اس لئے کہ میں تجھے اپنے راز سے آگاہ کر دوں تو یہ کبھی نہ ہو گا، میں گونگا بن جاؤں گا"

"اے بیوقوف انسان.... تو مجھے بدقسمت سمجھتا ہے.... تو یہ نہیں جانتا کہ ایک خوش آیند گھڑی وہ بھی تھی جب مجھے حضرت عیسےٰؑ کی سواری کا فخر حاصل ہوا تھا اور جب انسانوں نے میرے پیروں تلے پھول بچھائے تھے" (ترجمہ)

نصرت نشاط

باتیں کرنا

باتیں کرنا انسان کی ایسی خاص عادت ہے کہ اس سے روکا نہیں جا سکتا۔ قید تنہائی اسی وجہ سے بہت سخت سزا سمجھی گئی ہے کہ اس میں انسان چپ رہنے پر مجبور رہتا ہے اسے کوئی اپنا ہم جنس ملتا ہی نہیں جس سے وہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔ اور یہی بات بعض اوقات اس کو دیوانہ بنا دینے کے لئے کافی ہو جاتی ہے کہ خیالات و جذبات دل ہی دل میں گھٹتے رہتے ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔ لکھنا پڑھنا ایک بڑی حد تک اُس کی تلافی کر سکتا ہے مگر پھر بھی اس میں وہ بات نہیں ہو سکتی جو زبانی باتیں کرنے میں۔ چاہے کوئی اپنا کتنا ہی زیادہ وقت لکھنے پڑھنے میں کیوں نہ لگائے پھر بھی کبھی نہ کبھی ان کا دل بے تکلفی سے باتیں کرنے کو ضرور بالضرور چاہے گا۔ پھر اگر باتیں کرنے کے لئے کوئی اپنا ہم خیال مل جائے تو اس سے بہتر کوئی اور تفریح نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر ہم خیال نہ ہو تو بھی ایک خاص قسم کی تسکین ضرور ہو جاتی ہے۔ گویا یوں سمجھئے کہ بھوکے کو کھانا تو ملا مگر اس کی پسند کا نہیں تھا۔ بہرحال اس کا پیٹ بھر گیا۔

یہاں تک تو بولنا ضروریات زندگی میں داخل ہے لیکن جب یہ عادت حد سے زیادہ بڑھ جائے تو آدمی دنیا جہان سے کھویا جاتا ہے۔ اس کا کسی کام میں جی نہیں لگتا وہ کوئی ہنر نہیں سیکھ سکتا بس ہر وقت اپنا اور دوسروں کا وقت خراب کئے چلا جاتا ہے۔ اکثر ایسے زیادہ بولنے والوں کو نیند بھی کم آتی ہے۔ راتوں کو گھنٹوں جاگ کر باتیں کرتے ہیں صبح اپنے معمول کے مطابق اٹھ بیٹھتے ہیں۔ بس اُٹھے اور روزمرہ کے خاص ضروری کاموں سے فارغ ہو کر پھر وہ ہیں اور باتیں ہیں۔ چاہے کوئی دلچسپی لے یا نہ لے انہیں بولنے سے مطلب۔ کس لئے شنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم۔ کا مضمون ہوتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ جو لوگ ان کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہیں ان سے وہ خوش رہتے ہیں۔ اور انہیں کا زیادہ حرج بھی کرتے ہیں۔ لیکن جو بیزار ہوتے ہیں اور مروت کے مارے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے ان سے بھی وہ خوب باتیں کرتے ہیں یا تو انھیں اس کا احساس نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہیں کہ ان سے چپ رہا ہی نہیں جاتا۔ کریں تو کیا کریں۔ کام کرنے والوں کے لئے ایسے لوگ بعض اوقات بہت ہی تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسی مشق کم آدمیوں کو ہوتی ہے کہ ہاتھ سے کام کرتے رہیں۔ اور منہ سے باتیں۔ پھر زیادہ بولنے میں ان کا بھی خیال نہیں رہتا کہ کیا بات کس کے سامنے کرنے کی ہے اور کس سے چھپانے کی۔ اکثر اپنے رازوہ خود کھول دیتے ہیں اور نہ صرف کسی خاص ہمدرد سے بلکہ بالکل سرسری ملاقات والوں سے۔ اس سے بھی زیادہ بیجا حرکت یہ ہوتی ہے کہ بچوں کے سامنے ہر قسم کی باتیں بے تکلف

کرتے چلے جاتے ہیں اور ذرا خیال نہیں کرتے کہ اس میں کوئی برائی ہے۔ اگر کوئی اشارہ سے اس طرف توجہ بھی دلائے تو پروا نہیں کرتے یا کہہ دیتے ہیں کہ بچے اسے سمجھ ہی نہیں سکتے یہ ٹھیک ہے کہ بچے ہر قسم کی باتیں خود نہیں سمجھ سکتے لیکن وہ اپنے زیادہ سمجھ دار دوستوں سے اس کا ذکر کرتے ہیں یا بڑوں سے پوچھنے کا موقع ہو تو انہیں کا پوچھ پوچھ کر ناک میں دم کرتے ہیں اور بعض اوقات تو اسی قسم کی بے احتیاطیوں سے بچے کنبے میں ایسا فساد پھیلا دیتے ہیں کہ ساری عمر دل صاف نہیں ہوتے۔ ایسی حالت میں انہیں بہت کچھ برا بھلا کہا جاتا ہے لیکن در اصل اس میں ان کا اتنا زیادہ قصور نہیں ہوتا جتنا ان بے سوچے سمجھے بولنے والوں کا۔ بچے بچپن کی وجہ سے قابل معافی ہیں۔ انہیں جو نئی بات معلوم ہوتی ہے اس سے وہ خوش یا متعجب ہوتے ہیں اور پھر اپنی اس خوشی یا تعجب میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں کیوں برا کہا جائے۔ یہی بات بڑے آدمیوں میں خود بھی ہوتی ہے بس فرق یہ ہے کہ بچے کم عمر ہونے کی وجہ سے معمولی باتوں کو بھی عجیب سمجھ لیتے ہیں۔ ہاں جو بچے ہر وقت بڑے آدمیوں کی صحبت میں رہتے ہیں وہ البتہ کافی ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ خود ان کے لئے کوئی اچھی بات نہیں ان میں بھولا پن بالکل نہیں رہتا۔ اور بچے ہی نہیں معلوم ہوتے۔

اکثر مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ کوئی بہن اپنے عزیزوں کی شکایت اور برائیاں کر رہی ہیں اور بچے پاس ہی بیٹھے ہوئے واقعات کی تصحیح کرتے جاتے ہیں یا بات پر بات نکل آنے سے اور کوئی نیا قصہ یاد آجاتا ہے تو اس کی بھی یاد دہانی کر دیتے ہیں۔ غرض ان بے فائدہ باتوں میں وہ برابر کے شریک رہتے ہیں۔ اس سے تو یہ بہت بہتر ہے کہ جب بڑوں کو بے تکلفی سے باتیں کرنی ہوں تو بچوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں۔ انہیں کھیلنے کو بھیج دیں یا کسی ایسے شغل میں لگا دیں کہ وہ ادھر متوجہ ہی نہ ہوں۔ ورنہ عجب نہیں کہ یہ تفریح کا بہترین مشغلہ کسی نہ کسی وقت ایک ناگوار واقعہ کی بدترین شکل اختیار کرے۔ عقلمندوں کا مقولہ ہے بڑوں کی بڑی باتیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ بڑوں کی سب ہی باتیں بڑی نہیں ہوتیں یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ بڑی باتیں بڑوں ہی کے منہ سے زیب بھی دیتی ہیں بچوں کے منہ سے چھوٹا منہ بڑی بات ہو کر وہ بہت بدنما معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ باتیں کرتے وقت خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ ہمارے منہ سے نکل کر ایسے ننھے کانوں میں نہ جائیں جن کی معصومیت کو ان سے نقصان پہنچنے کا ڈر ہو۔　　و۔ ا

کیا میں پاگل ہوں

از پرنسپل مشتاق احمد صاحب زاہدی دہلوی

لوگ مجھے پاگل کہتے ہیں۔ کاش کہ میں پاگل ہوجاتی کہ مجھے خوشی و رنج کا احساس ہی نہ ہوتا رونا تو یہی ہے کہ میں پاگل نہیں۔ اور زندہ ہوں۔ تعجب تو یہ ہے کہ میں پاگل کیوں نہ ہوگئی۔ اور زندہ کس طرح رہی۔ نہ صرف تعجب بلکہ اسے تو میں عذاب الٰہی کہوں گی کہ جیتی ہوں اور جلتی ہوں تکلیفیں پڑتی ہیں ان کو سہتی ہوں اور زندہ ہوں...... زندہ ہوں گو مردے سے بدتر یا الٰہی مجھ پر رحم کر۔ گناہوں کی مجھے بہت سزا مل چکی۔ معاف کر اور مجھے موت دے۔ اس زندگی کے جنجال سے رہائی دلا ہائے موت تو کیسی دلکش چیز ہے۔ ایک لمحہ میں۔ پلک مارنے میں۔ ایک سانس کے نہ آنے میں کتنی راحت ہے کس آسانی سے ہزارہا مشکلات کا حل ہوجاتا ہے۔ وہ مشکلات جن کے حل کرتے کرتے مجھے پاگل ہوجانا چاہیئے تھا یا مرجانا چاہیئے تھا مگر نہ میں پاگل ہوئی نہ مری اور نہ وہ مشکلات حل ہوئیں۔ اور دنیا مجھ کو پاگل سمجھتی ہے اور بے جان افسردہ اور بیکار سمجھتی ہے میں موت کو ڈھونڈھتی ہوں اور موت مجھ سے اسی طرح بھاگتی ہے جس طرح مجھ سے چین و آرام امن و امان اور شانتی بھاگتی ہے۔ اور تعجب یہ ہے کہ جو موت سے ڈرتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں اُن کو موت نہیں چھوڑتی۔ آخر یہ لوگ موت سے کیوں ڈرتے ہیں...... کیا میں سچ مچ پاگلوں کی سی بے تکی باتیں کر رہی ہوں۔ ہاں شاید۔ میری باتیں بے تکی ضرور ہیں۔ مگر بے معنی نہیں۔ رنج و تعب کے جوش میں خیالات کا ہجوم ہوجاتا ہے۔ اُن خیالات کا جو منہ سے نہ نکلنے چاہئیں جن کو میں چپکے چپکے دل میں دباتی رہتی ہوں۔ مگر جتنا میں دباتی ہوں اتنا ہی میرے خیالات میں ایک قسم کا طوفان بپا ہوجاتا ہے ایسا طوفان کہ جس کی امواج بے قابو ہوکر گلے میں سے حلق میں سے زبان کے ذریعہ اپنا راستہ بنالیتی ہیں آنکھوں کی نالیاں ان کے زور کو کم نہیں کرسکتیں۔ اور جہاں یہ خیالات الفاظ کی صورت اختیار کرنے لگتے ہیں۔

تو الفاظ کی دنیا میں ایک تلاطم پیدا ہوجاتا ہے۔ الفاظ ڈھونڈھنے پڑتے ہیں خیالات رُکتے نہیں۔ بیان میں بے ربطی پیدا ہوجاتی۔ خیالات کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے منہ سے کبھی کچھ نکلتا ہے کبھی کچھ۔ ایک فقرہ پورا ختم نہ ہوا خیال کی ایک لڑی مکمل نہ ہوئی کہ دوسری لڑی ٹپک پڑی۔ سننے والا حیران کہ یہ کہتی کیا ہے لامحالہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ پاگل ہے جو سلسلۂ خیال کو قائم نہیں رکھ سکتی......

مگر میں پاگل نہیں ہوں۔ میری بپتا ہی ایسی ہے کہ اس کا سنانے والا تو پاگل کہلایا ہی جائے گا لیکن سننے والا حقیقت میں پاگل ہوجائے گا۔

نہ سنو میری کہانی نہ سنو　　　　اور پھر میری زبانی نہ سنو

اس پر بھی مجھے پاگل کہو تو لو سنو اور میں تو پاگل ہوں یا نہیں تم تو ضرور پاگل ہو جاؤ گے۔ میرا باپ ایک بیرسٹر تھا۔ مدتوں ولایت میں تعلیم پائی۔ بہت سی علمی ڈگریاں حاصل کیں۔ ساری خاندانی کمائی یورپ کی یونیورسٹیوں کی نذر کی۔ میں اُس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ میری ماں مجھے دو سال کا چھوڑ کر اللہ میاں کے ہاں سدھاریں۔ باپ نے مجھے ماں کی طرح شفقت سے پالا۔ ۲۰ برس کی عمر تک جملہ علوم و فنون میں ماہر کرادیا۔ اپنی ساری کمائی میری خوشی پر نثار کر دی۔ لیکن ہم دونوں بیرسٹری کی کمائی کو سمجھتے تھے کہ کبھی ختم نہ ہو گی۔ اس لئے جو آتا تھا وہ خرچ ہو جاتا تھا میں بڑی ہوتی گئی۔ میرے ساتھ میری لائبریری بڑھتی گئی۔ باپ کی عمر بھی بڑی ہوتی گئی۔ باپ کا شوق علوم و فنون کی طرف بڑھتا گیا۔ قانونی کام سے نفرت ہوتی گئی۔ آمدنی میں کمی آتی گئی۔ ہم نے اپنے اخراجات میں کمی کرنی شروع کر دی ... یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر تابکے۔ میری عمر تیس برس کی ہو گئی۔ میرے باپ کی عمر ساٹھ برس کی ہو گئی۔ میرے شادی کے پیغام آتے اور ردی کی ٹوکری میں پڑ جاتے۔ مگر میرے باپ کے ایک دوست تھے۔ جو علم دوست تھے۔ ہندوستان بھر میں سب سے بہتر کتب خانہ رکھتے تھے۔ کئی مشہور کتابوں کے مصنف تھے۔ میرے باپ اُن کی بہت قدر کرتے اور وہ مجھ سے بہت شفقت کرتے تھے۔ کتب بینی میں میری رہنمائی کرتے تھے۔ اور میری ذہانت کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اُن کا ایک بیٹا تھا۔ مجھ سے بڑا تھا۔ مگر اب تک بے بیاہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا اُن کے بیٹے سے بیاہ ہو جائے۔ اور میں ان کی بہو بن جاؤں۔ اُن کا بیٹا بالکل پڑھنے لکھنے کا شوقین نہ تھا۔ باپ نے بہت جان ماری۔ لڑکے نے معمولی امتحان پاس کر لئے ڈگریاں حاصل کر لیں مگر اُس کی لیاقت ٹھوس نہ تھی۔ اس کو کتابوں کا ذوق نہ تھا۔ نہ علم کو محض ذریعہ معاش سمجھتا تھا۔ اُس کو ٹیپ ٹاپ کا بہت شوق۔ باپ کی ساری دولت رئیسانہ اشغال میں خرچ کرتا رہتا تھا۔ ایک ہی بیٹا تھا۔ جائداد کی آمدنی کافی تھی اور سب باپ کے ہاتھ میں تھی ..... میری اس لڑکے سے شادی ہو گئی۔ ہمارے دونوں کے باپ یکے بعد دیگرے ہمیشہ کے لئے ہم سے مفارقت کر گئے۔ چار سال تک ہماری خوب نبھی۔ اس عرصے میں دو لڑکیاں ہوئیں۔ ان لڑکیوں پر باپ کا بہت لاڈ تھا۔ چار سال اور گزر گئے مگر آپس میں شکر رنجی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں کتابوں کا کیڑا تھی۔ میرے دوست احباب بھی اسی قسم کے تھے۔ مجھے گھر داری اور پرورش اطفال سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ اللہ کا فضل تھا سب کام نوکروں کے ہاتھوں خاطر خواہ پورا ہوتا تھا۔ میاں کی صحبت اور قسم کی ہو گئی۔ دن بدن مجھ سے علیٰحدہ رہنے لگ گئے۔ روپیہ تباہ ہونے لگا۔ قرض لینے اور جائداد رہن کرنے کی نوبت آئی۔ اور سب سے بڑا غضب یہ ٹوٹا کہ ایک دن میری سوکن بھی آن دھمکی۔ یہ عورت جاہل کندہ ناتراش تھی مغرور۔ بدمزاج۔ بد دماغ۔ اس پر میرے لئے یہ حکم کہ دونوں ایک ہی گھر میں رہو۔ اور تم گھر کا انتظام کرو۔ لیکن روپیہ پیسہ سب اس کے ہاتھ رہے گا۔ گویا مجھے گھر کے انتظام کے لئے اس کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا تھا۔ میں نے یہ بھی بھگتا اور اپنی طرف سے بہت کوشش کی کہ آپس میں سلوک رہے۔ اُس کے بچے ہو گئے۔ اُن کے خرچ کی وجہ سے

میرے بچوں کو مدرسے سے اُٹھا لیا گیا۔ پیسے کی کمی ہوئی تو لائبریری بھی فروخت ہو گئی۔ یہاں تک کہ میری کتابیں بھی بک گئیں۔ یہ ایسا صدمہ تھا کہ میں برداشت نہ کر سکی۔ بہت ضبط کیا مگر دل قابو میں نہ رہتا تھا۔ میری مصیبت میں اگر کوئی میرے غم کو بٹانے والا تھا تو بس یہی کتابیں۔ اب یہ بھی نہ رہیں تو میں کیا کروں کہاں جاؤں۔ میاں نے جس دن سے دوسری شادی کی مجھ سے بات کرنی چھوڑ دی۔ سوکن میری طرف رُخ نہیں کرتی۔ نوکر چاکروں نے بھی مجھے ذلیل سمجھ کر میری بات پوچھنی چھوڑ دی۔ اب میں ہوں اور میرا دم اور میری دو بچیاں۔ کہ ایک دم سے گردن توڑ بخار کی وبا پھیلی۔ اور ایک ہفتے کے اندر اندر میری معصوم دونوں بچیوں کو اللہ نے بلا لیا۔ اس صدمے نے مجھے پاگل کر دیا۔ میں گم صُم ہو گئی۔ ششدر رہ کر چاروں طرف دیکھتی تھی کہ اللہ میں کدھر جاؤں اور کیا کروں۔ منہ پر مُہر لگی تھی۔ آنکھ سے آنسو نہ نکلتا تھا مگر اندر سے دل تھا کہ معلوم ہوتا تھا کوئی بیٹھا ہوا اسوس رہا ہے۔ ابھی ایک ہفتہ نہ ہوا تھا کہ اور قہر ٹوٹا۔ اُسی مرض میں میاں بھی سدھارے۔ سوکن کے رشتہ داروں نے سارے گھر پر قبضہ کر لیا۔ معلوم ہوا کہ کچھ جائداد تو سوکن کے نام ہو گئی تھی اور باقی قرض میں آ گئی ہو گئی۔ رہنے کا گھر بھی رہن تھا۔ ایک دن اس سے بھی نکالا ملا۔ سوکن اپنے اپنے میکے چلی گئی۔ میں اپنا ٹوٹا پھوٹا سامان لے ایک پڑوسن کے پاس جا بیٹھی۔ جو تھوڑا بہت میرے پاس تھا وہ بھی جب نہ رہا تو ایک دن پڑوسن کے گھر سے نکل گلی در گلی پھرنے لگی۔ بھوک لگتی تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتی۔ پھرتے پھرتے ایک مزار پر پہنچی۔ اس کے پاس بہت سے فقیر بیٹھے تھے میں بھی وہیں بیٹھ گئی۔ کسی نے کچھ کھانے کو دیدیا کھا لیا۔ ورنہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اسی مزار پر ایک موٹر آئی۔ اور اس میں سے ایک امیر سہیلی اُتری میں نے اپنا منہ چھپا لیا۔ مگر جب وہ فاتحہ پڑھ کر واپس آ رہی تھی تو اُس نے دیکھا کہ میں درگاہ میں جانے والوں کے جوتے سنبھال رہی ہوں۔ اُس نے مجھے غور سے دیکھا۔ میرا نام لے کر پکارا میں نے جواب نہ دیا۔ مگر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی۔ سب حیران تھے۔ میری سہیلی نے مجھے اُٹھا لیا گلے سے لگا لیا ہم دونوں روتے رہے۔ آخر وہ مجھے زبردستی اپنے گھر لے گئی۔ نہلایا دھلایا نئے کپڑے پہنائے۔ اور میری بے حد دلجوئی کی۔ رفتہ رفتہ مجھے ایک مدرسے میں استانی کی جگہ مل گئی۔ کچھ دن یہ کام چلانے کی کوشش کی۔ مگر نہ معلوم کیوں مجھے سب پاگل کہنے لگے۔ اور ایک دن بڑی استانی نے مجھے اطلاع دی کہ آپ مدرسے کی نوکری سے علیحدہ کر دی گئی ہیں۔ تھوڑے دن بعد میں خبر نہیں کیونکر یہاں آ گئی۔ یہ اچھی جگہ ہے۔ شاید جنت اسی جگہ کا نام ہے۔ یہاں حقیقی طور پر کسے را با کسے کارے نہ باشد۔ سب آزاد ہیں جس کا جو جی چاہتا ہے کرتا ہے۔ امیری۔ غریبی۔ عزت۔ ذلت۔ دوستی۔ دشمنی ان میں سے یہاں ایک چیز بھی نہیں۔ اس جگہ کا نام پاگل خانہ ہے۔ جنت اور پاگل خانہ۔ ہاں ٹھیک اس دنیا کے عقلمند اگر غلطی سے جنت میں چلے گئے تو اُسے پاگل خانہ ہی کہیں گے۔ مجھے لوگ پاگل کہتے ہیں نہ معلوم میں پاگل ہوں یا دنیا پاگل ہے۔ کاش کہ مجھے موت آ جاوے اور میں اس پاگل خانے سے نکل کر اُس پاگل خانے میں پہنچا دی جاؤں جہاں عقلمندوں کی گزر نہیں اور جہاں ابد الآباد تک

کسے را با کسے کارے نہ باشد

عہدِ ماضی کی مسلمان عورت

یاد ہے خاتونِ مسلم وہ ترا دورِ حیات
جب کہ تھی وجہِ سرور و وجہِ عزت تیری ذات

وہ تری سنجیدگی وہ شانِ تمکین و وقار
جس نے دنیا میں بڑھایا اور تیرا اعتبار

وہ تری معصوم فطرت، وہ سلیقہ وہ تمیز
بن گئی تھی جس سے دنیا بھر میں تو ہر دل عزیز

تھا ترے چہرے سے اندازِ متانت آشکار
تو ذہانت اور طباعی کی تھی آئینہ دار

وہ تری معصوم ادائیں وہ تری شانِ حیا
وہ ترا رنگِ محبت وہ تری طرزِ وفا

وہ تری تہذیب وہ شائستگی وہ رعب و داب
جس پہ نازاں حسنِ فطرت جس سے لرزاں ہر شباب

تیری فطرت کو فریبِ عشق دینا تھا محال
غیر کی نظریں تری جانب اُٹھیں کب تھی مجال

چشمِ بد بیں تجھ پہ پڑ جائے یہ کب آسان تھا
تیری عصمت کا محافظ خود ترا ایمان تھا

جب کبھی غیرت میں تیری جوش آیا الاماں
مدتوں بہتی رہیں ہر سو لہو کی ندیاں

تیرے دم سے قلبِ مومن میں بلا کا جوش تھا
سچ تو یہ ہے جوش کیسا زندگی کا ہوش تھا

تیری حسنِ تربیت سے ہر پسر فخرِ وطن
تیرے حُسنِ ذوق سے شاداب ہر گھر کا چمن

بُردباری، صبر، خودداری کی تھی سرمایہ دار
ملتی ہیں تاریخ میں جس کی مثالیں بے شمار

تیری صحت وہ کہ محنت سے کبھی تھکتی نہ تھی
ضبطِ غم ایسا کہ فرطِ غم میں بھی بکتی نہ تھی

رشک ہو مریمؑ کو جس پر وہ تھی دینداری تری
اور پھر دنیا کے کاموں میں بھی ہشیاری تری

الغرض اک پیکرِ اخلاقِ انسانی تھی تو
قالبِ انساں میں گویا روحِ ایمانی تھی تو

آہ لیکن آج تو ہے اور ہی کچھ تیرا حال
خون روتی ہیں یہ آنکھیں دیکھ کر تیرا زوال

اُف تری فطرت میں آیا ہے یہ کیسا انقلاب
سچ تو یہ ہے خود کیا ہے تو نے اپنا گھر خراب

یا ہوئی تہذیبِ نو کی روشنی دشمن تری
یا یہ سب ہے مغربی تعلیم کی جادوگری

غور کر عہدِ گزشتہ پر بھی اپنے غور کر
وجہ بربادی تجھے شاید کچھ آجائے نظر

کھول اپنی آنکھ اے خاتون، ہوجا ہوشیار
پھر کہیں ایسا نہ ہو یہ زیست بھی ہوجائے بار

اپنی حالت سے تجھے خود ایک دن نفرت نہ ہو
دیکھ اس سے بھی زیادہ اب کہیں ذلت نہ ہو

اور بھی بزمِ جہاں میں کھو نہ دے تو اعتبار
وہ بھی عورت ہے، نہ ہو دنیا میں جس کا کچھ وقار

(مولانا محوی صدیقی لکھنوی)

علمی نوک جھونک

دنیا اس اندھا دھند غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ ادب محض جھوٹ بولنے کا فن ہے تعلیم ادب پانے والے طلبا محض شاعری کرتے ہیں۔ اور ان کے ہاں صرف مجازی ڈھکوسلے اور شاعرانہ تکلفات ہوتے ہیں حقیقی چیزوں سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تو صرف انہیں لوگوں کی معلومات تھیں جنہیں ادب کی ہوا بھی نہ لگی تھی جنہیں ادبی لٹریچر کو دور سے بھی کبھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ حالی اور نذیر احمد۔ اقبال اور غالب۔ آزاد اور ذوق کی شخصیتیں اور یہ لوگ۔ ع تراگاہے گریبانی نشد چاک چہ دانی لذت دیوانگی را

ہمارا منشاء یہ کب ہے کہ ادب کو محض جذبات وفن کاری کے لئے ہی وقف کر دیا جائے۔ اس میں صرف تخیل ہی تخیل کی حکومت ہے۔ نہیں۔ بلکہ اس کا اصل مقصد تو یہ ہے اور یہ ہونا چاہیئے کہ اس کو زندگی سے قریب بلکہ قریب تر کر دیا جائے۔ مزدور، مفلس، کاشتکار، مظلوم کی سرگذشت بیان کر کے دنیا کو ان کا دکھی بنا دیا جائے۔ اور اس طبقہ کی مظلومی کو واضح کر کے دنیا سے ان بیکسوں کے لئے وہ چیز حاصل کی جائے جس کو "ہمدردی" کہتے ہیں۔

تو اس طرح آئے دن سائنس اور تاریخ کی طالبات ادیبوں پر فقرے کسیں۔ ان کے موضوع کا مذاق اڑایا جائے ان کی کھلے بندوں توہین کی جاتی۔ ان لوگوں نے لٹریچر کو محض خیالی دنیا کی ایک چیز سمجھ لیا تھا۔ اس کے گھیر ہنچے۔ اس کے طول وعرض اور اس کی بے پایاں انمول اہمیت سے بچارے سب کے سب ناواقف سے تھے۔ نادانی بھی کیا بری چیز ہوتی ہے جب تک ہم کسی چیز کی قدر ومنزلت کو سمجھ نہیں سکتے ہم مورکھ اور پگلے سے رہتے ہیں۔ اور جب بک بک کرنے لگتے ہیں کسی کے سامنے تو پھر ہمیں کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ حالانکہ ہم ہٹ دھرمی سے قائل نہیں ہوتے اور بکے چلے جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے جو لوگ زیادہ بکتے ہیں وہ سوچتے کم ہیں جن کو سوچ بچار کا مرض ہو ان کو بول چال کی فرصت کہاں۔ وہ تو پہروں سوچتے رہتے ہیں۔ چنانچہ آپس میں جہاں فرصت ملی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی سوجھی کہ تم میں ہے کیا۔ تمھاری کیا بساط ہے ہمارے آگے۔ ہماری وہ شان ہے جس کو کچھ ہم ہی جانتے ہیں کسی کو اپنی ہمہ دانی پر بڑا ناز تھا۔ تو کسی کو صرف اپنی شیخی ہی کافی تھی کہ ہم ہر فن مولا ہیں۔ گرمی کی چھٹیوں کا آغاز تھا۔ امتحانوں کی چہل پہل سے کالج میں ایک رونق سی نظر آتی تھی کسی کو کسی سے بات چیت کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی ہر ایک کے لئے اپنا اپنا مضمون ایک جدت، ایک نوعیت ایک اہمیت اور ایک دلچسپی کا حامل تھا۔ امتحان کی ہیبت سے پیٹ میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ بات کرنے کا کس کو ہوش تھا ادھر امتحان ختم ہوا۔ کالج کا آخری دن تھا۔ نہ جانے کب سے ایک دوسرے کی تاک میں بیٹھی تھیں۔ کہ بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہوا۔ زبانیں ہتیار بن گئیں عقل ان کی

رہنمائی کے لئے ایک ڈہال بن گئی۔ ایک ایک پر فقرے بازیاں ہونے لگیں۔ نسیم نے شاہدہ سے اکڑ کر کہدیا کہ بس میرے منہ مت لگو۔ کیا دھرا ہے تمھاری تاریخ میں۔ یہ تو خود کو دہراتی ہے سب گڑے مردے اکھیڑے اور پھینک دئیے۔ کولمبس کو جستجو سے نئی دنیا مل گئی تھی۔ نپولین نے یہ کارہائے نمایاں کئے تھے۔ کلایو اور ہسٹنگز نے اتنے جنگی کرتب دکھلائے۔ ادہر مغلیہ خاندان پر اتریں تو کہدیا جہانگیر کے انصاف کا یہ رتبہ تھا۔ شاہجہاں نے وہ کام کئے کہ آج تک ہندوستان اس پر ناز کرتا ہے۔ تاج محل کی عمارت ایک بین الاقوامی شہرت رکھتی ہے۔ یہ سب پرانی دقیانوسی باتیں ہیں سُنی سُنائی شہادتوں اور روایتوں کی دنیا لئے ہوئے۔ کون نہیں جانتا ان کو۔ تم تاریخ والوں نے تو صرف امتحان کے خوف سے ان واقعات کو رٹ لیا ہے۔ ہم ان کو تفریحاً پڑھ کر اتنا جانتے ہیں کہ تم سنو تو تمھارے ہوش اُڑ جائیں۔ تمھارے پاس صرف ماضی ہی ماضی ہے مستقبل جس پر امیدوں کی دنیا قائم ہے۔ سرے سے تمھارے یہاں ناپید ہے۔ حافظہ پر زور نہ دیا تو ساری چوکڑی بھول جاؤ۔ رٹنا اور یاد رکھنا ان دو کمزور اینٹوں پر تمھاری تاریخ کی بنیاد قائم ہوئی ہے۔ امتحانی ہال کی ہیبت سے اس سلسلہ کی ایک کڑی گر گئی تو پھر گھڑیاں گننے کی نوبت آجائے۔

شاہدہ ذرا غصہ میں آپے سے باہر ہوگئی تھی۔ اُس نے ساتھ ہی ساتھ سائنس لینے والیوں پر بھی آوازے کسنے شروع کئے۔ "بتاؤ نا تم سائنس والوں نے اب تک کوئی نئی چیز بھی ایجاد کی ہے؟ ہاں تم لوگوں کے کرتبوں کو دیکھ کر پانی کا ہوا ہو جانا تو ہم نے باور کر لیا ہے۔ لیکن تمھاری دماغی کاوشوں نے کسی قسم کی جدت نہیں بتائی۔ ہماری سائنس نے ایسی ایسی ترقیاں کیں۔ ریڈیو اور طیارے جیسی کرشمہ سازیاں سائنس ہی کا طفیل ہے۔ مگر یہ تمھارا طفیل تو نہیں۔ ہمارے یہاں آؤ تو تمھیں معلوم ہو۔ فلسفہ منطق۔ نفسیات۔ جمالیات۔ اخلاقیات سب ہی اس ادب جیسے شاندار مختصر و پیارے لفظ میں شامل ہیں۔ یہاں بڑے بڑے فلسفیوں اور ادیبوں سے رات دن واسطہ رہتا ہے۔ ان کے کارناموں سے عقل روشن و منور ہوتی جاتی ہے منطق و فلسفہ کی گتھیوں کو سلجھانے میں جو لطف آتا ہے وہ میرے خیال میں سائنسدان و مورخ کبھی خواب میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ تم زندگی کی تلخیوں کو سائنس اور تاریخ پڑھ کر دور نہیں کر سکتیں۔ یہ امتیاز تو ادب کو حاصل ہے۔ ادب ہماری زندگی کا آئینہ ہے۔ ادب روح زندگی ہے۔ ادب میں جیون کا رس ملتا ہے۔ ادب میں ایک جان ہے۔ تاریخ ایک بے جان قالب اور سائنس اس میں شک نہیں ایک محیر العقول بازی گر کا کھیل ہے۔ طیارہ میں بیٹھ کر پرواز کرنے والے کیا جانیں۔ کہ ادیبوں کی قوت تخیل اس سے پرے ہٹی ہوئی ہے۔ جہاں تک ان کے تخیل کو رسائی ہے وہاں طیارے کے قدم نہیں پہنچ سکتے۔ ٹیلیفون ایک ذریعہ ہے بات چیت کرنے اور سننے کا۔ لیکن ادیبوں کا تعلق روح سے ہے۔ اور روحانی قوتوں کو تم لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کیفیات کو ہم دُہرائیں تو سائنس کونے میں رہ جائے۔ اور تمھاری تاریخ کا ذرا سامنہ نکل آئے"۔ شاہدہ تو برس پڑی تھی اب نسیم اور ریحانہ کے لئے جائے پناہ نہ ملتی تھی۔ ریحانہ نے سائنس لے رکھی تھی۔ اور اس کی شیخیوں سے سب عاجز تھے۔ جب نسیم کو جان بچانا مشکل نظر آنے لگا اور شاہدہ کی تقریر کا جادو چل گیا۔ تو اس نامعقول کو

قائل ہونے کی سدھ بدھ نہ رہی " اجی محترمہ تاریخ کیر کٹر سکھاتی ہے۔ انسان انسان بنتا ہے۔ دنیا کے یہ سب تماشے ایک ڈھکوسلا معلوم ہوتے ہیں۔ ایام گذشتہ کی ارتقائی ترقیوں کو سن کر عروج و زوال کے واقعات پڑھ کر دنیا عبرت و الم کا ایک مرقع معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کی قدر باقی نہیں رہتی۔ غرور کا سر کیسے نیچے ہوتا ہے۔ دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ امارت و عہدہ پر ناز ایک بے معنی سی بات ہے۔ یہ سب ہے تمھارے ادب میں ؟ تاریخ پڑھو تو آنکھیں کھل جائیں ارسطو کی لن ترانیاں یہ تھیں۔ افلاطون کی ہمہ دانی کا یہ عالم تھا۔ ڈارون نے یہ کہا۔ اسپنسر کا یہ نظریہ تھا۔ ان سب کو تو ہم بھی جانتے ہیں۔ تمھارے شاعر و ادیب تو محض ضمنی لطافتوں میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔ ان کے پاس سوائے ٹسوے بہانے، رونے رُلانے اور زبانی جمع خرچ کے کوئی اور چیز نہیں ہے

دنیا نے فسانوں کو بخشی افسردہ حقائق کی تلخی اور ہم نے حقائق کے نقشوں میں رنگ بھرا افسانوں کا

شاہدہ۔ افوہ۔ کیا کہنے ہیں آپ کے۔ مگر آخر شاعر کو لانا پڑا۔ آپ کو غالباً الفاظ نہیں مل سکے۔ اپنے اظہار عقیدت و جذبات کے لئے۔ کیا مشکل ہے۔ مجھے ہمدردی ہے واقعی تم سے سچی ہمدردی۔ مگر بھئی ہم کو کبھی ایسی ضرورت نہیں پڑتی کہ ہم تمھاری تاریخ سے کچھ بھیک مانگ کر اپنے خیالات کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ادہر ان دونوں میں تو تو میں میں ہو رہی تھی۔ کہ ادہر سے نعیمہ ٹپکتی ہوئی آئی۔ یہ بھی ریحانہ کی ہم جماعت تھی۔ اس کی تو ناک کے کیڑے آئے دن سائنس روم کی خوشبو سونگھتے سونگھتے مر چکے تھے۔ راتوں جانوروں کا خون کرتے، ان کو کاٹتے ان کو نوچتے ان کو پھاڑتے اس کے دل کی حس ہی جیسے مٹ گئی تھی۔ اس کے تو جیسے سینہ میں دل ہی نہ تھا بات بات میں اس کی سائنس گھس جاتی تھی ڈاکٹری اس کا نصب العین تھا۔ دیکھنے میں نری احمق معلوم ہوتی تھی۔ لیکن بناوٹ سے خود کو بڑی عقلمند جتانا چاہتی تھی۔ سائنس جوے رکھی تھی۔۔۔۔!

نعیمہ۔ کیا کہا پھر تو کہنا ایک مرتبہ۔۔۔ ؟ تم کو اپنے ادب پر ناز ہے۔ اور تمہیں اپنی تاریخ دانی کا دعویٰ۔ مگر جانتی ہو بغیر سائنس کے جیسے زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ بغیر سائنس کے یہ تمھاری دنیا بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کے کرشمے تو کچھ ہم جانتے ہیں۔ کیمیا ہمارا مضمون ہے۔ طب سے ہمارا تعلق ہے۔

شاہدہ۔ قطع کلام کرتے ہوئے۔ اب تو آپ بڑی کیمیا گر ہو جائیں گی۔ پھر توڑنا پڑے گا بھئی تمھارے ہتکنڈوں سے!

نعیمہ:۔ بس خاموش رہو۔ ہماری سائنس نے کیسی کیسی چیزیں بنائی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوں تو تمھاری دال بھی نہ گلے۔

شاہدہ۔ تمھارے سائنس نے بنائیں تم نے تو نہیں بنائیں۔ پھر ناز کس چیز پر ہے ہم شاعر اب بھی پیدا ہوتے ہیں ادیبوں کی کمی نہیں۔ مگر تمھارے پاس کسی نے اپنی کامیابی کا ثبوت کسی ایجاد سے دیا ہے؟

نعیمہ۔ سنو شاہدہ۔ بگلی کہیں کی۔ تم شاعروں کو تو صرف گل و بلبل سے رشتہ ناتہ ہے۔ بہار و خزاں کے سایہ میں تم لوگ پروان چڑھتے ہو۔ تمھارے شاعر تو روتے روتے سو جاتے ہیں۔ پھر گڑگڑا کر اپنے شاعروں سے کہلواتے ہیں۔ کہ للہ

اس پر رحم کرو۔ اس کے سرہانے آہستہ بولو۔ ابھی ابھی یہ رو رو کر سویا ہے۔ تمہارے تبرّ والے تو ہجو سے سب کا ناک میں دم کر دیا۔ آتش کے وھول دھپے ایک دہبہ ہیں شاعری ہیں۔ دریائے لطافت میں بھی وہ اپنی اچھل کود سے باز نہیں کرتے۔ غالب کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اس پر کبھی فخر نہ کرنا کہ ہم نے سمجھ لیا ہے غالب کو تم عمر بھر بھی نہ سمجھ سکو گی۔ شرح پر شرح دیکھو اور عقل بھٹکتی جائے گی جس کو سمجھنے سے زیادہ سمجھانا دشوار ہے۔ اقبال کی گستاخی دیکھو اللہ سے شکوہ کرتے ہیں۔ کچھ ٹھکانہ ہے اس بے ادبی کا۔ اور پھر معاذ اللہ اللہ میاں ان کے شکوہ کا جواب بھی دیتے ہیں۔ حالی تو پرانے زمانے کے آدمی ہیں۔ ان اگلے وقتوں کے لوگوں کو ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ جوش کا کلام البتہ جوشیلا ہوتا ہے۔ اور اقبال کے بعد یہ غریبوں کے ناخدا بن گئے ہیں۔

شاہدہ۔ کہیں تمہیں مالیخولیا تو نہیں ہو گیا؟ تم نہیں دیکھتیں ان پریوں جیسی فرضی قصہ کہانیوں سے انسانی روزمرہ زندگی کچھ مختلف نہیں ہوتی۔ اکثر افسانے حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ارے ہمارے شاعر اور ادیب نہ ہوتے تو تمہاری دنیا صرف بھیانک مجسموں کا ایک مہیب ڈھانچہ بن کر رہ جاتی جس میں کہیں تاریخی رنگ جھلکتا۔ کبھی سائنس کی جھلک نمایاں ہوتی۔ تعمیر و تخریب رہی سائنس کا شیوا۔ اور باقی جو رہجاتا تو زندہ مجسمے ڈراؤنی شکل لئے چلتے پھرتے نظر آتے۔ قدرت کے کرشموں کو سمجھنے کی کسی میں قدرت ہی نہ ہوتی۔ نہ گل و بلبل کے رموز سے کوئی واقف ہوتا۔ نہ خوبصورت درختوں پھولوں اور چاندنی راتوں کی شعریت اور اس کی پہنائیوں پر تخیل آرائیوں کا کسی میں سلیقہ ہوتا۔ ادب زندگی کا تبسم ہے۔ تاریخ گریہ۔ سائنس اس کا ماتم ہے۔"

نسیم بوکھلاتی ہوئی۔ ارے خدا کے لئے سب اپنی اپنی زبانیں بند کرو۔ ورنہ منہ کے بل گرو گی۔ عمرانیات کی طالبات آرہی ہیں جن کا دماغی توازن ہی ٹھیک نہیں۔ ہر لڑکی خود کو ایک پروفیسر سمجھتی ہے۔ کیونکہ ان کے پروفیسر کی شان ہی نرالی ہے۔ بات بات میں ان کے "آگ" ہی تو لگ جاتی ہے۔

پردہ گرجاتا ہے۔ اور ڈرامہ ختم

جہاں بانو بیگم ایم اے

(بقیہ از صفحہ ۳۸)

ہم نے اگر اس میں سے ایک پیسہ بھی صرف کر دیا تو اس کے دل میں یاد کی ایک ایسی جگہ بنالی جو ہمارے بعد بھی ہمیشہ باقی رہے گی۔ اپنے عمل اور طریقوں سے اگر ہم نے لوگوں کے دل موہ لئے تو خدا کے یہاں جو اجر ملے گا وہ تو ملے ہی گا مگر ہم دنیا کے صفحہ پر بھی اپنا نام روشن اور زریں حروف میں چھوڑ جائیں گے اور آنے والی نسلیں ہم کو نیکی اور خیر سے یاد کریں گی۔

ایس آر کے (مصنفہ نیرنگ)

بشیر۔ (چونکتے ہوئے) میرے لئے نہیں۔ مجھے اب گھر جانا چاہیئے۔

مسعود۔ اونہہ! تمہیں ایک جام اور پینا چاہیئے۔ اور ہم سب بھی۔ جو صدمہ آج ہم سب کو پہنچا ہے۔ اُس کے بعد ضروری ہو (بشیر اپنا جام دے دیتا ہے) اور میاں فخری! وحید کی شراب زیادہ پینے کی بھی تو یہی وجہ ہے۔ اس کا اکلوتا دوست اسکا ساتھ چھوڑ گیا۔

مالک سرائے۔ درست ہے۔ درست ہے میاں مسعود! لیکن اپنا غم غلط کرنے کے لئے انسان کو حد اعتدال سے نہ بڑھنا چاہیئے۔ (شراب کے جام اُٹھا کر باہر چلا جاتا ہے)

مسعود۔ آج کا دن بھی کس قدر منحوس تھا!

سعید۔ ہمارے لئے اتنا نہیں جتنا بدنصیب جمیل کے لئے۔

بشیر۔ (بغیر اپنا سر اُٹھائے) آج کا دن ...... او میری وح (سب اس کی طرف دیکھتے ہیں)

سعید۔ تمہیں ہم سے زیادہ صدمہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ تم جیوری میں تھے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ جمیل نے اپنی بریت کے لئے کوشش کیوں نہ کی ... ہم تینوں دو گھنٹہ سے یہاں بیٹھے وہی ذکر کر رہے ہیں۔

مسعود۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ کہ ہم تینوں چپ چاپ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوتے۔ اور اپنے پڑوسی جمیل کا خیال بھی نہ کرتے۔

سعید۔ ذرا سوچو تو سہی۔ آج کی مبارک ...... ہیں میرا مطلب ہے منحوس صبح کے آٹھ بجے بیچارا جمیل پھانسی پر چڑھا دیا گیا یہاں تک کہ .. (بشیر ہاتھ کے اشارہ سے خاموش رہنے کی التجا کرتا ہے)

مسعود۔ چپ بھی رہو۔ تفصیلات میں پھر سے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیوری نے جس میں ہمارا دوست بشیر بھی شامل تھا۔ اس کے خلاف فیصلہ کر ......

بشیر۔ (اُٹھتے ہوئے) مجھے گھر جانا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ میں تجوری کی چابیاں میز پر ہی بھول آیا ہوں۔ اور سب چیزیں اچھی طرح مقفل نہیں کیں ...... بہت گھبرایا ہوا تھا (پھر بیٹھ جاتا ہے)

مسعود۔ فکر نہ کرو۔ تمہاری چیزیں اسی طرح ہوں گی۔ گو ہم سے کسی کو جمیل خاص طور پر پسند نہ تھا۔ لیکن یہ تو کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آیا تھا۔ کہ وہ قتل کا مرتکب ہوگا۔ لیکن جیوری نے جو کچھ بھی فیصلہ کیا سوچ سمجھ کر کیا۔

بشیر۔ اس معاملہ میں اور کچھ نہ کہو۔ بہت پریشان کن ہے جمیل ایک عجیب وغریب آدمی تھا۔ باوجود اس کے ......(توقف کے بعد) لیکن شہادتیں اس کے خلاف تھیں۔

سعید۔ بیشک۔ سب شہادتیں اس کے خلاف تھیں لیکن پھر بھی جب آج صبح کو میں نے اُسے تختۂ پھانسی پر ....

مسعود۔ کیا تم وہاں موجود تھے؟

سعید۔ ہاں! اور میں نے تمہیں بھی لبادہ میں لپٹے ہوئے دیکھا تھا بہت سرد صبح تھی۔ اور تم بشیر ... میرا خیال ہے کہ میں نے تمہیں بھی ...... وہاں دیکھا تھا۔

بشیر۔ (بدستور سر جھکاتے ہوئے) میں گیا تھا۔ دعا مانگنے۔ کہ کاش وہ پھانسی کے تختہ پر نہ چڑھایا جائے او خدا!

مسعود۔ (مالک سرائے سے جام لیتے ہوئے) ہم آج صبح کے دل ہلا دینے والے واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں میاں فخری۔

مالک سرائے۔ جی ہاں! بہت ہی پرحسرت واقعہ تھا قیمت

وصول کرتے ہوئے) شکریہ۔ مجھے وحید کی باتوں سے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ بھی وہاں موجود تھا۔

سعید۔ وحید؟

مسعود۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اس کا اکلوتا دوست پھانسی پر چڑھایا جا رہا تھا۔

مالک سرائے۔ وہ ہر وقت کچھ بڑبڑاتا رہتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ جج کے سینے میں چاقو بھونکنا چاہتا ہے اور جیوری کے تمام ممبروں کو زہر دے دینا چاہتا ہے۔

سعید۔ بہت افسوسناک معاملہ ہے۔ بچارے کے دماغ میں میں فتور آ گیا ہے۔

مسعود۔ جب ایک شخص اندھا دھند شراب پینے لگ جائے تو اُس کا یہی حال ہوتا ہے۔

بشیر (کانپتے ہوئے) اگر وحید اس بات پر تُلا ہوا ہے تو پھر کیا ہو گا؟

مسعود۔ کیا؟

بشیر۔ جج اور جیوری کو مار ڈالنے کے بارے میں ..... ممکن ہو جیوری کو دھوکا ہی ہوا ہو۔

مالک سرائے۔ اس کا کیا مطلب ہے میاں بشیر؟ (بشیر کوئی جواب نہیں دیتا۔ اور اپنے خیالات میں کھویا جاتا ہے)

مسعود۔ (آہستہ آواز میں) بچارے کے دل کو صدمہ پہنچا ہے سوچتا ہے۔ کہیں جمیل بے گناہ ہی نہ ہو۔

مالک سرائے۔ درست ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارا دوست وحید آج رات پھر ایک دفعہ یہاں واپس آئے گا۔ اور شراب کے لئے مجھے تنگ کرے گا۔

مسعود۔ ہم تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں میاں فخری۔ ہم ہر گز اُسے اور شراب نہ پینے دیں گے۔ یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

مالک۔ نوازش ہیں اُسے شراب دینے سے قطعی انکار کر دوں گا مجھے لائسنس چھن جانے کا بھی تو خوف ہے۔

سعید۔ اس کے علاوہ اُس کے پاس قیمت ادا کرنے کے لئے روپیہ بھی تو نہ ہو گا۔

مالک سرائے۔ یہ صحیح ہے میاں سعید (باہر چلا جاتا ہے)

بشیر۔ (جیسے خواب میں بول رہا ہے) جب جمیل پھانسی پر چڑھایا گیا اس وقت میں نے وحید کا چہرہ دیکھا تھا او خدا کیا میں کبھی وہ چہرہ اپنی زندگی میں بھول سکوں گا!

سعید۔ (دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے) اس کے چہرے سے کیا عیاں تھا؟

مسعود۔ مت پوچھو۔ بشیر کے دل کو پہلے ہی صدمہ ہو رہا ہے۔

بشیر۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ..... جیسے اس کی روح از حد تکلیف میں ہے۔

مسعود۔ میرا خیال تھا۔ کہ بشیر کو اس بات کا کوئی احساس نہ ہو گا آخر یہ بھی تو جیوری میں شامل تھا۔ لیکن اُسے اپنے پڑوسی کے دردناک انجام سے روحانی صدمہ ہوا ہے۔

سعید۔ ممکن ہے کہ جمیل اور بشیر میں اچھے تعلقات ہوں۔ گو بظاہر ان کی بول چال کم تھی۔ (باہر ن کی آواز سنائی دیتی ہے) معلوم ہوتا ہے۔ کار یہاں ہی رُکنے والی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جن کی اپنی کاریں ہیں۔ انہیں ایسی خوفناک راتوں میں پیدل چلنے کی زحمت تو نہیں ہوتی۔ اُف کس بلا کا اندھیرا ہے۔ برف پڑنے سے سردی کیسی غضب کی ہو رہی ہے (یکایک بجلی چمکتی ہے اور بڑے زور کا طوفان شروع ہو جاتا ہے۔ بشیر چیخ مارتا ہے۔ اور کانپنے لگتا ہے)

مسعود۔ اس موسم میں یہ طوفان! کیوں میاں بشیر! کیا بات ہے۔ تمہارا رنگ کیوں زرد پڑ گیا۔ خطرہ کی کوئی بات نہیں۔

بشیر۔ (پُر احساس آواز میں) آج رات دنیا میں کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ مجھے تو تن تنہا سڑک پر جاتے ہوئے بھی ڈر محسوس ہوگا۔

سعید۔ (تسلی آمیز لہجہ میں) جانے بھی دو میرے دوست۔ یوں خواہ مخواہ سوچنے سے تو دل اور بھی آزردہ ہوتا ہے۔ تمہیں آج صبح جمیل کو دیکھنے نہ جانا چاہیئے تھا۔

بشیر۔ (کانپتے ہوئے) یقین جانو۔ ابھی جو بجلی چمکی تھی۔ تو اس کی روشنی میں میں نے جمیل کو دیکھا تھا۔ اُس بچارے کی گردن میں سُرخ دھاگے کا پھندا پڑا تھا۔ (مسعود اور سعید ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔)

مسعود۔ افسوس!

بشیر۔ (بے اختیاری کے عالم میں) صرف ایک سُرخ دھاگے کا پھندا اس کے گلے میں پڑا تھا۔ وہ مر چکا تھا لیکن اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ جیسے ——

سعید۔ مسکراہٹ؟

مسعود۔ خاموش رہو۔ (دروازہ کھلتا ہے اور مالک سرائے اور مسافر کمرہ میں داخل ہوتے ہیں۔)

مسافر۔ (اپنا بھیگا ہوا لبادہ اتارتے ہوئے) یہ بہت آرام دہ جگہ ہے۔ میرے لئے خوابگاہ درست کرواؤ۔ اور وہاں خوب زور سے آگ جلوانے کا حکم دو۔ اور میرے لئے ایک گرم گرم پیالہ کافی کا منگواؤ۔ (آتشدان کے سامنے جاکر ہاتھ سینکنے لگتا ہے)

مالک سرائے۔ بہت بہتر جناب (باہر چلا جاتا ہے)

(تھوڑی دیر وقفہ۔ اسکے دوران میں سعید اور مسعود مسافر کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہیں لیکن بشیر حسب سابق اپنے خیالات میں غرق رہتا ہے۔ ہوا کا تیز جھونکا آتا ہے۔ کھڑکیاں اور دروازے کھٹ کھٹ کرنے لگتے ہیں۔)

سعید۔ یا معبود یہ کیا آفت آئی!

مسعود۔ صرف طوفان۔

بشیر۔ (آہستہ آہستہ) سُرخ دھاگے کا پھندا اُس کے گلے میں پڑا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ ایک معصوم شخص کی طرح۔

سعید۔ میرے معبود!

مسعود۔ (آگے بڑھ کر بشیر کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے) بھلے آدمی! تم خواہ مخواہ فکر کیوں کرتے ہو؟ (سعید کو دیکھتے ہوئے) میرے خیال میں یہ شراب زیادہ پی گیا ہے (مسافر کو مخاطب کرتے ہوئے) کیسی خوفناک رات ہے۔

مسافر۔ (چونک کر) سخت خوفناک! میں مخل تو نہیں ہو رہا لیکن آگ صرف اسی کمرہ میں روشن تھی۔

مسعود۔ ہرگز نہیں۔ یہ کوئی مخصوص کمرہ نہیں اور اگر ہوتا تو بھی ایسی رات میں جو کوئی بھی آتا ہم اُسے خوش آمدید کہتے۔

مسافر۔ شکریہ (کرسی آتشدان کے پاس سرکا کر بیٹھ جاتا ہے جیب میں سے سگرٹ کیس نکال کر ایک سگرٹ سلگاتا ہے سعید اور مسعود اُسے دلچسپی سے دیکھتے ہیں) کیا نزدیک ہی یہاں کوئی گاؤں ہے؟

مسعود۔ دو جناب! یہ سرائے دونوں کے درمیان واقع ہے۔

مسافر۔ اگر آپ یہاں کے رہنے والے ہیں تو کیا مجھے بتا سکتے ہیں کہ کیا یہاں کوئی ایسا شخص بھی ہے۔ جو نہ صرف گونگا ہو۔ بلکہ بہرہ بھی ہے؟

مسعود۔ جی نہیں! یہاں کوئی ایسا شخص نہیں رہتا۔

مسافر۔ یہ شخص گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ اور اُس نے مجھے اور میرے شوفر کو سخت تنگ کیا۔

مسعود۔ وہ کیسے جناب؟

مسافر۔ (مالک سرائے سے کافی کا پیالہ لیتے ہوئے) شکریہ۔ ہاں تو وہ اس طوفانی رات میں پیادہ پا سڑک کے بیچوں بیچ جا رہا تھا۔ ہم برابر ہارن دیتے رہے۔ لیکن اس نے ذرہ بھر پروا نہ کی میرے شوفر کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت ممکن تھا کہ کار خندق میں جا گرتی۔ یا وہ ہی نیچے آجاتا۔ شکر ہے کہ بال بال بچ گئے۔ اور کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ (مالک سرائے جو دلچسپی سے یہ واقعہ سن رہا تھا۔ یکایک چونکتا ہو جاتا ہے) لیکن اس سے پہلے کہ ہم سڑک پر اپنی سابقہ رفتار پر کار چلائیں۔ وہ پھر سامنے آگیا۔

مسعود۔ یا الٰہی توبہ! آپ نے پھر کیا کیا؟

مسافر۔ ہم چیخے چلائے۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہرہ ہے، ذرہ بھر اس نے پروا نہ کی۔ بہزار دقت کار اسے چھوتی ہوئی آگے نکل آئی۔

مسعود۔ کوئی پگلا ہو گا۔ آپ نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟

مسافر۔ بالکل نہیں۔ لمبا اونچا شخص تھا۔ اور کوٹ اور فلیٹ ہیٹ پہنے تھا۔

سعید۔ اور کوٹ اور فلٹ ہیٹ والے اونچے لمبے شخص تو یہاں کئی ہیں۔

مسافر۔ ایک موٹا سا مفلر گردن کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ کار کی لائٹ میں میں نے اس کا رنگ دیکھا تھا گہرا سرخ تھا۔

(سعید چونک اٹھتا ہے)

مسعود۔ کیا؟

مالک سرائے۔ (دروازے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر) سرخ مفلر۔ (بشیر اپنی نیند سے بیدار ہوتا ہے)

مسافر۔ ہاں! کیسے عجیب مذاق کا آدمی ہے۔ ارے یہ تمہارے دوست کو کیا ہوا؟ (بشیر کی طرف اشارہ کرتا ہے)

مسعود۔ برائے مہربانی ان کا خیال نہ کیجئے۔ یہ ذرا زیادہ چڑ گئے ہیں۔

بشیر۔ سرخ دھاگے کا پھندا اس کے گلے میں پڑا تھا۔ اور وہ مسکرا۔۔۔

مسعود۔ (بات کاٹتے ہوئے تسلی آمیز لہجہ میں) جانے دو دوست۔

بشیر۔ (مسعود کی پروا نہ کرتے ہوئے مسافر کو مخاطب کرتا ہے) وہ ایک بھوت تھا۔ جو تم نے سڑک پر دیکھا۔ جمیل کا بھوت۔ وہ قتل کے جرم میں آج صبح پھانسی پر چڑھا دیا گیا تھا۔ اور اسی سرخ مفلر کے دھاگے کا پھندا اس کے گلے میں تھا۔ خدا اسے جنت نصیب کرے۔ (پھر اپنے خیالات میں کھو جاتا ہے)

مسافر۔ (مسعود سے مخاطب ہو کر) میری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آئیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا دوست کسی روحانی صدمہ کا شکار ہے۔

سعید۔ بشیر ایک ایماندار اور محنتی شخص ہے۔ وہ جیوری کا ممبر بھی ہے۔ آج صبح جمیل ہمارے گاؤں کا رہنے والا اور پڑوسی پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ بشیر اسے دیکھنے چلا گیا۔ اس وقت سے اس کا دل دہل گیا ہے۔ بار بار یہی کہتا ہے۔ کہ "ممکن ہے کہ جج اور جیوری کو دھوکا ہی ہوا ہو" اس طرح وہ اپنے آپ کو بھی قصور وار سمجھتا ہے۔

مسافر۔ اور یہ سرخ مفلر؟

مسعود۔ جاڑے میں جمیل ہمیشہ سرخ مفلر پہنا کرتا تھا۔ اس کا یہ مفلر بہت مشہور تھا۔ کیونکہ اور کوئی شخص گاؤں بھر میں اس رنگ کا مفلر استعمال نہ کرتا تھا۔ ایک اندھیری رات کو اس نے شاہراہ عام پر ایک کسان کو مار ڈالا۔ کسان منڈی سے اپنا سامان فروخت کر کے آ رہا تھا۔ اور اس کے پاس تقریباً ایک ہزار روپیہ تھا۔ جمیل نے اس کا سر ہتھوڑے سے کوٹ ڈالا۔

سعید۔ مجھے وہ تھیلی دیکھنے کا کئی دفعہ اتفاق ہوا۔ کیونکہ کسان

اکثر میری دکان پر آیا کرتا تھا۔

مالک سرائے۔ بیچارا کسان میری سرائے کے پاس سے بھی مجھ سے ملے بغیر کبھی نہ جایا کرتا تھا۔

سعید۔ خون سے بھرا ہوا ہتھوڑا جمیل کے ہاں سے برآمد ہوا۔ ایک دو سفید بال۔ بڈھے کسان کے سر کے بھی اُس پر چپکے ہوئے تھے لیکن روپے والی تھیلی باوجود سخت تلاش کے دستیاب نہ ہوئی۔ یہ سب جانتے تھے کہ ان دنوں جمیل کو روپیہ کی اشد ضرورت تھی۔ بہرصورت جمیل نے عدالت کے سامنے صاف انکار کر دیا اور اقبال جرم نہ کیا۔

مسعود۔ لیکن سرخ مفلر نے اس کا پردہ فاش کر دیا۔ اس نے غالباً مفلر جلا دیا ہوگا۔ یا روپوں کے ساتھ چھپا دیا ہوگا۔ گو وہ قسم کھاتا تھا۔ کہ وہ کھو یا گیا ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ گاؤں کی کسی دکان پر رہ گیا ہو۔

سعید۔ لیکن کسان کے ناخنوں میں سُرخ دھاگا پھنسا ہوا پایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسان نے اپنے قاتل پر ہاتھ چلائے ہوں گے۔ اور اس وقت وہ دھاگا اس کے ناخنوں میں پھنس گیا ہوگا۔ بہرصورت جمیل کی موت کا باعث وہی سُرخ دھاگا ہوا۔

مالک سرائے۔ گو اپنی بریت کے لئے کوئی خاطر خواہ شہادت تو پیش نہ کر سکا۔ لیکن اُسے آخر دم تک اپنے بری ہونے کی امید رہی۔ لیکن بیچارا آج صبح تختۂ دار پر چڑھا ہی دیا گیا۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا نہ تھا لیکن آج کا دن بہت اوداس گزرا۔

مسافر۔ کیا یہ شادی شدہ تھا؟

مسعود۔ جی نہیں۔ اس کا دنیا میں کوئی نہیں۔ سوائے ایک دوست وحید نامی کے۔ جو اپنا غم شراب پی کے بھولنا چاہتا ہے۔

مالک۔ بالکل صحیح جناب۔ گو میں نے انتہائی کوشش کی کہ وہ کسی طرح اس سے باز رہے (جیب سے گھڑی نکال کر) جناب مجھے افسوس ہے لیکن قانون کو ماننا پڑتا ہے (مسعود اپنا جام خالی کرتا ہے)

سعید۔ یہ گھڑی تیز ہے۔ مجھے اور مسعود کو تو ایک ایک جام اور چاہیئے تھا۔ (کھڑا ہو کر جام منہ سے لگا لیتا ہے)

مالک سرائے۔ (گھڑی دکھا کر) جی نہیں میری گھڑی بالکل صحیح وقت دیتی ہے۔ (با دلِ نخواستہ دونوں کھڑے ہو جاتے ہیں مسعود بشیر کو جگانے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے)

مسافر۔ براہِ مہربانی چند منٹ ٹھہر کر میرے ساتھ ایک ایک جام پی کر شکر گذار فرمائیں (دونوں بیٹھ جاتے ہیں۔ مالک سرائے اشارہ پا کر شراب لینے جاتا ہے۔)

سعید اور مسعود۔ شکریہ۔

مسافر۔ اور آپ کا دوست۔

مسعود۔ بہتر ہے، اُسے نہ جگائیں۔ گھر جاتے ہوئے ہم دونوں اِسے ہمراہ لے جائیں گے۔ اس قدر حساس طبیعت شخص کو جیوری میں شامل نہ ہونا چاہیئے تھا۔

مسافر۔ (سگرٹ کا کش لیتے ہوئے) آپ دونوں حضرات کی بھوت کے متعلق کیا رائے ہے؟

مسعود۔ میں تو بھوت پریت کا قائل ہی نہیں۔

سعید۔ اور نہ میں ہوں۔

مسعود۔ لیکن یہ بات میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ سرخ مفلر سوائے جمیل کے اور کسی کے پاس نہیں۔

سعید۔ (چونک کر) یہ شور کیسا ہے؟

(کمرے کے باہر کچھ غل سا ہوتا ہے۔ اور مالک سرائے کی آواز سنائی دیتی ہے "نہیں نہیں۔ دس بجے کے بعد میں تمہیں اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

مسعود۔ خدایا! یہ تو وحید پھر آگیا۔

مسافر۔ وحید؟ قاتل کا دوست؟

مسعود۔ جی ہاں! بچارے فخری کی پھر سے شامت آئی۔

(جھگڑے کی آواز قریب تر سنائی دیتی ہے۔ وحید کی گالیاں دینے کی آواز آئی ہے)

مالک سرائے۔ (کمرے کے باہر سے) وحید میاں۔ اتنی زبردستی نہ کرو۔ تم یہ کبھی پسند نہ کروگے کہ میرا لائسنس چھن جائے۔

وحید۔ (چیختے ہوئے) مجھے اندر جانے دو۔ میرے لئے ایک بوتل شراب لاؤ۔ میرے پاس قیمت ادا کرنے کے لئے روپیہ موجود ہے۔ سنتے ہو؟ جلدی لاؤ۔

(دھینگامشتی کی آواز آتی ہے۔ وحید کمرہ کا دروازہ چوپٹ کھول دیتا ہے۔ اور اندر داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے مالک سرائے بھی ہے۔ مالک سرائے کے بال پریشان اور کپڑے خراب ہو رہے ہیں۔ وحید جو اور کوٹ پہنے ہوئے ہے بھیگا ہوا ہے۔ سر ننگا ہے۔ اور چہرے کی رنگت برف کی مانند سفید۔ سیدھا کونے والی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور دوسروں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔)

مالک سرائے۔ مجھے افسوس ہے حضرات! باوجود کوشش کے میں اُسے اندر آنے سے روک نہ سکا۔

مسافر۔ یا میرے اللہ! (اشارہ سے مالک سرائے کو اپنے پاس بلاتا ہے)

وحید۔ (گنگناتا ہے) جج اور جیوری کے لئے زہر اور میرے لئے شراب کی بوتل۔

مسافر۔ (مالک سرائے سے) خواہ کچھ بھی ہو۔ اُسے ایک بوند شراب نہ دینا۔

مالک سرائے۔ ہرگز نہیں۔ لیکن کیا وہ نشہ کی حالت میں ہے؟

مسافر۔ نشہ! اس کی تو بُری حالت ہو رہی ہے۔ خطرناک۔

وحید۔ (پھر گنگناتا ہے) احمق جج اور جیوری کے لئے زہر اور میرے لئے شراب۔

مسعود۔ کیا گرم کافی کا ایک پیالہ اس کے لئے مفید نہ ہوگا؟

(مسافر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہے۔ کمرہ میں موت کا سا سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ باہر زور شور سے ہوا چلتی ہے اور کھڑکیوں کے ساتھ ٹکراتی ہے)

وحید۔ احمق جج اور جیوری کے لئے..... (بشیر کی موجودگی کو محسوس کرتا ہے۔ اور سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ بجلی زور سے کڑکتی ہے۔ سوائے وحید کے سب کانپ جاتے ہیں۔)

وحید۔ شراب لاؤ۔ (یکایک کچھ سوچ کر کہتا ہے) تمہیں روپیہ کی ضرورت ہے۔ (سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر روپے نکال کر زمین پر پھینک دیتا ہے) روپیہ! شراب! (سب ساکن کھڑے رہتے ہیں) کیا یہ کافی نہیں؟ (جیب میں پھر ہاتھ ڈالتا ہے اور روپوں سے بھری ایک تھیلی نکال کر مالک سرائے کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ یہ رہا روپیہ۔

مالک سرائے۔ (خوفزدہ ہو کر) او میرے خدا یہ تو کسان کی تھیلی اور اس کا روپیہ ہے!

(سعید مسعود کا ہاتھ تھام لیتا ہے اور تھیلی کی طرف اشارہ کرتا ہے بشیر آہستہ آہستہ اپنا سر اوپر اٹھاتا ہے۔ اس کے ہونٹ جنبش کھاتے ہیں لیکن کوئی لفظ سنائی نہیں دیتا)

وحید۔ شراب۔ شراب۔ جیوری اور جج (تھوڑی دیر وقفہ) پھانسی۔ پھانسی کا تختہ۔

(وہ دو قدم آگے بڑھاتا ہے۔ اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے لیکن مسافر اُسے گرنے سے پہلے اپنے بازوؤں میں تھام لیتا ہے مالک سرائے بھی آگے بڑھتا ہے)

مسافر۔ اسے میری کرسی پر لٹا دو۔ اور کوٹ کے بٹن کھول دو۔

(بٹن کھولتا ہے۔ تو سُرخ رنگ کا مفلر اس کی گردن کے گرد لپٹا ہوا نظر آتا ہے۔) یہ کیا؟ یہی آدمی تو مجھے سڑک پر ملا تھا۔

سعید۔ (چلا کر) بڈھے کسان کی تھیلی اور جمیل کا سُرخ خول۔

(مسعود دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے مسافر اپنا ہاتھ وحید کے دل پر رکھتا ہے۔ تھوڑی دیر وقفہ کے بعد مایوسی سے سب کی طرف دیکھتا ہے۔ موت کی زردی وحید کے چہرہ پر کھنڈ جاتی ہے بسعود اپنے چہرہ سے ہاتھ ہٹا کر خوف زدہ نظروں سے وحید کی لاش کی طرف دیکھتا ہے۔ کمرہ میں خاموشی چھا جاتی ہے۔)

بشیر۔ (لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھتا ہے۔ اور وحید کی طرف اُنگلی سے اشارہ کرتا ہوا کہتا ہے) وحید لعنتی چور! تو نے میری تجوری میں سے یہ تھیلی اور مفلر کیسے نکال لیا؟

(دیکا یک اپنے الفاظ کی اہمیت کو محسوس کرتا ہے اور بے حس و حرکت کھڑا ہو جاتا ہے۔ مالک سرائے، مسافر، مسعود اور سعید خوف زدہ ہو کر ایک ایک قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔)

پردہ

(انگریزی سے) سرور رعنا بی اے

احساسات

{میرے یہ قطعات شاعر یگانہ احسان بن دانش کا تقلیدی پہلو لئے ہوئے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے بزم خواتین و رجال دونوں کو مد نظر رکھا ہے اور موصوف نے صرف مجالسِ رجال کو}

ہے چمن جنت بداماں پھول کے لب پر ہنسی
چار سُو گلگشت میں مصروف ہے بادِ نسیم
جس طرح اک حسب منشا باوفا عورت کے ساتھ
روحِ شوہر روز و شب رہتی ہے جنت میں مقیم

اک جگہ بزم خواتین میں ہوا میرا گذر
انگلیاں جن کی تھیں یوں مصروفِ شغل پانداں
جس طرح نغمہ کا ماہر عُجلتِ مضراب سے
ساز کے ہر تار سے ہے کھولتا سِرِّ نہاں

ہے چمن دوزخ بداماں پھول پر پژمردگی
حکمراں ہے چار سُو افسوس یوں بادِ سموم
جس طرح اک بے وفا بدشکل بدعورت کے ساتھ
قلبِ شوہر پہ سدا آلامِ دوزخ کا ہجوم

جبیں سجدوں میں گھس کر عمر بھر تجھ سے دعا کی ہے
خدایا! ساجدہ کو یوں قرینِ مدعا کر دے
کہ جیسے روحِ مزدورِ شکستہ حال و خستہ کو
خوش و خرم ذرا سی دیر میں ٹھنڈی ہوا کر دے

ساجدہ بنت دانش منشی فاضل و آنرز ان اردو شاہجہانپور

سرودِ زندگی

(لانگ فیلو کی شہرۂ آفاق نظم کا منظوم ترجمہ)

۱
ہم نشیں! مجھ سے نہ کہہ اشعار حسرت ناک ہیں — زندگی اک خوابِ مہمل کے سوا کچھ بھی نہیں
مردہ ہے وہ روح، طاری جس پہ ہو خوابِ گراں — چشمِ ظاہر بیں حقیقت آشنا کچھ بھی نہیں

۲
زندگی اک غیر فانی اور حقیقی چیز ہے — مدفنِ ارضی کہیں ثابت نہیں اس کا مقام
خاک سے پیدا ہوا تو خاک میں مل جائے گا — روح ہے اس قول کے اطلاق سے بالا مقام

۳
منتہائے زندگی عیش و مسرت بھی نہیں — وادئ غم بھی نہیں ہے اپنی منزل یا مقام
مدعائے زندگی ہے بلکہ وہ جوشِ عمل — کل کی نسبت آج راہِ راست پر بڑھ کر ہو گام

۴
وقت گزرا جا رہا ہے کام باقی ہے بہت — گو ہمارے دل میں جوشاں ہے ابھی تک زور شور
آہ! لیکن اک مسلسل ماتمی دھڑکن کے ساتھ — روز و شب ہے دل ہمارا جادہ پیما سوئے گور

۵
عرصۂ بیکار ہستی ہے نظر کے سامنے — زندگی کی فوج اس میدان میں ہے خیمہ زن
بے زباں، بے چارہ حیواں کی طرح بے کس نہ بن — بلکہ اس جنگ گاہ میں دکھلا تو شیروں کا چلن

۶
گرچہ خوش منظر ہو مستقبل، نہ رکھ اس کی امید — فکرِ ماضی بھی نہ کر، جو ہو گیا سو ہو گیا
حال جیتا جاگتا ہے اس میں ہو گرمِ عمل — دل سا دل سینے میں ہو اور سر پہ ہو ظلِ خدا!

۷
مردمِ عظمت نشان کے واقعاتِ زندگی — ہم سے کہتے ہیں کہ یوں ہی تم بھی بن جاؤ عظیم
وقت کے صحرا میں پھر ہم دوسروں کے واسطے — چھوڑ جاتے ہیں نقوشِ پائے رہبر اے ندیم

۸
وہ نقوشِ پا جنھیں ساحل پہ قائم دیکھ کر — دوسرا انساں کوئی، کشتی شکستہ، نامراد
زیست کے بحرِ طلسماتی پہ چکراتا ہوا — تازہ جرأت پا کے پھر ہو تازہ دم اور بامراد!

۹
المدد! ہاں المدد! اے جذبۂ ذوقِ عمل — ہر مقدر کے لئے دائم رہیں تیار ہم
تنگ ہو اپنا نہ ہرگز دامنِ شوق و طلب — کام کرتے جائیں اور دیکھیں تماشائے کرم

تلوک چند محروم

آقائے دو عالم

حضورؐ کی پاک زندگی کے حالات ہم مسلمانوں کی جس قدر رہبری کر سکتے ہیں اس قدر نہ کسی کالج کی تعلیم کر سکتی ہے نہ عقل کی رہنمائی صرف حضرت سرورِ کائناتؐ کی حیاتِ طیبہ کی تقلید ہی ہماری نجات کا سبب ہو سکتی ہے۔ آقائے دو عالم حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا وصف خدا کی یاد ہے۔ شب و روز میں حضورؐ پر کوئی لمحہ ایسا نہ گذرتا تھا جب آپ کا دل اور زبان یادِ خدا سے فارغ ہو۔ آپ آٹھ نمازیں ادا کرتے تھے۔ بارہا ساری ساری رات کھڑے رہتے۔ کثرتِ عبادت سے آپ کے پائے مبارک ورم کر آتے جب مسلسل جسمانی ریاضت نے آپ کو کمزور کر دیا اور پھر بھی عبادتِ الٰہی کا جوش بڑھتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمّل میں اس عبادت کوشی کو کم کرنے کا حکم دیا۔ آپ اور ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ جس شہنشاہِ کونین کے صدقے میں ہمیں یہ ساری دنیوی لذتیں اور راحتیں ملی ہیں اس کی طرح ہم کس قدر اپنے پاک پروردگار کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ بہت سی بہنوں کو تو ایک وقت کی نماز بھی پڑھنے کی مہلت نہیں ملتی۔

جو وقت خدا کی یاد سے بچتا آنحضرتؐ مخلوقِ خدا کی خدمت میں بسر کرتے راویوں کو اتفاق ہے کہ آپ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ بکریاں دوہتے، کپڑے دھوتے اور اپنے ہاتھ سے پیوند لگا لیتے تھے۔ آپ نے کئی بار جوتا بھی گانٹھا ہے اور گھر میں جھاڑو بھی دی ہے۔ اور مسجدِ نبوی کی تعمیر کے وقت ادنیٰ مزدور کی طرح پتھر بھی ڈھوئے ہیں۔ لکھا ہے کہ حضورؐ اکثر خاموش رہتے، کبھی بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ آپ اور ہم سوچیں تو کہ ہم ہر دم کتنے بکتے جھکتے رہتے اور غیبت اور فضول گوئی میں وقت ضائع کرتے ہیں۔ آپ کا کلام اس قدر شیریں ہوتا کہ دلوں پر قبضہ کر لیتا۔ مخالفوں نے اس نعمت کا نام سحر اور جادو تجویز کیا تھا۔ کیسے ہی ادنیٰ آدمی سے مخاطب ہوتے خوش اخلاقی کو کبھی ترک نہ فرماتے، ہر شخص کو پہلے خود سلام کرتے، مصافحہ کے لئے پہلے ہاتھ بڑھاتے، کیسا ہی حقیر آدمی مدعو کرتا آپ اُس کی دعوت خوشدلی سے قبول فرماتے، جو کچھ سامنے آتا برغبت تناول فرماتے، بے لذت اور بدمزہ کھانے کی آپ نے کبھی شکایت نہیں کی، اگر آپ کو کوئی تحفہ بھیجتا تو اُسے خوشی سے قبول فرماتے حتّٰی عیسائی اور یہودی بھی اگر کچھ نذر کے طور پر بھیجتے تو اسے لے لیتے اگر کوئی پاس آ بیٹھتا نماز مختصر فرما دیتے۔

شہنشاہِ کونین جو کی روٹی کھاتے، گھر میں چھلنی نہ تھی اس واسطے پھونکوں سے بھوسی جدا کر لیتے تھے بعض اوقات مہینہ مہینہ بھر چولھے میں آگ نہ جلتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے مدنی زندگی میں برابر تین دن تک کبھی سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ بارہا صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ آپ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ حجرۂ مبارک میں حاضر ہوئے دیکھا کہ صاحبِ معراجؐ ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جسمِ مبارک پر رسیاں چبھ گئی ہیں۔ فاروقِ اعظمؓ یہ حال دیکھ کر بے اختیار رو پڑے فرمایا "عمرؓ! کیا راضی نہیں ہو کہ قیصر و کسریٰ کے لئے چند روز کی عیش پرستی ہے اور ہمیں دائمی راحت ہے" ایک دن حضرت فاطمہؓ کے گلے میں طلائی زنجیر دیکھ کر فرمایا "زیبا نہیں ہے کہ محمدؐ کی بیٹیؓ کے گلے میں آگ کا طوق ہو" اس عسرت کے باوجود یہ عام حکم تھا کہ جو مسلمان مقروض مر جائے اُس کا قرضہ میں ادا کروں گا اور ترکہ اُس کے ورثہ میں تقسیم ہو۔

زبیدہ زرّین

کشمیری عورتیں چشمہ سے پانی بھر رہی ہیں

مسز لدٹ سیلرو

دہلی ڈائیوسس کی اکیلی او واحد ممبر

انگلستان کی تین نوجوان خواتین جو وومنز آگزلری ٹیریٹوریل سروس میں کام کرتی ہیں

بچّوں کی سزا کا نفسیاتی مطالعہ

کیا بچوں کی سزا ضروری ہے ؟ اگر ضروری ہے تو کس قسم کی اور کیسی سزا ہونی چاہئے۔ بہت سے دورِ جدید کے والدین علم نفسیات سے واقف ہیں، جنہوں نے اولاد اور والدین کے تعلقات پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ بچوں کی ناشائستگی عموماً عدول حکمی اور دروغگوئی کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف والدین جو مظاہرِ عمل میں لاتے ہیں اسی کا دوسرا نام سزا ہے۔ اب سوال یہ ہو سکتا ہے کہ سزا کے معنی کیا ہیں ؟ سزا سے مراد ہے کسی قسم کی تنبیہ جو والدین کی طرف سے بچوں پر غلطی کرنے کے لئے کی جائے۔ سزا عموماً جسمانی تنبیہ کی شکل اختیار کرتی ہے۔ لیکن اکثر شریف گھرانوں میں اور مہذب طبقوں میں اس کا مطلب بچوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دینا بھی ہوتا ہے

سب سے زیادہ سخت سزا بچوں کے جذبۂ محبت کو ٹھیس لگانا ہوتا ہے۔ ان کو اکثر اس قسم کی دھمکی دی جاتی ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو اماں تم کو پیار نہیں کرے گی۔ اور بچہ فوراً خوف سے مطیع ہو جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ یہ ہوتی ہے کہ بچہ میں محبت اور تحفظ کا مادہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے

اکثر والدین یہ کہا کرتے ہیں کہ سزا سے بچوں کو سبق حاصل ہوتا ہے۔ اس سے بچوں میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جھوٹ بولنے اور ضدی بننے سے بچتے ہیں۔ لیکن یہ قدیم اور بوسیدہ خیال ہے۔ اور موجودہ دور کی دنیا اس پر متفق نہیں ہو سکتی بچوں کی سزا اکثر جرم کے لحاظ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق والدین کے اعصابی اور دماغی حالتوں سے ہوا کرتا ہے۔

اگر والدین خوش مزاج اور تندرست ہوتے ہیں تو بچے کے جرم کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اعصابی کمزوری کا شکار ہوتے ہیں سخت سے سخت سزا دیتے ہیں۔ بچہ کی طبیعت آزاد ہوتی ہے۔ لیکن زندگی کی ترقی کے ساتھ وہ اپنے جسمانی افعال اور جذبات کو مطیع کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بچہ فوراً اپنے جذبات کے اُبھار کو زیر نہیں کر سکتا۔ غور و خوض کرنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ والدین کی سزا سے بچوں کی آزاد طبیعت کو ٹھیس لگتی ہے۔ اور اُن کے جذبات بجائے زیر ہونے کے اُبھر پڑتے ہیں۔ جس کا نتیجہ شراب دو آتشہ کی طرح کارفرما ہوتا ہے۔ ایک طرف تو والدین کے غصہ کی شدت بڑھتی ہے اور دوسری جانب بچہ میں انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر والدین کا مقصد بچوں کو نصیحت آموز سبق دینا ہے تو پھر اس غائت درجہ غصہ کی کیا ضرورت ہے۔ کیا صرف سزا سے بچہ سبق حاصل کر سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ والدین کے غصہ کا جواب بچے بھی انتہا درجہ کے غصہ سے دیتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ جسمانی سزا کے باعث بچے بھی مدافعانہ افعال کے معترف ہوتے ہیں۔ غصہ کے عالم میں بچے بھی سزا کا بدلہ سزا سے لینا چاہتے اگر اس میں ناکام رہتے ہیں۔ تو وہ اپنے دل کی بھڑاس اپنے ماتحت نوکروں کو مار کر گھر کے اسباب اور کھلونے توڑ کر نکالتے ہیں

اگر والدین حسن ظن اور ضبط سے کام لیں تو بچے میں اپنے افعال پر غور کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو۔ اس طرح سزا بجائے خاطر خواہ اثر ڈالنے کے والدین اور بچوں کے درمیان کشیدگی کا خلیج حائل کر دیتی ہے۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ دوستانہ لہجہ میں نصیحت کی جائے۔ اور تیور پر بل ڈال کر بچوں کو موثر کیا جائے۔ سزا ایک ظاہری چیز ہے اس سے بچوں کی ضد اور بدحرکتی کم نہیں ہوتی۔ بچوں کو ان آلائشوں سے پاک کرنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ باطنی پہلو پر غور کیا جائے۔ اور نفسیاتی ذریعہ کو اعلیٰ کار بنایا جائے۔

بچوں کی بھی بہت سی شکایتیں والدین کے خلاف ہوا کرتی ہیں۔ وہ اکثر محسوس کرتے ہیں کہ والدین کی محبت پھیکی پڑ رہی ہے
اس لئے وہ ضد پر تل جاتے ہیں۔ تاکہ والدین ان کو منائیں اور اُن کی محبت میں زیادتی ہو۔ ایسے ایسے موقعہ پر محبت کا اظہار والدین پر
ضروری ہے۔ سزا سے بچوں کو ندامت ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے کو ذلیل اور خوار سمجھنے لگتے ہیں اور اُن کی خودداری کا مادہ مجروح
ہو جاتا ہے۔ اس لئے سزا دینا صرف اُس آدمی کے لئے موزوں ہے جو اپنے غصہ پر ضبط اور قابو رکھتا ہو۔
سزا کی اہمیت کچھ بھی نہیں۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ والدین کا برتاؤ بچوں کے ساتھ کیسا ہے۔ آیا یہ ہمیشہ یکساں رہتا
ہے۔ یا اس میں استقلال و استواری کی کمی ہے۔ نفسیاتی علم کے ماہر کہتے ہیں کہ والدین کا بچوں کو یہ دھمکی دینا کہ ہم تم کو
صرف اُس وقت تک پیار کریں گے، جب تک تم اچھے اور نیک رہو گے۔ یہ خلاف اصول ہے۔ بچہ یہ محسوس کرتا ہے کہ خواہ
اچھا ہو یا برا اُس کے والدین کی محبت میں کمی نہ ہونی چاہئے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ والدین کے غصہ کی آگ جب بھڑک اُٹھتی ہے
تو بچہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہوا والدین کی گود میں آ بیٹھتا ہے۔ اور پوچھتا ہے "کیا آپ مجھے پیار کرتے ہیں؟" ایسے موقع پر
سوال کا جواب اثبات میں ہونا چاہیے۔ نہ کہ نفی میں۔ کیونکہ اس طرح بچوں کا غصہ فرو ہو جاتا ہے۔ اور والدین کی نصیحت اُن
پر اثر ڈالتی ہے۔

بچوں کی بری حرکتوں کے ذمہ دار کافی حد تک والدین بھی کہے جا سکتے ہیں۔ بچوں کی طبیعت فطرت متجسس
ہوتی ہے۔ نقل کرنے کا مادہ اُن میں کافی حد تک پایا جاتا ہے۔ اور وہ دوسروں کو جیسا کرتے دیکھتے ہیں، خود بھی عملی
طور پر اُس کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر والدین ضدی اور چڑچڑے مزاج کے ہوں گے تو بچہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ "نصیحت سے
بہتر مثال ہے"۔ والدین کو چاہئے کہ بغیر سزا کے خود اپنے افعال سے بچوں کو سزا دیں۔ اکثر اگر کوئی ملاقاتی آ پہنچتا ہے اور والدین
ملنے سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں، تو بچہ کے ذریعہ کہلا دیتے ہیں کہ والدین مکان پر نہیں ہیں تو کیا والدین کی ایسی ناشائستہ
حرکتوں سے بچے میں بھی جھوٹ بولنے کا مادہ پیدا نہ ہوگا۔

شہربانو۔

صفحہ ۵۲ کا باقی مضمون

اب وہ قدموں کو تیز کر دیتا ہے۔ سامنے چُپ سادھے ندی بہتی دکھلائی دیتی ہے وہ ایک آواز سنتا ہے:

"خوش ہو جاؤ"

کوئی آدمی ہوتا تو چاپ سُنائی دیتی اور بھوت پلید دن میں نہیں نکلتے ——— کانوں کو دھوکا ہوا ہے!
ندی اپنے لمبے لمبے سفر پر بڑی شانتی سے بہتی چلی جا رہی ہے! ندی کو اتنا شانت دیکھ کر اسے اپنے اوپر شرم آئی

آواز پھر بولی:-

"خوش ہو جا!"

ہاں ندی میں شانتی ہے ——— موت کی شانتی، بھول جانے کی، یا شاید جیون کی شانتی!
اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا: جیون جیل خانہ ہے ——— پیٹ کا جیل خانہ!
کنارے پر پہنچ کر وہ پانی پینے کو جُھکتا ہے۔ طاقت ختم ہو چکی تھی۔ جھکتے ہی پانی میں گر گیا۔ پیٹ میں بہت سا پانی بھر گیا
ہاتھ پاؤں بھی نہ مار سکا! اس کی بھوک پیاس سب مٹ گئی!

آل۔ احمد

آزادی

لوہے کا بھاری پھاٹک بند تھا اس میں ایک بھاری تالا پڑا تھا۔ ہتھیار بند سپاہی اُس کا پہرہ دے رہے تھے!
اندر سے ایک قیدی لایا گیا۔ دفتری خانہ پری ہوئی۔ اُسے کپڑے دیئے گئے۔ اُس نے کپڑے بدلے۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ بھاری تالے میں موٹی چابی گھمائی گئی۔ کوئی آواز پیدا نہ ہوئی! موٹی چٹخنی سرکائی گئی۔ کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی! پہرے دار نے مسکراتے ہوئے موٹی سلاخوں والا چھوٹا دروازہ کھولا۔ کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی!
عمر قید کا قیدی باہر نکلا۔ اپنے پیچھے سینکڑوں کو جنگلے کے پیچھے بند چھوڑ کر نکلا۔ کھلی ہوا میں۔ آزاد فضا میں، سانس لینے کے بڑے ارمانوں کو سینے میں لئے ہوئے نکلا!

جیل میں گھستے وقت وہ جوان تھا جیل سے نکلتے وقت بوڑھا!

ایک سرکاری افسر کے قتل میں اصلی قاتلوں کا پتا نہ چلا پولس نے اس غریب کا چالان کر دیا۔ واردات کے وقت یہ غریب ادھر سے گزر رہا تھا۔ ڈاکو کا پیچھا ہوا اور وہ نکل گئے تو یہی ایک اجنبی تھا۔ پولس کی طرف سے کہا گیا کہ یہ ڈاکوؤں کے گروہ میں تھا۔ صاحب کے بیرے نے اسے بھی بھاگتے ہوئے پکڑا تھا۔

بھاری پھاٹک سے باہر قدم رکھتے ہی اس کے ارمانوں پر اوس سی پڑ گئی۔ جس آزادی کے لئے اس کی آتما اور آپا بے کل تھی وہ آزادی تو پالے کی ٹھر نکلی! قید سے بری معلوم ہو رہی ہے! کہاں جائے؟ بڑھیا ماں تو جب ہی مر گئی جب وہ پکڑا گیا تھا۔ متر اور پریمی؟ بھوکوں کو ان باتوں کی فرصت کہاں؟

وہ چلا جا رہا تھا۔ کہاں جا رہا تھا۔ اُسے کچھ خبر نہ تھی۔ کیوں چلا جا رہا تھا۔ وہ کچھ نہ جانتا تھا۔ وہ تو بس چلا جا رہا تھا کہیں ٹھیر جائے! کیوں؟ اُسے چلتے چلتے کتنی دیر ہوئی۔ وہ اس سے بھی بے خبر تھا۔

جب اس نے جیل میں قدم رکھا تھا۔ اس وقت سے وہ آدمی کی جگہ بس ایک نمبر بن کر رہ گیا تھا۔ مگر آج وہ پھر ایک آدمی تھا!

اُسے بھوک لگ آئی۔ مگر وہ تو شہر سے باہر نکل آیا تھا۔ شہر میں محنت مزدوری ڈھونڈھتا! پر وہ مزدوری کیوں کرے؟ روپے پیسے والے۔ جائداد زمین والے۔ دھرم مذہب والے۔ کیا کام کرتے ہیں؟ جب یہ لاکھوں کروڑوں آدمی محنت مزدوری نہیں کرتے اور عیش کرتے ہیں تو وہ کیوں محنت کرے! جب سیٹھ ساہوکار گدیوں پر بیٹھے ہوئے بیٹوں پر ہاتھ پھیر کر دنیا کے غریبوں کو لوٹتے رہتے ہیں تو وہ ان لٹیروں کو کیوں نہ لوٹے؟ دغا بازی اگر ان کے لئے برا کام نہیں تو چوری اس کے لئے برا کام کیوں ہو؟

وہ سوچتا چلا جا رہا تھا۔ شہر کے باہر کی سیدھی سڑک اس کے سامنے تھی۔ سڑک اس وقت بالکل سونی تھی۔ ایسی سونی گویا اس دنیا سے باہر کی۔ کسی دوسری دنیا کی سڑک تھی! دونوں طرف کھیت کٹ چکے اور کھنڈیاں اُٹھ چکے تھے۔ جدھر نظر اُٹھتی زمین ننگی اور خشک پڑی تھی۔ سناٹا ڈراؤنا تھا۔ ایک جاندار چیز بن گیا تھا۔ وہ چیز جو ہر جگہ پاس اور دور، اوپر اور نیچے، سب طرف تھی! وہ اس چیز کو اس طرح محسوس کر رہا تھا جیسے آسمان اور زمین محسوس ہوتے تھے!

وہ اکیلا تھا۔ ہر چیز سے الگ اور دور! مگر یہ ایک چیز اس سے قریب تھی۔ یہ اس کی سمجھ سے باہر۔ ڈراؤنی مگر حقیقی چیز!

یہ اجڑا رستہ۔ یہ وحشت کا سناٹا تو جیل سے بھی بُرا ہے! جیل کے اندر اصلی اور حقیقی چیزیں تھیں۔ کوٹھری کا اندھیرا اور لوہے کے جنگلے حقیقی تھے! جیل کے سپاہیوں کی کڑوی آوازیں اصلی تھیں! برے اور بدمعاش ساتھی حقیقی تھے!

جیل کے اندر وہ رہ کر ہمیشہ باہر کی کھلی ہوا کو ایک نعمت سمجھتا رہا۔ لیکن وہ آزاد فضا تو اُسے ڈرا رہی ہے! وہ چلا جا رہا ہے مگر کہیں پہنچتا نہیں! وہ جیل بھی رہا ہے یا نہیں؟ چل تو رہا ہے مگر شاید ایک ہی ٹھکانے پر گھوم رہا ہے! ٹھیک یہی بات ہے۔ اگر آگے چلنا ہوتا تو آسمان زمین، اور درخت، یہ سب چیزیں ہر وقت دور ہی کیوں رہتیں؟ یہ چیزیں شاید اُس سے مخول کر رہی ہیں!

اس کی بھوک کو کیا ہوا؟ کتنے زور کی بھوک تھی کہ کلیجا کھر جا جا رہا تھا۔ پر اب۔ اب تو بھوک ہی نہیں! اس نے کب سے کچھ نہیں کھایا ہے؟ یہ بھی یاد نہیں۔ پر کچھ نہ کھانے سے بدن کیسا ہلکا ہے! ہاتھ پاؤں کس پھرتی سے چلتے ہیں۔ کوئی بڑا گاؤں پڑے تو رات میں وہاں کے مہاجن کی خبر لی جائے!

سامنے ندی کا پل دکھائی دے رہا ہے۔ اس وقت اس کے احساسات بہت تیز ہوگئے۔ وہ اپنی نظر کو بہت صاف اور کانوں کو بہت نازک محسوس کر رہا تھا! اُسے اس سناٹے میں آواز سی سنائی دے رہی تھی۔ ایک بشارت، ایک خوش خبری کی آواز! یہ کیا آواز ہے؟ سناٹا اور آواز! اُس نے اس آواز کو سمجھ لیا! اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ جیل کے چنے چبائے کتنی دیر ہوگئی! ہونہہ۔ بات بھی کیا ہے جو دانہ نہ ملے! بنا کھائے جی کتنا ہرا ہے۔ اور روٹی پانا کتنا کٹھن! سب ہی تو روٹی کے پیچھے دوڑتے ہیں! سب ہی تو دانے کے لئے مارے پھرتے ہیں! کہا کرو کہ لوگ چاندی سونے، عہدوں اور راج کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ اصل تو وہ روٹی کے پیچھے دوڑتے ہیں!

روٹی! روٹی! روٹی!

جیون کٹھری کا یہی ایک انترہ ہے! آدمی کو روٹی کھانا ہے تو غلامی کرے؟ پیٹ بھرنا ہے چوری کرے۔ بھیک مانگے! لگی کھانا ہے تو آپے کو بیچے! دانہ چاہنا ہے تو ذلت اٹھائے! جان بچانا ہے تو جان کو بیچے!

(باقی دیکھو صفحہ ۵۰ پر)

بھکارن کی دُنیا

دور اہلِ زر کے ہر کاشانۂ عشرت سے دُور
اک بھکارن راہ میں بیٹھی تھی بارِ غم سے چُور

جس کے غم آلودہ چہرے سے عیاں تھی مفلسی
کچھ نہ کہنے پر بھی گرمِ داستاں تھی مفلسی

مفلسی وہ جس کو کہئے دشمنِ عزّ و وقار
جس کے سایہ سے لرزتا ہے شکوہِ تاجدار

مفلسی وہ جو مکمل نقش ہے ادبار کا
ظلمتیں جس کی مٹائیں طنطنہ انوار کا

مفلسی وہ جو بُھلا دیتی ہے حقِ ناموس کا
جس کے ہاتھوں چاک ہوتا ہے ورق ناموس کا

مفلسی وہ جو غمِ بے مایگی کا راگ ہے
فقر کی دوزخ، فلاکت کی دہکتی آگ ہے

مفلسی وہ جو مٹا دیتی ہے شانِ زندگی
آدمیت کو ترستا ہے جہانِ زندگی

وہ بھکارن ورطۂ افلاس کی ماری ہوئی
رنج میں ڈوبی، ہجومِ یاس کی ماری ہوئی

گود میں اپنی لئے بیٹھی تھی اک ننھا سا لال
مفلسی کا اور اُس ننھی سی ہستی پر وبال

دوپہر وہ موسمِ گرما کی آتش ریز دھوپ
ہر طرف لُو کے تھپیڑے، ہر طرف تھی تیز دھوپ

وہ ہوائے شعلہ ساماں ہر طرف چلتی ہوئی
گرم سورج کی شعاعوں سے سڑک جلتی ہوئی

خاک کے تپتے ہوئے ذرّوں پہ ہوتا تھا گماں
خاک کے دامن میں تھا اک آگ کا دریا رواں

جوشِ آزادی سے وہ بڑھتے ہوئے گرد و غبار
سوئے گردوں دمبدم چڑھتے ہوئے گرد و غبار

جس کے تیور دیکھ کر آئے ہوئے اوسان جائیں
گرم رو آندھی کی وہ لحظہ بہ لحظہ سائیں سائیں

الغرض قہرِ مجسم تھا وہ گرما کا شباب
التہابِ محض کیا بلکہ جہانِ التہاب

چھتریوں کے سائے میں کچھ آ رہے تھے راہرو
چھتریوں کے سائے میں کچھ جا رہے تھے راہرو

اور وہ بے کس زمانے کے مصائب کی شکار
اک ردا رکھتی تھی سر پہ جا بجا سے تار تار

بختِ برگشتہ سے راحت آفریں سایہ نہ تھا
آرزو سایہ کی تھی لیکن کہیں سایہ نہ تھا

وہ بھکارن کہہ رہی تھی اے الٰہ العالمیں
اے کہ تیرے قبضۂ قدرت میں ہے روئے زمیں

ہے جہاں تیرا جہنم ہم غریبوں کے لئے
کوئی راحت ہی نہیں ہے بدنصیبوں کے لئے

دھوپ سے اس ننھی منی جان کو کیونکر بچاؤں؟
جاؤں اے دنیا کے مالک ہاں بتا کس سمت جاؤں

اس تپش سے امن پائے گا مرا دلبند کیا
مختصر سی اک جگہ دیدینگے دولت مند کیا

ان کو میری خستہ حالی پر ترس آئے گا کیا
کوئی ان اہلِ دول سے رحم فرمائے گا کیا

میرے بے کس لال پہ ہوگی عنایت کی نظر؟
کیا اسے انسان سمجھینگے خداوندانِ زر

مفلسوں پہ یہ خداوندانِ زر روتے ہیں کیا
عیش کوشانِ ارم دردآشنا ہوتے ہیں کیا

اور اگر اب نہیں دستور اے بارِ الٰہ
کیا غریبوں کے لئے یہ زندگانی ہے گناہ؟

کیا امیروں پر ہی تیرے لطف کے انبار ہیں ۔۔۔ کیا یہی خسخانۂ و برف آب کے حقدار ہیں
کیا امیروں کے لئے ہی جگمگاتے قصر ہیں ۔۔۔ اہلِ زر ہی کیا فقط راحت کشانِ عصر ہیں
بادکش کی ہیں انھیں کے واسطے ٹھنڈی ہوائیں ۔۔۔ کہ یہ جب چاہیں جہنم کو بھی جنت کر دکھائیں
عیش کے شایاں امیروں ہی کے ہیں نورِ نظر ۔۔۔ اور طوفانِ فلاکت کو مرا لختِ جگر
ختم کر یا رب یہ اندازِ زمانہ ختم کر ۔۔۔ دہر سے سرمایہ داری کا فسانہ ختم کر
تا کجا عہدِ فلاکت بدنصیبوں کے لئے
یہ جہاں جنت بنا دے ہم غریبوں کے لئے

نہالؔ سیوہاروی

نادار فنڈ

جنوری ۱۹۴۰ء سے جو روپیہ دفتر عصمت میں بمد کارِ خیر وصول ہوا اور حسبِ اعلان نادار فنڈ میں جمع کیا گیا اُس کی تفصیل یہ ہے۔
بیگم صاحبہ ولیعہد صاحب بہادر پالن پور اسٹیٹ ۔ للعہ ۔ سی ۔ ایم ۔ اکبر صاحب لاہور صہ ، صہ ، عہ ۔ مس آسیہ خاتون صاحبہ سانبھر راج عہ
مس شریف الحسن صاحب اسرائیلی سنبھل عہ ۔ اسحاق موسیٰ صاحب کلکتہ عہ

میزان کل صہ

مطابق عصمت جنوری ۱۹۴۰ء نادار فنڈ میں جو روپیہ جمع تھا ۔ مامعہ

کل میزان نادار فنڈ کی مااللہ

عصمت جنوری ۱۹۴۰ء سے جن نادار یتیم یا کم استطاعت غریبوں بہنوں یا بھائیوں کے نام ایک ایک روپیہ وصول ہونے پر باقی تین تین روپے نادار فنڈ سے پورا کر کے رسالہ سال بھر کے لئے جاری کیا گیا ان کے خریداری نمبر یہ ہیں۔
۹۹۱۳، ۹۹۰۴، ۳۳۵۱، ۱۰۱۹۲، ۹۹۹۰، نادار فنڈ سے لئے گئے۔ عہ

جن کے نام دو دو روپیہ وصول ہونے پر باقی دو دو روپیہ نادار فنڈ سے لے کر رسالہ جاری کیا گیا ان کے خریداری نمبر یہ ہیں۔ ۴۹۱۵ - ۴۸۹۹ - ۷۴۵۰ - نادار فنڈ سے لئے۔ ے

جن کے تین تین روپے وصول ہوئے باقی ایک ایک روپیہ نادار فنڈ سے لے کر رسالہ جاری کیا گیا ہے ان کے خریداری نمبر یہ ہیں۔ ۹۸۳۵ - ۹۹۰۲ - ۱۰ - ۷۱۳۰ - ۴۸۹۶ - ۹۹۴۱ - ۹۹۹۰ - ۱۰۰۳ - ۸۹۸۳ - ۱۰۰۷۴ - ۸۹۴۵ - نادار فنڈ سے لئے لعہ

متفرق نمبر ۷۲۹۳ کو عہ ، ۹۸۸۷ کو عہ ، ۹۷۱۹ کو عہ ، ۳۴۴۳ کو ۸ ، ۶۳۸۹ کو ۸ ، ۱۰۱۰۳ کو عہ ، ۱۰۱۵۵ کو عہ ۔
میزان متفرق = لعہ

جو روپیہ نادار فنڈ سے لیا گیا ۔		تین تین روپے والوں کی میزان =	عہ
دو دو روپے والوں کی میزان =	ے	ایک ایک روپے والوں کی میزان =	لعہ
متفرق	لعہ	کل میزان جو نادار فنڈ سے روپیہ لیا =	للعہ
نادار فنڈ میں جو روپیہ جمع تھا =	مااللہ	باقی رقم جو نادار فنڈ میں جمع ہے =	مامعہ

منیجر

یورپ کی جنگ

آج یورپ میں جنگ کی جو آگ لگی ہے اسے کون نہیں جانتا۔ حالات لحظہ بہ لحظہ پہلو بدل رہے ہیں۔ جنگ دن بدن زور پکڑتی جاتی ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا حشر کیا ہوگا۔ ایک طرف اتحادی زور لگا رہے ہیں۔ دوسری جرمنی نے اپنا سارا داؤں پیچ اپنے حملوں میں صرف کر دیا ہے اور اپنی چالوں اور نئے نئے بہانوں سے یورپ کے چھوٹے کم طاقت ملکوں کو ختم کر دیا ہے۔ دنیا ایک عرصے سے اس وقت کی منتظر تھی اور آج جو کچھ دیکھ اور سُن رہے ہیں اس کے لئے بہت پہلے سے تیار تھے۔ کیونکہ جو صورت حالات پیدا ہو رہے تھے ان کا لازمی نتیجہ یہی جنگ تھا جنگ عظیم کے بعد جب یورپ کی سب سلطنتوں میں صلح نامہ پیش ہوئے تھے ان میں منجملہ اور دیگر شرائط صلح کے لیگ آف نیشنز (انجمن بین الاقوامی) کی تقرری بھی عمل میں آئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر اس کا کوئی ممبر کسی دوسرے ممبر پر حملہ کرے گا تو باقی سب مل کر مظلوم کی مدد کرینگے مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا سلطنتوں کا یہ عہد ایک دن بھی پورا نہ ہوا اور کسی نے بھی کسی کی مدد نہیں کی سب سے پہلے اٹلی میدانِ جنگ میں آیا اور یونان پر حملہ کیا۔ کارنیو پر اس کی گولہ باری ہوئی مگر کوئی کچھ نہ بولا۔ اس کے بعد جاپان نے چین پر حملہ کر کے منچوریا پر قبضہ کر لیا اور منچوکو کی ایک نئی سلطنت قائم کر لی اس پر بھی سب طرف خاموشی رہی اور انجمن بین الاقوامی اپنی نام نہاد تقرری پر کف افسوس ملتی رہی پھر اٹلی نے حبش پر حملہ کیا اس وقت انجمن میں کھلبلی مچی اور اٹلی سے تجارت بند کرنے کی تجویزیں ہونے لگیں مگر عملاً کچھ نہ ہوا۔ اور اٹلی نے حبش پر قبضہ کر لیا اور انجمن نے اپنے ممبروں کو اختیار دیدیا کہ وہ اٹلی سے صلح کر سکتے ہیں۔ یہ گویا انجمن کی موت تھی۔ ان واقعات کے بعد اس کا وجود اور عدم برابر تھا۔ اس کے بعد جرمنی کی باری آئی اس نے رہائن میں اپنی فوجیں بھیج دیں۔ جاپان نے پھر چین پر حملہ کیا جو اب تک جاری ہے اٹلی نے البانیہ پر قبضہ کیا۔ پولینڈ نے چیکوسلوکیا کا ایک حصہ ہضم کر لیا ہنگری نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا اور روتھینیا پر قابض ہو بیٹھا۔ الغرض بہ الفاظ دیگر یورپ میں فوجی ڈاکے پڑنے لگے جس کا لازمی نتیجہ جرمنی کا ابھرنا تھا۔ اس نے اتنے ہاتھ پیر نکالے کہ دنیا کے چھکے ہی چھڑا دیئے۔ سب سے پہلے ۳۸ء میں اس نے کہا کہ اسٹریا کی حکومت رعایا کی مرضی کے خلاف ہے کیونکہ وہاں جرمن آبادی ہے رعایا اپنی خلاف مرضی اس حکومت کو برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ اس نے وہاں کے وزیر اعظم ڈاکٹر شُشنگ کو استعفٰی دینے پر مجبور کیا اور ہٹلر کے چیلے زائیس انکارٹ نے ایک نئی حکومت کی بنا ڈالی اور جرمنی سے فوجی مدد طلب کی جرمنی نے آکر اس پر قبضہ کر لیا۔ جس رات جرمنی سے آسٹریا فوجیں پہنچیں ڈاکٹر فان ربن ٹراپ سفیر جرمن نے برطانیہ سے کہا کہ ہم آسٹریا میں کوئی دخل دینا نہیں چاہتے جس وقت وہ یہ کہہ رہے تھے جرمن فوج آسٹریا پر اپنا قبضہ جما رہی تھی ——— اس کے بعد ستمبر ۱۹۳۸ء میں ہر ہٹلر نے کہا کہ علاقہ سوڈٹن لینڈ جو کہ ریاست چیکوسلوکیا میں شامل تھا وہاں جو جرمنوں پر ظلم ہو رہا ہے اس کو جرمن برداشت نہیں کر سکتے۔ اس وقت میونخ کی صلح ہوئی جس کی رو سے سوڈٹن لینڈ جرمنی کے حوالہ کر دیا گیا۔ جرمنی نے باقی ماندہ چیکوسلوکیا کی سرحدوں کو قائم رہنے دینے کے عہد و پیمان کئے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم نے کہا کہ صلح باعزت ہے اور اب ہماری زندگی میں لڑائی نہ ہوگی۔ اس صلح کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ روس انگلستان و فرانس سے علیحدہ ہو گیا۔ جرمنی اپنے دعوں پر کب قائم رہنے والا تھا۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں اس نے چیکوسلوکیا پر قبضہ کر لیا اور میمل کا علاقہ لتھیا سے لے لیا۔ اس کے بعد ہٹلر نے کہا کہ اب یورپ کی ایک انچ زمین بھی میں نہیں لوں گا صرف ڈینزگ کا قصہ باقی ہے لیکن وہ صلح و آشتی سے طے ہو سکتا ہے۔ اگست ۱۹۳۹ء میں ڈینزگ کے قصہ نے خطرناک صورت اختیار کی۔ مارچ میں انگریزوں اور فرانس نے پولینڈ سے مدد کا

وعدہ کیا اور روس سے صلح کرنے کی کوشش کی مگر پولینڈ نے روس کی فوجی مدد حاصل کرنے سے انکار کردیا چھ مہینے تک یہ باتیں ہوتی رہیں مگر بے اثر ثابت ہوئیں ادھر روس و جرمنی میں دوستانہ صلح نامہ پر دستخط ہو گئے جس سے صورت حال بالکل بدل گئی آخر میں پولینڈ روس کی فوجی مدد پر آمادہ بھی ہوا مگر روس جرمنی سے صلح کرچکا تھا۔ اس نے صلح نامہ کی رو سے پولینڈ کو مدد پہنچانے سے انکار کردیا۔ اب جنگ یقینی تھی۔ پہلی ستمبر کو جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا۔ ۳ ستمبر کو انگلستان اور فرانس نے جرمنی سے اعلان جنگ کردیا۔ جنگ کی آگ بھڑک اٹھی جس کے شرربار شعلے آج لاکھوں بے گناہوں کو جلا کر خاکستر کر رہے ہیں جرمنی نے پولینڈ پر ۱۸ دن میں قبضہ کرلیا۔ نصف حصہ پر روس نے قبضہ جمایا۔ جرمنی اور روس کے صلح نامہ نے گل کھلائے اور آدھے پولینڈ پر قبضہ کرنے کے بعد روس نے لتھوانیا لٹویا اور اسٹونیا سے یکے بعد دیگرے دھمکی دے کر باہمی میل جول کی صلح کی اور اب جون میں خبر آئی کہ بالٹک کی تینوں ریاستوں پر قبضہ کرلیا۔ موقع دیکھ کر روس فن لینڈ کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے بھی ایسے مطالبات کئے جن کا قبول کرنا فن لینڈ کی موت تھی آخر ایک سرحدی واقعہ کی بنا پر اس نے فن لینڈ پر حملہ کردیا۔ فن لینڈ بڑی بہادری سے لڑا مگر روس کے مقابلہ پر ٹھیرنا ممکن نہ تھا۔ آخر بہت سخت شرائط پر صلح کرنا پڑی۔ یہ علاقے صدیوں سے جرمنی کے زیر اثر تھے اور یہاں ہزاروں جرمن آباد تھے مگر اب روسی جرمن معاہدہ کے بعد یہ سب جرمن ان جگہوں سے بلا کر پولینڈ کے مفتوح شدہ علاقہ میں آباد کئے جا رہے ہیں۔ ناروے اور سویڈن نے اتحادی فوجوں کو اپنی حدود سے آنے جانے کی اجازت نہیں دی۔ انھوں نے فنلنڈ کو مشورہ دیا کہ وہ روس سے صلح کرلے فنلینڈ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا۔ ناروے اور سویڈن کو یہ خطرہ تھا کہ اگر انھوں نے اتحادی فوج کو ادھر سے نکلنے کی اجازت دی تو جرمنی ان پر حملہ کردے گا۔ اور ان کا ملک جرمنی اور اتحادیوں کا میدانِ جنگ بن جائے گا۔ ۷ اپریل کو انگریزوں نے ناروے کے سمندر میں بارودی سرنگیں بچھادیں تاکہ اس راستہ سے جرمنی کے جہاز نہ جانے پائیں اور ۹ اپریل کو جرمنی نے ناروے کے بڑی بڑی بندرگاہوں پر اپنی فوجیں اتار دیں اور قبضہ جما بیٹھا تاکہ جرمنی کی فوجوں کو جو جنگ کے لئے ناروے میں داخل ہوں بہ آسانی مدد پہنچائی جا سکے۔ ڈنمارک بھی اسی جال کا شکار ہوا۔ جرمنی کے سامنے اس کی کچھ حقیقت نہ تھی بغیر لڑے بھڑے اس نے جرمنی کی اطاعت قبول کرلی۔ ۱۰ مئی کو جرمنی نے ہالینڈ بلجیم اور لگزمبرگ پر حملہ کردیا جس کی وجہ یہ تراشی کہ یہ ملک جرمنی کے خلاف اتحادیوں سے سازباز کر رہے تھے جرمنی کا یہ حملہ بہت سخت تھا۔ ایک دن میں لگزمبرگ ختم ہوگیا۔ پانچ دن میں ہالینڈ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ہالینڈ سطح سمندر سے نیچے ہے اس نے اپنے بچاؤ کے لئے چاروں طرف پانی چھوڑ دیا تھا تاکہ حملہ نہ ہو سکے۔ جرمنی نے یہ ترکیب کی کہ ہوائی جہازوں سے چھتریوں کے ذریعہ فوج اُتاری۔ ملکہ ہالینڈ انگلستان چلی گئیں اور جرمنی کا ہالینڈ پر قبضہ ہوگیا۔ اور دس دن میں تین چوتھائی بلجیم پر قبضہ کرکے جرمن فوجیں فرانس کے شہر لافیرے تک پہنچ گئیں۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے کئی لاکھ فوج اور کثیر سامان جنگ سے بلجیم کی مدد کی مگر شاہ لیوپلڈ نے اتحادیوں سے پوچھا نہ گچھا جرمنی کی اطاعت قبول کرلی۔ اب فرانس میں بڑی زبردست تاریخی جنگ ہوئی۔ پہلے فرانس کے شمالی ساحلی علاقہ پر جرمنی نے قبضہ کیا۔ پھر دارالحکومت پیرس میں جرمنی فوجیں داخل ہوئیں فرانسیسی حکومت نے اعلان کردیا تھا کہ خاص پیرس میں دشمن کا مقابلہ نہیں کیا جائیگا تاکہ یہ خوبصورت شہر مسمار نہ ہو۔ اور لاکھوں جانیں ضائع نہ ہوں۔ جرمنی فوجوں نے فرانس کی آہنی دیوار میجنو لائن توڑ دی اور برابر آگے بڑھی چلی جا رہی ہیں دو تہائی فرانس پر قبضہ کرچکی ہیں فرانس کی لڑائی ختم کے قریب ہے مگر برطانیہ جنگ جاری رکھے گا اور دشمن کے مقابلہ کے لئے اچھی طرح تیار ہے۔ اٹلی بھی میدان جنگ میں اتحادیوں کے خلاف کود پڑا ہے بحیرۂ روم میں انگریزوں کی پوزیشن کافی مضبوط ہے اور انگریزی فضائی حملوں سے اُسے سخت نقصان ہو رہا ہے۔

بہن کی جیت

یٰٓاَیُّھَاالْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (اے لباس نبوت اوڑھنے والے اُٹھ اور لوگوں کو ڈرا!) قُمْ فَاَنْذِرْ کا ذاتِ باری سے ارشاد ہونا تھا کہ مُدَّثِّرْ حکم ربانی کی متابعت کرتا ہوا "غارِ حِرا" سے نکلا۔ اور "فاران" کی چوٹی سے پیغام حق دنیا تک پہنچانے کا تہیہ کرلیا۔ سب سے پہلے خدیجہ الکبریٰؓ بشیر و نذیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہیں۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ زید بن حارثؓ۔ اور حضرت علیؓ دین حنیفہ قبول کرتے ہیں۔ ان کے اسلام لانے کی خبر کے شہرت پذیر ہونے پر عثمان بن عفان۔ سعد بن وقاص۔ طلحہ۔ بلال۔ عمارہ۔ ارقم۔ عبدالرحمٰن بن عوف و خبابؓ رضی اللہ عنہم اجمعین یکے بعد دیگرے کلمہ توحید پڑھتے ہیں اور اسلام کی روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔

بعثت کا چوتھا سال شروع ہوتا ہے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد قریش مکہ کو چکنا چور کردیتی ہے۔ اور وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی رفتار کو اپنے آبائی مذہب کے لئے خطرۂ عظیم متصور کرتے ہوئے اسلام کی بیخ کنی اور بانیٔ اسلام کی ایذا رسانی کے درپے ہوجاتے ہیں۔ ابی لہب۔ ابوجہل۔ اور ابوسفیان پیش در پیش ہیں تینوں بانیٔ اسلام کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ انہیں "ساحر و مجنون" قرار دیتے ہیں۔ اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کمربستہ ہوکر مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف دینی شروع کردیتے ہیں۔ لیکن جب اس طرح بھی کچھ کامیابی نہیں ہوتی تو منظم سازش کی بنیاد ڈالی جاتی ہے اور خانہ کعبہ میں "مجلس مشاورت" منعقد ہوتی ہے۔

(۲) خانہ کعبہ میں مجلس مشاورت

ابوجہل کی زیر صدارت خانہ کعبہ میں اہل مکہ کی مجلس مشاورت ہوتی ہے اور ابوجہل ایک پرجوش تقریر کرکے اہل مکہ کو محمد صلعم کے خلاف ابھارتا ہے۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوتی کہ حضرت حمزہؓ جلسہ گاہ میں پہنچتے ہیں۔ اور اپنے بھائی ابوجہل کو مخاطب کرکے کہتے ہیں "عمر (ابوجہل کا اصل نام) میں ابھی ابھی شکار سے واپس آیا ہوں شکاری لباس و اسلحہ تک میرے جسم پر ہے۔ کہ میں نے اپنی لونڈی سے سُنا۔ کہ تم نے میرے یتیم بھتیجے محمد (صلعم) کے ساتھ سخت نازیبا سلوک کیا ہے اور اب اس کے خلاف جلسہ کرنے کے لئے خانہ کعبہ میں جمع ہوئے ہو۔ محمدؐ جیسا میرا بھتیجا ہے ویسا ہی تمہارا ... کیا وہ ہمارے مرحوم بھائی کا بیٹا نہیں کیا میرا اور تمہارا فرض نہیں کہ اُس کی امداد کریں یا اگر امداد نہیں کرسکتے تو کم از کم اسے اسکے حال پر چھوڑ دیں۔ سنو اگر تم اُس کی مخالفت پر تیار رہو تو میں اکی موافقت پر آمادہ ہوں کس کی طاقت ہے کہ میرے یسیر و یتیم بھتیجے کو ترچھی نظر سے دیکھے میں اس بھری مجلس میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور ابھی جاکر محمدؐ کے مذہب پر ایمان لاتا ہوں ۔۔۔۔"

یہ کہکر حضرت حمزہؓ مجلس کفار سے چلے جاتے ہیں مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ حاضرین جلسہ آپس میں سرگوشیاں کرنے

لگتے ہیں۔ کہ یہ حمزہؓ اور ابوجہل کا جھگڑا ہے ایک بھتیجے کا دوست دوسرا جانی دشمن ہم کو ابوجہل کی موافقت اور حمزہؓ کی مخالفت سے کیا کام۔ کل آل ہاشمی ایک ہو جائیں گے۔ ہمیں تو اس جھگڑے سے علیحدہ ہی رہنا چاہئے۔ ابوجہل جلسہ کا یہ رنگ دیکھ کر کھڑا ہوتا ہے اور پھر تقریر شروع کرتا ہے۔ کہ اے قریش دلیرو اہل مکہ تمہاری حمیت و غیرت کو کیا ہوا؟ کیا تم یہ گوارا کر سکتے ہو کہ کوئی شخص خواہ وہ ابوجہل یا اس کا بھتیجا ہی کیوں نہ ہو۔ آبائی مذہب سے نہ صرف بغاوت ہی کرے بلکہ اُسے بُرا سمجھے اور وہ بُت جو ہمارے بزرگوں نے بنا رکھے ہیں۔ ان کی بے حرمتی کرے۔ اے قریش و اہل مکہ! جب میں چچا ہو کر اپنے بھتیجے محمد (صلعم) کے نئے مذہب کو ایک مصیبت کبریٰ اور خطرہ عظیم متصور کرتا ہوں۔ تو پھر تم کیوں نہیں میرا ساتھ دیتے۔ اگر تم نے آج اس فتنہ کا سدباب نہ کیا۔ تو یاد رکھنا! کہ اہل مکہ اپنے آبائی دین سے منحرف ہو جائیں گے۔ آؤ! میرے ساتھ ہو جاؤ اور اس ساحر سے بچو۔"

جلسہ برخاست ہوتا ہے۔ کفار مکہ لات۔ منات۔ عزیٰ اور نائلہ کی قسم کھا کر عہد کرتے ہیں کہ ہم محمدؐ کے نئے دین کو اُبھرنے نہ دیں گے اور اسلام و بانئے اسلام پر عرصہ حیات تنگ کر دینگے۔

(۳) بیت ارقمؓ

کوہ صفا کے نیچے "ارقمؓ" کا مکان ہے۔ یہ مکان نہایت سادہ اور مختصر سا ہے۔ جس روز سے ارقمؓ مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنا مکان بانئے اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔ اسی مکان میں مسلمانوں کی مجلس مشاورت ہوتی ہے۔ اسی جگہ نماز پڑھتے ہیں۔ اور یہاں پر ہی درس قرآن ہوتا ہے۔ غرضیکہ بیت "ارقمؓ" مسلمانوں کی آماجگاہ ہے اور مکہ کا ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ محمد صلعم اپنے صحابہ اور مسلمانوں کے ساتھ بیت ارقمؓ میں رہتے ہیں۔

حضرت حمزہؓ کفار کے جلسہ سے سیدھے بیت ارقمؓ کا راستہ لیتے ہیں۔ اور وہاں پہنچکر ابوجہل کی مجلس مشاورت کا ذکر کر کے اپنے مسلم ہونے اور ایمان لانے کی خوشخبری سناتے ہیں۔

اس مژدہ روح افزا سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ اور حضرت حمزہؓ کا ایمان لانا ان کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت حمزہؓ اپنے بھتیجے محمد صلعم کو سینہ سے لگا کر کہتے ہیں۔ میرے پیارے بھتیجے! گھبراؤ نہیں۔ ابوجہل تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میری تلوار تمہاری امداد کے لئے ہر وقت برہنہ رہے گی اور میں تم پر اپنی جان نثار کرنے کو ہر وقت تیار رہوں۔

یہ سنکر سردار کونینؐ اپنے چچا سے کہتے ہیں کہ اللہ ہم سب کا محافظ ہے اور وہی ہم سب کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے لیکن پھر بھی میں اپنے معبود سے دعا مانگتا ہوں۔ کہ وہ میرے مخالفوں کو بصیرت عطا فرمائے یہ کہکر رسالت مآب اپنے دو بڑے دشمنوں یعنی عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور عمر ابن خطاب کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ کہ اے رب العلمین! ہر دو عمروں کو دولت ایمان سے مالا مال کر دے۔ یا دونوں میں سے کسی ایک کو ایمان لانے کی توفیق عطا فرما تاکہ وہ دین اسلام۔ اور مسلمانوں کے لئے برکت و قوت کا باعث ہو۔

(۴) حنفی

مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو بت پرستی سے گونہ نفرت تھی۔ وہ اہل مکہ کے بتوں کو بنظر استحقار دیکھتے تھے اور بت پرستی کو مذموم سمجھتے تھے مگر صنم پرستی کی کھلم کھلا مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ وحدانیت کے قائل تھے مگر اعلان وحدانیت سے ڈرتے تھے۔ نہ بت پرستی کے خلاف آواز اٹھانے کی طاقت تھی اور نہ تبلیغ وحدانیت کی ہمت۔ اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگوں کو اہل مکہ حنیفی کہتے تھے اور "احناف" خود بھی اس نام کو پسند کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ملت ابراہیم علیہ السلام بھی دین حنفی ہی تھی اور وہ اپنے طریق پر دین حنیفہ کا اتباع کرتے تھے۔

قبیلہ "عدی" کے ایک شخص زید نامی جو حضرت عمر ابن خطابؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ پکے "حنفی" تھے۔ وہ "بعثت" سے بہت پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور زید کے گھر میں اکثر توحید کا چرچا رہتا تھا۔ بعثت کے بعد زید کے فرزند سعید بن زیدؓ اور ان کی بیوی "فاطمہؓ بنت خطاب" جو حضرت عمرؓ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ دونوں مسلمان ہو گئے اور خفیہ طور پر اسلامی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

اس وقت حضرت عمرؓ کو مکہ کے نوجوانوں میں اک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ چھبیس سال کی عمر۔ لمبا قد مضبوط و توانا جسم۔ قوی ہیکل۔ پہلوانی۔ سپہ سالاری۔ فنون جنگ میں مشاق۔ زور و قوت۔ تہور و شجاعت میں لاثانی ساتھ ہی طبیعت میں خشونت و سخت گیری تھی۔

یہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ بلکہ ابوجہل کی قوت بازو بن کر اسلام کی بیخ کنی کے درپے تھے۔ ان کے خوف سے سعیدؓ فاطمہؓ خفیہ طور پر خبابؓ سے درس قرآن حاصل کرتے تھے۔ خبابؓ سعیدؓ کے مکان پر آ کر دونوں میاں بیوی کو قرآن سکھاتے تھے اور ساتھ ہی ان کو دلاسا دیتے تھے کہ گھبراؤ نہیں۔ رسول اللہ نے ہر دو عمروں یعنی اپنے چچا ابوجہل اور تمہارے بھائی کے حق میں اسلام قبول کرنے کی دعا مانگی ہے اگر دونوں عمر نہیں تو ایک یعنی عمرؓ ابن خطاب ضرور ایمان لائے گا کیونکہ باوجود سخت مزاج ہونے کے وہ تعلیم یافتہ اور سمجھدار شخص ہے اور کوئی سمجھدار انسان کفار کے مذہب پر نہیں رہ سکتا کرشمہ قدرت دیکھو ابر پردۂ غیب سے کیا ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ عمرؓ جو آج سخت دشمن اسلام ہے۔ کل سب سے زیادہ محب اسلام ہو گا۔

(۵) صحابی کون ہے؟

انہیں ایام میں اک روز عمر ابن خطاب کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی لونڈی توحید کی قائل ہو کر نیا مذہب اختیار کر چکی ہے اور کلمۂ شہادت پڑھتی ہے۔ آپ سخت برہم ہوتے ہیں اور لونڈی کو زد و کوب کرنے کے بعد تلوار ہاتھ میں لے کر کہتے ہیں کہ اے کنیز! میں تیرے خون سے ہاتھ بھرنا نہیں چاہتا لیکن آج اس شمشیر سے اس ساحر کا خاتمہ کرتا ہوں۔ جس نے مکہ میں اک فتنہ پیدا کر دیا ہے اور تم لوگوں پر سحر کر کے آبائی مذہب سے ورغلاتا ہے۔

یہ کہکر شمشیر بکف آمادہ بقتل رسول صلعم گھر سے نکلتے ہیں، راستہ میں نعیم بن عبداللہؓ سے ملاقات ہوتی ہے نعیمؓ حضرت عمرؓ کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر کہتے ہیں۔ عمرؓ! تم جوش و غصہ میں بھرے ہوئے برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے کہاں جا رہے ہو۔ آج تم پر سخت وحشت و جنون طاری ہے۔ کس سے شمشیر زنی کروگے؟ عمرؓ ابن خطابؓ کے دل پر چوٹ لگتی ہے اور وہ کہتے ہیں۔ نعیمؓ! یہ مذاق کا موقعہ نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ محمدؐ صلعم ہاشمی نے مکہ میں اک سخت فتنہ بپا کر رکھا ہے وہ لوگوں پر سحر کرکے ان کو آبائی مذہب سے برخلاف کردیتا ہے۔ نادیدہ معبود کی پرستش کرتا ہے اور ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہے میری لونڈی پر جادو کرکے اسے بھی اپنے نئے مذہب میں شامل کرلیا ہے۔ اس کو سزا دے کر اس ارادے سے گھر سے نکلا ہوں۔ کہ اس تلوار سے محمدؐ کا خاتمہ کردوں تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ہٹ جائے۔

نعیم بن عبداللہؓ یہ سُنکر ہنسکر کہتے ہیں۔ کہ عمرؓ تم خود دیوانے ہو۔ کہ محمد صلعم سے لڑائی مول لیتے ہو۔ آخر تمہاری اولاد بن عدی کی طاقت ہی کیا ہے۔ کہ بنی ہاشم اور زہرا کا مقابلہ کرو۔ جبکہ آج حمزہؓ جیسا شجاع محمدؐ کا پشت پناہ ہے۔"

حضرت عمرؓ جواب دیتے ہیں۔ کہ نعیم! ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید تم بھی "صحابی" ہو گئے۔ کیا اپنا دین چھوڑ چکے ہو جو مجھے حمزہؓ کی شجاعت سے ڈراتے ہو۔ مجھے کس کا خوف ہے تلوار میرے ہاتھ میں ہے قوت میرے بازو میں۔ اور اک جری دل پہلو میں"

نعیم بن عبداللہؓ کہتے ہیں۔ کہ عمرؓ سنو! میں اپنے "صحابی" ہونے سے زیادہ حیرت انگیز خبر تم کو سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ تمہارا گھرانا بھی "صحابی" ہو چکا ہے۔ تمہارا بہنوئی سعید بن زیدؓ اور تمہاری بہن فاطمہؓ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ دیکھو صحابی کون ہے؟ میں یا بن عدی کے افراد! ... پھر دوسروں کا جائزہ لو!۔

عمرؓ اس جواب سے سخت برافروختہ ہو کر کہتے ہیں کہ اچھا دیکھتا ہوں۔ کہ صحابی کون ہے؟ تمہاری کذب و بہتان کی تحقیقات کرتا ہوں۔ اگر واقعی سعید و فاطمہ مسلمان ہو گئے ہیں تو جاکر اس تلوار سے ان کا خاتمہ کرتا ہوں۔

(۶) اعجاز قرآنی

حضرت عمرؓ نہایت جوش و غضب میں بھرے ہوئے اپنے بہنوئی کے مکان پر جاتے ہیں۔ اور وہاں پر اک عجب تماشا دیکھتے ہیں کہ مکان کے اندر سے قرآن شریف کے پڑھنے کی آواز آرہی ہے .... دیر تک خاموش کھڑے اس کلام کو سنتے ہیں پھر کچھ سوچ کر اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ خبابؓ جو اس وقت سعید و فاطمہؓ کو سورہ طٰہٰ سکھا رہے تھے۔ عمرؓ کے خوف سے ایک طرف چھپ جاتے ہیں ... عمرؓ سعید سے سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا آواز تھی۔ جو میں نے سنی۔ شاید تم "صحابی" ہو گئے ہو۔ سعیدؓ جواب دیتے ہیں۔ کہ عمرؓ! پہلے یہ بتاؤ! کہ اگر "حق" تمہارے دین کے سوا دوسری جگہ ملے تو اسے کیوں نہ لیا جائے"۔

سعیدؓ کے اس جواب پر عمرؓ اس قدر بگڑتے ہیں۔ کہ انہیں زخمی کر دیتے ہیں۔ فاطمہ بنت خطابؓ اپنے خاوند اور بھائی کے درمیان حائل ہوتی ہیں۔ اور خاوند کو بھائی کی مار سے بچاتے ہوئے زخمی ہو جاتی ہیں۔ یہانتک کہ خون زخموں سے جاری ہو جاتا ہے لیکن کلمہ شہادت زور سے پڑھتی ہوئی کہتی ہیں۔ کہ اے بھائی اگر تم میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو تب بھی اس مقدس دین کو نہیں چھوڑ سکتی۔

بہن کا جوش ایمان۔ استقلال اور ہمت دیکھ کر بھائی کا دل نرم ہوتا ہے اور کہتے ہیں۔ کہ "اچھا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں۔ فاطمہؓ وہ اوراق پیش کرتی ہیں۔ جن پر سورہ طٰہٰ مکتوب ہے۔

حضرت عمرؓ ان آیات کو پڑھ کر ایک سکتہ کے عالم میں ہو جاتے ہیں۔ اور اعجاز قرآنی سے کچھ ایسے مسحور ہوتے ہیں کہ بولنے کی طاقت نہیں رہتی ..... آخر کہتے ہیں۔ "بہن تمہارے، استقلال اور اس کلام کے اعجاز نے میرے دل کو نرم کر دیا ہے" "تمہاری جیت اور میری ہار ہوئی۔ میں ابھی رسول اکرمؐ کی خدمت میں جا کر حاضر ہوتا ہے اور اسلام قبول کرتا ہوں۔"

(۷) قبول اسلام

فاطمہؓ سے رخصت ہو کر عمرؓ ابن خطاب سیدھے بیت ارقمؓ کا رخ کرتے ہیں۔ برہنہ شمشیر اسی طرح سے ہاتھ میں ہے۔ مگر نہ جوش ہے اور نہ غضب و غصہ۔ مسلمان ان کو اس حالت میں "بیت ارقمؓ" کی جانب آتا دیکھ کر تشویش میں پڑ جاتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی سہم کر تلوار ہاتھ میں لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر قبیلہ عدی" کا جوان فساد کی نیت سے آیا ہے۔ تو میری تلوار کو بھی کند نہیں پائیگا۔ ہاشمی تلواروں کی دھار۔ عدی کی تلواروں سے زیادہ تیز ہے۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ کہ عمرؓ کو آنے دو" اور جب عمرؓ قریب پہنچتے ہیں۔ تو ان سے خطاب کیا جاتا ہے" اے عمرؓ! ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالےٰ تم پر ذلت وارد کرے۔ حضرت عمرؓ آگے بڑھتے ہیں اور کلمہ شہادت پڑھ کر داخل اسلام ہوتے ہیں۔ اس خوشی میں مسلمان نعرۂ تکبیر اس زور سے بلند کرتے ہیں کہ صفا کی پہاڑی گونج اُٹھتی ہے۔ عمرؓ رسول اللہؐ سے عرض کرتے ہیں کہ اے نبی کامل! فاطمہؓ کی قوت ایمانی اور استقلال نے مجھے نرم بنا دیا اور اعجاز قرآنی نے ایمان میرے دل میں سنگ مرمر کے نقش کی طرح کندہ کر دیا ہے۔ آپ اعلانیہ اسلام کی تبلیغ کریں اور خانہ کعبہ میں نماز ادا فرمائیں۔

سنہ ۶ھ ماہ ذی الحجہ کا پہلا موقعہ تھا۔ کہ مسلمان حضرت عمرؓ کی اعانت میں مذہبی فرائض کھلم کھلا ادا کرنے کی غرض سے داخل ہوئے۔

فاطمہ کے جوش ایمان اور استقلال سے اسلام کو فاروق اعظم۔ عمر ابن خطاب جیسی ہستی ملی ہے جو اپنے عہد خلافت قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر فتح پا کر اسلام کی بنیادوں کو دنیا بھر میں مضبوطی سے قائم کر دیتی ہے۔

آنسہ محمودہ رضویہ کراچی

نوکروں سے سلوک

اوراق پارینہ سے ایک اخلاقی واقعہ اخذ کیا جاتا ہے جو کئی اعتبار سے سبق آموز ہے۔ آئرلینڈ کے مشہور بیرسٹر سر ٹوبی ٹیلر نے ایک دن سر چارلس کول کو دعوت دی۔ اس شخص کو اپنے آبا و اجداد کی شہرت پر بڑا ناز تھا۔ بیرسٹر سر ٹوبی ٹیلر بھی اگر چاہتا تو اسی طرح اپنے آپ کو ثابت کر سکتا تھا۔ لیکن وہ خاندانی وجاہت پر مغرور ہونے والا شخص نہ تھا وہ اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے اپنے آپ کو معزز کہتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ "پدرم سلطان بود مرا چہ"

سر ٹیلر بڑا ہی خلیق شخص تھا وہ اپنے نوکروں کے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کرتا تھا۔ اس کا حسن اخلاق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اثنائے گفتگو میں جب کسی نوکر کا نام آتا۔ یا اسے بلانے کی ضرورت ہوتی تو وہ کہتا "میرے بھائی ٹام کو بلاؤ جو باورچی ہے"۔ "میرے بھائی ولیم کو پکارو جو میرا سائیس ہے" "میرے بھائی ٹیری کو لے آؤ جو خزانچی ہے"۔ غرض اسی طرح جب سر ٹیلر کو نوکر سے ہم کلام ہونے کا موقع آتا تھا تو وہ اسے بھائی کر کے مخاطب کرتا تھا۔ سر چارلس کول کو بیرسٹر کی یہ عادت اچھی معلوم نہ ہوئی اور وہ خود چونکہ اعلیٰ خاندان ہونے کو ایک بڑی عزت خیال کرتا تھا۔ اس لئے سر ٹیلر سے کہنے لگا "میں حیران ہوں کہ تمہارے تمام نوکر رشتہ دار ہی ہیں"۔ سر ٹیلر نے جواب دیا "ہاں میرے کل نوکر رشتہ دار ہی ہیں۔ لیکن صاحب! کیا یہ خوبی کی بات نہیں کہ میں صرف اپنے رشتہ داروں کو نوکر رکھتا ہوں۔ اور تمہارے عزیز و اقارب کو ملازم نہیں رکھتا۔ سر ٹوبی ٹیلر کے اس جواب سے سر چارلس کول لاجواب ہو کر دل میں بہت پشیمان ہوئے۔

مسز دار محمدی بیگم

جواہر ریزے

(۱) مصیبت کے وقت پریشان نہ ہونا چاہئے ہمت سے کام لیا جائے

(۲) ہمت ایک ایسی چیز ہے جو علم سے زیادہ کام دیتی ہے اگر علم ہو اور ہمت نہ ہو تو انسان دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا۔

(۳) علم حاصل کیا جائے اور عمل نہ ہو تو ایسے علم سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ اپنے آپ کو انسان فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ کرو

(۴) پردہ اسلامی رکھو۔ پوڈر اور پینٹ کر کے خوبصورت لباس پہنکر بے پردہ نہو۔ پردہ اسلامی تعلیم کے لئے یا ملک کی خدمت کیلئے ہمت سے خدمت ایسا

(۵) کام ایسا کرو جس سے اپنا گھر اپنے بچے اپنے عزیز خوش ہوں جس کی وجہ سے تمکو روحانی خوشی حاصل ہو گھر یلو کاموں سے فرصت پا کر اپنے ملک کی خدمت میں لگی رہو کیونکہ عورت ہی کی کوشش سے ملک ترقی کر سکتا ہے۔

صغرا ہمایوں مرزا حیدرآباد دکن

صنعت وحرفت

محترمہ امتہ الحفیظ کے بیش بہا مضامین کے سلسلہ میں نیز ان کی قابل قدر کتاب صنعت وحرفت کے بعض نسخوں کے متعلق وقتاً فوقتاً ہمارے پاس استفسارات آتے رہتے ہیں۔ محترمہ موصوف جب ہندوستان میں تھیں تو یہ خطوط اُن کو بھیجدیئے جاتے تھے اور وہ براہ راست ان کا جواب لکھدیتی تھیں۔ لیکن جیسا کہ عصمتی بہنوں کو معلوم ہے آج کل امتہ الحفیظ صاحبہ جزیرہ مداغاسکر میں ہیں اور وہاں سے ہر خط کا الگ الگ جواب لکھنا وقت طلب ہے اس لئے دو خطوں کا جو جواب انھوں نے ہمیں بھیجا ہے رسالہ میں درج کیا جاتا ہے تاکہ دوسری بہنیں بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ ایڈیٹر۔

آپ کے بتائے ہوئے صابون کے نسخے جو رسالہ عصمت سالگرہ نمبر ۱۹۳۳ء میں درج تھے۔ اُن کے مطابق صابون بنایا گیا۔ لیکن اس کے متعلق چند اور معلومات کی ضرورت ہے۔

۱۔ صابون کی تیاری کے بعد کاٹنے سے جو چورا اور چھوٹے موٹے ٹکڑے بچ رہتے ہیں اُن کو دوبارہ تیار کرکے سانچوں میں بھرنے کی ترکیب بتلائی جائے۔

۲۔ خوشبو یا لیمن کا ایسنس جو ڈالا جاتا ہے اُس کی بو باقی نہیں رہتی اور رنگ بھی غائب ہو جاتا ہے۔

۳۔ ہمارے علاقہ میں سوائے کروڈ آئیل کے اور کوئی تیل سستا نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے تیار کردہ صابون جو کسی دوسرے تیل سے تیار کیا جائے منافع نہیں کرتا۔ اس لئے کروڈ آئیل (موٹر بسوں میں جو تیل بجائے پٹرول کے جلایا جاتا ہے۔) میں فنائل ڈال کر صابون جانے کی ترکیب معہ وزن وغیرہ کے ارسال فرمایئے۔ فنائل اس لئے شریک کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کپڑوں کے جراثیم مرجاتے ہیں۔

۴۔ تیل کو صاف کرنے اور اس کی بو دور ہوجانے کے لئے بھی کوئی نسخہ ارسال فرمایئے۔ کیونکہ صابون تیار ہونے کے بعد تیل کی بو آتی رہتی ہے۔　　شہزادی بیگم نام پلی مارکیٹ حیدرآباد دکن

جواب (۱) جو چورا اور ٹکڑے بچتے ہیں اُن کو دوسرے گھان میں ملا کر پھر صابون بنا لیجے۔

(۲) صابون جب بہت گرم نہ ہو اس وقت خوشبو ملاؤ۔ خوشبو غائب نہ ہوگی اگر غائب ہو جاتی ہو تو خوشبو میں نقص ہے۔ لیمن گراس آئیل ۱/۲ ۹ پاؤ بھر کی بوتل آتی ہے یہ کافی اچھا ہے

(۳) کروڈ آئیل کا صابون نہیں بنتا۔ اگر بنے گا بھی کپڑوں میں سے بدبو آئے گی۔ یہ دھاتی تیل ہے۔ صابون نباتاتی بنتا ہے۔ کروڈ آئیل تو مٹی کے تیل یعنی لیبر ولیس آئیل کی تلچھٹ ہے۔ یہ تیل صاف نہیں کیا جاسکتا۔

رسالہ عصمت ماہ اپریل ۱۹۳۴ء میں بوٹ پالش وکریم وغیرہ کے چند نسخہ جات درج ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے چند اشیار

باوجود کوشش کے یہاں نہ مل سکیں گو کہ موم وغیرہ مختلف اقسام کے ہیں۔ مگر آپ نے جو نام تحریر کیا ہے ادھر نہیں ہے۔ شاید ادھر کوئی دوسرا نام ہوگا۔ اس لئے آپ برائے نوازش میرے پتہ پر حسب ذیل اشیاء بذریعہ وی پی روانہ کریں یا آپ جس دوکان سے خرید کرتی ہیں اُس کا پتہ لکھدیں

مکھی کا موم ¼ سیر کرنا با موم ¼ سیر بون بلیک ایک پاؤ سمتھ براؤن ایک پاؤ۔

آر۔ اے عزیز بنگلور

جواب۔ مکھی کا موم (جو شہد کی مکھی بناتی ہے) شہد نکالنے کے بعد باقی کا جو موم بن جاتا ہے وہی مکھی کا موم ہے کلکتہ سے ملے گا۔ یہ چمک کو بڑھاتا ہے۔

میں آجکل ہندوستان سے باہر ہوں اگر وہاں ہوتی تو ضرور آپ کو یہ اشیا بھیجدیتی۔

بون بلیک۔ بالکل سستی سیاہی ہے۔ جو کہ سیاہ بوٹ پالش بنانے میں کام آتی ہے عام جگہ پر یہ سیاہی کے نام سے بھی بکتی ہے۔ ہلکی پڑیا ہوتی ہے دس بارہ آنہ میں ایک پونڈ آتا ہے اگر یہ نہ مل سکے تو سیاہ رنگ ملا لینے سے بھی کام بن جائے گا۔

سمتھ براؤن۔ یہ براؤن پالش کا رنگ ہے۔ اگر نہ ملے تو نارنجی اور بھورا دونوں رنگ ملا کر کام کر سکتی ہو۔

امت الحفیظ مدناسکر

اعجازِ اسلام

اے منکرِ اسلام تجھے ہوش ہے یہ بھی
اخلاق سے بڑھ کر کوئی صمصام نہیں ہے

اسلام کو کیا کام بھلا بغض و حسد سے
اِن باتوں سے واللہ اسے کام نہیں ہے

اسلام کے موجودہ تمدن پہ نہ جا تو
اس کے لئے وہ موردِ الزام نہیں ہے

اسلام سکھاتا ہے روا داریِ ملت
دنیا میں یہ ناواقفِ انجام نہیں ہے

کافر کو بھی کافر نہ کہو اپنی زباں سے
کیا احمدِ مرسل کا یہ پیغام نہیں ہے

اسلام سراسر ہے محبت کی نشانی
جذباتِ تنفر سے اسے کام نہیں ہے

کمبخت تو اسلام کی خوبی ہی نہ سمجھا
تعلیمِ رسولِ عربی خام نہیں ہے

ہو جس میں ذرا سی بھی تعصب کی ملاوٹ
وہ اور کوئی دین ہے اسلام نہیں ہے

دعا ڈبائیوی

(گذشتہ اشاعت کے آگے)

شام ہو چکی تھی۔ آج گھر میں سناٹا تھا۔ مسٹر و مسز حامد مع اپنے بھائی قمر کے ایک جگہ ڈنر پر جا چکے تھے۔ بیچارہ جمیل تنہا گھر پر رہ گیا تھا۔ کمرے میں پڑے پڑے اکتا گیا تو باہر آ کر مسز حامد کے چھوٹے سے خوبصورت باغیچے میں پتھر کی بنچ پر بیٹھ گیا چاند کی ٹھنڈی روشنی پھیل چکی تھی پھولوں کی خوشبو سے معطر ہوا چل رہی تھی۔ اس وقت ایک عجیب سماں تھا۔ بالکل تنہائی اور رات کی اُداسی اور ایک اکیلا شخص یہاں اپنے خیالات میں مستغرق بیٹھا تھا۔ گھر کے لوگ دعوت میں تھے۔ سب ملازمین بھی کام ختم کر کے جا چکے تھے۔ انھوں نے اس وقت سلیپنگ سوٹ پر ایک گرم سوئٹر کوٹ پہن رکھا تھا۔ بال بے ترتیب پیشانی پر بکھر رہے تھے۔ وہ بنچ پر کہنی ٹیکے اپنے ہاتھ پر سر رکھے ہوئے نیچے کو دیکھ رہے تھے۔ قریب ہی کسی کے قدموں کی آہٹ معلوم ہوئی سر اُٹھا کر دیکھا پھاٹک کی طرف سیاہ اوور کوٹ پہنے باغیچہ کی طرف ایک عورت آتی ہوئی نظر آئی۔ انھوں نے خیال کیا کہ شاید مسز حامد کی کوئی ملنے والی ہونگی۔ جب قریب آئیں گی ان سے کہدیا جائیگا۔ کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ چند سکنڈ میں یہ کہتی ہوئی وہ عورت بالکل ان کے قریب آگئی۔ "معاف کیجئے۔ مسٹر قمر! میں ذرا بے وقت آئی ہوں ہمشیرہ کہاں ہیں۔ میرا خیال تھا اس وقت وہ بھی یہی ہوں گی۔ کیونکہ اکثر شام کو وہ باغیچہ میں ملا کرتی ہیں" یہ آواز سُن کر جمیل چونک پڑے۔ آنیوالی کی طرف دیکھا اور ایک دم کھڑے ہو گئے۔ مگر اس وقت ان کی عجیب حالت تھی۔ منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ دو تین منٹ تک جب آنے والی لڑکی کو کوئی جواب نہ ملا تو وہ بھی حیران سی ہو گئی۔ کبھی چاروں طرف دیکھتی تھی اور کبھی ان کی طرف۔ پھر کہا۔

"کیا مسٹر و مسز حامد گھر پر نہیں ہیں؟" جمیل نے بڑی ہمت سے کام لے کر کہا "جی نہیں۔ وہ لوگ آج کہیں ڈنر پر گئے ہیں۔ صرف میں ہی گھر پر ہوں"۔

"آپ ڈنر پر تشریف نہیں لے گئے؟"

"میری طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی" جمیل نے جواب دیا۔ "اچھا! آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہے؟ بالکل تنہائی میں آپ نے کیسے وقت گذارا؟" لڑکی نے کہا۔

"میں تنہائی سے نہیں گھبراتا۔ میری تو زندگی تنہائی میں بسر ہو رہی ہے اور آئندہ ہوگی۔ کہئے آپ اس وقت کیسے تشریف لائیں۔ آپ تو مدت سے اس طرف نہیں آئی تھیں؟"

"جمیل صاحب! میں بھی ایک ہفتہ سے بیمار ہوں۔ اس وقت چونکہ کوٹھی سے یہاں تک پیدل آنا ہوا اسلئے بہت تھک

گئی ہوں۔ کیا میں تھوڑی دیر کے لئے یہاں بیٹھ جاؤں ۔ ذرا تکان کم ہوجائے تو واپس چلی جاؤں گی۔"

جمیل نے کہا۔ "ضرور ضرور۔ آپ تشریف رکھیں۔ میں اندر سے کشن لے آؤں یہ بنچ پتھر کا ہے۔"

"نہیں نہیں۔ آپ تکلیف نہ کیجئے۔ یہی ٹھیک ہے" اور بنچ پر بیٹھ گئیں۔ "میں بھی کئی ماہ سے تندرست نہیں۔ آج نو دن میں بخار بھی تھا" یہ کہکر جمیل وہیں بنچ کے پاس گھاس پر بیٹھ گئے۔ ان کو گھاس پر بیٹھا دیکھ کر وہ بھی اُٹھ کر وہیں زمین پر بیٹھ گئیں "اور اسوقت یہاں بیٹھنا بہت اچھا معلوم ہو رہا ہے۔ کیسی مخملی گھاس ہے لیکن آپ کو آج ٹمپریچر رہا ہے تو یہاں ٹھنڈ میں نہیں چاہئے"۔ لڑکی نے کہا۔

جمیل نے جواب دیا "اوہ۔ میں اتنی احتیاط نہیں کرتا۔ لیکن آپ کا رات کے وقت گھاس پر بیٹھنا ٹھیک نہیں۔ اُٹھئے پھر بنچ پر ہی بیٹھتے ہیں"۔ "نہیں جمیل صاحب! یہاں بہت اچھا ہے۔ میں اپنا کوٹ اتارے دیتی ہوں آپ گھاس پر بچھا لیں تو ٹھنڈک کم ہوجائے گی"۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنا اوورکوٹ گھاس پر بچھا دیا۔ اور بہت اصرار سے جمیل کو گھاس پر بٹھا دیا۔ خود وہ عنابی جارجٹ کی ساڑھی پہنے تھیں۔ جو سبز گھاس پر بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ جمیل اس وقت بہت حیران تھے کہ وہ اس قدر مہربانی سے کیوں پیش آرہی ہیں۔ آخر انھوں نے سوال کیا۔ "نجمہ صاحبہ! میں حیران ہوں کہ آج کیا دیکھ رہا ہوں کیا یہاں بنچ پر میری آنکھ تو نہیں لگ گئی۔ میں یہ خواب دیکھ رہا ہوں؟ یا عالم بیداری ہے۔ تین ماہ سے میرا قیام مسوری میں ہے۔ اس عرصہ میں بارہا آپ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہیں مسز حامد کے یہاں دو ملاقاتیں ہوئیں لیکن آپ نے مجھے کبھی سلام کرنے یا بات کرنے کا موقعہ نہ دیا۔ آج آپ کی تبدیلی مزاج سے سخت متعجب ہو رہا ہوں۔ کیا میں اس کا سبب دریافت کرسکتا ہوں؟ آج کی یہ غیر معمولی عنایت کیسی؟ کیا آپ مسوری سے جا رہی ہیں جو آخری ملاقات کا موقعہ دیا؟ اور اس وقت آپ تنہا کیوں ہیں۔ وہ خوش نصیب کامران کہاں ہے؟"

جمیل کے ان سوالات پر نجمہ مصیبت زدہ نجمہ سرنگوں ہوگئیں۔ اور ایک ہاتھ پر سر ٹیک کر زمین کی طرف جھکا لیا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو جمیل اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان کے سامنے آبیٹھے اور پھر کہا۔ "شاید آپ کو میرے سوالات گراں گزرے معاف کریں تھوڑا وقت ہے اور غالباً یہ آخری ملاقات ہے" نجمہ خاموش رہی تو جمیل نے کہا "غالباً آپ کو نیند آرہی ہے چلئے میں آپ کو آپ کی کوٹھی تک پہنچا دوں"۔ یہ سُن کر نجمہ نے پہلے رومال سے اپنی آنکھوں اور چہرے کو پونچھا اور سر اُٹھایا۔ جمیل کی طرف عجیب حسرت نگاہوں سے دیکھ کر جواب دیا "جمیل صاحب نہ مجھ کو نیند آرہی ہے اور نہ ابھی گھر جانا چاہتی ہوں۔ مجھے تو بہت کچھ آپ سے بیان کرنا تھا۔ لیکن اب تاب گویائی نہیں۔ اچھا پھر کسی دن سہی۔ ہاں۔ آپ کے سوالات کا جواب کیا عرض کروں میں اس وقت اس طرف کیونکر چلی آئی میں خود حیران ہوں۔ دل کچھ پریشان سا تھا میرا خیال تھا تھوڑی دیر مسز حامد سے باتیں کرکے واپس آکر سو رہوں گی۔ یہ تو گمان بھی نہ تھا کہ آپ ابتک یہاں تشریف رکھتے ہونگے۔ مگر جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ اس عرصہ میں بارہا آپ کو دیکھا تھا۔ لیکن بات کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی آج بھی اگر گھر کے لوگ ہوتے تو

غالبًا میں آپ سے بات نہ کرسکتی۔ میں ابھی مسوری نہیں جا رہی ہوں۔ لیکن آپ سے ایک بار ملنا ضرور چاہتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ آج موقعہ مل گیا۔ میرے تنہا آنے کی بابت آپ کیا پوچھتے ہیں۔ آپ کے خیال اس وقت جن کو میرے ساتھ ہونا تھا وہ کئی دن سے مجھ سے نہیں ملے۔ میرا خیال ہے آجکل وہ مسوری میں نہیں۔ کسی ضرورت کی وجہ سے شاید دہرہ دون گئے ہوئے ہوں۔ سچ کہئے جمیل صاحب۔ آپ تو مجھ سے بہت ہی ناخوش ہونگے؟ دراصل میں اس قابل بھی نہیں کہ آپ مجھ سے بات بھی کریں نہ میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ ہمیشہ مجھ سے دوستانہ تعلقات رکھ کر ملتے رہیں بس میری تو ہر طرح زبان بند ہے"۔

"نجمہ! میں بالکل تم سے ناخوش نہیں۔ بلکہ میں اکثر اوقات تمہاری آئندہ زندگی کے لئے دعا کیا کرتا ہوں۔ میں تمہیں ہمیشہ خوش سننا چاہتا ہوں۔

نجمہ نے مسکرا کر کہا "صرف سننا! دیکھنا نہیں چاہئے" "ہاں دیکھنا ذرا مشکل ہے"۔

نجمہ نے بھی یہی الفاظ دہرائے "ہاں۔ بالکل درست"۔ دیکھنا بہت مشکل ہے۔ اچھا کہئے آج کے بعد پھر کب مل سکینگے"۔ نہایت افسردگی کے ساتھ جمیل نے جواب دیا۔ "کیا بتاؤں۔ دل تو چاہتا ہے کہ بارہا ملا جائے۔ لیکن حالات کے مطابق ہمیں ایک دوسرے سے ملنا نہیں چاہئے اور خصوصًا کامران کی بغیر اجازت ان کی غیر موجودگی میں تو بالکل ہی درست نہیں"۔ نجمہ یہ سن کر پریشان ہوگئیں اور چلنے کے لئے اٹھیں جمیل بھی کھڑے ہوگئے اور دونوں پھاٹک تک آئے تو نجمہ کہنے لگیں۔ "اچھا جمیل صاحب! آپ اس کا تو خیال نہ کریں کہ مجھے ان کی بغیر اجازت آپ سے نہ ملنا چاہئے میں اپنے پہلے رشتہ داروں یا دوستوں کو ان کی وجہ سے چھوڑ نہیں سکی۔ اور نہ انھوں نے مجھ کو منع کیا ہے۔ اچھا کل آپ شام کو مسز سالومن کے یہاں تشریف لایئے۔ میں بھی وہیں آجاؤں گی"۔

"نہیں نجمہ میں کامران کے پیچھے چھپ چھپ کر تم سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ چلو تم کو کوٹھی تک پہنچا دوں۔ نو بج رہے ہیں تنہا جانا ٹھیک نہیں"۔

نذر سجاد حیدر

دیہاتی گیت

پوربی دیہاتوں میں ہر موسم کے گیت الگ الگ ہوتے ہیں عصمت میں آپ ساون وغیرہ کے گیت پڑھ چکی ہونگی۔ آیئے آج ہم آپ کو ڈھنڑیا دھابجی)، سنائیں یہ گیت کنواریں گایا جاتا ہے اس کے گانے کا طریقہ بھی نرالا ہوتا ہے۔ یہاں میں کسی مقام پر ۱۰-۱۲ لڑکیاں جمع ہوئیں ان میں ایک سردارنی بنی اُس نے پہلے ایک مصرعہ گایا اور پھر اسی کو باقی لڑکیوں نے دھرایا تالیاں بجاتی ہوئیں کمر کو خم دیا۔ اور ایک حلقہ میں جھومتی ہوئیں چکر کاٹنے لگیں۔ بنارس۔ مرزاپور۔ الہ آباد وغیرہ میں ڈھنڑیا (دھابجی)، کا بہت رواج ہے۔ ڈھنڑیاں گانے سے پہلے لڑکیاں کھیلتی کودتی ہیں۔ سوانگ بھی بھرتی ہیں کوئی بڑھیا کوئی جوان بنتی ہے۔ پرگنہ چائل ضلع الہ آباد میں سیدسراوان اور دھنگاؤں شہوگاؤں میں پہلے ڈھنڑیا کا وہاں بہت رواج تھا۔ اب وہ پہلے جیسی بات نہیں رہی مندرجہ ذیل ڈھنڑ سید سراوان کی بھاٹن کستو کا گایا ہوا ہے۔ وہ ڈھنڑیا گانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

آگرہ کی طرف لڑکیاں سوانگ نہیں بھرتیں بلکہ ڈھنڑیا (مٹی کی چھوٹی سی ہانڈی جس میں روزن ہوتے ہیں اور اس کے اندر چراغ جلتا ہے) زمین پر رکھ کر گاتی ہیں اور پھر اپنے اپنے گھر واپس چلی جاتی ہیں۔

ہندی مہینے کی "دو نکھت" پندرہ پندرہ دن کے ہوتے ہیں لیکن جس مہینے میں ڈھنڑیا کا تیوہار منایا جاتا ہے وہ "نکھت" بیس دن کا ہوتا ہے اس کے متعلق دیہاتی کہتے ہیں کہ اس موقع پر بھائی اپنی بہن کو ۵ دن ڈھنڑیا کی "اترائی" (تصدق۔ قربان۔ چڑھاوا) میں انعام دیتا ہے اس وجہ سے "یہ نکھت" بیس دن کا ہو جاتا ہے اس نکھت کا نام "ھتیا" ہے۔ "یہ نکھت" برکھا رُت کے بعد شروع ہوتا ہے ربیع فصل کا آغاز ہوتا ہے وہ زمانہ گاؤں والوں اور کاشتکاروں کے لئے بہت قیمتی ہوتا ہے کھیتوں میں "کھیری" "دھاڑ" جھنکار کانٹے وغیرہ، بنی جاتی ہے مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے توڑے جاتے ہیں۔ غرضیکہ جب برکھا رُت کی اندھیاری کے بعد اُجلی رُت آتی ہے اور چندرمان غریب دیہاتیوں کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہیں تو وہ جوشِ مسرت میں چلا اُٹھتے ہیں۔

بولی لکھڑی (لومڑی)، پھولے کاس — اب نہیں برکھا کی کچھ آس

چنانچہ ڈھنڑیا دسہرہ کے دن سے شروع ہو کر پورنماشی کے دن ختم ہو جاتی ہے۔ گاؤں کی غریب لڑکیاں گھر گھر جا کر ڈھنڑیا گاتی ہیں گاؤں میں ایک خاص قسم کا برادرانہ اُنس ہوتا ہے جس گھر میں لڑکیاں جاتی ہیں لڑکوں کو اپنا بھائی سمجھ کر اُن کے سر سے ڈھنڑیا اُتارتی ہیں انعام میں دو چار مٹھی اناج کی پا جاتی ہیں رئیس گھروں میں دھنڑیا اتارتی ہیں تو دو چار پیسے مل جاتے ہیں۔ یہ سب پیسے جمع رکھے جاتے ہیں نو دن ڈھنڑیا گانے کے بعد دسویں دن لائی۔ بتاشے۔ کھیلیں

دسہرہ خرید کر ڈھنڑیا پر رکھی جاتی ہیں (گویا اس قسم کا چڑھاوا چڑھتا ہے) اس دن رات رات بھر ڈھنڑیا گائی جاتی ہے اور پھر بھائیوں کے سروں سے اُتار (تصدق) اپنے سروں پر رکھ کر (یعنی بھائی کی بلا اپنے سر پر لیتی ہیں) ناچتی ہیں اور ناچتے ناچتے زمین پر گرا دیتی ہیں۔ اب شکستہ ڈھنڑیا یا ڈھنڈیا یا جھانجی "سرائی" جاتی ہے (کسی دریا یا تالاب میں پھینک دی جاتی ہیں) اور پھر لائی۔ بتاشے وغیرہ گھر میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

اب زمانہ بدل رہا ہے چاروں طرف "انقلاب زندہ باد" کی صدائیں بلند ہیں ان شور و ہنگاموں میں "ڈھنڑیا" کی آواز کا سننا مشکل ہے تھیٹر اور سینما کے آگے ڈھنڑیا کا سوانگ کون دیکھے بجلی کی روشنی اور ہنڈوں کے سامنے ڈھنڑیا کے چراغ کی روشنی ماند پڑ گئی ہے لیکن کیا دیہاتی لڑکیوں کے دلوں سے بھی ڈھنڑیا کی عزت وعظمت کم ہو گئی ہے اس کا جواب دینا آسان نہیں۔

آیئے اب ہم آپ کو ڈھنڑیا کا گیت سنائیں

(۱) ہاری سُگنا ہم جو پالا کنچن دودھ پلایا لوییئے　　سگنا بھیا اڑ گئے پنجڑوا ہوئے گا سونا لوییئے

مطلب۔ میں نے طوطے بھیا کو دودھ پلا کر بڑا کیا تھا لیکن ایک دن وہ اُڑ گیا اور اس کا پنجرہ سونا رہ گیا (روح قید ہستی سے آزاد ہو گئی اور صرف ڈھانچہ رہ گیا)

(۲) سگنا ہیرے ہم جو جا بسے بابا کے پھلواری لوییئے　　نورنگی کے کانٹا لاگی جُھنسر ساری پھاٹی لوییئے

مطلب۔ (طوطا اُڑ گیا اُسے تلاش کرنے کے لئے لڑکی گھر سے نکلی) طوطا تلاش کرنے کے لئے میں بابا کے پھلواری میں گئی وہاں میری نازک ساری نارنگی کے کانٹوں میں اُلجھ کر پھٹ گئی)

(۳) مورے پچھوروا درجیوا بھیا میت لوییئے　　جو تو سیبے مور سَریوا کا سیونی لیبے لوییئے

مطلب۔ میرے گھر کے پیچھے درزی بھائی رہتا تھا میں نے اس سے کہا کہ اگر تو میری ساری سیئے گا تو اس کی سلائی کیا لے گا؟

(۴) جو میں سیبون تورسریوا کا سیونی دیہئے لوییئے　　تو کا دیہون ہاتھ کا مندر تورے ہو گلے ہار لوییئے

مطلب۔ درزی نے پوچھا کہ ساری سلائی کی کیا اُجرت دیگی۔ لڑکی نے جواب دیا کہ میں اپنے ہاتھ کی انگوٹھی دونگی اور تیری ہو کے گلے کیلئے ہار دوں گی۔

(۵) آگ لگے تورے ہاتھ کا مندر بجر پرے گلے ہار لوییئے　　جب میں سیہون تور سریوا آج رین بس جاؤ لوییئے

مطلب۔ درزی نے لڑکی سے کہا تیری انگوٹھی میں آگ لگے تیرے گلے کے ہار پر بجلی گرے تو آج رات یہیں ٹھہر جا تو میں تیری ساری سی دوں گا۔

(۶) رین بسے توری ماں بہنیا ہم پر دیسی لوگ لوییئے۔

آخر میں صرف ایک ہی مصرعہ میں لڑکی نے شاعری ختم کر دی ہے۔ لڑکی نے درزی کو جواب دیا کہ بھیا درزی کیسی باتیں کرتے ہو تمہاری ماں بہن تمہارے یہاں رات گذاریں میں تو پردیسی ہوں (پرائے گھر کی ہوں)

لڑکی کی مظلومی۔ بے بسی بیچارگی اور "پرایا دھن" ہونے کی دیہاتی شاعرہ نے کتنی دلکش۔ دلگداز اور نصیحت آموز تصویر کھینچی ہے۔

اے ماؤں۔ بہنو بیٹیو دنیا کی عزت تم سے ہے

اعظم کریوی

چاندنی رات

از چودھری محمد ابو الحسن صاحب صدیقی تعبیر، ایم۔ اے ایل ایل بی۔ (علیگ)

شفق نے پردۂ مغرب میں جب سورج کا منہ ڈھانکا　زمین سے تا فلک آثارِ ظلمت ہو چلے پیدا
مگر نورِ قمر پرتو فگن ہے بزم گیتی پر　رُخِ لیلائے شب پر جس نے آ کر مل دیا پوڈر
قمر نے چشمۂ خورشید سے جو کچھ بھی پایا ہے　بڑی دریا دلی سے اب اسے سب میں لٹایا ہے
وہی ہے آتشِ خورشید لیکن معتدل کر دی　ملی تھی اُس کو جو دولت وہ سب میں منتقل کر دی
ہیں کوہ و بحر و بر روشن ضیائے ماہ انور سے　پڑے ہیں چادرِ مہتاب کے چاروں طرف پردے
انہیں کرنوں نے دنیا پر شراب ناب برسا دی　زمیں تک آسماں سے بیخودی کی موج دوڑا دی
ہے گویا جامِ جم کا دور زیرِ چرخِ مینائی　کئے دیتا ہے سب کو آج بیخود کیفِ صہبائی
نظارہ جنت الفردوس کا ہے مرغزاروں میں　نمونہ چشمۂ سیماب کا ہے آبشاروں میں
ہمالہ کی ہر اک چوٹی مثالِ طور ہے روشن　ہے آبِ گنگ کی رو کہکشاں پر آج چشمک زن
ہے اس درجہ منوّر عکسِ مہ سے سقف و بام و در　کہ دھوکا تاج کا ہوتا ہے ہر سنگیں عمارت پر

ہوا ہے رنگ پھیکا شمع کا فانوس کے اندر　ہے مد و جزر کی کیفیت اوقیانوس کے اندر
تلاطم اک بپا ہے، شور سے مینا کے قلقل کا　شعاعِ بدر شانہ بن گئی موجوں کی کاکل کا
کشش سے مہ کی موجیں پیچ و خم اس طرح کھاتی ہیں　کہ جیسے اپنے گیسو بحر کی پریاں سُلجھاتی ہیں

ہے صحنِ باغ و بُستاں میں عجب اک نور کا عالم　چمن کے بوٹے بوٹے پر ہے سرو طور کا عالم
تمازت سے کہاں اب دھوپ کی بیچین ہوتے ہیں　نہالانِ چمن اب نور کے سائے میں سوتے ہیں

فضائے مہ میں پانی کا نرالا طور ہے گویا / چمن کی نہر میں بہتا ہوا بلّور ہے گویا!

تلاطم میں ہیں لہروں کے عجب انداز کے جلوے / کہ جیسے بھر دیئے ہوں کوٹ کر الماس کے ٹکڑے

روانی میں ہے فوّاروں کی گویا نور کی بارش / زمیں پہ ہو رہی ہے اشکِ چشمِ حور کی بارش

عجب اک پرسکوں نظارہ ہے دشت و بیاباں میں / فضائے اہلِ دل اس وقت ہے صحرا کے داماں میں

ہے کس درجہ سکوت انگیز یہ کیفِ بیابانی / اس اک خاموش منظر میں ہیں صد جذبات پنہانی

کوئی خاموش نغمہ ہے کوئی پوشیدہ افسوں ہے / کہ جس سے روح ہے بےچین، جس پہ قلب مفتوں ہے

یہ مانا گو نہیں ہے اس میں دن کی شعلہ سامانی / مگر اس چاندنی میں ہے نہاں اک کیف وجدانی

ضیائے قلبِ مومن، حور کی پاکیزگی اس میں / پھر اس پر یہ غضب اک نوع کی دوشیزگی اس میں

اداسی چھا رہی ہے دخترانِ شب کی محفل میں / سمٹ آیا ہو اُن کا نور جیسے بدرِ کامل میں

مہِ کامل کا چھپنا لکّہائے ابر کے اندر / عجب ہے انعکاسِ نور و ظلمت روئے گیتی پر

نظر کھاتی ہے جس سے گردشِ معکوس کا دھوکا / فلک پر تخت سا گویا رواں ہے ملکۂ شب کا

نمایاں نہیں ہے روزِ روشن کی طرح ہر شے / مگر اس روشنیٔ معتدل میں اک قیامت ہے

نہاں ہیں نقص ہر شے کے عیاں ہیں خوبیاں اسکی / یہ ہے رازِ شبِ مہ، یہ طرب سامانیاں اس کی

ہے اس جلوہ نمائی میں یہ احساسِ خود آرائی / کہ ہر شے اپنے ہی جلوہ کی ہے گویا تماشائی

غضب کی دلکشی ہے سادگی ہے جاذبیت ہے / دلِ محزوں پکار اُٹھتا ہے "کیا پوشیدہ قوت ہے!"

مرا دل بھی یونہی اک جذبِ باطن سے سنبھل جاتا!

مرا بختِ سیہ بھی روزِ روشن سے بدل جاتا!

تیرنے سے شفایابی

دیاسری آٹھ نوسال کی ایک یوریبن لڑکی تھی۔ وہ کم سنی میں پیروں سے معذور ہوگئی تھی اور اسی وجہ سے شفاخانہ میں زیر علاج رہی۔ اس کے پیر مر گئے تھے۔ ایڑی کی جگہ پنجہ ہوگیا تھا۔ بجائے پنجہ کے ایڑی۔ اسی حالت میں وہ چلنے پھرنے سے معذور و مجبور رہوگئی تھی شفاخانہ میں مشہور ڈاکٹر وِلی نے اس کے علاج کی پوری کوشش کی مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر انھونے فیصلہ کیا کہ سوائے بڑے اپریشن کے اس لڑکی کی تکالیف کسی طرح نہ مٹے گی۔ اسی بچی کو ہر روز سیر کرانے کے لئے مریضوں کی چھوٹی سی گاڑی میں بٹھا کے لیجاتے تھے اس طرح اس کی کچھ تفریح ہو جاتی تھی۔ ایک روز سیر کرتے ہوئے ایک پل سے گاڑی گذری جس کے دونوں طرف صاف شفاف بلوریں پانی بہہ رہا تھا اور لوگ یہاں نہا رہے اور تیر رہے تھے لڑکی یہ دیکھ کر مارے خوشی کے اچھل پڑی اور اپنی ماں سے کہا کہ میں اس پانی میں ضرور نہاؤں گی اور ان لوگوں کی طرح میں بھی تیروں گی۔ ماں ہکی بکی رہ گئی۔ اس نے لڑکی کو بہتیرا منع کیا مگر وہ اپنا شوق ظاہر کرتی رہی۔ آخر کار ماں مجبور ہوگئی اور ڈاکٹروں سے مشورہ لیا انھوں نے بھی منع کیا مگر جب لڑکی کا اصرار برابر جاری رہا۔ ڈاکٹروں نے اجازت دے دی اجازت ملتے ہی لڑکی تیرنے کے لئے چلی گئی اور قوت ارادی سے پہلے دن پچاس قدم تیری اور اس طرح سے روز ترقی رہی تھوڑے عرصہ میں اس کے پیر بالکل ٹھیک ہوگئے اور وہ چلنے کے قابل ہوگئی۔ اس لڑکی کا عزم اس قدر مضبوط تھا اور اپنے پیدا کرنے والے پر اسے اس قدر اعتماد تھا کہ کامل صحت یاب ہوگئی۔ ایسے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر ہم ان کا خیال نہیں کرتے ہیں۔ ورنہ خود ہم میں صحت یابی کی قوت بہت بڑی حد تک موجود ہے۔

(ترجمہ)

زہرہ بیگم فیضی

کارآمد مشورے

(۱) بیچش میں کیلے کے اندر ذراسی افیم رکھ کے کھلانے سے فوراً آرام ہو جاتا ہے

(۲) چھوٹے بچوں کے ایک پورا خالص شہد روزانہ دانتوں پر مل دینے سے دانت بآسانی نکل آتے ہیں۔

(۳) نزلہ کھانسی میں گیہوں کا تازہ چوکر پلانے سے نزلہ جاتا رہتا ہے

(۴) گلے میں خراش ہوکر آواز بیٹھ جائے تو بیری کے پتے پانی میں پکا کر غرارہ کریجئے۔

(۵) ڈاک لگ جائے یعنی قے نہ رکتی ہو تو دریا ناریل گلاب کے عرق میں گھس کر پلانے سے فوراً رک جاتی ہے۔

(۶) جلی ہوئی جگہ پر کالی روشنائی کا لیپ کر دینے سے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی اور نہ آبلہ ہی پڑتا ہے۔

(۷) منہ یا دیگر مقامات پر مسے ہو جائیں تو سجی کا سفوف اور چونہ ملا کر تنکے سے لگانے سے جھڑ جائے گا۔ سردار محمد حسین

جام جیلی اور مارملیڈ

آچار چٹنی اور مربے وغیرہ کی اہمیت اور فائدے ہر شخص جانتا ہے کوئی ایسا گھرانہ نہیں جہاں یہ چیزیں شوق سے استعمال نہ کی جاتی ہوں حقیقتًا یہ چیزیں دسترخوان کی زینت بڑھا دیتی ہیں۔ ان سے نہ صرف بھوک کھلتی ہے بلکہ کھانا خوب کھایا جاتا ہے جو اہمیت ان چیزوں کی ہم ہندوستانیوں کے لئے ہے۔ وہی اہمیت جام جیلی اور مارملیڈ کو مغربی اقوام میں حاصل ہے۔ ان تینوں مغربی چیزوں کے تیار کرنے کی آسان مگر مفصل ترکیبیں یہاں بیان کی جاتی ہیں امید ہے کہ بہنوں کے لئے مفید۔ اور کارآمد ثابت ہوں گی۔

جام۔ جام ہر پھل سے تیار ہوسکتا ہے۔ اس کے لئے کسی خاص قسم کے پھل کی کوئی قید نہیں۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ پھل تروتازہ ہو۔ جام کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھل، شکر اور ترشی۔ اگر پھل خود ہی ترش ہو تو ترشی ملانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

جس پھل کا جام بنانا مقصود ہو اُسے پہلے چھیل لیا جائے اور اس کے بیج وغیرہ نکال کر پھینک دیئے جائیں۔ اب پھل کو کچل لیا جائے خواہ ہاتھ سے یا سل بٹے کی مدد سے۔ پھل کچلنے کے لئے ایک مشین بھی آتی ہے جو منسنگ مشین Mincing Machine کہلاتی ہے یہ مشین اسی قسم کی ہوتی ہے جیسی کہ قیمہ کرنے کی مشین۔ اگر پھل سخت ہو اور کچلنے میں نہ آسکے تو تھوڑے سے پانی میں اُبال کر نرم کرلیا جائے اور پھر کچلا جائے۔

آمیزشِ شکر اور پکانا۔ شکر کی مقدار پھل کی مٹھاس اور کھٹاس پر مبنی ہوتی ہے۔ پھل جتنا شیریں ہوگا اتنی ہی کم اس میں شکر ڈالی جائے گی اور پھل جس قدر ترش ہوگا اس میں اسی قدر زیادہ شکر ملائی جائیگی عموماً پھل کے وزن کی دو تہائی یا نصف مقدار میں شکر ڈالی جاتی ہے۔

کچلے ہوئے پھل کو کسی کشادہ برتن میں بغیر پانی کے پکنے کے لئے رکھ دیا جائے اور جب پھل کچھ پکنے لگے تو شکر ڈالنی شروع کی جائے یہاں چند باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں اول تو پھل بغیر پانی کے پکایا جائے۔ دوم پھل کے تھوڑا سا پکنے کے بعد شکر ڈالی جائے۔ سوم۔ شکر ایک دم ہی نہ ڈال دی جائے بلکہ تھوڑی تھوڑی کرکے۔ چہارم۔ اگر ترشی ملانے کی ضرورت سمجھی جائے تو قدرے لیموں کا عرق یا تھوڑا سا ایسڈ۔ جو بازار سے آسانی سے دستیاب ہوسکتا ہے ملا لیا جائے عموماً اسٹیک ایسڈ (Acitic) یا سائٹرک ایسڈ (citric acid) ڈالا جاتا ہے۔ پنجم۔ آنچ تیز ہونی چاہئے۔ کیونکہ پکنے میں دیر لگنے سے جام کے مزے میں فرق آجاتا ہے۔ ششم۔ جو برتن پکانے کے لئے استعمال کیا جائے وہ ایلومونیم یا جرمن سلور کا ہو۔ یا پھر تانبے پیتل کا۔ مگر قلعی شدہ۔

جام کا تیار ہو جانا۔ اب پھل کو اس وقت تک پکاتے رہنا چاہئے۔ جب تک جام تیار نہ ہو جائے۔ جام کب تیار ہو جاتا ہے؟ اس کے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا تو معمولی پکتے ہوئے پھل کو کسی چمچے میں لے کر گرایا جائے اگر وہ سب کا سب ایک ہی بڑے ٹکڑے کی شکل میں گرے تو سمجھو کہ جام تیار ہو گیا ورنہ نہیں۔ یہ شیٹنگ ٹیسٹ (Skeating Test) کہلاتا ہے۔ دوسرا طریقہ تھرمامیٹر ٹیسٹ ہے۔ جام ۱۰۵ ڈگری سینٹی گریڈ اور ۲۲۱ ڈگری فیرن ہائٹ پر تیار ہو جاتا ہے سینٹی گریڈ اور فیرن ہائٹ دو قسم کے تھرمامیٹروں کے نام ہیں۔ جو بہنیں اکثر و بیشتر جام جیلی شربت اور مربے وغیرہ بناتی رہتی ہیں ان کو چاہئے کہ ان دونوں تھرمامیٹروں میں سے کوئی سا بھی خرید لیں۔ یہ بہت کام کی چیز ہے

پکتے ہوئے پھل میں تھرمامیٹر لگا کر دیکھیں اگر پارہ مذکورہ درجوں تک پہنچ جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ جام تیار ہو گیا یہاں اس بات کا خیال رہے کہ تھرمامیٹر اس طرح لگایا جائے کہ برتن کو نہ چھوئے ورنہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے جب جام پک جائے تو اتار لیا جائے اگر جام کو آئندہ کے لئے رکھنا مقصود ہو تو کسی چوڑے منہ کی بوتل میں یا مرتبان میں یا ٹین کے ڈبے میں رکھیں اور وہ اس طرح کہ پہلے کسی بڑے برتن میں پانی ابالیں جب پانی اُبلنے لگے تو اس میں خالی بوتل یا مرتبان وغیرہ رکھ دیں۔ پانچ دس منٹ کے بعد اُتار لیں اور گرم گرم بوتل یا مرتبان میں گرم گرم جام بھر دیں۔ اوپر سے کاک یا ڈھکنا اس طرح سے بند کر دیں کہ اندر ہوا نہ جانے پائے۔ کیونکہ ہوا ہی بہت سی خرابیوں کی ذمہ دار ہے۔ ایسا بند رکھنے سے جام مدت تک محفوظ رہتا ہے نہ سڑے گا نہ اس میں کیڑے پڑیں گے اور نہ خمیر پیدا ہوگا اور نہ مزے میں کچھ فرق آئے گا۔

جیلی۔ جام کے لئے تو پھل کے قسم کی قید نہیں مگر جیلی کے لئے ہے۔ جیلی اسی پھل کی بن سکتی ہے جس میں پیکٹین اور ایسڈ ہوں پیکٹین پھل میں ایک سفید مادہ ہوتا ہے جو چھلکے اور گودے کے درمیان ہوتا ہے۔ ہم اسے سفیدہ کہیں گے یہ ہر پھل میں نہیں پایا جاتا۔ ایسڈ پھل کی ترشی اور تیزابیت کو اسے ہم ترشا کہینگے۔ یہ بھی ہر پھل میں نہیں ہوتا جیلی کے لئے پھل میں سفیدہ اور ترشا کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ان دونوں چیزوں کو جیلی کی روح سمجھنا چاہئے بغیر ان کے جیلی تیار ہی نہیں ہو سکتی چنانچہ جن پھلوں میں یہ سفیدہ اور ترشا نہیں ہوتے اور ان کی جیلی بنانا مقصود ہوتا ہے تو یہ دونوں چیزیں باہر سے ملائی جاتی ہیں۔

سفیدہ معلوم کرنے کا طریقہ۔ کسی امتحانی نلی (Tube) میں پھل کا چھنا ہوا رس لیجئے اس میں اسی مقدار میں اسپرٹ ملا دیجئے اور ایک دفعہ زور سے جھٹکا دے کر دیکھیں کہ آیا نلی کی تہ میں کوئی سخت گول سی چیز بن گئی ہے یا نہیں۔ اگر بن گئی ہو تو اس میں بہت زیادہ سفیدہ ہوگا۔ اور اگر گول سی چیز نہ بنی ہو بلکہ کچھ ٹکڑے ہوں جو منتشر ہوں تو سمجھئے کہ اس میں سفیدہ حسب ضرورت مقدار میں ہے۔

ترشا معلوم کرنے کا طریقہ۔ ایک برتن میں ایک چمچہ پھل کا رس اور ڈیڑھ چمچہ شکر لیں۔ دوسرے برتن میں ایک چمچہ عرق

لیموں۔ ڈیڑھ چمچہ شکر اور آٹھ چمچہ پانی لیں۔ اب دونوں کی ترشی کا مقابلہ کریں یعنی ایک چمچہ عرق لیموں ڈیڑھ چمچہ شکر اور آٹھ چمچے پانی ملایا جائے تو یہ معیار ترشی ہے۔ اب جو رس اس کے مقابلے میں جس قدر کم ترش ہوگا۔ اسی قدر ترشی باہر سے اس میں اور ملائی جائے گی۔

بہنوں کی آسانی کے لئے ذیل میں ایک مختصر سی فہرست دی جاتی ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ کس پھل میں سفیدہ اور ترشا ہے اور کس میں نہیں۔

وہ پھل جس میں سفیدہ اور ترشا بہت مقدار میں ہوتا ہے: کروندہ۔ کیتھا۔ لیموں۔ چکوترہ۔ کھٹی نارنگیاں۔ کھٹے سیب۔ کھٹے انگور۔ رس بھری۔ آلوچہ وغیرہ وغیرہ۔

وہ پھل جن میں سفیدہ اور ترشا حسب ضرورت ہیں: سیب۔ انگور۔ نارنگی۔ لوکاٹ۔ میٹھا لیموں میٹھا آلوچہ وغیرہ

وہ پھل جن میں یا تو سفیدہ نہیں یا ترشا نہیں یا دونوں نہیں: انار۔ امرود۔ آم۔ ناسپاتی۔ خوبانی اور انجیر وغیرہ۔

سفیدہ اور ترشا کی کمی پورا کرنے کا طریقہ۔ اگر کسی پھل میں جس کی جیلی بنانا مقصود ہو سفیدہ اور ترشا نہ ہو تو اس میں ایسے پھل کا عرق یا رس ملا دینا چاہیئے جس میں سفیدہ اور ترشا کی مقدار بہت ہے۔ مثلاً کروندہ۔ کیتھا۔ لیموں فرض کیجئے ہمیں آم کی جیلی بنانا ہے تو اس میں فی سیر ایک لیموں کا عرق یا پاؤ آدھ پاؤ کروندہ کا رس ملانا ہوگا۔

جیلی بنانا۔ جام تو گودے سے بنتا ہے اور جیلی عرق یا رس سے۔ پھلوں کے رس نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے پھل کو چھیل کر تھوڑے سے پانی میں بیس پچیس منٹ ابالیں اور پھر چھان لیں۔ اس طرح پھل کا تمام رس نکل آئے گا۔ ابالنے کے لئے پانی عموماً اتنا لینا چاہیئے جو پھل کے وزن کا ڈیڑھ گنا ہو۔ پھل کے چھیلتے وقت اس بات کا لحاظ رہے کہ چھلکے بہت باریک ہوں کیونکہ چھلکوں کے موٹے ہونے کی صورت میں سفیدہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے بعض پھل ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا عرق یا رس دبانے ہی سے نکل آتا ہے۔ مگر یہ اس قدر کم ہوتا ہے۔ کہ اس کے لئے بھی پانی میں اُبالنا ضروری ہوتا ہے مثلاً نارنگی کا عرق نکال کر اس کے گودے کو نصف وزن پانی میں اُبالنے سے نارنگی کا تمام رس نکل آتا ہے۔

جیلی کے لئے شکر کی مقدار سفیدہ اور ترشے کی کمی اور زیادتی پر مبنی ہے۔ زیادہ سفیدہ ہونے کی حالت میں زیادہ شکر کی ضرورت ہوگی ورنہ کم۔ شکر کی مقدار عموماً رس کے ہم وزن یا اس کی دو تہائی ہوتی ہے۔ اپنے اپنے مذاق کے مطابق شکر کی مقدار کم و زیادہ کی جاتی ہے شکر کی آمیزش سے قبل رس کو ایک ابال دیدینا چاہیئے اور پھر اسی ابلتے رس میں شکر ملا دینی چاہیئے تاکہ آسانی سے گھل جائے۔ اب قوام کو چھان کر پکنے کے لئے رکھ دیا جائے۔ جیلی کے لئے بہت تیز آنچ ضروری ہے کیونکہ ہلکی آنچ اور پکنے میں وقت لینا دونوں سفیدے کیلئے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ جیلی کو پکتے وقت چمچے وغیرہ سے ہلانا جلانا نہیں چاہیئے۔

جیلی جام کی طرح ۱۰۵ ڈگری سینٹی گریڈ اور ۲۲۱ ڈگری فیرن ہائیٹ پر تیار ہوجاتی ہے۔ یا پھر جبکہ قوام کی بوندیں پانی میں گرائی جانے سے جم جائے تو جیلی تیار ہوجاتی ہے۔ یا پھر جب قوام چمچے میں سے گرائے جانے کی حالت میں قطرے نہ گرے بلکہ ایک بڑے ٹکڑے کی شکل میں گرے تو جیلی تیار ہوجاتی ہے اگر اس وقت قوام پر کچھ جھاگ سے اُٹھیں تو ہوشیاری سے نکال کر پھینک دیئے جائیں۔ کیونکہ یہ شکر کا میل ہوتا ہے۔

مارملیڈ۔ جیلی اور مارملیڈ ایک ہی طریقہ سے بنائی جاتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مارملیڈ میں پھل کے چھلکے باریک باریک تراش کر ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ان کی آمیزش سے مزے میں کچھ فرق نہیں پیدا ہوتا مگر دیکھنے میں خوشنما اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔ چھلکوں کے یہ ٹکڑے قوام میں اس وقت ڈالے جاتے ہیں جبکہ جیلی تیار تو نہیں ہوچکتی مگر ہونے والی ضرور ہوتی ہے۔ یہ عموماً ۱۰۲ ڈگری سنٹی گریڈ یا ۲۱۴ ڈگری فیرن ہائٹ پر ملائے جاتے ہیں۔ ان کو قوام میں ڈالنے کے قبل تھوڑے سے پانی میں خوب اُبال لینا چاہئے تاکہ انکی ترشی اور تلخی نکل جائے۔ چھلکوں کے اندر کچھ سفید جھلی کی طرح چیز ہوتی ہے اُس کو پہلے ہی سے نکال دینا چاہئے۔ ان ٹکڑوں کو ایک دم نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے ڈالنا چاہئے تاکہ تمام ٹکڑے یکجا نہ جمع ہوجائیں بلکہ ہر طرف یکساں طور پر پھیلے ہوئے ہوں۔ ایک جگہ جمع ہوجانے سے ان کے ڈالنے کا جو مقصد ہوتا ہے وہ فوت ہوجاتا ہے یعنی خوشنمائی اور خوبصورتی ضائع ہوجاتی ہے۔ مارملیڈ میں عموماً نارنگی یا لیموں وغیرہ کے چھلکے ڈالے جاتے ہیں۔ امرود کی جیلی میں نارنگی کے چھلکے ڈالنے سے امرود کا مارملیڈ تیار ہوجاتا ہے۔ حالانکہ جس پھل کی جیلی ہو اسی پھل کا چھلکا ہونا چاہئے۔ آدھ سیر مارملیڈ کے لئے ایک پوری نارنگی کا چھلکا کافی ہوتا ہے۔ اگر جیلی اور مارملیڈ کو آئندہ کے لئے محفوظ رکھنا ہو تو وہی طریقہ استعمال کریں جو جام کے ذیل میں بیان کیا جاچکا ہے۔

شمیمہ خاتون الہ آباد

مسٹر ٹوڈ مورڈن کا عجیب مقدمہ

مسٹر ٹوڈ موڈن نے ٹرین کی سیٹ سے اُٹھتے ہوئے اپنی بحث کے آخری الفاظ یہ کہے۔ اچھا صاحب! میرا اسٹیشن تو آگیا ہے مگر آپ لوگوں نے مجھے یقین نہیں دلایا کہ ایک آدمی کسی طرح اپنی مرضی کے خلاف ارتکاب جرم کرسکتا ہے ایسے کمینے آدمی پر میں تو کبھی ترس نہ کھاؤں! خدا حافظ"

یہ موسم گرما کی شام کا وقت تھا سورج غروب ہو رہا تھا۔ ٹوڈ مورڈن خاندانی وکیل اپنے دن بھر کے کام پر مطمئن دمسرور رلیبٹ فارم سے ہوتا ہوا گھر کو جا رہا تھا راستہ میں اچانک اس کی نظر ایک بڑے مکان پر پڑی۔ جو سڑک سے ذرا دور واقع تھا ادہو! مس ہارٹلی مکان پر پھر رنگ کروا رہی ہیں" اس نے اپنے دل میں کہا۔ مس ہارٹلی اس کے امیر اور پرانے موکلوں میں سے ہونے کے علاوہ اس کی پرانی دوست بھی تھیں۔ دیوار کے ساتھ سیڑھی رکھی دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گیا یہ سیڑھی کتنی بے پرواہی سے دیوار کے سہارے رکھی ہوئی ہے۔ ہیں! چور کو راستہ بتانے کے سامان؟ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سیڑھی ناپنے کی کوشش کی جو کہ پہلی چھت کی کھڑکی کے عین نیچے تھی۔

"او! یہ کھڑکی تو مس ہارٹلی کے کمرے کی ہے" کافی دیر تک وہ اس پس و پیچ میں رہا کہ آیا گھنٹی کے ذریعہ مالک کو آگاہ کرے یا نہیں نہایت سوچ و بچار کے بعد اس نے یہ کہتے ہوئے گھر کا راستہ لیا کہ شاید مس صاحبہ اس معمولی سی بات کو کوئی وقعت نہ دیں۔ مگر راستہ بھر وہ یہی سوچتا رہا کہ وہ ملازمہ کے ساتھ اکیلی اتنے بڑے گھر میں رہتی ہے۔ چور بڑی آسانی سے سیڑھی کے ذریعہ نقب زنی کرسکتا ہے بس نقصان ہونے کے بعد وہ اخبار کے ذریعہ خبر کرتی پھرے گی کہ اس کی کتنی قیمتی اشیا چوری ہوگئیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی اسے مس صاحبہ کی ہیرے کی پن یاد آئی جس کو وہ اکثر پہنے رہتی تھی۔ تمام باتیں سینما کی متحرک تصاویر کی طرح اس کے سامنے پھر رہی تھیں۔ پھر اس کو اپنا دادا یاد آیا جو ایک مشکوک مقدمہ میں جلا وطن کیا گیا تھا گھر پہنچنے پر اس نے کھانا کھا کر انگریزی شراب پی۔ مگر مس ہارٹلی۔ یہ وہ ہیچ اور دادا کے مقدمہ کا خیال دل سے محو نہ ہوا۔ اور اسی خیال میں وہ کمرے میں جا کر سو رہا۔

صبح وہ اپنے معمول کے مطابق اسٹیشن جا رہا تھا کہ مس ہارٹلی کے مکان پر لوگوں کا جم غفیر دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ پاس جا کر اس نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ کیا ہوا۔ آخر ماجرا کیا ہے" قریباً آدھی درجن آوازوں نے ایک ہی بار میں جواب دیا۔

"صاحب قتل۔ ہائے۔ مس ہارٹلی بیچاری —" مسٹر ٹوڈ مورڈن نے اور کچھ نہ سننے کے بغیر ہی باغ کا رستہ پکڑا۔ دروازے پر گھنٹی دی جس کے جواب میں ایک پولس کے آدمی نے دروازہ کھولا۔ اس کے پیچھے ہی ملازمہ بُری طرح رو رہی تھی ٹوڈ مورڈن کو دیکھتے ہی وہ انتہائی صدمہ کی وجہ سے اس کے پاؤں پر گر پڑی۔ مسٹر ٹوڈ مورڈن نے ملازمہ کو ایک طرف

کرتے ہوئے، پولس کے آدمی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیوں کانسٹبل کیا معاملہ ہے؟"
اس سوال پر مشکوک نگاہ ڈالتے ہوئے کانسٹبل نے جواب دیا۔ "صاحب قتل ہوا ہے۔ کیا آپ مقتولہ کے رشتہ داروں میں سے ہیں؟"
"نہیں ہیں، اس کا وکیل ہوں اور پرانا دوست بھی۔ ہائے افسوس کتنا دردناک حادثہ ہے۔ کانسٹبل کیا کوئی افسر بھی موجود ہے؟"
"جی ہاں۔ دو انسپکٹر اوپر ہیں" ٹوڈ مورڈن اوپر گیا۔ دونوں افسروں کے تعارف کے بعد چارپائی پر پڑی ہوئی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ منہ پر سے چادر ہٹانے کے بعد مقتولہ کی پیشانی پر گولی کا نشان دیکھ کر دلی جذبہ غم کی وجہ سے وہ کانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ "کچھ ... کچھ .... سراغ؟"
"نہیں صاحب" انسپکٹر نے جواب دیا۔ "ہائے کتنی دردناک موت ہے۔ وہ میری پرانی دوست تھی۔ اس کا دشمن تو بھی کوئی نہ تھا۔ کیا کچھ چوری ہوا؟" مورڈن نے دریافت کیا۔ "چیز تو کوئی چوری نہیں گئی۔ میرے خیال میں قاتل اتنے سنگین جرم کے بعد ڈر کی وجہ سے بھاگ نکلا ہے"۔ انسپکٹر نے جواب دیا۔
"کب انکشاف ہوا؟"
"آج صبح۔ جبکہ ملازمہ چائے لے کر گئی تھی۔ وہ کہتی ہے کہ اس نے رات کوئی کھٹکا تک نہیں سنا"
"کیا ملازمہ نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ کچھ بھی چوری نہیں گیا" مورڈن نے دریافت کیا۔ "صاحب تالے تو سب بند پڑے ہیں۔ ملازمہ کو بلا کر پھر دریافت کیا جاتا ہے"۔ انسپکٹر نے جواب دیا۔
روتی ہوئی ملازمہ کو بلا کر کہا گیا کہ وہ اچھی طرح دیکھ لے کہ کچھ چوری تو نہیں گیا۔ ملازمہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کمرے میں ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ اچانک چیخ مار کر اس نے بتایا کہ اس کی مالکہ کی ہیرے کی پن غائب ہے۔
"یا خدایا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے۔ کل رات میں اس بروچ کے بارہ میں سوچ رہا تھا کہ مس ہارٹلی کتنی بے پرواہی سے اسے پہن کر آتی جاتی ہے۔ حالانکہ میں نے اسے کتنی دفعہ منع کیا تھا کہ وہ ایسی قیمتی اشیاء کو ہر جگہ مت پہن کر جایا کرے"۔ مورڈن نے گھبراہٹ میں کہا۔ انسپکٹر نے مشکوک لہجہ میں کہا "بے شک۔ قاتل سیڑھی کے ذریعہ اوپر آیا ہوگا۔ لیکن ہم لوگوں نے تو کوئی سیڑھی نہیں دیکھی"۔
"رات کو قریباً چھ بجے میں نے کھڑکی کے پیچھے ایک سیڑھی رکھی دیکھی تھی۔ میں مس ہارٹلی کو بلا کر آگاہ کرنے لگا تھا مگر... کاش میں ایسا کرتا مجھے یقین ہے کہ وہ کمینہ اس سیڑھی کے ذریعہ اوپر آیا ہوگا" اس نے خود بخود حیران و پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ "اچھا مجھے شہر جانا چاہیے۔ شام کو گھر جاتے ہوئے پھر حاضر خدمت ہونگا۔ اگر دن کے وقت آپ کو کچھ سراغ ملے تو مجھے خبر کر دیں" یہ کہہ کر وہ پریشانی کا بوجھ دل میں لیتا ہوا چلا گیا۔
شام کو وہ گھر جاتے وقت انسپکٹر سے ملا۔ اس نے بتایا کہ "آپ نے سیڑھی کا ذکر کیا تھا۔ دریافت حال سے معلوم ہوا ہے کہ شام کو وہ سیڑھی ہٹوا دی گئی تھی مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ قاتل نے وہ سیڑھی استعمال کی ہے کیونکہ وہ کھڑکی سے

ہی آیا تھا جس کو وہ کھلی چھوڑ گیا ہے"۔

"کوئی سُراغ ملا؟" "جی ہاں' پہرےدار نے آج دو بجے رپوٹ دی ہے کہ اس نے رات کے وقت ایک آدمی کو فلالین کی پتلون پہنے بے تحاشا بھاگتے ہوئے دیکھا۔ مگر تفتیش پر پاؤں کے نشان نہ مل سکے۔ شاید وہ ربڑ کا جوتہ پہنے تھا۔ باوجود کوشش کے بھی کانسٹبل اس کو نہ پکڑ سکا"۔

"یا اللہ" مورڈن سوچ میں پڑ گیا۔ انسپکٹر اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

کیا آپ ہمیں بتا سکتے کہ قاتل کون ہے؟ کم از کم آپ یہ بتا سکتے ہیں اس کا وارث کون ہے؟"

وارث! ۔اس کے رشتہ داروں میں صرف اس کا ایک بھتیجا ہے وہ آجکل امریکہ میں قیام پذیر ہے۔ میں نے آج اس کو تار دیا تھا۔ جس کا جواب بھی آ گیا ہے۔ انسپکٹر صاحب میں قاتل کا سراغ لگانے کے لئے بہت بے قرار و بےچین ہوں۔ میں کبھی آرام نہیں کر سکتا جب تک اس کو گرفتار نہ کروا لوں۔ گرفتار کرنے والوں کو سو پونڈ انعام دونگا"

شکریہ مسٹر۔ مجھے امید ہے کہ ہم لوگ ضرور پتہ لگا لینگے"۔ مسٹر ٹوڈ مورڈن دوست کی جدائی، پریشانی اور نزدگی وجہ سے گھر پہنچنے تک برسوں کا بیمار اور بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ ایک ہفتہ تک اگر قاتل کا سراغ نہ ملا تو وہ انعام دگنا کر دے گا۔ سوتے وقت تک وہ یہ تمام خیالات نہ بھول سکا۔ رات کا پاجامہ پہنے ہوئے اس نے جیب میں سے کوئی سخت سی چیز محسوس کی۔ اس کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس کی جیب میں سے وہی بروچ برآمد ہوئی جس کی مالک مس ہارٹلی تھی۔ "یا میرے مولا" اس نے اپنے آپ کو کرسی پر گراتے ہوئے کہا۔ کیا سازش؟ آخر یہ بروچ میری جیب میں کہاں سے آ گئی۔ کیا نوکر کا یہ کام ہے۔ نہیں نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کیا میں پاگل ہو رہا ہوں۔ میں کل رات باہر تو نہیں گیا"۔ اس خیال کے آتے ہی اسنے اُٹھ کر ڈریسنگ میز کے دراز کھول کر پستول نکالا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کو غور سے دیکھا۔ "خدایا" "ایک گولی غائب ہے"۔ وہ حیرت اور پریشانی سے چلاّ اُٹھا۔ کئی گھنٹے تک وہ کمرہ میں ادھر ادھر پھرتا رہا۔ کیا میں نے اپنی دوست کو قتل کیا ہے۔ اس سے پیشتر کہ میں اس کو قتل کرتا۔ مجھے موت آجاتی تو بہتر تھا۔ آخر میں نے یہ جرم کیوں کیا؟" آخر کار تھکن محسوس کرتے ہوئے وہ پلنگ پر لیٹ گیا اور سو گیا۔

آنکھ کھلنے پر اس نے اپنے چاروں طرف اندھیرا محسوس کیا۔ حالانکہ سوتے وقت اس نے بتی کھلی چھوڑی تھی۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ وہ لیٹنے کی بجائے کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک کاپی بھی تھی۔ بٹن دبانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وہ غائب۔ خوف۔ ڈر اور وحشت کی وجہ سے سر تا پا کانپ رہا تھا۔ نہایت جستجو کے بعد بٹن ملا۔ روشنی ہونے پر اس کی تعجب اور حیرانی کی انتہا نہ رہی، جب اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں اس کے دادا کے مقدمہ کا پلندہ ہے اور وہ سونے والے کمرے کی بجائے کھانے والے کمرے میں کھڑا ہے۔ آخر وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آنے پر کمرے میں روشنی بدستور تھی۔ وہ اُٹھا۔ بجلی بند کی اور سوچ میں کھڑا رہا۔ آخر کار اس کو تمام واقعہ یاد آ گیا۔

دروازے پر کوئی آہٹ سُن کر وہ سونے والے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اب ہر وچ سے نجات پانے کا متلاشی تھا۔ تاکہ وہ اپنے جرم کو چھپا سکے۔ ساتھ ہی اسے پاجامہ کا خیال آیا۔ اسے غور سے دیکھا تو وہاں خون کے ہلکے دھبے موجود تھے۔ مس ہارٹلی کی کھڑکی کا رنگ بھی لگا ہوا تھا۔ آخر میں اسے ریوالور کا خیال آیا جس میں ایک گولی غائب تھی۔ یکا یک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ خوف و پریشانی نے گویائی چھین لی۔ آخر نہایت کوشش سے بولا۔ "کون ہے؟" "صاحب ایک پولس کا آدمی آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے" جواب دیا۔ "اچھا اسے کہو کہ میں ابھی آتا ہوں"۔ مورڈن نے آواز کو درست کرتے ہوئے کہا۔ نوکر نے فوراً دوبارہ آواز دی "صاحب وہ کہتا ہے کہ میں رک نہیں سکتا"۔ "کیا سراغ مل گیا ؟" ۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ "اچھا اسے کمرے میں بٹھاؤ"۔ نوکر کو جواب دیا۔ مسٹر ٹوڈ مورڈن نے ایک سیکنڈ تک کچھ سوچا نائٹ گون پہننے میں انکی نظر میز پر رکھے ہوئے پستول پر پڑی جس کو اس نے فوراً جیب میں ڈال لیا۔ پاجامہ کے ساتھ قمیص پر نظر پڑتے ہی اس کا رنگ فق ہوگیا کیونکہ اس کا ایک بٹن غائب تھا۔ پولس مین کو زیادہ دیر تک منتظر رکھنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے وہ دوسرے کمرے میں گیا اور انسپکٹر سے ملا۔ "میری رات سخت پریشانی میں گزری ہے" اس نے اپنے چہرے کے خوف کو چھپاتے اور انسپکٹر کی مشکوک نگاہوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نہایت خوشی سے یہ بتانے آیا ہوں کہ مجرم کا ذرا سا سراغ ملا ہے۔ یہ پاجامہ کا ایک بٹن ہے"۔ "کیا یہ سچ ہے؟" مورڈن نے خشک ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے پوچھا۔ "جی ہاں کیسی عجیب بات ہے؟" انسپکٹر نے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بڑے تعجب کی بات ہے۔ ہاں انسپکٹر صاحب میں اس انعام کو دگنا کرنے کی بابت سوچ رہا تھا"۔ "شکریہ جناب کا۔ مجھے امید ہے کہ ہم لوگ اب عنقریب آپ سے چیک مانگیں گے۔ بس اب صرف اتنا دریافت کرنا باقی ہے کہ پاجامہ کہاں سے خریدا گیا ہے"۔ انسپکٹر نے کہا۔ "ہاں ہاں۔ بالکل ٹھیک ہے"۔ اُس نے انسپکٹر کو جواب دیا۔ "کیا یہ ملاقات کبھی ختم نہ ہوگی"۔ مورڈن نے اپنے دل میں سوچا۔

"اگر ہم لوگوں نے اس قسم کے اور بٹن ڈھونڈھ لئے تو سمجھو کہ سراغ مل گیا مسٹر ٹوڈ مورڈن! میرے بٹنوں سے تو یہ بٹن نہیں ملتا۔ آپ اپنے بٹنوں سے ملائیں"۔ یہ کہتے ہی انسپکٹر آگے بڑھا اور اس نے مورڈن کا گون کھولنا شروع کیا۔ پاجامہ کے ساتھ قمیص کا ویسا ہی ایک بٹن غائب دیکھکر وہ خوشی سے چلا اٹھا۔

"جیمز ہینری ٹوڈ مورڈن ہیں"۔

یہ سنتے ہی ٹوڈ مورڈن گھبراہٹ میں جلدی سے پیچھے ہٹا۔ اس نے ایک ہی چیخ کے ساتھ جیب سے کچھ نکالا۔ ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی جسم کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب انسپکٹر کے ہوش و حواس درست ہوئے تو وہ بیجان لاش کو نہایت مسرت اور افسوس سے دیکھ رہا تھا اور اس عجیب وغریب مقدمہ پر حیران و پریشان تھا۔

ترجمہ از انگریزی۔

رفیعہ ریاض الحسن برنی۔ رانچی۔

نفسیات

Psychology　　　سائی کولوجی

(از محترمہ شائستہ اختر سہروردیہ بی۔ اے (آنرس))

گذشتہ چالیس سال میں جس چیز نے یورپ کے زاویہ نگاہ کو بدلنے میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے وہ سائی کولوجی یا نفسیات کے انکشافات ہیں۔ انسانی فطرت اور اخلاق کے متعلق سائی کولوجی نے وہ باتیں بتائی ہیں جن سے اُن تمام خیالات کی تردید ہوجاتی ہے جو اب تک انسانی فطرت اور انسانی اخلاق کے متعلق تھے۔

سائی کولوجی ایک زبردست سائنس ہے جس کے متعلق ہزارہا کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور ایک مضمون میں یہ بتانا مشکل ہے کہ اسکے اصول کیا ہیں۔ تاہم اس کے متعلق جو چند موٹی موٹی باتیں آج کل یورپ میں معلومات عامہ میں سے ہیں۔ اور اُن کا میں یہاں ذکر کرونگی۔

اب تک انسانی خامیوں کی بابت یہ خیال تھا کہ یہ فطرت انسانی کی جبلی کمزوری کا نتیجہ ہیں اور نئی اصلاح عمدہ تربیت یا ضبطِ نفس سے ہوسکتی ہے۔ سائی کولوجی کا نظریہ یہ ہے کہ ساری انسانی خامیاں مثلاً خوف۔ بزدلی۔ حسد۔ کینہ۔ بغض۔ تنگ نظری۔ غرور۔ وغیرہ۔ بچپن کی غلط اور غیر نفسیاتی طور پر تربیت کا نتیجہ ہیں۔ بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے وہ ماہر نفسیات کا اصولوں کے مطابق بُرائی بھلائی سے یکسر مبرا ہوتا ہے۔ اور اس کے عمر کی پہلے دو سال کی تربیت و ماحول اس کی آیندہ زندگی کے کریکٹر کا فیصلہ کردیتا ہے۔

بظاہر اس اصول میں کوئی نئی بات نظر نہیں آتی۔ زمانہ قدیم سے یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ بچپن کی تربیت کا کریکٹر پر بہت گہرا اور فیصلہ کُن اثر پڑتا ہے۔ لیکن نفسیاتی اصول کی تربیت کا مقصد کچھ اور ہے۔ مثلاً یہ بات مانی ہوئی تھی کہ ضبط اور ایثار بہت اچھی چیزیں ہیں اور بچپن سے ہی بچہ کو اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا سکھایا جاتا ہے اور خود غرضی سے نفرت دلائی جاتی ہے لیکن نفسیاتی اصول سے ضبط یا جبر کا اثر بہت خراب ہوتا ہے۔ اور کریکٹر کی بہت سی خامیاں اس بے جا جبر کا نتیجہ ہیں۔ اس جبر کو سائی کولوجی کی اصطلاح میں (Repression) کہتے ہیں۔ اور تمام اعصابی امراض مثلاً ہسٹریا۔ نیوراسس وغیرہ کی وجہ یہی جبر یا "ری پریشن" ہے۔

اکثر بڈھوں اور بعض اوقات جوانوں کے مزاج میں جو ایک قسم کا کھرکھرا پن۔ خواہ مخواہ کی عیب جوئی۔ اور اعتراض پسندی پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ بھی ماہر نفسیات کے نزدیک یہی "ری پریشن" یا جبر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے فطرت کے خلاف جہاد کیا اور جبر سے اپنے آپ کو لطفِ زندگی سے محروم رکھا اسلئے جب وہ کسی دوسرے کو خوش ہوتا اور اُن چیزوں سے لطف اندوز ہوتا دیکھتے ہیں جس سے اُنھوں نے احتراز کیا تو وہ اُنہیں بُرا بھلا کہہ کر اور اعتراض کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے

ہیں۔ عیب جوئی۔ اور اعتراض پسندی کی وجہ ماہر نفسیات کے نزدیک سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ خود معترض کا دل اپنی چیزوں کو للچا رہا ہے اور چونکہ انہیں اتنی ہمت نہیں کہ وہ سوسائٹی کے اعتراض کا متحمل ہو کر ان سے بہرہ اندوز ہوتے اس لئے خود واعظ اور معترض ہوتا ہے۔

غرور۔ حسد۔ خود پسندی کی وجہ سے نفسیاتی اصول کے مطابق (Inferiority Complex) یعنی اپنی کمتری کا احساس ہے۔ مغرور یا حاسد شخص کو اس کا احساس ہوتا ہے کہ اس میں وہ باتیں نہیں ہیں جو اوروں میں پائی جاتی ہیں اور وہ اپنی اس کمی اور کوتاہی کو چھپانے کے لئے شیخی بگھارتا ہے یا غرور کا اظہار کرتا ہے یا جس میں وہ صفات ہیں جسکی اُسے خواہش ہے اسی سے حسد کرتا ہے اور اُسے بُرا بھلا کہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل دل میں اس بات پر نادم ہے کہ اُسمیں وہ صفتیں نہیں ہیں جن کی اُسے خواہش ہے۔

بعض لوگوں کو جنہیں شیخ چلّی کی طرح شیخیاں بگھارنے کی عادت ہوتی ہے اور وہ لوگ جو کہ امیر سے غریب ہو گئے ہیں اپنے گذرے ہوئے اچھے دنوں کے بارے میں جو بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں اس کی وجہ بھی نفسیاتی اصول سے یہی احساسِ کمتری (Inferiority Complex) ہے۔ وہ دل میں خفیف ہوتے ہیں اور اپنی خفت شیخی بگھار کر چھپانا چاہتے ہیں۔

ظلم۔ سنگدلی۔ وغیرہ کا مادہ بھی اوائل زندگی کی کسی نفسیاتی غلطی سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی وقت بچپن میں اس شخص کے جذبہ کو ٹھکرایا گیا ہوگا یا اُس کے ساتھ ظلم کیا گیا ہوگا اس لئے بڑا ہو کر وہ شخص خود ظالم ہوا۔ نفسیاتی ماہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ بعض دفعہ کسی حساس بچّہ کی کسی غلطی پر جو اس کے لئے بہت بڑی اہمیت رکھتی ہو ہنس دینا اُس کی تمام زندگی کے نظام کو بدل سکتی ہے۔ مثلاً کسی بچے کو مصوری سے حد درجہ اُنس یا انجینرنگ سے بہت شفقت ہے اور وہ بڑی کوششوں سے ایک تصویر یا ایک موٹر بناتا ہے۔ بڑوں کے نزدیک اس کی شاہ کار ایک معمولی سی چیز ہے اور وہ اُس کی ہنسی اُڑاتے ہیں کہ بھلا دیکھنا ذرا اس پھول کے درخت کو اس میں پتے تو ہیں ہی نہیں۔ اس قسم کا کوئی جملہ ایک حساس بچے کو بہت ہی چوٹ پہنچا سکتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی تمام زندگی پر اُلٹا اثر باقی رہے۔ اس قسم کے جذبات مسخ ہو جانے کو پروژن کہتے ہیں۔ اور دُنیا کے تمام مشہور جرائم پیشہ نفسیاتی اصول کے مطابق (Perverts) تھے۔ نفسیاتی ماہر ہٹلر کو بھی ایک (Pervert) قرار دیتے ہیں۔

بچپن میں ڈر جانے سے یا ڈرا دینے سے، تنہا کمرے میں چھوڑ دینے سے، کسی اونچی جگہ سے اچانک گر جانے سے بھی مختلف قسم کے خوف اور وہم دل میں سما جاتے ہیں۔ ان اوہام کو نفسیاتی ماہر (Complex) کہتے ہیں کہ اس شخص کو "فیر کمپلکس" یعنی فلاں کو خوف کا وہم ہے۔

لہو لعب میں وقت و مال مشغول رہنا۔ اخلاقی اصول سے قطعی لاپروائی۔ نفسیاتی ماہروں کے نزدیک عموماً کسی بڑے صدمے یا ناکامی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یا کہ ایک حساس اور شاعرانہ طبیعت کا اپنے مقصد زندگی کے حاصل نہ ہونے کی حالت

میں اس کمی کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

یورپین سائیکلوجسٹ جنگ عظیم کے بعد نوجوانوں کی عیش پرستی اور بے دینی کا سبب؛ زندگی کا کوئی مقصد نہ ہونا اور نام نہاد دین داروں کی منافقت سے تنفر بتاتے ہیں۔

جنگ عظیم کے بعد تمام اخلاقی اصولوں سے ہاتھ دھوکر لہو ولعب میں مصروف رہنے والی لڑکیاں عموماً وہ تھیں جن کی اُمیدوں اور ارمانوں کا جنگ نے خون کر دیا تھا اور اب وہ اپنی ناکامی اور یاس کو ظاہری تفریح سے چھپانا چاہتی تھیں۔

نفسیات کے اصول نے ان کریکٹروں کو جو پرانے اصولوں کے مطابق برے سمجھے جاتے تھے دلچسپ اور قابل ہمدردی بنا دیا ہے۔ اور انہیں جو نیک اور قابلِ تعریف خیال کئے جاتے تھے۔ منافق اور غیر دلچسپ قرار دیا ہے۔ نفسیاتی اصول سے غمگین یا معترض یا مغرور دلچسپ اور قابل سماعت ہیں کیونکہ ان میں یہ عیوب کسی صفت کی ناقدری یا جبر سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا سمجھنا اور ان کا ازالہ کرنا ماہر نفسیات کا کام ہے۔ جسے (Psycho-analysis) کہتے ہیں۔

دورِ جدید کے بیشتر یورپین ناول نفسیاتی تجزے پر مبنی ہیں ان میں مشکل اور معتوب کریکٹروں کے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کے خیالات اور جذبات کی ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے۔ اُردو میں اب تک اس قسم کے ناول واقعی نایاب ہیں۔ نیاز فتحپوری کی "شہاب کی سرگذشت" اور قاضی عبدالغفار کی "لیلیٰ کے خطوط و مجنوں کی ڈائری" اس قسم کی چیز ہیں۔

ادب کے علاوہ سائیکو انالسس یورپین ڈاکٹری کا ایک اہم جزء ہے۔ فرائڈ (Freud) نے جسے جدید سائی کولوجی کا بانی سمجھنا چاہیئے اور جس کی کتابوں اور اصولوں نے سب سے زیادہ ہل چل پیدا کی اور عوام کو جس کے ذریعہ سائی کولوجی سے واقفیت پیدا ہوئی سب سے پہلے علاج ہی کے طور پر سائی کولوجی اور سائی کو انالسس کی اشاعت کی تھی۔ اس کا قول ہے کہ اگر سائی کو انالسس کے ذریعہ سے ان جذبات کا پتہ لگا لیا جائے جو کہ (Subconscious) میں یعنی غیر ارادی طور پر لوگوں کے دل میں موجود ہیں تو تمام اعصابی امراض یہاں تک کہ پاگل پن کا بھی علاج ہو سکتا ہے۔ تمامتر دماغی اور جذباتی ہیجان کا سبب وہ نفسِ تحت الشعوری احساسات ہیں جنکا کہ خود انسان کو بھی علم نہیں ہے لیکن جنکو سائی کو انالسس کے ذریعہ انسان کے کانشش (Conscious mind) یعنی یاد میں لایا جا سکتا ہے۔

فرائڈ (Freud) کا یہ انکشاف یا اصول اب تمام جدید یورپین ڈاکٹروں نے مان لیا ہے۔ اور اعصابی امراض کے علاج میں سائی کو انالسس سے بہت کام لیا جاتا ہے۔

سائی کولوجی کے اصولوں نے بچوں کے ساتھ برتاؤ میں بھی بڑا فرق پیدا کیا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ والدین بچے پر جبر سے قطعی احتراز کرتے ہیں وہ آزادیاں دیتے ہیں جن کا کہ بیس برس پہلے کے والدین کو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا۔

سائی کولوجی تمام سائنسوں میں نئی ہے اور ہنوز اسکی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ اسکے بہت سے اصول قابلِ پذیرائی نہیں ۔۔۔ اب تک نظر نہیں آتا لیکن چند سالوں میں آنے لگے گا۔

...فطرت کے متعلق وہ انکشافات کئے ہیں جنہوں نے یورپ کی ذہنی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے اور نفسیاتی نقطۂ نگاہ...

میر متضاد علی

ایک انگریزی مثل ہے کہ اگر کسی کتے کا بھی برا نام رکھا ہے تو اسکو پھانسی دیدو۔ پھر معلوم نہیں کہ میر متضاد علی کے ماں باپ نے اُن کا یہ بیہودہ نام کیوں رکھا۔ ان کے ماں باپ تو مر گئے۔ مگر ان صاحبزادہ کا نام آخر رنگ لاتے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ بھی ان حضرت سے تو ضرور ملے ہوں گے۔ کچھ عجیب قسم کے آدمی واقع ہوئے ہیں۔ کبھی تو ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دیوانے معلوم ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایسی منطق بگھارتے ہیں کہ سننے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ کبھی ایسی زدہ حالت میں رہتے ہیں کہ فقیر معلوم ہوتے ہیں۔ اور کبھی وہ ٹھاٹھ کا ڈریس پہنتے ہیں کہ ٹپ ٹاپ جنٹلمین gentleman بن جاتے ہیں۔ کبھی ایسے کنجوس ہو جاتے ہیں کہ بھوکے کو پیسہ نہیں دیتے۔ اور کبھی وہ حاتم بن جاتے ہیں کہ موٹے مسٹنڈے فقیروں کو روپے تقسیم کرنے لگتے ہیں۔ کبھی دوستوں میں ایسے بیٹھتے ہیں کہ اُٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ اور کبھی بلاؤ بھی تو آنے سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ بھلا ایسی متضاد طبیعت کے آدمی کا سنبھالنا کوئی آسان کام ہے۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ سب انکو چھوڑ بیٹھے ہیں اور یہ سب کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بس ایک میں ہوں کہ کسی نہ کسی طرح لشتم پشتم گزری چلی جاتی ہے۔

ایک دفعہ میں نے کہا بھی کہ "مسٹر متضاد آخر تم نے اپنی طبیعت میں یہ دو عملی کیوں پیدا کر لی ہے۔ اور دو عملی بھی ایسی کہ تمہاری صحبت میں بیٹھ کر جی گھبرانے لگتا ہے۔ جہاں مذاق کی باتیں ہو رہی ہوں وہاں آپ حد درجہ کے متین ہو جاتے ہیں اور جہاں متانت کی گفت گو ہو رہی ہو وہاں آپ مذاق تو کیا پھکڑ پن پر اُتر آتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ صحبت کا رنگ دیکھکر گفتگو کرے۔ آخر اس طرح نکو بننے سے فائدہ؟ یہی وجہ ہے کہ لوگ ذرا آپ سے ملتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ امام صاحب جامع مسجد آپکی باتوں پر بگڑ کر چلے گئے۔ یہ میں مانتا ہوں کہ امام صاحب کچھ زیادہ سمجھدار آدمی نہیں ہیں لیکن بھائی جان کوئی بھی ہو اپنے مذہب کا مذاق کبھی اُڑتے نہیں دیکھ سکتا۔ اور لطف یہ ہے کہ جو گفتگو آپ نے امام صاحب سے مسئلہ حشر و نشر سے متعلق کی۔ وہ اس گفتگو کے بالکل خلاف تھی۔ جو آپ چند ہی روز پہلے اپنے ایک دوست مسٹر "ڈھل مل یقین" سے کر چکے ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے کہ آپکی کس بات کا یقین کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اور تو اور خود میں بھی نہیں جانتا کہ آپ میرے دوست ہیں یا دشمن میاں۔ دُنیا کو دُنیا دار کی طرح چلاؤ۔ ورنہ یاد رکھو کہ شہر تو کیا دُنیا میں رہنا مشکل ہو جائیگا۔" اسکا جواب جو ان حضرت نے دیا وہ بس سُننے کے قابل ہے۔ فرمانے لگے "سنو یار عزیز۔ تم اعتراض تو ٹھونک دیتے ہو مگر یہ نہیں سمجھتے کہ جواب ایسا ملیگا کہ مُنہ پھیر جائیگا۔ تم کہتے ہو کہ دُنیا کو دنیا دار کی طرح چلاؤ۔ میں پوچھتا ہوں کہ انسان کے دُنیا میں آنیکی غرض کیا ہے۔" میں نے کہا "دُنیا میں مل جُل کر رہنا اور اپنی عاقبت درست کرنا۔" کہنے لگے "بالکل غلط۔ یہ دین داروں کا کام ہے نہ کہ دنیا داروں کا۔ دنیا دار کا کام یہ ہے کہ یہاں شہرت حاصل کرے تاکہ مرنے کے بعد اس کا نام رہ جائے۔

میر تقی میر نے اپنے ایک شعر میں انسان کے اس دنیا میں آنے کی غرض کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

شہرت حاصل کرنے کے بہت طریقے ہیں۔ بعض بیوقوف داد و دہش سے شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ شہرت ضرور ہو جاتی ہے مگر تھوڑے دن کے لئے۔ ادھر انکی آنکھیں بند ہوئیں اور ادھر وہ شہرت ہوا ہو گئی۔ ادھر سوتا بند ہوئی اور اُدھر شہرت کی ندی خشک ہوئی۔ بعض عقلمند ولی اللہ بنکر تھوڑے دنوں کیلئے مشہور ہو جاتے ہیں۔ لیکن اوّل تو یہ شہرت محدود ہوتی ہے۔ دوسرے اسکا زور صرف ان حضرت کی زندگی تک رہتا ہے۔ اصلی شہرت وہ ہے جو کم سے کم ایک دو صدی تک تو قائم رہے۔ اسلیئے جو سمجھدار لوگ ہوتے

ہیں انھوں نے اپنا نام دُنیا میں چھوڑ جانے کے دوسرے بھی طریقے اختیار کئے ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں کہ تم جیسے ٹھوٹھ آدمیوں کا خیال وہاں تک پہنچنا محال ہے۔"

میں نے کہا۔" خیر میر صاحب میں ٹھوٹھ سہی۔ بیوقوف سہی۔ ذرا میں بھی تو سُنوں کہ آپ جیسے سمجھدار لوگوں نے شہرت حاصل کرنے کا آخر کیا ذریعہ اختیار کیا ہے۔"

کہنے لگے۔" تو سُنو۔ یہ دو رنگی دُنیا ہے۔ اسلئے جو شخص اپنی طبیعت دو رنگی کر لیتا ہے وہی کچھ دنیا میں نام چھوڑ جاتا ہے۔"
میں نے کہا۔" میں آپکا مطلب نہیں سمجھا۔" کہنے لگے۔" سمجھتے تو اچھا ہی نہ ہوتا۔ میاں دو رنگی کے یہ معنی ہیں کہ کوئی سمجھ ہی نہ سکے کہ اس شخص کے اصلی خیالات کیا ہیں۔ اور یہ کس موقع پر کیا عمل کریگا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں اس کے خیالات اور افعال کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ اخباروں میں ذکر چھڑتا ہے۔ اور بعض وقت تو مار کُٹائی کی نوبت آجاتی ہے۔ اب تم ہی دیکھو کہ میں نے امام صاحب جامع مسجد سے حشر و نشر کے خلاف گفتگو کی۔ ظاہر ہے کہ یہ انکو کسقدر ناگوار نہ گزری ہوگی۔ اس بارے میں میری جو گفتگو مسٹر ڈھل مِل یقین" سے ہوئی وہ حشر و نشر کی موافقت میں تھی۔ اگر یہ دونوں حضرات کہیں ملے اور اس مسئلہ پر گفتگو چھڑی۔ اور میری رائے کے حوالے دیتے گئے" تو کیا کچھ لُطف نہ آئے گا۔ اور یہی جھگڑا میری شہرت کا باعث بن جائیگا۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی طبیعت کا اصلی رنگ کبھی پر ظاہر نہ ہونے دے۔ اور موقعہ کے لحاظ سے ایسی باتیں کرے کہ کبھی تو مخاطب یہ سمجھے کہ ان کی رائے میری رائے کے موافق ہے اور کبھی سمجھے کہ نہیں میری رائے کے مخالف ہے جس شخص کے قول و فعل کا اعتبار دنیا والوں کو ہو جاتا ہے وہ شخص کبھی شہرت حاصل نہیں کر سکتا۔ دُنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو۔ ہر جگہ یہی پاؤ گے کہ اپنے قول و فعل پر قائم رہنے والے افراد ہی نہیں بلکہ قومیں ہمیشہ نقصان میں رہی ہیں۔ موجودہ زمانہ ہی میں دیکھ لو ترک کیوں تباہ ہوئے۔ اپنے وعدوں پر قائم رہنے سے۔ یورپ کی دوسری قوموں نے کیوں ترقی کی اور شہرت کے آسمان پر آفتاب بنیں۔ محض اس وجہ سے کوئی سمجھ ہی نہ سکا کہ یہ کہتی کیا ہیں اور کرتی کیا ہیں۔ آجکل جو یورپ میں جنگ ہو رہی ہے وہ میری رائے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔
اگرچہ شروع ہی سے جرمنی کے قول و فعل پر اعتبار نہ کیا جاتا تو جنگ کی یہ حالت کیوں ہوتی۔ اور ہر ہٹلر اور راس کے شر کا اتنی شہرت کس طرح حاصل کر سکتے۔ دنیا سمجھتی تھی کہ جرمنی کی اگر جنگ ہوئی تو روس سے ہوگی۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ جرمنی چیکوسلوواکیا۔ آسٹریا۔ پولینڈ۔ ہالینڈ اور بلجیم کو کھا گیا۔ جنکو ہمیشہ یقین دلاتا رہا تھا کہ تم میرے دوست ہو اور تم سے نہ میری بگڑی ہے اور نہ بگڑیگی۔ بہرحال اصول یہ ہے کہ طبیعت کی دو رنگی خواہ وہ کسی ایک شخص کی ہو یا کسی قوم کی ہمیشہ حصول شہرت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ذوق مرحوم فرماتے ہیں ؎

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے   گل ہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن

اس شعر کے صاف اور صریح معنی یہی ہیں کہ جب تک انسانوں کی طبیعتوں میں اختلاف نہ ہو اُس وقت تک جہان کی رونق نہیں ہو سکتی۔ اسکے بعد سمجھ لو کہ جب قوموں کی طبیعتوں کا اختلاف جہان میں رونق پیدا کر دیتا ہے۔ تو اس رونق میں کیا کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ اگر ہر انسان کی طبیعت میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ میں نے کہا کہ آپکی یہ بحث منطق کا وہ پہلو ہے جسکو مغالطہ کہتے ہیں۔ اور ہر وہ بحث جو منطق کے اصولوں پر پوری نہ اُترتی ہو۔ ناقابل قبول ہے۔" ان حضرت نے اسی کا جواب دیا کہ" دُنیا منطق کے اصولوں پر نہیں چلائی جاتی۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

گر زاستدلال کار دین بدے   فخر رازی رازدار دین بدے

جب دین کا کام استدلال سے نہیں چل سکتا۔ جہاں راہ طے کرنے والا تنہا ہوتا ہے تو پھر دنیا کا کام منطق سے کیوں چلنے لگا جہاں چلنے والے کو قدم قدم پر دھکا پڑتا ہے۔"

میں نے کہا "تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ منطق ایک بیکار چیز ہے" کہنے لگے "تو کیا آپ منطق کو کوئی کارآمد چیز سمجھتے ہیں۔ بندہ خدا۔ جب کسی کی بک بک سے کوئی بیزار ہوجاتا ہے تو کہتا ہے "یہ شخص بڑا بیہودہ ہے جو خواہ مخواہ کی منطق بگھار رہا ہے" میاں۔ دُنیا الفاظ کے گورکھ دھندوں سے نہیں چلائی جاتی۔ اور شہرت منطقی بنکر حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر سمجھدار انسان کو اپنی طبیعت میں "اختلاف" پیدا کرنا اور اس "اختلاف" کو ایسے موقعہ اور محل پر استعمال کرنا چاہیئے کہ لوگ آپس میں لڑمریں۔ اور انکا یہ لڑنا اس کی شہرت کا باعث ہوجائے۔ سرسیّد مرحوم کیوں اتنے بڑھے۔ محض مولویوں سے بگاڑکر۔ انھوں نے سرسیّد کو کافر بنایا۔ اور یہ کفر کا فتویٰ ان کی شہرت کا باعث ہوگیا۔ مولوی نذیراحمد مرحوم کی شہرت کیوں ہوئی۔ محرم علی چشتی مرحوم سے اختلاف کرنے سے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ سرسیّد کے جن خیالات نے انکو کافر بنایا تھا۔ وہ ان کے اصلی خیالات نہیں تھے۔ ان خیالات کا اظہار صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ سارے ہندوستان کے مولوی غُل مچائیں یہ غُل مچانا دو محاذ قائم کردے۔ اور اس طرح کالج کی ناؤ چل نکلے۔ تم نے داستان امیر حمزہ میں پڑھا ہوگا کہ صاحبقران کے جہاز بینار سکندری کے گرداب سے اسی طرح غل مچانے سے نکلے تھے۔" میں نے کہا "سرسیّد مرحوم کا واقعہ تو مجھے معلوم نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم نے اسکے متعلق جو تشبیہہ دی ہے وہ بالکل خلافِ قیاس ہے۔" فرمانے لگے۔ "تو حضرت۔ آپ کے نزدیک خلاف قیاس باتیں ناقابل اعتبار ہیں۔ بندہ خدا۔ تاریخ کیا ہے۔ خلاف قیاس باتوں کا مجموعہ ہے۔ سیدھی سیدھی راہ چلنے والی قوموں کا ذکر تاریخ کے چند صفحوں میں ختم ہوجاتا ہے۔ مگر جو شخص یا قوم ایسے کام کرجاتی ہے جو خلاف قیاس ہوں۔ وہ تاریخ کے ایک پورے باب پر قبضہ کرلیتی ہے۔ ہنی بال کو دیکھو اور کارتھیج کی چھوٹی سی سلطنت کو دیکھو۔ کیا خیال بھی ہوسکتا تھا کہ یہ چھوٹی سی سلطنت روما جیسی طاقتور سلطنت کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینکے گی۔ ہنی بال کے خلاف قیاس افعال نے "ان ہونی" کو "ہونی" کر دکھایا۔ اور تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا نام چھوڑ گیا۔ چنگیز خاں یا امیر تیمور کے متعلق گمان بھی ہوسکتا تھا کہ یہ نظر انداز کرنیکے قابل ہستیاں دنیا میں کچھ کرسکیں گی۔ مگر ان کے افعال نے دنیا کو ہلا دیا۔ اور ایشیا سے لگا کر یورپ تک میں تہلکہ مچادیا۔ یہاں تک کہ ان کے ان خلاف قیاس افعال نے دنیا کی تاریخ کا رنگ ہی بدل دیا۔ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے۔ اس وقت سے لگاکر اس وقت تک دیکھ لو ہر جگہ یہی دیکھوگے کہ افراد انسانی کی شہرت کا باعث ان کے خلاف قیاس افعال و اقوال ہوتے ہیں۔ اجی۔ یہ تو یہ۔ پیغمبروں پر لوگ اس وقت ایمان لاتے تھے جب ان سے معجزے یعنی خلاف قیاس چیزیں ظاہر ہوتی تھیں۔"

میں نے کہا "جواب جاہلاں باشد خموشی" کہنے لگے "بالکل صحیح ہے۔ جاہل جب جواب نہیں دے سکتا تو خاموش ہوجاتا ہے۔ تم اگر خاموش ہوگئے تو کیا تعجب ہے۔" میں نے کہا "معاف کیجئے۔ میں آپ سے حجت نہیں کرنا چاہتا۔" کہنے لگے "عجیب مزے کی بات ہے خود ہی اعتراض کرو۔ اور خود ہی بگڑ بیٹھو۔ حجت نہیں کرتے۔ نہ کرو۔ مجھے تمہاری ایسی کونسی خوشامد پڑی ہے کہ اپنا دماغ تم جیسے سمجھدار شخص پر صرف کروں۔"

ایک دن میں نے پوچھا "مسٹر متضاد۔ تم جو اتنے مشہور ہوگئے ہو۔ اس کا کیا سبب ہے۔ میں تو تم میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتا۔ جو تمہاری اتنی شہرت کا باعث ہوسکے۔" کہنے لگے "سنو۔ یار عزیز۔ میں نے موقع کے لحاظ سے ایک دفعہ اپنا ایسا خلاف قیاس قصہ بیان کیا کہ ایک صاحب جو اپنے آپکو بڑا عقلمند خیال کرتے تھے دھوکے میں آگئے۔ اور انھوں نے ساری دُنیا میں اس قصہ کو پھیلاکر میری شہرت کو کہیں سے کہیں پہنچادیا۔"

میں نے کہا "ہم بھی تو سُنیں کہ آخر وہ کیا قصّہ تھا"۔ کہنے لگے "لو سُنو۔ اُسکو چُھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ قصّہ الف سے لگا کر یے تک بالکل فرضی ہے۔ مگر چونکہ محل و موقعہ کے لحاظ سے بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے سُننے والوں نے اسکو صحیح سمجھا اور تم جانتے ہو کہ جب کوئی غلط بات صحیح سمجھی جاتی ہے تو وہ شہرت کے پروں سے اُڑنے لگتی ہے۔ ہوا یہ کہ چند سال پہلے مسٹر شنکر دت تمام دُنیا کا سفر کرکے اور آواگون پر دنیا کی ساری بڑی تعلیم گاہوں میں لکچر دیکر کلکتہ آتے تھے۔ میں ان دنوں کلکتہ میں تھا۔ وہاں میں نے اپنے افعال سے یہ خیال لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا تھا کہ یہ شخص عالم اور بڑا مذہبی آدمی ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ مذہب سے مجھے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اب رہا علم۔ تو گو مجھ میں وہ قابلیت تو نہیں ہے جو ایک عالم میں ہونی چاہیئے لیکن "ایک من علم" کیلئے "دس من عقل" میرے میرے پاس ضرور ہے اور اسی لئے میں بحث و مباحثہ میں ہر شخص کو دبا لیتا ہوں۔ بہرحال ایک مذہبی عالم کی حیثیت سے ایک بہت بڑے جلسہ میں میرا تعارف مسٹر شنکر دت سے کرایا گیا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ اس وقت آندھی چلنے لگی اور جس کمرے میں ہم سب بیٹھے تھے اس کے دروازے بند کرنے پڑے دروازوں کے بند ہوتے ہی شہرت پیدا کرنے کا ایک خیال میرے دل میں آیا۔ اور میں نے غل مچانا شروع کیا۔ کہ "دروازے کھولو۔ دروازے کھولو۔ میرا دم گھُٹ رہا ہے۔ خدا کے لئے دروازے کھولو۔ نہیں تو میرا دم نکل جائیگا"۔ لوگوں نے گھبرا کر دروازے کھول دئے۔ جب ذرا میرے اوسان درست ہوئے تو مسٹر شنکر دت نے کہا "مسٹر متضاد کیا بند کمرے میں آپ کا دم گھٹنے لگتا ہے"؟ میں نے کہا "جی ہاں پہلے جنم میں مجھ پر ایک ایسا واقعہ گزرا ہے جس کا اثر میری روح پر اس وقت تک قائم ہے اور بند جگہ میں میری حالت دیوانوں کی سی ہو جاتی ہے"۔ "پہلے جنم" کا لفظ سُنکر مسٹر دت ذرا گھبرائے۔ کیونکہ ایک مسلمان عالم کے مُنہ سے اس طرح کی خلاف مذہب بات نکلنا ان کے لئے ایک عجیب چیز تھی۔ آخر ان سے نہ رہا گیا۔ اور کہنے لگے "مسٹر متضاد کیا آپکی باتوں سے میں یہ سمجھ لوں کہ آپ تناسخ کے قائل ہیں"؟ میں نے کہا "عقیدے کے لحاظ سے تو میں کسی طرح قائل نہیں ہوسکتا۔ البتہ واقعات کے لحاظ سے مجھے قائل ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ جو بند جگہ ہوتی ہے وہاں میری گزشتہ زندگی کے واقعات اس طرح میرے سامنے آجاتے ہیں گویا میں اب بھی اُن میں سے گزر رہا ہوں"۔ مسٹر دت نے کہا "مسٹر متضاد۔ آپ جانتے ہیں کہ آواگون پر میں تمام دنیا میں لکچر دے آیا ہوں اور بڑے بڑے پروفیسروں نے میرے دلائل کے آگے سر تسلیم جھکا دیا ہے۔ اگر آپ جیسے مذہبی عالم کا کوئی واقعہ میرے دلائل کی تائید کر سکا تو آپ یقین مانئے کہ میں دنیا بھر کے خیالات میں ایک انقلاب پیدا کر دونگا۔ میں بہت ممنون ہونگا۔ اگر آپ اپنی سابقہ زندگی کے کچھ واقعات بیان کرکے مجھے ممنون فرمائیں"۔ میں نے کہا "واقعات ہی کیا ہیں۔ جب کسی کمرے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں اس قبر میں ہوں جہاں مجھ کو زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے میری حالت وہی ہو جاتی ہے جو قبر میں ہوشیار ہونے کے بعد ہوئی تھی"۔ مسٹر دت نے کہا "آپ نے قصّہ کا انجام بیان کیا۔ اور میں آپکا قصّہ ابتدا سے سُننا چاہتا ہوں۔ تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ دوسرے جنم میں بھی پہلے جنم کے پورے واقعات یاد رہ سکتے ہیں یا نہیں"۔ میں نے کہا "مسٹر دت مجھے اپنی پہلی زندگی کے حالات شروع سے آخر تک یاد ہیں۔ میں سنسارپور میں پیدا ہوا تھا۔ میرا نام غفور خاں تھا۔ مسجد کے مُلّا سے تعلیم پائی تھی۔ جوان ہوا تو کھیتی باڑی کرنے لگا۔ ۱۹ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ میری بیوی کا نام ظہورن تھا۔ ایک لڑکا پیدا ہوا۔ وہ (۴) سال کی عمر میں مر گیا۔ اُسکے مرنے کا میرے دل پر ایسا اثر پڑا کہ سکتہ کے دورے پڑنے لگے۔ اور ایک دفعہ سکتہ کی حالت میں یہ سمجھ لیا گیا کہ میں مر گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی حالت میں مجھ کو دفن کر دیا گیا۔ کیونکہ جب مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ میں ایک چھوٹی سی بند کوٹھری میں ہوں۔ اندر اندھیرا گھپ تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر ٹٹول کر کوٹھری کی لمبان چوڑان دیکھی۔ اُس وقت ایک دفعہ ہی خیال آیا کہ میں قبر میں ہوں

میں نے چیخنا شروع کیا۔ مگر اول تو قبر سے باہر آواز کیسے جاتی دوسرے قبرستان میں ٹھہرتا ہی کون ہے۔ دفن کیا اور چلتے بنے۔ بہرحال اسی طرح میں غل مچاتا رہا۔ ذراسی دیر میں دل پر بار معلوم ہونے لگا اور دم گھٹنے لگا۔ آواز بیٹھنی شروع ہوئی۔ میں لیٹ گیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر میں میرا دم نکل گیا۔ اب میری یہ حالت ہو کہ ذرا کمرے کے دروازے بند ہوتے اور میری آنکھوں کے سامنے قبر کا نقشہ پھر گیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر جلد دروازے نہ کھول دیئے جائیں تو میرا دم نکل جائے"! مسٹر دت نے کہا "کیا آپ کو تمام واقعات کی تفصیل یاد ہے اور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کے مکان کا نقشہ کیا تھا۔ آپکی بیوی کی کیسی شکل تھی۔ آپکے رشتہ دار کون کون تھے۔ اور ان کی کیا شکلیں تھیں۔ آپ کا کھیت کتنا بڑا تھا۔ اور اس کے اطراف میں کن کن لوگوں کے کھیت تھے"۔ میں نے کہا "یقیناً مجھ کو ہر چیز بہت اچھی طرح یاد ہے۔ مگر یہ ایک بڑی داستان ہے میں نے اسوقت صرف اس کا خاکہ بیان کر دیا ہے"۔ مسٹر دت نے کہا "آپکی رائے بالکل صحیح ہے۔ کسی واقعہ کی تفصیل اسوقت معلوم ہو سکتی ہے جب کرید کرید کر پوچھا جائے۔ اور جرح کر کے وضاحت کرائی جائے۔ ورنہ بیان کرنے والا اکثر ضروری اور اہم چیزوں کو اپنے بیان میں چھوڑ جاتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں کل آپ سے آپکے مکان پر چند پروفیسروں کے ساتھ آکر ملوں اور آپکے پہلے جنم کے واقعات تفصیل کے ساتھ معلوم کروں"۔ میں نے کہا "کیا مضائقہ ہے میں آپ جیسے عالموں سے ملنا باعث عزت سمجھتا ہوں"۔ غرض مسٹر دت دوسرے دن مختلف مذاہب کے چند عالموں کو لیکر میرے ہاں آئے۔ اور میں نے ان کے سامنے ہر واقعہ ایسی تفصیل سے بیان کیا۔ گویا وہ کل ہی مجھ پر گزرا ہے۔ مسٹر دت لفظاً لفظاً میرے قصہ کو لکھتے گئے آخر میں انھوں نے میرے اس بیان پر میرے .... اور تمام حاضرین مجلس کی گواہی لی۔ اور چلتے گئے۔ مگر جس طرح سمجھدار لوگ بعض بیوقوفیاں کر جاتے ہیں ان سے بھی ایک بیوقوفی ہوگئی یعنی یہ کہ انھوں نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ سنسار پور ہے کہاں۔ اسی شام کو میں کلکتہ سے دہلی چلا آیا۔ چوتھے دن انکا خط مجھے ملا اسمیں انھوں نے سنسار پور کا پتہ پوچھا اور میں نے ان کو اسکا اتا پتہ لکھدیا وہ چند حالی موالیوں کیساتھ سنسار پور گئے اور وہاں کے لوگوں نے میرے بیان کے ایک ایک حرف کی تصدیق کی۔ بی ظہورن کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں نے دوسرا جنم لیا ہے تو انھوں نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا۔ مسٹر دت سے میرا موجودہ نام اور پتہ پوچھا مگر انھوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر میرا نام اور پتہ ظاہر کیا گیا تو میں مصیبت میں گرفتار ہو جاؤنگا۔ غرض اس طرح اپنا پورا اطمینان کرنیکے بعد مسٹر دت نے میرے واقعہ کے حوالہ سے آواگون پر مضمون لکھنے شروع کئے اور ان کی شہرت کے ساتھ ساتھ میری شہرت بھی ہوگئی۔ دیکھا یار عزیز۔ شہرت اس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ اب آواگون پر جو کتاب لکھی جائیگی اسمیں میرا واقعہ ضرور آئیگا۔ اور ہمیشہ کیلئے میرا نام دنیا میں رہ جائیگا"

میں نے کہا "ہاں۔ یہ تو بتاؤ کہ یہ واقعہ صحیح بھی تھا یا تم نے بے پر کی یونہی اڑادی تھی"؟ کہنے لگے "بندہ خدا۔ اس واقعہ کے سچے ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں مسلمان ہوں۔ مجھے تناسخ سے کیا واسطہ۔ ایک مسلمان عالم سے واقعات سننے کی بھلا کیا توقع ہو سکتی تھی۔ لیکن جب سننے اور انکی تصدیق ہوگئی تو پھر انکو شہرت دینے اور اپنے دلائل کی تائید میں انکو پیش کرنے میں حامیان تناسخ نے کیا کیا کچھ ایڑی چوٹی کا زور نہ لگایا ہوگا۔ اور آیندہ کیا کچھ نہ لگائیں گے۔ میں تو پہلے ہی تم سے کہہ چکا ہوں کہ انسان کی شہرت اس طرح ہوتی ہے کہ اس کے دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ"۔ میں نے کہا "ہاں۔ یہ تو بتاؤ کہ سنسار پور والوں نے آپکے اس عجیب غریب بیان کی تصدیق کیونکر کی"؟ مسٹر متضاد نے جواب دیا کہ "یہ کیا مشکل کام ہے اگر کوئی شخص کلکتہ سے دہلی آتے ہوئے سنسار پور میں اتر پڑے اور تھوڑے سے روپے خرچ کر ڈالے تو یہ کیا ایسے ہزاروں قصوں کی تصدیق ہو سکتی ہے"۔ میں نے کہا "اچھا حضرت۔ ٹھیریئے میں آپ کا سارا بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں"۔ کہنے لگے "میاں لکھو اور خوب لکھو۔ تمہاری اور مسٹر دت کی۔ تو تو۔ میں میں۔ میری شہرت میں اور اضافہ کر دی گئی۔ میں نے جو تم سے یہ واقعہ بیان کیا تو اس کی اصلی وجہ یہی تھی کہ تم بھی میدان میں آؤ۔ اور میری شہرت کو بڑھاؤ۔ اچھا خدا حافظ"

یہ کہہ کر مسٹر متضاد تو چلے گئے۔ مگر میں اس فکر میں پھنس گیا کہ اس جھوٹے کی قلعی کھولوں یا خاموش رہوں۔ خیر واقعات لکھے تو دیتا ہوں مگر مجھے یقین کامل ہے کہ میری بات کو کوئی نہ مانیگا۔ اور مسٹر دت کے کہے پر سب آمنا و صدقنا کہیں گے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ،

تاریخ بنی آدم

جس میں آج سے دس لاکھ برس قبل کے حالات سے ابتدا کی گئی ہے اور زمانہ تاریخی تک کا محض اِک خاکہ دکھایا گیا ہے

۱

اے بنی آدم بتا تجھ کو ہے کچھ اپنی خبر
اک زمانہ تھا کہ تو شاخوں پہ کرتا تھا بسر

جب قدم رکھا زمیں پر، ہو گیا کج مج کھڑا
پاؤں تو چلنے لگا، جھکتی تھی گو تیری کمر

ڈر کے رکھتا تھا قدم، چلنے میں تھیں دشواریاں
پاؤں ٹیڑھے، ہڈیوں میں تیری خم تھا بیشتر

کچھ دنوں جب تک کہ تو چلنے میں نو آموز تھا
گاہ مسکن تھا زمیں پر، گاہ بالائے شجر

ہوتے ہوتے ہو گیا آخر کو تو سیدھا کھڑا
مٹ گئی اس طرح، جو کچھ تجھ میں باقی تھی کسر

طاقت رفتار آئی، سیر تو کرنے لگا
بھا گئی دل کو زمیں، بستر لگایا خاک پر

جان کے خطرے جو دیکھے، غار میں رہنے لگا
کھود کر زیر زمیں، تو نے بنایا اپنا گھر

ننگا پھرتا ہو کے تن پوشی سے بالکل بے نیاز
ایک کالی سی ردا بالوں کی ڈالے جسم پر

فطرتی وہ گرم چادر تجھ سے آخر چھن گئی
کچھ نشاں اب تک ہیں باقی جن کا ہے تجھ پر اثر

ڈر گیا، صحرا نظر آئے جو تجھ کو لق و دق
جنگلی بن میں زندگی کرتا رہا اپنی بسر

۲

ہیں قرابت مند کچھ تیرے زمیں پر یادگار
تیری رُو دادیں نظر آتی ہیں اُن کو دیکھ کر

جس طرح ہے ہڈیوں کا اُن کے ہر اک جوڑ بند
تیرا نظمِ اُستخوان بالکل وہی ہے تا بہ سر

نظمِ اعصابی وہی، نظم تناسل بھی وہی
ہے وہی نظم تنفس اور وہی نظم جگر

ہضم کے ساماں وہی ہیں۔ کام دل کے ہیں وہی
اک سر مُو فرق پھٹوں میں نہیں آتا نظر

ایک ہی سا نظم ہے، اخراج فضلہ کے لئے
فعل گردوں کے وہی ہیں اور وہی اُن کا اثر

صورتیں ملتی ہوئی ہیں، خون سے ملتا ہے خون
دُور کا ناتہ تھا، لیکن ہیں مشابہ کس قدر

۳

اک سماں پُر ہول تھا، آدم نہ آدم زاد تھا
بس رہے تھے اس زمیں پر بھاری بھاری جانور

وہ بھیانک شکل گرگٹ، وہ پرندے خوفناک
وہ درندے پُر خطر جن سے بھرے تھے بحر و بر

کوہ صورت ہاتھیوں کی، وہ قطار اندر قطار
اک طرف بلونت گینڈے، جوق جوق آتے نظر

اونچے اونچے شبر اور وہ دانت ان کے خنجریں
جن سے جانبر ہو نہیں سکتا تھا کوئی جانور

اُن کے دسترخوان پر شرکت تھی غیروں کی محال
وہ دکھانا اُن کا دانتوں کو، وہ تیورا لحذر

بھیڑیئے وہ خون کے پیاسے، خراماں سُو بہ سُو
ڈال کر گھیرا یکایک، اُن کا ہونا حملہ ور

مُرغ صحرائی کے گھوڑوں پر وہ دھاوے ہولناک
ٹوٹ پڑنا وہ اچانک، بازوں کو کھول کر

جان کا لاگو وہ ہونا، دوڑنا اُڑتے ہوئے

چونچ کھولے، غیظ میں بکھرے ہوئے وہ بال و پر
زندہ اک طوفان کا کرنا تعاقب بے پناہ
بھاگنا وہ بادپایوں کا ہوا سے تیز تر
وہ تگاپو اور وہ صحرا نوردی صبح و شام
تازیوں کی سُرعت رفتار ہے، جس کا اثر
اس کا آلینا یکایک، موت کا گویا پیام
غالب آنا اس طرح پرواز کا رفتار پر
اک پرندے کا سمندر رو کو وہ کرلینا شکار
چونچ میں اپنی اُٹھا لینا وہ اُن کو بے خطر
دے کے جھٹکے چور کر دینا وہ ہر اک جوڑ و بند
لے کے اُڑنا پھر وہاں سے اُن کو بالائے شجر
دہر میں جاری ہے، اک جنگ بقائے زندگی
موت تم کہتے ہو جس کو، ہے کسی کی وہ ظفر

۴

ذکر تھا جن کا وہ اب اک ہستی معدوم ہیں
دے رہی ہیں باقیات استخواں اُن کی خبر
ڈالتی ہے روشنی، عہد کُہن کی یادگار
ظلمت ماضی کی ہے بجھتی ہوئی شمع سحر
ہے بلا کی اک اندھیری، دیکھ آنکھوں سے مری
ہڈیاں جن کی ہیں، چلتے پھرتے آتے ہیں نظر
آپ اپنی داستاں خاموش کرتے ہیں بیاں
دل دھڑکتا ہے، نمایاں زندگی کے ہیں اثر!
ہاں دکھا دے اُن کی پھر صحرا نوردی کا سماں
لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش شام و سحر!

۵

وہ گھنا جنگل، وہ اشجار تناور، سایہ دار
مہر تاباں کی شعاعوں کا نہ تھا جن میں گزر
وہ ہوائیں تند، اور وہ گرم رفتار سموم
رُت نرالی، حیرت افزا گردش شام و سحر
کالی کالی آندھیاں، اور زلزلے وہ ہولناک
وہ جھکولے پُرخطر وہ انقلاب بحر و بر
بحر میں اک برِّ اعظم کا وہ ہونا رُونما
اک صحرا لق و دق کا یک بیک آنا نظر
سرزمینِ نو کا بن جانا، وہ اک بزم حیات
ولولوں میں نشۂ ہستی کے ہونا بے خبر
غرق ہو کر پھر اچانک اُس کا ہو جانا فنا
لہریں لینا اک سمندر کا وہاں بار دگر
نوع حیوانات کا اک دم میں ہو جانا فنا
نسل کا اُن کی نہ پھر آنا کہیں اب تک نظر
کوہِ آتش بار کی بربادکُن وہ آفتیں
موت کا منہ تھا دہانہ اُن کا، یا قعرِ سقر
وہ اُداسی اور وہ خاموشی کا عالم چار سُو
مونس و یاور کوئی تیرا، نہ آتا تھا نظر
باتیں کرتا کون تھا، اک بے زبانوں کا ہجوم
چُپ کھڑے رہ جاتے حیران، تیری صورت دیکھ کر

۶

بَن کے آدم تو جب آیا یہ تیرا ماحول تھا
چھڑ گئی جنگ بقا، بَن آئی تیری جان پر
گِھر گیا خطروں میں آکر جان کے لالے پڑے
رزق کا اک معرکہ رہنے لگا شام و سحر
تجھ کو کھا جاتے درندے، اُن کو کھا جاتا تھا تو
زندگی اور موت ملتی تھیں گلے باہم دگر
فطرتی تیری نباتاتی غذائیں خام تھیں
نوش کر جاتا، سمجھ لیتا تھا جن کو بے ضرر
مچھلیاں زندہ نگل جاتا تھا، آدم خوار تھا
بات یوں ہے، تھا کبھی تو اک درندہ جانور!

۷

بیٹیاں حوّا کی تھیں یا مورتیں تھیں ہولناک

چیخ اُٹھے تو، اب جو آجائیں کہیں تجھ کو نظر
تھی نگاہوں میں تری وہ دیونی بھی رشکِ حور
جنگ جُو، خونخوار، قدآور، توانا، پُرجگر
تھیں پسندیدہ ادائیں اس کی نظروں میں تری
بجلیاں گرجاتیں دل پر، مُسکرا دیتی اگر
کس قدر پیارا تھا تجھ کو، اس کا حسن بے نقاب
جان دے دیتا رقابت کے سبب تو بے خطر
تھا یہ فرمانِ ازل، تم ہوگئے شیر و شکر
موہنی صورت نے اس کی تجھ کو بس میں کرلیا
آج بھی مالک ترے دل کی وہ آتی ہے نظر!

۸

رفتہ رفتہ عقل میں، جولانیاں پیدا ہوئیں
اسلحہ تو نے بنائے پتھروں کے کارگر
سج کے پھر ہتھیار، اک بانکا سپاہی بن گیا
تان کر برچھوں کو نکلا، غار سے تو بے خطر
توڑ نیزوں کا ترے وہ، بے خطا تیر افگنی
مار لیتا بچ کے جاسکتا، نہ کوئی جانور
فتح پائی، ہوگیا دل ایک سے تیرا ہزار
جانورِ صحرا کے بھاگے، آن تیری مان کر
مڑ کے تکتے، بھاگتے پھر، دل پہ چھا جاتا ہراس
کردیا ادراک نے تیرے اُنھیں زیر و زبر
جَور کی ڈالی بنا برپا کیے تو نے فساد
تھا تری فطرت کی رنگ آمیزیوں میں ظلم و شر
شور رہا تھا پہلے پھر سفاک قاتل بن گیا
جنگ و خون ریزی کا اب تک تجھ میں باقی ہے اثر!

۹

اس طرح جب تو نے اپنی جان کی پائی اماں
عقل نے تیری سکھائے سینکڑوں تجھ کو ہنر
آگ کو تو کام میں لایا، ہوا اک انقلاب
شعلۂ آتش اُٹھا، اُڑتے نظر آئے شرر
کے لَو، بجھ بجھ گیا، پھر جل اُٹھا تیرا چراغ
آج تک بادِ مخالف کا ترے دل میں ہے ڈر
تخم ریزی کا ضرورت نے کیا پیدا خیال
بیج بوئے کام کے، پودے لگائے بارور
وہ ہرے نخلِ چمن، شاخیں وہ پھولوں سے لدی
فصلِ گل کی دی نسیمِ صبح نے تجھ کو خبر
کردیا بوئے گل تر نے ہوا کو عطر بیز
سونگھ کر پھولوں کو اِتراتی چلی بادِ سحر
چوم کر مُنہ، کان میں غنچوں کے کچھ وہ کہہ گئی
کھل گئی اک اک کلی، آئی مسرت جوش پر
کثرتِ گل سے مہک اُٹھی چمن کی سرزمین
ذرہ ذرہ ایک فردوسِ بریں آیا نظر
بُوٹیاں جنگل کی کھائیں، خود معالج بن گیا
موت سے پانا نہ تھا، پایا نہ آخر کو مفر

۱۰

اک جتھا اپنا بنایا، ٹولیاں باندھی گئیں
رشتۂ شیرازہ بندی، بن گیا تیری سپر
جب بڑھے افراد، تو یک جا ہوا رہنا محال
دیکھ کر دشواریاں، بچھڑے، کیا گھر سے سفر
گذریں صدیاں، چھا گئیں قومیں تری ہر ملک میں
خطے خطے پر زمین کے، ہوگیا تیرا گذر
نُطق پر قادر تھا، بدلیں تو نے اپنی بولیاں
رہ گئے ہیں مشترک الفاظ کچھ اب تک مگر
کام میں سرگرم تھا خاموش سحرِ ارتقا
تیرے خط و خال میں، تبدیلیاں آئیں نظر
حوصلوں میں فرق آیا، سیرتیں بدلیں تری
نیرِ اعظم کی تھا جلوہ گری کا اک اثر
عشق و الفت کے اثر سے ہوگیا لبریز دل

شادماں، مسرور تو رہنے لگا شام و سحر
دیو پیکر جو کبھی تھیں، وہ پری پیکر بنیں
چاند چمکا حسن کا، تو ہو گیا شوریدہ سر
زینتوں نے حسن کا عالم دوبالا کر دیا
دل کے ٹکڑے تھے ترے یا اُن کے کانوں کے گہر
سحر گویائی نگاہ نازمیں پیدا ہوا
کہہ گئی افسانۂ دل اُن کی اک ترچھی نظر
کام اپنا کر گئی، دل پر ترے اُن کی ادا
بن کے دیوانہ پھرا تو خاک رسوائی بسر
تھا مقدر میں ازل سے رنج و غم تیرے لئے
موت نے تجھ کو جدائی میں بنایا نوحہ گر
لذتِ فریاد سے دل آشنا تیرا ہوا
نالۂ غم میں ترے پیدا ہوا سوز و اثر
زندگی تو نے بسر کی، اس طرح لاکھوں برس
ساز و ساماں کچھ نہ تھا، دولت سے تھا تو بے خبر

۱۱

رونما قومیں ہوئیں، پیدا ہوئے رسم و رواج
خوش ہوا تو خود ہی یہ پھندا گلے میں ڈال کر
اب تجھے رہنے لگی ہر دم نئی فکر معاش
بن گیا ہر فرد تیرا جاں فروش و پُر جگر
جھونپڑوں کی طرز میں، ڈالی عمارت کی بنا
کھال کے خیموں میں کاشانے ترے آئے نظر
خط بنائے، داڑھیاں مونڈیں، اُتارے سر کے بال
کاٹ تھا تیری صدف کی پٹڑیوں کا کس قدر
حسن کا عالم دکھاتی تھی کبھی، ریشِ دراز
اب وہی چہرہ ترا میدانِ صاف آیا نظر
کی رسائی ذہن نے، چیزیں بنائیں کام کی
اپنا سودا کر کے خوش آتا، نکل جاتا جدھر
جان جو کھوں تھی، مگر تو نے چلائیں کشتیاں
کھل گئی تیری تجارت ہو گیا آساں سفر
چیز لے کر چیز دینا، تھا اِک آئین کہن۔
تھا تیرا بیوپار جاری اس طرح باہم دِگر
تھیں تری حاجت روائی کے لئے چیزیں تری
نقد سے تھا بے خبر، رکھتا نہ تھا تو سیم و زر
جب نہیں بنتا تھا سودا، تھک کے گھر آتا تھا تو
پھر لگاتا پھیریاں کوچہ بہ کوچہ در بدر
روح فرسا ہوتیں ایذائیں بگڑ جاتا تھا کام
آئے دن اس طرح کی دشواریاں آئیں نظر
سوچ کر آخر کیا ایجاد سکّہ، آفریں
راز دولت کھل گیا، سمجھا کہ کیا ہے مال و زر

۱۲۔ جب سمجھ آئی تو سوچا "کون خالق ہے مرا؟"
نُورِ ایماں کی شعاعوں نے کیا دل میں گذر
حق کو جانا، مذہب و اخلاق کے سمجھے اصول
رفتہ رفتہ ہو گیا اک صاحب ایماں بشر
بن گیا ایمان تیرا، جب اُصول زندگی
جرأت اخلاق بڑھ کر بن گئی غم کی سپر
تیری بحرِ زندگی میں آئے طوفان عظیم
اک تماشا تھا، ہوا اُن کا نہ کچھ تجھ پر اثر
بن گیا لنگر سکون دل ترا لغزش نہ کی
مسکرایا موت پر، تو مطمئن تھا کس قدر!!
گھر لٹا ایذائیں پائیں، عزم میں آیا نہ فرق
جان دیدی تو نے حق پر تھا یہ تیرا ہی جگر
معرفت کی حاصل، آخر راز سربستہ کھلے
اک فرشتہ بن گیا، ناچیز تھا گو اک بشر
جوگ لے کر دکھ بھرے، خاکستری پہنا کفن
مر کے پہلے موت سے، قادر بنا تو نفس پر
تیری قوموں نے ہزاروں دین رائج کر دیئے
ایک کی نظروں میں، باقی کل۔ تھے غیر معتبر

وہم باطل ہو گئے داخل عقائد میں ترے
آج تک پابند دل سے اُن کا آتا ہے نظر
مذہبی جھگڑوں میں جانیں تو نے کیں اپنی تلف
بات طے پائی نہ آخر کوئی، قصہ مختصر

۱۳ دفترِ عالم کی تفسیروں کو تو دیکھا کیا
پڑھ سکا لیکن نہ اب تک اس کی اک پوری سطر
تو سمجھ سکتا نہیں ہے دیکھ تو اے فلسفی!
اک تماشا جلوۂ قدرت کا آتا ہے نظر
"کُن" کے دو حرفوں میں سربستہ ہے رازِ کائنات!!
عقل کو انکار ہے، مائل ہے دل اقرار پر
کر نہیں سکتا تصوّر وسعتِ عالم کا تو
عقل رہ جاتی ہے حیراں تیرا جھک جاتا ہے سر

۱۴ مرحبا! تہذیب سیکھی تو نے شائستہ بنا
علم کے جوہر ہوئے سینے میں تیرے جلوہ گر
طاقتیں جو تھیں مخالف، اُن پہ غالب آگیا
عقل سے دنیا کو تو نے کر دیا زیر و زبر
گو بشر تھا طاقتِ پرواز تجھ میں آگئی
ہو گیا تیرا فضائے آسمانی میں گذر
دیکھ آئی چاند کو تیری نگاہِ دُور بین
گرچہ تھا نزدیک، کھینچ کر آگیا نزدیک تر
آسماں سے توڑ کر تارے ہی گویا رکھدیئے
اس طرح سے عالم بالا کی دی تو نے خبر
آسمانوں سے نگاہیں پار تیری ہو گئیں
کہکشاں، نظروں کی تیری بن گئی اک رہ گذر
لے کے جاتی ہے ترا پیغام برقِ تیز رَو
دوڑ جاتی ہے اُدھر کو بھیجدیتا ہے جدھر
ناچنا، گانا، بجانا، وہ ادائیں دل نواز
جی اُٹھیں تصویریں تیری بن گئیں گویا بشر
مسکرا کر بولنا اک پیکرِ بے جان کا
خود تماشائی بنا تو، اپنی قدرت دیکھ کر!
دُوریٔ منزل کا پردہ فاش تو نے کر دیا
آ رہی ہیں کالے کوسوں سے صدائیں منبر پر
سارے عالم میں پکار آتی ہے، جو کہنا ہے تُو
دوڑتی ہے برق، بن کر اک تری پیغام بر
پٹریوں میں نغمۂ دل کش کو تُو نے بھر دیا
جذب ہو کر بن گئی آوازِ نقش کالحجر!
اک اشارے پر ترے، گا کر سنا جاتی ہیں گیت
لحن رہتا ہے وہی اور پھر وہی سوز و اثر
کاربندِ حکم ہیں سب "آب" و "آتش" "خاک و باد"
آج آتا ہے نظر تو، اُن کا اک جابر بشر!
روز افزوں کی ترقی، کیا سے کیا تو ہو گیا!
کوئی دیکھے آج فردوس بریں ہے تیرا گھر
ہے تری جنگ بقا کا، ایک دفتر زرنگار
کارناموں کی ترے، تصویریں آتی ہیں نظر
فتح پائی لڑ کے آخر، آج دنیا ہے تری
لے مبارک تجھ کو، اے فرماں روائے بحر و بر

۱۵ تجھ کو موجِ ارتقا لائی یہاں تک، سوچ تو
آ رہا ہے تو کہاں سے؟ جا رہا ہے تو کدھر
داستاں تیری ہے اک تاریخِ عالم کا ورق
خاک تیری رونقِ محفل کبھی تھی عرش پر
کرۂ خاکی بنا پھر ایک گہوارہ ترا
بحر میں پیدا ہوا، پانی کبھی تھا تیرا گھر
شوریت کو خون میں اپنے لگا لایا ہے تو
ہے رگوں میں تیرے باقی آج تک اس کا اثر
کس طرح سمجھاؤں! اچھا مخلوق آبی تو کبھی!
منزلِ ہستی کو طے کرتا نکل آیا اِدھر!!
خلق پانی سے ہوا ہے جان پانی میں تری
تیری آب و گل میں پانی پانی آتا ہے نظر!

ذات تیری ہے سراپا حیرت بزم حیات!
تو ہے نخلِ زندگی کا اک گلِ تر تاجِ سر!!
سید راحت حسین فلسفی، بی، اے۔

سیبوں کے پیڑ

رشدی کے دوست بہت کم تھے مشکل سے تین چار اور ان سے بھی مہینے میں شاید ایک دو بار ہی ملاقات ہوتی۔ کیونکہ وہ شہر میں رہتے تھے اور رشدی ایک چھوٹے سے گمنام گاؤں میں اپنے سیبوں کے پیڑوں کے خاموش سائے تلے دنیا کے شور سے پرے اپنا وقت گزارتا تھا۔ دوست ہر بار سوال کرتے "رشدی! بھابی کب آئیں گی؟" اور وہ ہر بار ایک تنگ سی سڑک کو تکتے ہوئے جواب دیتا "یہی ایک دو دن میں۔ شاید آج۔ اسی وقت" اسی طرح کئی ایک آج آئے اور گذر گئے لیکن زیبا نہ آئی۔

رشدی سیبوں کے سائے میں بیٹھ کر اکثر یاد کرتا۔ اور اس وقت کو جب اس نے اپنی دلہن زیبا کو کار میں سے اُتارا۔ الفاظ کی آواز اس قدر دلنشین تھی کہ وہ خود بھی حیران ہوتا کہ کیوں اسے زیبا کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی نہیں بھولا۔ "کیوں زیبا! کیا خیال ہے اس جگہ کے متعلق؟" لیکن سوائے خاموش اور ایک اداس نظر کے اسے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ چپ ہو رہا یہ سوچ کر کہ زیبا اپنے والدین بہن بھائیوں کو چھوڑ کر پرانے ماحول سے نکل کر نئی دنیا میں آئی ہے اس یکلخت تغیر کے تاثرات ابھی تازہ ہیں طبیعت بہلنے بہل جائے گی اور پھر . . . . . .

پھر وہ اسے اپنے بنگلے میں لے گیا "شہری تہذیب کا نمونہ دیہاتی بستی میں"۔ زیبا یہ گھونسلا اب تمہارا ہے مدت سے اسے تمہارا انتظار تھا" لیکن وہ اپنے باغ کو بھول نہیں سکتا۔ اور وہ "دیکھو سامنے سیبوں کے پیڑ کا وہ توڑ توڑ کر خوب کھاتا" لیکن زیبا پھر بھی چپ تھی اور اداس۔

پھر اگلی تصویر . . . چند دن بعد کا واقعہ . . .

دھوپ تیز تھی۔ رشدی ایک پیڑ سے سیب توڑ رہا تھا۔ اسے ان پیڑوں سے بےحد انس تھا۔ وہ انکی دیکھ بھال ایسے کرتا گویا وہ انسان ہیں ننھے ننھے سے پیار کے مستحق۔ زیبا بولی "یہ سڑک کسی شہر کو جاتی ہے؟" یہ شاید پہلا موقعہ تھا کہ زیبا نے خود کوئی سوال کیا۔ رشدی درخت پر سے بولا "یہ سڑک فردوس آباد کو جاتی ہے"۔

"فردوس آباد کو!" زیبا نے بہت ہی اداس لہجے میں رشدی کے الفاظ کو دوہرایا۔

"کیوں زیبا! کیا بات ہے؟" وہ درخت سے اتر آیا تھا۔

"میں فردوس آباد جانا چاہتی ہوں"۔

"تو چلیں گے۔ کل ہی سہی۔ دو چار روز میں آجائیں گے۔ میں خود تمہیں کہیں لے جانا چاہتا تھا۔ یہاں تمہارا دل ہی نہیں بہلتا۔ ہر وقت کچھ کھوئی سی رہتی ہو"۔

"صرف دو چار روز کے لئے تو میں نہ جاؤں گی۔ یہاں کی خموش فضا سے مجھے نفرت ہے"۔

"سچ کہتی ہو زیبا! اب رشدی کا چہرہ اداس تھا اور آواز میں آنسو رکھے ہوئے معلوم دیتے تھے "تمہیں خاموش فضا سے نفرت ہے اور مجھے لگاؤ"۔

"لیکن رشدی تم ہی بتاؤ یہاں ہے ہی کیا سوائے ان خاموش پیڑوں کے تمہارے دو ایک جنگلی مالیوں کے اور ان کے کالے کلوٹے رینگتے ہوئے بچوں کے۔ یہاں نہ مجھے کوئی جانتا ہے نہ میں کسی کو"۔

"لیکن زیبا! سوچو تو سہی میں تمہیں جانوں اور تم مجھے کیا یہ ہم دونوں کی مسرت کے لئے کافی سے زیادہ نہیں"۔

"نہیں رشدی! فردوس آباد مجھے بلا رہا ہے وہاں شور و شغل ہے شہرت ہے۔ اور یہاں موت کا سا سکوت اور گمنامی۔ وہاں میری شکل وصورت کی میرے لباس کی اور خود میری تعریف ہوگی۔ سب جانیں گے زیبا کیا ہے اور کون ہے"۔

اسے پہلی بار احساس ہوا کہ شہرت کی شیدا شہری لڑکی کو سیبوں کے باغ میں لا کر اس نے کتنی بڑی غلطی کی۔ لیکن یہ سوچ کر کہ اس غلطی

کے ذمہ داران دونوں کے والدین تھے اسے تسلی ہوئی۔ اور زیبا کے ساتھ ہمدردی۔

پھر ایک اور تصویر۔۔۔

"زیبا فردوس آباد جا رہی تھی رشدی نے آخری بار کہا" زیبا مت جاؤ تم بہت جلد اپنی غلطی کو محسوس کرو گی"۔

"نہیں رشدی مجھے جانے دو تجربے کے لئے ہی سہی" اس نے بچوں کی طرح مچل کر کہا۔

"اچھا تو جاؤ لیکن کہیں سیبوں کے باغ والے رشدی کو فردوس آباد کی شہرت میں بھول نہ جانا"۔

"نہیں رشدی یہ ہو نہیں سکتا۔ مذہب نے اور دنیا نے مجھے ہمیشہ کے لئے تنہا رکھا دیا ہے اور اب تمہارے اس لاجواب ایثار نے تو مجھے خرید لیا ہے" اور یہی الفاظ رشدی کی امیدوں کا باعث اور سہارا تھے" وہ ضرور آئیگی۔ شاید آج ہی" اسی خیال کو لیکر وہ اپنے پیڑوں کو سینچتا رہا۔ پیڑوں میں ایک بار اور پھل لگا۔ سرخ سُرخ چمکتے ہوئے سیب لیکن رشدی اور رشدی کا بنگلہ اداس ہی رہے۔ وہاں خزاں کو بہار نے نہ بدلا۔ کوٹھی کے بے حس در و دیوار سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں کسی کا انتظار ہے کوئی آنے والا ہے اور کون جانے وہ کس وقت آجائے۔

یہی سوچتے سوچتے فردوس آباد سے آنیوالی خاموش اور خالی سڑک کو تکتے تکتے سال سے کچھ اوپر گذر گیا۔ ایک دن وہ اس طرح سڑک کو تک رہا تھا انتظار میں کہ ایک ٹیکسی آکر باغ کے پاس رکی۔ زیبا بولی" رشدی ڈرائیور کو کرایہ دے دو تو پھر ان پیڑوں کے نیچے بیٹھیں"

"تو کیا تم آگئیں؟" رشدی حیران تھا۔

"ہاں رشدی آگئی ہوں ہمیشہ کے لئے اب کبھی اس جہنم آباد کا نام بھی میرے سامنے نہ لینا"۔

"کیوں تمہیں تو وہاں جانے کا اس قدر شوق تھا"

تقاضہ ور لیکن وہ میری غلطی تھی۔ تمہارے آخری الفاظ ایک دن اپنی غلطی محسوس کرو گی نہ معلوم دن میں کتنی بار میرے کانوں میں گونجتے تھے" لیکن یہ تو بتاؤ دن کیسے گذرے"

"دن! میں فردوس آباد گئی وہاں اتفاق سے میری ملاقات میری پرانی سوسائٹی کی استانی سے ہوئی وہ وہاں کی ایک مشہور فلم کمپنی کی حصہ دار تھی اس کی مہربانی سے کمپنی کے ڈائرکٹر نے مجھے ایک فلم میں معمولی سا پارٹ دیا جو لوگوں میں خوب پسند ہوا۔ پھر دو ایک میں مجھے ہیروین بھی بنایا گیا۔ مجھے پردہ سیمیں پر سب نے دیکھا تم نے بھی دیکھا ہوگا شاید۔ اور خوب پسند کیا میں مشہور ترین فلم سٹار بن گئی لیکن دن بھر میں ایک منٹ بھی فرصت کا نہ ملتا تھا۔ ملاقاتیں اور خطوط کا انبار۔ فوٹوگرافوں کے تقاضے کبھی کوئی اخبار کا نمائندہ بے معنی سوال پوچھ رہا ہے اگلے دن بے معنی سوالات مہمل جوابوں کے ساتھ اخبار میں ہوتے ہیں۔

"یہ تو میں پڑھ چکا ہوں"۔

باہر نکلنا بھی محال ہوگیا کار کو فلم زدہ لوگ گھیر لیتے کوئی کیمرہ کے لئے کھڑا ہوتا تو کوئی آٹوگراف کی درخواست کرتا اور اکثر صرف شکل دیکھنے اور آواز سننے کے ہی خواہشمند ہوتے۔ نہ گھر آرام تھا نہ باہر چین۔ شہرت میرے لئے وبال ثابت ہو رہی تھی۔ چاروں طرف شہر میں میری شہرت کے سوا شاید کچھ تھا ہی نہیں لیکن چند دن کمپنی میں میری طرح ایک اور شہرت کی شیدا آگئی اس نے میری جگہ میری شہرت لے لی۔ بہت کوشش کھوئے ہوئے نام کو حاصل کرنے کی کی۔ لیکن فلم میں معمولی سی جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ کار بک گئی۔ خوبصورت لباس خوراک میں تبدیل ہوئے اور کئی فاقے بھی کئے۔ کبھی کبھی کوئی نیک شخص جو نام بتانا نہیں چاہتا تھا دس پندرہ روپے بھیجدیا کرتا تھا۔۔۔۔۔ پھر مجھے سیبوں کا باغ بلانے لگا اور آج میں آگئی ہوں تمہارے پاس۔ سچ تو یہ ہے مجھے یہاں سے جانا ہی نہیں چاہئے تھا میری جگہ یہیں تھی۔ فردوس آباد میں نہیں"۔

"اب کیا خیال ہے ان پیڑوں کے متعلق"۔

خیال۔ بس اب یہاں آرام چین سے بیٹھ کر تمہاری باتیں سُنا کروں گی۔ تمہیں اپنی سنایا کروں گی۔ مالیوں کے کالے کلوٹے بچوں کو انسان بناؤں گی اور اس گمنام خموش فضا میں زندگی پیدا کروں گی۔ شہرت کے طوفان والی زندگی نہیں۔ ہموار پُر سکون مسرت سے لبریز زندگی۔

سکینہ بیگم بی۔ اے

مچھر کا پسندیدہ رنگ

شاید آپ نے کسی باغ یا میدان یا اور کسی تفریح گاہ میں اپنی سہیلیوں یا عزیزوں میں بیٹھے ہوئے یہ دیکھا ہوگا کہ سب کو مچھر یکساں نہیں ستاتے مچھر کے کاٹنے کی شکایت بعض زیادہ کرینگے اور بعضوں کے نزدیک مچھر بالکل نہیں جاتے اس کی کیا وجہ ہے کہ برابر بیٹھنے والوں میں سے کسی کے تو مچھر کاٹتے ہیں اور کسی کے نہیں ؟

یہ بات مانی ہوئی ہے کہ پتنگوں کو چند رنگ پسند ہیں چند رنگ ناپسند سب سے پہلا سائنسداں جس نے اس معاملہ پر غور کیا وہ جالی نامی شخص تھا، وہ مزید تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ ڈھالس یعنی مچھر سیاہ رنگ زمین کو سرخ یا سفید رنگ کی زمین پر ترجیح دیتا ہے نیز یہ کہ جن لوگوں کے موزے اور لباس سیاہ رنگ کے ہوں ان کو مچھر دوسرے رنگ کے کپڑے پہننے پر لوگوں کی نسبت زیادہ کاٹتے ہیں اسی لئے اکثر ہاسپٹلوں اور وارڈوں میں سیاہ کپڑے کی چھت تان دی جاتی ہے تا کہ مچھر کے کاٹنے سے نجات ملے اور مذکورہ بالا تحقیقات کا ثبوت ایک اور سائنسداں سے ملتا ہے اس ۔ نے ایک کوٹھری کی دیواروں کو سفیدی کروائی اور ما بین اس کے سیاہ پٹے یا دھاریاں کھینچ دیئے اس عمل سے تجربہ ہوا کہ مچھر صرف سفید دھاری چھوڑ کر سیاہ دھاری پر بیٹھا کرتے تھے۔

اسی بنا پر اور دو سائنس داں حضرات نے مزید تحقیقات کی وہ پروفیسر شپلی اور ڈاکٹر جارج ایچ۔ ایف۔ نٹھال تھے۔ انھوں نے ایک جال کا ڈیرا بنوایا جس میں بیحساب مچھر چھوڑے پھر اس کی آزمائش یوں کہ جب کبھی کوئی اس ڈیرے میں سیاہ لباس پہنکر جاتا تو سب مچھر اس کو لپٹ جاتے پھر وہی شخص سفید پوش ہو کر جاتا تو ایک مچھر تک اس کے پاس نہ آتا۔ پھر انھوں نے بہت سے کاغذ کے کھلے منہ کے ڈبے بنوائے جن کا بیرونی رنگ ایک طرح کا تھا لیکن اندر مختلف قسم کے کپڑے کے استر لگے تھے

ڈبے قطاروں میں یوں جما دیئے گئے کہ ہر ایک کا منہ باہر کے رخ اور ہر روز اندر جو مچھر جا سکے وہ گنا جائے یہ تجربہ سترہ دن کیا گیا روز ڈبے مختلف طریق سے جما دیئے گئے اور اندر کے مچھر گنے گئے تو ان تجربہ کاروں نے ذیل کی فہرست مرتب کی۔

ڈبہ کا رنگ	مچھروں کے اعداد جو ۱۷ دن میں ڈبے میں موجود تھے۔	ڈبہ کا رنگ	مچھروں کے اعداد
گہرا نیلا رنگ	۱۰۸	بیگنی رنگ	۱۸
گہرا سرخ رنگ	۹۰	ہری سبز رنگ	۱۷
ہلکا سرخ رنگ	۸۱	نیلا رنگ	۱۴
سرخ رنگ	۵۹	بادامی رنگ	۹
سیاہ رنگ	۴۹	ہلکا سبز رنگ	۴
سلیٹ رنگ	۳۱	سفید یا زرد رنگ	۲
گہرا سبز رنگ	۲۴	گیندی رنگ	۰

مندکرہ بالا تحقیقات اور نتیجہ کا ثبوت ایک اور ماہر سائنسدان کراپر نامی نے دیا ہے کہ سب سے زیادہ گہرے نیلے رنگ کو پتنگے پسند کرتے ہیں اور سب سے کم سفید رنگ کو نیز گیندی اور زرد کو۔ علاوہ اس کے اکثر بڑے بڑے ڈاکٹروں نے بھی ایسے تجربے بیان کئے ہیں جن سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ سب سے بہترین رنگ جو ہمکو مختلف پتنگوں سے نجات دیتا ہے وہ زرد رنگ ہے ممکن ہے کہ فطرت نے بھی انسان کی بھلائی اور حفاظت اسی رنگ میں مضمر رکھی ہو۔

فاطمہ صغرا عبد الحفیظ مکی بنگلور

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کے مضامین کے جدید مجموعے

احکامِ نسواں

عورتوں کے متعلق احکام قرآن مجید اور ان کی تفسیر خواتین ہند کے محسن اعظم نے کئی سال تک رسالہ بنات میں یہ تفسیر اس غرض سے لکھی تھی کہ مسلمان عورتوں کو مسائل کے دریافت میں جو دقت محسوس ہوتی ہے وہ رفع ہو۔ افسوس موت نے مہلت نہ دی کہ علامہ مغفور تفسیر کو مکمل فرما دیتے۔ تاہم تمام احکام بڑی محنت سے رازق الخیری صاحب نے جمع کئے ہیں۔ علامہ مغفور کی تفسیر کے علاوہ بہت سے احکام کی ضروری تشریح بھی عام فہم اور صاف ستھری زبان میں ہے۔ کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہیئے۔ قیمت ایک روپیہ عہ ر

محسنِ حقیقی

مسلمانوں کے آقا و مولا سوار دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات مصنف آمنہ کے لال کے قلم سے۔ اور اس قدر مؤثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت چھ آنے ۶ ر

قرآنی قصے

اُن نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے حضرت علامہ راشد الخیریؒ نے یہ قصے مسلمان لڑکیوں کیلئے انکی سمجھ کے مطابق انہیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے۔ عورتوں کیلئے نبیوں کے حالات میں بہترین کتاب ہے جس کا درجہ باعتبار ادب نہایت بلند ہے قیمت ایک روپیہ عسہ

گدڑی میں لعل

لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ، کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کیلئے خانہ داری کے متعلق نہایت مفید مشورے دلنشیں پیرایہ میں۔ یہ کتاب زنانہ لٹریچر میں بیش بہا اضافہ ہے یہی وہ مضامین ہیں جنہوں نے دس بیس سو کیا سینکڑوں نہیں ہزاروں عورتوں کی زندگی میں انقلاب کر کے خوشگوار زندگی بنا دی قیمت عہ ر

دُعائیں

حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف۔ ہم اپنے مقاصد کی کامیابی کیلئے دعائیں تو مانگتے ہیں مگر نہ دعا مانگنی جانتے ہیں نہ دعا سمجھتے ہیں مصور غم نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نظم و نثر کی یہ دعائیں لکھی تھیں جو اس قدر سوز و گداز اور زود اثر ہیں دل کی ہوئی ہیں ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ کلیجہ کے پار ہوتا ہے قرآن مجید کی دعائیں پیغمبروں کی دعائیں، سرکار عالی اور آپ کے عزیزوں کی دعائیں لکھی ہیں۔ باعتبار ادب عادل کی کوئی کتاب اس قدر بلند درجہ نہیں رکھتی قیمت ۸ ر

چمنستانِ مغرب

خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشرت۔ ادب غرض ہر موضوع پر جو خواتین کیلئے مفید ہو سکتا ہے انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت علامہ مغفور کا رنگ بھی ان میں جھلکتا ہے جنہیں پڑھ کر ترجمہ کا گمان نہیں بلکہ طبع زاد کا دھوکہ ہوتا ہے مشرق کے بہترین ادیب نے مغربی لٹریچر کو اردو زبان میں منتقل کیا تو اس سلیقہ کے ساتھ کہ مشرقی بیبیاں ادبی دلچسپیوں کا لطف اٹھانے کے علاوہ خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں تجربہ کی باتوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکیں قیمت عہ ر

دلی کی آخری بہار

۶۰ برس پہلے دلی کیا تھی۔ مرد عورتیں بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کیساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے میلے ٹھیلے کس طرح مناتے اور سیر تفریح کس طرح کیجاتی تھی۔ اس کا جواب اس کتاب میں ملیگا جو نصف صدی پہلے کی معاشرت محبت تعلقات اور وضعداری کی دردناک کہانیاں اور دلی کی بربادی کے جگر خراش افسانے ہیں جنہیں علامہ مغفور نے انشا پردازی کمال ہی نہیں دکھایا قلعہ معلی کی کوثر سے دھلی ہوئی بیگماتی زبان ہی نہیں لکھی بلکہ فسانہ عجب سنا کر دردمندوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ ر

داستانِ پارینہ

حضرت مصور غم جامع حیثیات مصنف تھے۔ انکی مورخانہ حیثیت کے آگے بڑے بڑے نقادوں کو گردن جھکانی پڑی۔ اسلامی تاریخ کے ضخیم ناول دیکھ چکے اب تاریخی مضمونوں کا مجموعہ پڑھیے اور دیکھئے کہ تاریخ میں افسانہ سے بڑھ کر لطف پیدا کر دینا علامہ راشد الخیری جیسے انشاپرداز مورخ کا کام تھا واقعات سب تاریخی ہیں مگر پیرایہ بیان بار بار پڑھنے پر مجبور کرتا ہے قیمت ۱۲ ر

مسلی ہوئی پتیاں

دلی کی بیگماتی زبان میں نادر خطوط انشا کی معمولی کتاب نہیں ہے بلکہ انسانی سے وہ مارہیں جنکو پڑھ کر بیساختہ جی چلتا ہے کہ الفاظ کو نوچ کر آنکھوں سے رکھ لیجئے حضرت مصور غم کا سب سے پہلا مضمون جو ۲۳ سال ہوئے مخزن میں شائع ہوا تھا وہ بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔ قیمت چھ آنے ۶ ر

شادی کا انتخاب

اس وقت اولاد کی شادی کا انتخاب مسلمانوں کے لئے نہایت اہم مسئلہ ہے کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جہاں والدین پریشان نہ ہوں کہ جوان لڑکیاں بیٹھی ہیں اور موزوں بر نہیں جڑتا - لڑکیاں اس معاملہ میں رحم بخود ہیں اور والدین بھی حالات کے تحت ہیں کہ یہ مجبور - لڑکیاں شادی کے وقت کیا کریں۔ اسلام نے انکو کیا حق دیا ہے شادی کے وقت کن باتوں کو دیکھنا چاہیے - علامہ منفور نے بیمار پڑنے سے قبل اس موضوع پر کتاب لکھنی شروع کی تھی بیگم مرحوم نے کتاب کی تکمیل کی ہدایت دی جس پر وہ ... کے لئے رسالہ عصمت کے تیس سال کے فائل سے تلاش کر کے اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ مضامین جمع کئے گئے ہیں قیمت آٹھ آنہ (۸؍)

عروسِ مشرق

یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے تہائی صدی تک حضرت مصور غم نے اپنی مخصوص طرز میں بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا مجموعہ ہے ان مضامین میں ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا ہے - قیمت دس آنہ ۱۰؍

بزمِ رفتگان

اُردو ادب کے غیر فانی مرثیے جو ملک کی مایہ ناز خواتین اور باکمال حضرات کی یاد میں لکھے گئے تھے اور جو ہندوستان کے ادب کے بیش بہا جواہر پارے ہیں۔ حضرت علامہ منفور کا یوں تو ہر مضمون تاثیر سے لبریز ہوتا ہے مگر بزم رفتگاں کا ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اردو زبان میں نثر کے بہترین مرثیے اور تصویریں ہیں - قیمت دس آنے ۱۰؍

نالۂ زار

خواتین ہند کے محسن اعظم کے دردانگیز مضامین جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر بحث کی گئی ہے یہ وہ معرکۃ الآرا مضامین ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں نالۂ زار میں عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور ان مصائب و آلام کی دردانگیز داستانیں ہیں جنہیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں - قیمت بارہ آنے

زیورِ اسلام

مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کیلئے نہایت مؤثر مذہبی مضامین جنکے مطالعہ سے انہیں معلوم ہوگا کہ انکی ہستی کیا ہے کس طرح وہ آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پُرلطف و باطمینان زندگی کس طرح بسر کر سکتی ہیں۔ خدا اور اس کے بندوں کے ان پر کیا حقوق ہیں اور انہیں دینی و دنیاوی فرائض کو خوش اسلوبی کیساتھ کس طرح انجام دینا چاہیے۔ خشک و خشک موضوع کو اس قدر لطیف اور دلآویز پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ مجال ہے کہ طبیعت ذرا اکتا جائے معمولی پڑھی لکھی عورتوں ہی کیلئے نہیں تہذیب جدید کی دلدادہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے لئے بھی اس مجموعہ میں گراں بہا اسلامی معلومات ہیں جو زندگی کو کامیابی کے ساتھ بسر کرنے میں مدد دیں گی - قیمت ایک روپیہ (عہ)

بےفکری کا آخری دن

اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کے لئے جن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اچھی عادات و خصائل پیدا ہوں۔ وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگیں خوشگوار زندگی گذارنے کی تیاری کر سکیں - اپنے والدین کو نعمت جانیں اور کنبہ کی قدر کریں - قیمت (۱۲؍)

بلبلِ بیمار

لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور پردے کے مختلف پہلوؤں پر طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تہائی صدی تک غور و فکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا یہ انتہائی قیمتی مجموعہ ہے خشک سے خشک موضوع کو نہایت دلآویز پیرایہ میں بیان فرمانے کی مصور غم خداداد قابلیت رکھتے تھے - پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بڑی خوش اسلوبی سے حل فرمایا ہے - قیمت دس آنے ۱۰؍

سیاحتِ ہند

ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کا علامہ منفور نے دورہ فرمایا تھا اور دورہ کے جو حالات عصمت و بنات میں تحریر فرمائے تھے وہ سب اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں۔ جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ دردمند خواتین و حضرات کا تذکرہ ہے جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت و تمدن کی واقفیت ہوتی ہے اور علامہ مرحوم کی طبیعت و ذاتی خصائل کا پتہ چلتا ہے قیمت عمر

یادگارِ تمدن

حمایتِ حقوق نسواں کی حمایت میں

پہلا اور آخری مجموعہ جو رسالہ تمدن کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ منفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے انکا مجموعہ ہے طرز بیان اس قدر دلآویز اور مؤثر ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے بیش بہا انشاپردازی کا نمونہ ہے - قیمت ۶؍

مسلمان عورت کے حقوق

حقوق نسواں کی حمایت میں وہ مضامین جو ہزاروں انسانوں سے آنسو کا خراج حاصل کر چکے ہیں - جو مرد خانگی زندگی خوشگوار بنانے کے آرزومند ہیں - جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں جس دل میں مسلمانوں کی بہتری اور ترقی کا درد ہے ممکن نہیں کہ وہ ان مضامین کو پڑھے اور تڑپ نہ اٹھے قیمت ۱۲؍

ساجن موہنی

بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتیں۔ کیونکہ انہیں تسخیر شوہر کے گر ہی نہیں معلوم۔ میاں بیوی میں آئے دن لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے اور زندگی میں بے لطفی پھیکا پن ہی نہیں ناخوشگواری بلکہ تلخی محسوس ہوتی ہے۔ اس مجموعہ کا مطالعہ نہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کیلئے بے انتہا مفید ہے بلکہ ان لڑکیوں کے لئے بھی جن کی عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ قیمت چار آنے ۴ر

عالمِ نسواں

ان ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے۔ حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرایہ میں تبصرہ۔ تحریک نسواں۔ بیداریٔ نسواں۔ آزادیٔ نسواں۔ حریت نسواں سے جنہیں ذرا سی بھی دلچسپی ہے وہ علامہ مغفور کے جنہوں نے تمام عمر عورتوں کی ترقی اور بہتری کی کوشش میں ختم کردی۔ ان گراں بہا خیالات کی قدر کریں گے

قیمت آٹھ آنے (۸ر)

بکھری ہوئی پتیاں

مختلف موضوعات کے متفرق مضامین۔ اس مجموعہ میں وہ مضامین بھی شامل ہیں جو بعض گذشتہ مجموعوں میں مثلاً گدڑی میں لعل، بزم رفتگاں، بے فکری کا آخری دن، عروس مشرق، گرداب حیات وغیرہ میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ انشائے لطیف اور کئی درد انگیز نظمیں بھی ہیں۔ گویا اس مجموعہ میں علامہ مغفور کی کئی مختلف جنبشیں نظر آتی ہیں۔

قیمت ایک روپیہ چھ آنے (عہ)

فریبِ ہستی

وہ بیش بہا مضامین جو اصلاح معاشرت اور اصلاح اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں اور ان کی حالت درست ہونے کی کیا تدابیر ہیں۔

قیمت (۶ر)

افسانوں کے جدید مجموعے

خدائی راج اور دوسرے افسانے

اردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بہترین مجموعہ جس میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ اور جذبات نسوانی کی درد انگیز ترجمانی کی گئی ہے۔ پلاٹ، مکالمہ، کردار نگاری، مناظر نویسی، جذبات نگاری غرض ہر اعتبار سے یہ افسانے مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں۔ جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔

قیمت ایک روپیہ (عمر)

گردابِ حیات

حضرت مصور غم نے عورتوں کی اصلاح و حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور مؤثر افسانے عام فہم پیرایہ میں مختلف رسالوں میں لکھے تھے ان میں سے ۲۵ افسانوں کا مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ ان افسانوں نے سینکڑوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ قیمت ایک روپیہ (عمر)

بساطِ حیات

چار مختصر افسانوں کا مجموعہ جذبات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ تمام افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں یہ جانوروں کی زبانی معمولی انسانی کہانیاں۔ قصہ کے پیرایہ میں درستی اخلاق اور اصلاح معاشرت کے اسباق بے بہا ہیں۔

قیمت چھ آنے (۶ر)

حُور اور انسان

اب سے ۲۵ سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند نہایت مؤثر اور درد انگیز افسانے تحریر فرمائے تھے۔ جنہوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس مجموعہ میں ان افسانوں کے علاوہ عصمت کے دور اول کے بھی چند مشہور افسانے ہیں۔ ان افسانوں کے عنوانات یہ ہیں:۔ حور اور انسان، پریوں کی محفل، ضمیمہ، شہید کا خون۔ انتہائے حمیت۔ ایک روح کی سرگذشت۔ سوکن کی نصیحت۔ ہر افسانہ سبق آموز ہے قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

نشیب و فراز

آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا تجربہ بیان کیا ہے۔ ہر افسانہ صد درجہ دلچسپ ہے۔ اور نسوانی زندگی کے کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

قیمت چار آنے (۴ر)

دادا لال بجھکڑ

پانچ نہایت ہی پرلطف قصے جنہیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ ولایتی نمی اور نانی عشو کے سلسلہ کی نتیجہ خیز کتاب جس سے معلوم ہوگا کہ مصور غم ظرافت نگاری میں بھی انتہائی کمال رکھتے تھے۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

(ب) حضرت مصورِ غمؒ کے مشہور اصلاحی معاشرتی افسانے

تمغۂ شیطانی

حد درجہ دلآویز اور سبق آموز افسانہ جس میں امت شیطانی کے آٹھ کیریکٹر دکھائے گئے ہیں ان لوگوں کے جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے مگر انکے صرف ایک فعل نے جو بظاہر بہت معمولی بات تھی حلقۂ شیطانی میں داخل ہوئے جہاں آکر بے والی بہری - ملاجی - خانصاحب کے حالات پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں وہاں شمشن بیرجی شہزادی کے واقعات اس قدر دردانگیز ہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں - قیمت بارہ آنے (۱۲)

سات روحوں کے اعمالنامے

دنیا کی سات عجیب و غریب روحیں ایک [illegible]

[illegible] قیمت ۸

غدر کی ماری شہزادیاں

باسیہ میں ملنے [illegible] غدر کی لٹی ہوئی دلی کی شہزادیوں اور بیگموں کی دل ہلا دینے والی کہانیاں [illegible] قیمت ۱۲

ستونتی

نہایت دلچسپ سبق آموز قصہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا کیلئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور شریف عورت شوہر کیلئے سب کچھ قربان کرکے اور ایثار کے جوہر دکھا کر دنیا کو محو حیرت کر دیتی ہے - پانچ دفعہ چھپ چکی ہے - قیمت (۷)

موؤدہ

لڑکیوں کے ترکہ پدری کے متعلق علامہ مصنف کا نہایت موثر دردناک بے بہا افسانہ جس میں اس قدر درد و سوز و گداز ہے کہ بہت سخت دل بھی اس کو پڑھ کر سیتے ہی نہیں بلکہ موم ہو جاتے ہیں قیمت ۸

تفسیر عصمت

حولیۂ عصمت کا مقبول دلآویز افسانہ عید کا کیریکٹر اس قدر پُرلطف ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں - اور واقعات اس قدر دردانگیز کہ بے ساختہ آنسو نکل آتے ہیں - غم اور مذاق یا اس سے بڑھ کر موثر افسانہ شاید آج تک نہیں ہوا - قیمت پانچ آنے (۵)

انگوٹھی کا راز

جدید ایڈیشن حضرت مصنف نے نظر ثانی اور بہت کچھ اضافہ کرا کے شائع کیا گیا ہے یہ تین مختلف الخیال لڑکیوں کا حقیق دلدار افسانہ ہے رابعہ کا عبرت انگیز انجام اصلاح کی جگر خراش داستان اور صفیہ کی مشکلات انگوٹھی کا راز اس خوبی سے حل کرتا ہے کہ پڑھنے والے کو حیرت ہو جائے - بار دوم قیمت (۶)

ولایتی بہنوں

(با تصویر) نانی عشو کے جوڑ کا نہایت پُرلطف افسانہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں بی بہنوں نے بڑھاپے میں جو سوانگ بھرے ہیں وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں قیمت ۶

منازلِ ترقی

اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دھن لیڈری کے شوق اور دولت کے نشہ میں اخلاق انسانیت اور مذہب کو تج کر غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے مظالم ڈھاتا ہے - دلی اور بشیرن دونوں میاں بیوی کے کیریکٹر نہایت دلچسپ ہیں - قیمت (۴)

بچہ کا کرتہ

ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا اس کی محبت اور ایثار کا وہ عبرت انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں بہت موثر افسانہ ہے کئی بار چھپ چکا ہے - قیمت (۴)

وڈیا کی سرگذشت

مگر وہ موتی وہاں بھی نہ نفا تھا جن جدت کی دلدادہ ایک انگریز عورت کی کہانی اسی کی زبانی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع میاں بیوی کے تعلقات کا ہر پہلو نو قیمت ۴

چہار عالم

ایک دردانگیز افسانے میں تین چار سبق آموز افسانے حیات انسانی پر پرندوں پرندوں کی بحث ہندوستانی معاشرت کا یہ افسانہ گویا مرقع ہے چند نسوانی کمزوریوں کو دردناک پیرایہ میں بیان کیا ہے پلاٹ بیحد دلکش ہے - قیمت (۴)

بنت الوقت

ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا بہترین مرقع وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا عبرت انگیز انجام تین دفعہ چھپ چکی ہے - قیمت ۸

سرابِ مغرب

غیر مسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے - اس بحث پر یہ کتاب تقلید مغربی کے دردناک نتائج - بارٹیز کا حشر ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی اور لڑکی کی تباہی آٹھ مرتبہ چھپی ہے - قیمت ۸ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں -

فسانۂ سعید

بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے - مگر جس قابلیت سے حضرت مصورِ غم نے سعید کا نکاح ثابت کیا ہے وہ حق رکھتا ہے کہ ہر مسلمان اس کتاب کو پڑھے - سعید کی جگر خراش داستان دل ہلا دے گی - سوتیلے رشتوں پر موثر کتاب ہے - قیمت ۸

(ج) مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہرِ عصمت

حضرت علامہ راشد الخیریؒ اردو کے پہلے مختصر افسانہ نگار تھے - مصورِ غم نے مختصر افسانوں میں جذبات نسوانی کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی صحیح ترجمانی نہیں جادونگاری کی ہے - ناممکن ہے کہ سنگدل سے سنگدل انسان ان افسانوں کو پڑھ کر کلیجہ پکڑ کر نہ رہ جائے - جوہرِ عصمت مصورِ غم کے ان ۱۳ مختصر افسانوں کا مشہور مجموعہ ہے

(۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ (۲) بعضور کی دلہن (۳) اگلی عیدیں (۴) فسانۂ تنویر (۵) بیگناہ کا قتل (۶) بہاؤج کا کینہ (۷) مامون الرشید کا دربار اور سچی عورت (۸) عدل جہانگیری (۹) بلبل کی

سیلابِ اشک

حضرت مصورِ غمؒ کے سات دردانگیز افسانے (۱) پرستارِ محبت (۲) ملوجین کے تین رنگ (۳) طلاقن کا سفید بال (۴) حج اکبر (۵) عدل گلبہت (۶) بے قصور بچی (۷) ثریا کا تخیل۔ ہر افسانے کے ساتھ زرکثیر صرف کرکے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ پانچ دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ

طوفانِ اشک

یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں۔ وہ مؤثر اور سبق آموز کتاب جس میں ۱۲ دل ہلا دینے والے افسانے ہیں۔ رواج کی بھینٹ۔ کلنگ کا ٹیکہ۔ بیوی کی جھنک۔ محروم وراثت۔ سوتیلی ماں کا آخری وقت۔ توصیف کا خواب۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ تفسیر عبادت۔ میں نے کیا دیکھا۔ شہید معاشرت۔ طوفانِ اشک بار سوم قیمت ایک روپیہ

شہیدِ مغرب

طرابلس اور مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے اسلام اور نصرانیت کے معرکے مسلمان عورتوں کی ناموس اسلام پر قربانیاں مسلمانوں کی ترقی کا راز تنزل کے اسباب تمدنی اور تبلیغ کا اثر۔ حسب ذیل دردانگیز افسانے ہیں۔ وفا سانی سامرہ حسب سیدانی سدا لے دلگداز شہید مغرب سیاہ داغ۔ انتہا سطرابس سے صدا۔ افراط و تفریط سیمونہ۔ ان کے مطالعہ سے مسلمانوں میں جوش ایمانی بہادری شجاعت، خودداری غیرت حمیت کے شریفانہ جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ عہ

نسوانی زندگی

یوں تو حضرت علامہ مغفور نے ہر تصنیف میں عورت کی مختلف حیثیتیں دکھائی ہیں مگر اس میں خصوصیت کیساتھ ماں، بیوی، بیٹی، بہن کی ہر حیثیت علیحدہ علیحدہ دکھائی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حیثیت میں ایسا ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے۔ قیمت صرف ۸ر

نانی عشو

آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں ناممکن ہے نانی عشو پڑھتے یا سنتے وقت آپکے پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں۔ علامہ مغفور نے ہنسی کے مضامین بھی لکھے تو اس کمال کے کہ تمام ہندوستان میں ان کا ڈنکا بج گیا۔ نانی عشو کیساتھ ایسے ہی ظرافت آمیز مگر نتیجہ خیز افسانے خوب اور گلشن رفاعی سجدہ ندامت بڑھ کر بھی ایک موقع پر آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑینگے تو دوسرے موقعہ پر ہنسی ضبط نہ ہو سکے گی۔

گلدستۂ عید

عید کی دعا۔ عید کی خوشی۔ ام جعفر کی عید۔ ترکی عید کی عید۔ ایسے ایسے سبق آموز افسانے اور مضامین عید کے متعلق ہیں سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے رمضان شریف میں کیا کرنا چاہئیے اس کا جواب گلدستۂ عید سے ملیگا۔ جو ایک طرف بہترین علمی عید ہے تو دوسری طرف ہر وقت پڑھنے زندگی میں بہت سودمند نتائج اخذ کرنے کی چیز ہے با تصویر قیمت ۸ر

رودادِ قفس

حضرت علامہ مغفور کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی نظموں کا مجموعہ۔ مظلوم حسینہ روضہ اقدس پر۔ اسلم کا خط اسلم کے نام۔ ماں کا پیام۔ سرخاب کا دم واپسیں۔ التجائے تصویر۔ بیٹیوں کی فریاد۔ بچپن کی یاد۔ عید کا کرتہ۔ سہیلی کا خط وغیرہ وغیرہ مسلمان گھرانوں کے عبرت انگیز معاشرتی مناظر ہیں۔ چھٹی مرتبہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۰ر

(د) تاریخ و سیر۔ ادب و انشاء

آمنہ کا لال

اردو زبان کا سب سے ... مولد شریف پردہ نشین عورتوں کی ... مجلسوں میں یہی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ اپنی غیر مسلم سہیلیوں کو بڑے فخر کے ساتھ بلاتی ہیں۔ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مرد بڑے ذوق و شوق سے آمنہ کے لال کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو خلاف عقل کہا جا سکے۔ نثر کے ساتھ ساتھ جا بجا نظم ہے۔ وہ بھی اس قدر مؤثر ہے کہ اہل دل تڑپ اٹھیں۔ کیونکہ تمام اشعار خود علامہ مغفور ہی کے ہیں۔ آمنہ کے لال بھی علامہ راشد الخیری کا بہترین شاہکار ہے۔ قیمت عہ

سیدہ کا لال

شہادت کی مکمل و مفصل تاریخ حصہ اول مکمل تاریخ شہادت ہے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ اور جناب سیدہ کے فضائل سرور کائنات صلعم کی رحلت۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت۔ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ حضرت علی رضی اللہ عنہم کی شہادتیں اور دردناک مرثیے۔ جنگ جمل جنگ صفین کا مکمل بیان۔ شیعہ سنی اختلاف کی ترقی۔ بنی امیہ کی کوششیں امیر معاویہؓ کی سیاست امام حسنؓ کی شہادت یزید کی حکومت کی پوری کیفیت۔ جس سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے حضرت مسلمؓ ان کے بچوں اور حضرت حُرؓ کی شہادت۔ بی بی زینبؓ کا میدان کربلا میں بےمثل ایثار۔ شہادت حضرت عباسؓ۔ حضرت قاسم۔ حضرت علی اکبر۔ کربلا کا ننھا شہید۔ بیمار صغرا کا قاصد۔ سیدہ کے لال کی شہادت۔ خانماں برباد سیدانیاں ابن زیاد اور یزید کے دربار میں۔ شیعہ سنی اختلاف پر تبصرہ۔ قاتلان حسین کا انجام اور خدائی فیصلہ۔ یوں تو تمام کتاب اس قدر دردانگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی مگر نثر میں جو مرثیے علامہ مغفور نے لکھے ہیں ان کی ایک ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے۔ ادب لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کا اس قدر مفصل اور مکمل درد انگیز اور مؤثر بیان کسی کتاب میں نہیں تعلیم یافتہ عورتیں اور مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب پڑھتے ہیں یا مجلسوں میں پڑھواتے اور سنتے ہیں ضخامت ۲۵۰ صفحے قیمت ۲ عہ

الزہرا

اردو زبان میں جگر گوشہ رسول سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بہترین سوانحعمری جو بتاتی ہے کہ میاں بیوی کو کس طرح رہنا چاہیئے۔ بچوں کی پرورش کس طرح کرنی چاہیئے۔ دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے۔ واقعات دردانگیز کہ ہچکی بندھ جائے آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان اور مصور غمؒ کا قلم اور خاص تصحیح کی ہے قیمت عہ

قلبِ حزیں

چھوٹے چھوٹے نہایت لطیف ادبی مضامین کا دلآویز مجموعہ جذبات نسوانی کی دردانگیز ترجمانی ان مضامین میں علامہ مغفور نے شاعری کی ہے بہترین نظم نما نثر طرز تحریر اتنا پیارا ایک ایک فقرہ حفظ کر لینے کو جی چاہے قیمت ۸ر

امین کا دمِ واپسیں

شہنشاہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر شہزادہ امین الرشید کا دردناک قتل اسلامی تاریخ کا یوں ہی ایک دردانگیز واقعہ ہے اس پر مصور غمؒ نے قصہ کے دلکش پیرایہ میں عبرت انگیز واقعات اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں قیمت ۱۲ر

نوبت پنج روزہ

شاہجہاں آباد اجڑ چکا مگر اسکے کھنڈر ابتک سُننے والوں کے کانوں میں سُنا رہے ہیں اور شہر کے درو دیوار اس وقت بھی اپنے مہاجروں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی۔ بادشاہ کا جلوس۔ قلعہ معلیٰ کی بہار دیکھتے ہی بنتی تھی۔ میلے تماشوں کے رنگ۔ دربار کی کیفیت۔ قطب صاحب کے مقبرے۔ سیر غیب۔ شاہ برج اور کوٹلے کے جشن۔ شہر کی آبادی کی چہل پہل۔ ہندو مسلمانوں کی معاشرت۔ رمضان عید سلونو سالگرہ کے تزک و احتشام۔ شادی بیاہ کی رسوم۔ غرض دورِ گذشتہ کی بہار اگر دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداع ظفر ملاحظہ فرمایئے جس میں آخری تاجدارِ مغلیہ کی پانچ نوبتیں اس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خلق کے آنسو رلوا دیگی۔ پانچویں نوبت وہ ہے جب دلی نے بادشاہ کو وداع کیا۔ غدر ۵۷ء کے واقعات مجبوروں کا ظلم مظلوموں کی حالت زار مردوں کی بربادی عورتوں کی تباہی اور بادشاہ کے مصائب نا ممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں بادشاہ کی تصویر اور تین رنگی تصویریں بھی ہیں قیمت عہ

وداعِ خاتون

یعنی وہ مضامین جو ادیبہ جلیلہ جنت مکانی محترمہ خاتون اکرم کی جوان مرگی پر لکھے گئے تھے جو بتائیں گے کہ بہو کیسے کہتے ہیں اور لڑکی شادی کے بعد کس طرح سُسرال والوں کے دل کو تسخیر کر سکتی ہے ناممکن ہے کہ نہیں پڑھ کر آنسو کی جھڑیاں نہ شروع ہو جائیں۔ سو کتابوں کے پڑھنے کا وہ اثر ملنا نہیں ہو سکتا جو صرف اس ایک کتاب کے پڑھنے کا کیونکہ یہ آپ بیتی ہے قیمت ۵ر

اسلامی تاریخ افسانہ کی طرز پر

عروسِ کربلا

علامہ محترم کے تمام تاریخی ناولوں میں بلحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم درد انگیز نہیں۔ اس پر مولانا کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھا دی ہے۔ ہچکی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے بہت مشہور کتاب ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ اور آج بھی اسی طرح دھڑا دھڑ نکل رہی ہے۔ عروس کربلا کی طرز پر کئی مصنفوں نے ناول لکھے۔ مگر عروس کربلا عروس کربلا ہی ہے۔ حال میں چھٹی دفعہ چھپی ہے۔ قیمت (عہ)

محبوبۂ خداوند

قرونِ اولیٰ کے پُر جوش دیا کیا مسلمانوں کی دلدوز خونچکاں بازیاں پڑھنے والوں کو مبہوت بنا دیتی ہیں۔ طرابلس کا مقدس خداوند کارتھیث شمالی افریقہ کی حسینہ سفیرو کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے زعمی دعوؤں میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے اور محبوبہ خداوند کس طرح اپنی عزت بچا کر اسلام قبول کرتی ہے۔ یہ ایک راز ہے جو صرف کتاب محبوبہ خداوند کے مطالعہ سے حل ہوگا۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کے معرکے لڑائیوں کے حالات جنکا پڑھنا کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے چار دفعہ چھپی ہے قیمت ۱۲ر

دُرِّ شہوار

ایران، مازندران، سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع بہلول کے شجاعانہ کارنامے ملکہ پر احسانات شہزادی مسطورہ کی فراست اور بہادری اور سعدیر کی مکاری اور فریب۔ قیمت صرف (عہ)

شہنشاہ کا فیصلہ

عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت میں ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ ماں کا بیگناہ بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور ماں کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے۔ اور آخر میں کس خوبی سے شہنشاہ کا فیصلہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے۔ یہ ایسے ایسے باب ہیں جو صرف پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت (۱۲ر)

منظرِ طرابلس

تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوشِ ایمانی۔ حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل بہادری۔ ایثار و شجاعت، محبت کے آتشکدہ میں بے گناہ لڑکی کی قربانی۔ حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل۔ مذہبی پیشوا کی سیاہ کاریاں۔ طلقیہ اور شہزادی یبوکی کہانی اور فتح طرابلس کا منظر قیمت ۵ر

سودائے نقد

جس سے معلوم ہوگا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے یہ افسانہ بتلائے گا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا کیسا زبردست گناہ ہے۔ دو سگی بہنوں کی کوشش حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل۔ محبت کا جواب غرض نہایت دلچسپ پلاٹ ہے۔ قیمت (۵ر)

یاسمینِ شام

امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمرؓ کے زمانہ کی اسلامی لڑائیاں ہلال و صلیب، اسلام و عیسائیت کے معرکے تسخیر اردن میسان حمص بعلبک ارسنا حلب انطاکیہ بیت المقدس اور یرموک کے سلئے مجاہدین اسلام کی سرفروشانہ قربانیاں جنگ یرموک وہ اسلامی جنگ تھی جس میں ۳۶ ہزار مسلمانوں نے عیسائیوں کی متفقہ طاقت یعنی ۳ لاکھ کے لشکر عظیم پر فتح پائی۔ جس میں مسلمان عورتیں اس طرح لڑیں کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ حضرت خالد بن ولید اور شرجیل کی تقریریں۔ مسلمانوں کے جوش ایمانی جرأت جانبازی اور ایثار کے دل ہلا دینے والے مناظر یاسمین شام ہی میں نظر آئیں گے۔ اگر محبت کا دلآویز افسانہ دیکھنا ہے تو یاسمین شام کا مطالعہ کرو۔ جو سفاک و سنگدل باپ خدا ترس ماں اور مظلوم بچی کی دلخراش داستان بھی ہے۔ حال میں جدید ایڈیشن خاص اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ قیمت صرف (عہ)

تیغِ کمال

اگر آپ کو غازی اعظم مصطفےٰ کمال کے مفصل حالات یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے مناظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھئے جس میں یورپ کی سازشوں کے راز افشا کئے گئے ہیں۔ شہزادی کونسٹ کا افسانۂ محبت۔ مصطفےٰ کمال کا سب کے دانت کھٹے کرنا۔ یونان کے درد انگیز مناظر اور علامہ راشد الخیری کا قلم۔

قیمت ایک روپیہ (عہ)

تین طالب علم

مسٹر شرلاک ہومز جیسے مشہور جاسوس سے کون واقف نہیں۔ ذیل میں سر آرتھر کینن ڈائل کے ایک انگریزی افسانے کا ترجمہ انہی کی زبانی پیش کرتی ہوں۔

شرلاک ہومز اور میں کچھ ضروری کام کے لئے ایک مشہور شہر میں آئے ہوئے تھے۔ ایک روز شام کے وقت ہمارے پرانے ملاقاتی مسٹر ہلٹن سوئمیز جو کہ ایک مشہور کالج کے لیکچرار تھے تشریف لائے۔ اُن کے چہرے سے گھبراہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ آتے ہی وہ کہنے لگے "مسٹر ہومز مجھے کامل یقین ہے کہ آپ اس وقت میری مدد کریں گے۔ مجھ سے ایک ناقابل تلافی غلطی ہوگئی ہے۔" مسٹر ہومز ان دنوں بہت مصروف رہتے تھے۔ اس وجہ سے انھوں نے ٹالنے کی غرض سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو جو آپ پولیس کی مدد طلب فرمائیں۔ مگر مسٹر سوئمیز نے اصرار کرتے ہوئے کہا "اس معاملے میں میں پولیس کی مدد طلب نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے کالج کی بدنامی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ جیسا شخص میری اس آنے والی مصیبت کو دُور کر سکتا ہے۔" اتنا کہہ کر مسٹر سوئمیز نے بغیر جواب کا انتظار کئے پورا واقعہ سُنانا شروع کر دیا۔ "مسٹر ہومز سنئے! کل ہمارے کالج میں امتحانات شروع ہوں گے۔ میں یونانی زبان (Greek) کا ممتحن ہوں۔ میرے ذمے سوالات تیار کرنے تھے، یہ بہت پوشیدہ طور پر تیار کئے جاتے ہیں۔ آج تین بجے کے قریب پرچے چھپ کر میرے پاس آئے۔ چونکہ پرچے سیدھے چھاپہ خانہ سے آئے تھے۔ اس وجہ سے میں غلطیاں درست کرنے کے خیال سے پرچوں کو دوبارہ پڑھ رہا تھا۔ ساڑھے چار بج چکے تھے مگر میرا کام ختم نہ ہوا۔ مجھے چونکہ ایک دوست کے گھر چائے پینے جانا تھا۔ اس وجہ سے میں پرچوں کو میز پر چھوڑ کر چلا گیا۔ جب میں ایک گھنٹے کی غیر حاضری کے بعد واپس آیا تو میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب کہ میں نے دیکھا کہ میرے دروازے کے تالے میں چابی لگی ہوئی ہے۔ اس تالے کی صرف دو چابیاں ہیں۔ ایک میرے پاس رہتی ہے اور ایک میرے نوکر بینیٹر کے پاس۔ بینیٹر بہت ہی ایماندار شخص ہے۔ اور میرے پاس دس سال سے نوکر ہے۔ اُس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ غلطی سے چابی تالے میں ہی چھوڑ گیا تھا۔ اندر جا کر میں نے جو کچھ دیکھا اُس سے میرے ہوش اُڑ گئے۔ سوالات کے پرچے بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ کچھ ایک میز پر جو کھڑکی کے قریب ہے کچھ فرش پر اور کچھ اپنی جگہ پر۔ مجھے شک ہوا کہ شاید بینیٹر نے پرچے پڑھے ہیں۔ مگر اُس نے نفی میں جواب دیا۔ تب مجھے خیال ہوا کہ شاید کسی کی نظر تالے پر پڑ گئی ہوگی اور اسے کُھلا پا کر اندر داخل ہو کر ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ مسٹر ہومز خدا کے لئے میری مدد کیجئے! چونکہ یونانی زبان (Greek) میں اول آنے والے کو ایک بہت بڑی رقم انعام کے طور پر ملے اسلئے جس شخص نے پرچے دیکھ لئے ہیں وہ ناجائز طریقہ سے انعام حاصل کرے گا۔ بینیٹر بھی اس حادثہ کی خبر سُن کر بیہوش ہونے کے قریب تھا کہ وہ جلد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کو ایک زور آور دوا پلائی اور خود کمرے کا معائنہ کیا۔ تو مجھے کھڑکی کے قریب کچھ ٹکڑے پنسل کے ٹوٹے ہوئے

ملے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس ظالم نے سوالات نقل کر لئے ہیں۔" یہ واقعات سُن کر ہومز نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا
"ہاں آپ اپنا بیان جاری رکھیں۔" سوئمز نے قصہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے علاوہ مجھے میز پر کالی مٹی کا ایک
ٹکڑا بھی ملا ہے اور میری میز پر جو کہ بالکل نئی تھی ایک بڑا سا نشان لگا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نوکیلی چیز سے بنا ہے۔
مسٹر ہومز میری مدد سے انکار نہ کیجئے۔ اگر کل تک اس بات کا پتہ نہ چلا تو مجھے مجبوراً امتحان روکنا پڑے گا۔ تاکہ نئے پرچے تیار کئے
جائیں۔ مگر اس سے ہمارے کالج کی بدنامی ہوگی اور اگر امتحان جاری رکھا جائے تو جس شخص نے یہ کام کیا ہے وہ ناجائز طور پر انعام
حاصل کرے گا۔ اس کے علاوہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ خاموشی کے ساتھ طے ہو جائے۔" یہ سُن کر ہومز نے کہا میں یقیناً آپ کی
مدد کروں گا۔ اچھا اس واقعہ کے بعد کیا کوئی آپ کے کمرے میں آیا تھا؟" مسٹر سوئمز نے جواب دیا۔ "ہاں ایک ہندوستانی لڑکا
دولت راس، جو کہ کل اسی امتحان میں شامل ہو رہا ہے۔"

مسٹر ہومز۔ "کیا کسی کو معلوم تھا کہ یہ پرچے آپ کے پاس ہوں گے؟" مسٹر سوئمز۔ "نہیں صرف چھاپنے والے کو اس
بات کا علم تھا۔" ہومز:۔ "اچھا تو پھر چلئے۔ میں آپ کے کمرے کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد ہومز، سوئمز اور میں
ایک چار منزلہ مکان کے سامنے کھڑے تھے۔ سب سے نیچے کی منزل میں مسٹر سوئمز رہتے تھے۔ اور باقی تین منزلیں تین طالب علموں
کے پاس تھیں۔ کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی ہومز نے قالین کو دیکھا، پھر پوچھا انسپکٹر کونسی کرسی پر بیٹھا تھا۔ سوئمز نے بتایا کہ کھڑکی
کے پاس والی کرسی پر۔ پھر مسٹر ہومز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا کہ "جو شخص اندر آیا ہے اُس نے کھڑکی کے نزدیک کرسوالات
نقل کئے ہیں۔ تاکہ اگر آپ کو آتا دیکھے تو بھاگنے کا موقعہ مل سکے۔" مسٹر سوئمز:۔ "مگر میں تو پچھلے دروازے سے اندر
آیا تھا۔"۔ ہومز "آہا یہ تو بہت ہی اچھی بات معلوم ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس شخص نے پہلے ایک پرچے سے سوال نقل کئے
اور اُس کو زمین پر رکھ دیا۔ پھر دوسرا اُٹھا کر نقل کر رہا تھا کہ آپ آگئے۔ اس وجہ سے اُس کو موقعہ نہ ملا کہ سب چیزیں ترتیب سے
واپس رکھتا۔ غالباً وہ جلدی جلدی سوال نقل کر رہا ہوگا کہ پنسل کا سکہ ٹوٹ گیا۔ اُس کو پنسل کی نوک پھر بنانی پڑی۔ اور ہاں یہ
پنسل کا سکہ بھی تو غیر معمولی قسم کا ہے۔ اچھا واٹسن اب ہم کو اس قسم کی پنسل ڈھونڈنی چاہیئے۔" میری طرف دیکھتے ہوئے
ہومز نے کہا۔ پھر سوئمز کو مخاطب کر کے کہا "اچھا دیکھئے میز پر نشان بھی عجیب قسم کا ہے۔ یہ یہاں سے ہلکا ہے اور آگے جا کر یعنی
دروازے کی طرف گہرا ہے۔ اچھا یہ دروازہ کہاں کھلتا ہے؟" مسٹر سوئمز "میرے سونے کے کمرے میں۔" ہومز "آپ اس
کمرے میں اس حادثہ کے بعد گئے تھے؟" سوئمز:۔ "نہیں"۔ ہومز۔ "اچھا تو میں وہ کمرہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں" کمرے میں
داخل ہوئے تو ایک طرف پردہ پڑا ہوا نظر آیا۔ ہومز کے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کے پیچھے سوئمز اپنے کپڑے رکھتے ہیں۔ یہ سُن کر
ہومز نے کہا کہ اگر کسی شخص کو اپنے آپ کو چھپانا ہو تو اس کے پیچھے نہایت آسانی سے چھپ سکتا ہے۔ یہ کہہ کر پردہ اُٹھایا۔ مگر
وہاں پر سوائے دو چار سوٹ کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ دفعتہً ہومز کی نظر اسی طرح کے مٹی کے ٹکڑے پر پڑی۔ جیسا کہ سوئمز کی میز
پر پڑا ملا تھا۔ ہومز نے دونوں کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ سوئمز بولے "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس شخص کو میرے سونے کے کمرے

میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟" ہومز:- "آپ چونکہ پچھلے دروازے سے گھر میں داخل ہوئے۔ اس وجہ سے اس شخص کو آپ کے آنے کا پتہ نہ لگا۔ یہاں تک کہ آپ دروازے پر پہنچ گئے۔ اس صورت میں سوائے اس کے اور کچھ چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو کپڑوں کے پیچھے چھپاتا۔" سوئمز:- "تو کیا وہ شخص اس عرصہ میں جب کہ میں بنیسٹر سے باتیں کر رہا تھا کمرے میں ہی تھا؟" ہومز- "ہاں! اچھا اب آپ مجھے کچھ حالات ان تینوں طالبعلموں کے جو کہ اس مکان میں رہتے ہیں بتائیے۔ کیا وہ امتحان میں شامل ہو رہے ہیں۔ اور کیا آپ کو ان میں سے کسی پر شک ہے؟" سوئمز:- "میں اُن میں سے کسی پر بھی شک کرنے کو تیار نہیں ہاں میں آپ کو ان کے حالات بتا دیتا ہوں۔ یہ جو نچلی منزل پر رہتا ہے اس کا نام گلکرسٹ ہے اور یہ سرجیبس گلکرسٹ کا بیٹا ہے۔ بہت اچھا کھلاڑی اور محنتی طالب علم ہے۔ دوسری منزل پر ایک ہندوستانی طالبعلم دولت راس نامی رہتا ہے۔ یہ خاموش طبیعت اور محنتی ہے۔ سب سے اوپر کی منزل پر مائلز میکلارین رہتا ہے۔ یہ لڑکا اگر محنت کرے تو بہت اچھا کام کر سکتا ہے۔ مگر اس نے سارا سال ضائع کیا ہے۔ اور اب یقیناً امتحان سے ڈرتا ہوگا۔" "تو پھر آپ کو اس پر شک ہے؟" سوئمز:- "نہیں۔ ہرگز نہیں"۔ "اچھا تو پھر اپنے نوکر بنیسٹر کو بلائیے۔" بنیسٹر کے آنے پر ہومز نے اُس سے چند سوالات کئے۔ اور اُس نے تسلی بخش جواب دیا۔ مگر جب ہومز نے یہ پوچھا کہ تم سب بیچ کی کرسیاں چھوڑ کر اُس کھڑکی کے نزدیک والی کرسی پر کیوں بیٹھے تو بنیسٹر نے کہا کہ میں اُس وقت بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس وجہ سے جہاں کہیں بیٹھ گیا۔ اُسی کو غنیمت سمجھا۔ یہ سُن کر ہومز نے بنیسٹر کو بھیج دیا۔ اور کہا کہ میں اس وقت تینوں طالب علموں سے ملنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سوئمز سب سے پہلے ہم کو گلکرسٹ کے کمرے میں لے گئے۔ اُس نے خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا۔ وہاں پر ایک خوبصورت تصویر کو دیکھ کر ہومز نے اپنی نوٹ بک میں اُتارنی چاہی۔ اُتارتے وقت پنسل کی نوک توڑ دی اور میزبان سے ایک پنسل مانگی۔ پھر اپنی پنسل کو بنانے کے لئے چاقو مانگا۔ جب دولت راس کے کمرے میں گئے تو وہاں پر بھی ہومز نے اسی طرح کیا۔ جب تیسرے طالب علم کے کمرے میں گئے تو اُس نے یہ کہہ کر کہ "کل میرا امتحان ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے کام میں حارج ہو۔" دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ اب ہم تینوں نیچے واپس آئے۔ ہومز نے سوئمز سے پوچھا کہ تیسرے طالبعلم یعنی مائلز میکلارین کا قد کتنا ہے۔ "سوئمز تقریباً ۵ فٹ ۶ انچ ہے مگر گلکرسٹ سے اس کا قد چھوٹا ہے۔" اتنا سن کر ہومز نے گھر جانے کا قصد کیا۔ اور دوسرے دن سویرے آنے کا وعدہ کیا۔ راستے میں ہم چار دوکانوں پر گئے۔ مگر ایک سے بھی اُس طرح کی پنسل نہ ملی۔ آخر ہم ناکامیاب گھر واپس لوٹے۔

دوسرے دن سویرے ہی ہومز میرے کمرے میں آئے اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں نے پوچھا کیا آپ کو پورے واقعات کا علم ہوگیا ہے"۔ ہومز "ہاں اب سوئمز کے گھر چلو۔ پھر سب کچھ بتاؤں گا"

سوئمز کے گھر پہنچکر ہم نے اس کو مجسم انتظار پایا۔ اُس نے ہم کو دیکھتے ہی پوچھا "مسٹر ہومز کیا خبر لائے؟" ہومز۔ "چونکہ اس واقعہ کا فیصلہ ہم خود ہی کریں گے۔ اس وجہ سے سب اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ اور بنیسٹر کو بلاؤ۔ بنیسٹر حیران و پریشان کمرے

میں داخل ہوا۔ ہومز نے کہا "بنیسٹر تم کو چاہیے کہ سچ سچ کل کا واقعہ سنا دو"۔ بنیسٹر:۔ "مجھے جو کچھ کہنا تھا میں کل ہی عرض کر چکا ہوں"۔ ہومز:۔ "اچھا اگر تم اس طرح نہیں مانتے تو میرے سوالات کا جواب دو۔ کیا کل تم نیم بیہوش ہونے کا بہانہ کر کے کرسی پر جو کہ کھڑکی کے نزدیک تھی اس وجہ سے نہیں بیٹھے تھے کہ تمھارے بیٹھنے کی وجہ سے وہ چیز جو کہ نظر آ سکتی تھی چھپ جائے؟" بنیسٹر کا چہرہ سفید ہو گیا۔ مگر اس نے طبیعت پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں، ہرگز نہیں"۔ ہومز:۔ "اچھا جیسے ہی مسٹر سوئمز کمرے سے نکل کر میرے پاس گئے، تو کیا تم نے اُس شخص کو جو کہ سونے کے کمرے میں چھپا تھا، باہر نکلنے دیا تھا یا نہیں؟" بنیسٹر:۔ "مگر جناب وہاں پر تو کوئی شخص تھا ہی نہیں"۔ ہومز:۔ "دیکھو بنیسٹر اب تک تو مجھے شک تھا کہ تم شاید سچ بول رہے ہو۔ مگر اس جواب نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اچھا تم یہیں کھڑے رہو۔ مسٹر سوئمز آپ ذرا جا کر گلکرسٹ نامی طالب علم کو بلا لائیے"۔ جیسے ہی گلکرسٹ کمرے میں داخل ہوا۔ اُس نے ہم سب پر متعجبانہ نظر ڈالی ہومز نے اُس سے کہا "گلکرسٹ بہت ہی شرم کی بات ہے کہ تم جیسا شخص ایسے شرمناک فعل کا مرتکب ہوا"۔ یہ سُنتے ہی گلکرسٹ نے بنیسٹر کی طرف دیکھا۔ بنیسٹر نے گھبرا کر کہا۔ "مسٹر گلکرسٹ میں نے ان کو کچھ نہیں بتایا"۔ اتنا سُنتے ہی ہومز نے گلکرسٹ کو کہا:۔ "اب تو جب کہ بنیسٹر نے یہ الفاظ کہہ دیئے ہیں۔ انکار نہ کرنا چاہیے"۔ "اتنا سُن کر گلکرسٹ کا چہرہ مارے شرم کے سُرخ ہو گیا۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے مُنہ چھپا کر سسکیاں لینے لگا۔ ہومز نے تسلی دیتے ہوئے کہا گلکرسٹ تم کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، جو کچھ کہ کل یہاں گذرا تھا، میں بیان کئے دیتا ہوں۔ اگر کہیں غلط ہو تو مجھے فوراً ٹوک دینا"۔ اتنا کہہ کر ہومز نے کل کے واقعات اس طرح سُنانے شروع کئے۔" جب مجھے مسٹر سوئمز نے سارے واقعہ سے مطلع کیا تو مجھے خیال ہوا کہ یہ بالکل ناممکن بات ہے کہ کوئی شخص بغیر یہ جانے کہ سوالات کے پرچے کمرے میں ہیں۔ اندر آیا ہو اور اندر آنے پر سوالات کے پرچے نظر آئے ہوں سوچتے سوچتے مجھے خیال ہوا کہ یہ کھڑکی گو کہ کافی اونچی ہے۔ مگر کوئی شخص جو کہ چھ فٹ یا اس سے زیادہ لمبا ہو تو بہ آسانی اندر کی چیز دیکھ سکتا ہے۔ میں چونکہ چھ فٹ لمبا ہوں، اس وجہ سے میں نے تجربہ کیا اور اپنا اندازہ درست پایا۔ جب ہم طالب علموں کے کمرے میں گئے تو گلکرسٹ کو ہی سب سے زیادہ اونچا پایا۔ مجھے اسی وقت اس پر شک ہوا۔ مگر جب تک پوری تحقیقات نہ کر لیتا کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اس وجہ سے باقی باتیں معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مجھے مسٹر سوئمز سے پتہ لگا کہ گلکرسٹ بہت اچھا کھلاڑی ہے۔ اور (Long Jump) میں طاق ہے۔ اچھا کل شام کو گلکرسٹ کھیل کر واپس آ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں کھیل کے جوتے (جن میں نوک دار کیلیں لگی ہوتی ہیں) تھے۔ وہ کھڑکی کے سامنے سے گذرا تو اپنے غیر معمولی قد کی وجہ سے میز پر پڑے ہوئے کاغذ دیکھے اور اندازہ کیا کہ وہ سوالات کے پرچے ہوں گے اگر بنیسٹر کی لاپرواہی کی وجہ سے چابی تالے میں نہ رہ گئی ہوتی تو گلکرسٹ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر گلکرسٹ اندر آیا۔ اور کسی کو اندر نہ پا کر اپنے بوٹ میز پر رکھ دیئے"۔ اچھا گلکرسٹ تم نے کھڑکی کے نزدیک والی

کرسی پر کیا رکھا تھا؟"۔ گلکرسٹ نے جواب دیا۔ "دستانے"۔ یہ سن کر ہومز نے فاتحانہ انداز سے بینیسٹر کی طرف دیکھا۔ اور پھر کہنا شروع کیا۔ "اچھا تو گلکرسٹ نے دستانے بھی رکھ دیئے۔ اور پرچوں کو اُٹھا کر کھڑکی کے پاس لے جا کر نقل کرنا شروع کر دیا۔ گلکرسٹ کھڑکی کے نزدیک اس لئے گیا کہ مسٹر سوئمز کو آتا دیکھ کر وہ فوراً اپنی چیزیں سمیٹ کر اپنے کمرے میں چلا جائے گا۔ مگر اُس کی اُمید کے خلاف مسٹر سوئمز پچھلے دروازے سے اندر آئے اور جب وہ دروازے کے نزدیک آئے تو قدموں کی چاپ سے معلوم ہوا کہ اب وہ خود پھنس گیا ہے۔ چنانچہ گلکرسٹ نے فوراً اپنے جوتوں کو میز پر سے کھینچا اور سونے کے کمرے کی طرف بھاگا۔ جلدی میں وہ دستانے اُٹھانے بھول گیا۔ جوتوں کی نوکدار کیلوں سے میز پریشان ہو گیا۔ اندر جا کر گلکرسٹ نے اپنے آپ کو کپڑوں کے پیچھے چھپا لیا۔ مسٹر سوئمز اور ڈاکٹر یاد ہے ہم کو کل وہاں پر بھی مٹی کا ایک ٹکڑا ملا تھا۔ میں آج صبح کھلاڑیوں کے میدان گیا وہاں پر مجھے اسی قسم کی مٹی ملی جس طرح کے کل دو ٹکڑے ملے تھے بس تب تو مجھے یقین ہو گیا کہ گلکرسٹ ہی مجرم ہے کیوں گلکرسٹ؟ - جو کچھ کہ میں نے معلوم کیا وہ ٹھیک ہے نا؟"، گلکرسٹ:۔ "جی ہاں بالکل ٹھیک ہے"۔ سوئمز:۔ "تو گویا مسٹر ہومز کا ایک ایک لفظ درست ہے۔ تم کو کچھ اور بھی کہنا ہے؟" گلکرسٹ "جی ہاں۔ مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ یہ دیکھئے، یہ خط میں نے آپ کو لکھا ہے۔ رات بھر کی بے چینی کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں ناجائز فائدہ اُٹھا کر امتحان میں شریک نہ ہونگا۔ مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے اب میں اسی وقت افریقہ جا رہا ہوں۔ چونکہ مجھے وہاں پر نوکری مل رہی ہے"۔ سوئمز:۔ "میں خوش ہوں کہ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہے۔ مگر تم نے اس راز کو ظاہر کرنے کا خود بخود ارادہ کیوں کر رکھا تھا؟" گلکرسٹ "بینیسٹر نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا"۔ ہومز:۔ "بینیسٹر اب تم کو چاہیئے کہ تم بھی بتا دو کہ کل تم نے مسٹر سوئمز کے سامنے اس حادثے کے بعد نیم بیہوش ہونے کا بہانہ کیوں کیا تھا؟" بینیسٹر "جناب میں گلکرسٹ کے والد کے پاس مدت تک نوکر رہا تھا۔ جب وہ اپنی فضول خرچی کے بعد بالکل غریب ہو گئے تو میں نے یہاں پر نوکری اختیار کر لی، مگر میں اپنے پرانے آقا کو کبھی نہ بھولا اور اسی وجہ سے گلکرسٹ کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ کل جس وقت مسٹر سوئمز کمرے میں داخل ہوئے تو میں بھی ساتھ تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی میری نظر گلکرسٹ کے دستانوں پر پڑی۔ میں جانتا تھا کہ اگر مسٹر سوئمز کی نظر دستانوں پر پڑی تو وہ فوراً پہچان لیں گے کہ یہاں کون آیا تھا۔ اس وجہ سے میں نے نیم بیہوش ہونے کا بہانہ کرتے ہوئے اُس کرسی پر جس پر دستانے رکھے تھے (یعنی کھڑکی کے نزدیک) بیٹھ گیا۔ اور اُس وقت تک وہاں سے نہ ہلا جب تک مسٹر سوئمز آپ کے گھر نہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ہی گلکرسٹ سونے کے کمرے سے نکل کر میرے پاس آیا اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ میں چونکہ گلکرسٹ کی بھلائی چاہتا تھا اس وجہ سے میں نے اس کو اس کے فعل پر ملامت کی۔ مگر میں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ یہ راز کسی کو نہ بتاؤں گا جناب مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے قصوروار نہ ٹھیرائیں گے"۔ ہومز "ہاں تم بالکل بے قصور ہو۔ گلکرسٹ میں اُمید کرتا ہوں کہ افریقہ جا کر تم دیانت داری اور محنت سے اپنا کام انجام دو گے۔ اچھا مسٹر سوئمز اب مجھے اور ان کو اجازت دیجئے۔ آپ کے چھوٹے سے مقدمے کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ خدا حافظ!"

جمیلہ اسد اللہ (کلکتہ)

بُرقعہ

گھر کی چار دیواری سے نکلنے کے بعد عورتیں دوران سفر میں پردہ پوشی کی خاطر طرز قدیم کا ہو یا طرز جدید کا برقعہ استعمال کرتی ہیں۔ کچھ دن پہلے برقعہ عموماً سفید کپڑے کا ہوا کرتا تھا۔ اور اسی سفید برقعہ کا رواج عام تھا۔ آہستہ آہستہ شوق نے رنگوں میں تبدیلی شروع کردی اور بجائے سفید کے سیاہ و کاہی رنگ کے برقعے بھی نظر آنے لگے۔ لیکن جب یہ رنگ پھیکا پڑنا شروع ہوا اور طبیعت رنگ آمیزی کی دلدادہ ہونے لگی تو رنگ رنگ کے برقعے استعمال ہونے لگے۔ لیکن ان سوتی کپڑوں کے رنگین برقعوں نے اپنا اخلاقی رنگ نہ چھوڑا۔ لیکن جب سے جاذب نظر ریشمی برقعوں نے ان کی جگہ لی ہے چند قابل توجہ باتیں پیدا ہوگئی ہیں۔

یہ بات مشاہدہ سے ثابت شدہ ہے کہ تہذیب زدہ نوجوان ایک خاص مرض میں مبتلا ہیں۔ وہ مرض مخرب اخلاق حرکتیں ہیں۔ جو خصوصیت کے ساتھ شریف طبقہ کی خواتین سے چھیڑ چھاڑ کی صورت میں سرزد ہوتی ہیں۔ اگر پیش نظر خاتون تہذیب نو کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، تب تو یہ اخلاق سوز حرکتیں ان کے لئے کچھ زیادہ قابل اعتراض نہیں۔ کیونکہ وہ داخل فیشن ہوتی ہیں اور اگر حیادار خاتون ہے تو سوا خاموشی کے کچھ نہیں کرسکتی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جاذب نظر صورت ہو یا لباس اپنی طرف لوگوں کی نظروں کو جلد مائل کرلیتی ہے۔ بہ نسبت کریہہ صورت یا گندے لباس کے اسی طرح سے اگر کسی جگہ کوئی رنگین برقعہ پوش خاتون بیٹھی ہوتی ہے تو نظریں بیساختہ ادھر ہی اٹھتی ہیں۔ عام اس سے کہ اور بھی سفید برقعہ پوش مستورات ہوں۔ اب جبکہ بدقماش نوجوانوں کا یہی نظریہ عموماً ہوتا ہے کہ برقعہ میں جب کوئی خاتون ہوتی ہے تو اس کی وجہ نہ صرف پردہ داری ہے، بلکہ حسن پوشی بھی ہے۔ تو وہ ہر برقعہ پوش کو حسین تصور کرتا ہے۔ پھر اس فرضی نظریہ کے ماتحت جب وہ ریشمی زرق برق برقعہ میں کسی خاتون کو دیکھتا ہے تو اُسے کوہ قاف کی پری ہی تصور کرنے لگتا ہے۔ اور حتی الوسع کوشش کرتا ہے کہ اس کی صورت دیکھے۔ اس مقصد کی کامیابی کے لئے نت نئی ترکیبیں کرتا ہے۔ جو بعض وقت خواتین کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتی ہیں۔ اس قسم کی حرکتیں زیادہ تر ریلوے اسٹیشنوں پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ جب کہ کوئی برقعہ پوش خاتون پلیٹ فارم پر سے گذرتی ہوئی یا ریل کے زنانہ ڈبہ میں بیٹھی ہوتی ہے بعض اوقات اُن بیہودہ ہستیوں کے اور خواتین کے ہم سفر عزیز کے مابین اس سلسلہ میں ناگوار حالات پیدا ہوجاتے ہیں۔ ذیل میں چند دلچسپ واقعات ہدیہ ناظرین ونا ظرات کرتا ہوں جس سے بآسانی برقعہ پوش خواتین کی پریشانی و نیز بدمعاشوں کی بیہودگیوں اور پشیمانی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک برقعہ پوش خاتون ریل کے زنانہ ڈبہ میں سفر کررہی تھی۔ جب گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تو چند منچلوں نے اس ڈبہ کا طواف کرنا شروع کردیا۔ لیکن مایوسی سے ہم کنار ہونے دیکھ کر ایک نے کمر ہمت کسی اور گاڑی کے رُکنے کے ساتھ ساتھ زنانہ ڈبہ کے بغل والے ڈبہ میں سوار ہوگیا۔ گاڑی اپنی تیز رفتاری کے ساتھ چلی جارہی تھی۔ اور یہ شخص بند دروازہ کی کھڑکی سے سر نکالے زنانہ ڈبہ میں جھانکنے میں مشغول تھا۔ اسی طرح کئی اسٹیشن گذر گئے۔ لیکن بیچارہ محروم دیدار ہی رہا۔ فطرت نے اس کی واجبی گوشمالی اس طرح کی کہ وہ دروازہ یک بیک کھل گیا۔ اور یہ تنکے کی طرح

ریل کے ڈبہ سے دور گڑھے میں پھینکدیا گیا۔ خوش قسمتی سے جان سلامت رہی۔ جب تک ہوش بجا ہوں گارڈ کا ڈبہ سامنے پہنچ چکا تھا۔ اُس نے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ لیکن گارڈ نے اطمینان بخش صورت دیکھ کر روکنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ آخر غریب بے نیل و مرام پا پیادہ اپنی جائے قیام پر واپس لوٹا۔

ایک دفعہ چند خواتین ریل کے ڈبہ سے اُتر کر ویٹنگ روم میں جا رہی تھیں۔ اِدھر پلیٹ فارم پر بدمعاشوں لفنگوں کی ٹولی بھی سرگشت کر رہی تھی۔ جب خواتین ان کے نزدیک پہنچیں۔ اس وقت ایک نوجوان نے ایک خفیف آوازہ کسا۔ خواتین میں سے ایک معمر خاتون نے نقاب ہٹالی اور ڈپٹ کر کہا:۔ "نعیم شرم نہیں آتی۔ اپنی عزیز رشتہ داروں کی شان میں یہ آوازے" اس غریب نوجوان کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ بالکل بُت بن گیا۔ کیونکہ وہ معمر خاتون اس کی اپنی چچی تھیں۔ اب اس غریب کو ایسی ندامت ہوئی کہ توبہ بھلی۔

ایک برقعہ پوش خاتون زنانہ ڈبہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسٹیشن چونکہ جنکشن تھا گاڑی کافی دیر رکی رہی ایک نوجوان اس ڈبہ کے نزدیک سے کئی بار گذرا۔ اور ہر مرتبہ بیٹھی ہوئی خاتون کی طرف بڑے اشتیاق سے دیکھا کیا۔ خاتون کے ساتھ موصوفہ کے شوہر جو ریٹائرڈ پولیس انسپکٹر تھے سفر کر رہے تھے۔ انسپکٹر صاحب اسی پلیٹ فارم پر محو خرام تھے یکایک ان کی نظر اس نوجوان پر پڑی۔ جب ان کو اس کا یقین کامل ہوگیا کہ یہ شخص میری بیوی کو دیکھنے کا متمنی ہے تو آگے بڑھے اور اور جب وہ نوجوان ڈبہ کے نزدیک پھر آیا، تو اس کو اپنی گرفت میں لیا اور کہا۔ "صاحبزادے! آیئے دیکھ لیجئے۔ بہت دیر سے آپ منتظر دید ہیں" وہ نوجوان بڑا گھبرایا اور کچھ کہنا چاہتا ہی تھا کہ انسپکٹر صاحب نے قوی بازو نے ڈبہ کے اندر اس کو پہنچا دیا۔ بیوی سے کہا تو ایک مفت کا ناتی ہاتھ آگیا۔ ذرا اپنی صورت دکھا دو" موصوفہ نے نقاب ہٹائی ایک معمر خاتون تقریباً ۵۰ سال کی اس غریب کے پیش نظر تھی۔ انسپکٹر صاحب نے فرمایا "دیکھ لیا صاحبزادے اپنی نانی صاحبہ کو۔" اتنا کہکر دو زنانے دار طمانچوں سے ضیافت کرکے ڈبہ سے دھکیل دیا۔ وہ غریب سر کھجاتا ہوا رفوچکر ہوا۔

ایک نوجوان لڑکی برقعہ میں اپنے مکان سے قریب ہی کے زنانہ اسکول میں روزانہ آیا جایا کرتی تھی۔ اس کے مکان سے اسکول تک ایک سیدھی گلی تھی۔ اُس گلی میں ایک نوجوان تقریباً روزانہ بیہودہ بیہودہ اشعار ٹھیک اُس وقت گاتا تھا۔ جب وہ لڑکی اسکول جاتی یا واپس آیا کرتی تھی۔ لڑکی نے شرم کی وجہ سے اس کی اطلاع نہ اسکول کی اُستانیوں کو کی اور نہ اپنے والدین کو۔ ایک دن اُس لڑکی نے اس کی واجبی گوشمالی کی ٹھانی۔ اور کچھ دلیرانہ کر راہگیروں کی نظریں بچا کر اس نوجوان کو ہاتھ سے آنے کا اشارہ کر دیا۔ نوجوان اس کو اپنی عین خوش قسمتی سمجھ کر اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ لڑکی نے اس گلی کو چھوڑ کر دوسری گلی کا راستہ اختیار کیا اور پھر اس گلی میں ایک رکشا کرایہ پر لیکر نوجوان سمیت اس میں بیٹھ گئی۔ رکشا والا لڑکی کی خاموش ہدایت کے بموجب منزل مقصود کی طرف اُڑتا ہوا چلا گیا۔ رکشا میں دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ نوجوان کچھ اس درجہ مسحور ہوگیا تھا کہ اسے ہوش و حواس بھی برائے نام ہی تھا۔ رکشا منزل مقصود پر پہنچکر رکا دونوں اُترے۔ اس وقت نوجوان کو پتہ چلا کہ یہ تھانہ ہے۔ لڑکی نے نوجوان کو پولیس کے حوالہ کیا جسے اُس چھیڑخانی کے جرم میں ۶ ماہ کی قید ہوئی اور لڑکی نے اس دن سے اسکول کو خیرباد کہدیا۔

ان واقعات سے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے کہ برقعہ وہ بھی ریشمی اور خوبصورت برقعہ زیادہ پریشانی کا موجب ہوتا ہے۔ عموماً سفید برقعہ کی طرف نگاہیں کم اُٹھتی ہیں۔ برقعہ کی اصل غرض پردہ ہے نہ کہ زینت۔

ارمان فریدی

گرمی

گرمی شباب پر تھی اور تپ رہا تھا صحرا — یعنی بلا کی گرمی اب پڑ رہی تھی گویا
موجوں کا وہ تلاطم آپس کی چھیڑ خانی — مفقود ہو گئی تھی اور تھم گیا تھا دریا
بیتاب ہو رہی تھی جل تھل میں رہ کے مچھلی — جب اس کا حال یہ ہو انساں کا حال ہو کیا
طائر زباں نکالے ہیں تیرتے ہوا میں — دشت و جبل میں ان کو پانی نہیں ہے ملتا
جینا ہوا اجیرن آتا نہیں ہے ساون — سہہ سہہ کے روز گرمی دل ہو گیا ہے مردہ
دل میں مرے سمائی کوٹھے پہ جا کے بیٹھوں — بادِ صبا سے شاید آرام کچھ ملے گا
آتے ہی یہ تصور جانے لگی میں اوپر — جاتے ہی میں نے دیکھا باہر کا اک نظارا
کچھ دور فاصلے پر تعمیر ہو رہی تھی — مزدور منہمک تھے گھر ایک بن رہا تھا
غربت کی مار کھائے ہیں چیتھڑے لگائے — تن ڈھانپنے کو ہائے ثابت نہیں تھا کپڑا
کچھ عورتیں بھی ان میں میری نظر سے گذریں — لاغر تھے جن کے چہرے پر ہنس رہا تھا مکھڑا
پانی کا کوئی مٹکا بھر بھر کے لا رہی تھی — مٹی اٹھا کے لائی اک پھونس سی وہ بڑھیا
شاداں تھیں اور فرحاں ہنس ہنس کے گا رہی تھیں — گرمی کا ان پہ یعنی کچھ بھی اثر نہ دیکھا
حیرت میں رہ گئی میں مبہوت ہو گئی میں — دیکھا جو ماجرا یہ مجھ کو ہوا اچنبھا
ہم بھی خدا کے بندے یہ بھی خدا کے بندے — پر مفلسی نے ان کو ایسا بنا دیا تھا
آرام سے گھروں میں بیٹھے ہوئے بھی چیخیں — اور ان کے سر پہ سایہ سورج نے ہی کیا تھا
پیسے کے چونچلے ہیں سارے ڈھکوسلے ہیں — ہاتھ آ گئی جو دولت صاحب مزاج بگڑا

اے حافظہ یہ دنیا کیسی عجیب جا ہے
جتنی ملیگی راحت اتنا ہی لب پہ شکوہ

افسر النسا بیگم

محترمہ رابعہ پٹھان کے بچے

ستی۔ شمیم جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ کی بھتیجی

ننھی بہنیں (ثریا۔ فیصہ

بیگم نبی بخش سکھر کے تندرست بچے

بے فکری۔ سید مصطفیٰ احمدی جمال فاطمہ اقبال فاطمہ

The ISMAT Delhi.
ANNUAL NUMBER 1940

شہر ممباسہ کی ایک سڑک

ممباسہ کا ایک بازار

ممباسہ شہر کا باہر سے نظارہ

ممباسہ۔ ناریل اکھٹے کیے جا رہے ہیں
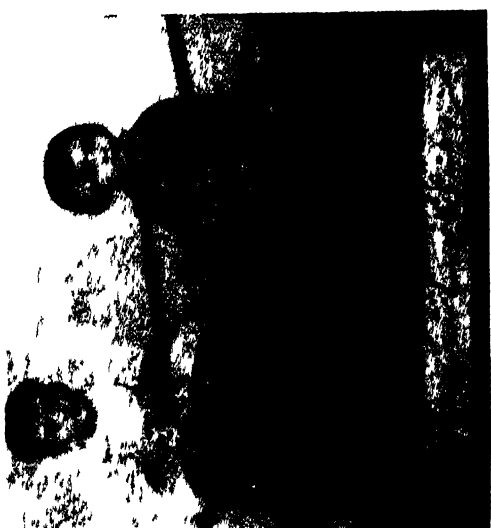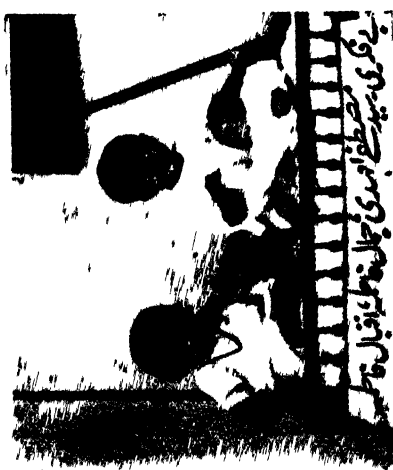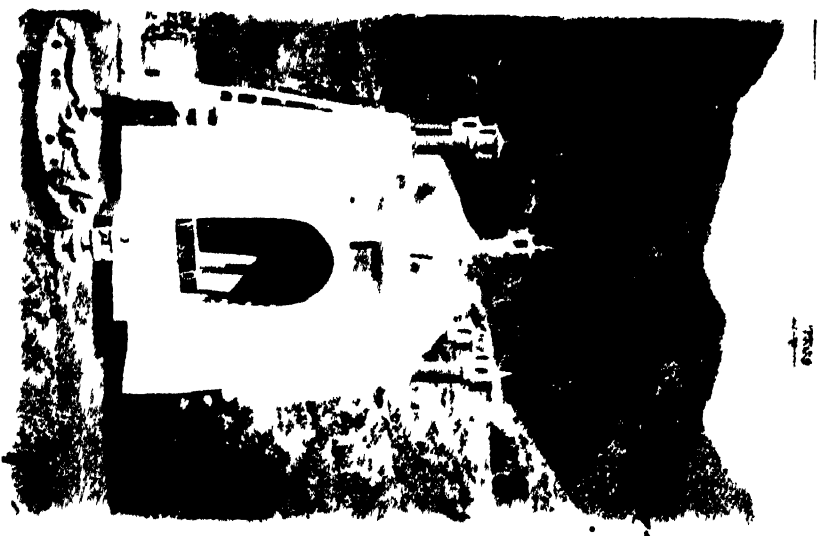
علمِ قیافہ

علمِ قیافہ اس علم کو کہتے ہیں جس سے صورت شکل اور اعضاء کی بناوٹ سے انسانی خصائل عادات اور اطوار و اخلاق کو سمجھا جائے۔ اس کو عام اصطلاح میں قیافہ شناسی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک دلچسپ علم ہے جو زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ اس علم کا موجد کوئی عربوں کو اور کوئی یونانیوں کو بتاتا ہے۔ شروع شروع میں اس فن کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اور بعد میں یونانیوں کے اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ یہ بھی زوال پذیر ہونے لگا۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً اس فن کے اصلی موجد یونانی ہی تھے۔ مگر بعض کا بیان ہے کہ اس فن کا مولد خاص ہندوستان ہے۔ جہاں یہ اہل ہنود کی آغوش میں نشو و نما پاکر درجہ کمال کو پہنچا۔ لیکن چوتھی صدی عیسوی میں توہمات باطلہ قرار دیکر اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی گئی۔ جس کے باعث یہ فن چند صدیوں تک گمنامی میں پڑا رہا۔ دُنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر ایک چیز زوال پذیر ہونے کے بعد پھر عروج حاصل کرتی ہے۔ چنانچہ اس فن کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور اُنیسویں صدی کے آغاز میں یہ فن اہل یورپ کا مطمعِ نظر بنا۔ جس کو اُنھوں نے سائنس کی روشنی میں ترقی دیکر نئے سرے سے معراجِ کمال پر پہنچایا۔ اس فن میں انسانی اعضا کے مختلف حصص کی مختلف علامات مقرر کر کے اس کا انحصار طبائع انسانی پر رکھا گیا۔ اس میں خصوصیت سے (Palmistry) پامسٹری یعنی فنِ دست شناسی نے بہت فروغ پایا۔ اس فن کے ایک ماہر کیرو نامی نے اس میں بہت نام پیدا کیا۔ اور اس علم کی کرشمہ سازیوں سے اس نے ایک دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اور اس نے اس فن کے متعلق بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ میں عصمتی بہنوں کی دلچسپی اور تفریحِ طبع کے لئے پامسٹری سے متعلق چند دلچسپ معلومات نقل کرتی ہوں، جو اُمید ہے دلچسپی سے مطالعہ کی جائینگی۔ پامسٹری کے علم کا انحصار ہاتھ کی ان لکیروں پر منحصر ہے، جس کو اس علم کے ماہر (lines of hands) یا ریکھائیں کہتے ہیں اور جن کے مختلف اشکال پر وہ انسانی خصائل کے نتائج مرتب کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اکثر حالات میں وہ واقعات جو ان ریکھاؤں سے اخذ کئے جاتے ہیں اس کے بالکل برعکس اور غلط ہوتے ہیں۔ مگر بعض ٹھیک بھی ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ اس علم کا مطالعہ نہایت غور و خوض سے کیا جائے۔ اور ریکھاؤں کے معمولی سے معمولی تغیر و تبدل کو نگاہ میں رکھا جائے۔ اکثر و بیشتر اس کا یہی باعث ہوتا ہے کہ سوائے اس فن کے ماہروں کے عوام کا زاویہ نگاہ اس کے متعلق غلط ہوتا ہے۔ جس سے وہ دل برداشتہ ہو کر اس سے دستکش ہو جاتے ہیں۔ اور اس کو سرے سے غلط تصور کر لیتے ہیں۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ یہ غلطی سے مبرّا ہے۔ مجھے خود اس کا اعتراف ہے۔ بہت سی باتیں تجربے سے غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اس واسطے اس کے لئے انسان میں چند ایک ذاتی صفات و قابلیت کی بھی ضرورت ہے۔ اور یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اس فن کا انحصار بہت کچھ قوتِ متخیلہ اور قوتِ ارادی پر ہوتا ہے جس قدر یہ قوت قوی ہوگی اسی قدر اس کے نتائج صحیح ثابت ہوں گے۔ کیونکہ جو انسان ان قوتوں

کے زیر اثر ہو جاتا ہے۔ اس کے دلی جذبات کا اظہار اس کے بشرے سے ہونے لگتا ہے جو آسانی کے ساتھ معمولی سے طریقہ استدلال کے ذریعہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں مہارت کامل ہو، یہاں اس بیان سے میرا مطلب یہ ہے کہ انسان میں ایسی بہت سی قوتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جن سے وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ جہاں انسان کے چہرے سے اس کے دلی جذبات و عادت واطوار معلوم کئے جا سکتے ہیں، وہاں پامسٹری کے ذریعہ سے بھی مختلف نشانات سے مختلف نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں، عموماً ہمارے ہاتھوں میں تین لکیریں بہت نمایاں پائی جاتی ہیں جن کے نام ماہرین فن نے بترتیب (Line of life) خطِ زندگی (Line of heart) خطِ دل (Line of brain) خطِ دماغ رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے خطوط موت و حیات تقدیر و کامیابی وغیرہ کے ہوتے ہیں جس میں یہ تین بہت نمایاں اور عام فہم ہونے کی وجہ سے انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے

جن لکیروں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ ہاتھ میں اس طرح ہوتی ہیں جیسے کہ نقشہ سے ظاہر ہے۔

خطِ دل
خطِ دماغ
خطِ زندگی

خطِ دل اس خط سے خوشی مسرت رنج و غم کا اظہار ہوتا ہے اور یہ خط عموماً شہادت کی انگلی سے شروع ہو کر چھنگلی کے کنارے پر ختم ہوتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں خطِ دل شہادت کی انگلی سے شروع ہو کر درمیانی انگلی کے نیچے ختم ہو جاتا ہے تو وہ صغیر سنی کی موت کی علامت کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر کسی شخص کے ہاتھ میں یہ خط ابتدا ہی سے خطِ دماغ کی طرف جھکا ہوا ہو جیسا کہ نقشہ نمبر (۱) سے ظاہر ہے تو ایسا شخص اپنی عقل و دانش سے اپنے دل پر قابو رکھے گا نیز قدرے خود غرض بھی ہوگا۔ اور اگر اس خط کی تین شاخیں ہو کر ایک شہادت کی انگلی اور دوسری شہادت کی اور درمیانی انگلی کے درمیان تیسری درمیانی انگلی کے سرے پر جیسا کہ نقشہ (۲) سے ظاہر ہے پھیل جائیں تو اس میں جو خط باقی دو سے موٹا اور گہرا ہوگا اس کے افعال و خواص کا اظہار اس کے بموجب ہوگا۔ اب مثلاً نمبر ایک کی شاخ موٹی اور گہری ہے تو وہ محبت کے جذبہ کو قوی ظاہر کرتی ہے۔ اور ایسا انسان جس کے ہاتھ پر یہ خطوط پائے جائیں، عاقل اور اعتدال پسند ہوگا۔ جب نمبر ۲ کی شاخ گہری اور موٹی ہو تو وہ خود غرض اور طامع ہوگا۔ برعکس ان دو کے۔ جب تیسری شاخ گہری اور موٹی ہو تو وہ ایسے شخص کو جس کے ہاتھ میں یہ خطوط ہوں بُخل اور چڑ چڑے عیب ظاہر کرتی ہے برخلاف اس کے جب خطِ دل کی دو شاخیں ہوں اور اس میں سے ایک شہادت کی انگلی پر اور دوسری شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی کے درمیان جائے تو ایسے اشخاص وفادار اور محبت میں صادق ہوتے ہیں اور جن اشخاص کے خطِ دل پر چھوٹی چھوٹی لکیریں اندر کی طرف جیسے کہ نقشہ نمبر ۳ سے ظاہر ہے ہوں تو ایسے انسان نرم و کشادہ دل ہوتے ہیں اور محبت میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ جن کے خطِ دل صاف و سپاٹ ہوں اور کسی قسم کا ابھار و گہرائی نہ معلوم ہو ایسے اشخاص سنگدل ظالم اور بےرحم ہوتے ہیں۔ اگر کسی کا خطِ دل بجائے سیدھا جانے کے نقشہ نمبر ۴ کی مانند خطِ دماغ کے پہلو کی طرف ختم ہوتا ہوا جائے تو ایسے اشخاص دوستی و محبت میں مستحکم ہوتے ہیں۔ اور وہ بہترین دوست ثابت ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے دل کا بھید کسی پر

۱ ۲ ۳

۴ ۵ ۶

۷ ۸ ۹
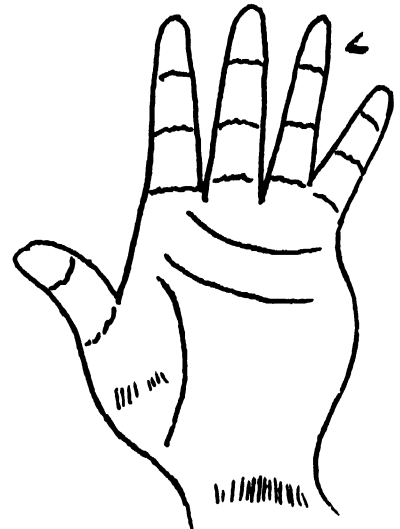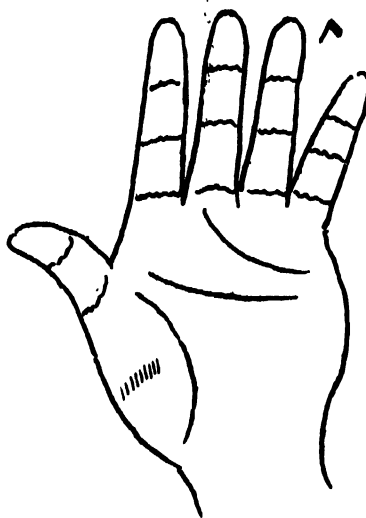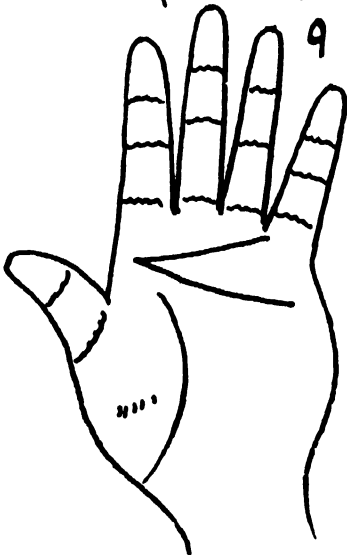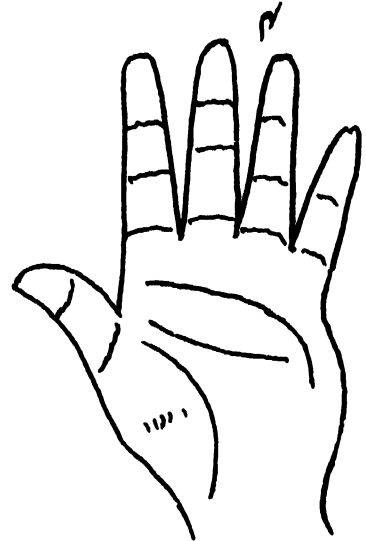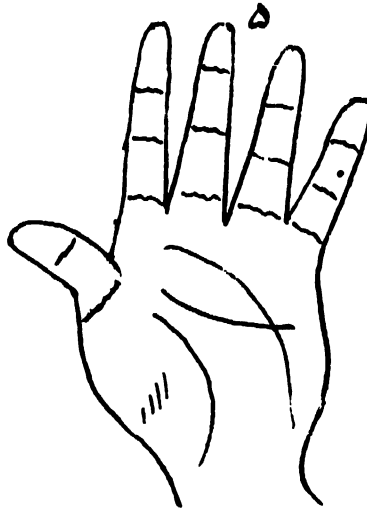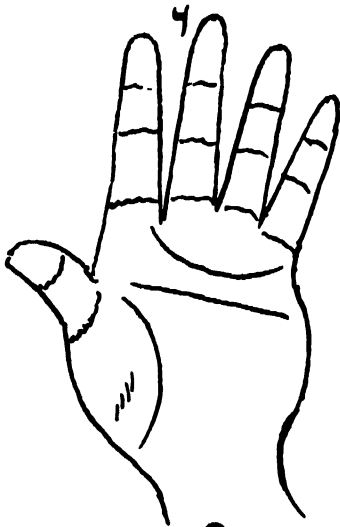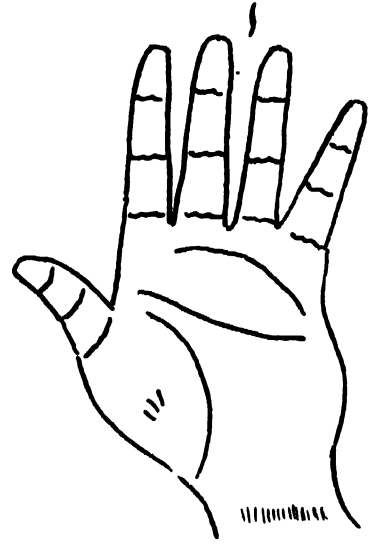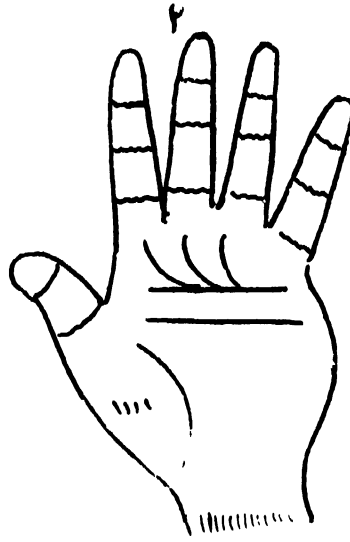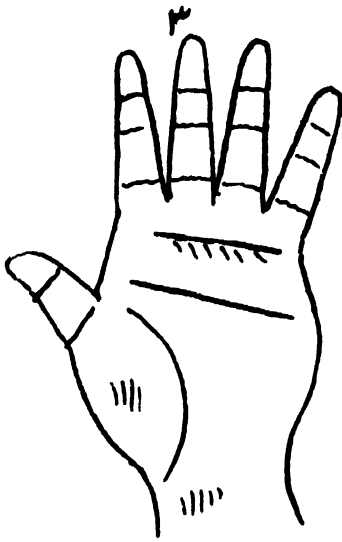
ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ برخلاف اس کے جس کے ہاتھ میں یہ خط اس کے مخالف سمت یعنی نقشہ نمبر ۵ کے مطابق جائے تو وہ شخص بڑا بدگمان اور شکی طبیعت کا ہوتا ہے۔ جس کے باعث اُس کو زندگی میں چین میسّر نہ ہوگا۔ وہ اشخاص جن کے ہاتھ پر خطِ دل ہوتا ہی نہیں ظالم دغا باز فریبی بے رحم ہوتے ہیں۔ ایسا ہزاروں میں ایک ہوتا ہے جس کے ہاتھ پر یہ خط نہ ہو۔ جن کا خطِ دل نمبر ۶ کے مطابق ہو وہ اعتدال پسند نیک طینت ہوا کرتے ہیں، اور ان کی محبت و دوستی پائیدار اور مستقل ہوا کرتی ہے۔ نمبر ۷ کے خطِ دل والے نہایت وفادار سچے اور بڑی سے بڑی خطا کو درگذر کرنے والے ہوتے ہیں برخلاف اس کے نمبر ۸ کے خط والے نفس کے بندے ہوتے ہیں۔ نمبر ۹ کے خط والے جن کا خطِ دل اور خطِ دماغ ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور خطِ دماغ خطِ زندگی سے جدا ہوتا ہو۔ یعنی خطِ زندگی سے جدا خطِ دل اور خطِ دماغ ملا ہوا ہو ان کی کبھی رستگاری نہیں ہوتی وہ شریف رحیم اور محبتی ہوتے ہیں۔ مگر وہ جس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں یا آئیں گے وہی ان سے برائی سے پیش آئے گا۔ وہ اس میں ناکام رہتے ہیں اور اس سے انھیں ہمیشہ رنج ہوا کرے گا۔ یہاں پر خطِ دل کا بیان ختم ہوگیا اور مضمون کی طوالت کی بنا پر اس کو فی الحال یہیں پر ختم کر دیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ پھر کبھی خطِ دماغ اور خطِ زندگی کے متعلق لکھوں گی۔

ب-ن-آلنسہ-ابراہیم - مدراس

(صفحہ ۱۲۰ کا بقیہ)

سبز رنگ کی مٹی کو انگریزی میں (Gnaguets green) کہتے ہیں۔

یہ تمام چیزیں ان سوداگروں کے یہاں ہر شہر میں ملتی ہیں، جو پینٹ وغیرہ فروخت کرتے ہیں۔ اکثر یہ چیزیں پنساریوں کے یہاں مل جاتی ہیں

کتھئی رنگ چھاپنا۔ کتھہ سے کپڑے پر کتھئی رنگ کی چھپائی ہوسکتی ہے، جو کافی پختہ ہوتی ہے۔ یہ طریقہ بھی بہت پرانا ہے۔

پہلے ۱۰ تولہ کتھہ کو ۳ پاؤ پانی میں خوب جوش دیں۔ جب حل ہوجائے۔ ۳ تولہ سرکہ کا تیزاب ملائیں۔ اب اس محلول میں سے ۶ تولے کر اس میں ایک تولہ نشاستہ۔ ۲ ماشہ تارپین اور ۲ ماشہ نمک حل کریں اور گوند کا پانی حسب ضرورت ملا کر لکڑی کے چھاپوں سے چھاپیں۔ چھاپنے سے پہلے ایسی ٹیٹ آف کروم (Acetate of Chrome) ایک تولہ ۳ تولہ گرم پانی میں حل کرلیں اور اس میں سے ایک تولہ چھاپنے کے پیسٹ میں شامل کردیں۔

گہرا کتھئی چھاپنے کے لئے ۲ ماشہ کسیس شامل کریں چھاپنے کے بعد ایک گھنٹہ تک اسٹیم دیں اور کپڑے کو دھو ڈالیں۔ اگر دھونے کے بعد کپڑے کو پھٹکری کے پانی میں چلا یا جائے تو رنگ زیادہ خوشنما اور پختہ ہوجاتا ہے

مہندی سے چھاپنا۔ ایک پاؤ خشک مہندی ۱½ پاؤ پانی میں بھگودیں۔ چند گھنٹے کے بعد جب مہندی کا رنگ پانی میں آجائے اس کو چھان لیں۔ اور ۲ تولہ پھٹکری پانی میں حل کرکے اس میں شامل کریں اور ایسی ٹیٹ آف کروم کا پانی (ایک حصہ ایسی ٹیٹ ۳ حصہ پانی) ۲ تولہ شامل کریں۔ اس کے بعد گوند کا پانی یا ارا روٹ کا کلف ملا کر چھاپیں۔ پھر ایک گھنٹہ تک اسٹیم دیکر دھو ڈالیں۔

دیسی رنگوں کی چھپائی

از اقبال احمد سپروائزر صنعت و حرفت، مولف "کپڑے کی چھپائی"

میرے اکثر مضامین سے "ناظرات" عصمت" پر یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ مشرقی ممالک اور خصوصًا ہندوستان ازمنہ قدیم سے چھپائی ورنگائی کی صنعت میں مشہور رہا ہے۔ لیکن اُنیسویں صدی کے وسط سے کوئلہ کے رنگ بننے اور چھاپنے اور رنگنے کی مشینوں کی ایجاد نے ہندوستان کی اس صنعت کو تقریبًا معدوم کر دیا۔

گذشتہ جنگ عظیم کے زمانہ میں جب جرمنی سے رنگ آنے بند ہو گئے تھے تمام ممالک اور خصوصًا ہندوستان میں رنگوں کی قلت نے کاروبار پر بہت خراب اثر ڈالا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو جو رنگوں کا اسٹاک ملک میں موجود تھا۔ اس سے کام چلا اس کے بعد رنگسازوں کی توجہ دیسی رنگوں کی طرف ہوئی۔ ان کا استعمال ایک حد تک ہونے لگا اور عوام دیسی رنگوں کو پسند کرنے لگے۔ تھے کہ جنگ ختم ہو گئی اور رفتہ رفتہ پھر یورپ سے آئے ہوئے رنگوں کا استعمال عام ہو گیا۔

موجودہ جنگ کے شروع ہونے سے پہلے پھر وہی وقت پیش آ رہی ہے۔ اس مرتبہ بہ نسبت پہلے کے یہ فرق ہے کہ اس عرصہ میں علاوہ جرمنی کے دیگر ممالک میں بھی رنگ بننے لگے ہیں جس کی وجہ سے رنگ زیادہ کمیاب نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ دیگر ممالک کی رنگ کی پیداوار نہایت قلیل ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ اگر اب نہیں تو کچھ عرصہ بعد صورت حالات وہی ہو جائے گی اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جنگ سے قبل ہندوستان میں رنگوں کی درآمد کا اوسط یہ تھا کہ جرمنی سے ۸۵ فیصدی رنگ آتے تھے۔ اور بقیہ ۱۵ فیصدی جاپان۔ امریکہ۔ انگلستان، فرانس، سوئٹزرلینڈ سے۔

میں نے کسی گذشتہ مضمون میں اس کا تذکرہ کیا ہے کہ ملک کے سائنس داں اور کاروباری حضرات کو دیسی رنگوں کی طرف توجہ کر کے ان کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ریاست بھوپال میں میں نے کپڑا بننے والوں اور رنگریزوں کو دیسی رنگوں سے چھاپنے اور رنگنے کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس سے ان لوگوں کی دشواریوں میں بہت کمی ہو گئی ہے۔ دیسی رنگوں میں تقریبًا ہر قسم کا رنگ مل جاتا ہے جس کو مختلف طریقوں سے چھاپا یا رنگا جا سکتا ہے۔

عصمتی بہنوں کے نزدیک کسی صنعت کا کاروباری یا اقتصادی پہلو کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس ملک میں کسی صنعت کو معاش کا ذریعہ بنانا خصوصًا خواتین کے لئے معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اعلیٰ طبقہ میں بھی کسی فن کو بحیثیت فن حاصل کرنا کسی کو گوارا نہیں۔

بہرحال ان عصمتی بہنوں اور بھائیوں کے لئے جو چھپائی اور رنگائی کی صنعت کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا کچھ فائدہ

حاصل کرنا چاہتے ہیں دیسی رنگوں سے چھاپنے اور رنگنے کے طریقے تحریر کرتا ہوں:۔

نیل سے چھاپنا پہلے تین پاؤ پانی میں ایک پاؤ پڑنا ناگرہ حل کر کے رکھ لیں اور اس میں کپڑا جس کو چھاپنا ہے خوب بھگو کر اچھی طرح نچوڑ کر خشک کر لیں۔ اس کے بعد حسب ذیل طریقہ سے چھاپنے کا پیسٹ تیار کریں:۔

۱۰ ماشہ نیل کھرل میں باریک پیس لیں اور ۳۰ تولہ گوند ۵۰ تولہ پانی میں حل کریں، پھر ۱۰ تولہ کاسٹک سوڈا ملا دیں پسے ہوئے نیل میں پہلے گوند کے پانی کا تھوڑا سا حصہ ڈال کر چلائیں۔ جب یک جان ہو جائے تو یہ گوند کا پانی اتنا ملائیں کہ لکڑی کے چھاپے سے چھاپنے کے قابل ہو جائے۔ اب اس پیسٹ سے کپڑے کو چھاپیں اور خشک کر کے جلد اسٹیم دیں۔ اسٹیم ایک گھنٹہ تک دینا چاہیئے۔ اس کے بعد کپڑے کو سادہ پانی میں دھو کر خشک کر لیں۔ اس طرح سفید زمین پر نیلے پختہ پھول بن جائیں گے۔

زرد رنگ چھاپنا حسب ذیل طریقہ سے چھاپنے کا پیسٹ تیار کریں:۔

لیڈ ایسی ٹیٹ (Lead acetate)	۲ ½ تولہ
پانی	آدھ سیر
اراروٹ کا پکا ہوا کلف	۳۰ تولہ

پانی میں لیڈ ایسی ٹیٹ حل کریں، پھر کلف میں ملا دیں۔ اس کے بعد سب کو جوش دیں اور باریک کپڑے میں چھان کر اس سے کپڑے پر چھاپیں اور دھوپ میں خشک کر لیں۔ اس طرح چھاپنے سے کپڑے پر کوئی ڈزائن نمودار نہ ہوگا۔ بلکہ سفید نشان بن جائیں گے اس کے بعد ایک سیر پانی میں ۳ تولہ پٹاس بائی کرومیٹ (Potas Bichrome) حل کر کے اس میں چھپے ہوئے کپڑے کو چلائیں۔ اس محلول میں ڈالتے ہی کپڑے پر نہایت شوخ زرد رنگ کے پھول نمایاں ہو جائیں گے۔ جو بہت پختہ ہوں گے ۵ منٹ کے بعد نکال کر سادہ پانی سے دھو کر خشک کر لیں۔

عنابی و سرخ رنگ چھاپنا عنابی سرخ رنگ کی چھپائی ہندوستان میں تقریباً ۲ ½ ہزار سال سے ہوتی ہے۔ اس کے پرانے طریقے اپنے مضمون "چندری" میں تحریر کر چکا ہوں۔ اب آسان طریقہ درج کرتا ہوں۔ جس سے جاجم۔ دسترخوان وغیرہ عموماً چھاپے جاتے ہیں۔ اور اگر خواتین اس طریقہ پر گھر کے استعمال کے لئے جاجم وغیرہ چھاپیں تو علاوہ خرچ کی کفایت کے خود ساختہ چیز کے استعمال سے خوشی بھی حاصل ہوگی۔ سرخ رنگ کے ساتھ ہی سیاہ رنگ بھی چھاپا جائے جس کا طریقہ اس کے بعد تحریر کروں گا۔ سرخ عنابی رنگ آل یا مجیٹھ سے چھاپا جاتا ہے۔ لیکن اس رنگ کو پختہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوہے کو چند ادویہ کے ذریعہ سے حل کر کے اس کا مرکب تیار کر لیا جائے کیونکہ یہ رنگ بغیر لوہے یا چند دیگر دھاتوں کے استعمال کے کپڑے پر پختہ نہیں ہو سکتے۔

عنابی رنگ کے لئے قبل اس کے کہ چھاپنے کا پیسٹ تیار کیا جائے، لوہے کا مرکب جس کو انگریزوں کی اصطلاح میں "سیاہی" اور کیمیاوی لحاظ سے (Iron acetate) کہتے ہیں۔ پرانے کنستر کے ٹکڑے ایک پاؤ لیکر اس میں ایک یا ڈیڑھ پاؤ

پانی ڈالیں اور آدھ پاؤ پرانا گڑ اور آدھ پاؤ سرکہ ڈال کر مٹی کے برتن میں رکھ دیں۔ اس طرح اس کو دس پندرہ روز تک رکھیں اور دوسرے تیسرے روز برتن کو خوب ہلا دیا کریں۔ رفتہ رفتہ کنستر کے ٹکڑے بالکل حل ہو جائیں گے اور یہ سیاہی مائل محلول ہو جائے گا۔

اب چھاپنے کا پیسٹ حسب ذیل طریقہ سے تیار کریں:۔

آل کی لکڑی ایک پاؤ باریک پیس کر ۱½ پاؤ پانی میں خوب جوش دیں۔ جوش دینے کے لئے تانبے کا برتن استعمال کریں ایک گھنٹہ جوش دینے کے بعد چھان لیں۔ پانی جوش دینے سے تقریباً آدھ پاؤ رہجانا چاہیئے۔ اب اس پانی میں آدھ پاؤ لوہے کا تیار کیا ہوا محلول ملا دیں اور ۲ تولہ پھٹکری باریک پیس کر ۶ تولہ پانی میں حل کر کے اس محلول میں ملا دیں۔ اس کے بعد چونے کے منقطر پانی میں تھوڑے سے سرکہ کا تیزاب ملائیں اور ۶ تولہ یہ پانی اس محلول میں ملائیں اور ۲ تولہ سرکہ کا تیزاب بھی ملائیں۔ اب اس مرکب میں اراروٹ کا کلف پکا کر اس قدر ملائیں کہ یہ چھاپنے کے لایق ہو جائے۔ کلف کی مقدار تقریباً آدھ سیر ہونی چاہیئے۔ بجائے اراروٹ کے کلف کے گوند آدھ سیر، پانی آدھ سیر کا محلول تیار کر کے چھان کر ملا سکتے ہیں۔ اس پیسٹ کو باریک کپڑے میں چھان لیں اور لکڑی کے چھاپوں سے کپڑے کو چھاپیں۔ خشک کرنے کے بعد دو گھنٹہ تک اسٹیم دیں۔ اس کے بعد سادہ پانی میں دھوئیں۔ اور پھر صابن کے گرم پانی میں کپڑے کو چلائیں۔ اگر کپڑا کورا ہے تو اس کو دھوبی کے یہاں بھیجکر ایک بھٹی چڑھوالیں تاکہ کپڑے کا میل اور دیگر اجزا جو بننے میں کپڑے میں لگ جاتے ہیں صاف ہو جائیں۔ اس کے بعد چھاپیں۔

سُرخ رنگ کے لئے بجائے لوہے کے مرکب کے پھٹکری کا محلول تیار کیا جاتا ہے۔ پھٹکری ایلومینیم کا نمک ہوتا ہے۔ سرخ رنگ کو پختہ کرنے کے لئے ایلومینیم کے نمک استعمال کئے جاتے ہیں۔

پھٹکری ۴ تولہ لیکر آدھ پاؤ پانی میں حل کریں۔ اس کے بعد علیحدہ برتن میں ۲ تولہ سوڈا ۶ تولہ پانی میں حل کریں۔ اس پانی کو پھٹکری کے پانی میں تھوڑا تھوڑا شامل کریں اور لکڑی سے تیزی سے چلاتے رہیں۔ دونوں کے ملنے سے جھاگ پیدا ہوں گے جو فوراً ہی مٹ جائیں گے۔ اس طرح تھوڑا تھوڑا سوڈے کا پانی ملاتے رہیں، حتیٰ کہ جھاگ اُٹھنے بند ہو جائیں۔ اُس وقت یہ محلول تیار ہو جائے گا۔ اب سوڈے کا پانی اور نہ شامل کریں۔

سرخ رنگ کا پیسٹ بالکل اسی طرح بنائیں جیسے کہ عنابی رنگ کے لئے آل یا مجیٹھ مختلف دھاتوں کے نمک کے ساتھ مختلف رنگ دیتا ہے۔ اس لئے آل یا مجیٹھ ہی سرخ رنگ کے لئے استعمال کریں۔ سرخ رنگ کے لئے صرف اتنا فرق ہوگا کہ بجائے لوہے کے محلول کے پھٹکری کا محلول جس کا طریقہ اوپر درج کیا گیا ہے ۱۲ تولہ شامل کریں اور سب اوپر دیئے ہوئے وہی لیں اور چھاپ کر اسی طریقہ سے اسٹیم دیں۔

سیاہ رنگ چھاپنا سیاہ رنگ چھاپنے کے لئے "سیاہی" (جس کا طریقہ درج کیا گیا ہے) میں حسب ضرورت گوند کا پانی یا اراروٹ کا کلف ملا کر چھاپیں اور دھوپ میں کپڑے کو خشک کریں۔ چند گھنٹے میں ہلکا سیاہ رنگ

نمایاں ہو جائے گا۔

جاجم تا دسترخوان جس میں سیاہ اور عنابی دونوں رنگ چھاپنے ہوں پہلے متذکرہ بالا طریقہ پر سیاہ رنگ چھاپ کر اسٹیم دے کر خوب دھو ڈالیں۔

سیاہ رنگ چھاپنے کا ایک اور طریقہ درج کیا جاتا ہے۔ یہ رنگ گہرا سیاہ اور نہایت پختہ ہوتا ہے ۸ تولہ پیشری (یہ سفید رنگ کے مچھلی کے سینے کے مانند ہوتی ہے)

۴ تولہ کلوریٹ آف سوڈا اور ۲ تولہ نیلا تھوتھا۔ ان سب کو ۱۲ تولہ پانی میں حل کرلیں۔ اس کے بعد ۲ تولہ بنولہ کا تیل آدھ سیر گوند کا پانی (پاؤ بھر گوند - پاؤ بھر پانی) ملائیں۔ سب کو کپڑے میں چھان لیں۔ اس پیسٹ سے چھاپ کر کپڑے کو گرم جگہ میں لٹکا دیں۔ ۲۴ گھنٹے میں ہوا لگنے سے کپڑے پر گہرے سیاہ رنگ کا ڈیزائن نمودار ہو جائے گا۔ دھوپ میں ڈالنے سے جلد سیاہ رنگ نمایاں ہو جائے گا۔ ۲۴ گھنٹے کے بعد بائی کروم ایک تولہ ۱۰۰ تولہ پانی میں حل کر کے اس پانی میں کپڑے کو چلانا چاہئے۔ اس طرح سیاہ رنگ اور گہرا اور پختہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد کپڑے کو پانی سے خوب دھو ڈالنا چاہئے۔

علاوہ متذکرہ بالا طریقوں کے چند طریقے چھپائی کے ایسے ہیں جن سے بہت سی رنگین مٹیاں کپڑے پر چھاپی جاسکتی ہیں جو اسٹیم دینے سے پختہ ہو جاتی ہیں۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں طرح طرح کے رنگ کی مٹی پائی جاتی ہے۔ جس میں سے پیوڑی (زرد) نیل بڑی (نیلی) اور گیرو عام ہیں۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ معدنی اشیاء کو بہت کم مقدار میں کہیں نکالا جاتا ہے یہ مٹیاں ہندوستان سے یورپ جاتی ہیں اور وہاں سے مصفا ہو کر خوبصورت ڈبوں میں بند ہو کر پھر ہندوستان آتی ہیں اور دگنی چوگنی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ اب کچھ کارخانے وارنش اور پینٹ بنانے کے ہندوستان میں کھلے ہیں جو اپنے پینٹ میں شامل کرنے کے لئے مختلف رنگوں کی مٹیاں نکالتے ہیں۔

رنگین مٹی سے چھاپنے کا حسب ذیل طریقہ ہے۔

کسی رنگ کی مٹی ۲½ تولہ بلڈ ایلبومن (Blood Albumen) ایک تولہ پانی ۳ تولہ لیں۔ پہلے پانی گرم کر کے اس میں بلڈ ایلبومن ڈال کر کھرل کریں۔ پھر مٹی کو اسی کے ساتھ اچھی طرح کھرل کریں۔ اس کے بعد ۳ ماشہ گلیسرین ۲ ماشہ تارپین۔ ۳ ماشہ بنولہ کا تیل اور ۲ ماشہ ایمونیا شامل کریں۔ اس کے بعد گوند کا پانی جس میں تھوڑا سوڈا ملا ہوا ہو شامل کریں اور چھاپیں۔ چھاپنے کے بعد ایک گھنٹے تک اسٹیم دیکر کپڑے کو دھو ڈالیں۔

سرخ رنگ کی مٹی کو انگریزی میں (Vermilion) کہتے ہیں۔

زرد رنگ کی مٹی کو انگریزی میں (Chrome Yellow) اور اردو میں پیوڑی کہتے ہیں۔

نارنجی " " " (Chrome Orange) کہتے ہیں۔

نیلے " " " (Ultramarine blue) اور اردو میں دھوبیوں کا نیل کہتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۱۴۶ پر)

عورتوں کے لئے وسائل معاش

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں عورتوں بالخصوص پردہ نشین عورتوں کے لئے معاش کے ذرائع محدود ہیں۔ جو کچھ بھی ہیں وہ ان سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھاتیں یا اٹھا نہیں سکتی ہیں۔ اس کی کئی وجوہ ہیں جن کو میں پہلے مختصر طور پر بیان کروں گا

ہر ہندوستانی شریف عورت چند نامناسب سماجی قیود میں جکڑی ہوتی ہے۔ ان قیود کو توڑنا وہ اپنے خاندان کی لاج اور شرافت کے منافی تصور کرتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک ایسی لغو اور بیہودہ پابندی ہے۔ جو ہندوستان کے لئے سراسر تباہی کا باعث ہو رہی ہے۔ میں یہ ماننے کو تیار ہوں کہ ہمیں دنیا میں رہ کر سوسائٹی کے قوانین پر چلنا ہوگا۔ بغیر اس کے اخلاق بھی کچھ نہیں رہتا۔ مگر میرا مطلب ان بیجا قیود سے ہے جن کے دائرے میں رہ کر بعض اوقات ہماری تمام تر زندگی شرافت اور اخلاق کی چٹانوں سے متصادم ہو جاتی ہے پھر ایسے قوانین کی پابندی کرنا سراسر جہالت نہیں تو کیا ہے۔ خدا نے ہمیں عقل و خرد اس لئے عطا فرمائی ہے کہ ہم ہر چیز کے نفع نقصان پر غور کریں۔ جو بات ہمارے لئے مفید ہو اُسے اختیار کریں اور جو مضر ہو اسے رد کریں۔ انسانیت کا بھی یہی تقاضہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سوسائٹی کی سزا بہت سخت ہوتی ہے۔ مگر کچھ اندھی سزا بھی ہوتی ہے، جو کسی کی نیت اور طبیعت دیکھ کر اور دوسرے رخوں پر غور کر کے نہیں دی جاتی۔ اندھی سزا دینے والے سوسائٹی یعنی سماج کے بعض جاہل افراد ہوتے ہیں۔ جن کے رویّہ کو کوئی صاحبِ عقل مستحسن نہیں سمجھتا۔

تعلیم کا معیار بھی مرد و عورت دونوں کے لئے پست ہے۔ مگر عورتوں کے لئے تو تعلیم کی کمی فی زمانہ از حد نقصان دہ ثابت ہو رہی ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ عورت کو مرد سے زیادہ معقول تعلیم کی ضرورت ہے۔ اس میں کچھ تو حکومت کا قصور ہے کہ وہ تعلیم کو زیادہ پھیلانا نہیں چاہتی، یا شاید اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ تعلیم کو کافی فروغ دیا جائے۔ مگر سب سے زیادہ قصور خود والدین کا بھی ہے جو خود لڑکیوں کو تعلیم دلانا فضول اور بیکار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کی دانست میں تعلیم نوکری چاکری کے لئے حاصل کی جاتی ہے۔ پھر کیا لڑکیاں پڑھ کر آئی سی۔ ایس میں بیٹھیں گی۔ آپ کہیں گی کیسا مضحکہ خیز جواب ہے۔ پہلے زمانہ کی، آج کل کافی لڑکیاں تعلیم سے فیض یاب ہو رہی ہیں۔ سب کو تعلیم کا احساس ہے۔ ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسے خیالات رکھنے والوں کی بھی اس وقت کمی نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے فی الوقت جس قدر بھی سہولتیں ہیں ان سے لڑکیوں کے والدین فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ اور دیدہ و دانستہ اپنی لڑکیوں کو معقول اور مستند تعلیم سے محروم کر رہے ہیں جب لڑکیوں کی اتنی تعلیم ہی نہیں ہوگی کہ وہ کچھ خشک اور علمی لٹریچر کو سمجھ لیں اور ان کے ذوقِ طبع کو سوائے ناولوں اور بے مصرف و بیہودہ قصہ کہانیوں نے تباہ کر دیا ہو تو ان سے کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی کچھ علمی معلومات بڑھا کر خانہ داری کی بعض پیچیدہ مشکلات پر عبور حاصل کریں۔ یا زندگی کی بعض کٹھن منزلوں کو اپنی عقل و فراست اور علمی قابلیت سے جو صرف اعلیٰ تعلیم سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ ہنسی خوشی طے کر لیں گی؟ ہرگز نہیں۔ اگر آجکل سو نیم تعلیم یافتہ (جنہیں آج کل اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی کہا جاتا ہے) لڑکیوں کا معلومات عامہ (جس میں خانہ داری بھی شامل ہے) میں امتحان لیا جائے تو مشکل سے ۱۰ فیصدی بھی کامیاب ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ان لڑکیوں کو جو آج کل ماشاءاللہ عورت کا درجہ رکھتی ہیں زمانہ کی کچھ خبر نہیں۔ نہ وہ اس کے سمجھنے میں دلچسپی لیتی ہیں۔ نہ جانتی ہیں کہ دنیا کی رفتار کیا ہے۔ اور آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ گو انہیں اخبار بین بھی کہا جاتا ہے۔ مگر یہ اخبار بینی بھی خاص مقاصد کے لئے ہوتی ہے۔ جن میں سے

کچھ کا اوپر ذکر ہوا۔

سرمایہ اور رواداری کا افسوس ناک فقدان بھی ایک سب سے بڑی وجہ ہے۔ جو شوقین اور قابل عورتوں کو بے دست و پا کر رہی ہے متوسط حیثیت کی عورتوں کے پاس روپیہ نہیں ہوتا اور دولتمند عورتوں میں رواداری اور ہمدردی نہیں پائی جاتی کہ وہ اپنی ہم جنس عورتوں کی کسی طریقہ سے امداد کر سکیں۔ حالانکہ اگر مخیر اور متمول عورتیں چاہیں تو رواداری اور ایثار سے کام لے کر بڑی آسانی سے اپنی ہم جنسوں کے لئے وہ سب کچھ کر سکتی ہیں، جو اکثر مرد اپنے ہم جنسوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ مثلاً پرائیوٹ کواپریٹو بنک قائم کرنا۔ ایسے صنعتی وتجارتی ادارے جاری کرنا جن کے ذریعہ ضرورت مند اور ہنر مند عورتوں کی کسی نہ کسی طریقہ سے عملی امداد ہو سکے۔ جس کی مثالیں دوسرے ممالک میں بھی موجود ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ بہت سی معزز خواتین کو اپنی ہم جنسوں کی مشکلات کا کافی احساس ہے۔ اور وہ نمائشیں اور کانفرنسیں منعقد کرکے ان کی فلاح وبہبودی کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ مگر صرف نمائشیں اور کانفرنسیں اور دو ایک صنعتی مدارس جاری کر دینے سے میرے خیال میں ان کو کوئی مستقل اور ٹھوس فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو یہ چند ایک خواتین کے بس کا کام ہے۔ تمہید طویل ہوتی جاتی ہے۔ ورنہ میں اس موضوع پر اور بحث کرتا۔ اب میں ذیل میں ضرورت مند خواتین کے لئے معاش کے چند عملی وسائل کے مختصر خاکے پیش کرتا ہوں۔ جن پر خواتین اپنے اپنے ماحول اور فضا کے اندر عمل پیرا ہو سکتی ہیں اگرچہ ہر مشورہ یا اسکیم پیش کردہ میرے دیرینہ تجربے اور عملی پوائنٹ پر مبنی ہے۔ تاہم اگر ضرورت ہو تو ان کے متعلق مجھ سے تفصیلی طور پر دریافت کیا جا سکتا ہے۔

تیار شدہ لباس کی تجارت

اس میں شک نہیں کہ سلائی کٹائی کچھ عورتوں کو ہی زیب دیتی ہے۔ اس میں گو مرد بھی ایک حد تک دلچسپی لیتے ہیں۔ صرف اتنی کہ ان کی اس سے شکم پری ہو جائے۔ مگر عورتوں کو اس فن سے جو قدرتی لگاؤ ہے اس کی بنا پر وہ اس میں بہت کچھ ترقی کر سکتی ہیں۔ آج کل تیار شدہ لباس کی تجارت کو بہت فروغ ہے۔ آئے دن نئے نئے ڈیزائنوں اور اسٹائلوں کے لباس بازار میں آ رہے ہیں۔ یہ لباس دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو بُنے ہوئے (اول سے آخر تک) دوسرے کٹے اور سلے ہوئے سبُنے ہوئے یعنی نٹنگ ورک میں مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ ہاتھ کے بنے ہوئے لباس مشین کے بنے ہوئے لباسوں سے مقابلہ کی سکت نہیں رکھتے۔ مگر کٹے اور سلے ہوئے لباسوں میں مقابلہ کا زیادہ اندیشہ نہیں ہے۔ یہ ہر جگہ تمام تر ہاتھ سے کاٹے جاتے ہیں۔ اور معمولی سلائی کی مشینوں پر ہی سلے جاتے ہیں۔ آخر الذکر قسم کے لباسوں میں جدت اور ہنر مندی دکھانے کا کافی میدان ہے۔ نئے نئے ڈیزائنوں اور فیشنوں کے لباس جدت کے ساتھ تیار کئے جا سکتے ہیں۔ جو خواتین اس فن میں دلچسپی رکھتی ہیں اور اس تجارت سے روپیہ کمانے کا شوق رکھتی ہیں تو انھیں ایک بات یاد رکھنی چاہیئے۔ یہ کہ تجارت کے لئے لباس کے صرف ایک صیغہ کو ہاتھ میں لیں اور اس میں تجربہ اور کمال حاصل کریں۔ مثلاً اگر آپ بچوں کے کپڑے کاٹنے اور سینے میں خاص دلچسپی اور سوورک رکھتی ہیں تو بس بچوں کے لباس ہی تیار کریں جو چھ ماہ کے بچہ سے لے کر دس بارہ سال تک کی عمر کے لئے ہونے چاہئیں۔ اور اس صیغہ میں شہرت پیدا کرنے کی کوشش کریں یا اگر آپ کو زنانہ جمپر فراک اور پیٹی کوٹ کاٹنے اچھے آتے ہیں۔ تو بس یہی چیزیں تیار کریں۔ لیکن اگر آپ یہ خواہش اور کوشش کریں کہ آپ کے اسٹوڈیو میں زنانہ اور مردانہ اور بچوں کے تینوں مدجوں کے لباس تیار ہوں تو میرا خیال ہے کہ آپ خود تنہا نہ تو ان سب کاموں کو سنبھال سکیں گی اور نہ ایسی خصوصیت پیدا کرنے میں کامیاب ہوں گی، جو آپ کی تجارت کی شہرت کا باعث ہو۔ پھر اس کے علاوہ اس سب بکھیڑے کے لئے جس قدر سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ اس کا اندازہ آپ خود سوچ کر کر سکتی ہیں۔

بہرحال جو صورت بھی اختیار کی جائے وہ تجربہ۔ قوت کارکردگی اور سرمایہ پر موقوف ہو۔ مگر ہر صورت میں متذکرہ بالا اصول کا پابند آپ کو ہونا پڑے گا۔ قیمت معین کرنے میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اگر چیز کی قیمت گھر کی بنی ہوئی چیز سے کم نہ ہو تو زیادہ بھی نہ ہونی چاہیئے۔ پھر اس میں ایسی جدت یا خوبی ہو (خواہ کسی لحاظ سے) کہ خریدار اپنے گھر کی بنی ہوئی چیز سے بہترین اور واحد خیال کرے۔ ڈیزائنوں اور اسٹائلوں کے خیالات بازار کے موجودہ مال سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر مہینے انگریزی اردو کے زنانہ رسائل میں نئے نئے ڈیزائن آتے رہتے ہیں۔ مگر اردو زبان میں فنِ خیاطی اور سوزن کاری پر سوائے جوہرِ نسواں کے کوئی اور مخصوص پرچہ نہیں ہے اس رسالہ کو نعمتِ غیر مترقبہ خیال کرنا چاہیئے۔ مزید براں ولایت میں عورتوں بچوں کے ہر قسم کے لباس کے کٹے کٹائے پیٹرن بھی فروخت ہوتے ہیں جو کچھ زیادہ مہنگے نہیں ہوتے۔ جس نئے ڈیزائن اور اسٹائل کا لباس بازار میں نکلے گا اس کا تیار شدہ پیٹرن بھی مل جائے گا۔

فنِ خیاطی اور سوزن کاری میں سلائی کی مشینوں سے بھی بہت مفید کام لیا جا سکتا ہے۔ اور ان کے مختلف پرزوں سے ہر قسم کے لباسوں پر بہت سی جدتیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک ہماری خواتین رائج الوقت سلائی کی مشینوں کے پورے فوائد سے واقف نہیں ہوئی ہیں۔ یہ ایک عام شکایت ہے کہ وہ ان کے زائد پرزوں کو لگانا اور ان سے کام لینا نہیں جانتی ہیں۔ مشینوں کے زائد پرزوں کو لگانا مشین فروخت کرنے والوں سے سیکھا جا سکتا ہے۔ لیف اسنگر وغیرہ جیسی مشہور مشینوں کی دوکانیں قریب قریب ہر بڑے شہر میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے یہاں مرد و عورت دونوں صنف کے کنویسر اور ایجنٹ ہوتے ہیں۔ اگر عورت کنویسر کے ذریعہ سے مشین خریدی جائے تو وہ بخوشی آپ کے گھر پر آکر مشین کا کام سکھا دے گی یا مشین خریدتے وقت دوکان سے وعدہ لے لیا جائے کہ کسی عورت کو ہمارے گھر بھیجکر مشین کا کام سکھا دیا جائے۔ تو دوکان ضرور انتظام کر دے گی۔ یا مشین پہلے سے خریدی ہوئی ہے تو بھی کوشش سے ایسا انتظام ہو سکتا ہے یا اگر مشین کی دوکان میں عورت کنویسر یا ملازمہ نہ ہو تو مجبوراً یہ انتظام ہو سکتا ہے کہ دوکان متعلقہ کے مرد مستری کو بلوا کر پردے میں تمام کام سیکھ لیا جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے گھر کے کسی آدمی کو دوکان پر بھیجکر مشین کا کام سکھوا دیں اور وہ آپ کو سکھا دے گا۔ بہرحال سینے کی مشینوں کے پورے فوائد سے محروم نہ رہنا چاہیئے۔ ان میں بڑے بڑے کام کے پرزے ہوتے ہیں۔ جو اکثر مشین کے ساتھ بھی نہیں آتے ہیں۔ بلکہ علیحدہ قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ مثلاً رومال کا کنارہ جھری دار بنانے کا پرزہ۔ کشیدہ کاری کا پرزہ۔ کٹ ورک کا پرزہ۔ کاج بنانے کا پرزہ وغیرہ۔ چنانچہ ان پرزوں کی مدد سے لباس پر بےشمار قسم کی دستکاریاں کی جا سکتی ہیں۔ سلائی کی مشینوں کے پرزے کچھ علیحدہ کمپنیاں بھی فروخت کرتی ہیں اور یہ ہر مشہور مشین میں لگ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک کمپنی کا پتہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس کے یہاں سے مکمل فہرست منگوا کر دیکھیں:

X. L. Supplies (Dept. S.S) 97, Charming Rd. London

جو کام بھی تجارتی مقصد کے لئے کیا جائے۔ اس میں صفائی ستھرائی کا لحاظ سب پر مقدم ہے۔ خفیف سا دھبہ۔ شکن یا ٹیڑھی بانکی سلائی لباس کی بہت سی خوبیوں پر پانی پھیر سکتی ہے۔ کپڑا اکٹھا خریدنا چاہیئے۔ جو سستا ملے گا۔ دوسری اشیا بھی مثلاً دھاگے، ربن فیتے لیسیں اور بٹن تک بھی اکٹھے خریدنے میں کفایت ہے اور بہت سی پریشانیوں سے نجات ملیگی۔ یہ سب چیزیں وہاں سے خریدنی چاہئیں جہاں تھوک طریقہ پر فروخت ہوتی ہوں۔ ہر بڑے شہر میں کئی تھوک مال بیچنے والی دوکانیں ہوتی ہیں۔ کم سے کم ایک ہزار روپیہ سے یہ کام چھوٹے پیمانے پر چل سکتا ہے۔ سب خرچ یعنی دو تین کاریگر عورتوں یا مردوں کی مزدوری

لاگت پیکنگ اور کنویسر یا بیچ کے آدمی کا کمیشن نکال کر ۱۵ سے ۲۰ فیصدی تک نفع نکل سکتا ہے۔ تیار شدہ مال کی کھپت کا انتظام شہر کے بڑے بڑے دوکانداروں کے یہاں کم سے کم ۲۰ فیصدی کمیشن پر کرایا جا سکتا ہے یا اگر ممکن ہوسکے اور سرمایہ اجازت دے تو کسی اچھے موقع پر اپنی دوکان یعنی اسٹور قائم کیا جا سکتا ہے۔ دوکان پر بیٹھنے والا جسے "سیلمین" کہتے ہیں تجربہ کار اور خوش وضع انتخاب کرنا چاہیئے اور اس سے ضمانت لے لی جائے۔ اس سے کمیشن طے کیا جائے۔ اگر اس کے ساتھ تنخواہ بھی رکھی جائے تو برائے نام ہونی چاہیئے۔

زری کے جوتوں کی تجارت

اگرچہ موجودہ فیشن نے کامدار زریں جوتوں کے رواج کو کم کر دیا ہے۔ مگر اب تک ان کی کافی مانگ ہے۔ اونچے طبقہ میں شادی بیاہوں اور تقریبوں میں خاص طور سے بچوں کو زریں کامدار جوتے اور کامدار ٹوپیاں پہنائی جاتی ہیں اور خود عورتیں بھی بکثرت استعمال کرتی ہیں۔ جب تک زیورات کا رواج ہے زری کے جوتوں کا بھی عورتوں میں شوق رہے گا۔ تمام کام پہلے مخمل یا ساٹن کے کٹے ہوئے پتوں ( ) پر کر لیا جاتا ہے۔ پھر ان میں بھینس کے چمڑے کے تلے لگوا کر جوتے بنوا لئے جاتے ہیں۔ اس میں کسی سائنٹیفک میناکاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اصل کام تو پتوں کا ہوتا ہے۔ یہ پہلے ہر پیر کے ناپ کے کاٹ لئے جاتے ہیں۔ یا پتے کاٹنے والے جسے "اپر کٹر" کہتے ہیں کٹوا لئے جاتے ہیں۔ پھر ان پر سلمہ ستارے کارچوبی وغیرہ کا کام بنایا جاتا ہے۔ پتے کاٹنے کے لئے کسی انگریزی کتاب سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ اس میں ڈیزائن بھی ایسے ہوتے ہیں کہ صرف انھیں کو دیکھ کر پتے کی سائنٹیفک کتر بیونت سمجھ میں آجاتی ہے۔ کام کے ڈیزائن وضعدار اور خوبصورت ہونے چاہئیں۔ یہ کشیدہ کاری کی کتابوں میں سے انتخاب کئے جا سکتے ہیں۔ جوتوں کے شیپ (شکل) بھی فیشن ایبل ہونے چاہئیں۔ آج کل انگریزی لیڈیز شوز بھی زریں کامدار پہننے کا شوق ہے۔ مگر اس قسم کے جوتوں پر بہت گہرا کام پسند نہیں کیا جاتا۔

یہ کام دو طریقہ سے ہوسکتا ہے۔ اپنے ذاتی سرمایہ سے یا اگر سرمایہ نہ ہو تو جوتے بنانے والی فیکٹریوں یا دوکانوں سے صرف پتوں پر کام بنانے کا ٹھیکہ لیا جا سکتا ہے۔ دہلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ۔ لاہور میں جوتوں کی بکثرت فیکٹریاں ہیں جن میں سے چند ایک مخمل اور ساٹن کے جوتے بھی بناتی ہیں۔ ویسے قریب قریب ہر بڑے شہر میں بھی ایسے جوتے مختصر پیمانے پر بنتے ہیں اور بکتے ہیں۔ ذاتی سرمایہ سے کام کرنا اور اسے چلانا بھی کچھ مشکل نہیں مختصر پیمانہ پر پانچسو روپیہ سے یہ کام چل سکتا ہے۔ دو موچی یا کاریگر رکھنے پڑیں گے، جو ان کے تیار شدہ پتوں سے جوتے بنا دیا کریں گے۔ ۴ر یا ۶ر فی جوڑا اجرت لیں گے۔ یا موچیوں کی دوکانوں پر بھیجکر اپنے پتوں سے جوتے تیار کروائے جا سکتے ہیں۔ عمدہ سچے زریں کام کا معمولی سلیم شاہی شیپ یا زنانہ گرگابی جوتہ چار یا پانچ روپیہ سے کم میں فروخت نہیں ہوتا ہے۔ تیار شدہ مال کا انتظام شہر کی مشہور دوکانوں پر جو اس قسم کے جوتے فروخت کرتی ہوں۔ کروایا جا سکتا ہے۔ یا ان سے آرڈر منگوا کر ان کی پسند کے جوتے نقد قیمت پر بھیجے جا سکتے ہیں۔

مربہ جیلی و چٹنی بنانے کی صنعت

میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ فرسودہ اور پامال چیزوں پر قلم نہ اٹھاؤں۔ لیکن جب میں کسی چیز کے فوائد پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ دوسرے تو اس سے جواہرات رول رہے ہیں اور ہم آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھے ہیں تو میرا قلم کسی طرح نہیں رک سکتا۔ ہندوستان پھلوں کی سرزمین کہلاتی ہے۔ یہاں کئی اقسام کے قیمتی پھل افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ان سے کما حقہ طور پر فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ موسم میں استعمال ہونے کے بعد صدہا من پھل مختلف طریقوں اور لاپرواہیوں سے ضائع ہوجاتے ہیں۔ برعکس اس کے آسٹریا اور کنیڈا میں دیکھئے جہاں ہندوستان ہی کی طرح بکثرت پھل پیدا ہوتے ہیں کہ کس طرح ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ وہاں کے پھلوں کی چیزیں (مربے، جیلی،

اور محفوظ شدہ پھل بھی ہندوستان تک آتے ہیں اور اس قدر گراں فروخت ہوتے ہیں کہ اس کے ایک ڈبہ کی بھی قیمت میں چار پانچ گنی مقدار میں اسی اقسام کے پھل اور مربّے مل سکتے ہیں۔ ہندوستان میں دیگر صنعتوں کی طرح اس صنعت کی طرف بھی بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ بہت پُرمنفعت صنعت ہے۔ ہندوستان میں جہاں جہاں یہ صنعت چل رہی ہے کامیاب ہے جس مقام پر کوئی پھل افراط سے پیدا ہوتا ہو تو وہاں ہی اس کی انڈسٹری بھی کامیابی سے چل رہی ہے۔ مثلاً لکھنؤ، سہارنپور، سوربھنگہ، ہریاسرائے وغیرہ میں آم بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور فصل پر بیحد ارزاں بکتے ہیں۔ تو اس زمانہ میں ہی وہاں ان کے مربّے اور چٹنیاں بھی تیار کرلے جائیں تو یہ چیزیں بے حد سستی پڑیں گی۔ اگرچہ ڈیلر آپ سے صرف ایک قسم کی چیز کا اسٹاک لینے یا منگوانے میں پس وپیش کرے گا۔ لیکن جب وہ قیمت میں انتہائی کمی دیکھے گا تو رضامند ہوجائے گا۔ اگر آپ کے پاس کثیر مال ہے تو ریٹیل ڈیلروں یعنی خوردہ فروشوں کو نہ دیں، بلکہ ہول سیلروں اکسپورٹروں اور امپورٹروں سے معاملہ کرنا چاہئے۔ وہ یقیناً جب آپ کا مال ارزاں اور عمدہ ہوگا تو اکٹھا خرید لیں گے۔ اس مقصد کے لئے آپ کو بڑے بڑے شہروں میں کنویسر اور ایجنٹ مقرر کرنے پڑیں گے۔ جو آپ کے مال کا نمونہ اور نرخ ہول سیلروں (تھوک فروشوں) اور خوردہ فروشوں کو بھی دکھا کر آرڈر لیں گے۔ اس ضمن میں ایک بات ضرور یاد رکھیں، جو مال آپ بازار میں لائیں تو اس کا پیکنگ یعنی ڈبے اور لیبل وغیرہ بہت خوبصورت اور پائدار ہوں۔ حال ہی کا واقعہ ہے ہندوستان کے ایک کارخانہ کا مال (مربّے، چٹنیاں) ولایت کی ایک کمپنی نے اس وجہ سے لوٹا دیا کہ اس کے ڈبوں کے لیبل بدنما اور کچے تھے۔ جو راستے میں اور زیادہ خراب ہوگئے تھے۔ مختصر پیمانہ پر ایک ہزار روپیہ میں ایک پھل کی انڈسٹری کامیابی سے چل سکتی ہے۔ جس کی کھپت اپنے شہر میں ہی ہوسکتی ہے۔ اگر مختلف پھلوں کے مربّے چٹنیاں تیار کی جائیں تو کم سے کم پانچ ہزار روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ ٹین کے ڈبے بند کرنے کی مشین استعمال میں لانی چاہئے۔ جو چھوٹی سی سو، سوا سو روپیہ میں بمبئی و کلکتہ سے مل جائے گی۔ ہاتھ سے بند کرنے میں صفائی نہیں آتی۔ آپ عورتوں میں ماشاءاللہ بہت سی روپیہ والی ہونگی۔ اور مربّے جیلی۔ چٹنیاں جیلی بنانے میں کامل ہونگی تو کیوں نہیں آپ اپنے روپیہ اور تجربہ سے فائدہ اٹھاتیں اور دوسروں کو مستفید کرتی ہیں۔ جو علیحدہ ایک کار خیر ہے۔ اگر تجربہ نہیں ہے تو چار چھ ماہ میں گھر کے استعمال کے لئے یہ چیزیں بنا کر تجربہ حاصل کرلیجئے۔ اردو انگریزی میں اس فن پر کافی لٹریچر ہے۔ اس سے بھی مدد لی جاسکتی ہے یا کسی ماہر مرد یا عورت کی خدمات حاصل کیجئے۔ میرا عقیدہ ہے کہ جب آدمی کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور اس میں سر توڑ کوشش کرتا ہے تو ضرور کامیابی ہوتی ہے۔

سیپ کے بٹنوں کی صنعت

ساحلوں کی طرف جہاں سیپی بکثرت ملتی ہے مثلاً کلکتہ۔ بمبئی، کراچی وغیرہ یہ دلچسپ اور آسان دستکاری عورتوں کے لئے بہت موزوں ہے۔ اصلی کام سیپ کو صفائی اور خوشنما سے تراشنا ہے۔ اس کے خاص اوزار ہوتے ہیں۔ اور مشین سے بھی کام ہوسکتا ہے۔ مگر مشین مہنگی آتی ہے۔ اس وقت اس کا کوئی سوال نہیں۔ سیپ کو ہاتھ سے تراشنے۔ سوراخ کرنے اور پالش کرنے کا کام چند مہینوں میں کام آسکتا ہے۔ سیپیاں ان مقامات پر قریب قریب مفت ہی حاصل ہوسکتی ہیں۔ اس کام میں ایک کاریگر کم سے کم ایک روپیہ کی مزدوری پیدا کرلیتا ہے۔ سیپ کو رنگا بھی جاسکتا ہے اور ان سے لباسوں کے ہم رنگ بٹن بنائے جاسکتے ہیں۔ یہ کام اس طرف جہاں سیپی بہت سستی حاصل ہوسکتی ہے۔ مختصر پیمانہ پر سو روپیہ میں چل سکتا ہے۔
سیپ کے بٹن کا نرخ موجودہ جنگ سے قبل ارفی درجن تھا۔ عمدہ سیر، ڈیڑھ سیر سیپ میں سے دو تین روپیہ کی مالیت کے بٹن نکل سکتے ہیں۔ سیپ جمع کرنے والے لڑکوں کو صرف دو تین آنے دینے پڑیں گے۔

مچھلی کے چھلکوں کی دستکاری

اسی طرح ان مقامات پر جہاں مچھلی بکثرت پائی جاتی ہے۔ مچھلی کے چھلکوں کی دستکاری سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس سے زیبائشی چیزیں نقلی پھول پتے اور جڑاؤ کام وغیرہ

بہت اچھے بن سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے چھلکے پہلے صاف کئے جاتے ہیں۔ صاف ہوکر وہ مثل سلولائڈ کے شفاف اور چمکدار ہو جاتے ہیں صاف کرنے سے پیشتر بڑے بڑے چھلکے چھانٹ لئے جاتے ہیں۔ پرانے چھلکے نکمے ہوتے ہیں۔ وہ پھینک دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا لچلچا اور شفاف پن زائل ہو چکتا ہے۔ پھر وہ ۲۴ گھنٹے کے لئے معمولی نمک کے پانی میں اس لئے بھگو دیئے جاتے ہیں کہ ان کے اوپر کی تہیں دُور ہوکر چھوٹ جائیں۔ اس کے بعد وہ بارش کے یا مقطر پانی میں خوب دھوئے جاتے ہیں۔ ہر دوسرے یا تیسرے گھنٹے پانی تبدیل کرکے دھونے چاہئیں۔ اس عمل کو (بارش کے یا مقطر پانی میں دھونا) پانچ چھ مرتبہ دہرایا جاتا ہے۔ پھر ہر ایک چھلکے کو الگ الگ کپڑے سے احتیاط سے رگڑا جاتا ہے۔ اور اس طریقہ سے دبا دبا کر ان کو خشک کرلیا جاتا ہے اور یہ خشک شدہ چھلکے ایک گھنٹے کے لئے اسپرٹ میں بھگو دیئے جاتے ہیں اور اس کے بعد پھر پہلے کی طرح رگڑے اور دبائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خشک ہو جاتے ہیں۔ اب یہ چھلکے سیپ کی طرح صاف اور چمکدار ہو جائیں گے۔ اور بہت چمکدار اور مضبوط ہونگے اور بغیر کسی مزید عمل کے استعمال کئے جا سکتے ہیں یا حسب خواہش رنگوں میں رنگے جا سکتے ہیں جس کے بعد ان کی قدر و قیمت اور بڑھ جائیگی۔ ان سے اسی طرح کام لیا جا سکتا ہے جس طرح سلولائڈ یا کسی لچک دار وفئیر کے ٹکڑوں سے کام لیتے ہیں۔ جوڑنے یا چپکانے کے لئے وہ سیمنٹ استعمال کیا جا سکتا ہے جس سے سلولائڈ جوڑا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو گلیو اور سیمنٹ، دھات، چینی اور سلولائڈ جوڑنے کے کام آتے ہیں۔ ان سے بھی مچھلی کے چھلکے ہر طریقہ سے چپکائے جا سکتے ہیں۔

کاغذ کے پیکنگ کے لفافے یہ بھی بہت آسان اور فائدہ مند دستکاری ہے۔ کاغذ کے لفافوں کی پنساریوں کے یہاں ضرورت پڑتی ہے۔ آج کل قریب قریب تمام پنساری لفافے ہی استعمال کرنے لگے ہیں، کیونکہ کاغذ کاٹنے یا پھاڑنے اور اس کی پڑیاں باندھنے میں بہت دیر لگتی ہے۔ اسی طرح جنرل مرچنٹ شکر فروش اور مٹھائی فروش بھی براؤن اور ٹشیو کاغذ کے لفافوں میں اپنی چیزیں لپیٹ کر گاہکوں کو دیتے ہیں۔ شہرت کے لئے وہ ان پر اپنا نام اور پتہ بھی چھپوا لیتے ہیں۔ ہر بڑے شہر میں روزانہ ایسے ہزاروں لفافے خرچ ہو جاتے ہیں۔ پنساریوں اور بنیوں کے لئے لفافے ردی اخباروں میں سے بنائے جاتے ہیں۔ ردی اخبار بازار میں بہت سستے مل جاتے ہیں۔ اسی طرح بانس کے براؤن کاغذ اور ٹشیو کاغذ بھی کاغذیوں کے یہاں ملتے ہیں۔ لفافے چھوٹے بڑے ہر سائز کے بنانے چاہئیں یا دوکانداروں سے آرڈر لے کر اس کی مرضی کے مطابق بنائے جائیں۔ ہر سائز کے ٹین کے پیٹرن کٹوا لئے جائیں تو ان کو کئی کئی کاغذوں پر رکھ کر ایک ساتھ بہت سے لفافے کاٹے جا سکتے ہیں۔ کم سے کم دس بارہ عدد ایک ساتھ آسانی سے کٹ سکتے ہیں۔ ایسے بازاری لفافوں کا پردہ ([illegible]) نہیں ہوتا ہے۔ بس دو طرف سے موڑ کر ہی چپکا دیئے جاتے ہیں۔ ایک عورت اور ایک لڑکا مشترکہ طور پر اس دستکاری میں سے تین مہینے کی متواتر مشق کے بعد اپنی محنت کا معاوضہ کم سے کم عہ یومیہ نکال سکتے ہیں (واضح رہے کہ عورت بنائے گی اور لڑکا اس کی امداد کرے گا۔ وہ دوکانداروں کو بنے ہوئے لفافے بھی دے آئے گا اور ردی اخبار اور کاغذ خرید کر لائیگا)
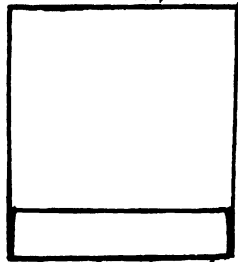
بازاری پیکنگ کے لفافہ کی ایک شکل

میل آرڈر بزنس (تجارت بذریعہ ڈاک) یہ عورتوں کے لئے بھی سودمند ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کی تعلیم معقول ہو۔ یعنی انگریزی اردو بخوبی لکھ پڑھ سکتی ہوں۔ کچھ حساب کتاب بھی جانتی ہوں، ہاتھ کی لکھائی اچھی ہو۔ (کیونکہ ابتدا میں تمام خط و کتابت اسے ہاتھ سے کرنی پڑتی ہے) معلومات عامہ (جنرل نولیج) بڑھی ہوئی ہو۔ جرمنی میں ایک دھوبن تھی وہ کئی ناموں سے بذریعہ ڈاک تجارت کرتی تھی اور کامیاب تھی۔ انگلستان میں بھی بہت سی عورتیں میل آرڈر بزنس

چلا رہی ہیں۔ دہلی وغیرہ میں بھی اس کی کچھ مثالیں پائی جاتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی عورت اس میں ناکامیاب رہے اس میں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں آرڈر آپ کے پاس بذریعہ ڈاک آئیں گے اور بذریعہ ڈاک ہی آپ انکی تعمیل کریں گی۔ بذریعہ ڈاک آپ ہر اس چیز کی تجارت میں کامیابی ہو سکتی ہے جو مفید ہو۔ روزمرہ کی ضروریات میں کام میں آنے والی ہو۔ یا جس میں کوئی خاص بات یا جدت ہو بازار میں نہ ملتی ہو۔ یا بہت مہنگی ملتی ہو وغیرہ۔ ایمانداری سے کام کرنا بہت ضروری ہے۔ اس میں شہرت کو بہت کچھ دخل ہے شہرت کافی تجربہ اور پبلسٹی (اشاعت) سے حاصل ہوتی ہے۔ جب شہرت حاصل ہو جائے تو بس سمجھئے کہ کامیابی حاصل ہو گئی) مختصر پیمانہ پر میل آرڈر بزنس شروع اور اسے چالو کرنے کے لئے کم سے کم ایک یا دو سال چاہئیں۔ اس عرصہ میں کسی نفع کی توقع کرنا بیسود ہے۔ کیونکہ یہ عرصہ تو اس کی تعلیم و تجربہ حاصل کرنے کا ہوگا۔ اس میں اتنی اسٹاک رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی جتنی پبلسٹی یا اشتہار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اشتہار دینے کے مختلف ذرائع ہیں۔ مثلاً اخباروں و رسالوں کے ذریعہ سے پمفلٹ فہرستیں وغیرہ فرداً فرداً براہ راست پتوں پر بھیجتے رہنے سے۔ دستی اشتہار (ہینڈبلس) دوسرے شہروں میں تقسیم کرانے سے وغیرہ۔ اشتہار کی کامیابی تعداد اشاعت پر مبنی ہوتی ہے جس اخبار اور رسالہ کی زیادہ اشاعت ہوگی اتنی ہی اشتہار میں کامیابی ہوگی۔ مگر کسی اخبار و رسالہ کی اشاعت کو پرکھنا بغیر کسی تجربہ کے ممکن نہیں ہے چنانچہ اس مد میں مشتہر کا بہت سا روپیہ ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی اخبار (باستثناء چند) اپنی صحیح تعداد اشاعت نہیں بتاتا۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ کسی اخبار یا رسالہ میں ایک دم قیمتی اشتہار نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ مختصر اشتہار دیکر آہستہ آہستہ تجربہ کرنا چاہیئے۔ ہزار پانچسو اشاعت والے اخباروں اور رسالوں میں اشتہار دینا بیکار ثابت ہوا ہے۔ اشتہار بہت اچھا لکھا ہوا اور جاذب نظر ہونا چاہیئے۔ اس ضمن میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو تجربہ یا کسی تجربہ کار سے مشورہ کرنے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

تجارتی انجمنیں اور آرگنائزیشن یہاں کچھ تجارتی امدادی اداروں کا بھی ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے یہ مسلمہ ہے کہ ہر شخص جامع معلومات اور ہر فن مولا نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص کو اپنے کام میں خواہ وہ کچھ ہو اور کتنے ہی پیمانہ پر ہو قدرتاً مشیر اور مددگار کی ضرورت ہوتی ہے مگر تجارتی و صنعتی کاموں میں تو سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی لئے بڑے بڑے ملکوں میں تجارتی ایسوسی ایشن اور آرگنائزیشن ہوتی ہیں۔ جو اپنے اپنے ملک میں کاروباری لوگوں کی ہر قسم کی مدد کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہاں کے کارخانے اور فرمیں کامیابی سے چلتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی کئی ایک ایسے ادارے موجود ہیں۔ قریب قریب ہر بڑے صوبہ میں ایک ایک تجارتی ادارہ "چیمبر آف کامرس" کے نام سے قائم ہے۔ یوپی کا کانپور میں۔ بنگال کا کلکتہ میں۔ صوبہ بمبئی کا بمبئی میں اور پنجاب کا دہلی میں۔ یا شاید اب لاہور میں ہوگا۔ سندھ کا کراچی میں۔ برما کا رنگون میں۔ اور سیلون کا کولمبو میں ہے۔ ان کے ممبر ہونے سے ہر قسم کی امداد اور معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں فیس ممبری ان میں سے ہر ایک ادارہ کی دو ڈھائی سو سے تین چار سو روپیہ سالانہ تک ہے داخلہ کی فیس اس کے علاوہ جو کم و بیش پانچسو روپیہ تک ہوتی ہے کسی غیر صوبہ کا باشندہ قانوناً دوسرے صوبہ کے چیمبر آف کامرس کا ممبر نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں ایک ایسے ہی ادارہ "جام جمشید آرگنائزیشن آگرہ" کا ذکر بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ اس میں کوئی قید نہیں۔ تمام ہندوستان کے تجارتی و صنعتی پیشہ لوگ آزادی سے اس کے ممبر ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ فیس ممبری بھی اس کی برائے نام یعنی صرف تین روپیہ سالانہ ہے۔ داخلہ کی فیس کچھ نہیں ہے۔ یہ ادارہ ہندوستان و بیرون ممالک کے کاروباری پیشہ لوگوں کی بہت اچھی خدمت کر رہا ہے۔ تجارت و دستکاری اور ہر قسم کی صنعت و حرفت کے کاموں میں ہر قسم کی سہولتیں اور معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ بغیر ممبر ہوئے کسی کو کسی تجارتی ادارہ سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل نہیں ہے۔

سید رضا احمد جعفری۔ (آگرہ)

تمنائیں

اے کاش میں پہاڑوں کی برف آلود چوٹی ہوتی ہر صبح سورج اپنی شعاعوں سے میرا منہ دھلاتا اور دن بھر میں اس کی حسین کرنوں سے کھیلتی رہتی میں دنیا کی نظروں سے بہت اوپر سفید سفید بادلوں میں چھپی رہتی۔ سورج کی سنہری شعاعوں سے میری قوس قزح کی طرح پیدا ہونے والے رنگوں کو دنیا حیرت کی نگاہوں سے دیکھتی۔ رات کو میں چاند کی سفید اور ٹھنڈی روشنی میں آرام کی نیند سوتی سکوت اور کامل سکوت رہتا اور میں ہمیشہ اس سکوت کی دنیا میں رہتی

اے کاش! میں فضا میں تیرنے والا بادل ہوتی نیلے آسمان کے قریب میرا مسکن ہوتا میں چاندنی راتوں میں چاند اور ستاروں کے ساتھ آنکھ مچولیا کھیلتی، دنیا میری آمد کا انتظار کرتی، میں رحمت کے نام سے پکاری جاتی۔ خشک زمین اور تپتی ہوئی خاک کو میرا انتظار ہوتا میں انھیں تسکین کا پیغام سناتی / درختوں اور پودوں کو تر و تازگی کے گیت سناتی۔ میں شاعروں کی نظموں اور مغنیّ کے نغموں میں ہوتی۔

اے کاش! میں سمندر کی پُرسکون لہر ہوتی۔ میں ساحل سے ٹکراتی انھیں اپنے گیت سناتی۔ اپنے حالات سناتی سرگوشیاں کرتی اور واپس لوٹ جاتی۔ اسی طرح ہنستی، مسکراتی۔ بل کھاتی ہمیشہ ہمیشہ چلی جاتی اور کبھی نہ تھکتی۔ صبح سے شام تک سورج کی کرنیں میری ہمدم و ہمراز ہوتیں، رات کو چاند اور تارے مجھ میں جھولتے۔ میں ان سے کھیلتی انھیں ہنساتی اور خود بھی ہنستی ہوئی چلی جاتی

اے کاش! میں راتوں کو چمکنے والے تارے ہوتی، دن بھر میں آرام کرتی شام کے وقت سورج کی مسافت ختم ہو جانے کے بعد نیلے نیلے آسمان پر میری بادشاہت ہوتی، اندھیری راتوں میں میری ننھی روشنی مسافروں کو راہ دکھاتی۔ میں نیلے آسمان پر گیت گایا کرتی۔ ننھے ننھے ساتھی پیارے پیارے گیت۔ تاریخیں مجھ میں پوشیدہ ہوتیں۔ کہانیاں مجھ میں مضمر ہیں وہ سب کچھ دیکھ سکتی جو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

مگر آہ! میں ان میں سے کوئی بھی نہیں، میں ایک انسان ہوں رسم و رواج میں جکڑی ہوئی نہ برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی کی طرح ساکن و مطمئن نہ فضا میں تیرنے والے بادلوں کی طرح آزاد نہ سمندر کی لہروں کی طرح مسرور اور نہ راتوں کو چمکنے والے تاروں کی طرح بشاش

شوکت ریاض حسین - کلکتہ

اتباعِ رسولؐ

عہدِ حضرتؐ میں اک یہودی کا — کسی مُسلم سے ہو گیا جھگڑا
کھنچا جھگڑے نے جب بہت ہی طول — آئے دونوں جھگڑتے پیشِ رسولؐ
آپؐ نے فیصلہ جو اُن میں کیا — فائدہ اُس میں تھا یہودی کا
جیت جب ہو گئی یہودی کی — دلِ مسلم پہ اس سے چوٹ پڑی
اک یہودی کو مجھ مسلماں پر — دی ہے ترجیح آپؐ نے کیونکر

فیصلہ آپ کا نہ تھا منظور
کہہ سکا کچھ مگر نہ پیشِ حضورؐ

جا کے فاروقؓ سے برنج و ملال — جب بیاں اُس نے یہ کیا سب حال
سُن کے فاروقؓ کو وہ طیش آیا — کر دیا تیغ سے سر اُس کا جُدا
پھر یہ فرمایا اے مسلمانو — گوشِ دل سے یہ بات سن رکھو
جو نہ مانے گا حکم احمدؐ کا — ہے یہی میرے پاس اس کی سزا

اس کی جب آپؐ کو خبر پہنچی — تو بہ غیظ و غضب یہ بولے نبیؐ
کیا عمرؓ کو بھی حوصلہ یہ ہوا — کہ بہائے وہ خون مسلم کا
وہ نہ راضی تھا فیصلے سے اگر — بھیجتا میرے پاس لوٹا کر

لے کے آئے اُسی گھڑی جبریلؑ — آسماں سے پیامِ ربِ جلیل
اے محمدؐ تو ہے خفا کس پر — اس میں کچھ بھی نہیں قصور عمرؓ
اس سے سرزد جو فعل آج ہوا — عین منشا وہی ہمارا تھا
حکم پاکر ترا ترے آگے — سرِ تسلیم جو نہ خم کر دے

پکا مسلم وہ ہو نہیں سکتا
کہ ہے تیری رضا میں میری رضا

ابوالاعجاز ازل - مزنگ لاہور

شریکِ زندگی

از حضرت ثاقب کانپوری

اے شریکِ زندگی ہر حال میں ہمدم ہے تو — اُڑ رہا ہے تیرے دم سے بحرِ الفت میں خروش
تو نہ ہوتی تو نہ ہوتا عشق سرگرمِ عمل — تو نہ ہوتی تو نہ ہوتا قلبِ انسانی میں جوش

جس طرح تو حسن و الفت کی ہے نازک پنکھڑی — ویسی ہی ہے عزم و استقلال میں کوہِ گراں
عرش پیما اس طرح ہوتی ہے تخئیل بلند — پست ہو جاتا ہے تیرے ولولوں سے آسماں

تجھ سے زندہ ہے جہاں میں آج بھی روحِ عمل — تجھ سے ہی شیرازۂ عالم میں ہے رنگِ ثبات
مختصر یہ ہے کہ تیرے دم سے ہے رنگِ نمود — سارا عالم جسم ہے اور تو ہے اک روحِ حیات

اک چمک حسنِ ازل کی تیرے رخساروں میں ہے — ذرّہ ذرّہ دہر کا ہے اس ضیا کا عکس گیر
میری جو تخئیل ہے وہ وقف ہے تیرے لئے — عیش میں تسکین کی موجب ہے غم میں دستگیر

جب تلک دوشیزگی کے سائے میں پلتی رہی — تیری اس پاکیزگی پر تھا کبھی حوروں کو رشک
تیری سیرت کی فرشتے بھی قسم کھاتے رہے — کوثر تسنیم سے پاکیزہ تر تھے تیرے اشک

تیرے اندازِ تکلّم میں ہے تسکینِ حیات — تیرا ہلکا سا تبسم ہے جہانِ زندگی
مایۂ صد زندگی ہیں تیرے انفاسِ لطیف — یعنی ہے ہر سانس میں پنہاں نشانِ زندگی

اک نہ ہونے سے ترے سونی تھی بزمِ کائنات — تھا پریشانی کا عالم ہر طرف چھایا ہوا
تیرے آنے سے ہوئے پیدا نشانِ زندگی — اس جہاں نے کروٹیں لیں جاگ اُٹھا ہنستا ہوا
زندگی کی لہر دوڑی مُسکرانے سے ترے — ذرّہ ذرّہ باغ کا محوِ مسرت ہو گیا
تو نے صحنِ گلستاں میں آ کے جب رکھّا قدم — غنچہ غنچہ یوں کھلا گویا کہ جنت ہو گیا

تیرے ہی دم سے ہے قائم قلبِ ثاقب میں سکوں — اس کو سرگرمِ عمل رکھتا ہے تیرا ہی خیال
تو نہ ہوتی تو نہ ہوتیں دہر میں دلچسپیاں — تیری ہی ہستی سے ہے اس دہر کا رنگِ جمال

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

دلکشی کی کسوٹی:۔ خوبصورتی کے لئے محض گورا ہونا ہی کافی نہیں۔ خوبصورتی کے اور لوازمات بھی ہیں جن کے ہوتے ہوئے گورے کالے سب برابر ہو جاتے ہیں۔ یہ محض خوبصورتی ہے کہ دوسرے اپنی طرف کھینچیں۔ باتوں میں ان کا اتنا دل لگے کہ وہ پاس سے اُٹھنے کا نام بھی نہ لیں۔ جہاں جائیں آپ کی تعریف کریں۔ آدمی میں وہ خوبی نہ ہو جس سے لوگ کھنچیں تو وہ کچھ بھی نہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر ایک اپنے متعلق غور کرے خواہ کانچ کے آئینہ کے سامنے یا دل کے آئینہ کے روبرو تاکہ جسمانی نوجوانی کی بنیاد ڈالی جائے اور اگر آپ کا دل رنجیدہ رہتا ہے تو تکلیف کی اصلیت تک پہنچ کے آپ اُسے دُور کرنے کا انتظام کر سکیں۔

اپنی جسمانی اور طبعی اصلاح سے پہلے اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا دلکشیاں ہیں جن سے دوسرے آپ تک کھنچیں۔ اکثر بیبیاں ایسی ہوتی ہیں جن سے پاس پڑوس کی بیبیاں بھی بھاگتی ہیں۔ بعض ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کے گرد محلہ کی بیبیوں کا جمگھٹ رہتا ہے اور ہر گھر میں اُن کی پرستش ہوتی ہے۔

مندرجہ ذیل سوالات دل سے کیجئے اور پھر اپنے متعلق رائے قائم کر کے اُس کی اتنی ہی اصلاح کر لیجئے:۔

کیا آپ کی صحت ٹھیک ہے اور بدن میں زندگی محسوس ہوتی ہے؟

کیا آپ کے دل میں جوش ہے یا ہر پہر سے بے شوق رہتی ہیں؟ کیا آپ اپنے ملنے والیوں سے ہنسی خوشی پیش آتی ہیں یا پیشانی پر شکن آجاتی ہے؟ کیا آپکو اپنی ملنے والیوں کے معاملات سے دلچسپی ہوتی ہے یا اپنے ہی گیت گا گا کے اُنہیں تھکا دیتی ہیں؟ کیا آپ اپنے متواتر بناؤ سنگھار سے خوش رہتی ہیں؟ کیا آپ کو کوئی شوق ہے؟ آپ کو اپنا خالی وقت کاٹنا دشوار معلوم ہوا کرتا ہے؟ کیا آپ کو جدید معلومات کا شوق ہے اور اس طرح اپنی ملنے والیوں سے واقعات حاضرہ پر لیاقت سے گفتگو کر سکتی ہیں؟ کیا آپ کسی فن کھیل، پیشہ یا کاروبار میں خاص طور پر ہوشیار ہیں؟ کیا آپ کام کاج کو اسی خوشدلی سے کیا کرتی ہیں جیسے آپ تفریح و کھیل کے لئے طیار ہو جاتی ہیں؟ اگر آپکو اپنا روزمرہ کا کام ناپسند ہے تو اُسے بدل کیوں نہیں ڈالتیں یا کیوں نہیں سوچتیں کہ آپ کیوں ناخوش رہتی ہیں؟ پھر اس کی اصلاح کیجئے۔ کیا آپ میں ایثار معاملہ فہمی اور محبت کی قابلیت ہے؟ کیا رنج و تکلیف میں آپ خوش مزاج رہ سکتی ہیں؟ کیا آپ میں خطرہ اور تکالیف کا مقابلہ کرنے کی جرأت ہے کہ یہ مشکلات تو ہر ایک کو پیش آیا ہی کرتی ہیں؟ کیا رشک وحسد آپکی عقل و فہم پر غالب آجاتے ہیں؟ کیا آپ اپنی اکڑ پر قائم رہتی ہیں یا بھیڑ کی طرح چلنے لگتی ہیں؟ کیا آپ شرم و حیا کا نہ صرف اپنے میں بلکہ دوسروں میں پاس و لحاظ کرتی ہیں؟ کیا آپ سراب کی طرف لپکتی ہیں اور اپنے باغ میں چھپے ہوئے جواہر ریزوں کو نظرانداز کر جاتی ہیں؟ کیا آپ اپنی خوبیوں کو چھپا لیتی ہیں اور ملنے والیوں کو ان کا پتہ نہیں چلتا؟ کیا آپ مجلس میں ہر دلعزیز ہیں یا کسی گوشہ میں بیٹھ کر دل میں یہی آرزو کیا کرتی ہیں کہ کاش میں ہر دلعزیز ہوتی؟

جوتوں کی مضبوطی:۔ اگر جوتوں کی مناسب نگہداشت کی جائے تو اُن کی عمر لمبی ہو جاتی ہے۔ جوتے اتارنے کے بعد فوراً ہی اُن

میں کلبوت لگادیں۔ اگر وہ نہ ہو تو سستی اور اچھی ترکیب یہ ہے کہ بوٹوں میں اخبار ٹھونس دیں۔ جوتے بارش میں بھیگ جائیں اُنہیں کروٹ کے بل سوکھنے رکھدیں۔ آگ کے پاس رکھ کے نہ سکھائیں۔ جوتوں کے تلے میں پتلا ربڑ جڑوالیں ورنہ اس طریقہ سے تلے اچھے رکھے جاسکتے ہیں۔ تلوں پر گم کوپل وارنش Gum Copal Varnish کی ایک تہ چڑھادیں۔ اس کے سوکھنے کے بعد دو ایک تہیں اور لگائیں حتیٰ کہ تلے کے سب مسام بند ہوجائیں اور جلا دار لکڑی کی طرح تلے چمکنے لگیں۔

اس طریقہ سے بھی چمڑا پانی سے محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔ سفید موم، روغنِ زیتون اور صاف کی ہوئی چربی Rectified Lard ( ) مساوی مقدار میں باہم ملائیں۔ کسی شیشی میں ڈال کے ایسے برتن کے اُوپر اُسے پگھلائیں جس میں پانی کھول رہا ہو۔ خوب ہلانے کے بعد ذرا سا روغن تارپین ملائیں۔ ٹھنڈا ہوجانے پر کسی چیتھڑے سے چمڑے پر ملیں اور جذب ہوجانے دیں۔ اس کے بعد حسبِ معمول پالش کریں۔

اچھے جوتوں کے لئے یہ ترکیب اچھی ہے کہ صاف کرکے اچھی پالش لگادیں اور رکھدیں۔ جب پہننے کا وقت آئے کسی ملائم کپڑے سے رگڑ کے جلا دیدیں۔

جلد کی غذا:۔ بعض جلدیں کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں غذا نہیں مل رہی۔ ایسی کیفیت کبھی کبھی سب کو محسوس ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلد کو غذا نہ ملنے سے جھُریاں نمودار ہوجاتی ہیں اور بڑھاپا برسنے لگتا ہے۔ چہرے پر نوجوانی کی تازگی نہ برسنے کی وجہ یہ ہے کہ جلد کو غذا نہیں ملتی۔ اگر روزانہ درست کریم درست طریقہ سے لگائی جاتی رہے تو ایک تھوڑے میں ہی اچھے نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اگر آپ کا خیال ہو کہ جلدی غذا نے آپ کو فائدہ دیا ہی نہیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ آپ نے درست کریم استعمال نہیں کی یا اُس کا استعمال آپ درست طریقہ سے نہیں کررہے۔ بازار میں موٹی کھال باریک جلد چکنی یا خشک جلد کی غذائیں دستیاب ہوسکتی ہیں۔ لڑکپن کی جلد درمیانی عمر اور بڑھاپے کی جلد کے لئے علیحدہ علیحدہ کریم مل سکتی ہے۔ ہر طرح کی غذا حاصل ہوسکتی ہے۔ بعض بہت سے اجزا والی ہوتی ہیں۔ بعض میں مصالحے زیادہ ہوتے ہیں جن کو کچھ دیر ہتھیلی میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ملائم ہو کے چہرے پر پھیل سکے۔ اچھی غذا کے لئے صرف بیس منٹ روزانہ کافی ہیں۔ یہ غلط خیال ہے کہ رات بھر لگے رکھنے سے فائدہ دُگنا ہوتا ہے بلکہ نقصان کا احتمال ہے کیونکہ مسامات بند ہوجاتے ہیں اور صبح کو جلد ہلکی پھلکی کی بجائے بھاری بھاری معلوم ہوگی۔

جلد کو پہلے بالکل صاف کرلینا چاہیئے تاکہ جلدی غذا جذب کرسکے۔ اگر نہانے سے پہلے لگائیں تو گرم پانی کے بخارات سے وہ آسانی سے جلد میں جذب ہوجاتی ہے۔ مالش گلے سے اُوپر کی طرف کی جائے۔ پوروں سے جلد میں نرم حرکت پیدا ہو۔ جلد کھنچنے نہ پائے۔ اگر پوروں سے مالش نہ آتی ہو تو مالش نہ کریں صرف تھپکی سے جلدی غذا اُوپر اور باہر کی طرف رُخ کرکے لگائیں۔ جب غذا اپنا کام کرچکے تو ملائم روئی سے دبا دباکے غذا پونچھ ڈالیں۔

گرمیوں میں تازگی:۔ گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈا تازہ اور شیریں رہنا ایک کمال ہے جو عموماً وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں جن کے مزاجوں میں سکون پایا جاتا ہے۔ اس فن کے اظہار کی تیاریاں صبح ہی سے شروع ہوتی ہیں۔ صبح کے وقت نیم گرم پانی سے غسل کریں۔ ٹھنڈے پانی سے نہانا مفید نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعد میں طبیعت میں زیادہ گرمی ہوجاتی ہے۔ نیم گرم پانی سے نہانے سے جسم میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔ غسل جلد جلد نہ کیا جائے۔ اطمینان سے مکمل کیا جائے تاکہ رات بھر کا پسینہ اور تیزابیت

بالکل دُور ہوجائے۔ نہانے کے بعد تولیہ سے تھپک تھپک کے جسم خُشک کرلیں اور جسم پر بُو دور کرنے کی دوا Deodorant چھڑک لیں۔ اُس سے دن بھر طبیعت میں تازگی رہیگی۔ پاؤں کا پوڈر بھی تلووں میں اور اُنگلیوں کی گھائیوں میں چھڑک کے جراب پہن لیں۔ اندرونی کپڑے جیسے بنیان یا ٹانگوں کی درازیں روزانہ دھلی ہوئی پہنیں۔ اس سے طبیعت تازہ اور چست رہتی ہے۔ کریم اور جلدی غذائیں نہایت ہلکی قسم کی استعمال کریں۔ رات کو حتی الامکان جلد کو کریموں وغیرہ سے نجات دیں بعض عورتیں گرمیوں میں کوئی کریم استعمال نہیں کرتیں۔ اسکی بجائے نہایت ہلکے لوشن کام میں لاتی ہیں تاکہ جلد تازہ رہے اور اسمیں قوت پیدا ہو اور سنگھار کی بنیاد بھی بن سکے۔ صاف کرنیکا لوشن جسمیں طاقت پہنچانے کی صفت بھی ہو Cleaning tonic lotion بازاروں میں جستجو سے مل سکتے ہیں۔ اس سے چہرہ تمام سنگھاروں میں صاف کیا جاسکتا ہے۔ پہلا سنگھار جلدی سے صاف کرنیکے بعد نیا سنگھار کرنے سے طبیعت شگفتہ ہوجاتی ہے۔ اگر آپ اپنی طیار کردہ کریمیں وغیرہ لگائیں تو سنگترہ کے پانی سے پتلا کرلیں۔ اگر جلد کچھ خُشک رہتی ہو تو روز واٹر (گلاب کے پانی) سے پتلا کریں۔ گالوں کی سُرخی اور سرمہ کی تحریر ہلکی رکھی جائے۔ سردیوں کی بھاری خوشبوؤں کی بجائے نہایت ہلکی اور تازہ خوشبوئیں لگائیں۔

خوشبو کا انتخاب:- صدیوں سے عورتیں خوشبوئیں استعمال کرتی آئی ہیں تاکہ اُن کے گرد ایسی فضا قائم ہوجائے جس میں دلکشی طلسمی کیفیت اور اُمنگ لبریز ہو۔ بلاشبہ خوشبو قدرت کا عطیہ ہے۔ اس کی مدد سے عورت گرد و پیش ایک انقلاب کی صورت پیدا کرسکتی ہے۔ اُسے اپنے لباس میں موزونیت رونق دلفریبی محسوس ہونے لگتی ہے اُسکی نقل و حرکت میں جان آجاتی ہے۔ خوشبوئیں مختلف قسم کی مل سکتی ہیں۔ کسی میں ایک ہی پھول کی مہک آتی ہے کسی میں کئی کئی پھولوں کی مست خوشبو ہوتی ہے۔ ایک پھول کی خوشبو ہلکی اور شیریں معلوم ہوا کرتی ہے۔ نوجوان ادھیڑ اور بوڑھیاں یکساں ایسی خوشبو سے لطف حاصل کرسکتی ہیں۔ باہر جانے اور کھیلوں میں شریک ہونے والی لڑکیوں کے لئے خوشگوار تازگی بخش اور مصالحہ دار خوشبوؤں کی ضرورت بالخصوص دن کیلئے۔ شام یا رات کے لئے مشرقی خوشبوئیں زیادہ دلفریب ہیں۔

خوشبودار یُوڈی کولون Scented eau de cologne ننھے سے فوارہ سے کپڑوں پر چھڑک لیں۔ خوشبو دیر تک کپڑوں سے لپٹی رہے گی۔

خانگی ٹوٹکے:- پتلے چھلکے کے سنگترے لے کے اُن میں کسی موٹی سوئی سے سوراخ کردیں اور ہر سوراخ میں ایک لونگ جمادیں۔ حتیٰ کہ سارا سنگترہ لونگوں سے ڈھک جائے۔ پھر بہت معمولی حرارت میں سنگتروں کو خشک کرلیں۔ ہلکی آنچ کا تندور یہ کام دے جائیگا۔ جب سنگترے خُشک ہوجائیں تو فیتوں سے باندھ کے کپڑوں کے ایک ایک ٹرنک یا الماری میں لٹکادیں۔ کپڑوں میں نہ صرف ہلکی ہلکی خوشبو بس جائیگی بلکہ اُن میں کیڑے اور جھینگر وغیرہ بھی نہ گھُسیں گے۔

ٹخنوں کو مضبوط کرنے کے لئے یہ ورزش کریں۔ اپنے پاؤں ایک دوسرے سے فٹ بھر کے فاصلہ پر کرکے کھڑی ہوجاؤ۔ وزن پاؤں کے بیرونی حصہ پر ڈالو۔ انگوٹھے اندر کو سرکاؤ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو چھُونے لگیں۔ چند مرتبہ یہ عمل کرو۔ تم اپنے ٹخنوں میں مضبوطی محسوس کروگی۔ کمزور ٹخنوں سے چال بھی بدنما ہوجاتی ہے۔

جس پانی میں آلو اُبالے جائیں اُس میں آلو پکنے کے وقت سے دس منٹ پہلے لیموں کے عرق کی ایک چمچہ ڈالدیں خراب آلوؤں کی بدرنگی جاتی رہیگی۔ اگر چھیلنے کے بعد لیموں کا عرق ملے پانی آلو ڈالدیئے جائیں تو خواہ کچھ دیر بعد ہی پکائیں اُن کا رنگ خوب سفید ہوجائے گا۔ پھر یہ ذراسی کولون میں ڈبوکے ہونٹ پر پھیریں۔ ان کے خطوط سے تجاوز نہ کریں۔ پھر لپ سٹک Lip stick لگائیں بعد میں یہ چلنے نہیں پائیگا۔ اور آپ چین سے رہیں گی۔

محمد ظفر

سیر بین

ترکی عورتوں کی فوجی تعلیم:- ترک مجاہد قوم ہے۔ ہمیشہ جنگ و جدل سے غریب کو ساتھ رہا۔ اب بھی کہ یورپ میدان پیکار بنا ہوا ہے۔ وہاں فوجی شوق اسقدر بڑھ گیا ہے کہ ترکی عورتیں فوجی تعلیم و تربیت حاصل کر رہی ہیں۔ اس سال فوجی افسروں کے امتحان میں ۳۰۴۳ طلبا میں سے ۱۰۲ طالبات نے ہوائی جہازوں کے چلانے میں ۲۷۰۰ میں سے ۹۲ نے عام فوجی تعلیم و تربیت میں ۳۴۰۰ میں سے ۱۲۰۰ لڑکیوں نے تکمیل تعلیم کی سند حاصل کی۔ اُن میں سے بعض ترکی وزیروں کی بیٹیاں اور بھتیجیاں ہیں۔ جب یہ لڑکیاں اپنی اپنی سندیں لے کے نکلیں تو اُنھوں نے ایک جلسۂ عام میں تقریریں کیں کہ ہم نے یہ فوجی تربیت کسب معاش کے لئے نہیں حاصل کی بلکہ ملکی سود و بہبود کو پیش رکھتے ہوئے یہ سب کچھ کیا گیا ہے۔ ہم بدستور ہنڈیا رائی کریں گی۔ گھروں کے رکھ رکھاؤ میں سرگرم رہیں گی۔ البتہ جب ہمارے گھر میدان جنگ بن جائیں گے اور ہمارے مرد ملکی حفاظت میں قاصر رہیں گے تو ہم آگے بڑھیں گی اور اپنے ملک کو بچائینگی ہماری قوم کا بچہ بچہ سپاہی ہے جو ترک فوجی نہیں وہ ترک نہیں۔

جنگلی لڑکی:- فرانس کے شمال مشرق میں ۱۷۳۱ء میں ایک روز شام کے وقت چیلنس کے لوگ کسی میلہ میں مصروف تھے کہ اچانک جنگلی جانور جو انسان سے ملتا جلتا تھا آ نمودار ہوا۔ لوگ خوفزدہ ہوئے۔ اُس کے بال لمبے لمبے تھے اور کندھوں پر پڑے تھے۔ جسم تقریباً ننگا تھا۔ ہاتھ میں ایک چھوٹا سا موٹا ڈنڈا تھا۔ لوگوں نے ڈر کے ایک تند کتے کو جسے وہ ایسے ہی موقعوں پر استعمال کرتے تھے اُس کی طرف چھوڑا۔ کتا اُس کے گلے کی طرف لپکا مگر اُس نے اس خوبی سے اُس کے ڈنڈا رسید کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مڑی اور جہاں سے آئی تھی گم ہو گئی۔ وہ گلہری کی طرح ایک درخت پر چڑھ گئی اور چند روز تک گاؤں والوں کو پتہ نہ چلا۔ ایک روز زمیندار کے نوکروں نے اُسے درخت پر دیکھ لیا۔ وہ اُنہیں دیکھتے ہی ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اور اس سے پاس کے درخت پر کود گئی اور آخر میں ایک اونچے سے درخت پر جا بیٹھی۔ نوکر اس کی جڑ پر جمع ہوتے۔ اُنھوں نے سوچ بچار کے بعد درخت کے نیچے پانی کا برتن رکھدیا اور خود چھپ گئے۔ وہ جھجکتی ہوئی اُتری اور پانی میں منہ ڈال کے گھوڑے کی طرح پانی پی گئی نوکر گھات میں سے نکلے۔ اُس کے ناخن لمبے لمبے تھے۔ اُن سے اُنہیں اُس نے زخمی کیا۔ آخر وہ اُسے پکڑ کر مالکہ کے پاس لے گئے۔ اُس وقت باورچی چند مرغ ذبح کر کے اُن کے بنانے کی طیاریاں کر رہا تھا یہ دیکھتے ہی وہ اُن پر ٹوٹ پڑی اور کچے ہی مُرغ ہڑپ کر گئی۔ مالکہ نے اُسے اپنے پاس رکھا اور اُسے سدھانے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ بولنا سیکھ گئی۔ مشکل سے کپڑے پہننے سیکھے۔ اُسکا ایک شوق اس حالت میں بھی قائم رہا۔ وہ زندہ خرگوش پکڑ کے اپنے تیز ناخن سے اُسکی رگ نوچ ڈالتی اور مُنہ لگا کر اُس کا سارا خون پی جاتی اور اُسکی لاش کو پھینکدیتی۔ ایک مرتبہ ایک سرخ و سفید خاتون نے اُسے کھانے پر مدعو کیا۔ کھانوں کو دیکھ کے اُس نے کہا۔ نہیں مجھے یہ نہیں چاہیئے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ بڑی مشکل سے نوکروں نے اُسے وہاں سے ہٹایا ورنہ وہ اس خاتون کے سُرخ سُرخ رنگ سے اُسکا خون پی جانے پر آمادہ ہو گئی۔ کوئی مرد نزدیک آتا تو وہ اُسے مار ڈالنے کو لپکتی۔ اسی لئے اُسے خانقاہ میں داخل کر دیا گیا۔ وہ ۱۷۸۰ء میں اپنے پکڑے جانے کے ۴۹ برس بعد ۶۱ برس کی عمر میں مر گئی۔ اُس نے سوچ سوچ کے بتایا تھا کہ جنگل میں وہ ایک اور لڑکی کے ساتھ رہتی سہتی تھی۔ غالباً وہ اسکی بہن ہو گی۔ پوتھوں کے لینے پر دونوں میں جھگڑا ہوا جسمیں دوسری زخمی ہو کر مر گئی جسکا اُسے بڑا ہی غم رہا۔

عجیب شادیاں:- جب مئی اور دسمبر میں پیدا ہونے والوں کی باہم شادی ہو جائے تو مئی والا غالب رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شادی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ۶۶ سالہ بڈھے نے اپنی ۲۹ سالہ مئی کی پیدا شدہ بیوی پر طلاق کا دعوےٰ کیا کہ اُس کی بیوی نے اُسے زبردستی اپنے قبضہ میں کیا اُسے شادی کرنے پر مجبور کیا اور شادی کے بعد سے برابر اُسے اُسکے کمرے میں محض اس ترکیب سے قید رکھتی ہے کہ اُس کے کپڑے چھُپا دیتی ہے۔

ایک عورت عمر رسیدہ اور نابینا تھی۔ ایک جوان بڑھئی اُس کے مکان کے پاس کام کرتا تھا۔ لڑکے کو محسوس ہوا کہ عورت اُس پر مہربان ہے اور اُس کے کام میں اُس کی ہمدردی کرتی ہے۔ وہ اُسے کچھ تحفے تحائف بھی دیا کرتی۔ شروع میں وہ کچھ بوکھلایا کیونکہ ایک مرتبہ اُس نے اُسے ایک نقرئی گھڑی دی لیکن بعد میں اُسے یہی خیال رہا کہ وہ اُس کی ہمدرد اور دوست ہے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ نوجوان اپنا کام بڑھانے کا ذکر اُس کے سامنے کر بیٹھا مگر اُس کے پاس روپیہ نہ تھا۔ اسلیئے اُسنے بڑھیا سے کچھ قرض مانگا جو اُسنے اُسے فوراً دیدیا اور کاغذ پر کچھ بھی نہ لکھوایا۔ چند ہفتوں بعد وہ اس سے ملنے گیا اور بولا۔ یہاں تو ترقی کی کچھ اُمید نہیں میں لندن جا رہا ہوں۔ بڑھیا چپ رہی۔ لیکن اُس کے جاتے ہی اُس نے یہ کارروائی کی کہ بڑھئی جوان کو قرضہ کی علت میں گرفتار کرا دیا۔ جب کچھ روز اُسے قیدخانہ میں سڑتے گزر گئے تو وہ اُس سے ملی اور بولی۔ کہ تم کو بڑی لمبی قید بھگتنی ہے مگر میں قرضہ نظر انداز کر دونگی۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ بڑھیا نے کہا۔ بس ایک شرط ہے۔ تم میرے شوہر بن جاؤ۔ میں آسودہ حال ہوں۔ نوجوان نے سوچا کہ لمبی قید سے یہی بہتر ہے کہ طوعاً کرہاً اس مالدار عورت کے شوہر بن جاؤ چنانچہ وہ راضی ہو گیا اور داروغہ جیل نے دونوں کا نکاح کرا دیا۔

بڈ تورڈ (انگلستان) میں ایک خوبصورت نوجوان کی شادی ایک نوجوان لڑکی سے ہونے والی تھی۔ ایک روز وہ اُس کے مکان پر گیا۔ ماں نے لڑکی کو کسی کام سے باہر بھیج رکھا تھا۔ اُس کی غیر حاضری میں ماں سے اُس کی بات چیت ہونے لگی۔ ماں نے بے زری کی حالت میں شادی کی مشکلات کا ذکر کیا اور بولی۔ تمہیں کوئی ایسی عورت ڈھونڈنی چاہیئے تھی جو اچھی رقم ساتھ لاتی۔ لڑکا ایک کائیاں تھا۔ وہ بولا۔ ہے تو بات ٹھیک مگر مجھے ایسی عورت ملی نہیں۔ ماں بولی۔ ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں موجود ہوں۔ میرے پاس تقریباً ۷ ہزار روپیہ ہے۔ اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کی بجائے اُس کی ماں کا اُس نوجوان سے نکاح ہو گیا۔

سب سے عجیب شادی یہ دیکھنے میں آئی اور پولینڈ کے گرجا کے کاغذات سے تصدیق ہوئی کہ ایک ۹۴ سالہ عورت کی شادی ۱۰۵ برس کے ایک بڈھے سے ہوئی۔ چودہ سال شادی کا زمانہ گزرا۔ اس عرصہ میں دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی مگر ان تینوں کے بال سفید، کھال شکن دار اور کمریں جھکی ہوئی تھیں۔ دانت کبھی نکلے ہی نہیں۔ مسوڑھوں میں ایسے گڑھے تھے کہ گویا دانت اُکھڑ گئے ہیں۔ ٹھوس غذا چبانے کی کبھی اُن میں طاقت نہیں آئی۔

پاؤں کا قیافہ:- ایک فرانسیسی جوتوں کے میکر نے دعویٰ کیا ہے کہ پاؤں دیکھ کے اسی طرح عورت کی طبیعت کا اندازہ کر سکتا ہے جس طرح ہاتھ دیکھ کے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر انگوٹھے کے نیچے تلوے میں گانٹھ یعنی گٹا ہو تو عام طور پر سمجھ لو کہ اس کے مزاج میں پستی اور حسد رہے ہے جس کے پاؤں کے انگوٹھے باہر کو رہتے ہوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے کامیابی میسر نہیں اور اس میں خوف و ہراس کا غلبہ رہتا ہے۔ جب کسی عورت کو بیٹھتے وقت دیکھو کہ پاؤں کو ملا کے رکھتی ہے تو تم رائے قائم کر سکتے ہو کہ اُس کی طبیعت میں گھبراہٹ اور دل کی کمزوری کا میلان ہے اور اُسے یہ خیال ستایا کرتا ہے کہ ہر ایک ہر وقت اُسے تک رہا ہے جس کے انگوٹھے اندر کی طرف رہتے ہوں اُس میں شانداری نہیں پائی جاتی۔ کوئی عورت بے تکان اور اطمینان و بھروسہ کے ساتھ پاؤں زمین پر رکھے تو سمجھ لو کہ وہ دُنیا کو اپنی گیند سمجھتی ہے یعنی اُس سے جس طرح چاہے کھیلے اور آدمیوں پر

بھی اُس کا اثر پڑتا ہے۔

جانوروں کی پیش بینی:- اکتوبر سنہ ۲۳ء ختم ہو رہا تھا۔ ٹوکیو (جاپان) میں ایک روز آدھی رات کے وقت کتّوں نے آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا اُٹھا کے رونا اور بُری طرح غرّانا شروع کر دیا۔ وہاں والے اُن کی ہیبت سے گھبرائے اور سمجھ گئے کہ کوئی زبردست مصیبت آنے والی ہے۔ چنانچہ پہلی نومبر کو وہ مصیبت بُری طرح آ نازل ہوئی۔ ایسا خوفناک زلزلہ کبھی نہ آیا تھا۔ زمین ہلی، اُبھری، پیچ و تاب میں آئی، جگہ جگہ اُس نے مُنہ کھولا اور پھر بند کر لیا۔ کروڑوں کی جائداد آنِ واحد میں تباہ ہو گئی۔ ہزاروں آدمی ڈوب گئے، ہزاروں گرتے ہوئے مکانوں میں دب گئے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ایک لاکھ آدمی مر گئے۔ ۵۰ ہزار کا پتہ نہ چلا۔ ڈیڑھ لاکھ مجروح ہوئے۔ آگ بھی لگی اور اس نے مرے پر سو دُرّے کا کام کیا۔

جب دُنیا کے حواس بجا ہوئے اور مصائب اور حالات کا اندازہ کیا گیا تو خیال آیا کہ کتّے کیوں بھونکے اور اُنہیں اس قیامت کی پہلے سے کیسے خبر ہو گئی، حالانکہ سائنس کے ایجاد کئے ہوئے زبردست سے زبردست آلے اس آنے والی مصیبت کی ذرا خبر نہ دے سکے۔

کتّوں کے علاوہ اور جانوروں کو بھی مصیبت آنے سے قبل خبر ہو جاتی ہے۔ بُو باس سے، سمت سے، نظر و سماعت سے، محسن مس سے ان جانوروں کو پہلے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ جانور تو جانور کیڑوں کو بھی پہلے ہی حال معلوم ہو جاتا ہے، جہاز ڈوبنے والا ہوتا ہے یا آگے جا کے طوفان میں مبتلا ہو جانے والا ہوتا ہے۔ اُسکے چوہے وغیرہ پہلے ہی جہاز چھوڑ کے غائب ہو جاتے ہیں۔

ہاتھیوں کی بینائی خراب بتائی جاتی ہے مگر میلوں پرے ہاتھیوں کی موجودگی کا علم ہو جاتا ہے حالانکہ ہوا بھی اُن کی طرف سے جنگل کی جانب چلتی ہے۔ گویا بُو آنے کا بھی سوال جاتا رہتا ہے۔ اگر باؤنوں کی بُو لینے کا ہی معاملہ ہو تو یہ کیا بات ہے کہ اسکیمو (برف کے ملکوں کے باشندے) قوم کے کتّے اُسی جگہ آ کے رُک جاتے ہیں۔ حالانکہ وہاں اس عرصہ میں برف کی کئی فٹ کی تہ جم چکتی ہے۔

گھوڑے برسوں بعد اُس مقام سے گزریں جہاں اُن کا تھان رہا ہو رُک جاتے ہیں۔ خواہ وہ اصطبل یا مکان مسمار ہو چکا ہو اور اُس جگہ کسی اور صورت شکل کا مکان بن گیا ہو۔ شہد کی مکھیاں چھتّے سے میلوں دُور چلی جاتی ہیں۔ پھر اچانک پلٹ کے سیدھی واپس آ جاتی ہیں۔ چھتّہ توڑ کے کوئی لے جائے تو نئی جگہ نہیں جاتیں۔ چھتّے کی پُرانی جگہ پر واپس آیا کرتی ہیں۔ یہ باتیں بُو لینے کے امکان کو دُور کرتی ہیں۔

جس درخت پر بجلی گرنے والی ہوتی ہے اُس پر سے پہلے ہی پرندے اُڑ چکتے ہیں۔ آس پاس کے درختوں پر پرندے بیٹھے ہوں گے۔ بجلی اس سُنسان درخت پر گرے گی اور یہ پرندے بچ جائیں گے۔ ابنائے سونڈا میں کراکاٹوا کا جزیرہ زبردست زلزلوں کے جھٹکوں کے بعد سمندر میں بالکل ڈوب گیا۔ پرندے جانور وغیرہ سب بچ گئے مگر ۳۶ ہزار باشندے جزیرہ کے ساتھ غرق ہو گئے۔ اس قیامت کے آنے سے کئی روز پہلے سے پرندے وہاں سے اُڑنے اور دوسرے جانور سمندر میں کود کے تیر تیر کے دُور جانے شروع ہو گئے تھے۔ اُن کے جانے میں ایک خاص ترتیب تھی۔

کیا یہ سب کچھ چھٹے حواس کی بدولت ہوتا رہا۔ کہتے ہیں یہ چھٹی حواس انسان کو بھی حاصل تھی مگر اب جاتی رہی!

مردانہ بھیس:- ایک موٹر چلتے چلتے ایک ادھیڑ عمر کے مرد سے ٹکرائی۔ وہ گر پڑا۔ موٹر رُک گئی۔ لوگ مدد کو دوڑے۔ دیکھا مرد مر چکا تھا مگر وہ مرد نہ تھا عورت تھی پر مرد کے لباس میں تھی۔ اُس کے کاغذات سے پتہ چلا کہ وہ ایک مشہور عورت تھی۔ وہ بچپن میں ہی اپنے وطن اٹلی سے بھاگ کے ایک جہاز پر خدمتگار لڑکے کے طور پر نوکر ہو گئی۔ جہاز چھوڑ کے وہ ایک جگہ پر آباد ہو گئی، اس نے ایک خوبصورت لڑکے سے پینگیں بڑھانا شروع کیں۔ لوگوں کو اس میں مضائقہ نظر نہ آیا۔ وہ خوبصورت لڑکا تھا اُس سے

آخر شادی ہوگئی۔ اس کے بعد ایک بیوہ سے اُس نے شادی کی اور دُکان کرتی رہی۔ تعجب ہے وہ دونوں چار برس ہنسی خوشی ساتھ رہتی رہیں۔ ایک روز اُن کے مکان کے پاس آگ لگی۔ دونوں اپنے مکان سے چند روز پہلے خدا جانے کہاں غائب ہو چکی تھیں۔ آگ بجھنے پر جھاڑی میں سے ایک جُھلسی ہوئی لاش نکلی۔ اُس کے دانتوں سے لوگوں نے پہچانا کہ وہ بیوہ کی لاش ہے۔ چنانچہ تلاش کرکے اُس مردنما عورت کو پکڑ لیا گیا۔ مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا باب ہوئی مگر عورت ہونے کا بھانڈا پھوٹ جانے پر اُس کی سزا کالے پانی میں بدل دی گئی۔ گیارہ برس بعد اُسے رہا کیا گیا۔ واپس آکے اُس نے پھر ایک چوتھی شادی رچائی۔ بیوہ اُس کے سابقہ کچھنوں سے واقف نہ تھی اسی حالت میں وہ موٹر سے ٹکرا کے مرگئی۔ اس طرح اُسکے مردانہ شوق کا خاتمہ ہوا۔

پھلجھڑیاں:۔ امریکہ میں موت کی سزا پانے والے ملزم کی بیوی دوسری شادی کرسکتی ہے گو شادی کے وقت اس کا سزا یافتہ شوہر پھانسی پر لٹکایا نہ جا چکا ہو۔ اگر اُسے کالے پانی کی سزا ہو جائے تو بھی وہ شادی کرسکتی ہے۔ دونوں حالتوں میں شوہر مردہ تصور کیا جاتا ہے۔

ایک یورپی عدالت میں ایک عورت کا مقدمہ پیش ہو رہا تھا۔ اس نے ایک دستاویز میں جعلسازی کی تھی۔ سرکار کے وکیل نے دھمکی کے انداز میں اُسے ڈرانے کے لئے آگے جھک کے اُسکی طرف کاغذ کیا کہ تم نے اسمیں جعلسازی کی۔ عورت آگے جھکی۔ کاغذ چھین گیند بنا مُنہ میں رکھ لی اور نگل گئی۔ اب استغاثہ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ عدالت اُسے جعلسازی کی سزا تو نہ دے سکی جو یقیناً دس سال قید سخت ہوتی البتہ توہین عدالت کے جرم میں اُسے سات روز کی قید کی سزا ہوگئی۔

ایک آدمی کی کسی حادثہ میں دونوں ٹانگیں جاتی رہیں۔ ایک مرتبہ اُسے حوض میں کسی نے دھکیل دیا وہ ڈر گیا کیونکہ وہ کبھی حوض میں نہایا نہ تھا مگر وہ یہ دیکھ کے حیران رہ گیا کہ وہ ڈوبا نہیں خود بخود تیرتا رہا چنانچہ اُس نے یہ مشغلہ بنا لیا۔ اب اُس نے ایک مقابلہ میں ۴۸ گھنٹے پانی میں رہ کے ۵۴ میل کا فاصلہ طے کیا۔ اُس نے اِس عرصہ میں تین سَو سگار پیئے۔

محمد ظفرؔ

تصحیح:۔ عصمت ماہ مئی سنہ ۱۹۴۰ء کے صفحہ ۴۰۳ پر آئینہ قسمت کے اشتہار کا عنوان "تنزلی کو خطرہ" غلط درج ہوگیا ہے۔ اُس کا صحیح عنوان "عالمِ انسانیت پر" ہے۔ نوٹ فرمالیں۔ (مینجر)

گلدان

میزپوش کے وسط میں
بنائیے۔

سعیدہ بائی ۔ ناگپور
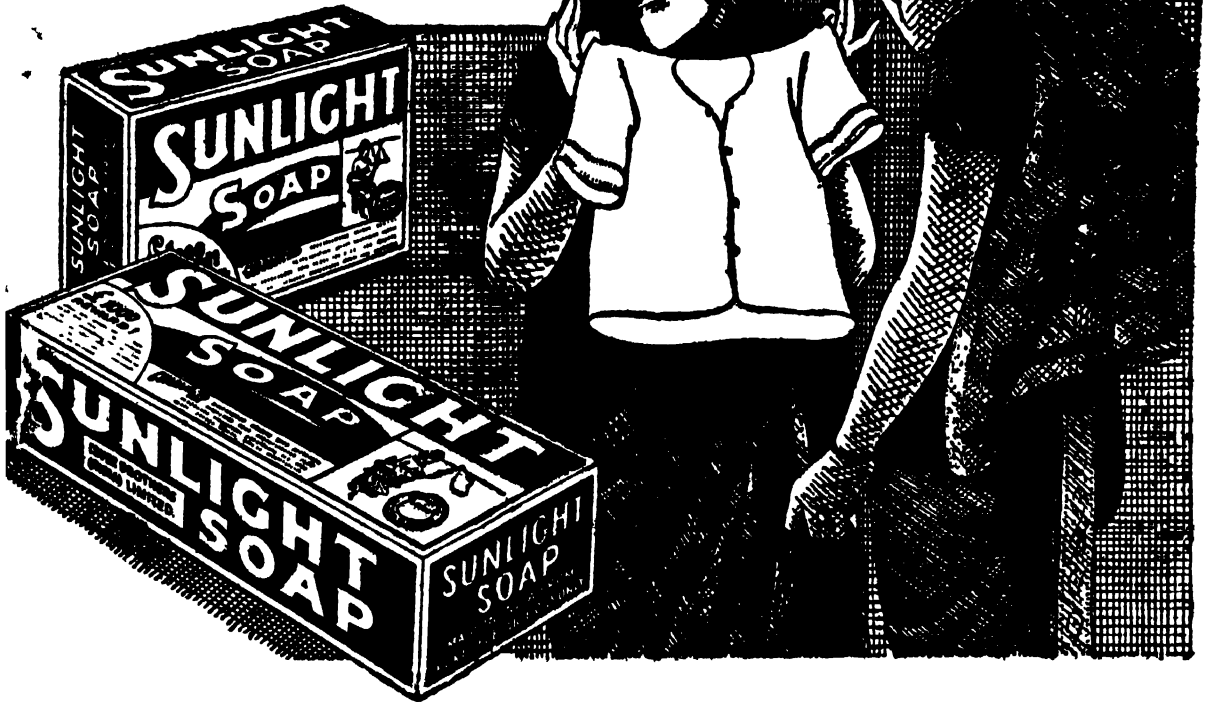
آگے میں سادہ صابون استعمال کرتی تھی اور سمجھتی تھی
کہ اِن سے میرا پیسا بچتا ہے - کیونکہ یہ سستے بکتے ہیں - پھر
ایک دن میں نے ایک سہیلی سے پوچھا کہ "تمہارے سفید
کپڑے جو ایسے اُجلے اور چمک دمک والے ہوتے ہیں،
اس کا کیا سبب ہے؟" اُس نے کہا " میں سنلائیٹ
صابون استعمال کرتی ہوں، جس کا کیثر اور خاص طور پر
صاف کرنے والا پھین کپڑوں کو اِسقدر اُجلا دھوتا ہے
کہ دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے"
تب سے لیکر میں نے اُن ارزاں صابونوں کے استعمال کو ترک
کردیا ہے - جن سے اپنے پیسے بھی ضائع ہوتے ہیں اور کپڑا بھی کچھ اچھا نہیں
دھلتا - اب میں صرف سنلائیٹ کو استعمال کرتی ہوں اور ہمارے کپڑوں کا
اُجلا پن دیکھکر ہر کوئی داد واہ کرتا ہے -

سن لایٹ صابون

یہ صابون صرف خالص نباتی تیلوں سے ہندوستان ہی میں بنتا ہے -

جمپر کا گلا
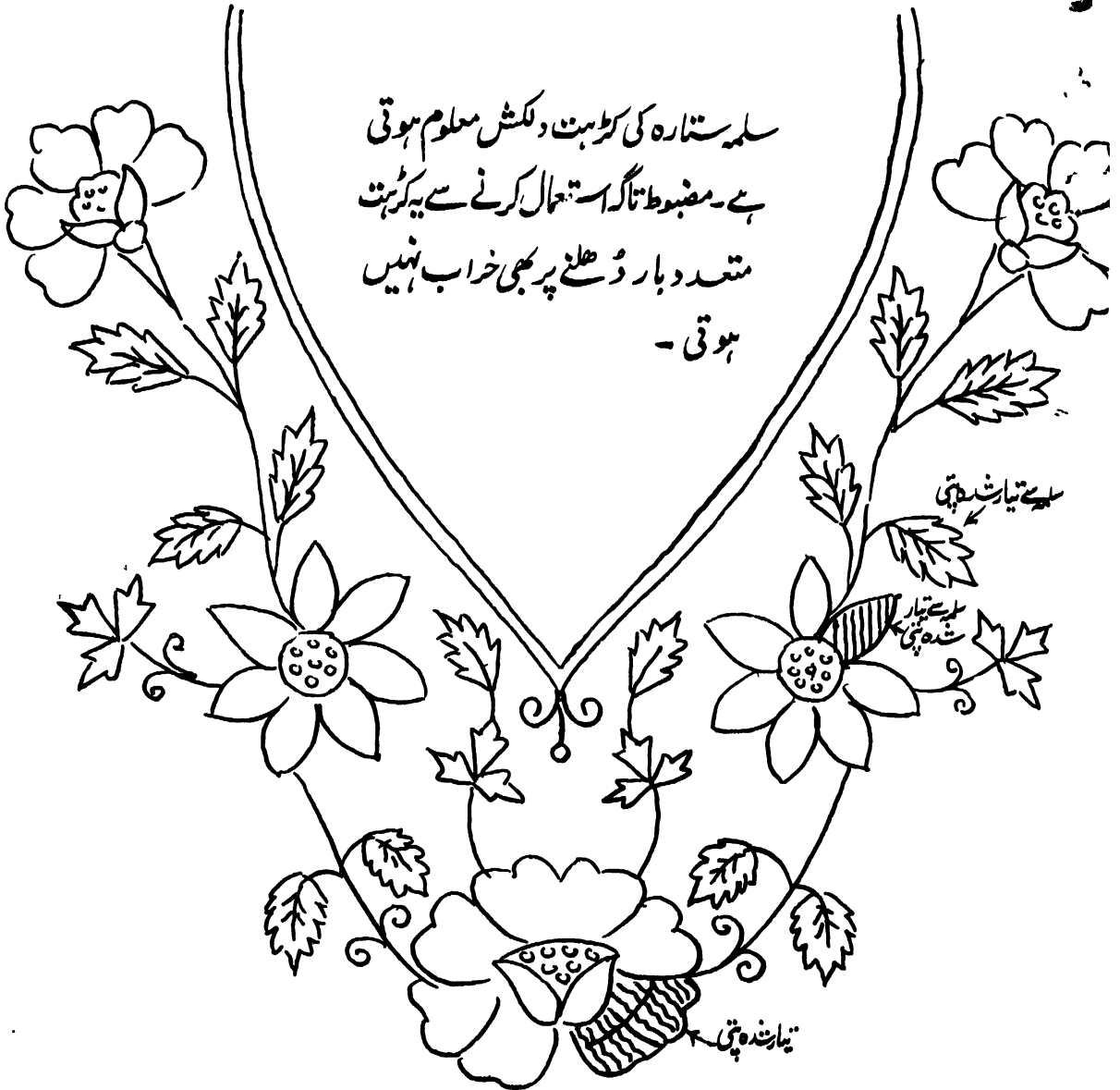
بڑے پھول سنہرے خاردار موٹے سلمہ سے۔ چھوٹے پھول باریک۔ پہلے سلمہ سے پتیاں سنہرے سادے سلمہ سے۔ ڈنڈیاں سنہری کلابتون یا گجائی سے۔ بیچ کے نشان (٥) پر ستارہ ہم رنگ پوتھ سے لگائیے۔ گلا دی نما سنہرے کلابتون سے سنگر مشین سے کاڑھنے کے لئے بھی مناسب ہے۔

عاقلہ بیگم۔ تعلقہ پرکال

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو

ماہ مئی کے رسالہ عصمت میں خریدار ۹۴۷ نے حلق کے اندر بڑھے ہوئے غدود کا علاج بغیر اپریشن کے دریافت کیا ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہر کھانے اور چلنے کے بعد کلی کر کے داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں منہ میں ڈال کر حلق تک زبان کو اچھی طرح صاف کیا کریں پھر نمک اور گرم پانی کے غرغرے کر لیا کریں۔ شروع میں تو انگلیاں حلق تک لے جاتے ہی ابکائی آتے لگتی ہے لیکن آہستہ آہستہ عادت ہو جاتی ہے۔ یہ آزمودہ علاج ہے چھ مہینے یا سال تک یہ علاج باقاعدہ کریں۔ خریدار ۱۷۲۱

خریدار ۹۴۷ بڑھے ہوئے غدود (حلق کے اندر) کے لئے چرائتہ سے غرارہ کریں۔ چرائتہ رات کو اُبال کر رکھیں اور صبح چھان کر ناشتہ سے پہلے غرارہ کریں۔ نیز کھٹائی سے پرہیز کریں۔ مسز عزیز۔ الہ آباد

بہنیں مجھ سے سیاہ تیل کے صحیح ہونے کی بابت دریافت کرتی ہیں میں نے خود استعمال نہیں کیا۔ ہاں دوسروں کے تجربات ہیں۔ اس کے متعلق صحیح طور پر مسز حلیم صاحب صبا بھرتپور بتا سکتی ہیں وہ مہربانی فرما کر آئندہ بزمِ عصمت میں ضرور تحریر فرما دیں۔ مسز حمید لکھنوی

رسالہ "نیرنگ دہلی" کا پرچہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء کا مجھے درکار ہے جسے میں قیمتاً خریدنے کو تیار ہوں۔ براہ کرم کوئی عصمتی بہن یا بھائی توجہ فرمائیں۔ س۔ ج خریدار ۴۲۵۴

بیگم حکیم محمد عزیز خاں اور ڈاکٹر ممتاز حسین صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ میری والدہ کو عرصہ سے کانوں سے بہت کم سنائی دیتا ہے۔ کانوں میں ہر وقت ایک قسم کی گنگناہٹ ہوتی ہے۔ اکثر درد ہوکر کان میں پھنسی ہو جاتی ہے مقامی ڈاکٹر اس کے پھوڑنے کی تدبیر کر دیتے ہیں بعد میں کچھ نہیں۔ کوئی ایسی دوا بذریعہ عصمت بتلائیے جو ہمیشہ کے لئے اس تکلیف سے نجات ملے۔ سردار خریدار ۷۹۵۰

بزمِ عصمت میں کسی بھائی نے اپنی بہن کے جسم پر سفید داغ نکلنے کی شکایت کی ہے۔ نیز اس سے پیشتر ایک بہن نے ہاتھوں کی سیاہی شکایت ظاہر کی تھی۔ ان دونوں سے عرض ہے کہ حکیم محمد عزیز خاں صاحب جاورا سے رجوع کریں۔ وہاں اس قسم کے مرضوں کا علاج بخوبی ہوتا ہے۔ خریدار ۳۷۶۱

کوئی بہن یا بھائی براہ کرم مجھے ذریعہ عصمت مطلع کریں کہ کتاب مطبخ سکندری کس ڈپو سے مل سکتی ہے اور اسکی کیا قیمت ہے۔ خریدار ۹۸۴۶

میری چھوٹی بھاوج کے کچھ بال سر کے سفید ہو گئے ہیں۔ ابھی ان کی عمر صرف ۱۵ سال ہے۔ وہ بال

M
وم
کھانا پکانے کے برتنوں کو تندرستی بخش رکھتا ہے
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

سفید ہوجانے کیوجہ سے بہت غمگین رہتی ہیں۔ کوئی بہن یا بھائی کسی آزمودہ دوا سے جلد از جلد مطلع فرمائیں ۔ میرے پاس پرانے پرچے موجود نہیں ہیں ورنہ میں ان میں تلاش کر لیتی ۔

مریم عائشہ از چنار ۔ خریدار ۳۹۲۳

کوئی عصمتی بہن اگر دو تین قسم کے سوپ بنانے کی ترکیب سے بذریعہ عصمت مطلع کریں تو میں بہت مشکور ہونگی ۔

بازار میں جو اناناس کے مربہ کے ڈبے ملتے ہیں ان کا شیرہ بالکل پانی جیسا ہوتا ہے مگر پھپوند نہیں لگتی ۔ وہ شیرہ کس طرح بنایا جاتا ہے ۔ ضرور کوئی بہن عصمت میں تحریر فرمائیں ۔   خریدار ۲۵۶۲

عصمت کی لاج

جن خواتین وحضرات نے اپنے پرچہ کی توسیع اشاعت میں حصہ لیا اور اپنے عزیزوں سہیلیوں اور دوستوں کو رسالہ کا خریدار بنایا ان کے نام دلی شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں : ۔

محترمہ زنیبونہ خانم صاحبہ ۔ مانتوا — بیگم محمد یونس خان صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خاں
مس آر کے مفتی ۔ علی پور کلکتہ — عبدالخلیل صاحب ۔ کلکتہ
سید نصیرالدین احمد صاحب ۔ پٹنہ — محمد شفیع صاحب ۔ بمبئی
مس حلیم النسا بیگم ۔ ہبلی دھاوار — محمد صفدر صاحب ۔ سہسوا
ایس آر احمد صاحب ۔ مدراس — مسز رضیہ اسلم صاحبہ ۔ ہردوئی
سید ذاکر حسین صاحب شہدی بحرین — ایس ظہور حسین صاحب ۔ لاہور
بیگم حامد علی صاحب ۔ نو اکھالی — بشیر الدین صاحب ۔ ناٹا نگر
مہر النسا بیگم صاحبہ ۔ اعظم گڈھ — بی ایچ صدیقی صاحب ۔ چتور
سید علی محمد صاحب ۔ نرسنگڈھ — حاجی محمد سعید صاحب ۔ دہلی
حسام الدین صاحب ۔ لدھیانہ — محمد امین صاحب ۔ فیروزپور
اللہ دتا صاحب ۔ ترن تارن — قیصر علیخان صاحب ۔ ورنگل دکن
مسز سردار غلام فرید خان صاحب ۔ ملتان — ایس جے بیگم صاحبہ ۔ کھرڑ ۔ انبالہ
بنت غلام محمد صاحب ۔ کانپور — ایم محمد یوسف صاحب ۔ نکوہی
صغرا سلیمان صاحبہ ۔ میدک — آنسہ ابراہیم صاحب ۔ مدراس
حلیمہ یوسف صاحبہ ۔ کلکتہ ۔ ۲ خریدار — صغیرہ بیگم صاحبہ ۔ بمبئی
خیر بھوڑی صاحبہ ۔ گورکھپور — ایس مجتبیٰ حسین صاحب فیض آباد
مسز بشیر سلطانہ صاحبہ ۔ انبالہ چھاؤنی — سید نصیر حسین صاحب ۔ بیدر ۔ دکن
محترمہ سہیل الضیا صاحبہ ۔ جاورہ ۔ — سید کرار حسین صاحب ۔ لکھیم پور کھیری
خجستہ محی الدین صاحبہ ۔ رائے پور — جی نبی صاحب ۔ باٹا نگر
حسین رحیم شیخ صاحب ۔ ناسک روڈ — محمد الیاس خان صاحب ۔ شاہجہانپور
صادق علی شیخ غلام حسین ۔ کراچی — بشیر حسین صاحب ۔ گنگا پور
صغرا فاطمہ صاحبہ ۔ سہارنپور — ایم این رسا لضا صاحب تہاری ۔ پونہ

منیجر

دُوربین

جنگ کی رفتار انگریزوں اور فرانسیسیوں نے جرمنوں کا اس شدومد سے شمالی فرانس میں مقابلہ کیا کہ دشمن کے دانت کھٹے کر کر دیئے۔ کیلے جسے قیصر آخر لڑائی تک فتح نہ کرسکا تھا جرمنوں نے ۴ روز میں فتح کرلیا۔ قلعہ میں ۴ ہزار فوج تھی جس نے جان لڑا دی۔ ڈنکرک بھی ہزاروں جرمنوں کو تہ تیغ کر دینے کے بعد حوالہ کیا گیا اسی جنگ میں شاہ بلجیم نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کی فوج نے بڑی بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کیا اور لاکھوں وطن پر قربان ہوگئے۔ فرانسیسیوں نے اس موقع پر بڑی ہمت دکھائی۔ دشمن کے ہوائی جہاز گولہ باری کر رہے تھے ٹینک جو جرمنی نے اس جنگ میں بھیجے ہیں خشکی کے ڈریڈ ناٹ معلوم ہوتے ہیں۔ کہ گولے اُن پر اثر نہیں کرتے۔ اور ایسی ویسی زمین تو اُن کے بوجھ کو بھی نہیں سنبھال سکتی۔ ایک اسٹیشن ماسٹر نے ایسی خوفناک حالت میں ۳۵ ریل گاڑیاں روانہ کیں اور آخر میں خود روانہ ہوا۔ سارے انجن دشمن کی فوج کے پہنچنے سے پہلے ہوائی گولہ اندازی میں روانہ کر دیئے گئے۔ ایک اور اسٹیشن ماسٹر کی بیوی ایک گولے سے اس کے برابر میں مرگئی۔ مگر وہ اپنی جگہ سے اُس وقت تک نہیں ہلا، جب تک اُس کا فرض پورا نہ ہوگیا جرمنی نے دعویٰ کیا تھا کہ اس شمالی فرانس والی جنگ میں وہاں کی فرانسیسی اور برطانوی فوج کا ایک فرد بشر بھی زندہ نہ جاسکے گا۔ مگر انگریزی جہازوں میں کئی لاکھ سپاہی ساحل انگلستان پر پہنچا دیئے گئے اور جرمنی دیکھتا رہ گیا۔ البتہ برطانیہ کا بہت زیادہ سامان دشمن کے ہاتھ آگیا۔ جرمنی میں اس فتح پر بڑے شادیانے بجے۔ حالانکہ اتحادیوں نے اس کی فوج کا بے حد نقصان کیا۔

لارڈ لوتھیان برطانوی سفیر متعینہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے نیو یارک میں تقریر کی کہ ہٹلر اب تک سات ملک فتح کرچکا ہے۔ آسٹریا۔ زیکوسلاویکیہ۔ پولینڈ۔ ڈنمارک ناروے ہالینڈ اور بلجیم (اور اب فرانس کے شمال مشرق کے معدنی علاقے قبضہ میں لاچکا ہے) گویا ان کی پیداوار اُس کے قبضہ میں آجانے سے اس کی ناکہ بندی بیکار ہوجاتی ہے۔ اور وہ اقتصادی طور سے محفوظ ہوگیا ہے۔ اب اُس کا مقصد برطانوی اور فرانسیسی بیڑوں کو ہتھیا لینے کا ہے۔ ضرورت ہے کہ امریکہ اس موقع پر مدد کرے۔ اس تقریر کا وہاں والوں پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اور وہ ملک ساز و سامان سے اور اخلاقی تائید سے اتحادیوں کے آڑے آرہا ہے۔

اٹلی نے بھی آخر ہٹلر کا ساتھ دیا۔ اور اُس نے اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ اُس نے عدن اور مالٹا پر ہوائی جہازوں سے بم گرائے۔ انگریزوں نے شمالی افریقہ اور اطالوی مشرقی افریقہ پر بار بار بم گرا کر اطالویوں کا بہت نقصان کیا۔ اس اثناء میں پیرس بھی جرمنوں نے فتح کرلیا۔ گو فرانسیسیوں اور انگریزوں نے بڑی پامردی سے جرمنوں کا مقابلہ کیا اور کئی روز مسلسل دن رات مصروف کارزار رہے۔ پیرس کے نکل جانے کے باوجود فرانسیسیوں کی ہمت نہیں ٹوٹی اُنھوں نے آخر دم تک میدان میں جمے رہنے کا عزم کرلیا۔ اس اثناء میں وزارت بدلی اور مارشل پیتان وزیر مقرر ہوا۔ اُس نے جرمنی سے صلح کی شرائط معلوم کرنے کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ ہٹلر نے مسولینی سے اس بارہ میں مشورہ کیا غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ فرانسیسی صدر کو دونوں ملکوں سے علیحدہ علیحدہ درخواست صلح کرنی پڑی۔ دونوں ملکوں نے ایک

ہی قسم کا جواب دیا ہے۔ جس کا مضمون یہی سمجھا جاتا ہے کہ فرانس بالکل ہتھیار رکھ دے۔ صلح کی گفتگو میں جنگ بند
نہیں ہوئی جس کا نتیجہ یہ نظر آ رہا ہے کہ جرمن فرانس کے مقام پر برابر قبضہ کئے چلے جا رہے ہیں۔ فرانسیسی فوج نے غالباً
یہ سمجھ کر کہ صلح ہو گئی ہے کئی جگہ ہلکا ہلکا مقابلہ کیا۔ آخر عارضی صلح ہو گئی۔

ہسپانیہ کے اخبارات کا لہجہ بھی انگلستان کے خلاف ہوتا جا رہا ہے۔ ترکی کی فوجی تیاریاں زوروں پر ہیں۔
مشرقی تھریس کا خطرہ بتایا جاتا ہے۔ ترکی کی فرانس کی حکومت شام سے شام کے مستقبل کے متعلق سرگرمی سے
گفتگو جاری ہے۔ عراق سے بھی وزیروں کی سفارت گئی ہے۔ جس کا مقصد ظاہر نہیں کیا گیا۔

انگلستان پر جرمنوں نے سو ہوائی جہازوں سے حملہ کیا۔ معمولی نقصان ہوا۔ کئی بچے بوڑھے اس سلسلہ میں مر گئے۔
برطانوی جہازوں نے اطالوی مقبوضات میں متعدد جگہ ہوائی جہازوں سے بم گرا کر نقصان پہنچایا۔

تعلیم نسواں

ایک ۶۰ سالہ مسلمان بیرسٹر نے سنہ ۱۹۱۰ء میں ایف۔اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ اس دفعہ اُن کی بیٹی
بی۔اے کے امتحان کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ کہ اُنھیں بھی معلوم ہوتا ہے غیرت آئی۔ اُنھوں نے
بھی امتحان کی تیاری شروع کر دی۔ دونوں باپ بیٹی اس دفعہ پنجاب کے بی۔اے کے امتحان میں بیٹھے اور پاس ہو گئے

علیگڑھ یونیورسٹی کے زنانہ شعبہ نے نہایت اعلیٰ نتیجہ اس سال دکھایا ہے۔ وہاں لڑکیوں کا نتیجہ انٹرنس اور
ایف اے میں سو فیصدی۔ بی میں ۹۱ فیصدی اور بی ٹی میں سو فیصدی رہا بی ٹی میں دو لڑکیاں اول و دوم آئیں۔

مسلمان لڑکیاں کتابی تعلیم کے علاوہ دیگر شعبوں میں بھی دلچسپی لے رہی ہیں۔ چنانچہ شہزادی نیلوفر (حیدرآباد)
نے مسوری میں پھولوں کی نمائش کا افتتاح کیا۔ بہترین پھلواری کے لئے ایک پیالہ تجویز کیا تھا یہ انعام مسز قدوائی کو حاصل ہوا

لاہور کے زنانہ اسلامیہ کالج کا اس سال کا نتیجہ بہت اچھا رہا۔ اُسے قائم ہوئے صرف تین سال ہوئے ہیں۔ نہ تو
اُسے عوام چندہ دیتے ہیں نہ حکومت سے اُسے امداد ملتی ہے۔ اس کے باوجود اس کا نتیجہ اور زنانہ مدرسوں سے بہتر رہا۔
اس کے بی۔اے کا نتیجہ سو فیصدی رہا۔ ایف۔اے کا ساٹھ فیصدی۔ ایف۔اے کا نتیجہ پنجاب کے دیگر کالجوں کے نتائج
کے مقابلہ میں ملاحظہ ہو۔ انجمن حمایت اسلام زنانہ کالج ۱۰ فیصدی۔ اسلامیہ مردانہ کالج، ۴ فیصدی۔ عورتوں کا نجی کالج
۹۳ فیصدی۔ فتح چند زنانہ کالج ۵۵ فیصدی۔ جناح اسلامیہ زنانہ کالج ۶۰ فیصدی۔ اس کالج نے اس سال پندرہ روپیہ
کے پندرہ وظائف دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو ایف اے اور بی۔اے کے پہلے سال میں داخل ہوں اور اس اعزاز کی مستحق ہوں

ملک میں تدابیر امن

اب تک حکومت نے جرمنی کے نشر و اشاعت پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔ حالانکہ جرمنی میں
انگریزی وغیرہ ریڈیو سننے پر موت کی سزا دی جاتی ہے۔ اب لڑائی نے شدت اختیار کر لی ہے اور
افواہیں پھیلتی جا رہی ہیں اور لوگ پریشان ہیں تو حکومت نے عام جگہ پر پروپاگنڈہ سننے کی ممانعت کر دی ہے۔

بازار میں لوگ نوٹ نہیں لیتے تھے۔ اس کا یہاں تک اثر ہوا کہ لوگوں نے نوٹ بھنانے کی چاروں طرف بھاگ دوڑ مچا دی۔
حکومت نے اعلان کیا کہ ہماری مالی حالت بہت مضبوط ہے۔ اس وقت ۲ ½ ارب نوٹ چل رہے ہیں۔ ایک ایک کا کل روپیہ
حکومت دے سکتی ہے۔ ۴۴ کروڑ کا سونا خزانہ میں ہے۔ جو موجودہ نرخ سے ۸۸ کروڑ روپیہ کا ہے۔ ۵۰ کروڑ روپیہ چل رہے
ہیں۔ ایک ارب ۷۰ کروڑ کی ضمانتیں حکومت کے پاس ہیں۔ ایسی حالت میں بنکوں سے روپیہ نکلوانا اور گھر میں رکھنے کے خطرہ میں
پڑنا خلاف دانشمندی ہے۔ جو دوکاندار نوٹ لینے سے انکار کرتے ہیں اُن میں سے کئی کو گرفتار کر کے اُن پر مقدمے چل رہے ہیں۔

سندھ میں ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ جا کر پانچ ہزار روپیہ بنک سے نکلوا کر گھر آ رہا تھا۔ اُسے نوٹ ملے تھے۔ راستہ میں چوروں نے چاقوؤں سے حملہ کیا۔ باپ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پولیس کے آ جانے سے لڑکا اور نوٹ بچ گئے۔

غلط افواہیں پھیلانا جرم قرار دیا گیا ہے اور حکومت نے صاف طور سے دو مرتبہ اس غلط افواہ کی تردید کر دی ہے کہ حکومت انگلستان کی طرح یہاں بھی لوگوں کی دولت یا جائداد پر قبضہ کرنے کے اختیار حاصل کرنے کے متعلق کوئی قانون بنانے والی ہے سچ یہ ہے کہ غلط افواہیں پھیلانا حکومت کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ جگہ جگہ جنگی کمیٹیاں اور حفاظتی دستے سرکاری نگرانی میں بنائے جا رہے ہیں۔ غرضیکہ ہر طرح ملک میں امن قائم رکھنے کی کوشش جاری ہے۔

سکھوں نے اپنی قوم کی عورتوں کے لئے لاہور میں ایک کالج قائم کیا ہے۔ ایک کشادہ عمارت لے لی گئی ہے، اور

تاروں کا جھرمٹ

مس ستونت کنور ایم۔ اے (الہ آباد) کو اس کا پرنسپل مقرر کیا گیا ہے۔

مدراس گورنمنٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ عورتوں کو ٹائپ، مختصر نویسی اور ٹیلیفون کے لئے بطور کلرک ملازم رکھا جائے۔ محکمہ عدالت کے سوا شہر مدراس کے دفتروں سکرٹریٹ وغیرہ میں وہ ملازم رکھی جائیں گی۔ صرف کنواری لڑکیاں اور بے اولاد والی بیوائیں رکھی جائیں گی۔ دوران ملازمت میں کوئی شادی کرے گی تو اُسے علیحدہ کر دیا جائے گا۔

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کی بے تعصبی اور ہر دلعزیزی اس سے ظاہر ہے کہ اس سال ایل ایل بی کے امتحان میں وہاں سے ۳۶ ہندو ایل ایل بی کے پہلے سال میں ۱۸۔ بی اے / بی ایس سی میں ۱۴ ہندو کامیاب ہوئے۔ وہاں سے ۳۰ لڑکیاں بی اے ہوئیں۔ جن میں سے ۶ ہندو اور ۳ عیسائی ہیں۔ باقی مسلمان ہیں۔

سر مائیکل اوڈوائر سابق لفٹنٹ گورنر پنجاب کے قاتل اودھم سنگھ کو لندن کی عدالت نے سزائے موت دی ہے۔

کراچی میں پہلا زنانہ مسلم ہائی اسکول قائم کرنے کے لئے حکومت سندھ نے ایک کمیٹی قائم کی ہے

جاپان چین پر جلد سے جلد قابض ہو جانے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ اُس نے اس کے نئے دارالسلطنت پر زبردست ہوائی جہازوں سے بم برسائے۔ اس نے یورپ کے شریک جنگ ملکوں کو الٹی میٹم دیدیا ہے کہ وہ اپنی فوجیں چین سے ہٹا لیں اور کوئی حکومت اپنی رعایات دوسری کو منتقل نہ کرے۔ اس نے فرانسیسی ہند چینی پر بھی دباؤ ڈالا ہے کہ وہ چین کو اپنے حدود میں سے اسلحہ نہ پہنچنے دے ورنہ اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ فرانس نے اپنی موجودہ حالت کی بنا پر اس کا مطالبہ منظور کر لیا ہے۔

امریکہ دنیا میں سب سے زبردست بحری بیڑہ بنانے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔

ترکی نے جرمنی سے دو کروڑ دس لاکھ ترکی پونڈ کی قیمت کے مال کے تبادلہ کا تجارتی معاہدہ کر لیا ہے۔

روس نے بالٹک کی ریاستوں استھونیا اور لتھونیا وغیرہ کو الٹی میٹم دے کر اپنی فوج جگہ جگہ تعینات کر دی ہے گویا یہ ریاستیں اب ۱۹۱۸ء سے پہلے کی طرح پھر روسی اقتدار میں آ گئیں۔ اس سے روس کے تیور معلوم ہو سکتے ہیں۔

حضور نظام نے اپنی سابقہ امدادوں کے علاوہ نئے جنگی قرضہ میں ۵۰ لاکھ روپیہ بلا سود دیا ہے۔

جو لوگ بنکوں سے روپیہ نکال رہے ہیں عموماً چور اور ڈاکو ان کو بھانپتے رہتے ہیں اور موقع ملنے پر فوراً ان کے مکانوں پر ڈاکہ ڈال کر نہ صرف روپیہ بلکہ زیورات وغیرہ بھی اڑا لے جاتے ہیں۔ فیروزپور میں ایک ڈاکٹر کے مکان سے چور سات ہزار نقد و زیورات چرا لے گئے ڈاکٹر نے یہ روپیہ بنک سے نکال لیا تھا۔ وہاں یہ چوتھا واقعہ ہے۔ ضلع سرگودھا میں چور دس ہزار نقد اور زیورات چرا کر لے گئے۔ ڈاکوؤں نے روپیہ بنک سے نکالتے دیکھ لیا تھا رات کو چار بندوقوں سے مسلح ہو کر اس کے گھر میں گھس گئے۔ اور میاں بیوی کو ستانا شروع کیا کہ جہاں مال دبایا ہوا ہے کھود کر بتائیں۔ مال لے کے اور دونوں میاں بیوی کو زخمی کر کے فرار ہو گئے۔

جن عورتوں کے ہاں اولاد نہیں ہوتی

اب اُن کے ہاں بھی اولاد ہو سکتی ہے

نئے زمانہ کی سائنس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھائے ہیں وہاں یہ بات معلوم کرکے ہماری عصمتی بہنوں کو بھی بے حد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی اس سائنس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے۔ یعنی کسی بہن کی شادی کو عرصہ گزر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہو سکے گی۔

سائنس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "محافظ اولاد" کا گذشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گزر چکے تھے مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی "محافظ اولاد" نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر رہا ہے اور امید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دنیا کو بتا دیا جائے گا اس مقصد کے واسطے محافظ اولاد دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا محافظ اولاد ہدایت کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں) اور اسکے بعد خدا تعالےٰ کی طرف سے مہربانی ہو جاتی ہے اور آئندہ سال ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہوگا۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطبا اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص "محافظ اولاد" دوا کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دواخانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں، لہٰذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیئے کہ وہ

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ نمبر ۳۴ دہلی

کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر دوا "محافظ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیں۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے (۲/۸) ہے اور اس پارسل پر سات آنے (۷/) خرچ ہوں گے۔

منگانیکا پتہ

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ نمبر ۳۴ دہلی

مضمون نگاران عصمت اور اُن کے مضامین

بتیسواں سال - از جولائی سنہ ۱۹۳۹ء تا جون سنہ ۱۹۴۰ء عیسوی

(۱) اڈیٹر
- چندباتیں — جولائی
- اکتیسویں سال کے مضمون نگار — ”
- خاتون اکرم عصمتی انعامات — ”
- علامہ راشد الخیری کی ادبی حیثیتیں — ”
- مضمون نگاران عصمت اور انکے مضامین — ”
- علامہ راشد الخیری کی ادبی حیثیتیں — اگست
- مضمون نگاری — ستمبر
- ناقابل اشاعت مضامین — ”
- چندباتیں — جنوری
- نئی کتابیں — ”
- چندباتیں — فروری
- چندباتیں — مارچ
- چندباتیں — اپریل
- افسر الشعراء بھی رخصت ہوئے — ”
- چندباتیں — جون

(۲) احمد النساء بیگم
- ہماری پڑوسن — مئی

(۳) احمدی بیگم
- چوڑی بیل — اپریل

(۴) آر - بی
- نی کوزی — نومبر

(۵) آر کے درخشاں (بجنور)
- گھیر — جولائی

(۶) افضل النساء (سندھ)
- آبگینہ بلوری — اپریل

(۷) افسر النساء بیگم حافظہ
- اخلاق نبوی (نظم) — ستمبر
- ایجنٹا کے غار — فروری

(۸) انیس فاطمہ
- اسٹینسلنگ میں ٹی کوزی — اکتوبر

(۹) (مس) انیس فاطمہ
- سورج میں آبحیات (ڈراما) — اکتوبر

(۱۰) ام - بی شمیم
- ساڑھی — مارچ

(۱۱) ایس بی طاہرہ (پشاور)
- ابوبکرؓ — جولائی
- زندگی ایک خواب ہے۔ — اگست
- وقت — ستمبر
- عیادت — نومبر
- دھوکا — دسمبر
- کشش — فروری
- جنگ کی آگ — مارچ

(۱۲) آئی این دی۔ اے)
- مصلح (ڈراما) — جولائی
- خزاں کے پتے — اگست
- میرے خواب — ستمبر

(۱۳) ام زہرہ ہاشمی (بدایوں)
- سالگرہ منے کا انتظار (نظم) — جولائی

(۱۴) امت الحفیظ (جالندھر)
- مدغاسکر کا سفر — ستمبر
- مدغاسکر کا سفر — دسمبر
- نیم کے فائدے — مارچ
- لیموں کا استعمال — مئی

(۱۵) آمنہ نازلی (دہلی)
- بیوی ٹوٹے جیب — دسمبر
- جناب صدر صاحبہ — مارچ
- ہمارے اخبارات — مئی

(۱۶) انور جہاں سراج (اورنگ آباد)
- اعتراف حقیقت (نظم) — جولائی
- مقام تعظیم (نظم) — فروری

(۱۷) آنسہ صالحہ محمد
- کراس اسٹیچ میں پلنگ کا گوشہ — دسمبر

(۱۸) اے بی خاتون
- کونہ کٹائی کا — مارچ

(۱۹) اے جے طیبہ (دہلی)
- حکیم عورتوں کی ضرورت — مئی

(۲۰) بلقیس جمال (بریلوی)
- صبح آرزو (نظم) — جولائی
- نئی دولہن (نظم) — جنوری

(۲۱) بشرہ بیگم
- بٹا کونہ — ستمبر

(۲۲) ب۔ن۔ ابراہیم (مدراس)
- مصافحہ — ستمبر
- کان اور اسکی احتیاط — اکتوبر
- کراس اسٹیچ میں آئینہ پوش — فروری
- ملکۂ انگلستان کی مصروفیت — مارچ
- بچوں کی تفریح طبع — مارچ
- ایسٹر — اپریل
- جنگ میں استعمال ہونیوالی گیس۔ — مئی
- حلق میں نوالہ پھنسنا — جون

(۲۳) بنی فاطمہ نقویہ
- واردات (افسانہ) — اگست

(۲۴) بی حسن آرا
- دیہات سدھار — جون

(۲۵) بیگم شاہ محمد احسن
- خواتین بہار کی عمرانی زندگی — نومبر

(۲۶) بیگم نمکین کاظمی
- صبیحہ — مئی

(۲۷) بیگم محمد یامین قریشی (شملہ)
- آج کا جرمنی — جولائی
- مفید باتیں — ستمبر

(۲۸) بیگم محمد مجیب (دہلی)
- عورتوں کی نئی دنیا — مئی

(۲۹) بیگم حکیم محمد عزیز خاں (جاورہ)
- یونانی علاج — ستمبر
- یونانی علاج — نومبر
- فرانس کی آہنی دیوار — نومبر
- بخار سے حفاظت — دسمبر

(۳۰) ج
- وسط ایشیا کی خواتین — دسمبر

(۳۱) جمیلہ بیگم (کلکتہ)
- پالتو شیر کا بچہ — جولائی
- فرانس میں عورتوں کو رائے دینے کا حق — اگست
- معلمہ کی فرصت کے مشاغل (افسانہ) — ستمبر
- ترقی عصمت کے متعلق — ستمبر
- ٹیلی وژن میں ترقی — اکتوبر
- خواب — نومبر
- احتیاط — دسمبر
- عورتوں کی جنگی خدمات — جنوری
- کنڈر گارٹن اسکول میں ہیری اپلی ہبیج — فروری
- انسان کی طاقت جانوروں کے سامنے۔ — ”
- ہٹلر کی سرزمین خطرہ میں۔ — اپریل
- فن لینڈ کی عورتیں — مئی
- جوانی میں بڑھاپا — جون

(۳۲) جمیلہ خاتون
- کراس اسٹیچ کی موٹر — ستمبر

(۳۳) جہاں آرا بیگم
- جانور پالنا — دسمبر

(۳۴) جہاں آرا بانو بیگم نقوی
- ایم۔ اے۔ (حیدرآباد دکن)
- کنزنوں کی بقچی (افسانہ) — جولائی
- شمال کے اُس پرے — جنوری
- سیر و سفر — جون

(۳۵) حبیب النساء بیگم
- انگوری بیل

(۸۱) طیبہ صغرا خاتون

عیادت — اکتوبر

عادت کی طاقت — دسمبر

ملاپ (افسانہ) — مئی

(۸۲) ظفر جہاں بیگم

تقسیم ترکہ و زکوٰۃ — جولائی

(۸۳) ظفر سلطان (آگرہ)

عادات — اپریل

(۸۴) عابدہ خاتون

آم کا اچار

(۸۵) ع - ح -

بھائی کا خط (نظم) — جنوری

(۸۶) عاصمۃ الرحمن

نئی نسل — فروری

(۸۷) عقیلہ بیگم

خاموشیوں کی گود میں — نومبر

(۸۸) غدیر فاطمہ (دہلی)

علامہ مغفور نے عورتوں کیلئے کیا کیا؟ — فروری

سلمہ ستارہ کی بیل — مئی

(۸۹) قدسیہ بیگم

شنائل سے کروشیا — ستمبر

(۹۰) گلشن آرا پروین خیبر

درۂ خیبر کے باشندے — اپریل

(۹۱) ک - ن (کپورتھلہ)

گاجر کی چٹنی — جنوری

دودھ کے دانت — مئی

(۹۲) گوہر اقبال حور (میرٹھ)

نوائے عمل (نظم) — اگست

آہ! اے عورت (نظم) — ستمبر

(۹۳) م بیگم

کشمکش حیات (افسانہ) — جون

(۹۴) مسز ح مسلم (ہزاری باغ)

آزادی (افسانہ) — جولائی

(۹۵) محمودہ بائی

زندگی — نومبر

(۹۶) محمودہ رضویہ

ہار میں جیت — جنوری

؟ — مارچ

تلاش — اپریل

گورغریباں کے سونیوالوں سے - جون

(۹۷) محمودہ مہر بانو

خواتین برار کی عمرانی زندگی — اکتوبر

شاخ پر چڑیا — مئی

(۹۸) ہز ہائینس ہمرٹ مانی بیگم

کروشیا میں مرغ — جون

(۹۹) مسز آر - کے فضلی

(پانی پت)

بام دنیا — جولائی

(۱۰۰) مسز ایس ڈبلیو

طشتری — جون

(۱۰۱) مسز حمید لکھنوی

(نان پارہ)

والدین کا طرز عمل — جون

(۱۰۲) مسز حامد

ایمبرائڈری — مارچ

(۱۰۳) مسز م بشیر

ماں (افسانہ) — نومبر

(۱۰۴) مسز عزیز الدین

بیجاپور کا گول گنبد — جولائی

(۱۰۵) مس موسیٰ

آم کا اچار — ستمبر

(۱۰۶) مسز براس (جاپان)

پائی — جولائی

(۱۰۷) م - ن

بیمار کا کمرہ — جنوری

(۱۰۸) معتصمۃ الرحمن

(حیدرآباد دکن)

کچھ بچوں کے متعلق — اگست

والدین کے متعلق — ستمبر

(۱۰۹) معظمہ گل رضوی

سہیلیاں — دسمبر

اسکول کی زندگی — اپریل

(۱۱۰) میمونہ قدیر

چند عام غلطیاں — نومبر

(۱۱۱) ناصرہ خیری (دہلی)

سادہ زندگی (نظم) — جون

(۱۱۲) نذر سجاد حیدر

تین بہا دہیں (افسانہ) — جولائی

تین بہا دہیں (افسانہ) — اگست

تین بہا دہیں 〃 — ستمبر

تجمہ 〃 — جون

(۱۱۳) نذیر فاطمہ ریحانہ

عورتوں کی حکومت — مارچ

(۱۱۴) ن - س حجاب

شکیلہ (افسانہ) — مارچ

(۱۱۵) نسیمہ سوز

راز — جون

(۱۱۶) نصرت نشاط

چھٹیاں گذارنے کا طریقہ — نومبر

ہمارا ملک کیوں خوشحال نہیں؟ — دسمبر

(۱۱۷) (صاحبزادی) نورجہاں

(لکھنؤ)

عورت (نظم) — اپریل

(۱۱۸) نورجہاں خاتون

مسلمانوں کی مالی حالت — ستمبر

(۱۱۹) و - الف - (آگرہ)

دعا — جولائی

تہذیب — ستمبر

آگرہ میں طوفان باد و باراں — اکتوبر

اس علم سے فائدہ؟ — نومبر

مستورات آگرہ — جنوری

ہمارا ذخیرۂ ادب — مارچ

خانہ داری کی ذمہ داری — اپریل

تدابیر صحت — مئی

(۱۲۰) وحیدہ عزیز

گلدستہ — فروری

کشمیر جنت نظیر — مارچ

(۱۲۱) ہاجرہ بیگم (کانپور)

خواتین یورپ — دسمبر

ب مرد

(۱۲۲) (سید) ابو تمیم فرید آبادی

ہارنے کا سبب — فروری

(۱۲۳) (مولوی) احتشام الدین

(ایم - اے)

جوگن (نظم) — مارچ

اعتراض کا جواب — جون

(۱۲۴) افسر الشعراء آغا شاعر قزلباش (دہلی)

ترجمہ قرآن مجید (منظوم) — جولائی

(۱۲۵) ابو الاعجاز ازل

مکافات عمل (نظم) — اگست

نفس امارہ (نظم) — دسمبر

جواہر پارے (قطعات) — جنوری

اوصاف راشد (نظم) — فروری

انسلی تمنا (نظم) — مئی

(۱۲۶) اختر شیرانی (لاہور)

الحمرا (مرثیہ) — جنوری

(۱۲۷) اقبال احمد

مچھندری — مارچ

(۱۲۸) ام اے نے کے - یوسف زئی -

جہاز (افسانہ) — مئی

(۱۲۹) امام اکبر آبادی

رواداری (افسانہ) — فروری

(۱۳۰) امداد عظیم آبادی

عصمت کی اٹھائیسویں سالگرہ - (نظم) — جولائی

(۱۳۱) بصیر صدیقی ایم اے

نینی تال (نظم) — جولائی

کلی سے (نظم) — جولائی

قوس قزح (نظم) — ستمبر

اطاعت — دسمبر

نوروز (رباعیات) — جنوری

(۱۳۲) (لالہ) تلوک چند محروم

کھلائی کا گیت (نظم) — جولائی

سیرت نبوی کی ایک مثال (نظم) — فروری

(۱۳۳) تقی علی ہاشمی (ناگپور)

رفیق حیات (افسانہ) — جنوری

راکھی (افسانہ) — مئی

(۱۳۴) ثاقب کانپوری

علامہ مغفور کی یاد میں (نظم) — فروری

خاتون مشرق سے — اپریل

(۱۳۵) جوہر

حضرت عمر کی ہمدردی (نظم) — نو[illegible]

تصانیف فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم صاحبہ تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشا پرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر پر سکہ بیٹھ چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے دردو اثر میں ڈوبے ہوئے طرزِ تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا۔ مشہور انگریزی روزنامہ بمبئی کرانیکل کی رائے ہے مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے خیالات و جذبات کو نہایت سادہ مگر پرزور انداز اور مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں علی گڈھ میگزین لکھتا ہے ان کا طرزِ بیان پُر اثر اور دلنشین ہوتا ہے۔ رسالہ نورجہاں نے لکھا تھا مرحومہ چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمند اور وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں انہی پرزور تحریر میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں

گلستانِ خاتون (۱)

محترمہ خاتون اکرم ملک کے بہترین افسانہ نگار مردوں میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستانِ خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے۔ شہیدِ ظلم۔ آرزوؤں پر قربانی۔ انقلابِ زمانہ۔ تربیتِ اولاد۔ طرزِ زندگی۔ پیچ کی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ۔ وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زمانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ پیسہ اخبار لکھتا ہے " یہ وہ دلچسپ افسانے ہیں جن میں کوئی افسانہ خلافِ قیاس نہیں بلکہ عین مشاہدہ اور فطرت کے موافق ہے ان کی دلچسپی خاتمہ کتاب پر خود بخود مائل کرتی ہے " اخبار ریاست کی رائے ہے نہ صرف خواتین بلکہ مردوں کو بھی ان سبق آموز اخلاقی افسانوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے " رہنما لکھتا ہے ہر افسانہ اس قدر دلکش ہے کہ بغیر پورا کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ افسانے ہمارے موجودہ تمدن و معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرنے والے ہیں " ذوالقرنین لکھتا ہے ان افسانوں میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس کا کیرکٹر بیان کیا ہے اسی موقع و حیثیت کے لحاظ سے زبان و لہجہ استعمال کیا گیا ہے۔ ملک کے تمام مشہور اخبار و رسائل نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں کتاب کا دیباچہ مولوی راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب رنگین چھپی ہے اردو میں ایسی خوبصورت کتابیں بہت ہی کم نکلیں گی۔ ٹائٹل خوبصورت عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ مجلد عہ

پیکرِ وفا (۲)

ایک دلاویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ رسالہ ہمایوں کی رائے ہے " یہ ایک کامیاب و مفید افسانہ ہے جس میں عورتوں کے اس احترام کو واضح کیا گیا ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہمیں دی ہے انداز بیان دردانگیز عبارت سادہ و شگفتہ۔ اخبار کشمیری کی رائے پیرایہ بیان دلگداز ہے " اخبار صداقت کی رائے " پلاٹ اور کیرکٹروں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا افسانہ ہے " بارسوم قیمت آٹھ آنے

بچھڑی بیٹی (۳)

ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ جو کئی زنانہ رسالوں میں شائع ہوکر بے انتہا پسند کیا جا چکا ہے۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اس کی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے بیحد دلچسپ قصہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر چھپا ہے قیمت ۶ر

جمالِ ہمنشیں (۴)

جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ

اجل، عالمِ نزع، پھول، رمضان وعدہ وفائی، خدا کی مصلحت، تعزیت نامہ، فانی زندگی، تغیراتِ زندگی، نیرنگیِ زمانہ، عبرت گاہ دنیا، موسم بہار، غم، ساون، عید، زندوں کی زندہ ہستی، کسی کی یاد، ہنسی مذاق، خوشی کا دن وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ دلآویز مضامین ہیں جو عصمت تہذیب، استانی، شباب اردو وغیرہ میں شائع ہوکر ہر دلعزیز ہو چکے ہیں۔ جمالِ ہمنشیں کے متعلق اخبار ہمدرد لکھتا ہے " ان مضامین میں فلسفیانہ بحث کی گئی ہے " انڈین ڈیلی میل کی رائے " ان مضامین کی اردو صاف رواں ہے " رسالہ حرم کی رائے " یہ مضامین بلحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے " رسالہ اردو لکھتا ہے ان مضامین کی عبارت بہت فصیح و دلکش ہے " اخبار وکیل " جمالِ ہمنشیں بلاشبہ نسوانی دنیا کیلئے سبق آموز کتاب ہے " اخبار مدینہ کی رائے " مضامین نہایت بلند پایہ ہیں " روزنامہ انگریزی بمبئی کرانیکل لکھتا ہے " ان مضامین کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے " یہ بھی آرٹ کاغذ پر تیسری بار چھپی ہے قیمت ایک روپیہ

تصانیف محترمہ صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن

مشیرِ نسواں یا زہرہ (۱)

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی بیش بہا اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ و نتیجہ خیز ہے۔ طرزِ بیان بیحد سلیس۔ اکابرینِ قوم نے جسے پڑھ کر حسب ذیل ریویو کئے تھے

علامہ شبلی نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا " کتاب محاسن سے مملو ہے معائب بالکل پاک ہے " اخبار مشیر دکن کے ریویو کا خلاصہ کیا عمدہ مضامین کیا بلحاظ زبان بڑی دلچسپ اور دلآویز کتاب ہے " مخبر دکن کا ریویو " عورتوں کیلئے نہایت دلچسپ اخلاقی ناول ہے " شوکت اسلام کا ریویو " بے نظیر ناول ہے جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق نصائح اور معلومات کے ذخیرے دلچسپ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں "

اخبار تہذیب نسواں کا ریویو " اس قصہ کو مصنفہ نے نہایت دلچسپ اور پرلطف طریقے سے بیان کیا ہے مصنفہ کو اس تصنیف پر تمغہ طلائی دیا گیا تھا بارسوم قیمت ۸ر

سرگذشتِ ہاجرہ (۲)

دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی و اصلاحی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے عورت انہیں کس طرح دور کر سکتی ہے۔ چار سہیلیاں ایک جگہ جمع ہو کر آپ بیتی سناتی ہیں ان میں ہاجرہ کی سرگذشت سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیویاں بگڑے ہوئے گھر کس طرح سنوارتی اور ہاتھ سے نکلے ہوئے شوہروں کو کیونکر اپنا کر لیتی ہیں۔ علامہ سر محمد اقبال کی رائے ہے کہ " سرگذشتِ ہاجرہ مستورات کیلئے نہایت مفید کتاب ہے طرزِ بیان بھی سلیس موثر اور دلکش ہے " بیگم صاحبہ سر عبد القادر صاحب بیرسٹر ایٹ لاء کی رائے ہے " یہ نہایت اچھی اور دلچسپ کتاب ہے اس میں ہر قسم کے نقائص کی بڑی خوبی سے قصے کے پیرایہ میں اصلاح کی ہے " بار دوم قیمت دس آنہ

موہنی (۳)

ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھربار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ یہاں تک کہ ایران پہنچتی ہے اور وہاں عجیب طریقے سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے۔ ایران کی معاشرت، مہمانداری، زچہ خانہ، شادی، بیاہ، رسم و رواج پر بھی مفید معلومات کسی کتاب میں نہ ملیں گی قیمت ۔

تحریر النسا (۴)

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے بیحد طرزِ تحریر و کتابت کی بے نظیر کتاب اخلاقی و معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب مجموعہ جس میں گھر کا انتظام اور مفید بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں یہ کتاب اخلاقی اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی ہے پڑھنے کے بعد نہ صرف انشا کا موضوع پر انہوں نے عمدہ طور سے لکھ سکتی ہیں بلکہ ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے قیمت

معزز خواتین کی لکھی ہوئی نہایت دلچسپ اور مفید کتابیں

محصول ڈاک بذمہ خریدار

کتاب	قیمت
انوری بیگم	عہ
غیرت کی پتلی	۶
چار زرع	۳ر
مولستہ قربانیاں	۵ر
عقل کی باتیں	۵ر
ہنسی کی باتیں	۵ر
تاریخی لطیفے	۵ر
خواتین اندلس	۵ر
خانہ داری کے تجربے	۱۲ر
تندرستی ہزار نعمت	۴ر
شمع خاموش (نظمیں)	۶ر
آئینہ جمال (نظمیں)	۱۲ر
شہیدِ وفا (افسانے)	عہ
نغماتِ مسرت (مضامین)	۶ر
پردہ و تعلیم	۲
بچوں کی تربیت	۲
بچوں کی دنیا	۵
مختصر دنیا	۵
آئینہ ہنر	۴

دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی

سے یہ سب کتابیں شائع ہوئی ہیں

یادگار حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ
The ISMAT. Delhi
عصمت
شریف ہندوستانی بیبیوں کے لئے
پاکیزہ خیالات
علمی۔ ادبی مضامین
اور
مفید معلومات کا ماہوار ذخیرہ
ستمبر ۱۹۳۰ء
ایڈیٹر۔ رازق الخیری

رسالہ عصمت دہلی

تینتسواں ۳۳ سال | بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء عیسوی | جلد ۶۵ نمبر ۳

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ ممالک غیر سے دس شلنگ قسم خاص (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے روساسے پچیس روپے والیان ریاست سے سو روپے ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک اسٹال پر بھی ۵ ر میں ملتا ہے

باہتمام ابو ایمن مولوی محمد امان الرحمان پرنٹر پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

مشرقی دُلہنیں

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

سلمہ بہن! تمہارا حکم ٹالتی تو رہتی کہاں۔ بی نصیبرہ کے ہاں گئی اور سر آنکھوں سے گئی۔ مگر بُرا نہ ماننا شادی کیا ایک بیگار رہتی، کہ گھبرا چپکی کر کرالگ کی۔ اور بیٹی کیا انگنائی کا کوڑا تھا کہ جھاڑو دے دلا نکال باہر کیا۔ منگنی، مائیوں، جوڑا، چڑھاوا، خاک بھی تو کچھ نہ ہوا۔ موئے غریب مفلس بھی تو بیٹی کا مان رکھ لیتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں کے آدمی، اتنے بڑے عزت دار، گاؤں، گویں، جائداد، املاک، اللہ کا دیا سب کچھ اور ایک بات ڈھنگ کی کرنی نصیب نہ ہوئی، جو رسم ہے وہ فضول، اور جو دستور ہے وہ غلط۔ جانتی ہوں کہ تم بھی آخر جنٹ صاحب کی بہن ہو، اُن ہی کی سی کہو گی۔ مگر سلمہ منہ پر آئی نہیں رُکتی، ایسی عقل بھی کس کام کی کہ تمام دنیا میں تھڑی تھڑی ہو جائے۔ اور کان پر جوں نہ چلے۔ اللہ آمین کی بیٹی اور داماد کو جوڑا تک نصیب نہیں۔ بتاؤ تو سہی ناک رہی یا کٹی؟

کیوں بیوی! جب مائیوں معیوب، ساچق گناہ، چوتھی کفر، چالے حرام تھے تو یہ پارٹی کہاں سے جائز ہو گئی۔ جب یہ روپیہ کا اٹھانا ہی فضول خرچی تھی تو یہاں کیوں صرف ہوا۔ یا وہاں روپیہ سونے کا تھا اور یہاں مٹی کا۔ رسموں سے بچنا تھا کہ رقم ضائع نہ ہو تو یہ انگریزی باجے، کل کی گاڑیاں، بجلی کی روشنی، کیا مفت آ گئی تھی۔ کچھ بھی نہ ہوتا تو صبر آ جاتا۔ شکوہ نہ شکایت، بدنامی نہ ذلت مگر اب تو ایک میں کیا دنیا بھر یہی کہے گی کہ کیا اور کرنا نہ جانا روپیہ کے متعلق بحث ہی نہیں میں آپ کہتی ہوں جو بچے وہ اچھا، جو رہے وہ بہتر، مگر اس کا جواب کیا دیتی ہو کہ نہ کیا جو کرنا تھا، اور کیا جو نہ کرنا تھا، انگریزی کا اثر ایسا چڑھا کہ اپنے ذاتی جوہر بھی کھو بیٹھے۔

آخر تم بھی تو غدر میں گیارہ بارہ برس کی تھیں۔ خود دلہن بن چکی ہو، بیسیوں بنائیں، سینکڑوں دیکھیں، ایمان سے کہنا کیا وقت تھا۔ وہ جھکی جھکائی، دبکی دبکائی دلہنیں تو اب دیکھنے ہی میں نہیں آتیں۔ ایک یہ ہیں کیا جدھر دیکھتی ہوں عالم ہی اور ہے۔ ایک وہ دن تھے برسوں بہو کی آواز کان میں نہ آتی تھی۔ ایک آج کا دن ہے کہ ادھر بہو آئی اُدھر کھولو میاں مقنع اور گھر سنبھلوا لینا" عورت کا سب سے بڑا سلیقہ، سب سے اچھا زیور، سب سے بہتر جوہر شرم و حیا ہے بیوی یہی وجہ تھی کہ اگلے لوگ دنوں بہو کا گھونٹ نہیں اُٹھاتے تھے۔ دلہنوں کی بیاہی بھی سکڑی سکڑا ہی ادھر اُدھر ہولے ہولے پھرتی ہوئی اچھی دکھائی دیتی تھی۔ یہ تو معلوم ہوتا تھا کہ اس گھر میں بہو آئی ہے

اب تو الہی توبہ خفاقہ وقاقہ چیرو چائے گھار رو تو پانچ ترانق پڑانق یہ جا وہ جا غضب خدا کا جو تھی کی دلہن دو دن کی بیاہی اور ٹیبھی میاں کے رومال پر نام لکھ رہی ہے۔

کچھ ایسا زمانہ پلٹا کہ وہ بات ہی نہ رہی تعجب تو یہ ہے کہ جن رسموں پر آج چاروں طرف سے لعن طعن اور لے دے ہو رہی ہے۔ اِن میں بعض تو کیچڑ میں دبے ہوئے ہیرے ہیں۔ سلمہ! ہمارے بڑے بیوقوف نہ تھے جو باتیں مقرر کی ہیں ایسی جانچ تول اور کس پرکھ کر کہ جس وقت یہ بالکل نیست و نابود ہو جائیں گی۔ اُس وقت اُن کی قدر معلوم ہو گی۔

آج جبکہ آزادی کی ہوا بھی نہیں جھکڑ چل رہے ہیں' مائیوں بٹھانا ظلم کہا جاتا ہے' مگر میں تو ہانکے پکارے کہتی ہوں کہ جو لڑکی چار دن میں میکے سے نکل کر سسرال جانیوالی ہے' اس کا باپ بھائیوں کے سامنے خوش خوش پھرنا اور جنھوں نے پال پوس کر اس لائق کیا ان کی جُدائی سے تیوری پر بل تک نہ لانا کیسی بُری بات ہے۔ اسی کا نام شرم و حیا ہے۔ کہ اسکے خیالات کا اظہار عام طور پر نہ ہو۔ رنگ نکھرنے اور خون بڑھنے کے لئے غیر معمولی خوراک اُبٹنے اور خوشبوؤں وغیرہ کا استعمال کھلم کھلا کرنا بیحیائی نہیں تو بیحیائی کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں خیالات کے یکسو اور آنیوالے وقت کے تمام نشیب و فراز پر خوب اچھی طرح غور کر لینے اور ہر پہلو پر نظر ڈالنے کا تنہائی سے بہتر کوئی اور ذریعہ ہو سکتا ہو تو تم مجھے بتاؤ۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ دُلہن کو سسرال میں جا کر جھکنے کی خاموش بیٹھنے کی گھٹنے کی عادت پڑ جائے۔

سلمہ! خدا کی قسم بڑی بڑی بڑھنگیوں کے چہروں پر جو سارے سارے دن اور آدھی آدھی رات تک خاک اُڑاتی پھرتی تھیں کچھ ایسا نور برسنے لگتا تھا کہ غیروں کا دیکھ کر دل خوش ہو۔ خوشبو کی یہ کیفیت تھی کہ جدھر سے دلہن نکل گئی گھر بھر مہک گیا۔ اب تو وہ شہاب اور رسوم سب غارت ہو گئے۔ بہت کیا انگریزی شیشی کھولی اور چھڑک لی۔ تمہارے اپنے جہیز کا اگر کوئی پھٹا پھٹایا ادھڑا اُدھڑا کپڑا پڑا ہو تو سونگھ کر دیکھو پچیس تیس برس کے بعد بھی اتنا پتہ دے رہا ہو گا کہ مجھے کسی دُلہن کے زیب تن ہونے کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔

اُن ہی وقتوں کی ایک پلی بڑھائی میں بھی ہوں۔ گو بڑھیا پھونس ہو گئی۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں مگر جاہل ہوں یا بیوقوف یقین جاننا آجتک غیر مرد سے بات کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے' میں مرنے کو تیار' آپ جان مردے سے بدتر مگر خدا گواہ ہے اگر کبھی آنکھ ملا کر بات کی ہو۔ آجکل کی لڑکی بالیوں کو دیکھتی ہوں۔ چولہے میں گیا پردہ بھاڑ میں گیا لحاظ' رستہ میں فقیر ہے تو بلا سے۔ ڈیوڑھی پر نوکر بیٹھا ہے تو بیٹھنے دو۔ سُرک دبکی اُس گھر سے اس گھر اور اس گھر سے اُس گھر۔ رونا بھی آتا ہے ہنسی بھی آتی ہے۔ بی ذینب ماشاء اللہ بوبو تو انگریزی اور فارسی سب میں طاق جلسوں میں سب سے آگے تہذیب میں سب سے اول مگر پہیوں جو ماما بیمار پڑ گئی اور چاول پکانے اُٹھیں تو یہ تک خبر نہیں کہ کیا کر کھانڈ ڈالتے ہیں یا یونہی۔ مُوا سن منہ پانی میں کھانڈ ڈال پتیلی کی پتیلی ہی غارت کی۔

ہماری تو خیر جس طرح گذرنی تھی گذر گئی مگر اس ننھی پود کا کیا ہو گا جن کا دبدبہ ابھی سے ہوائی ہو رہا ہے۔ خدا کی یہ نہیں۔ رسول کی یہ نہیں۔ ماں سے لگاؤ نہ باپ سے تعلق، بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کی محبت، غضب خدا کا ٹانگ برابر کی لڑکی اور گز بھر کی زبان جمیلہ کل ماں سے کہتی کیا ہے کہ گڑیا میری تھی' آپ کو مجھ سے پوچھنے کا کیا حق حاصل ہے کہ کیا کی؟"

نوکروں کی نگرانی

عام طور سے لوگوں کا خیال ہے کہ جن کے یہاں آٹھ دس نوکر ہیں ان سے بھلا کیا کام ہوگا سب کچھ نوکر کرتے ہونگے۔ اور اکثر اوقات خود نوکر رکھنے والیوں کا یہی خیال ہوتا ہے اور وہ سوچتی ہیں جب اتنے نوکر ہیں تو ہمیں ہاتھ ہلانے کی بھی ضرورت نہیں لہذا وہ سارا کام نوکروں کے سپرد کر دیتی ہیں ایسے گھروں میں چاہے کتنے ہی اچھے نوکر ہوں بد انتظامی ضرور ہوگی اور ایک روپیہ کی جگہ چار روپیہ اُٹھیں گے۔
اس زمانے میں بھروسہ کے نوکر مشکل سے ملتے ہیں اور عام طور سے متوسط گھروں میں جو نوکر ہوتے ہیں۔ ان میں تو معمولی عقل بھی نہیں ہوتی۔ لیکن گھر والی بیوی ہیں کہ سب کچھ ان کے ذمہ چھوڑ دیتی ہیں جن خواتین کے ہاں انگریزی طرز معاشرت ہے ان کے نوکر سمجھدار تو کسی قدر ضرور ہوتے ہیں اور دیکھنے میں صاف ستھرے بھی لیکن بے چارے پھر جاہل ہوتے ہیں۔ ان کے کام میں وہ تمیز کہاں سے آسکتی ہے۔ جو گھر والی کی نگرانی سے کئے ہوئے کام میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ لوگ بظاہر صفائی کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن اصلی صفائی ان کے کام سے مفقود ہوتی ہے۔ کھانے کی میز پر صاف ستھرے برتن ضرور ہوتے ہیں لیکن برتن رکھنے کے برتن پونچھنے کے کپڑے ایسے گندے ہوتے ہیں کہ اگر انہیں دیکھ لیا جائے تو کبھی کھانے کو دل نہ چاہے نعمت خانہ جن میں مکھن مٹھائیاں بسکٹ رکھے جاتے ہیں نوکروں کے ہاتھ اُنکی یہ گت بنتی ہے کہ سلیقہ مند بیویوں کے ہاں مرغی کا ڈربہ بھی اس سے صاف ہوگا۔ روٹی کھلی ہوئی اور سوکھی ہوئی بسکٹ جو تشتری میں نکال دیئے گئے تھے ایسے ہی پڑے خراب ہو رہے ہیں۔ حلوہ نعمت خانے کے اوپر رکھا ہوا ہے جس پر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ سالن کی دیگچی الگ کھلی پڑی ہے۔ اس قسم کی غفلت نہ صرف نفیس طبائع کو گراں گذرتی ہے بلکہ صحت کے لئے بھی سخت خطرہ ہے۔ جس زمانہ میں ٹائی فائڈ ہیضہ وغیرہ کا زور ہو اس قسم کی غفلت جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔

انگریزی طرز سے رہنے والی بیویاں باورچی خانے میں قدم اٹھانا اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہیں۔ باورچی خانے کی صفائی پر صحت کا جتنا انحصار ہے اور کسی چیز کی صفائی پر نہیں، باورچی ان گھروں میں جہاں نگرانی نہیں ہوتی اس گندگی سے کام کرتے ہیں۔ کہ مت پوچھئے۔ دیگچیاں شاید ہی کبھی صاف نظر آئیں۔ بس پانی سے کھنگال دینا کافی ہے۔ جس سے نہ چکناہٹ چھوٹے نہ چمک آئے۔ گھی دودھ وغیرہ کی چکناہٹ ایسے غلیظ کپڑوں سے دور کی جاتی ہے جن کو دیکھ کر جی متلائے۔ ہر ایک چیز کھلی پڑی ہے اور مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ باورچی خانے کا

فرش کوئلے کے چورے اور پانی سے کیا ہوتا ہے۔ غرض ان گھروں کے باورچی خانے جن کے ڈرائنگ روم بیگم صاحبہ کی انتہائی نفاست پسندی کا ثبوت دیتے ہیں ایسے میلے ہوتے ہیں کہ انھیں دیکھ لیا جائے تو شاید کبھی اس جگہ کھانا کھانے کو دل نہ چاہے۔

باورچی خانے اور پینٹری کی صفائی اور سجاوٹ سے اتنا ہی گھروالی کے سلیقہ اور نفاست پسندی کا اظہار ہوتا ہے جتنا کہ ڈرائنگ روم اور ڈرائنگ روم کی صفائی اور سجاوٹ سے۔ ولایت میں باورچی خانہ گھر کا حصہ شمار ہوتا ہے ہماری یہاں کی طرح نوکروں کی عملداری نہیں ہوتی۔ عام طور پر تو وہاں نوکر ہوتے ہی نہیں ہیں اور جن کے ہاں ہوتے بھی ہیں وہاں چھٹیوں کے دنوں میں گھروالی خود جاکر پکاتی ہے اس لئے باورچی خانہ ایسا نہیں رکھا جاتا کہ کھڑے ہونے کو دل نہ چاہے۔ انگریزی طرز معاشرت والے ہندوستانیوں کا باورچی خانہ چونکہ اکثر اوقات صرف نوکروں کے ہاتھ میں رہتا ہے اس لئے ایسا گندہ ہوتا ہے کہ وہاں کا پکا ہوا کھانا کھانا اپنی صحت کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔

آج کل کی خانہ داری صرف صبح کے وقت دس منٹ باورچی کو پکانے کی ہدایت دینے تک رہ گئی ہے بلکہ بعض سلیقہ شعار خواتین کے یہاں تو یہ بھی باورچی کی پسند پر منحصر ہے وہ خود روزانہ مختلف کھانے پکا دیتا ہے بیگم صاحبہ کے قدم کبھی باورچی خانہ یا پینٹری تک نہیں جاتے۔ چاہئے تو یہ کہ روزانہ باورچی خانہ کو خود جاکر دیکھا جائے۔ سڑی گلی سبزی ترکاریاں باسی بچے ہوئے سالن مٹھائی وغیرہ اپنے سامنے نکال کر پھینک دی جائیں۔ ان کے جمع ہو کر سڑنے سے بھی جراثیم پیدا ہوتے ہیں تختوں کے کاغذ ہفتہ وار بدلنے چاہئیں۔ ایسی چیزیں جو اکٹھی منگوائی جاتی ہیں ان کو گدام یا الماری یا صندوق میں رکھنا چاہئے اور روز جب ضرورت نکال کر دیدینا چاہئے ضرورت سے دوگنا خرچ ہوگا۔

اسٹور کی چیزیں مثلاً جام، جیلی بسکٹ، ٹیمن کے پھل۔ ساس سرکہ پنیر وغیرہ بھی ماہوار منگوا کر دینی چاہئے اور بار بار دیکھتے رہنا چاہئے کہ کتنا خرچ ہو رہا۔ دودھ مکھن ڈبل روٹی کا اکثر گھروں میں ماہوار بل آتا ہے لیکن روزانہ نوکر جتنا جی چاہتا ہے لے لیتے ہیں۔ اور بیگم صاحبہ کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ گھر کے خرچ کا اندازہ کرکے انکی مقدار مقرر کردینی چاہئے۔ اور جس روز کسی وجہ سے زیادہ ضرورت ہو تو خود آرڈر دیکر لینا چاہئے اکثر گھروں میں یہ باتیں بالکل نوکروں کی مرضی پر منحصر ہوتی ہیں۔

ہشیار اور تمیزدار نوکر پر اعتبار ضرور کرنا چاہئے اور ان کو چند کاموں کا ذمہ دار بنانا عقلمندی ہے۔ ہر وقت ذرا ذرا سی بات پر تنبیہ سے نوکر بددل ہو جاتے ہیں اور بے پروائی سے کام کرنے لگتے ہیں کہ جب ہم پر اعتبار ہی نہیں تو ہم کیوں تن دہی سے کام کریں۔ اگرچہ اچھے نوکر بڑی مشکل سے ملتے ہیں لیکن پھر بھی

رواداری اور مہربانی کا برتاؤ آجکل کے نوکروں میں بھی کسی حد تک تمیز پیدا کر دیتا ہے۔ مگر ان کو سیاہ و سفید کا مالک بنا دینے سے وہ اچھا کام نہیں کام کرتے بلکہ باضابطہ نرمی سے ان سے کام لیا جائے تو کام اچھا کرتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ غیر منتظم مالکہ کا کام نوکر زیادہ اچھی طرح نہیں کرتے اگرچہ اس کے غیر منتظمی سے انہیں فائدہ ہوتا ہے لیکن وہ اس کے لئے اس کے ممنون نہیں ہوتے بلکہ منتظم مالکہ جب ان سے مہربانی کا برتاؤ کرتی ہے تو زیادہ احسان مند ہوتے ہیں۔

اتنی جزرسی خلاف شان اور غیر ضروری ہے جیسی کہ میں نے بعض گھروں کے متعلق سنی ہے کہ چاول اور شکر روزانہ چمچہ سے گن گن کر دی جائے اسی طرح اور پیاز اور لہسن کی پوتھیاں بھی۔ یہ کفایت شعاری نہیں کنجوسی ہے جہاں واقعی اس کی ضرورت ہو کہ ایک پیسہ بھی زیادہ نہ اُٹھے تو گھر کی بیگم ایسا انتظام رکھنے میں حق بجانب ہے لیکن جہاں خدا کے فضل سے فراغت ہے وہاں اتنی جزرسی کی ضرورت نہیں ہفتہ وار بلکہ ماہوار خرچ کا اندازہ لگا کر اس میں ایک آدھ مہمان کے وقت بے وقت آ جانے کی گنجائش رکھ کر اتنا سامان باورچی اور خدمتگار کے سپرد کر کے اس کو اس کا ذمہ دار بنا دینا چاہیئے اور چابی دیدینی چاہیے تاکہ کوئی اور چیز خرچ نہ کر سکے ورنہ یہ ہوگا کہ مہمان بیویاں آپ کے پاس بیٹھی ہیں اور نوکر آپ سے شربت کی بوتل یا چائے کی پتیاں منگانے کے لئے کنجی مانگ رہا ہے۔ سب سے زیادہ نگرانی ان نوکروں کی کرنی چاہیئے جو بچوں پر ہوتے ہیں۔ بچہ کا دودھ یا کھانا کبھی آیا یا نرس کے ذمہ نہ چھوڑیں۔ جنھیں انگریز نرس رکھنے کا مقدور ہے وہ ان کی انگریزیت سے ایسی مرعوب ہو جاتی ہیں کہ انھیں کبھی یہ پوچھنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی کہ بھئی تم ہمارے بچہ کو کیا کھلا رہی ہو جو بچہ ماں کا دودھ نہ پیتا ہو اس کے لئے سنترے وغیرہ کا عرق اور کاڈلیور آئیل یا کسی اور صورت سے وٹامن اے اور ڈی کے دینے کی ضرورت ہے نرسیں اور آیائیں اس بارے میں جان چرا جاتی ہیں۔ اس لئے خود دیکھ اگر انگریز نرس ہے تب بھی برابر دیکھتے رہنا چاہیئے۔ بچے کو یہ چیزیں جن پر اس کی نشوونما کا انحصار ہے باقاعدہ مل رہی ہیں یا نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ نرس نے بجائے اس کے تازہ عرق سنتروں سے نکال کر دے۔ آرنج سکائش بوتل سے نکال کر دیدیا۔ جو کہ وٹامن کے لحاظ سے کوئی درجہ نہیں رکھتا۔ کاڈلیور آئیل وغیرہ بھی وقت مقررہ پر دینے سے نرسیں اکثر غفلت کرتی ہیں اور نگرانی کی ضرورت ہے۔ بچے کی اور اس کے بستر کی صفائی بھی بغیر نگرانی کبھی اطمینان بخش نہیں ہوتی۔ معمولی سی باتیں مثلاً بچہ کے بستر پر آئیل کلاتھ بچھانا تک بھی اگر نگرانی نہ کرو تو نہیں ہوتیں۔ بچوں کے لباس کے متعلق میں نے دیکھا ہے کہ نرسیں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک تو وہ ہوتی ہیں کہ بچہ کے پاس درجنوں کپڑے ہیں لیکن نہایت پرانے پھٹے کپڑوں میں مارے کفایت شعاری کے رکھیں گی۔ دوسری وہ ہوتی ہیں کہ دن بھر میں جتنے کپڑے ہیں بچہ کو سب ہی پہنا کر میلا کر دیں گی۔ اور کہیں لے جانے کے (باقی صفحہ ۲۲۴ پر)

قانونِ تنسیخ عقد نکاح مسلمات

چند شکوک کا ازالہ

مسلمہ خواتین کے قانون تنسیخ عقد نکاح کے نفاذ سے پہلے خیال یہ تھا کہ تمام وہ مصیبت زدہ بہنیں جو اپنے ظالم شوہروں کے استبداد سے زبون زندگی بسر کر رہی تھیں قانون کے رائج ہوتے ہی عدالتی چارہ جوئی شروع کر دیں گی اور ہر ہر ضلع کی عدالتوں میں بے شمار دعوے تنسیخ عقد نکاح کے دائر ہو جائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ قانون مذکور ایکٹ ۸ ۱۹۳۹ء کی صورت میں مجلس مرکزیہ واضع قانون سے پاس بھی ہوا اور ہز ایکسلینسی گورنر جنرل بہادر ہند کی منظوری کا شرف حاصل کر کے تمام برٹش انڈیا کے طول و عرض میں نافذ بھی ہو چکا ہے مگر اب تک عدالتوں میں تنسیخ عقد نکاح کے جو دعوے دائر ہو کر فیصل ہوئے اُن کی تعداد بہت قلیل اور مایوس کن ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان شریف بیبیاں اپنی دکھ بھری داستان سر عدالت بیان کرنے میں ہچکچاتی ہیں۔ ان میں ہنوز حیا شرم باقی ہے وہ موت کو رسوائی پر ترجیح دیتی ہیں اور اُن سے باوجود ان کی ناقابل برداشت مصیبتوں کے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ حاکم وقت کی عدالت کے سامنے جو محض انصاف کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس شرمناک داستانِ غم کو بیان کریں جس کا سننے والا صرف ان کا رفیق زندگی تھا اور وہ بھی گھر کی چار دیواری کے اندر

قانون خلع یا طلاق

خیر یہ تو ایک دلدوز کہانی تھی اب مطلب کی بات سنئے۔ بعض بہنوں بلکہ اکثر مسلمانوں میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ یہ قانون خلع ہے۔ عُرفاً خواہ آپ اس کو قانون خلع کہہ لیں کیونکہ اس کی رو سے دعویٰ زوجہ کی طرف سے ہوتا ہے اور خلع میں بھی طلاق کی تحریک زوجہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیکن حقیقتہً یہ خلع کا قانون نہیں ہے۔ ایکٹ ہذا موسومہ بہ ایکٹ ۸ ۱۹۳۹ء کی دفعہ ۵ ملاحظہ ہو۔

دفعہ ۵ ”ایکٹ ہذا کی کوئی بات مسلم عورتوں کے دین مہر کے حقوق پر کوئی اثر نہ رکھے گی جو ان کو بموجب شرع محمدی فسخ نکاح پر حاصل ہے“

دفعہ ہذا کی تعبیر صاف ہے اور بتلاتی ہے کہ تنسیخ عقد نکاح کا دعویٰ دائر کرنے سے مہر کا حق فوت نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ طلاق کی ڈگری کے بعد بھی باقی رہتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مہر اور طلاق کی دادرسی ایک ہی دعوے میں مانگی جائے اگر ایسا کیا جائے گا تو دعویٰ کو اور تقویت ہو جائے گی۔ مگر اس کے لئے مدعیہ کو اپنا مطالبہ مہر کم کر کے اس کو منصف کی عدالت کے اختیار سماعت کے اندر لانا پڑے گا۔ مثلاً منصف کے اختیارات دو ہزار روپیہ تک مالیت کے دعوی کا اختیار سماعت حاصل ہے۔ ایسی صورت میں مطالبہ مہر کا بتعین ایک ہزار کیا جاوے اور تنسیخ عقد نکاح کی دادرسی کی مالیت پانچسو روپیہ قرار دی جائے تو دعوی کی مجموعی مالیت ہزار پانچسو ہو جاویگی۔ مگر کورٹ فیس دادرسی اول پر ایک ہزار کا لگے گا اور تنسیخ عقد نکاح کی دادرسی پر ۵ کا لگے۔

تنسیخ عقد نکاح کے دعوی میں مہر کے مطالبہ کا شمول ان مسلم عورتوں کے لئے زیادہ مفید ہے جو بسبب نادار

ہونے کے کورٹ فیس نہیں ادا کر سکتی ہیں

ہمارے ملک میں بہت سی ایسی بہنیں موجود ہیں جو بسبب افلاس دعویٰ دائر کرنے سے قاصر ہیں ان کے لئے بہترین صورت یہ ہے کہ وہ مفلسی میں دعویٰ دائر کریں مسلمان وکلا کا فرض ہے کہ وہ ایسی نادار و مجبور بہنوں کی مدد کریں۔ اور پیروی مقدمہ کر کے انکی گلو خلاصی کرائیں۔

میں نے ایک تجویز عرصہ ہوا پیش کی تھی کہ ادارہ عصمت ایک طلاق فنڈ قائم کرے اور اپنے صفحات میں اس امر کا اعلان کر دے کہ وہ بہنیں جو مصیبت کی زندگی کاٹ رہی ہیں وہ اپنی درخواست بنام سکریٹری فنڈ روانہ کریں۔ اپنے تمام سچے حالات بھی بھیجدیں۔ ادارہ مذکور جس ضلع کا مقدمہ ہوگا اُس کے ضلع کے مسلمان وکلا سے اس معاملہ کو رجوع کرے گا اور اس کی پیروی کسی کے سپرد کر دے گا۔ اگر اس قسم کا کوئی فنڈ قائم کر دیا جاوے اور اس کا معقول انتظام ہو تو مجھے یقین ہے کہ ہر ضلع کے مسلمان وکلاء اپنی خدمات پیش کرنا شروع کر دینگے ایسے وکلا کی ایک فہرست دفتر میں رکھی جاوے اور جب کوئی مقدمہ آوے تو اس کا غذات اور خرچہ وکیل صاحب کو بھیجدیئے جاویں۔ اس میں نہ کوئی طول عمل ہے نہ دشواری ہاں دفتر کی دیکھ بھال اور انتظام کی ضرورت ضرور ہے۔ کاش حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت زندہ ہوتے تو یہ اسکیم نہایت خوش اسلوبی سے کامیاب ہو سکتی تھی مسلم خواتین کی جو گراں بہا خدمات حضرت مولانا نے انجام دیں وہ آج تک کسی مسلم لیڈر سے ممکن نہ ہو سکیں۔ بہرکیف ہم کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔ مولانا اپنے دو لائق اور قابل افتخار جانشین چھوڑ رہے ہیں وہ اس خدمت کو بحسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں۔

شہنشاہ حسین رضوی ایم اے ال ال بی

صفحہ ۲۲۲ کا بقیہ) وقت بچے کے پاس کوئی اچھا جوڑا نہیں نکلے گا۔ بچہ کی ماؤں کو اس طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور یہاں بھی اعتدال سے کام لینا چاہیے یعنی نہ تو یہ کہ صبح شام کے بدلنے کے کپڑے نکال نکال کر دیئے جائیں اور نہ یہ کہ اس کے کپڑے آیا کے حوالے کر کے الٹ کر نہ پوچھا جائے۔ کپڑے فہرست بنا کر نرس یا آیا کے سپرد کر دی جائے اور کہہ دینا چاہیے کہ تین مہینہ تک ان کو چلانا ہوگا۔ اس عرصہ میں وقتاً فوقتاً گن لینا چاہیے جو چھوٹے ہوتے جائیں یا پھٹتے جائیں انہیں علیحدہ کر دیا جائے اور ان کے بدلے بنا دینے چاہئیں۔ گرمیوں میں جاڑوں کے کپڑے اور جاڑوں میں گرمیوں کے کپڑے الگ اُٹھا کر رکھ دینے چاہئیں۔ جو کپڑے کہیں آنے جانے کے لئے ہیں۔ اُنکو بھی الگ رکھنا چاہیے۔ ان کی تعداد بچوں کے لئے بہت ہی کم ہونی چاہیے۔

تمام ماہوار بلوں کو اچھی طرح دیکھنا چاہیے نہ صرف چھوٹے دوکانداروں کے بلوں کو بلکہ انگریزی اسٹور کے بلوں کو بھی کیونکہ اکثر غلطی کا احتمال ہوتا ہے بعض دفعہ ایک چیز منگوا کر واپس کر دی جاتی ہے اور وہ پھر بل میں لگا دی جاتی ہے بعض دفعہ سائز میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ گھر کی بیوی کا فرض ہے کہ وہ ہر چیز کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے معلوم نہیں یہ غلط خیال کیوں جاگزین ہو گیا کہ تعلیم یافتہ خواتین سے خانہ داری کی توقع فضول ہے۔ اس خیال کے ماتحت تعلیم کے زمانے میں لڑکیاں خانہ داری سے قطعی نابلد رکھی جاتی ہیں اور آئندہ چل کر بے انتہا تکلیف اٹھاتی ہیں خود مجھے جن دقتوں کا سامنا ہوا ہے وہ ایک طویل مضمون ہو سکتا ہے جو عصمتی بہنوں کی تفریح کے لئے کبھی آئندہ پیش کروں گی۔

شائستہ اختر سہروردی

پردۂ جہل

عموماً سماجی تعصبات اور خاندانی روایات کی چٹانیں دماغوں میں اتنی سخت اور مضبوط جاگزیں ہو جاتی ہیں کہ تعلیم و تربیت اور تاثیر صحبت بھی انھیں اپنی جگہ سے جلد کھسکا نہیں سکتی۔ عبدالصمد اول درجہ کے انگلش آنرز کے ساتھ گریجویٹ تھا اور وہ بھی مشن کالج کا جہاں لڑکے اور لڑکیاں سب ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر بھی وہ اعلیٰ تعلیم نسواں کا شدید مخالف تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم کو لڑکیوں کے لئے "اخلاق کش" اور "عصمت سوز" کہا کرتا۔ ہمیشہ گفتگو، مباحثہ، مذاکرہ اور مقالات میں شدومد کے ساتھ آزادیِ نسواں کی مخالفت کیا کرتا۔ زنانہ مدرسوں اور کالجوں کے افسوسناک اتفاقات و حوادث پر متجسس نظر رکھتا، تقریروں اور تحریروں میں طعن و طنز کی زہریلی برچھیوں سے ایسی بے رحمانہ ضربیں لگاتا کہ حریف ایک دم کے لئے نہتا ہو جاتا اور دل مسوس کر رہ جاتا۔

دہر میں چلتی رہی کیا کیا ہوائے انقلاب　　　آسماں بدلا، زمین بدلی، نہ بدلی خوئے دوست

(شاد)

مگر زمانہ کی رَو کہئے یا قسمت کے تھپیڑے اس کی شادی کی جو لاتعداد نسبتیں آرہی تھیں ان میں قرعۂ فال، اسی لڑکی کے نام پڑا جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ بس چلتا تو وہ اسے فوراً رد کر دیتا، مگر اسے یقین تھا کہ اس کا ضدی بات کا دھنی باپ اس کی نافرمانی کی تاب نہیں لا سکتا۔ اپنے اصول کی خاطر وہ محروم الارث ہونے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ کچھ دنوں اس کے اصول اور فرض فرزندی یا مجبوری کے درمیان سخت کشمکش رہی۔ تعلیم سے قطع نظر، لڑکی کے غیر معمولی حسن و جمال، سلیقہ و ہنر، شرم و حیا اور پاکبازی کی شہرت، دولت و ثروت اور خاندانی اعزاز و اقتدار نے اس کی زبان بند کر دی۔ آخر وقت کی ٹھوس مصلحتیں اس کے ذہنی و مثالی اصولوں پر غالب آئیں۔ بات پختہ ہو گئی۔ عبدالصمد کی چشم تصور میں، اٹھتے بیٹھتے ایسی دلہن چلتی پھرتی نظر آنے لگی۔ جو لب و رخسار اور ناخنوں کی رنگ آمیزی، یورپی عطریات کی مشک افشانی، ترچھی مانگ، پف والے بالوں کی آرائش کے لئے مسّی پان سُرمہ افشاں، چاند بکلی، پتے بالیوں، جھومک، جھومر، مانگ ٹیکے سے معرّا۔ اونچی ایڑیوں کے ٹائی شو پہنے، ساڑی کا الٹا بنگالی یا پارسی آنچل ڈالے یا سر کھولے، سینہ تانے، منہ اٹھائے، کھٹ پٹ کرتی بدیا کا نہ کلب جاتی اور جلسوں میں حقوق نسواں، زنانہ حفاظتی دستوں (والنٹیر کور) مخلوط تعلیم اطفال و بنات، زنانہ شفا خانوں کی ضرورت پر دھواں دھار تقریروں کے بگتے اڑاتی، کلب اور سینما سے آدھی آدھی رات کو گھر لوٹتی۔ گھر میں اس کی میز اخبار و رسائل، عریاں افسانوں اور انقلابی نظموں سے آراستہ۔ اس کی ڈاک زیادہ تر مرد دوستوں کے خطوط کی حامل، خطوط، مراسلات، کتب بینی سے اسے فرصت نہیں۔ خانہ داری کی طرف توجہ کرنے یا سسرال کے جاہل اعزا سے ملنے ملانے کا اس کے پاس وقت نہیں۔ اس خیال سے وہ جھرجھری لیتا اور ایک لمبی ٹھنڈی سانس کھینچ لیتا۔

شادی ہوئی۔ دلہن پر نگاہ ڈالی۔ دیکھا، پھر غور سے دیکھا۔ ارے ہاجرہ بیگم تو بڑی سیدھی سادی بھولی بھالی

شریف زادی معلوم ہوتی ہے۔ سارے بناؤ سنگار دیسی خاندانی، ڈوپٹہ کا آنچل ناک کیا تھوڑی تک لٹکتا ہوا، بڑی نتھ جھولتی ہوئی، مِسّی، پان، سُرمہ، سیندور، افشاں، جھومر، پتے، بالیاں، سولہوں سنگار سے درست سُندر صورت موہنی مورت، شہانہ رات ہی بن ہیں۔ چوتھی میں اور پھر ہفتوں کے بعد بھی اس کا لباس وہی رہا جو شریف بیویوں کی وضع ہے۔ سینما اور کلب درکنار، وہ گھر سے تنہا کہیں نہیں نکلتی اگر کہیں جاتی تو ساس نند کے ساتھ۔

وہ عبدالصمد کی افتاد طبیعت سے جلد آشنا ہوگئی۔ اسے خوش رکھنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑتی گھر کے سخت سے سخت کاموں میں پلی رہتی۔ پھر بھی عبدالصمد کچھ کھنچا کھنچا ہی نظر آتا۔ چور دل سے نہ نکلتا یہ ہر وقت کان میں کہتا "آجکل کی تعلیم یافتہ لڑکیاں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ ان کی تہ کو پہنچنا آسان نہیں۔ آہستہ آہستہ اصلی رنگ کھلے گا"

اسی طرح دنوں سے ہفتے۔ ہفتوں سے مہینے گذرے۔ ہاجرہ سسرال میں ہر دل عزیز اور بظاہر شوہر کی مشکوک نگاہوں کی نکتہ چینیوں سے آزاد ہوگئی۔ عبدالصمد آخر نوجوان مرد تھا اور حسین وجمیل دولہن کا دولہا۔ تعلیم نسواں کے اثر کے متعلق اپنے اعتقاد میں نرم ہو چلا تھا۔

ایک دن ڈاکئے نے ہاجرہ کے نام ایک چٹھی دی اور عبدالصمد نے باہر ہی لے لی تعلیم و شرافت کہتی تھی کہ پرایا خط نہ کھولو مگر بدگمانی کے ابلیس نے زور مارا کہ دیکھو کس نے لکھا ہے کیا لکھا ہے؟

شیطان غالب آیا۔ خط کھولا، مضمون پڑھا۔

.... ——— شاد و بامراد ہو۔

جب سے تم یہاں سے رخصت ہوئی ہو تم نے ایک خط سے بھی مجھے یاد نہ کیا۔ تمہاری جدائی نے میری زندگی یک بیک تاریک بنا دی۔ اس پر تمہاری مستقل خاموشی نے مسرت کی روشنی کی چند کرنوں سے بھی محروم کر رکھا ہے۔ کیا تمہارے سارے وعدے اور قول و قرار منہ دیکھے کی محبت تھی؟ وہاں کی دلچسپیوں میں تم نے مجھے دل سے بھلا دیا؟ آخر اس صریح ظلم کا تمہارے پاس کیا عذر ہے؟

تم نے یقین دلایا تھا کہ کوئی میرا خط نہ پڑھے گا پھر بھی مجھے اطمینان نہیں۔ تم اس خط کے بلا مزحمت پہنچنے کی رسید دو گی تو مفصل خط لکھوں گا۔

تمہارا

اختر

عبدالصمد کو اپنے شک و گمان کی تصدیق ہوگئی۔ اس نے ہاجرہ کو میکے بھیج دینے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر کوئی بہانہ نہ ملتا تھا۔ میکے کی آمد و رفت کا معاملہ ماں کے ہاتھ میں تھا۔ عبدالصمد کو خلجان سے جنون ہونے لگا۔ وہ کسی سے باتیں نہ کرتا۔ زندگی کے کسی مشغلہ میں اسے دلچسپی نہ رہی۔ ہاجرہ خاموشی سے یہ سارے چڑھاؤ اُتار دیکھتی آئی تھی مگر یہ قطعی کایا پلٹ ناقابل برداشت تھی۔ ایک دو بار اس نے شوہر سے سبب دریافت کیا مگر اس نے ٹال ٹال دیا۔ آخر ایک رات ہاجرہ نے فیصلہ کر لیا کہ اس معمے کو حل کر کے رہے۔ اس ارادے سے شوہر کے پاس آئی تو اس نے منہ پھیر لیا۔ ہاجرہ نے تمام رات سوچتے اور روتے کاٹ دی۔ عبدالصمد سیدھے منہ سے بات ہی نہ کرتا۔ نہ اپنی کہتا

نہ بیوی کی سنتا۔ کبھی یوں ہی گول مول فقروں میں تعلیم یافتہ عورتوں کی بے وفائی پر طنز کی برچھی چبھو دیتا۔ ہاجرہ کی سسکیوں کا اثر کچھ ہوا تو یہ ہوا کہ ایک بار گرج کر چلا اٹھا "ابھی چلی جاؤ میرے سامنے سے۔ میں اب ان چہتروں سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔ دور ہو جاؤ" "کہاں جاؤں؟ آپ میرے مالک میرے آقا ہیں۔ آپ کا در چھوڑ کر مجھے کہاں پناہ ہے؟"

"پناہ کیوں نہیں؟ یہ کہہ کر اس نے جیب سے خط نکالا" اس کے پاس جاؤ"

ہاجرہ پر جیسے بجلی گر گئی۔ زبان بند ہو گئی، آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگی جیسے سمندر میں بے سہارے بہتی چلی جاتی ہو اور کوئی دم میں ڈوبنے والی ہو آخر اس نے جی کڑا کر کے اتنا کہا " آپ کا کیا مطلب ہے؟ کچھ کہئے تو میں بھی سمجھوں" عبدالصمد نے مجنونانہ قہقہہ لگایا "عورت کو میں ہمیشہ ایک خطرناک راز سمجھتا آیا ہوں جو غریب مردوں کی سمجھ سے باہر ہیں۔ کیا یہ خط اس راز کا حل نہیں کہ تمہاری اصلی محبت کی آگ کسی اور سینہ میں لگ رہی ہے؟"

"مگر میں نے تو آپ کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ میرے مالک میری زندگی جو کچھ ہیں صرف آپ ہیں" عبدالصمد کے غصہ کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ "اب کبھی اپنا منہ مجھے نہ دکھانا۔ تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتیں۔ جاؤ چلی جاؤ میرے گھر سے" کمرے سے نکل گیا۔

اب ہاجرہ میں مزید صبر و تحمل کی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ اس نے بہتیرا سوچا کوئی حل سمجھ میں نہ آیا۔ چاروں طرف نظر کی کچھ سوجھائی نہ دیا۔ اس رسوائی کی زندگی کا ایک لمحہ قابل برداشت نہ تھا۔ موت کے سوا اس کرب سے نجات کی کوئی صورت دکھائی نہ دی۔ "ہاں ہاں بس میرا انتقام یہی ہوگا اور یہی میری صفائی، اور میری پناہ بھی"

علی الصباح سسرے کے کمرے سے ایک چھوٹی سی بوتل اٹھا لائی جس پر زہر کی چٹ لگی تھی۔ شوہر کے نام ایک پرزے پر اپنا آخری پیغام لکھا۔

میرے نامہربان شوہر۔ تم نے مجھ پر ایسا بہتان باندھا جس کا مجھے کبھی خواب میں بھی وہم نہ ہوا۔ تم نے مجھ سے جواب تک نہ سنا اور سنتے تو کبھی یقین نہ کرتے۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی جان تمہاری نذر کر کے اپنی صفائی پیش کروں اور ثابت کر دوں کہ مجھے صرف تم سے محبت تھی۔ زندگی میں تم نے میری بات تک نہ سنی شاید مرنے کے بعد معاف کر دو۔ میں نے معاف کیا۔

آخر دم تک تمہاری

ہاجرہ

پوری بوتل منہ میں انڈیل لی اور آنکھیں بند کئے موت کی راہ تکنے لگی۔

صبح کو ہاجرہ کے نام ایک اور خط عبدالصمد کے ہاتھ پڑا۔ ویسا ہی لفافہ اسی شہر کی مہر۔ اس نے جھٹ کھول ڈالا۔ پیاری ہاجرہ۔ دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو، جگ جگ جیو۔

سر دست یہ مختصر خط صرف ایک ناگوار غلطی کی اصلاح کے لئے لکھ رہی ہوں جو تمہارے بھائی جان کر بیٹھے ہیں۔ جو خط انھوں نے میرے لئے لکھا تھا، تمہارے نام کے لفافہ میں بھیج دیا، اور جو تمہارے لیے لکھا تھا وہ میرے نام کے لفافہ میں۔ کئی روز کے بعد یہ بھید کھلا تو میں نے اُن کو آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ اپنی غلطی پر ایسے شرمندہ ہیں کہ تم کو خود لکھتے ہوئے جھینپتے ہیں۔ وہ شرمندہ ہیں تم سے بھی اور تمہارے دولھا سے بھی۔ انھوں نے پڑھا ہوگا تو کیا خیال ہوگا؟ اس لئے دونوں سے معافی چاہتے ہیں۔ براہ مہربانی وہ خط مجھے فوراً لوٹا دو۔

یہاں خیریت ہے۔ اور حالات پھر لکھونگی۔

تمہاری بھابی
نعیمہ خاتون

شک، بدگمانی، غلط فہمی کے غلیظ بادل ایک بار اس کی فضائے دماغ سے چھٹ گئے اور حقیقت روشن ہوگئی۔ بنیابانہ بیوی کے کمرے کی طرف دوڑا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ایں ؟ اب تک یہ اٹھی نہیں، سو رہی ہیں؟ آواز دی، کھٹکھٹایا، کوئی آواز نہیں۔ اس کے اعضا میں سنسنی ہونے لگی، دروازے کی درز سے سفید کاغذ کا کونا نظر آیا۔ اس نے کھینچکر پڑھا کواڑ پر دو تین لاتیں پوری طاقت سے جمائیں چٹخنی گر گئی، کواڑ کھل گئے۔ اندر دیکھتا ہے تو ہاجرہ میز پر سر ٹکائے پڑی ہے، سامنے زہر کی شیشی دھری ہے اور خالی۔

"میری معصوم ہاجرہ تیرے قتل کے لئے مجھ پر دو جہاں کی پھٹکار۔ خدا اور فرشتوں کی لعنتیں قیامت تک!۔ میں بھی اب اپنی ذلیل زندگی باقی نہ رکھوں گا۔ عالم اجسام میں ہم ایک نہ ہوئے۔ کفارہ دے کر عالم ارواح میں ایک ہونگے۔"

ڈاکٹر کو بلوانے باہر نکلا تو بڑے میاں اس کے اباجان شور کر رہے تھے "گھر پر کون ساجن یا شیطان مسلط ہے کل ہی میں نے ایک زہر کی بوتل صاف کرنے کو پانی بھر کر رکھ چھوڑی تھی، آج غائب ہے، کون اُٹھا لے گیا؟"

ہاجرہ تمام رات کی جاگی اس وقت سو رہی تھی کواڑ پر دھکوں کی آواز، شوہر کے داخل ہونے بولنے کی کسی کی خبر نہ ہوئی۔ مگر سسرے کی آواز سے اس کی نیند ٹوٹ چکی تھی۔ اور آخری حصہ اس نے سُن لیا تھا۔ عبدالصمد فوراً داخل ہوا۔ اِس نے اُس کی طرف دیکھا اُس نے اِس کی طرف، اشکوں نے دلوں کی حکایت سُنائی۔ اور تھوڑی دیر بعد کمرہ قہقہوں سے گونج اُٹھا۔

مسز رحیم مسلم۔ از ہزاری باغ

(بقیہ صفحہ ۲۳۲ کا) اگر ان کی تعلیم پر اچھی طرح سے توجہ دی گئی تو عجب نہیں کہ ہماری قوم ایک دن ایک باعزت قوم کہلا سکے اور ہندوستانی قوم، اصلی معنوں میں قوم کہلانے کی مستحق ہو سکے۔

ان کی تعلیم میں سب سے زیادہ حصہ مذہب کا ہونا چاہیئے۔ تاکہ بچے کی روحانی قابلیت مکمل ہو سکے۔ مذہبی تعلیم اس قسم کی ہے کہ جس میں سچائی۔ محبت۔ نرمی۔ عجز۔ خداترسی اور حب الوطنی کے عناصر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوں۔ سب سے زیادہ خدا پر بھروسہ رکھنا اور اس کے حکموں پر قناعت کرنا سکھایا جائے۔

نصرت نشاط

پکنک

پکنک کوئی نئے فیشن کی ایجاد نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اب اس کے لئے یہ انگریزی نام ہی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اب سے پہلے بھی یہ دستور تھا کہ سال چھ مہینے میں ایک آدھ دفعہ ضرور پکنک منائی جاتی تھی۔ کنبہ بھر کے لوگ جمع ہوتے تھے اور سب اکٹھے ہو کر قطب صاحب حضرت نظام الدینؒ وغیرہ جاتے وہاں کئی کئی دن رہتے اور خوب دل بھر کے سیر کی جاتی۔ چونکہ رستہ بھی بیل گاڑیوں یا رتھوں کے ذریعہ طے ہوتا تھا اس لئے کئی دن رہنے کی ضرورت پیش آتی۔ لیکن اب موٹر کے طفیل جہاں دن بھر میں پہنچتے وہاں گھنٹہ بھر میں پہنچ جاتے ہیں۔ علاوہ اس کے لوگوں کے حالات اور خیالات بھی بہت بدل گئے ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر پکنک منانے کے طریقہ میں بھی تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ اب تو جس وقت بھی جی چاہا موٹر میں بیٹھے اور باہر نکل گئے کھایا پیا دن بھر باہر کھلی ہوا میں گذارا اور واپس چلے آئے اور پورا دن بھی گذارنے کی ضرورت نہیں صرف شام کی چائے باہر جا کر پی لی۔ بعض دفعہ چاندنی رات میں جی چاہا کہ کہیں باہر چلدیں اور کھانا ایسی جگہ کھائیں جہاں چاندنی کا بھی پورا پورا لطف ہو۔ وہی کھانا ٹفن باسکٹ میں رکھوالیا اور نکل گئے۔ قدرتی مناظر سے لطف اندوز بھی ہوتے رہے کھانا بھی کھا لیا۔ اور اطمینان سے ایک دو گھنٹے میں ہی گھر واپس آکر آرام کی نیند سو گئے۔

پکنک نہ صرف ایک دلچسپ تفریح بلکہ حقیقتاً بہت مفید چیز ہے۔ اور وقت نکال کر اگر جلدی نہیں تو مہینہ میں ایک بار ضرور منائی جاتی ہے۔ اکثر جگہ یہ دستور ہے کہ تقریباً ہر ہفتہ چھٹی کے دن بچے پکنک کے لئے باہر نکل جاتے ہیں ایک پورے دن کے لئے سب قسم کی پابندیوں کو خیرباد کہہ کر خوب دل کھولکر تفریح کر لینے سے طبیعت میں ایک قسم کی بشاشت پیدا ہو جاتی ہے اور باقی دن خوب دل لگا کر کام کرنے کو طبیعت چاہتی ہے جو لوگ شہر کی گنجان آبادی میں رہتے ہیں ان کے لئے تو یہ بہت ہی زیادہ مفید بات ہے کہ ایک دن باہر کی کھلی ہوا میں گذاریں اس کا صحت پر بہت ہی اچھا اثر پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے انسان کی طبیعت ایک سی باتوں سے اُکتا بھی بہت جلدی جاتی ہے۔ ہر روز وہی کھانا میز پر لا کر یا دسترخوان پر ایک ہی طریقہ سے آپ کے سامنے رکھ دیا گیا اور آپ نے کھا لیا۔ لیکن اس کے برخلاف اگر ایک دن بجائے میز پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے قدرتی فرش یعنی سبز سبز گھاس پر بیٹھ کر اپنے ہاتھ کا محنت سے تیار کیا ہوا کچا پکا کھانا بھی کھا لیجئے تو اس میں کچھ اور ہی لطف آئے گا۔ یوں تو اکثر لوگ گھر سے ہی سب چیزیں تیار کروا کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ لیکن اصل لطف اس پکنک میں ہی آتا ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے وہاں ہی سب کھانا تیار کیا جائے کوئی آگ سلگا رہا ہے کوئی لکڑیاں جمع کر رہا ہے تو کسی کے ذمہ پانی بھر کر لانے کی ڈیوٹی ہے۔ اسی طرح ہر شخص کی بساط کے موافق سب کام بانٹ دیئے جائیں۔ اسی طرح کام بھی وقت پر ہو جائے گا۔ اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ اپنے کارآمد ثابت ہونے پر خوش بھی ہو گا۔ کیونکہ پکنک ہی ایک ایسی تفریح ہے جس میں بیک وقت بچے بوڑھے سب کی تفریح اور دلچسپی کے سامان جمع ہوتے ہیں۔ ورنہ آپ کہیں اور جایئے تو وہ بچوں کی کوئی خاص تفریح کی جگہ نہیں سینما گئی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کی دلچسپی کی تصویریں اور ہیں اور بچوں کے دیکھنے کی اور لیکن پکنک میں آپ کا اور ان کا خوب ساتھ ہو گا۔ وہ اپنی ہمت کے مطابق آپ کا ہاتھ بٹائیں گے اور خوب سیر بھی کریں گے۔ بعض موسم پکنک کیلئے

خاص طور پر موزوں ہوتے ہیں۔ مثلاً برسات کا ابر آیا ہوا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے تو خواہ مخواہ آدمی کا دل چاہے گا۔ کہ کہیں سیر کو جانا چاہئے۔ لیکن میرے خیال میں تو اصل لطف جاڑے کی پکنک میں آتا ہے۔ دن بھر دھوپ میں آرام سے باہر گزار سکتے ہیں علاوہ اس کے برسات میں جو گھانس میں کیڑے مکوڑے یا مکھیوں کی بھرمار ہوتی ہے اس سے نجات مل جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ بارش کا ہمیشہ ڈر رہتا ہے۔ مزہ جب ہی تک ہے کہ خوب گہرا ابر ہو لیکن بارش بھی نہ آئے۔ اور دھوپ بھی نہ نکلے۔ اگر بارش آگئی تو سب جھگڑا بکھیڑا سمیٹنا مشکل ہو گیا کہیں آگ نہیں جل رہی تو کھانے پینے کی چیزوں میں پانی بھر گیا اور جو کہیں دھوپ نکل آئی تو پھر پورا مزہ ہی کرکرا ہوگیا۔ لہٰذا سب سے اچھا موسم جاڑے کا ہے۔ کسی قسم کا اندیشہ نہیں اطمینان سے صبح کو جایئے اور شام تک ٹھہریئے خیر یہ تو اپنی اپنی پسند پر منحصر ہے۔ موسم کے ساتھ جگہ کا انتخاب بھی پکنک کو کامیاب بنانے میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں بھی ذاتی پسند کو بہت دخل ہے لیکن جگہ ایسی انتخاب کرنی چاہئے۔ جو قدرتاً خوبصورت ہو۔ یوں تو بہت سے خوبصورت باغ یا پرانے مقبرے پکنک کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان سب جگہ مصنوعی خوبصورتی ہوتی ہے اور پکنک کا اصل لطف قدرتی طور پر خوبصورت اور ویران جگہ میں ہی آتا ہے۔ اگر آپ خیال رکھیں تو شہر کے باہر بہت جگہیں آپ کی نظر پڑ جائیں گی۔ اور پہاڑ کا تو کہنا ہی کیا۔ وہاں تو چپے چپے پر قدرتی مناظر ہیں۔

اب کچھ انتظام کے بارہ میں بھی سن لیجئے۔ جتنی چیزیں ساتھ لیجانی ہوں ان کی فہرست فرصت سے تیار کر لیجئے۔ ورنہ بعض دفعہ کوئی چھوٹی موٹی چیز ایسی رہ جاتی ہے جو بہت ضروری ہوتی ہے اور پھر وقت کے وقت معلوم ہوتا ہے ایک دن ہم لوگ شام کی چائے باہر پینے کے ارادہ سے گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ چائے وہاں ہی بنائی جائیگی چنانچہ وہاں پہنچکر انگیٹھی سلگا کر چائے کا پانی چڑھا دیا۔ پیالیاں وغیرہ اور سب کھانے پینے کا سامان باہر نکال کر رکھ لیا اب صرف اتنی دیر تھی کہ چائے تیار ہو جائے کہ عین وقت پر معلوم ہوا کہ چائے کا ڈبہ ساتھ نہیں آیا۔ بہت برا معلوم ہوا۔ جو چیزیں ساتھ تھیں وہ کھائیں۔ لیکن بغیر چائے کے بھلا کیا لطف رہا۔؟ غرضیکہ وقت پر ہی سب چیزیں جلدی میں رکھنے سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی چیز رہ جاتی ہے۔ اس لئے دھیان سے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ سب چیزیں ٹھیک ہیں۔ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ ایک ٹفن باسکٹ اور تھرمس ضرور ہونا چاہئے۔ اس سے بہت آرام رہتا ہے بعض جگہ پانی نہیں ملتا اگر ہوتا ہے تو پینے کے لائق نہیں اس لئے پینے کا پانی ضرور ساتھ ہی رکھنا چاہئے۔ اگر دن بھر کے لئے باہر جائیں تو کوئی نہ کوئی پروگرام بھی ضرور ذہن میں رکھئے ورنہ بعض دفعہ وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے تاش۔ کیرم یا کوئی اور کھیل ساتھ ضرور لیجائیں۔ اگر کھانے کی تیاری ادھر ادھر سیر کرنے کے بعد بھی وقت بچ رہے تو پھر کھیل شروع کر دیجئے۔ اس طرح ہرگز دل نہ گھبرائیگا۔ اور آپ کی پکنک بھی خوب کامیاب رہے گی۔

اسما طیّب حسین

خاتونِ مسلم سے

(۱) تو وہ ذرّہ تھی جسے نیّرِ رخشاں کہیئے　　جس سے زرّین تھی فضائے عالم
تو وہ صبح تھی جسے صبحِ درخشاں کہیئے　　جس سے سیمیں تھی فضائے عالم
پھول ایسا کہ جسے رشکِ گلستاں کہیئے　　جس سے رنگین تھی فضائے عالم

(۲) آہ تو ہوگئی اب راہِ حقیقت سے دُور　　اور رفعت پہ ہے سارا اسنمار
آہ! تو ہوگئی درماندہ و خستہ مہجور　　پردۂ ذہن ہے اب تیرہ و تار -
آہ! تو ہوگئی اب سحرِ جہل سے مسحور　　نشّۂ جوشِ خودی میں سرشار

(۳) بحرِ عالم میں ہے تو ایک شکستہ کشتی　　جو بھٹکتی سی چلے دریا میں
راہ کا کوئی پتہ ہو نہ خبر ساحل کی　　گم ہو دنیائے طلسم افزا میں
یا کوئی روح پریشان ہو فسردہ سی پڑی　　قیدِ ظلمات گہِ دنیا میں

(۴) آہ! یہ خواب یہ موہوم خیالِ عشرت　　جس نے دنیا سے مٹایا ہے تجھے
زندگی جس کی بدولت ہوئی نذرِ ظلمت　　جس نے پستی میں گرایا ہے تجھے
چھا گیا روح پہ تیری یہ سحابِ ظلمت　　جس نے مدہوش بنایا ہے تجھے

(۵) دہر میں تیرے سوا کوئی بھی ناکام نہیں　　تجھ میں ہمت ہے نہ کچھ سعی و جوش
جلوۂ صبح نمایاں ہے کہیں شام نہیں　　تیری دنیا کی ضیا ہیں رُوپوش
فکرِ فردا نہیں اندیشۂ انجام نہیں　　قعرِ ذلّت میں پڑی ہے مدہوش

(۶) فتح سامانیاں کچھ تجھ سے بہت دور نہیں　　ہاں درِ علم و عمل باز تو ہو
پر شکستہ ہیں مگر اُڑنے سے معذور نہیں　　ہاں ذرا جوششِ پرواز تو ہو
کیفِ نغمہ کسی مضراب میں مستور نہیں　　نغمے نکلیں گے مگر ساز تو ہو

(۷) دین و دنیا سے تو غافل ہے بھری نگری میں　　اوج و رفعت سے تجھے کام نہیں
سب چمکتے ہوئے تارے ہیں شبِ ہستی میں　　تجھ میں جلوؤں کا کہیں نام نہیں
غافلوں کے لئے دربارِ خداوندی میں　　سچ سمجھ کوئی بھی انعام نہیں

گوہرِ اقبال حورؔ

خواتین اور ہندوستان

مثل مشہور ہے کہ ہنگورے کو ہلانے والا ہاتھ دنیا پر حکومت کرتا ہے ہنگورے کا اشارہ بچہ کی طرف ہے اور اس کا ہلانے والا ہاتھ ماں کا دستِ شفقت ہے۔ بچہ کے چال چلن عادات و اطوار کے ڈھالنے میں باپ کا بہت کم حصہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ تو سارے دن تلاش معاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ بچہ کے ساتھ رہنے کا اسے بہت کم موقعہ ملتا ہے۔ اس کے برعکس۔ اگر ماں اچھی تربیت دیتی ہے تو بچہ دنیا میں درخشاں ستارے کی مانند چمک اُٹھتا ہے۔ اور اگر شروع میں اس کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ کی جائے تو بچہ ہر کام میں ناکام اور نامراد رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو تقریباً ہر امر میں باپ سے صلاح مشورہ لیتا ہے۔ لیکن اس عمر میں بچہ کی عادات و اطوار پوری طرح استوار ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور باپ انہیں کسی طرح بنا یا بگاڑ نہیں سکتا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا رتبہ کس قدر افضل ہے۔ عورت یا ماں۔ ایک قوم کو سنوار اور بگاڑ بھی سکتی ہے اس کی پند و نصیحت قوم کے مستقبل کی تصویر کا صاف و شفاف آئینہ ہے۔

اگر آپ ہندوستان کا ملکی نظام بدلنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کس طریقے سے اپنا مقصد پورا کریں گے؟ کیا انقلاب یا سول نافرمانی آپ کا مدعا ہے؟ اگر آپ ان دو طریقوں پر کاربند رہنا چاہتے ہیں۔ تو آپ اسی فی صدی ناکام رہیں گے۔ کامیابی کا راز عورتوں کی تعلیم میں مضمر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "ماں کے پیروں تلے بہشت ہے"۔ سچ ہے ماں ہمیں جنت میں پہونچاتی ہے۔ لیکن وہی جہنم میں بھی ہمیں دھکیل سکتی ہے۔ ایک دوراندیش ماں پہلے سے اپنے بچے کے مستقبل پر غور کرتی ہے، بچے کے سامنے وہ ایک اعلیٰ نصب العین پیش کرتی ہے۔ بعد ازاں وہ اپنی تعلیم سے اپنے بچے کو اس نصب العین کا اہل بنانے کی کوشش کرتی ہے بعض مائیں ایسی بھی ہیں جو اپنے بچوں کی پرورش کا زیادہ خیال نہیں کرتیں اور نہایت اطمینان سے ان کی نگہداشت نرسوں کے سپرد کر دیتی ہیں۔ اس سے بچے ماں کی مامتا سے محروم رہ جاتے ہیں اور ان میں حقیقی محبت کا جذبہ زائل ہو جاتا ہے لیکن عام طور پر ہندوستان میں ماں اپنے بچوں کو اپنے سے کبھی الگ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ شروع سے ماں کا دستِ شفقت انہیں محبت کی اہمیت سے آگاہ کر دیتا ہے۔ یہی محبت ان کو حب الوطنی، خدا ترسی کے زرین قوانین کا پیرو بنا دیتی ہے۔ سر سید احمد خاں جیسی جلیل القدر ہستیوں کے بنانے اور سنوارنے میں ماؤں نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ کچھ عرصہ کی بات ہے کہ امریکہ کے ایک اخباری ادارے نے ہندوستانیوں سے سوال کیا کہ ہندوستان سا غلام ملک مہاتما گاندھی سی ہستیاں کیسے پیدا کر سکتا ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ دوسرے ممالک اس شرف سے محروم ہیں؟ ان سوالات کا جواب یوں دیا گیا۔ دوسرے ممالک کو چاہئے کہ پہلے وہ مہاتما گاندھی کی ماں جیسی مائیں پیدا کریں پھر مہاتما خود ہی ظہور میں آجائیں گے۔

لیکن اس فخر کے باوجود بھی ہم یہ کہنے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ ہندوستانیوں کی زنانہ تعلیم یا تربیت مکمل ہے۔ اس کی تعلیم کا حلقہ سخت محدود ہے۔ پس ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم ہر طرح سے اس حلقہ کو وسیع بنائیں ہمارے ملک میں اس وقت بہت کم مائیں ہیں جو اپنے فرائض سے بخوبی آشنا ہیں۔ ہمیں آج ہی سے بچوں کی تعلیم کا پورا خیال رکھنے کا تہیہ کر لینا چاہئے۔ کیونکہ کل ساری قوم کی باگ دوڑ ان ہی کے ہاتھ میں ہوگی (بقیہ صفحہ ۲۸۳ پر)

کونٹس رُونہ کی پہیلی

شاہ اسٹیلس نے اپنی سلطنت کے تمام خود مختار علاقے تین ہی محاصروں میں مطیع کر لئے۔ صرف عور کا قلعہ باقی رہ گیا، جہاں جنگجو کونٹ ھقبو بالڈ کی بیٹی کونٹس رونہ حکمرانی کرتی تھی۔ اس نے شاہ اسٹیلس کی اطاعت اس بنا پر قبول نہ کی۔ کہ اس کے باپ نے بھی اپنی پچاس سالہ عہد حکومت میں بادشاہ کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کیا تھا۔ بہادر باپ کی بہادر بیٹی نے بھی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اور شہر پناہ کے دروازے مضبوطی سے بند کر دیئے۔ بادشاہ کو یہ سُنکر بہت طیش آیا۔ اس نے چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور سلسلہ آمد و رفت بالکل بند کر دیا۔ بعد ازاں اس نے ایک پیغام بھیجا کہ کونٹس رونہ اطاعت قبول کرلے تو بہتر ہے ورنہ وہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

جس وقت پیغامبر حاضر ہوا۔ خوبصورت کونٹس رونہ ایک بیش بہا کرسی پر کھلی کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی۔ جہاں سے سورج کی کرنیں اس کے گھونگریلے بالوں پر پڑ رہی تھیں "اپنے بادشاہ سے کہدینا کہ ہم محاصرہ کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے پاس بہت سے ایسے نوجوان ہیں۔ جو میدانِ جنگ سے مڑنا جانتے ہی نہیں۔ اور ہمارے پاس اس قدر رسد موجود ہے۔ جو برسوں کام آئے گی"۔ اس نے تحکمانہ لہجہ میں پیغامبر کو جواب دیا۔

پیغامبر قدمبوس ہوا اور بولا۔ "کیا صرف یہی پیغام ہے؟"

"نہیں۔ کچھ اور بھی۔ اُسے بتا دینا۔ کہ عور کے شہر میں کونٹ ھقبو بالڈ کی بیٹی حکومت کرتی ہے"۔ رُونہ نے کہا۔

دوسری مرتبہ پیغامبر پھر قدمبوس ہوا اور ادب سے سر جھکا کر بولا "کیا صرف یہی پیغام ہے؟"

رونہ خاموش ہوگئی۔ پھر ایک لمحہ توقف کے بعد کہا "ہاں کچھ اور بھی ہے۔ اپنے بادشاہ سے کہدینا کہ فصیل عبور سے پہلے اُسے مینار فتح کرنا پڑے گا۔"

پیغامبر کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں۔ لیکن تھوڑی دیر توقف کے بعد مسکرا کر گویا ہوا "یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ شہر کا مینار تو ایک اونچی چٹان پر واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف شہر آباد ہے اور شہر کے ارد گرد فصیل۔ تو پھر اے بہادر اور دانشمند کونٹس یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ بادشاہ فصیل عبور کرنے سے پہلے مینار ـــ"

رونہ نے اپنی سحر انگیز آنکھیں اوپر کو اُٹھائیں اور بے چین سی ہو کر بولی "تمہاری گفتگو لمبی اور فضول ہے۔ جاؤ اور اپنے بادشاہ کو میرا پیغام پہنچا دو۔"

پیغامبر ناکام اور مایوس واپس آگیا۔ اور بادشاہ کو حرف بہ حرف رونہ کا پیغام سُنا دیا۔ لیکن بادشاہ نے غصہ کی حالت میں پیغام کے پچھلے حصے کو بغور نہ سُنا۔ اور فصیل پر نہایت تندہی سے حملہ کر دیا لیکن رونہ کے بہادر سپاہیوں نے اپنے دشمنوں کے حملے کو کامیابی سے روکا۔ وہ فخریہ لہجہ میں ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ "ہماری دانشمند کونٹس نے بادشاہ کو ایک ناممکن بات کہنے کو کہا ہے۔ جس طرح ہم جنگجو ھقبو بالڈ پر اعتماد رکھتے تھے۔ اسی طرح اس کی بیٹی پر رکھتے ہیں"۔

بادشاہ نے دو حملے اور کئے۔ لیکن اُسے کامیابی نصیب نہ ہوئی وہ ایک ماہ تک چپ چاپ فصیل کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔ اس نے دوبارہ پیغامبر کے ہاتھ کہلا بھیجا۔ "خواہ مجھے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ یہاں محاصرہ کئے ہوئے گذارنا پڑے

لیکن میں اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آؤں گا۔ کونٹس کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ اطاعت قبول کرے۔ ورنہ اسے فاقوں سے تڑپ تڑپ کر جان دینی پڑیگی۔ اور اس کا شہر مسمار کر دیا جائے گا۔ مگر رونہ کا جواب یہی تھا "کہ فصیل عبور کرنے سے پہلے بادشاہ کو مینار فتح کرنا پڑے گا"۔

یہ سنکر اسٹینلس کو بڑا غصہ آیا "لعنت ہو اس عورت پر اور اس کی پہیلیوں پر۔ یہ کس قسم کی عورت ہے؟ مجھے اس کے دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اس کی شکل و صورت کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"وہ آفتاب کی طرح خوبصورت اور چاند کی طرح خوددار ہے" پیغامبر نے جواب دیا۔

"خاموش رہو یہ سب جھوٹ ہے!" بادشاہ نے طیش میں آتے ہوئے کہا۔ "کیا اس کا دماغ صحیح ہے؟"

"بالکل" پیغامبر نے قدمبوس ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "گو بادشاہ سلامت مجھے اس سے انکار نہیں کہ اس کی پہیلی ـــ" لیکن بادشاہ کو زیادہ سننے کی تاب نہ تھی۔ اس نے پیغامبر کو چلے جانے کا حکم دیا۔ اور خود اس پہیلی کا حل سوچنے لگا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ دوسرے دن علی الصباح حملہ کر دیا گیا۔ لیکن کامیابی کا منہ دیکھنا اس دفعہ بھی نصیب نہ ہوا۔ بادشاہ کو سخت پشیمانی تھی۔ اگر اس نے عورنا قلعہ فتح کرنے کی قسم نہ کھائی ہوتی۔ تو کبھی کا واپس چلا گیا ہوتا۔ موسم سرما سر پر آن پہنچا تھا۔ سامان رسد مہیا کرنے میں سخت دقت کا سامنا تھا اور وہ چاروں طرف پریشانیوں سے گھرا تھا۔ لیکن شہر کے اندر سے گانے بجانے اور خوشی کے قہقہوں کی متواتر آواز آتی رہتی اور کونٹس رونہ کے بہادر جب کھانا کھا چکتے تو فصیل کے اوپر سے بادشاہ کے سپاہیوں پر ہڈیاں پھینک دیتے ـــ بادشاہ یہ ہتک گوارا نہ کرسکتا تھا۔ اس عرصہ میں کونٹس رونہ اپنی مصاحبوں اور بہادروں کے حلقہ میں کھڑکی کے سامنے بیٹھی ہوتی۔ جہاں سے سورج کی کرنیں اس کے خوبصورت بالوں پر پڑتیں وہ اکثر اوقات مسکراتی رہتی لیکن ایک آدھ دفعہ ٹھنڈا سانس بھی بھرنے لگتی۔ شاید وہ سوچتی۔ کہ بادشاہ اب کیا کرے گا ـــ اور اس کے پیغام کا حل کب سمجھے گا!

(۲)

بادشاہ کے ہمراہیوں میں ایک راہب نکولس نامی بھی تھا۔ وہ ایک پارسا ذہین اور بہادر جوان تھا۔ بادشاہ اسے ہمیشہ ہمراہ رکھتا تھا اور اس سے بہت بے تکلف تھا۔ راہب نکولس نے بھی کونٹس کا پیغام سنا۔ جو ہر سپاہی کی زبان پر تھا۔

"ایک رات بادشاہ اپنے خیمہ میں غمگین اور افسردہ بیٹھا تھا۔ اُسے کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اتنے میں پردہ ہٹا۔ اور راہب اندر داخل ہوا۔ تنہائی میں بادشاہ کی پریشانیاں اُسے زیادہ تکلیف دے رہی تھیں۔ راہب کو دیکھ کر وہ خوش ہوگیا اور بولا "خود سر کونٹس کو، جسکے پاس صرف مٹھی بھر سپاہی ہیں، اس کثیر فوج کے ہوتے ہوئے بھی فتح نہ کرسکا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"اسی لئے تو میں اس وقت حاضر ہوا ہوں کہ عور کے فتح کرنے کی ترکیب بتا سکوں"۔ راہب نے نرمی سے جواب دیا۔ وہ خیمے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا "لیکن بادشاہ میں تجھ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں"۔

بادشاہ اپنی کرسی پر کمر لگا کر بیٹھا تھا۔ بولا "پوچھو، میں اس کا جواب دینے کی کوشش کرونگا"۔

"ایک فوج کا مینار کہاں ہوتا ہے؟" نکولس نے پوچھا۔

"فوج کا کوئی مینار نہیں ہوتا۔ بادشاہ نے جواب دیا" ایک شہر یا قلعہ کا مینار ہوتا ہے۔ لیکن ایک فوج جو ادھر

سے اُدھر پھرتی رہتی ہے۔ اس کا مینار کس طرح ہو سکتا ہے؟"
"ایک فوج کا مینار کونسا ہوتا ہے؟" نکولس نے دوبارہ دریافت کیا۔
فوج کا کوئی مینار نہیں ہوتا" بادشاہ نے جواب دیا۔ "شہر اینٹوں پتھروں اور مٹی کا بنا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا مینار بھی ہوتا ہے۔ لیکن فوج صرف آدمیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ انکی ہڈیاں۔ ان کا گوشت، ان کے پٹھے، ان کے دماغ اور دل فوج کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس لئے کسی فوج کا مینار ہو ہی نہیں سکتا۔
"ایک فوج کا مینار کونسا ہوتا ہے؟" نکولس نے تیسری مرتبہ پوچھا۔
یہ دیکھ کر نکولس کے سوال میں ضرور کوئی راز پنہاں ہے، اسٹیلس سوچ میں پڑ گیا۔ نکولس خیمہ کے بیچوں بیچ کھڑا تھا اس کی آنکھیں بادشاہ کے چہرہ پر جمی تھیں۔ آخر کار بادشاہ نے جواب دیا۔ "فوج کا مینار مضبوط دل ہے جس کا مالک فوج کی کمان کرتا ہے۔"
یہ صحیح ہے! بادشاہ تیرا جواب صحیح ہے۔ نکولس نے کہا۔ اور خیمہ سے باہر نکل گیا۔
بادشاہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ شادمانی اس کے چہرہ پر عیاں تھی۔ وہ بولا "یہی حال عور کا ہے فصیل عبور کرنے سے پہلے میں مینار فتح کرونگا!"
(۳)
کونٹس رونہ بڑے ہال میں کھڑکی کے سامنے بیش بہا کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے مصاحبین چاروں طرف سے اُسے حلقہ کئے ہوئے تھیں۔ اتنے میں اسکے افسروں میں سے ایک نے قدمبوسی کی اجازت چاہی۔ اجازت ملتے ہی افسر نے ایک دراز قد خوبصورت نوجوان پیش کیا۔ جسے دو سپاہی حراست میں لئے تھے۔ اس کے چہرے سے خودداری او تمکنت عیاں تھی۔ اس کے بال سنہری۔ اس کی آنکھیں نیلی اور اس کا سینہ چوڑا تھا۔ رونہ نے اُسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"تمہارے ہاتھ یہ کہاں سے آیا؟"
"گذشتہ رات وہ خود جنوبی دروازہ کے پاس آیا۔ اور شاہ اسٹیلس کے خوف سے اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیا" افسر نے جواب دیا۔
"تو پھر یہ غدار ہے!" رونہ نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔
وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ البتہ حضور کی خدمت میں سب کچھ عرض کرنے کا وعدہ کرتا ہے" افسر نے جواب دیا۔
"تو پھر اُسے کہنے دو۔ جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے۔ رونہ نے اپنی مصاحبہ کے ہاتھ سے پنکھا لے کر اس کی اوٹ میں اپنا آدھا چہرہ چھپاتے ہوئے حکم دیا۔"
"بولو قیدی!" افسر نے تحکمانہ لہجہ میں دراز قد خوبصورت شخص سے کہا۔
"اگر اس وقت میں ایک قیدی کی حیثیت سے کھڑا ہوں۔ تو اس کا میں خود ذمہ دار ہوں۔ لیکن میں ایسے گرداب میں پھنس گیا تھا کہ سوائے اس کے کہ اے ذی شان کونٹس! اپنے آپ کو تیرے رحم پر چھوڑ دیتا۔ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ باوجود اس کے میں غدار نہیں ہوں۔ اور اپنے بادشاہ کو گزند پہنچانے پر کبھی رضامند نہ ہونگا" اس نے جواب دیا۔
"اگر اپنے بادشاہ کی بھلائی چاہتے ہو تو اسے صلاح دو۔ کہ محاصرہ اٹھالے" رونہ نے کہا۔
مسکرا دیں اسکی مصاحبہ عورتوں نے ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھا۔ لیکن اجنبی نے ان باتوں کی ذرہ بھر

پرواہ نہ کی۔ اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "میں بادشاہ کا خاص صلاح کار تھا۔ اور اُسے مجھ پر بہت اعتماد تھا۔ جن باتوں کا حل اس کی سمجھ میں نہ آتا۔ اس کا میں ہی حل کرتا۔ میدان جنگ میں ہمیشہ کے لئے اس کے ہمرکاب ہوتا۔ یہاں بھی وہ مجھے ہمراہ لایا۔ تاکہ میری مدد سے عنقریب فتح ہوجائے۔...... یہ نہ سمجھنا کہ میں ڈینگیں مار رہا ہوں میں وہی کہہ رہا ہوں۔ جو بادشاہ ہر ایک سے میرے بارہ میں کہا کرتا تھا"۔

"تو پھر کم از کم ایک شخص کی رائے تو تمہارے مطابق اچھی ہوئی نا"۔ رونہ نے شرارت آمیز لہجہ میں کہا۔

اس موقعہ پر سردار پھر مسکرائے اور مصاحبہ عورتوں نے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ لیکن اجنبی پر کوئی اثر نہیں ہوا

"اے ذی شان کوئنٹس"۔ اس نے کہا۔ اس کی دلکش آواز نے رفتہ رفتہ سب کے دل موہ لئے۔ اور عورتیں اپنے مذاق پر نادم سی ہوگئیں۔ "جب پیغامبر تیرا پیغام لے کر گئے۔ تو حسب عادت بادشاہ نے اس پہیلی کا حل بھی مجھ سے پوچھا۔ میں نے جواب دیا۔ کہ یہ یونہی ایک گپ ہے۔ اور اس کا کوئی خیال نہ کرنا چاہئے۔ بادشاہ نے میری بات پر اعتماد کیا اور تین دفعہ فصیل پر حملہ کیا۔ لیکن تینوں دفعہ اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ دوبارہ پیغام آنے پر پھر اس کا حل مجھ سے دریافت کیا۔ اور میں نے حسب سابق جواب دیا۔ بادشاہ نے ایک دفعہ پھر حملہ کیا۔ اور ناکام رہا۔ بہت سے بہادر جوان مارے گئے۔ تیسری بار پیغام آنے پر اس خیال سے کہ مبادا اور زیادہ نقصان ہو میں نے اس بات کا اعتراف کر لیا۔ کہ میں اس عقدہ کا حل نہیں جانتا اور نہ اس کی انتہا تک پہنچ سکتا ہوں"۔

"تمہیں عقل سیکھنے کے لئے قیمت ادا کرنی پڑی"۔ رونہ نے پنکھے کے اوٹ سے اپنی خوبصورت آنکھیں اجنبی کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔

"جب میں نے اس بات کا اعتراف کیا۔ تو شاہ اسٹیلس نے مجھے بہت سی سخت سست باتیں کہیں۔ اور صاف لفظوں میں کہا۔ کہ میری زندگی اور عزت کا دارومدار اس معمہ کے حل پر ہے۔ اگر میں اس میں کامیاب نہ ہوا۔ تو مجھے اپنے عزیزوں کا منہ دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ بادشاہ کی یہ دھمکی سن کر میں کانپ اٹھا۔ جب ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ تو میں بادشاہ کے خیموں میں سے نظر بچا کر نکل کھڑا ہوا۔ اور اپنے آپ کو بہادر کوئنٹس تیرے افسروں کے سپرد کر دیا"۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" رونہ نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یا تو مجھے اس معمہ کا صحیح صحیح حل بتا دو۔ تاکہ میں دوبارہ بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرسکوں —"

"اور اگر میں یہ بتانے پر رضامند نہ ہوں تو؟" رونہ نے اجنبی کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"تو پھر مجھے سات دن اور سات رات یہاں رہنے کی اجازت مل جائے۔ تاکہ اپنی عقل کو کام میں لا کر اس معمہ کا حل خود ہی سوچ لوں"۔ بہادر نوجوان یہ سن کر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ لیکن مصاحبہ عورتیں خاموش تھیں اور دل ہی دل میں اجنبی کی شکل وشباہت لب ولہجہ کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ رونہ کسی سوچ میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دفعۃً آنکھیں اٹھائیں۔ اور بولی۔

"سات دن اور سات رات تمہیں یہاں رہنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ میرے افسر اس میعاد کے ختم ہوتے ہی تمہیں شاہ کے حوالے کر دینگے۔ اگر اس عرصہ میں تم حل دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئے تو تمہاری خوش قسمتی۔ ورنہ تمہیں موت کے منہ میں جانا پڑے گا"۔

"مجھے یہ شرط منظور ہے"۔ اجنبی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اور رونہ کا اشارہ پاتے ہی دو افسر اُسے باہر لے گئے۔

(۴)

سات دن اور سات رات اجنبی عورمیں رہا ہر روز وہ دربار میں حاضر ہوتا اور رونہ سے بات چیت کرتا اُس نے

بادشاہ کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔ اور روینہ نے اس کے بدلہ میں اپنے خزانے دکھائے۔ لیکن جب کبھی روینہ اس کے ذاتی حالات دریافت کرتی۔ تو وہ اختصار سے جواب دے دیتا۔ بادشاہ کے بغیر میری کوئی ہستی نہیں"۔ روینہ یہ سُنکر حیران رہ جاتی۔ اس عرصہ میں بادشاہ کی فوجیں محاصرہ کئے چپ چاپ پڑی تھیں۔

"ایک دن روینہ نے پوچھا" مجھے یہ تو بتاؤ کہ شاہ اسٹینلس نے میرے چھوٹے سے شہر پر کیوں حملہ کیا؟"

"شاہ اسٹینلس نے تین ہی حملوں میں تمام خودمختار علاقے مطیع کرلئے ہیں۔ صرف عور باقی رہ گیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمام سلطنت یک جان ہو جائے اور چھوٹے سے چھوٹا شہر بھی غیر مطیع نہ رہے چنانچہ اس کی سلطنت اس شہر کے بغیر اور یہ شہر سلطنت کے بغیر کوئی حقیقت نہیں رکھتے"۔ اجنبی نے جواب دیا۔

روینہ نے اپنی خمدار ابروؤں کو جنبش دی۔ اور درشتی سے بولی "اگر بادشاہ نے اس طرح پیغام دیا ہوتا۔ تو میں خوشی سے اُس پر غور کرتی۔ لیکن اس نے تو مجھے دھمکی دی تھی!"

دوسرے دن اس نے پھر اجنبی کو بلایا۔ اور کہا۔ اگر میں اطاعت قبول کرلوں تو میری کیا حیثیت ہوگی۔ میں جو اس وقت کوئنٹس آف عور ہوں!"

"تم بادشاہ کی محبت اور خوشنودی حاصل کرلو گی"۔ اس نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے بادشاہ کی محبت کی ضرورت نہیں"۔ روینہ کی جبیں پر شکن ہو گئی تھی۔

پانچویں دن اجنبی پھر طلب کیا گیا۔ اور روینہ نے کہا۔ اگر میں اطاعت قبول کرہی لوں۔ تو بادشاہ شہر کا کیا کرے گا؟"

"وہ شہر کی حفاظت کا بہترین انتظام کرے گا۔ اور دشمنوں سے اسے بچاتے گا"

"اور تم کیا کرو گے؟" روینہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں بادشاہ کے ساتھ ساتھ رہونگا۔ اور حتی الوسع عمدہ صلاح دینے کی کوشش کرونگا"۔ وہ بولا۔

اور وہ تمہیں پھر ایک دفعہ باعزت آدمی بنادے گا!"

"ہاں اگر میں حل معلوم کرلوں۔ تو پھر میری وہی قدر و وقعت ہوگی!"

"لیکن ابھی تک حل دریافت نہیں کرسکے"!

"میں اس معمہ کا حل ان سحر انگیز آنکھوں کی تہ سے معلوم کرلونگا۔ اجنبی نے جرأت کرتے ہوئے کہا۔ روینہ نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ ڈرتی تھی۔ مبادا اجنبی اس کی آنکھوں کی تہ سے سچ مچ ہی حل معلوم نہ کرلے۔

ساتویں دن روینہ نے شام کے وقت اجنبی کو پھر مدعو کیا۔ وہ بڑے ہال میں تن تنہا بیٹھی تھی۔ ہال میں مدھم سی روشنی تھی۔ جو اس کے حسین چہرہ پر نور برسا رہی تھی۔ اجنبی آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"علی الصبح میں تمہیں بادشاہ کے حوالے کردونگی۔ اب بتاؤ۔ تمہارے پاس کونسا ایسا تحفہ ہے جسکے بدلے جان کی امان مانگ سکو"

"اگر اس وقت مینار کی کنجی میرے ہاتھ میں نہیں۔ تو یہ سمجھو۔ کہ کچھ بھی نہیں"۔ اجنبی بولا۔

وہ دونوں خاموش تھے۔ ہال میں ہر طرف سکوت تھا۔ اجنبی روینہ کے نزدیک آگیا۔ اور اس کی کرسی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور آہستہ سے بولا "میں نے حل معلوم کرلیا ہے۔ اس لئے خدا حافظ اے کوئنٹس!"

"خدا حافظ" روینہ نے اس کی طرف شرمگین نگاہوں سے دیکھتے ہوئے شیریں لہجہ میں کہا۔

"ہم پھر ملیں گے!" وہ بولا۔

"کب ؟" رُوتنہ نے عجلت سے پوچھا۔ اس کے لب لعلین کانپ رہے تھے۔ اور اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"ایک آدھ دن میں فصیل کے باہر" "فصیل کے باہر؟"

"ہاں۔" وہ گھٹنے ٹیک کر بولا۔ "غور کا بیٹا راس کی مالکہ کا دل ہے۔"

رُدنہ یک لخت کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن اجنبی ہال سے باہر جا چکا تھا۔ وہ کھڑکی کے سامنے تنہا کھڑی رہ گئی۔ چاندکی سیمیں کرنیں اس کے سنہری بالوں میں لہریں پیدا کر رہی تھیں۔ اس کی نگاہ اس دروازہ پر جمی تھی۔ جہاں سے اجنبی باہر نکل کر گیا تھا۔ "میرا دل اپنے مالک کو پہچانتا ہے"۔ وہ دل ہی دل میں بولی "میں اپنے بادشاہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی"۔

(۵)

دوسرے دن دوپہر کو فوجیں پھر لڑائی کے لئے تیار تھیں۔ بادشاہ جسے ضروری کام کی وجہ سے اپنے دارالحکومت کو جانا پڑا تھا۔ واپس آ گیا تھا۔ اس نے فوج کی کمان کے لئے گھوڑا سب سے آگے بڑھایا۔

"ہم ایک دفعہ پھر فوج پر حملہ کرنیوالے ہیں"۔ ایک معمر سپاہی نے راہب نکولس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ اس دفعہ بادشاہ مینا رکو فتح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے"۔ راہب نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔ فوج کے تمام سپاہیوں نے اسے مذاق سمجھتے ہوئے ہنسنا شروع کر دیا۔

جس وقت فوج فصیل سے دو سو گز کے فاصلہ پر رہ گئی۔ تو بادشاہ نے وہاں فوج کو ٹھہرنے کا حکم دیتے ہوئے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ وہ فصیل کے بالکل نزدیک آ گیا تھا۔ وہاں کونٹس رونہ کی فوج کے ہزاروں بہادر جمع تھے۔ اور آن کی آن میں بادشاہ کی زندگی کا خاتمہ کر سکتے تھے۔ بادشاہ کے ساتھ ایک علم بردار تھا۔ اس نے چلّا کر کہا۔

"بادشاہ سلامت' ذی شان کونٹس سے خود بات کرنا چاہتے ہیں"۔

دونوں طرف فوجوں میں ہیجان سا بپا ہو گیا لیکن بادشاہ نہایت اطمینان سے اپنے قدآور مشکی گھوڑے پر بیٹھا رہا۔ آدھ گھنٹہ بعد فصیل کا دروازہ کھلا۔ اور رونہ ایک سفید گھوڑے پر سوار آتی نظر پڑی۔ وہ چاروں طرف سے اپنے بہادروں اور مصاحبوں سے گھری ہوئی تھی۔

جب بادشاہ نے اُسے آتے دیکھا۔ تو اس نے اپنے گھوڑے کو مہمیز ماری۔ اور بالکل اس کے مدمقابل جا کھڑا ہوا۔ رونہ کی آنکھوں میں روشنی نمودار ہوئی۔ اور وہ دل میں بولی۔ "میرا دل جانتا تھا!"

"کہاں میرے بادشاہ؟" اس نے بآواز بلند کہا۔

وہ جھکا۔ اپنا بازو رونہ کی کمر کے گرد ڈال کر اسے آہستہ سے اُٹھا کر اپنے سیاہ گھوڑے پر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ دونوں فوجوں میں نعرہ خوشی بلند ہوا۔

"میں نے مینار فتح کر لیا ہے"۔ بادشاہ بولا "اور اب فصیل عبور کرتا ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے وہ دونوں شہر میں داخل ہوئے۔ اور چاروں طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

سرور رعنا بی اے

(ترجمہ انگریزی سے)

سر کے بالوں کی نگہداشت

مترجم مس کملا چیٹرجی مراد آبادی

چہرے کی خوشنمائی کا انحصار بہت کچھ بالوں پر ہے۔ بال اگر لمبے۔ ملائم خوشرنگ اور چمکدار ہوں تو چہرے کی دلکشی میں اضافہ ہوجاتا ہے اور آئے دن کے مشاہدے سے ایسی مثالیں بھی بکثرت ملتی ہوتی ہیں کہ محض سر کے بالوں کی بدنمائی سے حسین چہرہ پر بھی جاذبیت سے محروم ہوجاتا ہے جن خواتین کو حسن کی دولت عزیز ہو انھیں چاہیئے کہ اپنے بالوں کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھیں۔

ہمیں یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ سر کے بال اس وقت تک کبھی اچھی حالت میں نہیں رہ سکتے جب تک ان کی مناسب دیکھ بھال نہ کی جائے۔ بالوں کی نشوونما کا دارومدار اُن بہت ہی ننھے ننھے غدودوں پر ہے۔ جو کاسۂ سر میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان غدودوں سے ایک خاص قسم کا روغنی مادہ خارج ہوتا رہتا ہے جس سے بالوں کو غذائیات اور نشوونما حاصل ہوتی ہے جب خرابی صحت یا بے احتیاطی کی بنا پر ننھے ننھے غدودوں میں روغنی مادہ پیدا کرنے کی قوت کم ہوجائے تو بال سخت یا بدرنگ ہوجاتے یا گرنے لگتے ہیں۔ سر کے غدودوں کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے اپنی صحت کا خاص طور پر خیال رکھئے۔ حفظان صحت کے اصول تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں سب بہنیں جانتی ہیں۔ کہ سادہ دودھ ہضم غذا صاف ہو۔ ورزش۔ دھوپ۔ صاف پانی۔ یہی چند چیزیں ہیں جن کی بنیادوں پر صحت کا ایوان بلند بنیار ہوتا ہے۔ ایسی غذائیں استعمال کرنا چاہیئے جن سے اعضائے رئیسہ اور خاص کر دماغ کو تقویت حاصل ہو شبانہ روز کی محنت یا ہجوم افکار سے اگر دماغ کمزور ہوجائے تو سر کے بال لازمی طور پر گرنے لگتے ہیں۔ بالوں کی خوشنمائی اور خوش رنگی قائم رکھنے کے لئے ضعف دماغ کی شکایت دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ دوسرے اعضائے جسم کی طرح سر کی جلد کو بھی کسی نہ کسی حد تک ورزش کی ضرورت ہوتی ہے اور کاسۂ سر کی جلد کی ورزش یہ ہے کہ کوئی اچھا تیل لے کر اُسے روزانہ چند منٹ کے لئے انگلیوں سے خوب رگڑا جائے۔ اس طرح سر کی جلد میں خون کی گردش جاری ہوجاتی ہے اور اس سے بالوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے اگر سر کے بال گر رہے ہوں تو رات کو سوتے وقت سر کے اس حصّہ کو جہاں گنج کی شکایت بڑھ رہی ہو۔ برش سے اس قدر رگڑیں کہ جلد میں ہلکی سی سوزش پیدا ہوجائے۔ اس کے بعد کسی اچھے مقوی دماغ تیل کی مالش کریں اس طریقہ پر چند روز عمل کرنے سے بالوں میں از سر نو زندگی پیدا ہوجاتی ہے اور اِن کا گرنا بند ہوجاتا ہے۔

بالوں کی خوش رنگی اور خوشنمائی برقرار رکھنے کے لئے ان کی صفائی بھی بہت ضروری ہے۔ اگر بالوں کی صفائی کا خیال نہ رکھا جائے تو حفظان صحت کی تمام تدابیر اور مقوی دماغ غذاؤں اور دواؤں کے استعمال کے باوجود بال گرنے لگتے ہیں۔ بالوں کی جڑوں میں میل کا جمنا ان کے لئے سم قاتل ہے۔ روزانہ غسل نہ صرف صحت بلکہ بالوں کی نگہداشت کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔ بازاروں میں جو عام طور پر سستے صابن فروخت ہوتے ہیں۔ ان کا استعمال سر دھونے کے لئے مناسب نہیں۔ نفیس ہلکے صابن جو مقابلتاً قیمتی ہوتے ہیں اگر اُن کے خریدنے کی مقدرت نہ ہو تو سر دھونے کا

کوئی ایسا قدیم دیسی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جو حفظان صحت کے خلاف نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کھلی سے سر خوب صاف ہو جاتا ہے اور بیشتر ہندوستانی گھروں میں ابھی تک اس کا رواج ہے۔ لیکن اس طریقہ میں ایک بہت بڑا نقص یہ ہے۔ کہ غسل کے بعد کنگھی کے ذریعہ کھلی کی بھوسی اور ذرّوں کو بالوں سے نکالنے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اور یہ وہ مستقل زحمت ہے جسے موجودہ زمانے کی مصروف خواتین بآسانی برداشت نہیں کر سکتیں۔ ہندوستانی دیہات میں چکنی مٹی سے بھی سر دھونے کا رواج ہے۔ لیکن اسے نفاست پسند طبیعتیں اسے گوارا نہیں کرتیں۔ ریٹھے سے سر دھونا بیشتر حالت میں مفید ثابت ہوتا ہے اور اس سے بالوں میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ بالوں کی حفاظت کے سلسلے میں پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ نت نئے تیلوں کا استعمال بھی بالوں کے لئے مضر ثابت ہوتا ہے۔ ہمیشہ ایک ہی قسم کا تیل جو بالوں کے موافق آجائے استعمال کرنا چاہیئے۔ مختلف اقسام کے تیلوں کی کیمیاوی اجزا مختلف ہوتے ہیں۔ اور قدرتی طور پر ان کی خاصیتوں میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ ذیل میں ایک ہیئر کریم بنانے کا طریقہ درج کیا جاتا ہے جس کا استعمال بالوں کے لئے بہت مفید ہوگا۔

گم ٹراگا کانتھ...... دس حصے ٹنکچر آف ٹولو...... پانچ حصے الکوہل.... پچاس حصے

گلیسرین۔ بیس حصے روغن بادام........... دس حصے

ہائیڈرنگ سائیٹرونیلول دو حصے لینامول...... پانچ حصے بلانگ یلانگ آئیل دو حصے

روح یاسمین........ ایک حصہ پانی........... ۸۹ حصے

پہلے گوند کو الکوہل میں ملا کر گلیسرین اور خوشبو میں شامل کر دیں۔ جب سب چیزیں خوب اچھی طرح مل جائیں تو پانی آہستہ آہستہ ملا کر مرکب کو گاڑھا ہونے دیں۔ اس کے بعد ململ کے ٹکڑے میں چھان کر بھر لیں۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ اس ہیئر کریم کی خوبی کا انحصار گوند پر ہے۔ لہٰذا گوند ہمیشہ خالص اور عمدہ خریدنا چاہیئے۔ (ترجمہ)

کاہل اور شام

(ونکاکس کی ایک نظم کا ترجمہ)

وہ مغرب میں سیہ گھاٹی کے پیچھے — مناظر شام کے لہرا رہے ہیں
اُچھلتے کودتے اور گیت گاتے — گڈریے گھر کو واپس آ رہے ہیں

بھرے باغوں میں لینے کو بسیرا — پرندے چہچہاتے جا رہے ہیں
کساں کاندھوں پہ اپنے ہل سنبھالے — ہنکا کے ڈھور ڈنگر لا رہے ہیں

فضا میں تیرتے پھرتے ہیں نغمے — فرشتے دھیرے دھیرے گا رہے ہیں
مگر میں یونہی بیٹھی ہوں اکیلی — تمناؤں کے گل مرجھا رہے ہیں

ڈھلے سائے۔ چھپا سورج۔ ہوئی شام — میری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں
یہ ہے وہ وقت جب اہل زمانہ — گھروں میں اپنے راحت پا رہے ہیں
مگر روتا ہے میرا قلب مضطر — حسین منظر مجھے بہکا رہے ہیں

احمد شجاع پاشا

چین میں رسوم شادی

چین کے اونچے طبقہ کے لوگوں میں شادی کی تقریبوں کے بالعموم چھ اصول ہیں۔ مگر نیچے طبقہ میں کم بھی ہیں اور زیادہ بھی۔ شادی مکمل ہونے کے لئے بہت سی منازل طے کرنی پڑتی ہیں۔ پہلی منزل کی پختگی نسبت ہے۔ جو عموماً کسی ثالث یا بیچ والے کے ذریعہ ہوتی ہے اور ہندوستانی رسم سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اس کے بعد ہونے والی دلہن کی پیدائش کے دن اور مہینہ کی تصدیق والدین سے کی جاتی ہے۔

تیسری بات جو رسم میں داخل ہے وہ منجم کی رائے ہے۔ جو میاں اور بیوی کے تعلقات اور آئندہ زندگی کے حالات علم ہیأت سے بتاتا ہے پھر ہونے والے شوہر کی طرف سے تحفہ تحائف بھیجے جاتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے ارادہ کی اطلاع والدین تک پہنچاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تاریخ عقد و دیگر رسوم جو شادی کے لئے ضروری ہیں طے کی جاتی ہیں اور سب سے آخری رسم جو ہندوستانی رسم و رواج کے بالکل برعکس ہے کی جاتی ہے۔ یعنی ہونے والی دلہن کو اس کے شوہر کے گھر جلوس و شادیانے کے ساتھ لے جاتے ہیں۔

یہ تمام مذکورہ رسمیں ابھی ابتدائی ہوتی ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شادی کے مکمل ہونے کے لئے کتنے مرحلے اور طے کرنے ہیں اور ان کو کسی طرح چھوڑا نہیں جا سکتا۔ مثلاً دونوں خاندانوں کے مابین خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ ان کے خطوط کے علاوہ اکثر شوہر کے والدین کی طرف سے دولہن کو کپڑے معہ دیگر سامان کے نہایت شاندار اور با رونق طریقے سے بھیجے جاتے ہیں اور جو لوگ کپڑے وغیرہ لے کر جاتے ہیں وہ سب سرخ رنگ کپڑے پہنے ہوتے ہیں۔ کیونکہ چین میں خوشی کے موقع پر سرخ کپڑے پہننا نیک شگون خیال کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد دعوت ولیمہ کا موقع آتا ہے۔ جو شادی سے پہلے دی جاتی ہے۔ دعوت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ جس کا انتظام دولھا کے گھر ہوتا ہے کھانے کی میزیں ڈائننگ ہال کے مشرق و مغرب کی طرف سجائی جاتی ہیں۔ شراب کے پیالے جو شمار میں چار ہوتے ہیں بھر کر رکھ دیئے جاتے ہیں جو کافی بڑے اور گہرے ہوتے ہیں ان پیالوں کو چینی زبان میں "ہاپ کون" کہتے ہیں۔ ایک مخصوص میز دولھا کے لئے الگ رکھی جاتی ہے۔ جب تمام مہمان جمع ہوتے ہیں تو دولھا مجلس میں آتا ہے اور آتے ہی وہ اپنے باپ کے پاؤں پر سر رکھ دیتا ہے۔ اس کے بعد چھ سجدے کرائے جاتے ہیں اور باپ کے ہاتھوں سے شراب کا ایک پیالہ لیتا ہے۔ پیالہ دیتے وقت باپ ان الفاظ میں لڑکے کو دعائیں دیتا یا نصیحت کرتا ہے۔

"میرے پیارے لڑکے اب تم جاؤ اور اپنی شریک حیات کو تلاش کرو۔ کام عقلمندی اور ہوشیاری سے ہو تاکہ خاندان کا نام اونچا رہے۔"

اس دعوت و رسم کے ختم ہونے کے بعد دولہا پالکی بھیجتا ہے جسکے آگے اور پیچھے گانے والے اور باجا بجانے والے ہوتے ہیں۔ اس دوران میں بہت سے اور ٹوٹکے کئے جاتے ہیں جو زمانہ جاہلیت سے چلے آرہے ہیں اور بہت

شاندار طریقے سے منائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک نارنگی کا درخت کھڑا کیا جاتا ہے جس کی شاخوں میں روپیہ کی تھیلیاں لٹکا دی جاتی ہیں۔ اس سے اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دولہا اور دولھن کی اولاد زیادہ اور ساتھ ہی ساتھ دولت کی زیادتی ہو۔ کیلون، چینی دیومالا کی ایک فرضی چڑیا ہے۔ اس کی تصویر ایک خیمہ میں لٹکا دی جاتی ہے کیونکہ چین میں یہ عقیدہ پھیلا ہوا ہے کہ یہ جانور ایسے وقت دکھا دیتا ہے جب کوئی عقلمند آدمی یا دنیا کا بہت بڑا آدمی پیدا ہوتا ہے اور اس طرح ان کے ہاں ایک ذہین اور قابل لڑکا پیدا ہوگا۔

ان رسوم اور ٹوٹکوں کے علاوہ دیگر اور بہت سی چیزیں منائی جاتی ہیں جو ان کے عقیدوں کے مطابق سعادت مندی کی نشانی ہے۔ مثلاً سُرخ جھنڈے گاڑے جاتے ہیں۔ جن پر سنہری حرفوں میں دونوں کے خاندان والوں کا نام لکھا جاتا ہے اور ہوا میں لہرایا جاتا ہے۔ ملازمیں اور باندیاں سُرخ چھتریاں اور سُرخ پنکھے لئے ہوئے کھڑے رہتے ہیں۔ روشنی بھی سُرخ کی جاتی ہے۔ تاکہ دولھا اور دولھن نظر بد سے بچے رہیں۔

جہیز کی رسم بھی نرالی ہے۔ لڑکی کے والدین اچھی صلاح اور چند باتیں ایک تختی پر سنہرے حرفوں میں لکھ کر بطور جہیز لڑکی کو دیتے ہیں۔ لڑکی کو سُرخ کپڑے پہنائے جاتے ہیں یہاں تک کہ جسم پر کا ایک ایک کپڑا سُرخ ہوتا ہے۔ اس کو جلوس کے ساتھ لے کر نکلتے ہیں مجمع میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ دولہا کے گھر پہنچ کر پالکی رکھدی جاتی ہے۔ اب دولہا سُرخ پنکھا لئے ہوئے پالکی کے پاس آتا ہے اور دروازہ پنکھے سے کھٹکھٹاتا ہے۔ لونڈیاں دروازہ کھولدیتی ہیں۔ دولھن کو باہر اُتارا جاتا ہے اور اس کو اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں پر آگ روشن ہوتی ہے اور جس کے چاروں طرف مہمان بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ سب سے اونچی جگہ پر دولہا اور اس سے ذرا سی نیچی جگہ دولھن کو بیٹھایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں بیوی شوہر کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔

اب دولھا دولھن کے چہرے سے نقاب ہٹاتا ہے اور ایک اجنبی کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کرتا ہے۔ اس کے بعد دولھن کو اندر لے جاتے ہیں اور بقیہ رسمیں منائی جاتی ہیں وہ اس سے زیادہ دلچسپ ہیں جو آئندہ بیان کی جائیں گی ۔۔۔۔

ہاجرہ بیگم۔ کلکتہ

استقلال

کسی گمراہ کے لئے استقلال ایک چراغ ہے جو ساحل مراد کی خبر دیتا ہے۔

بحر بیکراں میں جب افکار و آلام تلاطم پیدا کر دیتے ہیں۔ ہمت کشتی اور استقلال ناخدا ہے جو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

اگر کشتیٔ ہمت گرداب الم میں غوطے کھا رہی ہو تب بھی اس سے نکلنے کی امید کی جاسکتی ہے بشرطیکہ استقلال کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

ہر کام کی تکمیل کے لئے استقلال کی ضرورت ہے۔

کریم النساء

تین خط

از معتصمہ ظفر خاتون ۔ بارہ بنکی

(۱)

فردوس نگاہ　　　　　　　　　　　　۳ر جون ۳۶ء

بہن نگہت !

یہ خط تم کو ایسے وقت لکھنے بیٹھی ہوں جبکہ میں انتہائی مسرور و شاداں ہوں میں چاہتی تھی کہ تھوڑی دیر کے لئے ایسی دنیا میں پہونچ جاؤں جہاں لطیف فضائیں مسکرا مسکرا کر مجھے اور بیخود بنا دیں۔ جہاں کے مکیں میرے ساتھ مل کر قہقہے لگائیں، ایسے قہقہے جو کائنات کی لطیف تر فضاؤں کو اپنی گود میں لے کر کھو سے جائیں، میری خواہش تھی کہ خود فراموشی کے عالم میں ایسے نغمے الاپوں جو میرے ساز دل کی ہر حرکت کے ساتھ مگر دنیا پر بدمستی کی کیفیت طاری کر دیں۔ مگر تم جانتی ہو میں نہ شاعرہ ہوں نہ مغنیہ اسی لئے میں نے سوچا اپنی پیاری نگہت ہی کو خط لکھ دوں ایک وقت میں دو کام ہو جائیں گے۔ خود کو بھول جاؤں گی اور تم سے باتیں بھی کر لوں گی۔

تم کہو گی آخر آج میں اتنی خوش کیوں ہوں۔ تمہیں یاد ہے آج سے چھ مہینے پہلے جب میں اپنے گھر کو، اپنے ماں باپ کو، اور تم سب کو چھوڑ کر چند کلمات ربانی کی زنجیروں میں جکڑ کر ایک انجان کی ملکیت بن گئی تھی اور میں اور تم سب دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ یاد ہے وہ رخصتی منظر! اماں کا برا حال تھا۔ شاہد نے کہرام مچا رکھا تھا۔ تمہاری ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اور میں ــــ مجھے آخر میں معلوم بھی نہ ہوا کہ میں کب اور کیسے پالکی میں سوار کر دی گئی تھی۔ آج میں ان سب واقعات کا خیال کرتی ہوں تو اعلانیہ نہ سہی، دبی ہوئی ہنسی سے ضرور ہنس لیتی ہوں۔ ہماری سوسائٹی میں جو پرانی رسمیں چلی آ رہی ہیں ان میں سے ایک رسم یہ بھی ہے جو رخصتی کے وقت عمل میں آتی ہے۔ تم خود اس کا شکار ہو چکی ہو۔ یہ ضرور ہے کہ لڑکیوں کو اپنی ماں۔ باپ کا عزیز مکان چھوڑنے سے بے حد رنج ہوتا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے لیکن اس وقت ڈھاڑیں مار مار کر رونا ضروری ہے اس لئے کہ یہ رسم ادھوری رہ جائے تو لڑکی بے شرم کہلائے اور ماں باپ کے سر لڑکی بھاری ہونے کا الزام آئے۔ حالانکہ دونوں باتوں میں سے کسی ایک کا بھی ہونا ایک غیر قدرتی اور بعید از قیاس امر ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ جو زمانہ بیچاری لڑکیوں کو ایک نئی امنگوں سے بھری ہوئی اور رنگینیوں میں ڈوبی ہوئی، مسعود زندگی کے واسطے طیاری کا زمانہ ہونا چاہیئے وہ ضائع ہو جاتا ہے یہی نہیں بلکہ ایک مستقل، ہولناک اثر ان کی صحت اور اخلاق پر پڑتا ہے۔ جو اکثر ان کی ازدواجی زندگی میں بدمزگی پیدا کرانے کا باعث ہو جاتا ہے۔ خیر یہ ایک طویل بحث ہے جس میں میں اس وقت پڑنا نہیں چاہتی۔ میں تو تم کو دراصل یہ لکھ رہی تھی کہ اب میں ان خیالات اور جذبات پریشانیوں اور الجھنوں کا خیال کرتی ہوں جب کہ میں بالکل ایک نئے گھر میں آ رہی تھی اور ان کا مقابلہ موجودہ وقت سے کرتی ہوں۔ تو ایک حیرت انگیز، دلچسپ، مضحکہ خیز، مگر مسرور کن فرق نظر آتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ دنیا کی تمام تر شادمانیاں اور مسرتیں ابھی میرے قدم چومنے کے لئے بیقرار ہیں

اپنا گھر میرے لئے ایک عشرت کدہ ہوگا جہاں میں آزاد رہ کر خوب ہنسوں گی اور ہنساؤں گی۔ خوب قہقہے لگاؤں گی اور محبت کی پجارن بنکر دنیا اور ما فیہا کو بھول جاؤں گی۔

بہن نگہت۔ تم سمجھو گی کہ میرے دماغ کے کسی نازک سے پرزہ نے اپنا فعل روک دیا ہے جو میں ایسی باتیں کر رہی ہوں۔ اگر انتہائی خوشی سے انسان کا دماغ ماؤف ہو سکتا ہے تو شاید میں بھی اس کمزوری کا شکار بن ہوں۔ لیکن میں بہن تم کو یقین دلانا چاہتی ہوں۔ کہ نہ تو میں پاگل ہوں، نہ میرے دماغ میں فتور ہے۔ البتہ جذبات کا ایک زبردست طوفان میرے سینے میں موجزن ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیسے روکوں۔ یہ بھی سوچتی ہوں روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور سچ پوچھو تو محض جذباتی تلاطم کی خاطر ہی میں تم کو یہ خط لکھ رہی ہوں۔ اس صورت میں اگر میری بکواس معمول سے ذرا مختلف ہو جائے تو تم کو اعتراض بھی نہ کرنا چاہیئے۔

پیاری نگہت۔ میں اپنے پچھلے خطوں میں اس ہستی کے متعلق بہت لکھ چکی ہوں جس کے ساتھ مجھے قدرت نے باندھ دیا ہے۔ جو میری زندگی کی نئی کشتی کا ناخدا ہے۔ اور میری نئی تکلیفوں کا مسیحا ہے۔ جو مجھے تباہ و برباد کر سکتا ہے اور مسرتوں کی بلندیوں پر پہونچا سکتا ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہے وہ ایک مصور ہیں۔ اور ان کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی ہے۔ وہ اپنے قلم کی جنبشوں سے ایسے ایسے حسین مرقعے طیار کر دیتے ہیں کہ بے اختیار منہ سے صدائے تحسین نکل جاتی ہے۔ ان کی بنائی ہوئی تصویریں فطرت کی کاریگری کی گویا تفسیر ہوتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ قدرت کی تمام تر حسین نزاکتیں سمٹ کر ان کے قلم میں آجاتی ہیں۔ وہ ہر جنبش اور ہر حرکت میں ایک ایسا جلوہ پیش کر دیتے ہیں جو دلوں کو مسحور کر دینے کو کافی ہوتا ہے۔ جب وہ فطرت کے رنگین نظارے صفحۂ قرطاس پر پیش کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دور۔ بہت دور۔ پریوں کے جنگل میں ایک خواب کی دنیا بسی ہوئی ہے جس میں خوبصورت لمبے لمبے درخت اپنا ہلکا ہلکا سا سایہ ایک پاس ہی بہتے ہوئے چشمے کے پانی پر آہستہ آہستہ ڈال رہے ہیں، رنگ برنگ کے پھل اپنی دلآویزیوں اور رعنائیوں کے ساتھ معصوم بھولے بھالے بھونروں کو پریشان کر رہے ہیں اور ڈوبتے ہوئے سورج کی آخری کرنیں لہروں سے مل مل کر رخصت ہو رہی ہیں۔

انھوں نے آج ایک تصویر تیار کی ہے جس کا عنوان یہ ہے "زندگی"۔ اسی "زندگی" نے آج میرے جسم میں نئی جان پیدا کر دی ہے۔ تم کہو گی کیسے؟ میں کیسے بتاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ تو اپنے جذبات کو ایک رنگین مرقع کی شکل میں پیش کر دیتے ہیں لیکن میں یہ قدرت کہاں سے لاؤں کہ اس مرقع کو الفاظ کے رنگ و روپ میں تمہیں دکھاؤں۔ اس کی خوبی تو صرف دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مختصر اتنا کہے دیتی ہوں کہ اس تصویر میں ایک ایسی دنیا دکھائی گئی ہے جہاں پریم راج ہے۔ جہاں کے مکین پریم میں کھوئے سے رہتے ہیں، جہاں پریم پجاری اپنی دیوی کے سامنے سر عبودیت جھکا دیتا ہے۔ بس تم کو اور کیا لکھوں اسی تصویر نے مجھے آج بخود بنا دیا ہے۔ میں سوچتی ہوں۔ ان کو مجھ سے کتنی محبت ہے۔ اف اس کا تخیل کوئی فانی دماغ نہیں کر سکتا۔

تمہاری

سیمیں

(۲)

"فردوس نگاہ" ۳ رجون ۳۸ء

بہن نگہت!

آج پورے ایک سال بعد میں اپنے بستے کو صاف کر رہی اور پرانے خطوط پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر ردّی کی ٹوکری بھر رہی تھی کہ تمہارا وہ خط ہاتھ آ گیا جو تم نے میرے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اس وقت تمہارا خط پڑھ کر مجھے بے اختیار تم پر غصہ آیا تھا اور میں سوچتی تھی کہ آخر تم ان لوگوں سے جن کے ساتھ قدرت نے ہم عورتوں کو باندھ دیا ہے اس قدر بدگمان کیوں ہو۔ تم نے صاف طور پر مجھے یہ نہیں لکھا کہ ببیں تم اپنے دولھا پر پورا اعتماد نہ کرنا دنیا جہاں کے مرد عموماً بے وفا ہوتے ہیں" لیکن پورے خط کو پڑھ کر ہر شخص یہی نتیجہ اخذ کر سکتا ہے۔ اب میں سوچتی ہوں کہ تم نے مجھے ایسا لکھا اور ہدایت کی تو کیا برا کیا۔ یہ تمہارا فرض تھا کہ اونچ نیچ سمجھا دو۔ مگر میں تم کو بتا دوں کہ تمہارے بہنوئی عام مردوں سے بالکل الگ قسم کے انسان ہے۔ جو شخص شادی کو متبرک فرض سمجھتا ہو۔ جو عورت کو بیوی کے درجہ سے بڑھا کر اپنے دل کی دیوی بنا لیتا ہوں۔ جو اپنی رفیقہ حیات کی ذرا سی تکلیف سے بے چین ہو جاتا ہو۔ اس سے یہ بدگمانی کرنا کہ کسی وقت دھوکہ پہنچائے گا ایک زبردست گناہ ہے جس کی مرتکب کم سے کم میں تو نہیں ہو سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ مرد بیوفائی کر جاتا ہے لیکن اس میں اس کے ساتھ ساتھ عورت بھی ایک بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہے۔ میں کہتی ہوں جو عورت اپنے شوہر کو بدی کی طرف جاتے ہوئے نہیں روک سکتی وہ صحیح معنوں میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں ایک زبردست غفلت برتتی ہے۔ جس کا نتیجہ آخر میں خود اسے بھگتنا پڑتا ہے۔ تم نے جو واقعہ بیان کیا اس سے میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ غریب بیمار بیاہتا بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لینا نہایت کم ہمتی اور بزدلی کی بات ہے جسے ہم عورتیں کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتیں۔ لیکن اس مخصوص واقعہ میں مرد اپنی بریت میں کئی دلائل پیش کر سکتا ہے۔ ایک تو یہی بات ہے کہ بیوی تپ کہنہ کی مریض ہے۔ اس کی جان بری کی کوئی امید نہیں۔ دوسرے یہ کہ شوہر اپنی ملازمت میں ایک سکون مطلق کا متلاشی تھا۔ جو بغیر بیوی کے میسر نہیں آ سکتا۔ اس کے علاوہ اور بھی باتیں ہو سکتیں ہیں جو ہم سطحی تماش بینوں کو نظر نہیں آ سکتیں۔ ان سب باتوں کے باوجود میں مانتی ہوں کہ ان حضرت کا فعل از حد نفرت انگیز ہے۔ بہرحال اس امر سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا کہ مرد قابل اعتبار نہیں ہوتا لیکن مجھے خوشی ہے اور یقیناً تم بھی میرے ساتھ میری خوشی میں شامل ہو گی کہ میرے پتیم زمانے بھر کے مردوں سے بالکل الگ ہیں۔ میں تو یہ کہونگی وہ محبت کے دیوتا ہیں۔ کوئی ان کی برابری ہرگز نہیں کر سکتا۔

تمہاری ببین

(۳)

"فردوس نگاہ" ۳ رجنوری ۳۹ء

بہن نگہت۔ اپنی زندہ در گور ببیں کا سلام قبول کرو۔

ہاں بہن تم نے جو کچھ سنا سچ سُنا۔ تقدیر کا نوشتہ پورا ہوا اور کچھ نہیں میں نے تم کو دانستہ اطلاع نہیں دی اور دیتی بھی کس منہ سے مجھے اچھی طرح یاد ہیں وہ خطوط جو میں نے تم کو اکثر لکھے ہیں۔ افسوس مجھے معلوم نہ تھا کہ محبت

اکیلا منہ اب ہے۔ فضائے بعید پر ایک دل خوش کن اور رنگین منظر ہے جو آگے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ دور سے بہت دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ آہ۔ محبت کی حقیقت بہت دیر میں معلوم ہوئی۔ کاش میں نے کسی سے محبت ہی نہ کی ہوتی۔!!

میری نکہت۔ مجھے معلوم نہیں کہ تم کو کیا لکھوں۔ شادی کے بعد دو سال جن مسرتوں میں گذرے وہ اب ایک شعلے کی مانند معلوم ہوتے ہیں جو ایک لمحے کے لئے تاریکیوں کو منور کر کے ختم ہو گیا۔ میری زندگی کا افسانہ ایک مسلسل داستانِ غم ہے۔ جس میں صرف پچھلے دو سال نہیں بلکہ چند مہینے میرا دماغ ایک خوش کن اور مسرت انگیز مستقبل کو طرح طرح کی دلچسپیوں اور مسرتوں کی شکل میں پیش کرتا رہا ہے اور کبس۔ اب میں ہوں اور ایک ہولناک مستقبل کی ڈراونی تصویر۔ ٹوٹا ہوا دل ہے اور زمانے کی بیدردیاں۔ آنسوؤں سے بے نیاز، تھکی ہوئی آنکھیں ہیں اور ساری عمر رونا!! اور ان سب کے ساتھ ننھے اور معصوم غدیرہ کا ساتھ ہے اور جینے کی تمنا۔ ہاں۔ زیادہ سے زیادہ اس وقت تک کے لئے جب تک اس معصوم میں کچھ سمجھ نہ آئے۔

نکہت۔ کبھی تم نے ایسے پرند کی تکلیف کو خیال کیا ہے جس کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہو بعینہٖ یہی حالت میری ہے۔ بازو کا سہارا جاتا رہا مصیبت زدہ ہوں۔ تن میں سانس باقی ہے۔ جی رہی ہوں۔ میں تو اس ٹوٹی ہوئی کشتی کی بچی ہوئی زندہ لاش ہوں جس کا ناخدا کشتی کے پاش پاش ہونے سے پہلے ہی صحیح سالم دوسری ناؤں پر سوار ہو گیا ہو۔ آہ اس کو کیا معلوم کہ اس کا سہارا تکنے والے غریب کس حال میں ہیں!

ہاں تم نے یہ صحیح سنا کہ تمہارے بہنوئی صاحب اور ہمارے "لاڈلے میتم" نے ایک دوسری شادی کر لی ہے۔ کب اور کیسے۔ یہ ایک طویل داستان ہے جو بشرط زندگی پھر کبھی زبانی سناؤں گی۔ مجھے رنج اس بات کا ہے کہ میں آخر وقت تک اندھی رہی۔ محبت نے میری آنکھوں پر پردہ ڈالے رکھا۔ اور اس پردے کے پیچھے میری محبت کو دوسرے ہاتھوں نے مجھ سے چھین لیا۔ آہ مجھے کیا معلوم تھا کہ رائے بریلی کے تبادلے پر میں لُٹ جاؤں گی۔ "شفیق بھائی" کی "پیاری سالی" اپنی مسکراہٹ سے میرے خرمن حیات پر بجلیاں گرا دیگی اور میں منہ تکتی رہ جاؤنگی۔ افسوس۔ سب کچھ میرے سامنے ہوا۔ اور میں سب باتوں سے بے خبر انکی محبت کے نشہ میں چور بدگمانیوں سے کوسوں پرے رہی

اب پیاری نکہت۔ میں تنہا ہوں۔ الگ سب سے الگ۔ غدیرہ میری جان کے ساتھ ہے۔ اس لئے میں جی رہی ہوں۔ اور جیؤنگی۔ میں اب خانماں برباد ہوں بچپن میں ماں باپ کے گھر میں راج کیا۔ اس کے بعد کچھ دن کے لئے ایک اور راج مل گیا تھا۔ جس کو میں ماں باپ کے گھر کے راج سے بہتر سمجھتی تھی وہ راج میری نظر میں ایک ابدی راج تھا۔ آہ وہ ختم ہو گیا ایک رقیب روسیاہ اس پر قابض ہے۔ وہاں رنگین محفلیں ہیں۔ یہاں تنہائیاں۔ وہاں کیف و سرور کے نغمے ہیں۔ یہاں ہجوم افکار۔ وہاں شیشہ و ساغر چھلکتے ہیں یہاں اسکول کا طوفان ہے اور ہاں۔ وہاں نئی نئی تصویریں بنتی ہیں یہاں پرانے نقوش کو دل سے مٹانے کی ناکام کوششیں ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلّا۔

تمہاری

سیمیں

خودپسندی

یوں تو انسان مختلف جذبات کا مجموعہ ہے، لیکن جس دماغ میں خودپسندی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے، وہ تنگ نظر، تنگ خیال اور کوتاہ بین ہوتا ہے۔ اس کی عقل و فراست ایک مختصر دائرے میں محدود ہوتی ہے۔ یہ اپنی رائے کو خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو، دوسرے کی صحیح رائے پر بھی ہمیشہ ترجیح دیتا ہے۔ وہ اپنی ہر چیز کو، ہر بات کو، اور اپنے طریق کار کو خواہ وہ پست ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ بلند تر سمجھتا اور کہتا ہے۔ جب لوگ اس پر ہنستے ہیں تو یہ زہرخندہ ہو کر بے پرواہی کا اظہار کرتا ہے۔ عموماً یہ جذبہ امراء کے طبقہ میں پایا جاتا ہے اور خصوصاً ایسے آدمی میں جہاں وہ اپنے ماتحتوں سے سب کچھ کہہ سکتا ہو، پر اس سے کہنے والا کوئی نہ ہو، یا ایسے لیڈرین جس کی پبلک جاہل و بیوقوف ہو۔

وہ افراد جن کو لوگ عالی دماغ و فہیم سمجھتے ہیں۔ جب وہ کسی جلسہ میں اپنی غلط رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسی غلط جس پر ایک بچہ بھی خندہ زنی کئے بغیر نہیں رہ سکتا، تو وہ نادم نہیں ہوتے بلکہ اس ہنسی کو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ ہنسنے والا بیوقوف ہے۔

دنیا کی کوئی بات ہو، کوئی مسئلہ ہو، اور کوئی بحث ہو، ایک خودستا و خودپسند آدمی دوران تقریر و تحریر میں کسی نہ کسی پہلو سے اپنی اور اپنے متعلقین کی تعریف و توصیف میں اس درجہ منہمک ہوجاتا ہے کہ اس پر دیوانگی برسنے لگتی ہے۔

ایک شخص جو نیکی کا پتلا، ہمدردی کا مجسمہ، سنجیدگی و خلوص کا پیکر ہے۔ ایسا کہ لوگ جس کی بات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور صاحب الرائے بھی سمجھتے ہیں۔ خودپسند اس کو بھی ہیچ سمجھتا ہے۔ اس کے قوائے عقلی ماند پڑجاتے ہیں۔ وہ اپنے مہمل اعتراضات و جوابات کو بھی قابلِ قبول سمجھتا ہے اور ایسی بحث جو عام فہم نہیں ہوتی کرنے لگتا ہے تاکہ لوگ اس سے متاثر ہو کر اس کی تعریف کرنے لگیں۔

ایک خودپسند کا تخیلہ اپنی ذات کے متعلق اس قدر قوی و تیز ہوجاتا ہے کہ وہ حقائق و واقعات کو بھی مفروضات میں شامل کر دیتا ہے۔ اس کے ذہن و دماغ کی دسترس اس سے باہر نہیں ہوتی کہ وہ بذاتہ ہر بات میں، ہر کام میں، اور ہر شعبہ میں بےنظیر ہے۔ اس کی عقل اس قدر زنگ آلود ہوجاتی ہے کہ اپنے آپ کو حسین ترین دھوکا دینے کے بعد بھی نہیں سمجھتا کہ میں دھوکے میں ہوں۔ یہ اپنے ذاتی مفاد کو اپنے عزیز ترین دوست کی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ خودبینی و خودستائی مرادف الفاظ ہیں۔ جس طرح ایک خودبین اپنے ہی کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح ایک خودپسند شخص کسی نہ کسی پیرایہ میں اپنی ہی تعریف کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو دوسرے کی تعریف سے تکلیف و اذیت ہوتی ہے اور یہ اپنے مقابلہ پر کسی کی تعریف سننا تک گوارا نہیں کرسکتا۔

اکثر ایک خودپسند احسان فراموش بھی ہوتا ہے اگر کوئی بھلا آدمی اس کے ساتھ احسان و مراعات کرتا ہے، تو یہ اس کو اس طرح ملیامیٹ کر دیتا ہے کہ لوگ حیرت میں رہجاتے ہیں۔ اور اس کو احساس تک نہیں ہوتا۔ جب اس کا ضمیر اس پر لعنت کرتا ہے تو ایک فلسفیانہ انداز کے ساتھ اس کو رد کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ احسان و مراعات جو اس کے ساتھ

کئے جاتے ہیں۔ ان میں یہ اپنی توہین و تذلیل محسوس کرکے ندامت کو دور کرنے کے لئے۔ ایسی ایسی تاویلات سے کام لیتا ہے کہ محسن کو اپنا مرہونِ احسان بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور اس حال میں وہ ذرا نہیں جھجکتا۔

لیکن بدقسمتی یا خوش قسمتی سے اگر یہ کسی شریف آدمی کے ساتھ مجبوراً کوئی احسان کرتا ہے تو اس کو نادم و شرمندہ اور ذلیل کرنے کے لئے وہ وہ طریقے استعمال کرتا ہے اور اپنے احسان کو طشت از بام کرنے کی وہ راہیں نکالتا ہے کہ مرہون احسان کو پچھتانا پڑتا ہے۔

اگر اتفاق سے کوئی شخص اس کے منہ پر اس کی بڑائی اور تعریف کرتا ہے تو بجائے انکساری و عاجزی کے اس کا نفس اس کو اور گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی اس حال میں یہ اپنے تئیں سقراط و بقراط کے برابر تصور کرنے لگتا ہے اور فخر و غرور سے اس کا دل ٹکڑے ہونے لگتا ہے۔ یوں تو فطرۃً ہر شخص اپنی تعریف سے ظاہر نہیں تو بباطن خوش ہوتا ہے۔ لیکن ایک خود پسند انسان اپنی تعریف سے خوش ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے تئیں مافوقِ بشر محسوس کرنے لگتا ہے۔

اگر کوئی شخص اس پر کوئی جائز اعتراض کرتا ہے ایسا اعتراض جو حقیقتاً صحیح ہو لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کا چہرہ تمتمانے لگتا ہے گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں منہ میں کف اور آنکھوں میں سرخی نمودار ہونے لگتی ہے۔ ہاتھ پاؤں میں جنبش اور سانسوں میں سرعت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک خونخوار درندے کی طرح معترض کو اس طرح خون آلود نگاہوں سے دیکھتا ہے گویا یہ اس کی ہڈیاں چبا کر اس کا پیچھا چھوڑے گا، اس لئے یہ اپنے متعلق ایک ہلکا سا اعتراض بھی نہیں سُن سکتا، اور اپنی بڑی سے بڑی غلطی کو بھی غلطی نہیں مانتا۔

خود پسند انسان خود غرض بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ خود غرضی بھی فطری جذبہ ہے اور کم و بیش ہر شخص میں پایا جاتا ہے لیکن جب یہ جذبہ ایک خود پسند میں کارفرما ہوتا ہے تو حیوانیت کے درجہ میں اس کو پہنچا دیتا ہے نشست و برخاست میں اکل و شرب میں تکلم و خاموشی میں عیش و آرام میں۔ غرضکہ ہر موقعہ پر یہ جذبہ اس میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ لوگ محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس کا احساس مردہ ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ خود پسند کا جذبہ دنایت و سفاہت سے لبریز ہوتا ہے۔ اور انسانیت سے معرا۔ اس کی حد تکبر و غرور سے ملتی ہے۔ اس لئے اس سے نفرت کرنا اور دور رہنا انسانیت کا فرض ہے۔ جہانتک ممکن ہو انسان کو خوددار بننا چاہیئے۔ نہ کہ خود پسند۔

امام۔ اکبر آبادی

نجمہ

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

"قمر! کیا جمیل صاحب کی شادی ہوگئی؟" بیگم حامد نے اپنے بھائی سے یہ سوال کیا۔ جب کہ وہ اخبار کے مطالعہ میں محو تھے۔ کچھ جواب نہ ملنے پر انھوں نے دوبارہ پوچھا، تو قمر نے جیب سے ایک خط نکال کر بہن کو دے دیا جو یہ تھا۔

پیارے قمر غالباً تم کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ آخرکار میں والدین کا ایک ہی بیٹا ہونے کے جرم میں، باوجود سخت مخالفت، ضد اور کسی قدر بے ادبی کے پابند سلاسلِ متاہل کر دیا گیا۔ مگر میں بے حد رنجیدہ ہوں کہ بدعہد اور بیوفا خیال کیا جاؤں گا۔ گذشتہ ہفتہ کو عقد ہوا ہے، رسمِ رخصتی آیندہ ماہ میں قرار پائی ہے اُمید ہے آخر نومبر تک آپ لوگ بھی مسوری سے اُتر آئیں گے۔ اب تو غضب کی سردی ہوگئی ہوگی؟

میری طرف سے جناب باجی بیگم حامد صاحب و مسٹر حامد سے عرض کرنا کہ تمہارے ساتھ وہ دونوں اس رسم بیکار میں شریک ہو کر عزت بخشیں۔ غالباً ۲۲۔ دسمبر تاریخ گرفتاری ہے۔ تم ضرور سوال کروگے کہ کہاں شادی ہو رہی ہے۔ سنو میرے چچا کی بیٹی ہے۔ دیکھی بھالی ہے کہتے ہیں حسین ہے اور پرائیوٹ میٹرک پاس ہے پردہ کی بھی پابند ہے، خدا میرے ساتھ خوش رکھے۔ بہت فکرمند ہوں میں تو یوں گرفتار کیا گیا کہ میرے والدین کی قطع نسل نہ ہو۔ مگر وہ بیچاری بے گناہ ایک ایسے شخص کے ساتھ وابستہ کر دی گئی جس کو اس سے ذرا بھی محبت نہیں۔ اللہ یہ بیڑا پار کرے۔ دعا کرو۔

تمہارا جمیل

بیگم حامد نے اس خط کو دو تین بار پڑھا، اور بہت دیر سر پکڑ کر کسی سوچ میں پڑ گئیں۔ اب بھائی اخبار ختم کر چکے تھے۔ بہن سے بولے:۔ "باجی جان یہ شادی کیسی ہوئی؟ شادی یا بربادی؟"۔ "میں تو وہی سوچ رہی ہوں رات مجھے تمہارے اور جمیل کے دوست رتن لال نے سینما میں یہ کہا کہ مبارک ہو وہ وحشی بھی اب انسان بن جائیگا تم نے تو بتایا ہی نہ تھا۔" بیگم حامد نے جواب دیا۔ "آج صبح ہی تو یہ خط ملا ہے۔ رتن لال کے پاس پہلے آگیا ہوگا" قمر نے کہا۔ "نجمہ آج کل کہاں ہے۔ وہ اپنے ہونے والے شوہر سے بہت ناخوش تھی۔ تمھیں کہیں ملی ہے؟" بیگم حامد نے سوال کیا۔ "یہی تو غضب ہوگیا باجی جان۔ رات ہی سُنا گیا ہے۔ کامران کمبخت نے اس کرسچن لڑکی سے شادی کر لی نجمہ سے قطع تعلق ہوگیا۔ ابھی نکاح تو ہوا ہی نہ تھا۔ نجمہ کئی روز سے نظر نہیں آئی۔ غالباً مسوری میں نہیں ہے۔ بیچارہ جمیل شادی کر کے زندگی سے بیزار رہے گا۔ اور وہ ناسمجھ لڑکی خدا جانے کیا کیا مصیبتیں اُٹھائے گی۔

یہ سُن کر بیگم حامد نے بہت ہی افسوس سے کہا "کاش ابھی جمیل کا رشتہ نہ ہوا ہوتا۔ اگر جمیل کو علم ہو جاتا کہ نجمہ کا بیاہ کامران سے نہ ہوگا تو وہ ہرگز نہ کرتا۔ والدین سے منت و سماجت سے رضامند کر لیتا۔ آہ غریب بھولی نجمہ خودسری اور فیشن پرستی کا کیسا بُرا نتیجہ پایا۔ مسٹر و مسز سالومن نے اس کو تباہ کیا۔ اب کیا کرے گی۔ اپنے گھر والوں سے بھی شرمندہ اور دنیا میں بھی بدنام۔ حسب پسند رشتہ کا انتخاب کرنا لڑکی لڑکے کا اس باب میں خود مختار ہونا لازمی ہے

مگر ایک حد تک۔ کامران کو وہ خود نہ جانتی تھی۔ سہیلی کے کہنے میں جمیل ایسا فرشتہ خصال انسان ہاتھوں سے کھویا۔ اور پریشان ہوئی۔"

قمر نے کہا "باجی اب تو ہم لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے جمیل کا نکاح ہو گیا۔ خدا جمیل کے دل میں اُس لڑکی کی محبت دے۔ کہ زندگی خوش گوار گذرے۔

شکیل منزل کلکتہ کے پائیں باغ میں آج کوئی پردہ پارٹی تھی۔ شام کے سات بجے تک سب مہمان بیبیاں اور لڑکیاں رخصت ہو گئیں۔ اور صاحب خانہ کی حسین و جمیل لڑکی شکیل آرا بیگم تنہا رہ گئیں تو اُنھوں نے باوجود سخت سردی کے اسی جگہ نماز مغرب ادا کی۔ اور اس کے بعد سرخ شال اوڑھ باغیچہ کے ایک پتھر کے بنچ پر بیٹھ گئیں۔ ہاتھ میں خط تھا جس کو صحن باغ کے لیمپ کے آگے کئی بار پڑھ چکی تھیں۔ وہ اس وقت کسی گہرے سوچ میں بیٹھی تھیں کہ قدموں کی آہٹ معلوم ہوئی دیکھا سامنے سے ان کا چچازاد بھائی جمیل آ رہا ہے جس سے وہ اب پردہ کرتی تھیں جمیل صاحب بہت تیز آ رہے تھے۔ جلدی سے آگے بڑھے اور شکیل آرا کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ شکیلہ نے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور رومال سے مُنھ چھپا لیا۔ مگر جمیل صاحب نے اُن کے دونوں ہاتھ پکڑ کر رومال ہٹا دیا۔ اور خود وہیں زمین پر ان کے سامنے بیٹھ رہے۔ اور کہا "شکیلہ تم تو پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ ہم جیسے قریبی رشتہ داروں میں پردہ کیسا؟ اور اب تو ہم میں پردہ بہت ہی نامناسب ہے۔ ٹھیک طرح بیٹھو اور مجھ سے باتیں کرو۔" یہ سُن کر لڑکی نے سر اونچا کیا اور شرماتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ سب صحیح ہے، لیکن جب بزرگوں کا حکم ہے تو اس کے خلاف نہیں کرنا چاہیئے۔ ابھی کوئی آ گیا تو کیا ہوگا؟" جمیل بولا "آ جائے۔ مجھے پرواہ نہیں ہے۔ میں اس وقت اس لئے آیا ہوں کہ تم نے میرے خط کا جواب نہیں دیا تھا۔ سُنا ہے تم بہت مغموم رہتی ہو جس دن سے عقد ہوا ہے، ہر وقت روتی ہو۔ یہ حالات سُن کر میں بدنصیب سخت پریشان ہوں، صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رنج و غم افسردگی آخر کیوں؟ تمھیں میرے حالات زندگی معلوم ہیں پہلے رشتہ سے بھی باخبر ہو مجھ کو اس سے بے حد محبت تھی، اس کی بھی راز دار ہو۔ آخر میری بنت عم ہو۔ (یہ لفظ "بنت عم" جمیل نے ذرا مسکرا کر کہا۔ جس پر وہ ہنس پڑیں) تاہم یہ بھی جانتی ہو کہ تمھارا ابن عم کوئی بدطینت انسان نہیں۔ شریف ہے۔ نرم دل ہے تمھارا ہمدرد ہے اس پر بھی رشتہ تمھیں ناپسند تھا تو ہماری قبل والدین سے کہلوا دیا ہوتا۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ بجائے رونے کے زندگی ہنس کر گذارنا چاہیئے۔ شکیل آرا تم جس سے وابستہ کی گئیں وہ اس قدر بُرا نہیں ہے۔"

اپنے ہونے والے شوہر سے یہ باتیں سُن کر شکیلہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ یہ تو تھے ہی شکستہ دل انھوں نے بھی ساتھ دیا۔ ۵ امنٹ تک خاموش دونوں روتے رہے۔ شکیلہ اب بنچ سے اُٹھ کر ان کے قریب گھاس پر آ بیٹھی تھی وہ اس وقت سرخ جارجٹ کی ساڑھی اور سُرخ دوشالہ میں لال پری معلوم ہو رہی تھی۔ کانوں میں یاقوت مرصع کے بہت بڑے بڑے آویزے دونوں گلابی رخساروں پر لٹک رہے تھے۔ وہ روتے روتے بے حال ہوئی جاتی تھی جمیل صاحب کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بچوں کی طرح چمکارتے بہلاتے، مگر شکیلہ سے صبر نہ ہوتا تھا۔ آخر وہ اس کو یہاں سے اُٹھا کر بارہ دری میں لے گئے۔ اور کوچ پر لٹا دیا۔ جب ذرا حواس بجا ہوئے تو پھر اس سے یہی سوال کیا۔ "شکیلہ تمھارا جمیل اس قدر تو غالباً بُرا نہیں کہ تم اس سے بیاہی جانے سے اس قدر پریشان ہو۔ بتاؤ سچ جاہتی ہو میں کرنے کو تیار ہوں۔ اگر میرے بجائے کسی اور سے رشتہ

چاہتی تھیں تو وہ بھی بتا دو۔ میں ہر طرح تمہارا خادم ہوں۔ ہمدرد ہوں مددگار ہوں۔ گو نکاح نے ہم دونوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔ تاہم ہم دونوں مسلمان ہیں"۔ جمیل کے اس آخری فقرے پر شکیلہ پھر بیتاب ہو کر رونے لگی۔ بہت دیر بعد کچھ سنبھلی تو سیدھی بیٹھ کر جمیل کے قدموں کی طرف جھک کر کہا۔ "میں آپ کی بنت عم نہیں۔ اب ہمسری کا دعویٰ نہیں ہے۔ شکیلہ آپ کی ادنیٰ کنیز ہے۔ مگر افسوس کہ آپ کے دل میں میری طرف سے بہت بُرے خیالات ہیں۔ آہ میں آپ کے اس حسنِ ظن کو برداشت نہیں کر سکتی۔ للّٰہ یہ خیال دل سے نکال دیں"۔ جمیل نے پوچھا کیا خیال۔ شکیلہ صاف کہو۔ کونسا خیال؟" "ایک تو یہ کہ میں آپ کے سوا کسی اور کی قدر کرتی ہوں۔ دوسرا یہ کہ تم مسلمان ہیں۔ جمیل صاحب آپ مسلمان ہوں۔ مگر میں ہندی لڑکی ہوں۔ میں یہ الفاظ سُن بھی نہیں سکتی۔ آپ مجھ کو پسند نہ کریں مجھ سے محبت نہ کریں۔ مگر میں تمام عمر پرستار کنیز ہوں"۔ جمیل نے کہا "یہ خیال تو میرے دل میں یوں آئے کہ سنا جاتا ہے کہ تم نکاح کے دن سے برابر رو رہی ہو۔ کیا یہ غلط ہے؟" شکیلہ نے کہا۔ "غلط نہیں۔ درست ہے۔ مگر آپ غلط سمجھے ہیں۔ مجھ کو رنج یہ ہے کہ آپ اپنی پہلی قابل قدر اعلیٰ تعلیم یافتہ حسین منسوبہ کے رنج میں مبتلا ہیں اور شادی کرنا نہیں چاہتے۔ مگر ہمارے والدین زبردستی گرفتار کر رہے ہیں۔ اس حالت میں میری گذر کیسے ہو گی؟ میں مجھ کے برابر قابل نہیں۔ حسین نہیں۔ مجھ سے آپ کی محبت نہیں۔ ورنہ خدا جانتا ہے کہ ایسا قابل نیک "ابنِ عم" جسے ملے وہ ناشکری کرے! مگر آپ کی قسمت پر افسوس ہے اور اس خیال میں مری جاتی ہوں۔ خدا کرے میری خدمت و محبت و طاعت آپ کو پسند آ جائے اور آپ کا کچھ غم غلط ہو"۔ شکیلہ کے یہ خیالات سُن کر جمیل کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے کہا۔ "بھول جاؤ میرے گذشتہ حالات کو اور دعا کرو کہ میں بھی بھول جاؤں۔ میں اب تمہارا ہوں۔ جیسا کچھ بھی ہوں۔ تم خوشی سے قبول کرو۔ اللہ مجھ کو توفیق دے کہ تم کو خوش رکھ سکوں۔ (باقی آیندہ)

نذرِ سجاد حیدر

صفحہ ۲۵۶ کا بقیہ :-

اٹلی نے البانیا لیا تھا اس غرض سے کہ وہ دیگر ممالک بلقان کو فتح کر کے ڈینوب کی شاہراہ تجارت پر قابض ہو جائے۔ اور ایک دفعہ پھر روما کی بھولی ہوئی شان کو جگا کر دنیا میں چاروں طرف اپنا ڈنکا بجا دے۔ اس میں شک نہیں کہ فی الحال جرمنی، اٹلی اور روس میں دوستی ہے۔ لیکن یہ دوستی کبھی مستحکم نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ یہ تینوں شکاری ایک ہی شکار کے متمنی ہیں۔ وہ واحد شکار وادئ ڈینوب ہے۔ فی زماننا یہ کام اٹلی کی طاقت سے بعید ہے۔ شاید روس اور جرمنی کو ہی اپنی اپنی طاقت آزمانی ہوگی۔ روس اور جرمن معاہدہ نے جرمنی کے لئے زندگی اور موت کا سوال پیدا کر دیا ہے۔ انگلستان کے خلاف لڑنے میں یا وہ جیت جائے گا اور اپنا مزید شوق پورا کرنے کی کوشش کرے گا یا خود ہار کر نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس جھگڑے سے روس فائدہ اُٹھا رہا ہے اور اُٹھاتا رہے گا۔ سٹالین سیاسی چال نہایت عقلمندی سے چلا ہے۔ جرمنی روسی معاہدے کی رُو سے اس نے ایک طرف تو ہٹلر کو مغربی جمہوریتوں کے خلاف لڑنے کے لئے اُکسایا ہے۔ اور دوسری طرف اپنا اُلو سیدھا کیا۔ ہٹلر کو اب شالین کی چال بازی کا پتہ چل گیا ہے لیکن بہت دیر بعد۔ شالین نے اسے ایسے بھنور میں پھنسا دیا ہے جس میں سے اب وہ بآسانی نہیں نکل سکتا۔ ہٹلر شالین کی کامیابی کو نہایت پُرحسرت نظروں سے دیکھ رہا ہے اور مدافعت نہیں کر سکتا۔ موجودہ لڑائی کا خاتمہ ہٹلر کی شکست نظر آ رہا ہے لیکن بالفرض محال وہ جیت

آفریدی قوم کی عورتیں

آفریدی قوم شمال مغربی سرحدی صوبہ کے جنوب مغرب کی طرف پہاڑی علاقہ میں نہایت آزاد زندگی بسر کرتی ہے۔ان کی آبادی کم وبیش دولاکھ کے قریب ہے۔ان کے چھوٹے چھوٹے گاؤں جو چند گھروں پر مشتمل ہوتے ہیں تمام علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔اپنی اپنی زمین کے ساتھ الگ الگ گھر بناتے ہیں اور ہر گھر میں دشمن سے بچنے کے لیے برج بناتے ہیں۔مگر یہ برج اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ آدمی بمشکل کھڑا ہوسکتا ہوگا۔ان کے گھر مٹی اور پتھروں کے بنے ہوتے ہیں۔

آفریدی انتہا درجہ کے بہادر ہیں۔تمام دنیا میں ان کی بہادری کی داستان مشہور ہے۔سادہ مزاج مگر نہایت ہوشیار ہیں۔باوجود تعلیم کی کمی کے چالاکی و دلیری میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔بہ نسبت ہمارے، خدا نے خوبصورتی بھی ان کو زیادہ دی ہے۔سرخ وسفید رنگ، بھورے بال۔موٹی آنکھیں لمبی بھویں۔خوبصورت ناک، اونچے قد سڈول جسم تندرست و توانا بدن سستی و کاہلی ان میں نام کو نہیں۔ایک طرف یہ لوگ تندخو اور جنگ جو دشمن کا خون پینے پر آمادہ رہتے ہیں تو دوسری طرف نہایت مخلص و وفادار ہوتے ہیں۔اور دوستی نبھانے میں اپنا خون تک بہانے کو تیار۔ان کی آپس میں دشمنی و عداوت انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو جب موقع ملتا ہے ایک کنبہ دوسرے کنبہ پر دھاوا بول دیتا ہے اور تمام مردوں، لڑکوں، شیرخوار بچوں، حتیٰ کہ ان عورتوں کو بھی، جن کے ہاں بچہ ہونے کی امید ہو قتل کردیا جاتا ہے۔مگر غیر اقوام خصوصاً ہندوؤں سے جو بنئے کی حیثیت سے ان کے درمیان رہتے ہیں کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔اپنے سگے بھائیوں کو بیدردی سے قتل کرتے ہیں۔مگر کسی ہندو کا بال بیکا ہونے نہیں دیتے۔ہندو اپنی مذہبی رسوم آزادی سے ادا کرتے ہیں۔تمام لین دین کا معاملہ ہندو ساہوکار سے ہوتا ہے۔کاش ہمارے ملکی بھائی اس آزاد و خودمختار قوم سے اخلاق و رواداری کا سبق حاصل کریں۔

آفریدی مردوں کا لباس خاکی ہوتا ہے قمیص پاجامہ۔خاکی بند گلے کی واسکٹ۔خاکی پگڑی اور چپلی پہنتے ہیں۔عورتوں کا لباس خاکی ہوتا ہے۔سیاہ کپڑے یا سیاہ رنگ کے چھینٹ کا بڑے گھیر کا تنگ پائنچوں والا پاجامہ سیاہ کپڑے کا خوب کھلا کرتہ اور سیاہ چادر اوڑھتی ہیں۔مگر زیادہ تر یہی لباس پہنا جاتا ہے۔جو آج سے کئی سو سال پہلے مغلوں کے زمانے میں پہنا جاتا تھا، مائل بہ سیاہی سرخ رنگ کے چھینٹ کا چوڑی دار پاجامہ فراک نما کرتہ اور سرخ باڈر والی سیاہ چادر استعمال کرتی ہیں۔فراک نما کرتے کی آستین تنگ اور تریزوں والے کرتہ کی خوب کھلے اور لمبے ہوتے ہیں۔فراک نیچے سے کھلا اور سینے کے پاس تنگ ہوتا ہے۔امیر گھروں کی عورتیں چپلی کہیں شادی بیاہ میں طلے والی چپلی ورنہ عام طور پر یہ خود ایک قسم کی گھاس کی چپلی بناتے ہیں۔وہی مرد عورتیں سب استعمال کرتے ہیں۔

زیور ان کے چاندی کے ہوتے ہیں جو خوب موٹے اور بھاری ہوتے ہیں۔آفریدی عورتیں پاؤں میں زیور نہیں پہنتیں۔ہاتھوں میں کڑے کنگن گلے میں خوب موٹی ہنسلی۔کانوں میں جھمکے اور کریلے کی طرح بنا ہوا زیور پہنتی ہیں۔اوپر کے کان نہیں چھدواتیں۔صرف ایک ایک سوراخ ہوتا ہے۔سر میں بھی چاندی کے زیور ہوتے ہیں کرتے پر روپیہ، اٹھنیاں، چونیاں اور چاندی کے صاف ابھرے ہوئے بٹن ٹانکتی ہیں۔کرتے پر سامنے گلے سے لیکر

دامن تک سکّے، پٹی کے اردگرد اور آستینوں پر بٹن لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ کرتے روزانہ استعمال کے نہیں ہوتے کہیں شادی بیاہ یا آنے جانے میں پہنتی ہیں۔ امیر گھروں کی عورتوں کے روزانہ استعمال کے کرتوں پر چند ایک سکّے اور چاندی کے بٹن لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ گلے آستین دامن اور پائنچوں میں رنگدار مغزی لگاتی ہیں۔ گلے آستین اور دامن پر اگر دامن پر نہیں تو کرتے کی چاکوں پر سرخ ریشم کا کام کرتی ہیں۔ جس میں تھوڑا کالا اور زرد ریشم بھی استعمال کرتی ہیں۔ دائیں طرف ناک میں موٹی لونگ اکثر چاندی اور بعض سونے کی پہنتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی زیور شاذ و نادر سونے کا ہوتا ہے۔ انگوٹھیاں بھی چاندی کی ہوتی ہیں۔ شوقین مائیں بچیوں کو ہنسلی، کڑے اور سر میں ٹیکا بھی پہناتی ہیں۔ بعض بیچاریاں جو زیور بنوانے کی طاقت نہیں رکھتیں، وہ سیپ کے بٹن رنگ برنگ کے موتی، کوڑیاں، اور چھوٹی دونیاں کسی کپڑے پر ٹانک کے بچیوں کے بالوں میں لٹکا دیتی ہیں۔ لڑکیوں کی پیشانی پر بال کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو ان کے خوبصورت چہرے پر زیب دیتے ہیں۔ اکثر شادی کے بعد تک کٹے ہوئے رکھتی ہیں۔ ٹیڑھی مانگ کسی کی نہیں ہوتی۔ عورتیں سیدھی مانگ نکال کر اوپر کے بال علیحدہ کرکے دائیں بائیں کانوں کے سامنے باریک پندرہ بیس مینڈھیاں بنا کر پیچھے کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور پیچھے کے بال بھی مینڈھیوں میں گوندھ دیتی ہیں۔ اس وجہ سے یہ جلدی سر نہیں دھوتیں۔ کہیں مہینے دو مہینے بعد دھوتی ہیں۔ مہندی اور دنداسہ بھی استعمال کرتی ہیں۔ سرخی، سفیدہ یا پوڈر وغیرہ بالکل استعمال نہیں کرتیں۔ سینٹ۔ لونڈر عطر کے بجائے خوشبودار پھول۔ پھولوں کی کلیاں لونگ اور دوسری اسی قسم کی چیزیں استعمال کرتی ہیں۔ یہی ان کا سنگار ہے

آفریدی عورتیں نہایت کامی اور محنت کش واقع ہوئی ہیں۔ دن رات کام میں لگی رہتی ہیں۔ اندر باہر کھیتی باڑی۔ لکڑی لانا پانی بھرنا گھاس کاٹنا۔ مویشی چرانا۔ سب کام یہ خود کرتی ہیں۔ مرد ان کاموں میں ذرا ہاتھ نہیں بٹاتا۔ صرف ہل جوت کر دانہ بو دیتا ہے۔ اس کے بعد تمام مرحلے عورت خود طے کرتی ہے۔ چونکہ سب علاقہ پہاڑی ہے اور پہاڑ بھی خشک اس لئے پانی کی سخت قلت ہوتی ہے۔ بارش کا پانی تالابوں اور جوہڑوں میں جمع کیا جاتا ہے۔ اور پھر دور دور سے عورتوں کو پانی لانا پڑتا ہے۔ مسجدوں میں عورتیں ہی پانی بھرتی ہیں۔ محلّے کی عورتیں جاتی ہیں۔ گھڑے بھر کر لاتی ہیں اور مسجد کا حوض بھر دیتی ہیں۔ جب پانی ختم ہو جاتا ہے تو مرد عورتوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ پھر سب مل کر جاتی ہیں اور پانی بھرتی ہیں۔ ان لوگوں میں ہماری طرح پردہ بالکل نہیں۔ لیکن ان کا لباس نہایت ستر پوش ہوتا ہے۔ مرد عورتیں سب پاکباز ہیں۔ کیا مجال جو کوئی کسی کی طرف بری نظر سے دیکھے۔ اگر کچھ شک ہو جائے تو اسی وقت مرد عورت دونوں کو نشانہ بندوق بنا دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کی بہن، بیٹی بیوی اغوا کر کے لے جائے تو پورا قبیلہ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اور سخت انتقام لیتا ہے۔ ورنہ ویسے تو ان کا قصاص ایک عورت کے بدلے دو یا تین مرد مقرر ہیں جو مارے جائیں گے۔ چونکہ یہ قوم نہایت مہمان نواز ہے۔ اس لئے ان کے ہاں ہر وقت مہمان رہتے ہیں اور حتی المقدور یہ مہمانوں کی بہت خاطر تواضع کرتے ہیں۔ اگر ایک مہمان بھی آجائے تو جھٹ دنبہ ذبح کرتے ہیں اور دوستوں رشتہ داروں کو بلا کر دعوت کرتے ہیں۔ اور کباب بھون بھون کر مہمان کو بھی کھلاتے ہیں اور خود بھی کھاتے ہیں۔ ان کی روٹی بہت بڑی ہوتی ہے جس کا پھیلاؤ دو فٹ ہوتا ہے۔ مہمان کو حجرہ اور اگر حجرہ نہ ہو تو مسجد میں ٹھیراتے ہیں۔ مہمانوں کے ہاتھ دھلانا سامنے کھانا رکھنا برتن اٹھانا سب کام عورتیں کرتی ہیں۔

خوراک زیادہ تر دنبے کا گوشت اور گندم کی روٹی۔ جاڑوں میں کبھی کھچڑی پلاؤ اور جوار کی روٹی بھی پکاتے ہیں۔ ان کے ملک میں زیادہ تر آلو ہوتے ہیں اخروٹ چلغوزے، بادام، اور ایک قسم کی بیج جوال کے مشابہ ہوتی ہے۔ جس کو وہ لوگ کرشنے بوتے ہیں اور یہاں کے لوگ بھاگڑی کہتے ہیں اور دیگر کئی قسم کی مزیدار چیزیں ہوتی ہیں۔ تیرائی۔ آلو اور اخروٹ تو خاص طور سے مشہور ہیں۔ دال تو یہ لوگ بہت کم کھاتے ہیں یا کھاتے ہی نہیں۔ چائے بہت پیتے ہیں۔ استعمال کے برتن مٹی کے ہوتے ہیں۔

تعلیمی حالت ان کی بہت خراب ہے۔ کوئی قاعدہ شروع کرکے چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی ایک دو سیپارے پڑھ کر بس کر دیتا ہے۔ کوئی قرآن مجید ختم کر لیتا ہے۔ افسوس کہ با ترجمہ قرآن نہ کوئی پڑھتا ہے نہ کوئی پڑھاتا ہے۔ کوئی پشتو کی دو تین کتابیں بھی پڑھ لیتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں مسجد کے مولوی کے پاس پڑھتے ہیں۔ پشتو پڑھنا آجائے تو لکھنا بآسانی نہیں آتا۔ جب لڑکا ذرا بڑا ہو جائے تو بندوق چلانا اور نشانہ بازی سیکھنے لگتا ہے۔ اور لڑکیاں ماؤں کے ساتھ کام میں لگ جاتی ہیں۔

مائیں جب کام پر باہر جاتی ہیں تو شیر خوار بچوں کو گھر پر چھوڑ جاتی ہیں۔ بعض اوقات سارا سارا دن کام کرتے گذر جاتا ہے۔ اور بچے گھر میں پڑے بلکتے رہتے ہیں۔ بچوں کو بہت کم گود میں لیتی ہیں۔ صرف دودھ پلانے کے وقت پھر کپڑے میں باندھ کر پنگورے میں لٹا دیتی ہیں۔ آٹھ دس مہینے بلکہ سال بھر تک بچوں کو باندھتی ہیں۔ ان کے پنگوڑے گول چنگیر کی طرح بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ دو تین مہینے تک تو بچہ آرام سے پڑا رہتا ہے، پھر گرنے کا ڈر رہتا ہے۔ پنگورے کو ترازو کی طرح باندھ کر چھت میں، درخت میں یا جو جگہ بھی ملے لٹکا کر بچے کو اس میں ڈال دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ پشاور اور لنڈی کوتل کے درمیان جو ریل چلتی ہے۔ اس میں بھی سفر کرتے وقت ترازو نما پنگورے لٹکا کر بچوں کو لٹا دیتی ہیں۔

آفریدی مائیں بچوں کو بزدل نہیں بناتیں۔ بلکہ بہادر بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ آفریدی ماں اکثر بچے سے کہتی ہے۔ "بیٹا بے اولاد ہو کر مروں مگر تجھے دشمن کے ہاتھوں زک اٹھاتا ہوا نہ دیکھوں"۔ آفریدی ماں ہمیشہ بچے کو دشمن سے بدلہ لینے کی "تلقین کرتی ہے۔ اور ہر کام میں حوصلہ اور جرأت دلاتی ہے۔ آفریدیوں میں فریب عیاری اور دھوکہ بازی نہیں پائی جاتی۔ جھوٹ کا مادہ بھی ان میں کم ہے۔ جو بات ہو صاف عیاں طور پر کہہ دیتے ہیں۔ دشمن کو فریب سے مارنا بزدلی خیال کرتے ہیں۔ آفریدیوں میں خان، ملک، ٹھیکیدار خطاب یافتہ سرکار انگریزی کے ہاں اعلیٰ عہدوں پر موجود ہیں، فوج میں افسر ہیں اور اپنا کام ہوشیاری اور ایمانداری سے انجام دیتے ہیں۔ گورنمنٹ انگریزی ان کی بہت قدر کرتی ہے۔

آفریدی مرد عورتیں نماز روزے کی سختی سے پابند ہیں۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ اور توفیق ملنے پر حج بھی ادا کرتے ہیں۔ مگر لڑکیوں پر بہت زیادہ روپیہ لیتے ہیں۔ شادی کے بارے میں لڑکی سے بالکل نہیں پوچھا جاتا۔ جہاں قیمت زیادہ ملی وہاں ٹھیر لیتے ہیں۔ چاہے بوڑھا یا جوان اچھا ہو یا برا۔ لڑکی خوش ہو یا ناخوش ماں باپ کو اپنے روپوں سے کام ہوتا ہے۔ قیمت صورت دیکھ کر مقرر کی جاتی ہے۔ زیادہ خوبصورت کے زیادہ دام اور کم کے کم۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر دونوں طرف لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی، اور آپس میں تبادلہ چاہتے ہوں۔ تو اگر دونوں لڑکیاں صورت شکل میں برابر ہوئیں تو تبادلہ آسانی سے ہو جاتا ہے۔ ورنہ کم خوبصورت لڑکی والوں کو خوبصورت لڑکی کے لئے کچھ دام دینا پڑتا ہے روپیہ لے کر ماں باپ اپنے کاموں میں خرچ کر لیتے ہیں۔ لڑکی کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جاتا۔ نہ جہیز دیتے ہیں نہ کچھ اور لڑکی کا مختار، باپ، بھائی۔ چچا، چچا زاد ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد اگر بیوہ ہو جائے، تو خسر۔ جیٹھ۔ دیور مختار

ہوتے ہیں۔ بیوگی کے بعد اگر جیٹھ دیور چاہیں تو اپنے نکاح میں لے آتے ہیں۔ اگر خود کسی وجہ سے نکاح نہ کر سکتے ہوں تو روپیہ لے کر کسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ لیکن اکثر خود کرتے ہیں۔ دو دو تین تین بیویاں تک رکھنے کا رواج ہے۔ بیوگی کے بعد اگر جیٹھ دیوران کے لڑکے یا بیوہ کا اپنا اولاد نرینہ نہ ہو تو خاوند کے رشتہ دار مختار کل ہوتے ہیں۔ مال پر قبضہ کر کے بیوہ اور ساس کی لڑکیوں کو، یا تو خود نکاح کرتے ہیں یا روپیہ لے کر کسی کو دیدیتے ہیں۔ لڑکی کی قیمت ایک ہزار کابلی روپیہ سے لے کر چار ہزار تک ہے۔ لڑکی کی پیدائش کا رنج ہوتا ہے۔ مگر بعد میں روپوں کی وجہ سے حفاظت کرتے ہیں۔ لڑکیوں کے جذبات واحساسات کی ذرا قدر نہیں کی جاتی۔ ایک دفعہ ایک آفریدی عورت ملی تھی، جس کے ہمراہ ایک خوبصورت جوان لڑکی تھی مگر بیمار معلوم ہوتی تھی۔ پوچھنے پر بتایا کہ یہ میری لڑکی ہے۔ اور علاج کی غرض سے پشاور لے جا رہی ہوں۔ لڑکی کی منگنی شادی کے بارے میں پوچھا، تو پیشانی پر ہاتھ مار کر کہنے لگی۔ میری ایسی تقدیر کہاں۔ اگر شادی کے بعد بیمار ہوتی تو میرا نقصان تو نہ ہوتا۔ اور نہ میرے روپیہ جاتے۔ اب نہ جانے کیا ہوتا ہے۔ جب ہم نے لڑکی کی طرف دیکھا تو بچاری خاموش مایوسی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان میں بچپن کی شادی نہیں ہوتی۔ جب لڑکا لڑکی جوان ہو جاتے ہیں۔ تب شادی کی جاتی ہے۔ شادی میں لڑکی والے علاوہ روپیہ کے شادی کا خرچ بھی لیتے ہیں۔ گھی، آٹا۔ سوجی گڑ چائے۔ مصری ڈبے وغیرہ۔ جب برات جاتی ہے تو ان کے لئے وہی کھانا پکتا ہے۔ کھانا کھا کر دلہن کو کپڑے وغیرہ پہنا کر گھوڑے پر سوار کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر خوب ڈھول سورنا بجتا ہے۔ دولتمند گھرانے کی دلہن کے کپڑے گلبدن کا پاجامہ سرخ قناویز کا کرتہ اور سیاہ چادر جس کو سرخ ریشمی تین انگل کا چوڑا باڈر جس پر ریشم کے پھول ہوتے ہیں۔ اس چادر کو سرگا کہتے ہیں۔ معمولی دلہن کے کپڑے چھینٹ کے ہوتے ہیں۔ نکاح سسرال میں جاکر باندھا جاتا ہے۔ باپ کے گھر میں نکاح باندھنا سخت شرم کی بات ہے۔ لڑکی نکاح کی رضا مندی جلد نہیں دیتی۔ شام سے لیکر صبح ہو جاتی ہے۔ لوگ تھک جاتے ہیں۔ تب کہیں جاکر ہوں کرتی ہے۔ ڈولی ان کے ملک میں نہیں ہوتی۔

آفریدی عورتیں علاوہ گھر اور باہر کے کاموں کے رسّی بٹنا، چنگیر بنانا ٹوکریاں بننا، ریشم اور طلے کا کام بھی کرتی ہیں، مرد نہ ہونے کی صورت میں بچوں اور گھر کے دیگر لوگوں کی پرورش حفاظت اور دشمن سے بچانے کی ذمہ داری عورت کے سر پر آپڑتی ہے۔ آفریدی عورت نہایت پاکباز، عصمت مآب اور بہادر خاتون ہے۔ بندوق اور تلوار چلانا جانتی ہے۔ رات کو ہتھیار سرہانے رکھ کر سوتی ہے اور اگر بوقت ضرورت ہتھیار نہ ملے تو کلہاڑی ہی سے دشمن کا سر پاش پاش کر دیتی ہے۔ آفریدیوں کے مقولے، کہاوتیں، ضرب المثلیں بہت اعلیٰ ہیں۔ ان سے ان کی پاکبازی اولوالعزمی بہادری۔ مہمان نوازی، خوش خلقی پائی جاتی ہے۔ آفریدی ماں غصہ کے وقت بچوں کو گالی یا بددعا نہیں دیتی بلکہ دعا دیکر سمجھاتی ہے۔ زبانی لڑائی جھگڑا بہت کم ہوتا ہے۔ ساس بہو۔ نند۔ بھاوج، سوکنوں کے درمیان تعلقات اچھے ہیں۔ اور سب مل کر رہتے ہیں۔ ان کی پشتو ہماری پشتو سے سخت اور ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔

سیدہ قانتہ بیگم پشاور

عصمت کو ایک دو خریدار دیکر اپنی سچی ہمدردی کا ثبوت دیجئے۔ — مینجر

روس اور جنگِ جدید

جب سے سویٹ روس نے جرمنی کے ساتھ معاہدہ NON- Aggression Pact کیا ہے، اس وقت سے یورپ کی سیاست میں ابتری پھیل گئی ہے۔ جرمنی روس کی دوستی پر نازاں ہے۔ لیکن مغربی جمہوریتیں کہتی ہیں کہ اس دوستی میں جرمنی کی بربادی مضمر ہے۔

موجودہ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سٹالین یورپ کے سب سیاست دانوں سے چالاک نکلا، پولینڈ اور بالٹک ریاستوں کی فتوحات اس امر کا پتہ دیتی ہیں کہ روس نے اپنے نئے تدابیر پہلے ہی سے سوچ رکھی تھیں۔ جرمنی اور اتحادیوں کی جنگ سے روس پورا پورا فائدہ اٹھا رہا اور اپنی تدابیر کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ بسریبیا اور باکووینا کی فتوحات یہ پتہ دیتی ہیں کہ روس دریائے ڈینوب کی زرخیز وادی پر قابض ہونا اور بحرِ اسود کے ساحل پر اپنا تسلط جمانا، اور بلقان پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے۔ بلقان کے حاصل کرنے کی کنجی ڈینوب کی ہی وادی ہے مندرجہ بالا علاقوں کے پا لینے کے بعد وہ دردانیال پر قابض ہو کر بحرِ روم کی تجارت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے سٹالین کی فتوحات نے روس کو ڈینوب کے تینوں دہانوں کے نزدیک تر پہنچا دیا ہے۔ رومانیہ کے تیل کے کوئیں بھی صرف سو میل کے فاصلے پر رہ گئے ہیں اور باکووینا کی فتح سے پولینڈ اور بسریبیا کو ملا دیا ہے۔

جرمنی کے پروگرام میں پہلے بلقان کی چڑھائی بھی شامل تھی۔ لیکن جب انگلستان اور فرانس اپنی طاقت آزمانے اور یورپ کی آزادی کو بچانے کے لئے میدان جنگ میں آ گئے، تو جرمنی کو خلاف مرضی اپنا پروگرام بدلنا پڑا اور روس نے تبدیلی پروگرام سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اب بھی اٹھا رہا ہے۔ چونکہ انگلستان ایک زبردست دشمن کی حیثیت سے جرمنی کے خلاف کھڑا ہے اس لئے جرمنی کو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی خواہشات روس کے ہاتھوں پامال ہوتے ہوئے دیکھنی پڑ رہی ہیں۔ باوجود اس کے جرمنی کو بظاہر روس کے ساتھ ہی دوستی کا اعلان کرنا ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جرمنی دو مختلف محاذ پر نہیں لڑ سکتا۔ ویسے بھی روس کو اس نازک وقت میں دشمن بنانا خود جرمنی کے لئے خطرناک ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جرمن سیاست داں ایک بڑی جرمن حکومت کے رنگین خواب دیکھ رہے تھے وہ ڈینوب کے سب سیراب شدہ ممالک کو اپنی تصوری حکومت میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ وہ دریائے ڈینوب کے گیہوں مکئی اور انگوروں کے کھیتوں کو لے کر بحرِ اسود اور بحرِ روم پر بوجہ تجارت قبضہ جمانا چاہتے تھے۔ ویسے بھی یہ وادی مشہور ہے کیونکہ ڈینوب کی آدھی تجارت ڈینوب کے ذریعہ سے ہی ہوتی ہے۔ عرصہ دراز سے بڑے بڑے حکمرانوں کی خواہش اس وادی پر اقتدار جمانے کی تھی۔ اس وادی نے پہلے پہل روما کی ثروت وحشمت کے دن دیکھے پر اس کے بعد ہیپس برگ بادشاہوں نے نہایت شان سے اس حصہ پر حکومت کی اب ہٹلر نے بھی اسے فتح کرنے کی سکیم بنائی۔ اس نے بقول مسٹر نک وی آنا کو ڈینوب کی کنجی جانا اور آسٹریا کو اپنی گورنمنٹ کے ماتحت کیا۔

مسولینی بھی روما کی کھوئی ہوئی شان و شوکت کو واپس لینے کے لئے پوری پوری کوشش کر رہا ہے۔ اس کام کو بخوبی سرانجام دینے کے لئے اس کے لئے بھی وادیٔ ڈینوب پر تسلط جمانا اشد ضروری ہے۔ باقی صفحہ ۲۵۱ پر

راجستان کے دیہاتی گیت

راجستان کے گاؤں اور قصبوں میں جہاں موجودہ تہذیب و تمدن کے قدم نہیں پہونچ سکے ہیں۔ عورتوں کا معمول ہے کہ ہر روز رات کے وقت گھر کے کام کاج ختم کر کے ایک جگہ بیٹھتی ہیں اور گیت گا کر دن بھر کی تھکن دور کرتی ہیں اسی طرح لڑکیاں بھی شام کے پُرسکون وقت میں مِل جُل کر گیت گایا کرتی ہیں۔ کبھی کبھی تو بھولی لڑکیاں گیتوں میں اتنی کھو جاتی ہیں کہ گھر کی سدھ بھول جاتی ہے اور گھر سے جب کوئی خبر لینے آتا ہے تو چونک کر کہتی ہیں "ہوں ابھی تو آئی ہوں"۔

شام کے وقت لڑکیاں جو گیت گاتی ہیں۔ ان میں یہ دو گیت ضرور ہوتے ہیں۔

"چندرماں آکاش کے بیچ میں جا پہنچا۔ تارے جھلملانے لگے۔

"بہن اب گھر چلو۔ اماں ماریں گی۔ پتا جی بگڑ بیٹھے۔

لیکن بڑے بھیا روکینگے اور کہینگے۔ میری بہن کو بُرا بھلا نہ کہو۔ بچاری پردیسن ہے۔ اِنے گنے دنوں کی مہمان ہے یہ کوئل کسی دن انجان بن کر اڑ جائے گی۔

ساون کے دو چار دن اور رہ گئے ہیں۔ پھر تو اس کا خاوند لے ہی جائے گا۔

دو چار دن تو سکھیوں کے ساتھ انہیں کھیل لینے دو ـــــ"

اوپر کے گیت میں آپ نے میکے کی تصویر دیکھی۔ اب ذرا سسرال کا منظر دیکھئے۔ ذیل کا گیت ایک نئی نویلی دلہن کے دلی جذبات کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

"ساون کی تیج آگئی۔ لیکن اماں تم نے ساون کی اس سہانی رُت میں مُجھے سُسرال بھیج دیا۔

"دوسری ہجولیاں جھولا جھولنے جاتی ہیں۔ لیکن مجھے بے درد ساس نے اناج چننے کو دے رکھا ہے۔ اور وہ بھی تھوڑا سا نہیں چھاج کا چھاج چنا ہے آدھ من تو باجرہ ہی چُننا پڑا ہے"۔

"دوسری ہجولیاں تال میں نہانے جا رہی ہیں۔ لیکن ساس نے مجھے اناج پیسنے کو دے رکھا ہے۔ اور وہ بھی سیر دو سیر نہیں۔ آدھ من تو باجرہ ہی ہے"۔

"گاؤں کی اور لڑکیاں میلہ دیکھنے جا رہی ہیں۔ لیکن مجھے ساس روٹی پکانے کو کہہ گئی ہے۔

میں نے ڈھائی پنسیری آٹے کی روٹی پکائی آخر میں ایک بٹیہ لگائی۔

دیور اور جیٹھ نے کھایا۔ نندوں کی بھیڑ بھی بیٹھی۔ بڑے بڑے تھال لگائے گئے۔ سب نے خوب جی بھر کر کھایا۔

"سب کو گیہوں کی روٹیاں دی گئیں۔ مجھے وہی بٹیہ ملی"۔

دوسروں کو کٹورے بھر بھر کر کھیر ملی۔ اور پوری شکر ملی مجھے وہی روکھی بٹیہ اور نمک ملا۔

"کھا پی کر دیور اور جیٹھ تو اپنے اپنے کمروں میں گئے۔ نندوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ لیکن گھر کا سارا کام کاج مجھ پر چھوڑ دیا گیا"۔

پانی میں بھیگے ہوئے وہ بڑے بڑے تھال اور نندوں کی چھوٹی تھالیاں میں نے مانجھیں۔
کام کاج سے نمٹ کر جب میں کھانے گئی تو دیکھا کہ کھانا بلّی اُٹھالے گئی ہے۔
"اری بلّی تیرے پوت مریں یہ کئی بھائیوں کی بہن رات کی بھوکی تھی۔"
اس گیت میں ایک ایسی نئی نویلی دلہن کے جذبات کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ جو بدقسمتی سے ساون کے مہینے میں سسرال بھیج دی گئی ہے۔
وہاں اسے سویرے سے آدھی رات تک کام کرنا پڑتا ہے کُنبہ بڑا ہے۔ دیور ہیں جیٹھ ہیں۔ نندوں کی تو ٹولی کی ٹولی ہے۔ لیکن سارے کام کرنے پڑتے ہیں اسی غریب کو۔ چھاج بھر کر اناج چھنتی ہے پیستی ہے۔ کھانا پکاتی ہے۔ غریب رہ رہ کر دل میں سوچتی جاتی ہے کہ میری ساری سہیلیاں سُسرال سے لوٹ آئی ہونگی اور آپس میں مل جل کر کھیلتی ہونگی جھولا جھولتی ہونگی میلہ دیکھتی ہونگی۔
آخر جھلا کر کہتی ہے۔ "کیا کروں اس چکّی کے پاٹ کو پھوڑ دوں۔ اور سارے اناج کو بکھیر دوں؟"
یہ گیت بے زبان ہندوستانی عورت کی بدحالی کی کیسی سچی تصویر ہے۔
لڑکی کی رخصتی کا منظر کتنا غم انگیز ہوتا ہے۔ جس گھر میں اتنے دنوں تک کھیلی کودی۔ جن ماں باپ اور بھائیوں بہنوں کے ساتھ اتنے دنوں تک رہی سہی۔ انھیں چھوڑ کر لڑکی کا جانے کو جی نہیں چاہتا۔ وہ سوچتی ہے اس کے چلے جانے کے بعد اس کی طرح ان کی خدمت کون کرے گا؟ کون گھر گرہستی کے کام کاج دیکھے گا۔
بھولی لڑکی اپنے باپ سے کہتی ہے۔ "بابا میں نہ جاؤں گی۔ تمہارے ہی پاس رہوں گی۔"
لیکن بھولی لڑکی کو کیا خبر کہ یہ ان ہونی بات ہے۔ آخر باپ اُسے کسی طرح سمجھا بجھا کر رخصت کرتا ہے۔
ذیل کے گیت میں باپ اور بیٹی کے دلی جذبات کی جیتی جاگتی تصویر کھینچی گئی ہے۔
"بابا! میرا پانی کا گھڑا خالی پڑا ہے۔ تمہاری بیٹی کے سوا اسے کون بھرے گا؟"
"تیری بھاوج تیرا گھڑا بھر دینگی۔ لاڈلی بیٹی تو اپنے گھر جا۔"
"بابا میری گائیں اپنے تھان پر بندھی ہیں۔ میرے بغیر انھیں کون کھولے گا؟"
"تیرے بھائی تیری گائیں کھولیں گے۔ پیاری بیٹی تو اپنے گھر جا۔"
"بابا تمہاری اس بیٹی کے سوا تمہیں "بابا" کہہ کر کون پکارے گا؟"
باپ نے بیٹی کے سارے سوالات کا جواب تو دیا۔ لیکن بیٹی کے اس سوال پر اس کا دل بھر آتا ہے۔ آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں اور بھرائی ہوئی آواز میں دل تھام کر کہتا ہے۔
"لاڈلی بیٹی! یہاں کی سُدھ بھول جا۔ اور اپنے گھر جا..... "
ممتا کا مارا باپ بیٹی کو رخصت کر دیتا ہے۔ لیکن اس کا روتا ہوا دل پکار اُٹھتا ہے۔
"اے رسال بن (آموں کے باغ) کی کوئل تو رسال بن چھوڑ کر کہاں چلی؟"
طاقوں پر تیری گڑیا رکھی ہیں جن سے تو سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی تھی تیرے بغیر تیری سہیلیاں گڑیوں کو دیکھ کر اُداس ہو رہی ہیں۔ اے رسال بن کی کوئل! تو رسال بن چھوڑ کر کہاں چلی؟"

"تیرے بغیر تیرا بھائی اداس اداس پھرتا ہے۔ تیری بھاوج من مارے بیٹھی ہے۔ اے رسال بن کی کوئل! تو رسال بن چھوڑ کر کہاں چلی؟"

"تیرے بغیر تیرا باپ نڈھال۔ اے رسال بن کی کوئل تو رسال بن چھوڑ کر کہاں چلی؟"

ایک اور گیت سنئے۔ اس گیت کا ہر لفظ پیاری بیٹی سے بچھڑی ہوئی ماں کے دلی جذبات کا آئینہ دار ہے۔

جس پھلواری کو پیاری بیٹی سینچتی تھی۔ جس جھولے پر جھولتی تھی۔ جن گڑیوں سے کھیلتی تھی۔ یہ ساری چیزیں ماں کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہیں۔ جس آنگن میں سکھی سہیلیوں کی چہل پہل رہتی تھی وہ اب سنسان پڑا ہے۔ اور کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اس کی وہ سہیلیاں اب بھی یہیں کھیلتی ہیں۔ لیکن اس گھر میں نہیں آتیں۔ ادھر منہ کر کے جھانکتی بھی نہیں۔ عادت کی بناء پر اگر کبھی بھول کر ادھر آ نکلتی ہیں تو دور ہی سے دیکھ کر لوٹ جاتی ہیں۔ اور پھر آئیں بھی تو کس کے پاس؟ اور کس لئے؟" ان کے ساتھ کھیلنے والی تو اس ہرے بھرے بن کو سونا کرنے کے لئے چھوڑ کر کسی دور دیس کو چلی گئی ہے۔

بچھڑی ماں ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے۔

"تیرے بابا نے باغ لگایا تھا۔ اے میرے ہرے بن کی کوئل! اب اسے کون سینچیگا"

"تیری پھلواری میں پھول کھلے ہیں۔ اے میرے ہرے بن کی کوئل! اب انھیں کون توڑے گا؟"

"تیرے باغ میں جھولا پڑا ہے۔ اے میرے ہرے بن کی کوئل! اب اس پر کون جھولے گا؟"

تیرا بھتیجا جسے تو بڑے پیار سے کھلاتی تھی۔ آنگن میں رو رہا ہے۔ اے میرے ہرے بن کی کوئل اب اسے کون کھلائے گا؟

تیری گڑیاں طاقوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ اے میرے ہرے بن کی کوئل۔ انہیں دیکھ کر تیری یاد آتی ہے۔ اور دل تڑپ اٹھتا ہے۔

تیری سہیلیاں جو تیرے ساتھ کھیلنے آتی تھیں۔ اب تیرے گھر میں جھانکتی بھی نہیں۔ اے میرے ہرے بن کی کوئل۔ وہ دور ہی سے دیکھتی ہوئی نکل جاتی ہیں۔

"اب میرے آنگن میں کوئی نہیں کھیلتا۔ اے میرے ہرے بن کی کوئل اب وہ سونا پڑا ہے۔"

"دکھیا ماں کا دل بھرا آرہا ہے۔ اے میرے ہرے بن کی کوئل! اسکی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ رہی ہے۔"

راجستان کی سادہ دل دیہاتی عورتوں کے یہ سیدھے سادے گیت ہماری عروض و قواعد کی قید و بند میں جکڑی ہوئی پرتکلف و پرتصنع شاعری سے کہیں زیادہ تاثر انگیز ہیں۔

آسی رام نگری

در قسمِ خفّت

ہماری ایک آپا ہیں۔ وہ سوائے وقت کی پابندی اور فضول گوئی کے ہر طرح ولایتی ہیں۔
کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ ان کا رہنا سہنا اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سب فرنگیوں کی طرح کا ہے۔ ہاں بس بچاری بولتی زیادہ ہیں۔ بس صرف اتنا کہ اُنیس عورتوں کے مجمع میں وہ بیسویں ہوں تو اٹھارہ تو منہ سِلی بیٹھی رہیں اور اُنیسویں بچاری شامت کی ماری اُنکی باتوں پر گردن ہلاتی رہے اور جی ہاں صحیح ہے۔ بجا بجا۔۔۔ بالکل۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔ ارے ارے۔۔۔ اچھا۔۔۔ کہتی رہے۔

دوسری سو دیشی چیز ان کے رگ و ریشے میں وقت کی غیر پابندی ہے یعنی آپ ان کو ۲۱ جولائی کی شام کو بلایئے تو وہ ۲۲ جولائی کو آئیں گی یا ۲۱ جولائی کی صبح کو آجائیں گی اور فوراً یہ کہہ کر چلی جائیں گی "بہن میں آنے کی کوشش کرونگی"۔

"یہ کوشش کروں گی" کہ جو ٹکڑہ "انگریز زدہ" لوگوں نے حفظ کیا ہے یہ عین ایسے وقت پر وہ لوگ اپنی تقریریں جوڑتے ہیں جب وہ اُس قصّے سے بالکل بے تعلق رہتے ہیں۔ یا رہنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ آجکل اس زوردار روشنی کے زمانے میں کوئی بات صاف اور سچی کہدینا تو لاحول ولاقوۃ بالکل گنوار پن کی نشانی ہے اور یہ سچے لوگ تو حضرت عیسیٰؑ موسیٰؑ اور ہمارے حضرت صلعم کے زمانے میں تھے۔ جبکہ نہ ریل تھی نہ ریڈیو نہ ڈبکی کشتیاں تھیں نہ آرام وچین سے جان لینے والے مہذب بم اور نہ دلاوری سے اوپر کے اوپر ہی گیس چھوڑنے والے ہوائی جہاز۔

خیر تو مطلب یہ کہ جب کوئی انگریز پرست کہے کہ میں فلاں کام کرنے کی کوشش کرونگا تو آپ بغیر کسی نجومی کے بتلائے دل میں سمجھ لیجئے یہ شخص اُس کام کو کرنا چاہتا ہی نہیں ہے۔

بہر حال۔ ہماری ایک آپا ہیں محبت کی فلم۔ کیا معنی۔ کہ بس محبت ہی محبت ہے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ جیسے فلموں میں سوائے تصویروں کے جان کسی شے میں ہوتی ہی نہیں۔ حالانکہ وہ بولتے ہیں پھلانگتے ہیں بلکہ بعض بعض تو دومنزلے سے کودتے ہیں اور نہ جانے کس راون کی اولاد ہوتے ہیں کہ ایک ہی جھٹکے میں دومنزلہ پر چھلانگ مار کر پہنچ بھی جاتے ہیں۔

اچھا خیر آپ اُن کا ایک قصّہ ہمارے فلم کے ریڈیو پر سنئے۔ عصمت کے میٹر پر ہم ڈنڈی گل سے بول رہے ہیں:۔
ابھی آپ ابو تمیم کا مضمون سن رہے یا سن رہی تھیں۔ اب وہ اپنی آپا سے ملنے جا رہے ہیں۔ وہ سنئے۔ اس کے شروع کے بول ہیں "آپا آداب" "آپا آداب"۔

"اے بھائی واہ" جیتے رہو۔ تین دن سے تم کو یاد کر رہی تھی۔ تم تھے کہاں۔ آئے کیوں نہیں؟ اے بس جاؤ ہٹو۔ تم بھائیوں سے تو نگوڑے مارے کیا کہتے ہیں ۔۔۔ اے ہے تم تو بُت کی طرح کھڑے ہو بیٹھو بیٹھو۔ ہاں ہاں صوفے پر بیٹھو۔ اے بھائی قسم ہے تین دن سے برابر تم کو یاد کر رہی تھی سوچتی ہی رہی کہ کس کو بھیج کر بلاؤں مگر وہ جا نہار عبداللہ تو کبھی سامنے پڑتا ہی نہیں۔ بس صاحب کے کپڑوں کے کام کے علاوہ ۔۔۔ اری او چڑیل شریفن۔ او شریفن کمبخت ذرا

پاندان تو لاؤ اُٹھا کر ــــ میں جنے کیا کہہ رہی تھی ــ ؟"

"عبداللہ۔ ۔ ۔ ۔"

"ہاں وہ عبداللہ جا نہار تو کبھی میرے سامنے پڑتا ہی نہیں۔ مسینا کے گھر میں آٹھ دن سے ایک بچہ ہوا ہے اچھی بھائی یہ کمبخت بچے کیوں نوئیں مہینے کے مہینے آن ٹپکتے ہیں۔ (شریفن چڑیل کو دیکھ کر) رکھ دے رکھدے۔ بس جا دو ٹی بلا کی بلا چھاتی پر ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔ ۔ ۔ ۔ کیا بدتمیز نوکر ہیں۔ اچھی تو بھائی تم کیوں نہیں آئے۔ اتنے دن سے۔ میں تو تین دن سے برابر تم کو یاد کر رہی تھی۔ اے ہے تم مردوں کے سفید ہی خون ہوتے ہونگے۔ جنے ہم بدنصیب بہنوں کا دل کیوں خدا نے نرم بنایا ہے بھائی ذرا معاف کرنا میں ابھی حاضر ہوئی۔ ڈاکٹر کو فون کر دوں کم بخت حافظ ہی پٹ ہو رہا ہے۔ پرسوں سے اپنا ٹمپریچر اسکو نہیں بھیجا۔ کبھی وہ شامت کا مارا آن کود ا تو فیس دینی پڑ جائے گی۔ اے ہے یہ ڈاکٹر نا دشاد تو اب دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں۔ مگر بھائی سچی بات ہے مجھے ان لوگوں کی صفائی پسند ہے۔ ایک نگوڑے مارے یہ آخور دلدر عطار ہوتے ہیں۔ میلے کچیلے مکھیاں بھنکتی ہوتی۔ شربتِ عناب کی جگہ ارنڈی کا تیل بھی دیدیں تو کچھ عجب نہیں۔ میں ابھی آتی ہوں ایک منٹ میں۔ معاف کرنا ــــــــ"

کھٹ پٹ کھٹ پٹ۔

وہ خوش نصیب بھائی گردن بھی سیدھی نہ کرنے پایا تھا کہ پھر کھٹ پٹ کی آواز کے ساتھ آپا تشریف لے آئیں۔

"اچھی تو بھائی تم کیوں نہیں آئے اتنے دن سے وہ جانہار ڈاکٹر گھر پر ہی شاید نہیں ہے۔ دنیا میں بھائی اب مریض بھی لاکھوں ہو گئے ہیں۔ ہاں تو تم کو کیا ہو گیا تھا جو اتنے دن سے نہیں آئے" ــــــــ وقفہ

خوش نصیب بھائی سانس لیتا ہے اور نہ آنے کا معقول بہانہ تراشتا ہے۔

"آپا بات یہ ہوئی کہ مجھے واللہ آپ کے ہاں آنے میں خدانخواستہ کیوں عذر ہوتا۔ مگر تین چار دن سے ہلکا سا نزلہ ہو گیا تھا اس۔ ۔"

"آپا" کیا کہا نزلہ؟ بھائی معاف کرنا۔ اگر نزلہ تھا تو ابھی آٹھ دس دن نہ آئے ہوتے چونکہ تم کو معلوم ہے کہ ہم اپنے گھر میں نزلے والوں کو رہنے بھی دیتے ہیں تو اپنی اولاد تک کو نزلے میں یا تو ہسپتال بھیج دیتی ہوں یا مہمان خانے میں نظر بند کروا دیتی ہوں۔ چاہے یہ وہم ہی سہی مگر بھائی میں نزلے سے بہت ہی خوفزدہ ہوں ــــ"

بھائی نے بات کاٹ کر کہا۔ "نہیں نہیں۔ جی ہاں جی ہاں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے کہا نا کہ اب میں بالکل تندرست ہوں۔ مجھے ہو گیا تھا وہ۔ جب میں بالکل ٹھیک ہو گیا تو حاضر ہوا یعنی معمولی بات اور یہ لیجیئے اچھا بھی ہو گیا جی ہاں"

ہم ڈنڈی گل سے بول رہے ہیں۔ ابھی آپ آپا کا افسانہ سن رہے تھے۔ یا نہیں۔ اس سے آگے یوں ہوا کہ بھائی خفت کے مارے پسینے پسینے ہو گیا۔ ہر چند کہ دوسرا معقول جواب دے کر اس نے آپا کو مطمئن کر دیا مگر اس پر خفت کا ایسا نزلہ گرا کہ نہ کئی منٹ تک بول سکا نہ حرکت کر سکا۔ اور نہ جانے کس طرح اور کب اپنی جان چھڑا کر وہاں سے بھاگا۔

ہمارا اس ماہ کا پروگرام اردو کی کتابوں کے اشتہار کے بعد ختم ہوتا ہے۔ آئندہ ماہ ہم پھر آپ کی خدمت میں۔ ۔ ۔ ۔ آداب عرض "

سید ابو تمیم (از ڈنڈی گل)

فاقہ سے علاج

لاہور کے طبی رسالہ "الحکیم" بابت ماہ جنوری ۱۹۳۵ء میں عنوان بالا کے تحت میں ایک مضمون درج ہوا تھا جو حد درجہ مفید تھا اسی لئے اُس کو رسالہ میں سے جُدا کر کے میں نے اپنی بیاض میں داخل کر لیا تھا آج ایک ضرورت سے بیاض کو الٹ پلٹ کرنے میں میری نظر اس مضمون پر پڑی چونکہ مضمون اس قابل ہے کہ عام ناظرین رسالہ کی نظر سے گذرے اسلئے مناسب قطع و برید کے ساتھ پیش کرتی ہوں۔

یہ مضمون ہفتہ وار ینگ انڈیا اخبار کی اشاعت مورخہ ۸ ر فروری ۱۹۲۹ء میں کے۔جی۔ڈی۔ نامی ایک صاحب نے دیا تھا اور حالانکہ یہ اخبار گاندھی جی کا سیاسی اخبار تھا جس کو طبی مسائل سے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن گاندھی جی نے اعتراف کیا تھا کہ اسکی افادیت کے خیال سے وہ بھی اپنے سیاسی اخبار میں اس کو شائع کرنے سے باز نہیں رہ سکے

(۱) مرض کی نوعیت:۔ میری بیوی نے جس کی عمر بائیس سال ہے اور جو دو بچوں کی ماں ہے حال ہی میں ایک نہایت دلچسپ اور خطرناک تجربہ پایۂ تکمیل تک پہونچایا ہے۔ خطرناک اس لئے نہیں کہ وہ کسی طرح مہلک ہے بلکہ اس خیال سے کہ عوام الناس جا و بے جا شکم پری کے عادی ہیں اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ وہ دو سال سے برابر تپ کُہنہ میں مبتلا تھی اور درجہ حرارت ۹۹½ سے ۱۰۰ ڈگری تک رہتا تھا اس کے علاوہ قبض کی بھی پرانی مریض تھی جس کی وجہ سے زبان میلی اور دہن متعفن رہتا تھا وہ بے قاعدگی اور کثرت سے بھی پریشان اور لاغر و کمزور ہو گئی تھی جب کبھی اس کو قدرے محنت یا کسی بلند مقام پر چڑھنے کا اتفاق ہوتا تو اس کا دل بُری طرح دھڑکنے لگتا۔ یہ مرض موروثی بتایا جاتا تھا کیونکہ اس کے والد بھی دل کے کسی عارضہ میں فوت ہوتے تھے اسکے مسوڑھے کھوکھلے ہو رہے تھے اور کچھ پایوریا کی بھی شکایت تھی۔ میں نے لاہور کے مشہور و معروف اطبا کو اسے دکھایا شروع میں حرارت کا سبب بی کولائی تشخیص کیا گیا جس کے ازالہ کے لئے کچھ ٹیکے لگوائے گئے اور ادویہ استعمال کی گئیں۔ لیکن مرض بڑھتا گیا۔ عکس ریز اور مسماع الصدر سے معلوم ہوا کہ اس کے دونوں پھیپھڑوں میں خرابی ہے ان امور سے یہ اندیشہ ہوا کہ تپ دق ہے اور یہ خیال اس لئے قوی تر ہو گیا کہ اس کی دو بہنیں اس موذی مرض کا شکار ہو چکی تھیں اور یہ مرض بھی اس کے خاندان میں موروثی تھا مجھے معلوم تھا کہ عموماً یہ مرض علاج پذیر نہیں ہوتا۔ لہذا میں نے علاج بالغسل اور خوراک کی جانب توجہ مبذول کی اور کسیقدر بے قاعدگی کے ساتھ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ گو اسے افاقہ تو ہوا لیکن بالکل تندرست نہ ہو سکی۔ چونکہ علاج بالغسل میرا موضوع نہیں ہے۔ لہذا میں اس کی تفصیلات میں نہیں پڑتا صرف اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کچے دودھ بغیر چھنے آٹے کی روٹی سبز ترکاریوں اور پھلوں کے استعمال سے اس کا پایوریا بہت کم ہو گیا اس درمیان میں فاقہ کشی کے محققین کی تصانیف کا میں بغور مطالعہ کرتا رہا۔ اور مجھے یقین ہو چکا تھا کہ عوارض انسانی کا کوئی شافی علاج ہے تو وہ فاقہ کشی ہے لیکن اس عمل کو شروع کرنے سے پیشتر تجربہ کر لینا بھی ضروری تھا۔ لہذا پہلے میں نے خود ایک ہفتہ کامل فاقہ کیا جس سے میری آنکھیں کھل گئیں اور میری بیوی کی ہمت بھی بڑھ گئی اور حد درجہ کی نقاہت کے باوجود وہ فاقہ کشی کے لئے تیار ہو گئی۔

(۲) بالآخر ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو مصری نگر میں شروع ہوا اس دن اس کا وزن کپڑوں سمیت ۹۴ پونڈ تھا۔

ہماری غیر ضروری شکم پُری کے باعث اکثر اوقات ایسے فاسد مواد ہمارے اندر جمع ہو جاتے ہیں کہ قدرت ان مواد کو بذریعہ امراض خارج کرنے کے علاوہ ہمیں ہماری بداعتدالیوں پر سزا دیتی ہے بار بار کھاتے رہنا قدرت کے اس فعل میں خلل اندازی کرتا ہے۔ لہٰذا خوراک کے بند ہوتے ہی خون پہلے غذائیت جذب کر رہا تھا فوراً سمیات کو زائل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لہٰذا اگر فاقہ سے شروع میں طبیعت چند روز زیادہ خراب اور مضمحل معلوم ہو تو کوئی تعجب نہیں لیکن میری بیوی نے کوئی خاص تکلیف محسوس نہیں کی اور برابر چلنے پھرنے کے علاوہ تھوڑی سی ورزش بھی کرتی رہی فاقہ کشی کے پہلے تین دن میں بڑی شدت کی بھوک رہی اور اُسے اس کا مقابلہ نہایت استقلال سے کرنا پڑا۔ چوتھے روز سے بھوک خود بخود غائب ہو گئی اور آخیر تک نمودار نہیں ہوئی۔ اس عمل کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے جسم سے فاسد اور بدبودار مادوں کا اخراج شروع ہو گیا وہ خوب ٹھنڈا پانی پیتی تھی اور قولون کو انیما سے صاف کیا جاتا تھا۔ (قولون ایک بڑی آنت کا نام ہے) روزانہ دست میں سخت سیاہ اور بدبودار ٹکڑے نکلتے تھے پیشاب بھی بہت گہرے رنگ کا اور متعفن ہوتا تھا پسینہ خوب آتا تھا اور بلغم بھی نکلتا تھا۔

(۳) نتیجہ:۔ اتنی جسمانی صفائی کے بعد اگر اس کے وزن میں کمی آ گئی تھی تو کوئی متعجب کی بات نہیں اگرچہ اس کی ہڈیاں نکل رہی تھیں لیکن اپنے آپ کو اتنی ہلکی پھلکی تندرست اور خوش محسوس کرتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ایک قاعدہ ہے کہ جب جسم اپنی پوری صفائی کر چکتا ہے تو قدرتی بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس وقت خوراک بہم نہ پہونچائی جائے تو اصلی فاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اب ۹ راکتوبر کو شام کے چار بجے بیوی کو بھوک لگی اس وقت اس کا وزن ۸۰ پونڈ تھا۔ یعنی اٹھارہ روز میں ۲۴ پونڈ کی کمی ہوئی۔ تھوڑا سا آب آمیز نارنگی کا عرق پلا کر اس کے فاقہ کو ختم کیا گیا شام کو پھر نارنگی کا عرق دیا گیا دو روز تک صرف پھلوں کا عرق دیا گیا اس کے بعد مکھن نکلا دودھ اور متواتر چودہ یوم تک عرق پلائے۔ لیکن ہم سب کو یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوتا تھا کہ اس کا وزن ۱۱ پونڈ بڑھ گیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اپنی حالت اور احساسات کا الفاظ میں تذکرہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ بدن میں ہلکا پن طبیعت میں سرور زندگی میں اول مرتبہ اس نے لطف زندگی اُٹھانا شروع کیا ہے قبض بالکل رفع ہو چکا ہے اور دو مرتبہ روزانہ اجابت ہو جاتی ہے جو ڈاکٹر صاحبان اسے پہلے دیکھ چکے تھے ان کی رائے ہے کہ پھیپھڑے بالکل صاف ہیں۔ دل کی حالت دیکھنے کے لئے وہ پانچ فرلانگ اونچی شنکر آچاریہ نامی پہاڑی پر چڑھی لیکن دل کا دھڑکنا تو کجا نبض کی رفتار بھی غیر معمولی نہ ہوئی حرارت کا اب نام ونشان بھی نہیں۔ کیسا سستا تیر بہدف اور آسان نسخہ ہے۔ جو افسوس اس زمانہ کی بے خبری نے بھلا دیا ہے۔

بیگم حکیم محمد عزیز خاں۔ جاورہ

جرمنی کی بیوائیں

موجودہ جنگ جرمنی نے ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور سینکڑوں بچوں کو یتیم کر دیا ہے۔ اپنے ملک میں اپنی قوم پر آج ہٹلر جو مظالم ڈھا رہا ہے۔ ایک دنیا ان کو جانتی ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر وہ ظلم ہے جو ان بیوہ عورتوں پر رکھا گیا ہے جن کے شوہروں نے اپنے ملک قوم کے لئے میدانِ جنگ میں اپنی جانیں دے دیں۔ اس کے متعلق ایک انگریزی اخبار لکھتا ہے آج جرمنی کی عورتوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ اور ان کے متعلق جو افسوسناک خبریں آ رہی ہیں انھیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اِن بیواؤں سے جن کا کوئی پرساں حال نہیں بد سے بدتر سلوک کیا جا رہا ہے۔ انہیں بُرا سے بُرا کھانا قلیل مقدار میں جس سے ان کا پیٹ بھی اچھی طرح نہیں بھرتا دیا جاتا ہے اور اس پر ان سے سخت محنت لی جاتی ہے۔ بیچاریاں کولھو کے بیل کی مانند رات دن کاموں میں لگی رہتی ہیں۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ ان کا لباس ہے جو انہیں بڑی دِقّت کے بعد ملتا ہے۔ انھیں ایک فراک مع ایک اسکوٹ پل آ ووراور ایک جوڑی بھدّے جوتوں کی دی جاتی ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے شہر کے ٹاؤن ہال میں جا کر پہلے وہاں سے اس کے لئے اجازت نامہ لینا پڑتا ہے۔ اور اکثر انھیں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے جب کہیں حکومت کا کارندہ آکر با ضابطہ تخمینہ کے اندازے کے بعد انھیں لباس مہیا کرتا ہے۔ اس بدنظمی کے باعث ہزاروں عورتوں کو لباس بدن پر ٹھیک نہ آنے کی شکایت ہے مگر وہاں اس کی داد سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اور ان کے خطوط جو ان کے شوہر اپنی زندگی میں میدان جنگ سے اپنے گھر پر لکھا کرتے تھے انہیں لاپروائی سے تین تین ہفتوں بعد پہونچائے جاتے تھے۔ اگر کسی عورت کا شوہر میدان کارزار میں کام آجاتا تو فوراً اس کی اطلاع نہ کی جاتی بلکہ تین چار ہفتوں کے بعد ٹاؤن ہال میں اس کی طلبی ہوتی اور اس وقت حکومت کا ایک کارندہ اس کو اس کے شوہر کی موت کی خبر سناتا ہے۔ صحیح تاریخ تک سے مطلع نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس سے کہا جاتا ہے کہ تم شکر کرو کہ تمہارے شوہر نے مر کر ان تمام تکالیف سے نجات پائی۔ انہیں شوہروں کی وفات کے بعد ماتمی لباس پہننے کی بھی ممانعت ہے۔ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں۔ تو شوہر کے میدان جنگ میں کام آجانے کی وجہ سے حکومت کی طرف سے جو بہت معمولی وظیفہ دیا جاتا ہے بند کر دیا جاتا ہے۔ اخبار مذکور لکھتا ہے اس سے بڑھ کر وحشت انگیز ظلم اور کیا ہوگا کہ بیوہ عورت اپنے چہرے کو بھی درست رکھنے کی مجاز نہیں اور نہ وہ اپنا سنگار و نمائش کر سکتی ہے حکومت اس پر بھی سختی سے محاسبہ اور بازپرس کرتی ہے۔

ترجمہ

ب۔ن۔ آلنسہ ابراہیم۔

فوٹوگرافی

فوٹوگرافی کی مختصر تاریخ اور اس کے اُصول

انیسویں صدی میں جس قدر علوم وفنون ایجاد ہوئے اور پایۂ تکمیل کو پہنچے ہیں۔ ان میں فوٹوگرافی کا فن سب سے زیادہ عجیب وغریب اور ازبس کارآمد ہے۔ یہ فن زمانہ حال کی چند اختراعات کی طرح جدید نہیں اور نہ یہ ایجاد فردِ واحد کی تحقیقات اور محنت کا نتیجہ کہی جا سکتی ہے بلکہ یہ بہت پُرانا فن ہے ہر زمانہ میں مختلف لوگ مختلف مُلکوں میں اس کا تجربہ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ ترقی ہوتے ہوتے اس فن نے موجودہ کامیاب صورت اختیار کر لی ہے۔ پُرانی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ فوٹوگرافی کے اصول قدیم مصریوں کو معلوم تھے بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس فن کے اصول کے موجد اہل مصر ہی تھے۔ وہ لوگ چاندی کا نمک کسی مُسطّح چیز پر چڑھاتے اور اس کو تاریک جگہ لیجا کر ایک سوراخ کے ذریعہ باہر کی چیز کا عکس لے لیا کرتے تھے۔ یہ عکس یا تصویر ہو بہو سایہ کی شکل کی ہوتی تھی۔

سولھویں اور سترھویں صدی کے درمیان ممالک مغربی خصوصاً انگلینڈ و جرمنی میں علم کیمیا (کیمسٹری) کا بہت چرچا تھا۔ اس کے تجربوں اور تحقیقاتوں میں بڑے بڑے مشہور لوگ مثلاً ایک جرمن ڈاکٹر جوہن ہین رچ اور انگریزی عالم گیبر بیکن اور میگنس وغیرہ منہمک تھے۔ اِن لوگوں کو اپنے تجربہ کے دوران میں اتفاق سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ چاندی کا نمک (سلور کلورائیڈ) روشنی سے سیاہ پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ ویجوُڈ نامی دوسرے سائنسداں نے اس دریافت کے مزید تجربے کئے اور ان میں اُس نے کامیابی حاصل کی۔ ویجوُڈ نے تاریکی میں ایک دفتی کے ٹکڑے پر چاندی کے نمک کی تہہ چڑھائی اور اس پر ایک لیس (Lace) کا ٹکڑا رکھ کر اس کو روشنی دکھائی تو روشنی نے لیس کے چاروں طرف کے حصے کو سیاہ کر دیا۔ اور دفتی کے مرکز میں ایک صاف خاکہ یا سلہاوٹ بنکر رہ گیا۔ پھر اسی طریقہ سے ایک سکہ رکھا تو سکہ کا بھی ایک گول نشان بن گیا۔ اس کے بعد روشنی کے اس اصول کا تجربہ کیا گیا۔ جو پہلے معلوم تھا۔ دفتی کے ٹکڑے پر حسب معمول چاندی کے نمک کی تہہ چڑھائی گئی اور اس کو ایک تاریک کوٹھری میں لے جا کر ایک سوراخ کی راہ سے اس پر باہر کی روشنی کی کرنیں ڈالی گئیں اس ترکیب سے کوٹھری سے باہر کے منظر کا عکس (سایہ) پڑے گا۔

اسی خیال کی بُنیاد پر ایک ایسا صندوقچہ اٹلی میں بنا لیا گیا تھا جس کو مصوّر (نقاش) منظر وغیرہ کے خاکے لینے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس کو کیمرہ ابسکیورا کہتے ہیں یہ کیمرہ کیا تھا؟ ایک سادہ مربّع صندوقچہ سا تھا جس کے آگے ایک سوراخ تھا اور اس میں ایک شیشہ کا ٹکڑا لگا ہوا تھا پیچھے دُھندلے شیشہ کی تختی (پلیٹ) لگائی تھی۔ جسے "گراؤنڈ گلاس" کہتے ہیں۔ اس کیمرہ کو دیکھ کر ایک شخص فاکس ٹیلبٹ کو یہ خیال سوجھا کہ اس میں بجائے گراؤنڈ گلاس کے سلور کلورائڈ لگا ہوا کاغذ استعمال کیا جائے۔

اس کے بعد روشنی کی حالت اور سلور کلورائڈ کی خاصیت کے مزید تجربے ہوتے رہے۔ لیکن ابھی تک روشنی کا پورا معمّہ حل نہیں ہوا تھا۔ تاہم اب تک اتنا ہی معلوم تھا کہ روشنی درحقیقت چاندی کے نمک پر نہایت گہرا اثر ڈالتی ہے روشنی کی شعاعیں یک بیک گر کر اس کو بالکل سیاہ کر دیتی ہیں۔ اگر گل یا اس کے کسی حصّہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اس کو ویسا ہی چھوڑ دیتی ہے اور اُس پر کوئی اثر نہیں ہوتا —— مثلاً لیس یا سکہ کو لیجئے اگر وہ سلور کلورائڈ لگی ہوئی کسی سطح چیز پر رکھ دی جائے تو روشنی کی کرنیں لیس یا سکہ کے چاروں طرف ہی پڑیں گی اور صرف چاروں طرف کی سطح کو ہی سیاہ کریں گی اور جو حصّہ لیس یا سکّہ سے ڈھکا ہوا ہے وہ جوں کا توں رہے گا۔ چنانچہ جب لیس یا سکہ اُٹھایا جائے گا تو کلورائڈ لگی ہوئی چیز پر لیس یا سکّہ کا ہُوبہو خاکہ بنا ہوا ہوگا۔ اس اُصول سے معلوم ہوا کہ روشنی کی تمام کرنیں یک وقت گر کر سلور کلورائڈ کو سیاہ کرتی ہیں اور اس طریقہ سے کسی چیز کا خاکہ یا سلہاوٹ بننے میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا۔

لیکن جب فاکس ٹیلبٹ نے کیمرہ الیکیورائیں بجائے گراؤنڈ گلاس کے سلور کلورائڈ کا کاغذ لگایا اور اس پر عکس لیا تو حالتیں اس سے مختلف پائی گئیں۔ اس طریقہ کے عمل میں کافی وقت صرف ہوا۔ اس صورت میں اول بجائے براہ راست آسمانی روشنی کا اثر سلور کلورائڈ پر پڑنے کے صرف اُسی چیز کی روشنی خارج ہو کر کیمرہ کے اندر جا رہی تھی جو کیمرہ کے سامنے تھی یعنی جس کی تصویر یا خاکہ لینا مقصود تھا (ملحوظ رہے کہ چیز کی چمک ہی وہ مخزن ہے جس سے روشنی کا انعکاس ہوتا ہے جس سے چیز خود نظر آتی ہے۔ اس نکتہ کی تصریح لینز کے باب میں کی جائے گی) دویم بہت زیادہ چمکدار چیز اور فضائی (آسمانی) روشنی میں بہت بڑا فرق تھا اور اس کا سلور کلورائڈ کی سطح پر اثر پڑنے یا بہ دیگر الفاظ سلور کلورائڈ کا کاغذ "اکسپوز" (روشنی سے متاثر ہونے میں نسبتاً زیادہ وقت لگا۔

یہ خیال بہت عرصہ پیشتر سائنسدانوں کے دماغوں میں آچکا تھا کہ اگر کوئی ایسا ذریعہ معلوم ہو جائے کہ جس سے صرف خاص خاص (یعنی اور تیز) روشنی کی کرنیں سلور کلورائڈ کی سطح پر اثر ڈال سکیں تو اس عمل سے منظروں اور آدمیوں کی شکلوں کے ہُوبہو چربے اُتر سکتے ہیں۔ بہر حال اس تجربہ کے لئے کیمرہ الیکیورا (جس کا ذکر اوپر ہوا) انتخاب کیا گیا اور جب اس میں سلور کلورائڈ لگا ہوا کاغذ گراؤنڈ گلاس کی جگہ رکھا گیا اور اس پر حسب طریقہ عکس لیا گیا تو نہایت حوصلہ افزا نتیجہ برآمد ہوا۔ جیسے کہ پہلے مذکور ہوا۔ یہ کیمرہ الیکیورا ایک سادہ سا صندوقچہ تھا۔ اس تجربے کے لئے اس میں چند خاص اصلاحیں کی گئیں اول اس کو روشنی سے قطعی محفوظ Light Tight کیا گیا۔ دویم حسّاس کاغذ (سلور کلورائڈ لگا ہوا کاغذ) لگانے کا انتظام کیا گیا۔ سیوم حسّاس کاغذ کے مقابل کیمرہ کے سوراخ پر دھات کا ایک مجوف ٹکڑا بطور آنکھ کے لگایا اور اس پر ایک ایسا قابل حرکت ڈھکنا shutter لگایا گیا جو آنکھ کو اس وقت تک بند رکھے جب تک اس چیز کے سامنے نہ لایا جائے

شیڈوگراف یا سلہاوٹ جس کے اصول کی بنیاد پر موجودہ فوٹوگرافی قائم ہے۔ اس کو سب سے پہلا فوٹوگراف بھی کہہ سکتے ہیں۔ شکل ۱

جس کی تصویر لینی مقصود ہے اور ایک اُنگلی کی جنبش سے فوراً کُھل جائے۔ آنکھ میں ایک پن کے برابر سوراخ تھا جب اس کے ذریعہ سے باہر کی چیز کا عکس حسّاس کاغذ پر لیا گیا تو وہ عکس نہایت مدّھم اور کمزور تھا۔ پھر جب اس کو زیادہ روشنی دی گئی تاکہ زیادہ روشنی اندر پہنچکر عکس کو زیادہ نمایاں کرے تو اس صورت میں کاغذ کے اکسپوز (متاثر) ہونے میں بہت زیادہ وقت لگا۔ ان دو وجوہ سے کیمرہ کی آنکھ میں شیشہ لگایا گیا تو اس سے زیادہ سے زیادہ روشنی کم سے کم وقت میں پہنچی اور صرف یہی نہیں بلکہ عکس بھی پہلے سے زیادہ اتنا صاف نمایاں اور مکمل تھا۔ جتنی خود اصل چیز تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر ان عملیات (Processes) سے جو خاکے اور مکمل عکس لئے جاتے تو تھوڑی دیر تک قائم رہ کر رفتہ رفتہ روشنی سے غائب ہو جاتے ان کے پختہ کرنے کی وجوڈ اور فاکس ٹیلبٹ وغیرہ نے کوشش کی مگر بے سود۔

ادھر فرانس میں ڈگیوری نامی ایک صنّاع اسی قسم کے تجربات میں مصروف تھا اور اس نے اپنی کوششوں میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ دس برس کی سر توڑ کوششوں کے بعد وہ ۱۸۳۹ء میں اپنے تجربات کا نچوڑ جو ڈگیوری ٹائپ کے نام سے مشہور ہے عوام کے سامنے لایا۔ اس کا طریقہ تصویر کشی یہ تھا۔ اس نے تانبے کی تختی (پلیٹ) پر چاندی کا نمک وغیرہ کا مرکب چڑھا کر ایک چھوٹے سے صندوقچہ کی مدد سے باہر کی چیز کی تصویر لی اور ایک خاص عمل سے پختہ کر لی یہ ایجاد بہت مقبول ہوئی چنانچہ ڈگیوری نے ۱۸۳۶ء میں ایک ایسا ہی صندوقچہ بنا کر رائج کر دیا۔ یہ صندوقچہ تھا پہلا کیمرہ یا آلہ جو مکمل تصویر کشی کے لئے بازار میں لایا گیا۔ مگر ڈگیوری کے فوٹو لینے کے اس طریقہ میں بھی کچھ خامیاں تھیں اول آدمی کو اپنی تصویر کھنچوانے سے پہلے اور اس کو پختہ کرانے کے عمل تک بے حس و حرکت کیمرہ کے سامنے بیٹھنا پڑتا تھا اس صبر آزما عمل کے علاوہ اس میں لاگت بھی زیادہ آتی تھی یعنی ایک تصویر ڈھائی گنی سے پندرہ گنی تک میں تیار ہوتی تھی

مسٹر فاکس ٹیلبٹ متعدد ناکامیوں کے باوجود خاموش نہیں تھے۔ وہ برابر کیمرہ ابسکیورا سے لئے ہوئے عکس یا تصویر کو پختہ کرنے کے تجربات میں مصروف تھے۔ ڈگیوری ٹائپ کے رائج ہونے کے چند سال بعد انھوں نے ایک خاص عمل process جو انھوں نے اپنی ذاتی کوشش سے معلوم کیا تھا مستجل Patent کرایا۔ یہ کیلو ٹائپ کے نام سے موسوم ہے۔ اس عمل سے انھوں نے پختہ فوٹوگراف سلور آیوڈائڈ اور پوٹاشیم آیوڈائڈ کا محلول لگے ہوئے کاغذ پر لئے اور منفی عکس (نگیٹو) تیار کئے۔

فوٹوگراف کس طرح بنتا ہے

شکل ۲ ظاہر کرتی ہے کہ لینز کیونکر اُلٹا عکس ڈالتا ہے۔ روشنی کی شعاعیں شمع کے سرے اور نشیب سے گذر کر لینز کی راہ سے کیمرہ کے اندر داخل ہو رہی ہیں اور کیمرہ کے پردہ یا پلیٹ پر پڑ رہی ہیں جن سے شمع کا مجسّم عکس قائم ہو گیا ہے یہ نظریہ یا اصول ۱۸۴۲ء تک استعمال ہوتا تھا اور اسی بنیاد پر فوٹوگراف لئے جاتے تھے۔ پھر جب حسّاس کاغذ کیمرہ کے اندر بجائے پردہ یا پلیٹ کے رکھا گیا۔ جیسا کہ صدر میں مذکور ہوا اور کیمرہ کی آنکھ مناسب وقت تک کُھلی رکھی گئی تو اس چیز کا عکس جو کیمرہ کے سامنے تھی حسّاس کاغذ پر نمودار ہوا جو کیمرہ کے اندر سوراخ یا لینز کے مقابل لگا ہوا تھا۔
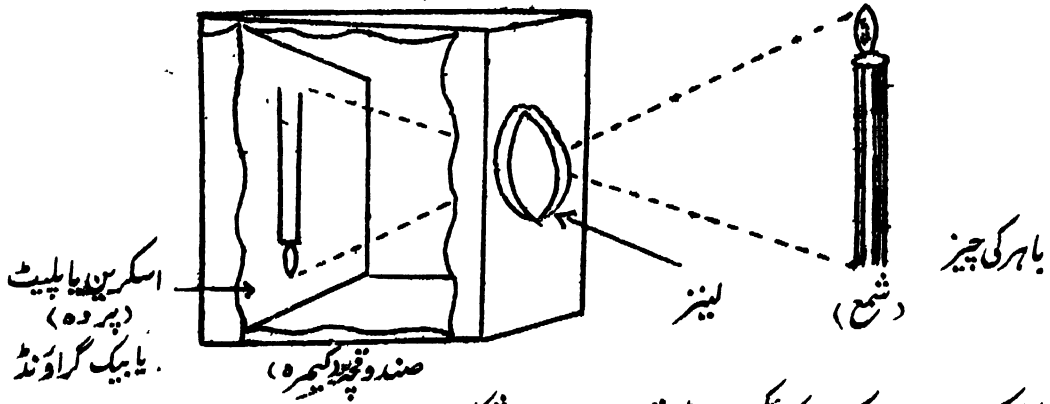
لینز کس طرح باہر کی چیز کا عکس ڈالتا ہے۔ شکل ۲

اس وقت سے فوٹوگرافی کے عملی تجربات میں کافی دلچسپی لی جانے لگی اور یہ فن فائدہ مند سمجھا جانے لگا پہلی دفعہ حساس کاغذ کو روشنی دینے یعنی اس کو اکسپوز کرنے کے بعد اس چیز کا جس کا فوٹو لیا گیا تھا منفی عکس Negative Image نمودار ہوا جو شکل ۳ دیکھ کر سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اگر ایک سیاہ پشت (بیک گراؤنڈ) کے آگے جلتی ہوئی شمع رکھ کر اس کا عکس (کیمرہ سے) لیا جائے تو اس کی شکل کیسی ہوگی جلتی ہوئی بتی یا لو لے جو شمع کا سب سے زیادہ چمکدار حصہ ہے چاندی کے نمک پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے اور شمع کے باقی حصوں کی چمک یکساں ہے اس لئے اس کا اثر بھی حساس سطح پر یکساں نظر آتا ہے سیاہ پشت کی چونکہ کوئی چمک یا روشنی نہیں ہے۔ اس لئے حساس سطح یا چاندی کے نمک پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں ہے چنانچہ شمع کے چاروں طرف کا حصہ قطعی غیر متاثر ہے۔

اس کے بعد منفی عکس کو مثبت عکس Positive Image میں تبدیل کرنے کا طریقہ معلوم کیا گیا کہ وہ عکس یا تصویر ٹھیک ٹھیک اصلیت سے مشابہ ہو۔ اس طریقہ سے جو تصویر بنی وہ شکل ۴ سے ظاہر ہے جس میں سفید شمع سفید دکھائی دیتی ہے اور سیاہ پشت سیاہ نظر آتی ہے چنانچہ یہ اصلی فوٹوگراف ہے۔

اس قدر ترقی کے بعد فوٹوگرافی رائج ہوگئی تھی لیکن مقبول عام نہ تھی کیونکہ کافی نمایاں اور صاف تصویر کے لئے اکسپوزر میں بھی زیادہ وقت صرف ہوتا تھا۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک مزید تجربے کئے گئے اور اس مقصد کے لئے کیمیائی عمل اور روشنی کی کیفیت کے تجزیہ کی طرف زیادہ توجہ کی گئی۔ آخر جب یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ کیمیائی عمل پر روشنی کا غیر محدود اثر پڑتا ہے تو اکسپوزر گھٹانے کے ریسرچ میں سر توڑ کوششیں کی گئیں چاندی کے نمک میں انتہائی صفائی Refining کی گئی کر وہ زیادہ سے زیادہ ہلکا ہو کر جلد سے اثر پذیر ہو سکے۔
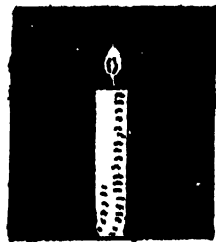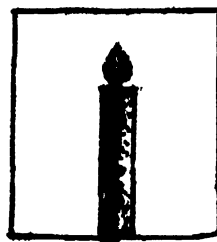
شکل ۳
منفی عکس (نگیٹو)

شکل ۴
مثبت عکس (پوزیٹو)

علاوہ بریں لینز اس مقصد کے لئے اس قدر شفاف اور اس خاصیت کا بنایا گیا کہ فی الفور روشنی کو سمیٹ کر باریک سے
باریک سوراخ کی راہ سے کیمرہ کے اندر پہنچا سکے آخر اس ریسرچ میں بھی کامیابی ہوئی اور اکسپوژر کا وقت کافی حد تک
گھٹ گیا۔ اس کے بعد فوٹوگرافی نے جلد ہی وہ کامیاب صورت اختیار کرلی جو آج کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔

موجودہ فوٹوگرافی کے عمل کا خلاصہ

موجودہ یعنی رائج الوقت فوٹوگرافی کے عمل کی صراحت مختصر طور پر اس طرح کی جاسکتی ہے۔

حساس (sensitive) پلیٹ یا فلم ایک روشنی سے محفوظ صندوقچہ (کیمرہ) میں رکھی جاتی ہے پلیٹ
کے مقابل صندوقچہ میں ایک سوراخ یا آنکھ ہوتی ہے جس میں شیشہ لگا ہوا ہوتا ہے سوراخ یا آنکھ کو کھولنے یا بند
کرنے کے لئے ایک مجوّف ڈھکن (cap) یا اس کے اوپر ایک کپڑا لگا ہوتا ہے۔ صندوقچہ یعنی کیمرہ کو اس چیز کے
جس کی تصویر لینی مقصود ہوتی ہے مقابل رکھ کر اس کا سوراخ یا آنکھ کچھ ضروری وقت (عموماً ایک سیکنڈ سے بھی کم)
کے لئے کھولی جاتی ہے پھر بند کر دیجاتی ہے اس وقت حساس پلیٹ پر کوئی ظاہری تبدیلی نہیں ہوتی (بلکہ اگر اس
کو دیکھا جائے تو اس کی سطح ویسی ہی دھندلی نظر آئیگی جیسے پہلے تھی) لیکن جب اس کو خاص کیمیائی دواؤں کے محلول
میں ڈالا جاتا ہے (اس عمل کو "ڈیولپنگ" کہتے ہیں اور یہ قطعی تاریک جگہ لال روشنی میں کیا جاتا ہے) تو پلیٹ کے وہ حصے
جو روشنی سے متاثر ہوئے ہیں فوراً سیاہ ہوجاتے ہیں یہانتک چیز کا (جس کی تصویر لی گئی تھی) ایک مکمل منفی عکس
(نگیٹو) نمودار ہوتا ہے پھر یہ نگیٹو "فکس" کیا جاتا ہے اس عمل سے نگیٹو کے وہ حصے یا بہ دیگر الفاظ چاندی کے مرکب کی
سطح کے وہ مقامات جن پر روشنی کا اثر نہیں ہے۔ ایک قسم کے نمک "ہائپو سلفائٹ آف سوڈے" سے گھل کر دور یا
ہلکے اور پختہ ہوجاتے ہیں بعد ازاں نگیٹو کو سادے پانی میں دھوکر خشک کرلیا جاتا ہے۔ اب یہ نگیٹو مثبت تصویریں
(اصلی فوٹوگراف) یا لینٹرن سلائڈ بنانے کے لئے اسی طریقہ سے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس طریقہ سے وہ بجوو ڈ اور
اس کے ہمعصر لیس یا سکّہ کے خاکے (شیڈو گراف) لیا کرتے تھے۔

فوٹوگرافی کی غیر محدود ترقیاں اور اس کا شاندار مستقبل

فوٹوگرافی کی ترقی صرف یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے آجکل
رنگین فوٹوگرافی کے تجربے ہورہے ہیں۔ ابھی تک صرف ایک رنگ (سیاہ وسفید) کی تصویر آتی ہے اب کوشش کی جارہی ہے کہ کیمرہ
سے براہ راست نیچرل رنگ لئے ہوئے تصویریں اُتریں مثلاً عورت کی تصویر اس کے چہرے کا گلابی رنگ موجود ہو بالوں کا رنگ
تو خیر ہر فوٹو میں سیاہ ہوتا ہی ہے۔ زیورات بھی سنہری یا روپہلی رنگ لئے ہوئے آئیں۔ بدن پر جتنے رنگوں کے کپڑے ہوں وہ سب
اصلی رنگ لئے ہوتے تصویریں نمایاں ہوں۔ اسی طرح سبزی کے جو رنگ اُسوقت (یعنی تصویر لیتے وقت) ہوں۔ اُنھیں قدرتی
رنگوں میں وہ تصویر بھی آئے۔ اسمیں تھوڑی بہت کامیابی بھی ہوچکی ہے۔ اس قسم کے لوازم اور کیمرے بازار میں آچکے ہیں جنسے فی الحال تین رنگ کی تصویر لیجاتی
سینما فوٹوگرافی فوٹوگرافی کی ہی ایک ترقی یافتہ شاخ ہے جسکے فوائد سے بچہ بچہ واقف ہے اسی طرح اب ہزاروں میل فاصلے کی تصویریں
چشم زدن میں گھر بیٹھے لینے اور دیکھنے کی بھی تحقیقاتیں جاری ہیں اور ان تحقیقات میں حوصلہ افزا کامیابی ہوچکی ہے چنانچہ اب وہ وقت
دور نہیں ہے جبکہ ہم حج کے موقعہ پر حاجیوں کی کعبہ میں آمد و رفت وغیرہ کے منظر کی تصویر گھر بیٹھے لیا کریں گے۔ یا لندن میں
بکنگھم پیلیس سے ملک معظم کا جلوس نکلنے کی متحرک تصویر اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے عین وقت پر دیکھ لیا کریں گے۔ غرضیکہ

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

ادنیٰ ناواقفیت - ہمارے روزانہ کاموں میں بہت سے ایسے کام ہیں جنھیں ہم بہت آسان سمجھتے ہیں لیکن وہ ادنےٰ ہوتے ہوئے بھی ہمارے بس کے نہیں ہوتے۔ آم یا آلو کا چھیلنا ہی لو۔ چھلکے اس طرح کتریں گے کہ بہت سا گودا ان کے ساتھ لگا چلا جائیگا۔ ہوشیار باورچی اس طرح کترتے ہیں کہ گودا ذرا بھی ضائع نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم لوگ آم وغیرہ چھیلتے ہوئے اپنی انگلی کاٹ لیتے ہیں۔

کوئی پارسل یا پیکٹ بنانا ہو تو چیز بکھر جائیگی اور کاغذ بھی زیادہ لپیٹ دیا جائے گا اور پھر اوپر کی ڈوری کی پہلی ہی لپیٹ ڈھیلی رہ جائیگی۔ کسی دوکاندار کو دیکھو کس صفائی سے بنڈل باندھتا ہے۔ بورا یا آٹا وغیرہ ذرا بکھرنے نہیں پاتا جب پارسل بنایا جائے بھاری چیزیں نیچے رکھی جائیں اور ہلکی اوپر۔

بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ بہت سے لوگ آگ سلگانا نہیں جانتے۔ لکڑیاں اُپلے کاغذ جو چیز بھی امداد کے لئے لی جائیگی زیادہ لگا دینگے تیل چھڑک دینگے کپڑے کی کترنیں ٹھونس دینگے۔ دس بیس دیوے سلائیاں جلا ڈالیں گے مگر آگ پھر بھی نہیں سُلگتی۔ دھوئیں سے آنکھوں میں آنسو آجائیں گے۔ بڑی محنت کی جا رہی ہوگی مگر حاصل کچھ بھی نہ ہوگا۔ آگ سلگانے کا طریقہ یہ ہے کہ زائد راکھ نکال دی جائے۔ چھپٹیوں یا اُپلے کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے لگا کر اس طرح کھڑا کیا جائے کہ اُن میں سے ہوا آنے جانے کے لئے رستہ رہے۔ بیچ میں کوئی کاغذ یا رسی موڑ کر رکھدی جائے اور دیوے سلائی لگائی جائے۔ ہوا رُکے تو آہستگی سے تنکوں وغیرہ کو کرید دیا جائے۔

انگلی کٹ جائے تو عموماً کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے جو بجائے خون بند کرنے کے نکلتے ہوئے خون کو جذب کرتا رہتا ہے۔ پہلا کام خون روکنے کا ہے کٹی ہوئی جگہ پر بورا چھڑک دو۔ خون بند ہو جائیگا۔ اب کپڑا لپیٹ دو۔ زیادہ گھاؤ ہو جائے ڈاکٹر سے مدد لو۔

بنک میں چک جائیگا تو تاریخ رقم وغیرہ میں بے خبری میں غلطی کر دیجائے گی۔ کسی جگہ کوئی درستی کی جائیگی تو وہاں دستخط نہیں کئے جاتے حالانکہ ہر کٹی ہوئی جگہ پر مختصر دستخط کرنے چاہیں جتنے آدمیوں کا چک ہو سب کو درستی پر دستخط کرنے پڑتے ہیں۔

ٹرنک یا کوئی بھاری چیز زینہ پر چڑھانی ہو تو بڑی قوت ضائع ہوتی ہے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ پچھلا آدمی دونوں ہاتھ نیچے رکھ کے ٹرنک وغیرہ کو پہلے آدمی کے برابر رکھے چیز آسانی سے چلی جائے گی۔

پیروں پر - آدمی کی خوبصورتی اُس کے پاؤں پر منحصر ہے پاؤں کی حالت اس وقت درست ہو سکتی ہے جب صحت اچھی ہو۔ صحت سے جسم کی جلد ریشم سی ملائم اور آنکھیں بارونق بال چمکدار اور بدن پھرتیلا ہو سکتا ہے۔ پاؤں پر بڑھاپا بہنے لگے یا بیمار ہونے لگیں تو سارا جسم ان کے اثر سے نہیں بچ سکتا۔ اگر پاؤں تندرست ہیں اور بدن میں کچھ تکلیف ہے تو پاؤں جلد بدن کو اچھی حالت میں لے آتے ہیں

اس لئے ضروری ہے کہ پاؤں کی طرف کما حقہ توجہ کی جائے لیکن افسوس ہے لوگ ان سے غفلت کرتے ہیں۔

پاؤں کے لئے ٹھیک اور چست جوتے لینے چاہئیں مگر وہ اتنے کسے ہوئے نہ ہوں کہ اُن کو دکھ ہو۔ ان سے خون کی گردش میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ جوتے بھاری اور تنگ ہوں تو پاؤں اور پنڈلیاں دُکھنے لگتی ہیں۔ اور پھر سارا بدن تھکا تھکا معلوم ہونے لگتا ہے۔

اسی طرح جرابیں بھی بھاری اور تنگ نہ پہنیں ہر رات کو یا صبح کو غسل کرتے وقت پاؤں کو خوب مل مل کر دھونا چاہئے خواہ ہاتھوں سے یا نہانے کے برش سے پھر ٹھنڈے یا گرم پانی سے دھاریں۔ گھابیوں کو خشک کر لیا کریں۔

دن بھر چلنے پھرتے رہنے کے بعد گھر آ کے جوتے اور جرابیں اُتار دیں اور ننگے پاؤں کمرے میں ادھر اُدھر دوڑیں پھر ٹھہر کے نہائیں تسکین پہنچانیوالی کریم سے پاؤں کی مالش کریں۔ اور انگلیوں کو کھینچائیں مس ٹریشیہ پاؤں کی ورزش کے لئے مشورہ دیتی ہیں۔ کہ بڑھئی سے ایک لکڑی دو فٹ لمبی بنوائیں جس کا قد ۱/۲ انچ ہو اور زمین سے ٹھیک چار انچ اونچی رہے۔ لکڑی رندہ کروا کے بالکل صاف کرالیں۔ لکڑی تصویر میں دکھائی گئی ہے اس کے ذریعہ مندرجہ ذیل ورزشیں کریں

(۱) کسی کرسی کی کمر کے ذریعہ سہارا دے کے پاؤں کی انگلیاں مضبوطی سے لکڑی پر قائم کریں۔ جسم کو ترازو کرائیں اور اسے نیچے جھکائیں اور پھر ابھاریں یہ عمل چھ دفعہ کریں۔ اس سے ہڈیوں کے جوڑ پھیلتے ہیں اور پاؤں کی اُس سطح کی مالش ہوتی ہے جو لکڑی سے مس کرتی ہے۔

(۲) انگلیوں کو اسیطرح لکڑی پر جمائے جمائے سیدھی کھڑی ہو جائیں اور چند بار ایڑیوں سے زمین چھوئیں۔

(۳) ایڑیاں لکڑی پر کھڑی رکھ کے اُنگلیاں فرش سے لگائیں۔

(۴) تلوے لکڑی پر یکے بعد دیگرے ملیں۔

اگر پاؤں کو تکلیف معلوم ہو تو چند روز کے لئے یہ ورزشیں بند کر دیا کریں۔

چہرہ اور گردن۔ بال اس طرح بندھوائیں کہ کانوں اور گردن کے درمیانی حصص گُدی اور اس کے پاس کا ہموار علاقہ نظر آنے لگے۔ ان سب حصص کی خوبروئی اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کے انداز اور بہت کچھ پٹھوں اور ہڈیوں کی بناوٹ پر منحصر ہے۔ چالیس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے یہ علاقے بے رونق ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ گردن کی خوشنمائی کے لئے ضروری ہے کہ یہ سفید نظر آئے۔ بادام روغن گرم کر کے گردن پر چپڑیں اور نیچے تک جہاں تک ہاتھ جا سکے اور چھوڑ دیں۔ چند منٹ تک اُسے خود کام کرنے دیں اس کے بعد یوڈی کولون Eau-de-Cologne اور روز واٹر Rose water ملا کے اس میں ملائم روئی ڈبو ڈبو کے گردن پونچھیں پھر گاہے گاہے گُدی پر سفید کرنیوالی دوا Bleach پھیلائیں اس سے ملائی کا سا رنگ آ جائیگا جو نظروں کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔

سب سے آسان طریقہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ قوت بخش چہرہ کی کریم Nourishing cream کے ایک چمچہ میں لیموں کے ست Essence of lemon کے بیس قطرے ملا کے پھانٹیں گاڑھا گاڑھا گردن پر پھیلائیں اور دس منٹ تک لگا رہنے دیں۔ اور مندرجہ بالا یوڈی کولون والے طریقہ سے صاف کر دیں۔

Skin tonic کریم کے فوائد دوگونہ ہیں یہ جلد پر ایسا اچھا اثر کرتی ہے کہ اس کے بعد مقوی جلد استعمال کرنے کی ضرورت نہیں یہ جلد صاف کرنے میں جادو کا اثر رکھتی ہے۔ جو چہرے چکنے رہتے ہوں ان کو درست کر دیتی ہے۔

ٹھوڑی رخساروں آنکھوں پر ذرا بھی جھری آجائے یا کوئی لکیر پڑ جائے چہرہ کی روزانہ دیکھ بھال کی سخت ضرورت پیش آجاتی ہے۔ ایسا تیل لگایا کریں جو پٹھوں میں جان پیدا کرے اور جلد کو کس دینے والا ہو۔ اسے بیچ کی تین انگلیاں زور سے جوڑ کے لگایا کرتے ہیں۔ ٹھوڑی کے نیچے سے کان کی لو تک ان انگلیوں کو حرکت دیجائے۔

ادھیڑ عمر میں جوانی ۔ ہمارے ملک میں تو عورتیں تیس پینتیس برس میں بڑھیا ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی زندہ دل بڑی بی ذرا جوان بننے کی ادھیڑ بن میں رہے تو چھوٹے بڑے سب اس کا مضحکہ اڑا دیا کرتے ہیں مگر ایسے لوگ ایسی مٹی کے بنے ہوئے نہیں ہوتے جوان دل لگیوں کی پروا کریں حقیقت یہ ہے کہ اب زمانہ نے بتا دیا ہے کہ ایسے لوگ بہت اچھے رہتے ہیں۔ اگر چالیس پینتالیس کی عمر ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اپنے آپ کو ردی سمجھ کر طاق میں رکھ دیئے جانے کے اہل سمجھا جائے۔ آئینہ میں صورت دیکھ کر اگر زبان سے نکل جائے۔ اری! تو ہی وہ ہے جس سے میرے شوہر نے شادی کی تھی۔ تیری خوبروئی کو کیا ہوگا۔ سمجھ لو کہ ایسے خیال کی عورت پھر جوان ہو سکتی ہے۔ اگر تمہیں اپنی بے پرائیوں پر افسوس آئے تو یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ تم ہی ان غفلتوں کا علاج کر سکتی ہو۔ بڑی عمر کڑھنے کا زمانہ نہیں ٹھوکروں نے کس بل نکال دیئے ہیں۔ جیسے کسی چیز پر جلا آجاتی ہے زمانہ کی گردش نے اسی طرح تمہیں صاف ستھرا کر دیا ہے۔ گھر والوں کی نظروں میں تمہیں اب بھی اچھی اور خوبصورت نظر آنے کی ضرورت ہے وہ تمہاری پژمردگی اور بدنمائی سے ناخوش اور کبیدہ رہتے ہیں۔ روزانہ ورزش کرو۔ خواہ یہ ورزش چند قدم چلنا ہی ہو۔ مناسب اور موافق غذا تین وقت کھاؤ۔ جلد اور بالوں کی باقاعدہ خبر رکھو۔ گھر سے باہر اپنی سہیلیوں سے ہنسی خوشی وقت گزارنے کے لئے موقع نکالتے رہنا چاہیئے۔ ذرا خود غرض بھی بنو۔ اب تک ۲۵ یا ۳۰ برس دوسروں کے لطف و آرام کی خاطر تم نے اپنی ضروریات کو قربان کر دیا ہے۔ بیٹی کسی نئے جوڑے کی فرمائش کر رہی ہو یا میاں اپنے لئے نیا بلا لانے کی فکر میں ہیں تم پرواہ نہ کرو اپنے لئے ایسے رنگ کے کپڑے بنوا ڈالو جن سے جوانی ٹپکے اور تمہاری عمر پر سجیں۔ بالوں کو سنوارے رکھو۔ کپڑے صاف ستھرے پہنو۔ اپنی عمر کے حسب حال سنگھار جاری رکھو ہنسی خوشی رہو۔ اس کا اثر تم دیکھو گی۔ تم اپنے آپ کو جوان محسوس کرو گی اور گھر والے بھی تمہاری وجہ سے خوشیاں محسوس کریں گے۔

خانگی ٹوٹکے ۔ ذرا سا گھی شیشی میں ڈال کے گرم پانی میں رکھدیں کہ پگھل جائے پھر اس میں تین قطرے شورے کے تیزاب کے ڈالیں۔ خالص گھی کا رنگ بدستور رہے گا۔ نباتاتی ہوا تو اس کا رنگ گہرا زرد ہو جائیگا اگر چربی کی ملاوٹ ہو گی تو نارنجی اور موم ملا ہوگا تو سُرخی مائل زرد رنگ ہوگا۔

بھاڑ کے بھنے ہوئے چنے چباتے رہنے سے معدہ اور انتڑیوں اور منہ کی عفونت جاتی رہتی ہے اور قبض نہیں ہونے پاتا اور نہ ذیابیطس مرض کا خطرہ رہتا ہے چلغوزہ کھانے سے بھی ذیابیطس نہیں ستاتی۔ ساگ کھانے والے کو جلدی امراض نہیں۔

مردانہ پیٹنٹ چمڑے کے جوتے جب پہنیں نہ جائیں تو ویسلین پتلی پتلی لگائیں ہفتہ میں ایک مرتبہ ایسا کرتے رہنے سے چمڑہ تڑختا نہیں۔

روئی کے کپڑوں پر کچے میوے کے دھبے آجائیں تو سفیدی whitening اور لیموں کا رس کی ایک پتلی سی لئی بنائیں اور دھبوں پر لگائیں اور خشک ہو جانے دیں۔ گرم پانی سے دھار کے حسب معمول دھوئیں۔

نہانے کے بعد لوفا Loofah سے بدن پر جلد جلد مالش کریں اس سے بدن میں چستی آتی ہے اور کمر موٹی نہیں ہونے پاتی یہ ورزش بعد میں کی جاتی رہے تو کمر پتلی رہتی ہے۔ فرش پر بیٹھ کے ٹانگیں آگے پھیلائیں اور سیدھی رہیں۔ انگوٹھوں کو ملا کے بدن کو گھٹنوں کے اوپر لائیں۔ گھٹنے اٹھنے نہ دیں اور بائیں پاؤں کے انگوٹھے کو چھوئیں۔ پھر ہاتھوں کو سر پر سے لا کے دوبارہ انگوٹھا چھوئیں۔

محمد ظفر

سیر بین

ہٹلر و نپولین جس طرح یورپ نپولین کے زمانہ میں خوف و گھبراہٹ میں مبتلا تھا، اُس کا مکرر تجربہ اب آکر ہٹلر کے زمانہ میں ہوا ہے۔ دونوں میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ نپولین کے سینہ میں اُمنگیں اور آرزوئیں مچلتی تھیں جن کی بدولت وہ بڑے کام کرجاتا تھا۔ ہٹلر کا دل بھی اُنھیں اُمنگوں کی آماجگاہ ہے دونوں میں بیّن اختلافات بھی ہیں۔ نپولین خود سپاہی تھا۔ ۵-اکتوبر سنہ ۱۷۹۵ء میں پیرس کے بلوہ میں وہ کارنمایاں کرکے منظرِ عام پر آیا۔ وہ خود سپہ سالار تھا۔ ہٹلر گو جنگ عظیم میں ایک کارپورل تھا، مگر سپاہی نہیں ہے۔ البتہ سیاست داں ہے۔ وہ پروپاگنڈہ کی بدولت نمایاں ہوا۔ وہ خود کمان نہیں کرتا۔ اسے اُس نے اپنے سپہ سالاروں کے سپرد کر رکھا ہے جن میں سے بعض قابل بھی ہیں۔ ہٹلر اپنے سپہ سالاروں پر چھایا ہوا ہے۔ اس کے برعکس نپولین اپنے جرنیلوں کو شہرت حاصل کرنے کا موقع دیتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کے جرنیل مسینا۔ مورو۔ مراد وغیرہ اُس کے بے حد وفادار تھے۔ ہٹلر کے سپہ سالار بھی وفادار ہیں۔ نپولین کی طرح ہٹلر نے یہ غلطی نہیں کی کہ اپنی تکمیل وجاہت کے لئے شاہی خاندان میں شادی کرتا۔ نپولین کی طرح ہٹلر کے بہت سے بھائی بہن نہیں ہیں جنھیں مفتوحہ علاقوں پر بادشاہ و ملکہ بنا دینا وہ اپنا فرض سمجھتا۔ جن کی حماقتوں اور بیہودگیوں کا بہت سا بار نپولین پر پڑا۔ اور آخر میں اس کی بربادی کا باعث ہوا۔ ہٹلر کی طرح نپولین نے روس سے دائمی اتحاد کا معاہدہ کیا۔ یہ سنہ ۱۸۰۷ء میں ہوا۔ مگر پانچ برس بعد نپولین نے روس پر حملہ کرکے ایسا نقصان اُٹھایا جس کی تلافی نہ ہوسکی، اور آخر سنہ ۱۸۱۵ء میں اُسے واٹرلو کے میدان میں شکست فاش ہوگئی۔ بعض کا خیال ہے کہ آخر میں ہر ہٹلر اور روس کا اتحاد اسی طرح ٹوٹ کر انگریزوں کے لئے فائدہ رساں ہوگا۔

جبل الطارق مسلمانوں کے ہسپانیہ پر حملہ کرنے سے پہلے اُس ملک کی جنوبی چٹان کوہ کالپی کہلاتی تھی۔ سب سے پہلے اس مقام پر فونیشی لوگ حملہ آور ہوئے۔ یہ قوم بحرِ قلزم سے گذر کر افریقہ کے سارے ساحل کو کشتیوں میں طے کرکے اس مقام پر پہنچی۔ اور سنہ ۱۱۰۰ قبل مسیح میں یہاں ایک بستی قائم کی۔ یہ صوبہ بعد میں اندلس کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کے بعد رومیوں نے حملہ کیا اور فونیشی قوم نے اس چٹان پر آخری مقابلہ کیا۔ وہ لوگ تاجر تھے۔ رومیوں کے سامنے نہ ٹھیر سکے۔ بعد میں کارتھیج والے ہنی بال کی سپہ سالاری میں رومیوں پر یہاں غالب آگئے۔ رومیوں نے بعد میں پھر اس مقام کو اُن سے چھین کر سارے ہسپانیہ سمیت سنہ ۲۰۶ قبل مسیح میں رومی سلطنت میں ملا لیا۔ ان کے بعد جنگلیوں یعنی دریائے راین کے پاس رہنے والے سیووی و دریائے اوڈر کے پاس والے ونڈل اور ان دونوں کو جذب کرنے والے اسی گاتھ نے یکے بعد دیگرے اس ملک پر حملہ کرکے اسے تہ و بالا کیا اور رومیوں کو سنہ ۶۱۶ء میں وہاں سے بالکل نکال دیا۔ اس قوم کے بادشاہ وطبا کے زمانہ میں عربوں نے پہلا حملہ کیا۔ بحری لڑائی میں اُنھیں شکست ہوئی۔ چند سال بعد سنہ ۷۱۱ء میں طارق ابن زیاد نے اس چٹان پر مقام کیا۔ اس وقت سے یہ جگہ جبل الطارق کہلائی۔ اس کے قلعہ کے کھنڈرات اب بھی

اس جگہ ملتے ہیں۔ اس قلعہ پر بعد میں ایک محل اور تعمیر ہو چکا ہے۔ یہ چٹان اور ہسپانیہ عربوں کے قبضہ میں ساڑھے سات سو برس رہا۔ سنہ ۱۳۱۰ء میں ہسپانویوں نے اُن سے چھین لی۔ سنہ ۱۳۱۶ء میں غرناطہ کے بادشاہ اسمٰعیل نے اس پر ناکام حملہ کیا۔ سنہ ۱۳۳۳ء میں عبدالمالک نے محاصرہ کرکے قلعہ والوں کو اس قدر خائف زدہ کر دیا کہ اُنھوں نے اپنی ڈھالوں سے چمڑہ اُتار اُتار کر کھا لیا۔ اور آخر مجبور ہو کر اُنھوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ اسی سال ہسپانویوں نے اس پر حملہ کیا۔ مگر شاہ غرناطہ نے عبدالمالک کی مدد کی۔ اور عیسائیوں کو پسپا ہو کر صلح کرنی پڑی۔ سنہ ۱۳۴۹ء میں عیسائیوں کے اسی سپہ سالار نے مسلمانوں کو محاصرہ میں لے کر اس قدر پریشان کیا کہ وہ شاید ہتھیار ڈال دیتے کہ وہ طاعون کا لقمہ بن گیا۔ سنہ ۱۴۳۶ء میں پھر حملہ کیا مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ آخر سنہ ۱۴۶۲ء میں اُنھوں نے مسلمانوں سے اسے چھین ہی لیا۔ بعد میں سنہ ۱۵۰۲ء میں یہ مقام ہسپانوی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

سنہ ۱۷۰۴ء میں آرچ ڈیوک چارلس آسٹریا والے نے ہالینڈ اور انگلستان کی مدد سے ہسپانیہ پر حملہ کرنا چاہا۔ چٹان بہت ڈھلوان تھی۔ ہمت پست ہو گئی۔ انگریزی بیڑے نے ۱۵ ہزار سے زیادہ گولے برسائے مگر اثر نہ ہوا۔ اتفاق سے ایک دستہ سیر کرتا ہوا ایک اور چٹان پر جا نکلا وہاں وہ اُتر گئے۔ وہیں سے جبل الطارق کی طرف فوجیں جانی شروع ہو گئیں۔ اور شہر فتح ہو گیا۔ آسٹروی سپہ سالار نے توجہ کی۔ انگریزوں نے اس مقام کو اپنے قبضہ میں رکھا اور سنہ ۱۷۱۳ء میں برطانوی قلمرو میں شامل ہو گیا۔

طلاق کی عجیب وجوہ

عیسائی مذہب نے طلاق کی اجازت نہیں دی۔ مگر قانوناً اب رائج ہو گئی ہے۔ یہ محض کھلونا بن گئی ہے اور طلاق کی وجوہ سُن سُن کر لطف آتا ہے۔ سنئے ایک بیوی نے لندن کی ایک عدالت میں رو رو کر کہا کہ ہماری طلاق کا باعث یہ ہے کہ میرا میاں مجھے اور میرے بچہ کو بے گوشت کی غذا کھانے پر مجبور کرتا ہے۔ ایک عورت نے محض اس لئے طلاق لی کہ اُس کا شوہر اُس کی سالگرہ کے موقع پر اُسے کوئی تحفہ نہیں دیتا تھا۔ دوسرا مقدمہ بھی امریکہ میں ہوا جس میں میاں بچہ کے ہاتھ سے مٹھائی اُچک کے خود کھا جاتا تھا۔ لندن میں ایک شخص نے ایک بیوہ سے شادی کی جسے ۴۰ پونڈ سالانہ وظیفہ ملتا تھا وہ بچاری یہ سب رقم گھر کے کاموں میں ہی خرچ کر دیتی تھی۔ مگر میاں کو اس کی خبر نہ تھی۔ سات سال بعد جب اُسے پتہ چلا تو بہت جھگڑا ہوا۔ حالانکہ اُس وقت تک دونوں ہنسی خوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر اتنی سی بات پر طلاق ہو گئی۔ ایک تین بچوں والے رنڈوے نے ایک دو بچوں والی بیوہ سے شادی کر لی۔ یہ سب ایک ہی گھر میں رہتے رہے اور دونوں اپنے بچوں کے اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ چند سال بہت اچھی طرح دن گذرے۔ آخر ماں کے بچوں نے باپ کے بچوں پر الزام لگایا کہ وہ اُن کی بورہ کے برتن میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ اس جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بیوی میں علیحدگی ہو گئی۔ ایک شوہر محض اس لئے عدالت میں طلب ہوا کہ وہ ساس کی اجازت کے بغیر کھانے کے کمرہ میں سگرٹ پیتا ہے۔ کھانا کھاتے وقت بار بار اُٹھ جاتا ہے اور دو دفعہ کھانے کے وقت بغیر کالر لگائے آ بیٹھا انجام یہ ہوا کہ بیوی اپنی ماں کو لیکر شوہر کے گھر سے چلی گئی۔ لنکاشائر انگلستان میں ایک میاں بیوی ۲۰ برس سے زیادہ ہنسی خوشی رہا کئے۔ حتیٰ کہ ایک دن داماد آیا۔ میاں بیوی میں اس کے پتلون پہننے کے شوق پر بحث ہوئی اور سوال یہ شروع ہوا کہ وہ ان کی بیٹی کے لئے موزوں ہے یا نہیں۔ دونوں میں پہلی مرتبہ اس پر جھگڑا

ہوا اور دونوں کے دل پھٹ گئے۔ یہ اختلاف روز بروز بڑھتا رہا۔ آخر سال بھر بعد میاں نے خودکشی کر لی۔ اسی ضلع میں ایک جوڑے کے پانچ بچے تھے۔ جب چھٹا ہوا اُس کا نام رکھنے پر دونوں میں اختلاف ہوا۔ میاں اپنے ایک عزیز کے نام پر اور بیوی اپنے عزیز کے نام پر نام رکھنا چاہتی تھی۔ دونوں میں سے کوئی اپنی ہٹ سے ذرا بھی نہ سرکا حتیٰ کہ طلاق ہو گئی۔ دو تین سال کا ذکر ہے ایک عورت کو جس کی شادی کو تیس سال ہوئے تھے سر کے بال کتروانے کا شوق ہوا میاں نے اس پر اعتراض کیا مگر وہ نہ مانی۔ میاں اُسے چھوڑ کر چلا گیا۔ ایک مرد نے اس لئے طلاق لی کہ اس کی بیوی نے اس کا مچھلی کے شکار کا لائسنس جلا دیا۔ دوسرے نے اس لئے کہ اس کی بیوی غیر مردوں کے مذاق پر ہنس پڑتی تھی۔ اور اس کے مذاق پر ذرا نہ ہنستی۔ ایک اور نے اس لئے طلاق لی کہ اس کی بیوی مچھلیاں ایسی پکاتی جو کھاتے وقت اس کے تالو میں چپک کر رہ جاتیں۔ ایک اور مرد نے وجہ یہ پیش کی کہ میں چاء مانگتا اور بیوی قہوہ دے دیتی

بیویوں نے ان وجوہ پر طلاق لی ہیں۔ میاں نے غسل خانہ کے ٹب میں مگرمچھ کے بچے چھوڑ رکھے ہیں میاں نے ٹب میں مچھلیاں چھوڑ دی ہیں۔ میرا میاں بستر پر بیس بلیوں کو لے کر سوتا ہے۔ میاں نے ریچھ کا بچہ پال رکھا ہے۔ میاں کو سانپ سے کھیلنے کا شوق ہے۔ میں جب سو جاتی ہوں میاں آ کر مجھے ہٹا دیتا ہے۔ تاکہ میری گرم گرم جگہ پہ سو جائے۔ میرا میاں ہوائی حملہ سے اس قدر ڈرتا ہے کہ مجھے ہر وقت گیس کا نقاب پہنائے رکھتا ہے۔ میرے میاں کی توجہ حد سے بڑھ گئی ہے۔ جب دیکھو میرے شوق کے پھول "تازہ" منگا کر سامنے رکھ دیتا ہے۔ میں تو میاں کو اس ملک کا باشندہ سمجھی تھی، وہ تو سکاٹ نکلا۔ بری طرح خراٹے لیتا ہے۔ تاش اچھا نہیں کھیلتا۔ چھجہ پر چلتا چلتا پھسل جاتا ہے۔ زبان غلط بولتا ہے۔ موٹا ہوتا جاتا ہے۔ تمباکو چبایا کرتا ہے۔ غور کرو کیسی مضحکہ خیز وجوہ ہیں۔

نسبت کے طریقے

بات چیت چھیڑنے کے طریقے بھی جگہ جگہ علیحدہ ہیں۔ برطینی (فرانس) میں مرد لڑکی سے پوچھتا ہے۔ کیا میں آپ کی چھتری لے چلوں۔ اگر وہ چھتری دیدے تو یہ معنی ہیں کہ اُسے نسبت منظور ہے۔ سوئٹزر لینڈ وغیرہ میں پھول استعمال کئے جاتے ہیں۔ پھولوں کا گلدستہ لے لینے کے یہی معنی لئے جاتے ہیں۔ اسی ملک میں پھولوں کا گلدان اور ایک کاغذ کے ٹکڑے پر اپنا نام لکھ کر کھڑکی کی دہلیز پر رکھ جاتا ہے چند روز بعد وہ وہاں جاتا ہے۔ اگر پھول اسی طرح رکھا اور مرجھایا ہوا ملتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ جواب مل گیا۔ اگر وہ وہاں نہیں ملا تو وہ بے کھٹکے شادی کا انتظام شروع کر دیتا ہے۔ آسٹریا کے بعض حصوں میں مروج چاندی کا سکہ سفید کاغذ میں لپیٹ کر اور ایک رنگین فیتہ سے باندھ کر ناچتے وقت لڑکی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اگر سکہ تین دن بعد کسی سہیلی کے ہاتھ واپس کر دیا جاتا ہے تو اس کے معنی نامنظوری کے ہوتے ہیں۔

ہنگری کے دہقانوں میں شام کو لڑکا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ماں کیواڑ کھولتی ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ کیا آپ کی لڑکی میرے لئے دیا سلائی جلائے گی۔ اگر لڑکی ڈیوڑھی کے اندھیرے میں دیا سلائی جلا کر آ جاتا کر دیتی ہے۔ یا اُسے سگرٹ جلانے کو دیاسلائی دے دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی منگنی نہیں ہوئی۔ اگر لڑکی کی منگنی ہو چکی ہو تو ماں کہہ دیتی ہے کہ دیا سلائی پہلے ہی جلائی جا چکی ہے۔

ملایا میں بچولئے کو شربت پلا کر اگر گلاس اُلٹ دیا جائے یا ٹیڑھا کر دیا جائے تو انکار سمجھا جاتا ہے۔ اگر گلاس سیدھا ہے تو وہ شادی کے متعلق لڑکی والوں سے بات چیت چھیڑ دیتے ہیں۔

جزیرہ سمویہ میں پرانی اقوام میں لڑکا پھولوں کی ٹوکریاں یا چھالیا بھیجدیتا ہے۔ اس کے رکھ لینے سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ منگنی ہوگئی۔

برما میں لڑکی شام کے وقت کھڑکی میں لیمپ رکھ دیتی ہے لڑکے والے وہاں جاکر بات چیت کر لیتے ہیں۔

گھر چھوڑنے کی وجہ امریکہ کا ایک پروفیسر پچھلے دنوں گھر چھوڑ دینے والے شوہروں کے مسئلہ کی چھان بین کرتا رہا ہے۔ کیونکہ اس ملک میں اور ملکوں کے مقابلے میں یہ مسئلہ زیادہ اہمیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔ ۱۹۳۷ء میں وہاں ۱۱۰۷۰۰۰ مرد، عورت اور بچے گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ ۴۶۰۰۰ مل گئے ۲۴۴۰۰۰ خود ہی واپس آگئے ۳۹۳۰۰۰ کا پتہ نہ چلا۔ ایک عورت کے مقابلہ میں دو مرد غائب ہوتے ہیں۔ مردوں کے بھاگ جانے کا سب سے بڑا سبب مالی مشکلات ہیں۔ یا تو وہ خرچ کی اُلجھنوں میں پھنس جاتے ہیں یا فریب کے کاروبار میں ملوث ہوتے ہیں۔ اس کے بعد گھر چھوڑ دینے کی وجہ خانگی بگاڑ ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ معلوم ہوا کہ میاں بیوی کو چونکہ کوئی بیرونی دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے وہ اپنا آپا ہی چاہتے ہیں۔ اور اسی پر جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

مرد کے مقابلہ میں عورت میں زیادہ صبر برداشت اور استقلال پایا جاتا ہے انھیں اپنے فرائض کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ اور اُسے گھر کی ناقابل برداشت فضا سے بھاگ جانے کا کم موقع ملتا ہے۔

مرد کی عمر کا خطرناک مرحلہ ۴۰ سال ہے۔ نوجوانی میں مرد کو خوش حالی نہیں ہوتی۔ زیادہ عمر میں جاکر اُس کے پاس اس قدر اندوختہ ہو جاتا ہے کہ اُسے اُچھل کود سوجھتی ہے۔ ادھیڑ عمر کے کم مایہ مرد اپنی بیویوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور کوئی وجہ نظر نہ آتی ہو اور مرد بھاگ جائے تو سمجھ لو کہ بیوی زیادہ چڑچڑی ہے۔ مین میخ نکالتی ہے۔ بچے زیادہ سوال کرتے رہتے ہیں۔

پھلجھڑیاں انگلستان کی ایک پانچ سالہ لڑکی نے اپنی گڑیا زخمیوں کی امداد و تفریح کے فنڈ میں دیدی تاکہ کوئی زخمی سپاہی اُس سے دل بہلا سکے۔

۱۹۱۴ء میں ایک انگریزی سرجنٹ مراجو جنگ عظیم میں شامل ہوا۔ اور صحیح وسالم واپس آیا۔ اب اس جنگ میں اُس کے چھ بیٹے سمندر پار کی جنگ میں شرکت کے لئے فوج میں بھرتی ہوگئے ہیں۔ ان کی ماں اُمید کرتی ہے کہ وہ بھی اپنے باپ کی طرح خیر و عافیت سے واپس آئیں گے۔

دانتوں کی برشوں کے بال اب کوئلہ سے بنا کریں گے۔ یہ بال سور کے ان بالوں سے زیادہ مضبوط اور لچک دار ہوں گے جو اب لگائے جاتے ہیں ان میں دانتوں کے بکڑ یا جگہ نہ بنا سکیں گے۔

ہنگری میں ایک خانہ بدوش عورت کے تئیس بچے ہوئے۔ جن میں سے چھ جوڑے توام ہیں۔ یعنی ۱۲ بچے جوڑے جوڑے ہوئے۔ اس وقت اس کی عمر ۴۰ سال ہے۔

دنیا میں ۱۵۲ قسم کی بیماریاں ہیں۔ اطبا صرف ۹ پر غالب آسکے ہیں۔ باقی از خود جاتی رہتی ہیں۔

چین اور منگولیا ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے کہیں بڑے ہیں۔ مگر وہاں صرف ۹ ہزار میل ریل بچھی ہوئی ہے اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ۲۵۳۰۰۰ میل ریل ہے۔

بدخشاں میں ایک شخص ضیاء بیگ نامی ۱۷۹ سال کی عمر کا آدمی ہے۔ اس کی جسمانی طاقت خوب قائم ہے اور کشتی اور دوڑ میں اس کا

نئی کتابیں

ریزۂ مینا "ساقی" ہندوستان کا مشہور ادبی رسالہ ہے۔ اور جتنا اچھا لٹریچر خصوصًا افسانوی اس میں شائع ہوتا ہے بہت کم کسی دوسرے رسالے میں نظر آتا ہے۔ حال ہی میں اس کے فاضل مدیر جناب شاہد احمد بی۔ اے دہلوی نے اس کے گذشتہ دس سال کے افسانوں میں سے پچاس افسانہ نگاروں کے پچاس مختلف النوع افسانے منتخب کر کے کتابی صورت میں شائع کئے ہیں۔ اور نام ساقی کی مناسبت سے "ریزۂ مینا" تجویز کیا ہے۔ اس کی اشاعت سے نہ صرف ایک عمدہ رسالہ کے عمدہ افسانے یکجا محفوظ ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس سے اردو افسانے نگاری کی بتدریج نشو و نما کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کئی افسانہ نگاروں کے متفرق افسانوں کو ایک جگہ تو پہلے بھی جمع کیا گیا ہے۔ مگر جو جدّت، جو تنوع، جو وسعت اور جو ہمہ گیری اس مجموعہ میں ہے کہیں نہیں ملتی۔

"ریزۂ مینا" میں نہ صرف مستند فن کار جیسے علامہ راشد الخیری، منشی پریم چند، پروفیسر مرزا محمد سعید۔ خواجہ ناصر نذیر فراق، افسر الشعرا آغا شاعر مولوی عنایت اللہ، مرزا فرحت اللہ بیگ، اسعد الاشرفی خواجہ حسن نظامی ڈاکٹر اعظم کریوی وغیرہ شریک ہیں بلکہ موجودہ دور کے اکثر اچھے افسانے نگاروں کو بھی مثلاً ل احمد، حجاب امتیاز علی، وزیر حسن، رفیق اجمیری احمد علی۔ امتیاز علی تاج۔ اور ساقی کے مخصوص لکھنے والوں کو بھی جگہ دی گئی ہے جس کی وجہ سے افسانوں کے مجموعہ میں اس کو یقینًا امتیاز خصوصی حاصل ہوگا۔ اس میں چند ایسے مضامین بھی شامل ہیں جنہیں چاہے فنی لحاظ سے "افسانے" نہ کہا جائے۔ مگر مصنف کے طرز بیان یا موضوع کی وجہ سے ان میں کہانی کا لطف اور افسانے کی سحر کاری ضرور ہے۔ مثلاً "عجب تماشا ئیت" فقیر کا تکیہ، دربار اکبری کی ایک جھلک، دربار شاہان اودھ، عید کا بناؤ، شاہی خاندان دہلی کی بپتا، گوالیار کے بانکے، قلعہ معلّی کی جھلک، گواہ وغیرہ وغیرہ ان مضامین یا کہانیوں میں اس قدر رس اور قاری کو محو کرنے والے اثرات پنہاں ہیں کہ اس میں ہر طرح شریک ہونے کے لائق تھے۔ اتنے اچھے مجموعے میں اگر دو چار افسانے (مثلاً سب سے آخری) کچھ بھلے نہ معلوم ہوں تو غیر قدرتی نہیں۔ ان کی شرکت نظر کا ٹیکہ سمجھئے۔ اسی طرح چند اچھے افسانے جو "ساقی" کے حلقہ میں خوب مقبول ہوئے شریک ہونے سے رہ گئے۔ جیسے "خوابوں کی بستی اور حقیقت کی دنیا"

بحیثیت مجموعی "ریزۂ مینا" ستھرا ذوق رکھنے والی خواتین اور حضرات کے لئے قابل قدر تحفہ ہے اور ادبی لحاظ سے ایک خاصّے کی چیز ہے۔ عصمت کے نصف سائز کے قریبًا چھ سو صفحات مجلد۔ کاغذ کتابت۔ طباعت عمدہ۔ قیمت تین روپیہ۔

ملنے کا پتہ:۔ دفتر ساقی دہلی۔

افسانۂ پدمنی ہندوستان کی تاریخوں میں ایک دو نہیں بے شمار اس قسم کی مثالیں ہیں جن کا اصلیت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ان میں چتوڑ کی رانی پدمنی اور دہلی کے سلطان علاء الدین خلجی کا افسانہ ہے۔ جسے بدقسمتی سے تاریخ کے طلباء کو نصابًا پڑھایا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ روایت اپنی جگہ مسلمان بادشا

اور ہندو راجہ کی نیت اور غیرت پر رکیک حملہ ہے اور کوئی غیرت مند ٹھنڈے دل سے غور کرے تو کبھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ کبھی ایسا ہوا ہوگا۔ حال میں اردو کے خاموش خادم مولوی احتشام الدین دہلوی ایم اے نے افسانۂ "پدمنی" کے نام سے ایک مفصل اور مدلل مضمون لکھ کر مختلف "مورخوں" اور محققوں کی رنگین بیانی اور افترا پردازی کو ظاہر کر دیا ہے۔ اس میں انھوں نے اس قصے کے تمام ماخذوں پر بحث کی ہے۔ اور تفصیل سے دلائل و براہین کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ پدمنی کی جو داستان سلطان دہلی سے منسوب کی جاتی ہے۔ وہ سراسر غلط ہے۔ مضمون حد درجہ دقیق ہونے کے باوجود نہایت دلچسپ انداز میں لکھا گیا ہے۔ اور ہر طرح اس لائق ہے کہ تاریخ سے مس رکھنے والا طبقہ اس کا مطالعہ کرے۔ اور مصنف کی محنت کی داد دے۔ یہ رسالہ عصمت کے نصف سائز کے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اوسط درجہ کی۔ قیمت عہ/ ملنے کا پتہ :۔ کتب خانہ علم و ادب۔ دہلی۔

محمد حسین آزاد محترمہ جہاں بانو بیگم نقوی نے اپنے ایم۔ اے کے امتحان کے لئے حضرت آزاد پر جو مقالہ لکھا تھا اُسے ادارۂ ادبیات اردو، حیدر آباد دکن نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے اس میں مرحوم کی تصانیف پر تبصرے کے علاوہ ان کے حالات زندگی بھی ذرا تفصیل سے آ گئے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ دونوں حصوں میں ضروری کے ساتھ غیر ضروری باتیں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ موصوفہ نے اس مقالہ کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی آزاد کے حالات زندگی دہلی کالج میں تعلیم۔ اساتذہ اور احباب۔ تصانیف شاعری پیرایۂ تنقید اور آزاد کا اردو ادب میں درجہ۔ آخر میں دو باب ج نقوی صاحبہ نے خاص طور پر محنت سے لکھے ہیں

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آزاد کے معترضین نے وقتاً فوقتاً مرحوم پر جو تنقیص کی تھی مصنفہ نے ان کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ مختلف مشاہیر نے آزاد کے متعلق جو تحسینی مضامین وغیرہ لکھے تھے ان کے اقتباسات بھی موصوفہ نے شریک مضمون کر لئے ہیں۔ یہ کتاب اس لئے قابل قدر ہے کہ کسی خاتون کے قلم سے پہلی بار ایک تحقیقی مقالہ کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ آزاد کی تصانیف سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لئے یہ مقالہ مفید ثابت ہوگا۔ سائز عصمت کا نصف صفحات قریباً دوسو۔ کاغذ لکھائی چھپائی اچھی قیمت عہ

چوپال جناب احمد ندیم قاسمی پنجاب کے نوجوان شاعروں اور افسانہ نگاروں میں پیش پیش ہیں اور اس کی وجہ ان کی ذہنی پیداوار میں اپنی افزا دیت ہے۔ چوپال کے نام سے ان کے چودہ افسانوں کا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ جو سب کے سب پنجاب کے دیہاتی تجارب اور حادثات سے متعلق ہیں۔ احمد ندیم غم پسند ہیں۔ اس لئے اکثر افسانوں پر اُداسی چھائی ہوئی ہے۔ ان افسانوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ آج کل کی عام روش سے ہٹ کر لکھے گئے ہیں۔ اور طبع زاد ہیں۔ مصنف نے ان کے پلاٹ کو کہیں خودداری، کہیں غرور نفس، کہیں محبت، اور کہیں تمرّد و تکبّر کے مظاہروں سے اخذ کیا ہے۔ اس لئے ان میں زندگی ہے۔ اور پڑھنے والا بے تکان آگے پڑھتا چلا جاتا ہے۔ "انتقام" اس مجموعہ کا سب سے اچھا افسانہ ہے اور "آرام" اتنا ہی ناکام۔ مصنف نے اس کے پلاٹ میں بے حد تصنع سے کام لیا ہے۔ اور عنوان بھی ناموزوں ہے۔ "خلش" بہتر تھا۔ دوسرے افسانوں میں بعض فنی خرابیاں رہ گئی ہیں۔ اور ہر چند کہ ان افسانوں کے سیدھے سادے کرداروں کے مطابق ان کا طرز بیان بھولا بھالا ہے مگر

زبان کی لاپروائیوں نے ان کے حسن میں کمی کر دی ہے۔ بحیثیت مجموعی کتاب پڑھنے کے لایق ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ پنجاب کے دیہاتی افسانے پہلی بار اُردو میں اس اہتمام سے منتقل ہوئے ہیں، چوپال سے ہمارے افسانوی ادب میں اضافہ ہوا ہے۔ سائز عصمت کا نصف ۲۸۰ صفحات مجلّد کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ۔ کتابت کی تصحیح احتیاط سے نہیں کی گئی۔ قیمت ۳ؔ
ناشر:۔ دارالاشاعت پنجاب۔ لاہور

سائنس دانوں کی انوکھی کہانی

اب کلکتہ یونیورسٹی کے میٹرک کا امتحان مادری زبان میں ہوا کرے گا۔ اور ۱۹۴۳ء سے سائنس میٹرک کے لئے لازمی مضمون قرار دیا گیا ہے لہٰذا ضرورت تھی کہ اُردو میں ایک عمدہ کتاب سائنس پر ہو۔ اس ضرورت کو بنگال کے مشہور ڈاکٹر قدرت خدا نے "سائنس کی انوکھی کہانی" لکھ کر باحسن وجوہ پورا کیا ہے۔ اس کا اُردو میں ترجمہ مولوی رشید احمد ندوی نے کیا ہے اور حق یہ ہے کہ جس شان کا اصل مضمون ہے ترجمہ بھی ایسا ہی دلچسپ اور ستھرا کیا گیا ہے، اس ترجمے کو اچھا بنانے میں پروفیسر طاہر رضوی ایم اے کا ہاتھ ہے جنہوں نے اس کی نظرثانی کی ہے۔ مصنف نے ایسے خشک مضمون کو ایسے انوکھے اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے کہ کہیں طبیعت نہیں اُکتاتی۔ نیز انھوں نے اس میں کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جس کے لئے طالب علم کو کسی اور کتاب کے دیکھنے کی ضرورت لاحق ہو۔ آخر میں میٹرک کے معیار کے سوالات بھی درج ہیں۔ جابجا رنگین و سادہ تصاویر اشعار اور قرآنی آیتوں نے کتاب کی قدر و قیمت اور بڑھا دی ہے، دیباچہ میں مصنف نے اپنے معاونوں کا شکریہ ادا کیا ہے، افسوس ہے وہ اس میں مترجم کا ذکر کرنا بھول گئے۔ حالانکہ سب سے بڑا احسان مترجم ہی کا ہونا چاہیے۔ سائز عام درسی کتب کا۔ ۳۰۴ صفحات مجلد، کاغذ کتابت طباعت بہت عمدہ قیمت ۲؎۔ ناشر موڈرن بک ایجنسی نمبر 10/A کالج اسکوائر کلکتہ

تاریخ گولکنڈہ

گولکنڈہ کسی زمانہ میں جنوبی ہند کی مشہور سلطنت تھی لیکن سترہویں صدی کے اواخر میں اس کا زوال کیا آیا امتداد زمانہ نے اس کے گذرے ہوئے حالات بھی ماضی کے بطن میں چھپا دئے۔ اور ہندوستان کی تاریخ میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ نکل سکی۔ اب حال میں مولوی عبدالمجید صدیقی ایم۔ اے پروفیسر تاریخ نے اپنے بزرگوں کے وطن (گولکنڈہ) کی دو سو سال کی سرگذشت "تاریخ گولکنڈہ" کے نام سے سنائی ہے۔ اور اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کی کان سے ایک بیش بہا ہیرا اب تک کھویا رہا۔ صدیقی صاحب کو اسے قلمبند کرنے میں بیحد محنت، مطالعہ اور جستجو کرنی پڑی ہوگی اور یہ واقعہ ہے کہ اس کی اشاعت سے ہندوستان کی تاریخی معلومات میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس کے پانچ حصے کئے ہیں یعنی سلطنت کی تاسیس۔ سلطنت کا استحکام سلطنت کا عروج۔ سلطنت کا زوال اور گولکنڈہ کا تمدّن۔ اور چوبیس ابواب میں اپنی معلومات اور تاریخی مواد کو محفوظ کر کے مورخوں کے لئے ایک نئی راہ کھول دی ہے۔ بڑے سائز کے سوا تین سو صفحات۔ مجلّد لکھائی چھپائی اچھی، کاغذ کسی میل کا جو اچھا نہیں معلوم ہوتا قیمت ۴؎ ہے پتہ:۔ سب رس کتاب گھر۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد (دکن)

بربطِ ناہید

یہ ناہید کے چند مطبوعہ و غیر مطبوعہ ادبی خطوط کا مجموعہ ہے۔ جسے حیدرآباد کی مشہور ادیبہ جہاں بانو بیگم نقوی صاحبہ ایم۔ اے نے مرتب کیا ہے۔ ابتدا میں مولوی نصیرالدین ہاشمی کا دیباچہ ہے۔ جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ ناہید ایک مشہور اہلِ قلم کا فرضی نام ہے یہ غالباً اس لئے کہ ان خطوط میں کہیں کہیں شراب کی سی تندی اور بے باکی اور بے جھجک احتجاج پنہاں ہے۔ قریباً سب ہی خطوط دلچسپ ہیں اور ان میں بیک وقت شاعرانہ خیالات۔ تفریح چہلیں۔ جھنجلاہٹ، تفکرات اور غور کرنے کے سنجیدہ لمحات کا موقع ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کاتب نے ان خطوط کو قلم برداشتہ لکھا ہے اور لکھنے سے پہلے اپنے خیالات کی تیز رو کو روک کر "تصورات" کو ترتیب نہیں دے لیا، ورنہ کہیں کہیں جو بے ربطی پیدا ہو گئی ہے وہ نہ ہوتی بحیثیت مجموعی کتاب اچھی ہے، ضخامت ۱۴۸ صفحات، سائز عصمت کا نصف کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ سرورق خوبصورت قیمت عہ رعنا پتہ دفتر شہاب

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کیے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو۔ (۳) کوئی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔
ایڈیٹر

میں نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ میری باجی مہ جبین صاحبہ جو کہ عصمت کی دیرینہ خریدار ہیں کی شادی خانہ آبادی قمر الہدیٰ صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ آرہ کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر احسن الہدیٰ صاحب سے ۲۶ اپریل ۱۹۴۰ء کو بخیر و خوبی انجام پا گئی۔

میرے دولھا بھائی بہت ہی نیک اور خوش مزاج ہیں خدا ان کو ہمیشہ زندہ و سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین
عصمتی بہنیں دعا کریں کہ میری باجی کی نئی زندگی پُر مسرت ہو۔ اور دونوں ہمیشہ خوش و خرم رہیں۔ آمین۔

مہر جبین بنت خان بہادر ڈاکٹر محمد سلیمان اشرف صاحب گولا

میں نہایت رنج و الم کے ساتھ یہ روح فرسا خبر عصمتی بہنوں کو سناتی ہوں کہ میری عزیز بھابی زاہدہ بیگم ۲۹ سال کی عمر میں ۲۲ مئی ۱۹۴۰ء کو اس دنیا کی مصیبتوں سے تنگ آ کر اپنے عزیز و اقارب کو روتا بلکتا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحومہ سات سال سے عارضۂ دق میں مبتلا تھیں۔ کئی مشہور اور قابل ڈاکٹروں کے زیر علاج رہیں۔ مگر عمر نے وفا نہ کی۔ مرحومہ نہایت ملنسار اور بہت سی خوبیوں کی مالک تھیں۔ جب کہ ڈاکٹر نے اٹھنے بیٹھنے کی قطعی ممانعت کر رکھی تھی اشاروں سے نماز ادا کی۔ رسالہ عصمت کے مضامین نہایت دلچسپی سے سنا کرتی تھیں عصمتی بہنیں مغفرت کے لئے دعا کریں یا اگر کوئی شاعرہ بہن قطعہ تاریخ وفات لکھ کر ممنون کریں

غم زدہ مسز صغیرہ راز۔ گوڑ گانوہ ضلع ۹۲۳

محترمہ بہن حمیرا دختر منشی ظہیر احمد صاحب اعظم گڑھ نے اپنے والد قبلہ کے لئے مالش کی دوا طلب کی ہے لہٰذا میں آزمودہ نسخہ لکھتی ہوں انشاء اللہ ضرور شفا ہو گی۔ میرے بچہ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور ہڈی سیدھی نہوئی تھی، منوانا ایک مہینے میں نے یہ تیل بچے کے ہاتھ پر مالش کیا اب ماشاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہے تیل میٹھا آدھ سیر کانور ۴ تولہ کائے پھل ۲ تولہ۔ ترکیب:۔ پہلے کڑھائی میں تیل ڈال کر خوب گرم کر لو جب دھواں نکلنے لگے تب کائیں پھل پیس کر ڈال دو جب کائیں پھل جل جائے تو موسلی سے گھوٹو تاکہ کائیں پھل تیل میں اچھی طرح مل جائے اس کے بعد چولھے سے اتار کر کافور پیس کر ڈال دو اور خوب چلا دو۔ اور ڈھک دو جب ٹھنڈا ہو جائے شیشی میں بھر کر رکھ لو اور رات کو سوتے وقت مالش کر کے تھوڑی روئی گرم کر کے سینک لو اور کپڑا باندھ دو۔ صبح کپڑا کھول ڈالو۔ یہ تیل کسی جگہ بھی درد ہو مالش کر سکتی ہیں۔ انشاء اللہ فائدہ ہو گا۔
امیر فاطمہ بیگم حامد رضا جعفری۔ آگرہ

دختر منشی ظہیر احمد صاحب، بیگن کو چولھے میں بھون ڈالیں اس کو بیچ سے پھاڑ اس پر ابنہ ہلدی لاہوری نمک چھڑک کر باندھیں جب ملائم پڑ جائے تو آہستہ آہستہ مل کر گرم پانی سے دھاریں۔ اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو گائے کا پنڈہ لے کر لاہوری نمک میں لت کر کے ایک بند پتیلی میں چولھے پر رکھ دیجئے جب وہ پکنے لگے تو گرم گرم باندھ دیجئے۔ ایک ہفتہ ایسا کرنے سے درد بالکل جاتا رہے گا۔
مسز الیس اے فتح بمبئی اپنا پتہ تحریر کریں تو تیل بھیجا جائے آپ کا پتہ گم ہو گیا ہے

مسز حمید کلب کوٹھی نانپارہ

بہن ب۔ ن۔ آلسنہ ابراہیم مدراس کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ نے جو علم قیافہ پر مضمون لکھا ہے وہ بہت دلچسپی سے مطالعہ کیا۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن کے متعلق آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ وہ کتابیں میں منگانا چاہتی ہوں بہن صاحبہ ان کے ملنے کے پتے نیز قیمت سے مطلع فرمائیں۔ بشریٰ محمد علی الہ آباد۔

مجھے ایسا دہی جمانے کی ترکیب مطلوب ہے جیساکہ بازار سے آتا ہے۔ گھر میں جم تو جاتا ہے مگر ایسا عمدہ اور میٹھا نہیں جمتا جیسا بازار سے آتا ہے۔ خریدار ۶۶۸۴

پھوڑوں کے پرانے داغ مٹانے کی دوا اگر کسی بہن یا بھائی کو معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مطلع فرمائیے۔

خریدار ۱۰۰۹۴

اگر کسی بہن نے۔ ایس جے بیگم صاحبہ کھرڑ کی "ڈرکش بیوٹی پلز" استعمال کی ہوں تو برائے مہربانی بذریعہ بزم عصمت مطلع کریں۔ کہ کیا وہ پلز فائدہ مند ثابت ہوئیں کہ نہیں۔

خریداری ۴۱۶

انجمن اصلاح الخواتین مظفرنگر

یہ جلسہ انجمن اصلاح الخواتین مظفرنگر داراکین انجمن اپنے ملک کی نامور شاعرہ بلقیس جمال صاحبہ کے مونس حیات (حافظ عبد الجلیل بی اے ال ال بی) کی بے وقت دائمی جدائی پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ہماری شاعرہ کے دل کو اس جوان العمری میں جو صدمہ عظیم پہونچا ہے اس کے برداشت کی طاقت دے اور موصوفہ کے معصوم بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

بیگم نواب حسن (اہلیہ نواب حسن صاحب سشن جج مظفرنگر) صدر انجمن۔ آمنہ عفت سکرٹری۔

دوربین

جاپانی امنگیں:- جاپان کو امید کامل ہے کہ چین کا مقابلہ اب دم توڑ رہا ہے۔ اسے برما اور ہند چینی کے راستے امداد اور رسد وغیرہ پہونچتی تھی اب بند ہو گئی اور اب وہ زیادہ عرصہ تک جاپان کے مقابلہ میں ڈٹا نہ رہ سکیگا۔ اسکے وزیر نے اور اخبارات نے صاف صاف کہنا شروع کر دیا ہے کہ جنوبی ہند میں اغیار کا کیا کام۔ اس علاقہ میں ایشیائی کامرانی کا اب دور شروع ہوگا جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جزائر شرق الہند آسٹریلیا ہند چین اور برما کا علاقہ خطرہ میں ہے۔ جاپان نے چند انگریزوں کو نظر بند کر لیا اور اُن پر جاسوسی کا الزام لگایا۔ انگریزوں نے بھی جرمنی کے حملے کے پیش نظر چند جاپانیوں کو نظر بند کر لیا جس کی وجہ سے جاپان میں سخت ہیجان برپا ہوا۔ انگریزوں نے شنگھائی سے اپنی فوجیں واپس بلالی ہیں۔ یہ فوجیں وہاں کچھ عرصہ سے برطانوی مفاد کے لئے قائم کی گئی تھیں۔ اب ان کو وہاں بیکار سمجھ کے انگریزوں نے جنگی اہمیت کے مقام پر منتقل کر دیا ہے۔ یہ نقل مکان امریکہ کو پسند نہیں آیا کیونکہ وہ اپنی فوجیں اس علاقہ سے ہٹانا نہیں چاہتا۔

جاپان نے ہند چینی پر حملہ کے لئے جہاز آبدوزیں اور فوجیں جزیرہ ہسنان میں جمع کر دی ہیں۔ وہ فرانس سے جزیرہ نمائے ہند چینی میں اپنے لئے بحری بری اور ہوائی مستقر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ فرانس لڑنا چاہتا ہے مگر جرمنی اور اٹلی کیطرف سے اس پر دباؤ پڑنے کا امکان ہے کہ وہ جلد تر جاپان کے حسب خواہش معاملہ طے کر دے۔ خبر ہے کہ فرانس نے جاپان کے مطالبات منظور کر لئے ہیں اس طرح نہ صرف چین کی حکومت بلکہ برما سیام جزائر شرق الہند وغیرہ سب خطرہ میں پڑ گئے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ امریکہ جاپان کی اس بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کے جنگ میں کود پڑے۔

اٹلی کی جنگ:- اٹلی نے اب تک صرف مالٹا پر متعدد ہوائی حملے کئے۔ یہ وہاں والوں کی ہمت پروری ہے کہ بمباری سے گھبرائے نہیں اور مقابلہ میں جمے ہوئے ہیں۔ حبش اور اریٹیریا میں کسی قسم کی امداد اطالویوں کو نہیں پہونچ سکتی۔ مگر تعجب ہے وہ برطانوی سومالی لینڈ میں تقریباً اسی میل تک چلے گئے ہیں اور غزہ ہرغیسا، زیلع اور بلادنیہ پر قبضہ کر لیا۔ اب صرف ایک نمایاں مقام بربرہ کی بندرگاہ رہ گئی ہے جس کی طرف اطالوی پیش قدمی جاری ہے۔ علاقہ صحرائی ہے۔ انگریزوں نے اسے اہمیت کی چیز نہ سمجھ کے پیچھے ہٹنا مناسب سمجھا۔ ادھر جنوب کیطرف کینیا میں موبا اطالویوں نے لے لیا۔ اب وہ مصر اور سوڈان پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ مصر نے قاہرہ کو کھلا شہر قرار دے دیا ہے۔ اطالوی پیشقدمی روکنے کے لئے انگریزی اور مصری فوجیں مستعد ہیں۔

بحیرۂ روم میں اٹلی نے ایک نیا ہنگامہ برپا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یونان سے چھیڑ خانی کی ہے کہ وہ برطانیہ کی حفاظت ترک کر دے۔ ایک البانوی کے مارے جانے پر اس نے اس ملک کو ذمہ دار قرار دینا شروع کر دیا ہے۔ اگر یونان پر ڈورے ڈالنے میں وہ کامیاب ہو گیا تو بلاشبہ یگوسلاویہ اور مصر پہلے سے زیادہ خطرہ میں پڑ جائیں گے۔

فرانس کی بیکسی:- حکومت پتیان نے سابقہ وزیروں کو گرفتار کر لیا اور ان پر یہ مقدمہ چلایا جائے گا کہ جب ملک تیار نہ تھا تو انھوں نے ملک کو کیوں جنگ کی آگ میں دھکیلا۔ حکومت فرانس پیرس میں واپس آنا چاہتی ہے مگر جرمنی نے اس کی یہ آرزو پوری نہیں کی۔ اس کے شمالی صوبہ بطانی پر ایک حاکم مقرر کر دیا ہے جس سے یہ عندیہ معلوم

مجھے پورا یقین ہے کہ دوسرے صابونوں کی نسبت جنھیں میں جانتی ہوں، سنلائیٹ صابون کپڑوں کو بدرجہا صاف دھوتا ہے۔

میرے کپڑے دُھلنے کے بعد بالکل بے چمک اور میلے سے لگتے تھے اور میں حیران تھی کہ کیا تدبیر کروں، اس لئے کہ کپڑے اُجلے دُھلیں۔ پھر ایک سہیلی نے مجھ سے سنلائیٹ صابون کا ذکر کیا، اور مجھ سے کہا کہ ایسے ویسے صابون استعمال کرنے سے سب باتوں کا نقصان ہوتا ہے۔ کیوں کہ اُن صابونوں سے پھین بہت کم نکلتا ہے۔ اور صابون کا پھین ہی وہ چیز ہے جو کپڑے کا میل نکال کر اُسے اُجلا کرتا ہے۔

سنلائیٹ صابون اور صابونوں سے زیادہ پھین دیتا ہے اور اس سے دُھلے ہوئے کپڑے حقیقی معنوں میں صاف ہوتے ہیں۔

یہ صابون صرف خالص نباتی تیلوں سے ہندوستان ہی میں بنتا ہے۔

اصلی سنلائیٹ صرف ان کاغذ کے بکسوں میں بکتا ہے۔

ہوتا ہے کہ اسے فرانس سے علیحدہ کرکے اسے حکومت خود اختیاری دیدی جائے گی۔ جرمنی کے جدید نظام میں فرانس زرعی ملک بنایا جارہا ہے۔ ہند چینی جاپان کا لقمہ تر بننے والا ہے۔ شام بھی خطرہ میں ہے کیونکہ اس پر اٹلی کی نظر ہے۔ مارشل پیتیان کی عمر ۸۴ سال ہے اور وہ فرانس کی نت نئی مشکلات سے اس قدر دب گئے ہیں کہ اپنے آپ کو گوشہ کے کنارے سمجھنے لگے ہیں۔ انتظام ملک میں طرح طرح کی مشکلات جرمنوں کی طرف سے پیدا ہوتی جارہی ہیں اس لئے وہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہوجانا چاہتے ہیں مگر ان کے مشیر انہیں اس سے روک رہے ہیں کہ ان کے ہٹ جانے سے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ فرانس میں ایسی خلیج حائل ہوجائے گی کہ کبھی نہ پٹیگی۔

برطانیہ پر حملہ:- برطانیہ کے ہوائی جہاز برابر جرمنی کے مختلف شہروں اور بندرگاہوں کے جنگی اہمیت کے مقامات پر گولے برساکے تباہی پھیلاتے رہے اور خود ہمیشہ نہایت خفیف نقصان سے واپس ہوتے رہے۔ جرمنی نے روزانہ انگلستان کے مختلف مقامات پر گولے برسانا اپنا دستور العمل بنالیا ہے۔ انگریزی جہاز انھیں لڑبھڑ کے بھگادیتے ہیں۔ اور اکثروں کو گرادیتے ہیں۔ اگست کے ابتدائی ہفتہ سے ان حملوں کا زور بڑھ گیا ہے۔ جرمنی نے ایک نئی قسم کا ہوائی جہاز استعمال کرنا شروع کردیا ہے یہ ۱۹ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑتا اور چار سو میل فی گھنٹہ چلتا ہے۔ اس میں ایک موٹر توپ اور دو بڑے دہانے والی مشین گنیں رکھی ہوتی ہیں۔ مگر انگریزی جہازوں نے انھیں بھی نقصان پہونچایا۔

انگلستان پر حملہ آور ہوائی جہازوں کی تعداد روز بڑھتی جاتی ہے۔ مگر وہ کچھ زیادہ نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ بچوں اور بڑوں کے دل میں انکی روزانہ ہلاکت آفرینی سے کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں بلکہ وہ گھروں سے نکل نکل کے ان کی لڑائی کے تماشے دیکھا کرتے ہیں اور جب کوئی جرمن جہاز گرتا ہے تو خوشی سے تالیاں بجاتے اور کہتے ہیں وہ مارا۔ وہ گرا۔ جرمنی نے اب تک آکے انگلستان کے چاروں طرف ہوائی جہازوں سے سمندر میں سرنگیں گراگرا کے بچھادی ہیں تاکہ اس ملک کی پوری پوری ناکہ بندی ہوجائے اور کوئی غیر جانبدار ملک کا جہاز وہاں نہ جائے۔ برطانیہ کو اطمینان ہے کہ جرمنی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ ایسی ناکہ بندی کرسکے۔ لندن پر بھی ہوائی جہازوں سے حملہ کیا گیا۔ ایک دن میں جرمنی کے ۸۰ جہاز گرائے گئے۔ وسط اگست تک برطانوی جہاز ۱۸۵ اور جرمنی کے جہاز ۸۰۰ گر چکے ہیں۔ جرمنی اس کے برعکس اپنے نقصانات کم اور انگریزوں کے بہت زیادہ بتاتا ہے۔

برطانیہ اسوقت اکیلا لڑ رہا ہے۔ امریکہ کو روز روشن کیطرح معلوم ہوتا جارہا ہے کہ اگر وہ برطانیہ کی امداد میں شریک جنگ ہوجائے تو نہ صرف برطانیہ کو قوت ہوگی بلکہ خود امریکہ بھی محفوظ رہے گا۔ امریکہ اب جنگ کے بہت قریب آتا جارہا ہے۔ جاپان کا پھیلاؤ امریکہ کے لئے دیر یا جلد دعوت جنگ ثابت ہوگا۔

امداد جنگ:- جنگ میں ہندوستان دل کھول کے مدد دے رہا ہے۔ دہلی سے صرف دس روز میں ایک لاکھ ۲ ہزار روپیہ چندہ جمع ہوا۔ سردار رنجیت سنگھ نے پچاس ہزار نقد دیا اور سردار سوبھا سنگھ نے ۱۰ ہزار روپیہ تاقیام جنگ سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ مہاراجہ ایدر نے ۲۵ ہزار روپیہ دے اور جنگ بند ہونے تک ۲۵ ہزار سالانہ دیتے رہیں گے۔ چھوٹی مہارانی اندرا بائی ہلکر اندور نے ۷۵ روپیہ ماہوار تا اختتام جنگ دینے کا اعلان کیا ہے۔ حضور نظام نے اب تک ایک کروڑ روپیہ دیا ہے اور کئی جنگی مصارف اپنے اوپر لے لئے ہیں۔ ۹ اگست تک بلا سود کے تمسکات ۱۸۴۵۶۰۰۰ روپیہ۔ تین روپیہ فی صدی سود کے تمسکات ۱۶۴۲۰۹۰۰ روپیہ۔ اور ڈاکخانہ کے دس سالہ جنگی سرٹیفکٹ ۵۴۳۱۰۰۰ روپیہ کے

خریدے جا چکے تھے۔ فرخ آباد نے ۱۴ دن میں تقریباً ۱½ لاکھ روپیہ چندہ دیا۔ صوبجات متحدہ میں کانپور اول نمبر ہے جس نے دو لاکھ روپیہ دیا۔ دوسرے درجہ پر فرخ آباد۔ ضلع رہتک سے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ چندہ ہوا اور دس لاکھ روپیہ کے قرضہ کے تمسکات وہاں خریدے گئے۔ مہاراجہ کوچین نے ایک لاکھ روپیہ مختلف جنگی مدات میں دینے کے علاوہ دس ہزار روپیہ ماہوار دینے کا وعدہ کیا۔ مہاراجہ بڑودہ نے ۲۵ لاکھ بلا سود قرض دینے کے علاوہ ۳۰ لاکھ تین روپیہ فیصدی والے قرضہ میں دیا۔ لاہور کے ایک طالب علم محمد خالد خاں نے اپنے وظیفہ میں سے بچا کر ۱۹۲ روپیہ چندہ میں دے ڈالا۔

تاروں کا جھرمٹ:۔ بمبئی بڑودہ سنٹرل انڈیا اور آسام بنگال ریلوں کے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۱ء کو اور بنگال نارتھ ویسٹرن اور روہیلکھنڈ کی ان ریلوں کے ٹھیکے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۲ء کو ختم ہو جائیں گے۔ اس وقت گورنمنٹ ان ریلوں کو خرید لے گی۔ اس طرح یہ ریلیں بھی کمپنیوں کے انتظام سے نکل کے سرکاری انتظام میں آجائیں گی۔

حکومت نے اب اٹھنیوں میں آدھی چاندی اور آدھی ملاوٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جیسے چونّی میں ہوتی ہے۔ اس سے پہلے اٹھنّی میں ۱۱ حصہ چاندی اور ایک حصہ کھوٹ ہوتا تھا۔ یہ نیا انتظام اس لئے ہوا ہے کہ لوگ روپیہ اور اٹھنی جوڑنی چھوڑ دیں۔

ریاست اندور کے راجہ نے ایک لاکھ روپیہ اپنی جیب خاص سے غریبوں کے مکانات تعمیر کرنے کے لئے دیا۔ اس میں سے ۵۱۴۹۷ روپیہ سے بھنگیوں کے ۱۵ گھر بنائے جائیں گے۔

کلکتہ میں ایک مارواڑی عورت اور اس کے نوکر کو اس لئے گرفتار کر لیا گیا تھا کہ ان کے پاس سے ۷۶ اسو روپیہ نکلے۔ سکہ جمع کرنے کا چونکہ یہ پہلا مقدمہ تھا اس لئے عدالت نے انھیں تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔

جاپان کے قریب ایک جزیرہ ہوکائیڈو میں زلزلہ آیا جس کی وجہ سے ۱۳ اسو ماہی گیر کشتیاں دریا برد ہو گئیں۔ اور بہت سی جانیں بھی ضائع ہو گئیں۔

جولائی کے آخر تک ترکی کے زلزلہ زدگان کی امداد کے لئے تین لاکھ ساٹھ ہزار تین روپیہ انگریزوں کے ملکوں سے جا چکا ہے اب ترکی میں دوسرا زلزلہ آیا اور کئی گاؤں مٹ گئے اور بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔

مہاراجہ میسور کا ۵۶ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ وہ روشن دماغ اور قابل حکمراں تھے۔ ان کے زمانہ میں ریاست نے بڑی ترقی کی۔

اودہم سنگھ کو سر مائیکل اوڈوائر سابق گورنر پنجاب کے قتل کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

کلکتہ سے تقریباً ۹۷ میل کے فاصلہ پر ڈاک گاڑی ایک پٹری کے اکھاڑے جانے کی وجہ سے نیچے گر گئی۔ تیسرے درجہ کی کئی لمبی گاڑیاں پاش پاش ہو گئیں۔ رات کے تین بجے کا وقت تھا۔ ۴۰ کے قریب مسافر مر گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔

افغانستان میں ایک بزرگ ۱۳۰ سال کی عمر میں عالم بقا کو سدھارے۔ ساری عمر انھوں نے عبادت اور خدمت خلق میں گزاری۔

کراچی میں لڑکیوں کی جبریہ تعلیم کا انتظام ہو رہا ہے۔ ۳۴ نئے مدرسے کھولے جائیں گے۔ ان پر ۱۸ ہزار روپیہ خرچ ہوگا نصف حکومت دیگی۔

اس سال ایک ہندو طالب علم نے پنجاب سے ادیب عالم کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا ہے۔

وائسرائے ہند نے اعلان کیا ہے کہ انکی کونسل کو وسیع کیا جائیگا اور مزید ہندوستانی نمایندے لئے جائیں گے اور بعد جنگ نیا آئین جاری ہو سکیگا۔

حکومت سعودیہ نے اعلان کیا ہے کہ مکہ معظمہ کے بحری و بری راستے محفوظ ہیں اور اس سال حج بدستور ہوگا اور حاجیوں کو ہر قسم کی سہولت بہم پہونچائی جائے گی۔

جناب وائسرائن صاحبہ نے شملہ میں ایک دفتر کھولا ہے جس میں عورتیں خدمت جنگ کے لئے نام لکھواتی ہیں ضرورت پڑنے پر انھیں [illegible] مناسب معاوضہ [illegible]

اب آپ اپنے نفیس کپڑوں کی حفاظت کے لئے لکس کو زیادہ فیاضانہ طور پر استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ اس نئے بڑے سائز والے پیکٹ میں آپ کو اپنے پیسے کے عوض لکس کی پیشتر سے زیادہ مقدار مل رہی ہے۔ لکس ٹھنڈے پانی میں کثرت سے جھاگ اٹھاتا ہے۔ لکس کے کثیر جھاگ میں اپنے نفیس کپڑے دھو لینے کے بعد انہیں سکھانے کے لئے دھوپ میں بچھا دیجئے یاد رہے کہ لکس میں آپ کے کپڑوں کے لئے اتنی ہی سلامتی ہے جتنی ٹھنڈے پانی میں ہوتی ہے۔

لکس کے درمیانہ سائز کے اور چھوٹے سائز کے پیکٹ اپنی ارزانی اور کم قیمتی کے اعتبار سے ایک عجوبہ ہیں۔

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

L.X. 9-172 (U)

Regd. No. L. 1872 October 1940 Established 1908

محصول ڈاک بذمہ خریدار
عصمت دہلی
ستمبر ۱۹۳۰ء
ملنے کا پتہ دفتر عصمت دہلی
حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کے مضامین کے مجموعے جدید
احکام نسواں
عورتوں کے متعلق احکام قرآن مجید اور ان کی تفسیر خواتین ہند کے محسن اعظم نے کئی سال تک آیات بینات بیں یہ تفسیر اس غرض سے لکھی تھی کہ مسلمان عورتوں کو مسائل کے دریافت میں جو دقت محسوس ہوتی ہے وہ رفع ہو۔ افسوس موت نے مہلت نہ دی کہ علامہ مغفور تفسیر کو مکمل فرما دیتے تاہم تمام احکام بڑی محنت سے رازق الخیری صاحب نے جمع کئے ہیں۔ علامہ مغفور کی تفسیر کے علاوہ بہت سے احکام کی ضروری تشریح بھی عام فہم اور صاف ستھری زبان میں ہے کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہئے قیمت عمر
محسن حقیقی
مسلمانوں کے آقا و مولا سردار دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات مصنف آمنہ کے لال کے قلم سے اور اس قدر موثر پیرایہ میں کہ آنکھ آنسو کل پڑیں مجالس میلاد کے متعلق چند اصطلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں قیمت چھ آنے ۶ر
قرآنی قصے
انبیوں اور رسولوں کے مقدس
حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے حضرت علامہ راشد الخیری نے یہ قصے مسلمان لڑکیوں کے لئے ان کی سمجھ کے مطابق انہیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے عورتوں کیلئے نبیوں کے حالات میں بہترین کتاب ہے جس کا درجہ باعتبار ادب نہایت بلند ہے قیمت اکہرو پیہ عمر
گدڑی میں لعل
لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ ہنرمند کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے خانہ داری کے متعلق نہایت مفید مشورے دلنشین پیرایہ میں یہ کتاب زنانہ لٹریچر میں بیش بہا اضافہ ہے یہی وہ مضامین ہیں جنھوں نے دس بیس سو نہیں ہزاروں گھرانوں کی زندگی میں انقلاب کر کے خوشگوار زندگی بنا دی قیمت عمر
دعائیں
حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف۔ ہم اپنے مقاصد کی کامیابی کے لئے دعائیں تو مانگتے ہیں۔ مگر نہ دعا مانگنی جانتے ہیں نہ دعا سمجھتے ہیں مصور غم نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نظم و نثر کی یہ دعائیں لکھی تھیں جو اس قدر سوز و گداز اور زود اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ ایک ایک جملہ ادا ایک مصرعہ سیدھا دل کے پار ہو جاتا ہے قرآن مجید کی دعائیں پیغمبروں کی دعائیں سرور کائنات اور آپ کے عزیزوں کی دعائیں بھی ہیں باعتبار ادب دعاؤں کی کوئی کتاب اس قدر بلند درجہ نہیں رکھتی قیمت ۸ر
چمنستان مغرب
خانہ داری، تاریخ، معاشرت، ادب غرض ہر موضوع پر جو خواتین کیلئے مفید ہو سکتا ہے انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت علامہ مغفور کا رنگ بھی ان میں جھلکتا ہے جنھیں پڑھ کر ترجمہ کا گمان نہیں بلکہ طبعزاد کا دھوکا ہوتا ہے مشرق کے بے مثل ادیب نے مغربی لٹریچر کو اردو زبان میں منتقل کیا تو اس سلیقہ کے ساتھ کہ مشرقی بیبیاں ادبی دلچسپیوں کا لطف اٹھانے کے علاوہ خانہ داری ازدواجی زندگی میں تجربہ کی باتوں سے کچھ فائدہ اٹھا سکیں قیمت عمر
دلی کی آخری بہار
۷۰ برس پہلے دلی کیا تھی مرد عورتیں بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے میلے ٹھیلے کس طرح مناتے اور سیر و تفریح کس طرح کی جاتی تھی اس کا جواب اس کتاب میں ملے گا جو نصف صدی پہلے کی معاشرت محبت تعلقات اور وضعداری کی درد انگیز کہانیاں اور دلی کی بربادی کے جگر خراش نالے ہیں جن میں علامہ مغفور نے انشا پردازی کمال ہی نہیں دکھایا قلعہ معلی کی کوثر سے دھلی ہوئی بیگماتی زبان ہی نہیں لکھی بلکہ فسانہ شب سنا کر رسند کو تڑپا دیا ہے قیمت عمر
مسلی ہوئی پتیاں
دلی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط انشا کی معمولی کتاب نہیں حیات انسانی کے وہ راز ہیں جن کو پڑھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے حضرت مصور غم کا سب سے پہلا مضمون جو ۱۳ کے عصمت میں شائع ہوا تھا وہ بھی اس مجموعہ میں شامل ہے قیمت ۶ر
داستان پارینہ
حضرت مصور غم جامع حیثیت مصنف تھے انکی مورخانہ حیثیت کے آگے بڑے بڑے نقادوں کو گردن جھکانی پڑی اسلامی تاریخ کے ضخیم ناول دیکھ چکے ان تاریخی مضمونوں کا مجموعہ پڑھئے اور دیکھئے کہ تاریخ میں افسانوی پڑھ کر لطف پیدا کر دینا علامہ راشد الخیری جیسے انشا پرداز مورخ کا کام تھا واقعات سب تاریخی ہیں مگر پیرایہ بیان بار بار پڑھنے پر مجبور کرتا ہے قیمت ۱۲ر

شادی کا انتخاب

اس وقت اولاد کی شادی کا انتخاب مسلمانوں کے لئے نہایت اہم مسئلہ ہے کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جہاں والدین پریشان نہ ہوں کہ جوان لڑکیاں بیٹھی ہیں اور رموزوں بر نہیں جڑتا۔ لڑکیاں اس معاملہ میں دم بخود ہیں اور والدین بھی حالات کے تحت میں کرنے پر مجبور۔ لڑکیاں شادی کے وقت کیا کریں اسلام نے ان کو کیا حق دیا ہے شادی کے وقت کن باتوں کو دیکھنا چاہیئے۔ علامہ مغفور نے بیمار پڑنے سے قبل اس موضوع پر کتاب لکھنا شروع کی تھی لیکن موت نے کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دی جس قدر صفحے لکھے جا چکے تھے انکے ساتھ عصمت کے تیس سال کے فائل سے تلاش کر کے اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت ۸ر

عروسِ مشرق

یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر کے اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے تہائی صدی تک حضرت مصور غم نے اپنی مخصوص طرز میں بے بہا مضامین تحریر فرمائے تھے۔ یہ ان کا مجموعہ ہے ان مضامین میں ان مشرقی خوبیوں کو جو ختم ہو رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے موثر پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ قیمت ۱۰ر

بزمِ رفتگان

اردو ادب کے غیر فانی مرثیے جو ملک کی مایۂ ناز خواتین باکمال شعرا و ادبا کی یاد میں لکھے گئے تھے اور جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں حضرت علامہ مغفور کا یوں تو ہر مضمون تاثیر سے لبریز ہوتا ہے مگر بزم رفتگان کا ہر فقرہ اور ہر جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے اردو زبان میں نثر کے بہترین مرثیے یہی ہیں۔ قیمت ۱۰ر

نالۂ زار

خواتینِ ہند کے محسنِ اعظم کے درد انگیز مضامین جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر بحث کی گئی ہے یہ وہ معرکۃ الآرا مضامین ہیں جو زمانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں نالۂ زار میں عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور ان کے مصائب و آلام کی درد انگیز داستانیں ہیں جنھیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور سنگ دل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ قیمت ۱۲ر

زیورِ اسلام

مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کیلئے نہایت موثر مذہبی مضامین جنکے مطالعہ سے انہیں معلوم ہوگا کہ انکی ہستی کیا معنی رکھتی ہے اور آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پُرلطف و باطمینان زندگی کس طرح بسر کی جاتی ہے۔ خدا اور اس کے بندوں کے ان پر کیا حق ہیں اور انہیں دینی و دنیاوی فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ کس طرح انجام دینا چاہیئے خشک سے خشک موضوع کو اس قدر لطیف اور دلآویز پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ مجال ہے طبیعت ذرا اکتا جائے معمولی پڑھی لکھی عورتوں ہی کے لئے نہیں تہذیب جدید کی دلدادہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے لئے بھی اس مجموعہ میں گراں بہا اسلامی معلومات ہیں جو زندگی کو کامیابی کے ساتھ بسر کرنے میں مدد دیں گی۔ قیمت عمہ

بے فکری کا آخری دن

اردو میں سب سے پہلے مضامین کنواری بچیوں کے لئے جن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اچھی عادات و خصائل پیدا ہوں وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگیں خوشگوار زندگی گذارنے کی تیاری کر سکیں۔ اپنے والدین کو نعمت جانیں اور کنوارپنے کی قدر کریں۔ قیمت ۴ر

بلبلِ ہمیار

لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور پردے کے مختلف پہلوؤں پر طبقہ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تہائی صدی تک غور و فکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا بے انتہا قیمتی مجموعہ خشک سے خشک موضوع کو نہایت دلآویز پیرایہ میں بیان فرمانے کی مصور غم خداداد قابلیت رکھتے تھے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بڑی خوش اسلوبی سے حل فرمایا ہے۔ قیمت دس آنے۔ ۱۰ر

سیاحتِ ہند

ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کا علامہ مغفور نے دورہ فرمایا تھا اور دورہ کے جو حالات عصمت و بنات میں تحریر فرمائے تھے وہ سب اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ درد مند خواتین و حضرات کا تذکرہ ہے جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت و تمدن سے واقفیت ہوتی ہے اور علامہ مرحوم کی طبیعت و عادات و خصائل کا پتہ چلتا ہے۔ قیمت ۸ر

یادگارِ تمدن

تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری مردانہ رسالہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا مجموعہ۔ طرز بیان اس قدر دلآویز اور موثر ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے بے مثل انشا پردازی کا نمونہ ہے۔ قیمت ۶ر

مسلمان عورت کے حقوق

حقوق نسواں کی حمایت میں وہ مضامین جو ہزاروں انسانوں سے آنسو کا خراج حاصل کر چکے ہیں۔ جو مرد خانگی زندگی خوشگوار بنانے کے آرزومند ہیں جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں جس میں مسلمانوں کی پستی اور ترقی کا درد ہے ممکن نہیں کہ وہ ان مضامین کو پڑھے اور تڑپ نہ اٹھے۔ قیمت ۱۲ر

ساجن موہنی

بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتیں۔ کیونکہ انہیں تمیز شوہر کے گُر ہی نہیں معلوم میاں بیوی میں آئے دن لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے اور زندگی میں بے لطفی پھیکا پن ہی نہیں ناخوشگوار تلخی محسوس ہوتی ہے اس مجموعہ کا مطالعہ نہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کے لئے بے انتہا مفید ہے بلکہ اُن لڑکیوں کے لئے بھی جنکی شادی عنقریب ہونیوالی ہے قیمت چار آنے ۴ر

عالم نسواں

اُن ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرایہ میں تبصرہ تحریکِ نسواں بیداریٔ نسواں۔ آزادیٔ نسواں۔ حریتِ نسواں سے جنہیں ذرا بھی دلچسپی ہے وہ علامہ مغفور کے جنھوں نے تمام عمر عورتوں کی ترقی اور بہتری کی کوشش میں ختم کردی۔ اِن گراں بہا خیالات کی قدر کریں گے۔ قیمت آٹھ آنے۔ ۸ر

بکھری ہوئی پتیاں

مختلف موضوعات کے متفرق مضامین۔ اس مجموعہ میں وہ مضامین بھی شامل ہیں جو بعض گذشتہ مجموعوں میں مثلاً گُدڑی میں لعل بزم رفتگاں بے فکری کا آخری دن عروسِ مشرق گردابِ حیات وغیرہ میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے انشائے لطیف اور کئی دردانگیز نظمیں بھی ہیں گویا اس مجموعہ میں علامہ مغفور کی کئی مختلف حیثیتیں نظر آتی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ چھ آنے عہ ۶ر

فریبِ ہستی

وہ بیش بہا مضامین جو اصلاح معاشرت اور اصلاح اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں اور ان کی حالت درست ہونے کی کیا تدابیر ہیں۔ قیمت ۶ر

افسانوں کے جدید مجموعے

خدائی راج اور دوسرے افسانے

اردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بہترین مجموعہ جس میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ اور جذباتِ نسوانی کی دردانگیز ترجمانی کی گئی ہے پلاٹ مکالمہ کردار نگاری مناظر نویسی۔ جذبات نگاری غرض ہر اعتبار سے یہ افسانے مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں۔ جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔ قیمت ایک روپیہ۔ (عہ)

گردابِ حیات

حضرت علامہ مغفور نے عورتوں کی اصلاح و حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور موثر افسانے عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان میں سے ۵ افسانوں کا مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ ان افسانوں نے بیسیوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ قیمت ایک روپیہ۔ (عہ)

بساطِ حیات

چار مختصر افسانوں کا مجموعہ حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور تمام افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں یہ جانوروں کی زبانی معمولی انسانی کہانیاں نہیں قصہ کے پیرایہ میں یہ درستی اخلاق اور اصلاح معاشرت کے اسباق بے بہا ہیں۔
قیمت چھ آنے (۶ر)

حور اور انسان

اب سے پچیس ۲۵ سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند نہایت موثر اور دردانگیز افسانے تحریر فرمائے تھے۔ جنھوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا اس مجموعہ میں ان افسانوں کے علاوہ عصمت کے دور اول کے بھی چند مشہور افسانے ہیں چند افسانوں کے عنوانات یہ ہیں۔ حور اور انسان، پریوں کی محفل، منبو شریع کا خون۔ انتہائے تمیت۔ ایک روح کی سرگذشت۔ سوکن کی نصیحت ہر افسانہ سبق آموز ہے قیمت ۱۲ر

نشیب و فراز

آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا مشاہدہ بیان کیا ہے ہر افسانہ بے حد دلچسپ ہے اور نیز اپنی زندگی کے کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے
قیمت چار آنے (۴ر)

دادا لال بجھکڑ

پانچ نہایت ہی پُرلطف قصے جنھیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجائیں دلا نبی نخی اور نانی عشو کے سلسلہ کی نتیجہ خیز کتاب جس سے معلوم ہوگا کہ مصور غم ظرافت نگاری میں بھی انتہائی کمال رکھتے تھے۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی معرکۃ الآرا تصانیف

حیاتِ صالحہ

علامہ مغفور کی سب سے پہلی تصنیف جس نے جادو نگار مصنف کے کمال افسانہ نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بجادیا تھا۔ اس میں ایک لڑکی کی زندگی کے وہ تمام واقعات نہایت ہی موثر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے ہیں۔ صالحات سے معلوم ہوگا کہ وہی باپ جو اولاد کا عاشق زار ہے بچوں کی جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہوجاتا ہے۔ صالحات بتائے گی کہ جاہل سوتیلی ماں کس طرح سوکن کے بچوں کی مٹی پلید کرتی ہے۔ صالحات سے معلوم ہوگا کہ نیک کوک کی لڑکیاں مصائب کا کیسے کیسے ایثار اور قربانیوں سے مقابلہ کرکے دنیا کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں قصہ کے ضمن میں آج سے پچاس سال سے پہلے کے گھرانوں کی معاشرت رسم ورواج وغیرہ نہایت دلچسپ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔ زبان قلعہ معلی کی کوثر سے دھلی ہوئی واقعات اس قدر موثر کہ کلیجہ کے پار ہو جانے ہیں ۱۷۵ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ)

نوحۂ زندگی

وہ سنگ دل باپ جس نے بیگناہ لڑکی کو اس گناہ پر کہ نکاح ثانی کیا عدالت تک گھسیٹ کر جیل خانہ پہنچایا باغ باغ ہے۔ وہ بے مہر ماں جس نے نو مہینہ پیٹ میں رکھا۔ اور پندرہ برس تک پرورش کیا۔ بیگناہ بچی کو یہ دیکھ کر کہ نکاح ثانی کے جرم میں قید کی مصیبتیں جھیل رہی ہے نہال نہال ہے۔ نوحہ زندگی میں آپ کو ایک قبرستان ملے گا جس میں ایک عصمت کی لاج رکھنے والی بیوی اور غیرت پر قربان ہونے والی ماں اپنے دو معصوم بچوں کو دائیں بائیں لئے گہری نیند سورہی ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جسے پڑھ کر کتنے ہی کنواروں نے بیواؤں سے نکاح کئے اور جن خاندانوں میں بیوہ کا نکاح گناہ سمجھا جاتا تھا ان میں کتنی ہی بیواؤں کے نکاح شرع کے مطابق ہوئے۔ کتاب نہیں ایک جادو ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ دل کے پار ہو جاتا ہے۔ مصور غمؒ کی مشہور و مقبول تصنیف ہے اور آٹھ دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲)

منازل السائرہ

حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی بہت مشہور تصنیف ہے... دو کے چوٹی کے اصلاحی ناولوں میں شمار ہوتی ہے ایک لڑکی کی پیدائش سے موت تک کے حالات نہایت ہی دلآویز پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ واقعات اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب ہاتھ سے نہیں چھوڑی جاسکتی۔ زبان قلعہ معلی کی ٹکسالی کوثر سے دھلی ہوئی بڑے بڑے نقادوں نے اس کا مطالعہ کرکے مصنف کی ناول نگاری کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ منازل السائرہ اردو کی ایک غیر فانی تصنیف ہے۔ جو اپنے رنگ میں بے مثل اور بے نظیر رہے گی۔ یہ یونیورسٹیوں کی اعلیٰ جماعتوں کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ حال میں اس کا جدید ایڈیشن نہایت اہتمام سے شائع ہوا ہے قیمت دو روپے (عا)

جوہرِ قدامت

دو بہنوں کی پر لطف کہانی دو لڑکیوں کی مفصل زندگی دو عورتوں کی جگر خراش داستان جن میں ایک دور قدیم کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی دلدادہ ہے۔ عالم نسواں آج سے پچاس سال پہلے کیا جوہر رکھتا تھا مسلمان گھرانوں میں اُس وقت کیسے کیسے لعل گدڑیوں میں چمکتے تھے اور مغربی رو کس سمت انہیں لے جارہی ہے جوہر قدامت کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ اور پہلے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ بعض اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں بھی داخل ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ)

طوفانِ حیات

قبیح رسوم اور شرک و بدعت مسلمانوں کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کرچکے ہیں۔ اس کتاب کی ہیروئن مشرکہ کی زندگی اس قدر دلچسپ ہے کہ پڑھنے کے بعد گھر میں لغو رسموں کا نشان تک باقی نہیں رہتا شرک جو دنیائے نسواں پر عام طور سے قابض ہے طوفان حیات کے مطالعہ سے کوسوں دور بھاگ جاتا ہے اور رسوم مروجہ خوفناک اژدھے کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں اور انسان خدائے واحد کے آگے سر جھکا دیتا ہے قصہ کی دلچسپی اور زبان کی سلاست کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے واقعات اس قدر دردانگیز ہیں کہ ہچکی بندھ جاتی ہے قیمت عہ

گوہرِ مقصود

"خیالستان کی پری" اور "لال کی تلاش" دو نہایت ہی دلآویز اور نتیجہ خیز قصے قیمت ۶

سوکن کا جلاپا

ناشاد نامراد محمودہ کا افسانہ جو ساس و شوہر کے مظالم پر قربان ہوگئی۔ قیمت ۵

شامِ زندگی کا انیسواں (۱۹) ایڈیشن

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی اس غیر فانی تصنیف سے زیادہ گذشتہ چوتھائی صدی میں اور کوئی کتاب مقبول نہیں ہوئی انیس (۱۹) دفعہ چھپ چکی ہے لیکن مانگ کا وہی حال ہے جو شروع میں تھا۔ جو مرد چاہتے ہیں ان کی بیویاں ان کے مزاج کے موافق ہو جائیں شامِ زندگی کو انہیں پڑھواتے ہیں اور جو عورتیں آرزو رکھتی ہیں کہ ان کا گھر رشکِ جنت بن جائے وہ شامِ زندگی کو پڑھتی رہیں اور اس کی مدد سے اپنے خاوند کا دل موہ لیتی ہیں جنھیں اولاد کی تربیت کا خیال ہے ان کے لئے شامِ زندگی بہترین اتالیق ہے۔ شامِ زندگی میں قصہ کے طور پر ایک لڑکی کا حال لکھا ہے کہ اس نے شادی سے لے کر مرتے وقت تک کیونکر زندگی بسر کی۔ زندگی کے کسی شعبہ اور حیات کے کسی مرحلہ کو جس سے ہر عورت گذرتی ہے نظر انداز نہیں کیا پھر پیرایہ اس قدر دلچسپ کہ چند صفحے دیکھ کر کتاب ہاتھ سے چھوڑ دیجئے تو ہم قیمت مع محصول واپس دینے کو تیار ہیں اور موثر اتنی کہ قوم نے اسی کی وجہ سے مصنف کو مصورِ غم کا خطاب دیا تھا۔ ہر باب آنکھوں کو پرنم کر دیتا ہے غرض شامِ زندگی بڑی ہی کامیاب کتاب ہے کسی اعتبار سے کوئی عیب اس میں نہیں تھا۔ محاسن ہی محاسن ہیں۔ ایک جلد طلب فرمالیجئے آپ کے تمام خاندان اور احباب میں پہنچ جائیگی عورت اور مرد سب اس پر شیدا ہو جاتے ہیں۔ تمہارے دکھے ہوئے دل کا بہلاوا تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک شامِ زندگی اور صرف شامِ زندگی ہے شامِ زندگی نے سینکڑوں جانوروں کو انسان بنا دیا۔ لامذہبوں میں مذہبیت پیدا کر دی اور گم گشتہ راہوں کو راہ پر لگا دیا۔ جو شامِ زندگی سے محروم رہے اور شامِ زندگی سے فائدہ حاصل نہ کرے اس کی تقدیر ہے۔ ورنہ شامِ زندگی نے دین و دنیا کی درستی کا سامان پیش کر دیا ہے ضخامت ۔۔۔ عمدہ اور بہترین قسم کا چکنا ولایتی کاغذ اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

صبحِ زندگی

یہ شامِ زندگی کا پہلا حصہ ہے شامِ زندگی میں نسیمہ بیگم کی شادی سے موت تک کے حالات پڑھنے سے پہلے ذرا ان کا کنوارپنا بھی دیکھ لو۔ اس سے تمہیں پتہ لگے گا کہ ایک لڑکی کی پیدائش سے شادی تک کیونکر تعلیم و تربیت کرنی چاہئے حضرت علامہ راشد الخیری اس قسم کے مضامین کو دلچسپ اور موثر بنا دینے میں جو ملکہ رکھتے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں صبحِ زندگی لڑکیوں کی اتالیق بیویوں کی مشیر اور مردوں کے لئے لٹریچر کا بیش بہا خزانہ ہے۔ لڑکیوں کی تربیت پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ قصہ اس قدر دلچسپ کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر نہ رہا جائے زبان اتنی شیریں کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہے صبحِ زندگی میں درد و بیان کیفیت زبان اور زندگی کا سامان سب کچھ موجود ہے۔ اکیس (۲۱) مرتبہ چھپ چکی ہے قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ (عمہ)

شبِ زندگی

صبحِ زندگی میں نسیمہ کے بچپن اور جوانی کو دکھایا گیا ہے شامِ زندگی میں اسے آخری منزل تک پہنچایا ہے۔ شبِ زندگی میں موت کے بعد حالات پڑھو جن سے معلوم ہوگا کہ نسیمہ نے دنیا میں وہ کون سے کام کئے تھے کہ حوریں استقبال کرتی ہیں اور وہ کونسی دو عورتیں ہیں جن میں ایک دوزخ میں خوش اور دوسری جنت میں بھی معذب ہے نسیمہ کی بہو وسیمہ بیگم کی جگر خراش داستان اور اس کی سوکن ۔۔۔ کے مفصل بیان سے ممکن ہی نہیں کہ دل پر کچھ اثر نہ ہو شبِ زندگی خود پڑھو اور اپنے بیوی بچوں کے سامنے نسیمہ کا پاک نمونہ پیش کر کے انہیں اس جیسا بناؤ کہ وہ کامیاب زندگی گذاریں۔ دنیا کے ساتھ دین بھی حاصل کریں۔ یہاں بھی اچھے بیج بوئیں اور وہاں بھی اچھے پھل کھائیں قیمت شبِ زندگی حصہ اول ایک روپیہ حصہ دوم ایک روپیہ۔ دونوں حصے دو روپے (عہ)

لڑکیوں کی

لڑکیوں کو خط کتابت سکھانے کی اردو میں بہترین کتاب جس میں عورتوں کی مختلف ذمہ داریوں پر بحث ہے زبان اتنی پیاری کہ بار بار پڑھیے۔ قیمت ۔ ۱۲ر

ماہِ عجم

فاروقِ اعظمؓ کے عہد مبارک میں سلطنت ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے اور اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں۔ بڑی معرکۃ الآرا ٹریجیڈی ہے قیمت (۸ر)

سنجوگ

ایک تعلیم یافتہ سلیقہ شعار لڑکی کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر نہ کیا بلکہ دولت پر بیٹی کو قربان کر دیا۔ دردانگیز اور عبرتناک ناول ہے۔ قیمت ۱۰ر

ب) حضرت مصورِ غم کے مشہور اصلاحی معاشرتی افسانے

تمغۂ شیطانی

حد درجہ رلا دینا اور سبق آموز افسانہ ہے یہاں دستِ شیطانی کے آٹھ پیرگرڈ دکھائے گئے ہیں ان لوگوں کے جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے مگر ان کے صرف ایک فعل سے جو بظاہر بہت معمولی بات تھی حلقۂ شیطانی میں داخل ہو جہاں ناک کٹے والی بہری۔ ملاجی خانصاحب کے حالات پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ وہاں شمس پیرجی شیرازی کے واقعات اس قدر دردانگیز ہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں قیمت بارہ آنے ۱۲؍

سات روحوں کے اعمالنامے

دنیا کی عجیب و غریب روحیں ایک شیطان کی مغفرت کے لئے پیش کی جاتی ہیں جنکے مطالعہ سے کہیں ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں کہیں آنسو نکل آتے ہیں آخری روح کے کارنامے اس قدر دردانگیز ہیں کہ ہچکی بندھ جائے۔ قیمت ۸؍

غدر کی ماری شہزادیاں

یا بیلا میں بیڈ ۱۸۵۷ء کے غدر کی لٹی ہوئی دلی کی شہزادیوں اور بیگموں کی دل دہلا دینے والی کہانیاں جنھیں پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائے با تصویر۔ قیمت ۱۲؍

ستونتی

نہایت دلچسپ سبق آموز قصہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کے لئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور شریف عورت شوہر کے لئے سب کچھ قربان کرے اور اپنے جوہر دکھا کر دنیا کو حیرت میں کر دیتی ہے۔ پانچ دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ۷؍

موؤدہ

لڑکیوں کے ترکہ پدری کے متعلق مولانا مغفور کا نہایت موثر درد و غم سے بھرا افسانہ جس میں اس قدر درد و سوز و گداز ہے کہ پتھر دل بھی اس کو پڑھ کر سسکنے ہی نہیں بلکہ موم ہو جاتے ہیں قیمت ۸؍

تفسیرِ عصمت

جو ہی نمبر عصمت کا مقبول، رلا دینا افسانہ عید کا ہیرو گرد اس قدر پُر لطف ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں اور واقعات اس قدر دردانگیز کہ بیساختہ آنسو نکل آتے ہیں خلع اور ارتداد پر اس سے بڑھ کر موثر افسانہ آج تک شائع نہیں ہوا

قیمت پانچ آنہ ۵؍

انگوٹھی کا راز

جدید ایڈیشن حضرت مصنف نے نظرثانی اور بہت کچھ اضافہ کر کے شائع کیا گیا ہے یتیم نوجوان بچیاں لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ ہے رابعہ کا عبرت انگیز انجام اسلامی کی جگر خراش داستان اور حمیدہ کی مشکلات انگوٹھی کا راز اس خوبی سے حل کرتا ہے کہ پڑھنے والے کو حیرت ہو جاتی ہے۔ بار ششم قیمت ۶؍

ولایتی ننھی

(با تصویر) نانی عشو کے جوڑ کا نہایت پُرلطف افسانہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں بی ننھی نے بڑھاپے میں جو سوانگ بھرے ہیں وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں قیمت ۶؍

منازلِ ترقی

اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ انسان کی ترقی کی دھن لیڈری کے شوق اور دولت کے نشہ میں اخلاق انسانیت اور محبت کو تج کر غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے مظالم ڈھاتا ہے۔ ولی اور بشیر و دونو میاں بیوی کے کیرکٹر نہایت دلچسپ ہیں۔ قیمت ۴؍

بچہ کا کرتہ

ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا کی اس محبت اور ایثار کا وہ عبرت انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں بہت موثر افسانہ ہے کئی بار چھپ چکا ہے۔ قیمت ۴؍

ویڈیا کی سرگذشت

گمراہ وہ ہوتی وہاں بھی نہ فیشن و جدت کی دلدادہ ایک انگریز عورت کی کہانی اسی کی زبانی مغربی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو نقشہ قیمت

چہار عالم

ایک دردانگیز افسانے میں تین چار سبق آموز افسانے حیات نسانی پر پرندوں کی بحث ہندوستانی معاشرت کا یہ افسانہ گویا مرقع ہے چند نسوانی کمزوریوں کو دردناک پیرایہ میں بیان کیا ہے پلاٹ بے حد دلکش ہے قیمت ۴؍

بنت الوقت

ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا مکمل مرقع وقت کا ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا انگیز انجام چھ دفعہ چھپ چکی ہے قیمت ۸؍

سرابِ مغرب

غیر مسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے۔ اس بحث پر مشہور کتاب تقلید مغربی کے دردناک نتائج یاد نیز کا حسرتناک باپ کی ناعاقبت اندیشی اور لڑکی کی تباہی آٹھ مرتبہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ۸؍

فسانۂ سعید

کنواری لڑکیاں نہ منگائیں بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے مگر جس قابلیت سے حضرت مصورِ غم نے سعید کا نکاح ثانی ثابت کیا ہے وہ حق یہ ہے کہ ہر مسلمان اس کتاب کو پڑھے سعید کی جگر خراش داستان دل دہلا دے گی۔ سوتیلے رشتوں پر موثر کتاب ہے قیمت ۸؍

(ج) مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہرِ عصمت

حضرت علامہ راشد الخیری اردو کے پہلے مختصر افسانہ نگار تھے مصور غم نے مختصر افسانوں میں جذبات نسوانی کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی صحیح ترجمانی نہیں، جادو نگاری کی ہے، ممکن ہے سنگ دل سے سنگ دل انسان ان افسانوں کو پڑھ کر کلیجہ پکڑ کر نہ رہ جائے۔ جوہرِ عصمت مصورِ غم کے ان ۱۲ مختصر افسانوں کا مشہور مجموعہ ہے (۱) مظلوم ہیری کا باپ جذبہ (۲) لکھنؤ کی دلہن (۳) اگلی محبتیں (۴) فسانۂ تنویر (۵) بیگناہ کا قتل (۶) بھاوج کا کمینہ (۷) مامون رشید کا دربار

سیلابِ اشک

حضرت مصورِ غم کے سات دردانگیز افسانے (۱) پرستارِ محبت (۲) بلوچن کے تیر نیمکش (۳) طلاق کا سفید بال (۴) حج اکبر (۵) عدل گاہ بدن (۶) بے قصور زہری (۷) ثریا کا تخیل۔ ہر افسانہ باتصویر قیمت عہ

طوفانِ اشک

رواج کی بھینٹ پر معصوم عورتوں کی قربانیاں ۱۲ دردانگیز سبق آموز نہایت دلچسپ مختصر افسانوں کا مجموعہ قیمت ایک روپیہ (عہ)

قطراتِ اشک

آنسوؤں کے بادشاہ کی افسانہ نگاری کے دور اول کے بہترین نمونے وہ مضامین اور افسانے جنھوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی تحریر کے اثر کا قائل کر دیا تھا قیمت عہ

شہیدِ مغرب

طرابلس اور مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے اسلام اور نصرانیت کے معرکے مسلمان عورتوں کی ناموس اسلام پر قربانیاں مسلمانوں کی ترقی کا راز تنزل کے اسباب شدھی اور تبلیغ کا اثر مندرجہ ذیل دردانگیز افسانے ہیں۔ دو آسمانی مسافر عرب بیدانی صدائے دلگداز شہید مغرب سیاہ داغ۔ گلوفشاں۔ طرابلس سے صدا۔ افراط و تفریط کا نمونہ۔ ان کے مطالعہ سے حب الوطنی، جوشِ ایمانی بہادری شجاعت خودداری غیرت و محبت کے شریفانہ جذبات پیدا ہوتے ہیں قیمت عہ

نسوانی زندگی

یوں تو حضرت علامہ مغفور نے ہر تصنیف میں عورت کی مختلف حیثیتیں دکھائی ہیں مگر اس میں خصوصیت کے ساتھ ماں، بیوی، بیٹی بہن کی ہر حیثیت علیحدہ علیحدہ دکھائی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حیثیت میں عورت ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہیں کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے قیمت صرف ۸

نانی عشو

آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں، ناممکن ہے کہ نانی عشو پڑھتے یا سنتے وقت آپ کے پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں علامہ مغفور نے ہنسی کے مضامین بھی لکھے تو اس کمال کے کہ تمام ہندوستان میں ان کا ڈنکا بج گیا۔ نانی عشو کے ساتھ ایسے ہی ظرافت آمیز مگر نتیجہ خیز افسانے عرب اور گلشن رفاعی، سجدۂ ندامت پڑھ کر بھی ایک موقع پر آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑیں گے تو دوسرے موقع پر ہنسی ضبط نہ ہو سکے گی قیمت ۱۰/

گلدستۂ عید

عیدی: ماعید کی خوشی ام جعفر کی عید۔ ترکن ماما کی عید۔ ایسے ایسے سبق آموز افسانے اور مضامین عید کے متعلق ہیں سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے رمضان شریف میں کیا کرنا چاہئے اس کا جواب گلدستۂ عید سے ملے گا جو ایک طرف بہترین عیدی ہے تو دوسری طرف ہر وقت پڑھنے زندگی میں بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کی چیز ہے قیمت

رودادِ قفس

حضرت علامہ مغفور کی دردو اثر میں ڈوبی ہوئی نظموں کا مجموعہ منظوم حسینہ روضۂ اقدس پر عالم کا خط شوہر کے نام۔ ماں کا پیام۔ سرخاب کا دم واپسیں ۔ بیٹیوں کی فریاد۔ بچپن کی یاد۔ عید کا کرتا۔ سہیلی کا خط وغیرہ وغیرہ قیمت ۱۰/
گرفتار قفس۔ نظموں کا دوسرا مجموعہ قیمت ۴/

(د) تاریخ سیر، ادب و انشاء

آمنہ کا لال

اردو زبان کا سب سے بہتر مولود شریف پڑھی لکھی عورتوں کی مجالس میلاد میں یہی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ اپنی غیرمسلم سہیلیوں کو بڑے فخر کے ساتھ بلاتی ہیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مرد بڑے ذوق شوق سے آمنہ کے لال کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو خلاف عقل کہا جا سکے نثر کے ساتھ ساتھ جہاں نظم ہے وہ بھی اس قدر موثر کہ اہل دل تڑپ اٹھیں۔ کیونکہ تمام اشعار خود علامہ مغفور ہی کے ہیں آمنہ کے لال میں علامہ راشد الخیری کا بہترین لٹریچر ہے۔ قیمت عہ

سیدہ کا لال

شہادت کی مکمل و مفصل تاریخ حصہ اول مکمل تاریخ شہادت ہے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ اور زینب سیدہ کے فضائل سرور کائنات صلعم کی رحلت حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ حضرت علی رضی اللہ عنہم کی شہادتیں اور دردناک مرثیے۔ جنگ جمل جنگ صفین کا مکمل بیان شیعہ سنی اختلاف کی ترقیاں بنی امیہ کی کوششیں امیر معاویہؓ کی سیاست امام حسینؓ کی شہادت یزید کی حکومت کی پوری کیفیت۔ جس سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے۔ حضرت مسلمؓ ان کے بچوں اور حضرت حرؓ کی شہادت بی بی زینب کا میدان کربلا میں بے مثل ایثار، شہادت حضرت عباسؓ حضرت قاسم حضرت علی اکبر، کربلا کا ننھا شہید۔ بیمار صغرا کا قاصد سیدہ کے لال کی شہادت۔ خانماں برباد سیدانیاں۔ ابن زیاد اور یزید کے دربار شیعہ سنی اختلاف پر تبصرہ۔ قاتلان حسین کا انجام اور خدائی فیصلہ یوں تو تمام کتاب اس قدر دردانگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی مگر نثر میں جو مرثیے علامہ مغفور نے لکھے ہیں ان کی ہر ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے ادب لطیف کے وہ جوہر کتاب کی جان ہے شہادت کا اس قدر مفصل اور مکمل دردانگیز اور موثر بیان کسی کتاب میں نہیں۔ تعلیم یافتہ عورتیں اور مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب پڑھتے ہیں یا مجلسوں میں پڑھواتے اور سنتے ہیں ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت (عہ) ۱۲

الزہراؓ

اردو زبان میں جگر گوشۂ رسولؐ سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمۃ الزہراؓ کی بہترین سوانح عمری جو بتاتی ہے کہ میاں بیوی کو کس طرح رہنا چاہئے بچوں کی پرورش کس طرح کرنی چاہئے دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے۔ واقعات دردانگیز کہ ہچکی بندھ جائے آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان، اور مصورِ غم کا قلم آٹھ دفعہ چھپ چکی ہے قیمت عہ

قلبِ حزیں

چھوٹے چھوٹے نہایت لطیف ادبی مضامین کا دلآویز مجموعہ جذبات نسوانی کی دردانگیز ترجمانی ان مضامین میں علامہ مغفور نے شاعری کی ہے بہترین نظم کا سا طرز تحریر اتنا پیارا ایک ایک فقرہ حفظ کر لینے کی چیز ہے قیمت ۸

امین کا دمِ واپسیں

شہنشاہ ہارون الرشید و ملکہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر شہزادہ امین الرشید کا دردناک قتل اسلامی تاریخ کا یوں ہی ایک دردانگیز واقعہ ہے جس پر مصور غم نے قصہ کے دلکش پیرایہ میں عبرت انگیز واقعات اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں قیمت ۴/

نوبتِ پنج روزہ

شاہجہاں آباد اُجڑ چکا مگر اس کے کھنڈ اب تک مٹنے والوں کے کارنامے سنا رہے ہیں اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے مہمانوں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی۔ بادشاہ کا جلوس۔ قلعۂ معلی کی بہاریں۔ شاہی جھگڑے۔ میلے تماشوں کے رنگ۔ دربار کی کیفیت قطب صاحب کے مقبرے۔ پیر غیب۔ شاہ بڑے اور کوٹلہ کے جشن۔ شہر کی آبادی کی چہل پہل۔ ہندو مسلمانوں کی معاشرت۔ رمضان۔ عید۔ سلونوں سالگرہ کے تزک و احتشام شادی بیاہ کی رسوم۔ غرض دورِ گذشتہ کی جھلک اگر دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداعِ ظفر ملاحظہ فرمایئے جس میں آخری تاجدار مغلیہ پانچ نوبتیں اور اس قدر دردانگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوا دیں گی۔ پانچویں نوبت وہ ہے جب دلی نے بادشاہ کو وداع کیا غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات مظلوموں کی حالت زار مردوں کی بربادی عورتوں کی تباہی اور بادشاہ کے بیہم مصائب۔ ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں بادشاہ کی تصویر اور تین عکسی تصویریں ہیں قیمت عہ

وداعِ خاتون

یعنی وہ مضامین جو ادیبۂ جلیلہ جنت مکانی محترمہ خاتون اکرم کی جواں مرگی پر لکھے گئے تھے جو بتائیں گے کہ بہو کیسے کتنے بیش بہا ہوتی ہیں۔ لڑکی شادی کے بعد کس طرح سسرال والوں کے دل کو فتح کر سکتی ہے ناممکن ہے کہ انہیں پڑھ کر آنسو کی جھڑیاں نہ شروع ہو جائیں۔ سو کتابوں کے پڑھنے کا وہ اثر دل پر نہیں ہو سکتا جو صرف اس کتاب کے پڑھنے کا کیونکہ یہ آپ بیتی ہے قیمت ۵ ر

اسلامی تاریخ افسانہ کی طرز پر

عروسِ کربلا

علامہ محترم کے تمام تاریخی ناولوں پر بلحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے۔ کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم دردانگیز نہیں۔ اس پر مولانا کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھا دی ہے کہیں کہیں جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے بہت مشہور کتاب ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ اور آج بھی اسی طرح دھڑا دھڑ نکل رہی ہے۔ عروس کربلا کی طرز پر کئی مصنفوں نے ناول لکھے مگر عروس کربلا عروس کربلا ہی ہے۔ حال میں ساتویں دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ... عہ

محبوبۂ خداوند

قرون اولی کے پُرجوش و پاکباز مسلمانوں کی ولولہ خیز جانبازیاں پڑھنے والوں کو مبہوت بنا دیتی ہیں طرابلس کا مقدس خدا وند کا رضیت شمالی افریقہ کی حسینہ سفریہ کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے فرضی دعووں میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے اور محبوبۂ خداوند کس طرح اپنی عزت بچا کر اسلام قبول کرتی ہے یہ ایک راز ہے جو صرف محبوبۂ خداوند کے مطالعہ سے حل ہوگا۔ حضرت عثمان خلیفہ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کے معرکے لڑائیوں کے حالات جن کا ہر واقعہ کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے چار دفعہ چھپی ہے قیمت ۱۲

درِ شہوار

ایران ماژندران سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع۔ بہرام کے شجاعانہ کارنامے اور ملکہ پر احسانات شہزادی سبطورہ کی بہادری اور وزیر کی مکاری اور فریب — قیمت صرف ۸ ر

شہنشاہ کا فیصلہ

عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت میں ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ ماں کا بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھہرایا جاتا ہے اور ماں کی کیا کیفیت ہوتی ہے ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے ... قیمت ۴ ر

شاہین و دُرّاج

محبت کے جذبات لطیفہ کو بڑی قابلیت سے اس ناول میں بیان کیا ہے بڑی کامیاب ٹریجڈی ہے قیمت ۸

منظر طرابلس

تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل بہادری۔ ایثار و شجاعت محبت کے آتشکدہ میں بیگناہ لڑکی کی قربانی حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل۔ مذہبی پیشواؤں کی سیاہ کاریاں۔ علقیہ اور شہزادی لیبیا کی کہانی اور فتح طرابلس کا منظر قیمت ۵ ر

سودائے نقد

جس سے معلوم ہوگا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے یہ افسانہ بتائے گا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا کیسا زبردست گناہ ہے۔ دو سگی بہنوں کی کوششیں حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل محبت کا جواب غرض نہایت دلچسپ پلاٹ ہے قیمت ..... ۵ ر

یاسمینِ شام

امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمرؓ کے زمانہ کی اسلامی لڑائیاں ہلال و صلیب اسلام و عیسائیت کے معرکے تسخیر اردن لبنان حمص بعلبک، اردنا، حلب، انطاکیہ، بیت المقدس اور یرموک کے لئے مجاہدین اسلام کی سرفروشانہ قربانیاں۔ جنگ یرموک وہ اسلامی جنگ تھی جس میں ۴۰ ہزار مسلمانوں نے عیسائیوں کی متفقہ طاقت یعنی ۲ لاکھ کے لشکر عظیم پر فتح پائی جس میں مسلمان عورتیں اس طرح لڑیں کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ حضرت ابو عبیدہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور شرجیل کی تقریریں مسلمانوں کے پُرجوش ایمانی جرأت بہادری اور ایثار کے دل ہلا دینے والے مناظر یاسمین شام ہی میں نظر آئیں گے۔ اگر محبت کا دلآویز افسانہ دیکھنا ہے تو یاسمین شام کا مطالعہ کرو جو سفاک و سنگ دل باپ خدا ترس ماں اور مظلوم بچی کی دلخراش داستان بھی ہے۔ حال میں جدید ایڈیشن خاص اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ قیمت صرف عہ

تیغِ کمال

اگر آپ کو غازی اعظم مصطفےٰ کمال کے مفصل حالات یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے مناظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھئے جس میں یورپ کی سازشوں کے راز فاش کئے گئے ہیں شہزادی کون کورٹ کا افسانہ محبت مصطفےٰ کمال کا سب کے دانت کھٹے کرنا۔ یونان کے دردانگیز مناظر اور علامہ راشد الخیری کا قلم قیمت ایک روپیہ (عہ)

رسالہ عصمت دہلی

تینتسواں (۳۳) سال | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ عیسوی | جلد ۶۵ نمبر ۴

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ ممالک غیر سے دس شلنگ قسم خاص (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے رؤسا سے پچیس روپے اور والیان ریاست سے سو روپے ممالک غیر سے ایک پونڈ فی پرچہ ایک روپیہ

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وھیلر کے بک سٹال پر بھی ۵ میں ملتا ہے۔

باہتمام ابو امیہ مولوی محمد امان الرحمان پرنٹر پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

عصمتی بہنیں

اگر ان قواعد کی پابندی کریں تو ان کو کبھی ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے

(۱) عصمت ہمیشہ پابندی وقت سے ۲۰ تاریخ کو شائع ہو کر دوسری تیسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پہنچ جاتا ہے اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی لیکن اگر ڈاکخانہ کی غلطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ تک کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالہ سے دوبارہ پرچہ منگا لیں اس کے بعد قیمتاً ملے گا (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو جدید خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیدی جائے کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ تمام خریداروں کو ۲۰ تاریخ کو رسالہ بھیجدیا جاتا ہے ہر بہن کا فرض ہے کہ جب پتہ تبدیل ہو تو فوراً دفتر کو اطلاع دیدیں۔ (۳) جب ہمیں خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ رہا ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیجکر دفتر سے معلوم کیجئے کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا تین پیسے کا ٹکٹ بھیجئے (۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمایئے (۶) خریداروں کو چندہ کی میعاد یا اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدی جاتی ہے۔ اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں اور اگر چہ بدستور جاری رکھنا ہے تو چار روپیہ منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیجدیں۔ انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے وی پی واپس کر کے شدید نقصان پہنچانا تعلیم یافتہ بیبیوں کے لئے زیبا نہیں۔ اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی ضرور وصول کر لینا چاہئے۔

براہ کرم ان چند باتوں کا ہمیشہ خیال رکھئے

منیجر

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے (۱) مضامین کاغذ کے ایک رخ پر روشن سیاہی سے نظرثانی مناسب ترمیم واصلاح و اضافہ کے لئے ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھنے چاہئیں (۲) ایڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضمون کے لئے تین تین چار چار ماہ کے بعد بھی ممکن ہے کہ جگہ نہ نکل سکے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں۔ اور کم از کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے صرف وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو عصمت ہی کے لئے لکھے جائیں۔ وہ مضمون ہرگز نہ بھیجئے جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو۔ (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات جن پر بارہا عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جا سکتے ہیں۔ خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔ جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا کسی شخص کی دل آزاری ہو سکتی ہے ردی کر دیئے جاتے ہیں عصمت مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑہ نہیں ہے عصمت کے لئے ایسے مضامین بھیجنے چاہئیں جو ہندو مسلمان عیسائی سکھ غرض سب کے لئے مفید ہوں (۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیئے رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی عربی انگریزی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں ان کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) عصمت سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں تقریباً چار سو روپے کے انعامات مضمون نگار خواتین پر تقسیم کرتا ہے۔ کم استطاعت مضمون نگار عورتوں کو معاوضہ بھی دیتا ہے غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں۔ جو خواتین اور حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں

ایڈیٹر

چند باتیں

عصمت کے کسی پچھلے پرچے سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی ایک غیر مطبوعہ تصنیف "بزم آخر" کے حقوق زر کثیر خرچ کرکے عصمت بک ڈپو نے حاصل کرلیئے ہیں کئی محترم خواتین اور معزز حضرات نے شکایت کی ہے کہ اب تک نہ تو کتاب شائع کی گئی نہ عصمت میں چھپنی شروع ہوئی۔ ان بہنوں اور بھائیوں کی شکایت سر آنکھوں پر مگر انھیں یہ تو سمجھنا چاہیئے تھا کہ جو تاخیر ہوئی تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا مسودہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کا ایک صفحہ غائب ہے اور اب ہمیں مخمل میں گاڑھے کا پیوند لگانا پڑے گا۔ راقم الحروف کی طویل علالت کی وجہ سے مسودہ بھی اس وقت تک صاف نہ ہوسکا۔ عزیز بہنیں اور محترم حضرات دو ماہ کی اور مہلت دیں اگر اللہ کو منظور ہوا تو جنوری ۱۹۴۱ء سے حضرت علامہ مغفور کی یہ غیر مطبوعہ تصنیف عصمت میں چھپنی شروع ہوجائیگی۔

دس گیارہ سال کی بات ہے حلقۂ عصمت کی مشہور شاعرہ محترمہ رابعہ خاتون پنہاں کی ایک تجویز عصمت میں شائع ہوئی تھی جس میں خصوصیت کے ساتھ خاکسار ایڈیٹر کو متوجہ کرکے خواہش کی گئی تھی کہ وہ جسطرح عصمت کے خاص خاص مضمون نگاروں کے اسلوب بیان اور سال کے بہترین مضمونوں کے متعلق سالگرہ نمبر میں تبصرہ کرتا ہے اسی طرح اردو کی اہل قلم خواتین کا ایک تذکرہ مرتب کردے۔ راقم الحروف نے اس خدمت کو انجام دینے پر آمادگی ظاہر کردی تھی لیکن دفتر کی مصروفیات کام شروع کرنے کی مہلت نہ دے سکیں۔ اس وعدہ کو شاید تین یا چار سال ہوئے ملک کی نامور دستکار محترمہ غدیر فاطمہ صاحبہ نے اس زمانہ میں یاد دلایا تھا جب میں حضرت والد مرحوم کے مضامین کے مجموعوں کی تیاری میں ہمہ تن منہمک تھا۔ اس عرصہ میں دو تین کتابیں اس موضوع پر مختلف حضرات نے شائع کیں مگر جو ضرورت دس سال قبل تھی وہ آج بھی محسوس کی جارہی ہے۔ اس لئے میں اب ماہ آئندہ سے یہ کام شروع کردونگا اور اہل قلم خواتین کو عنقریب ہی سوال نامہ بھیجدیا جائے گا۔ جن خواتین کے مضامین عصمتی بہنیں ملاحظہ فرماتی رہتی ہیں۔ انکے علاوہ کوئی ایسی ادیبہ یا شاعرہ انکے علم میں ہوں جن کا ذکر وہ ضروری سمجھتی ہوں تو اُن کے نام اور مفصل پتہ سے مجھے مطلع فرما کر ممنون کریں۔

---

۳ فروری خواتین ہند کے محسن اعظم حضرت علامہ راشد الخیری کی مفارقت ابدی کا دن ہے اسلئے فروری کے عصمت میں حضرت علامہ مغفور کی یاد میں مثل سابق مضامین اور نظمیں شائع ہونگی جو خواتین و حضرات نظمیں اور مضامین بھیجنے چاہیں ۱۴ دسمبر تک روانہ فرمادیں۔

رازق الخیری

دِلّی کے روزے اور عیدیں

(از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ)

شاید دو چار صورتیں اب بھی کہیں نہ کہیں ایسی موجود ہوں گی جنھوں نے دلّی کے مسلمانوں کا نصف صدی یعنی پچاس سال پہلے کا تمدن دیکھا ہوگا۔ اُس تمدن میں مذہبیت آج کل سے زیادہ تھی، اور مسلمانوں کے گھر معلوم ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر رمضان اور عید کو لیجئے، اِس وقت روزہ دار عورتوں کی تعداد بلاشبہ اُس وقت سے کم نکلے گی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ کہی جاسکتی ہے کہ نسوانی صحت روز بروز روبہ تنزل ہے۔ اُس وقت عورتیں اس قدر بیمار نہ ہوتی تھیں، جس قدر اب ہوتی ہیں۔ جب زنانے اسپتال تھے نہ لیڈی ڈاکٹر۔ انگریزی دائیاں تھیں نہ شفا خانے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس وقت عورتوں کو علاج میں یہ آسانی نہ تھی جو اب ہے۔ ایک حد تک یہ کہنا درست ہوگا لیکن اس وقت اتنی ضرورت بھی نہ تھی جتنی اب ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اس قدر کام کرتی تھیں، کہ مردوں سے زیادہ اُن کی ورزش ہو جاتی تھی۔ اب یہ بات مفقود ہے۔ مامائیں آجکل کے مقابلہ میں کم تھیں۔ بڑے بڑے رئیسوں اور امیروں کے ہاں دو ایک مامائیں ہوتی تھیں۔ اس وقت کے پچاس آج کل کے ڈھائی تین سو کے برابر تھے۔ لیکن اس پچاس میں بھی ماما کا پتہ نہ ہوتا تھا۔ اور سارا کام گھر والی بیوی کے ذمہ ہوتا تھا جس گھر میں ماما ہوتی بھی تھی وہاں یہ نہ تھا کہ شروع سے آخر اور الف سے یے تک ہر کام ماما کرے، ماما بیوی کو مدد دینے والی تھی ورنہ باورچی خانہ کی تمام دیکھ بھال گھر کی بیوی کرتی تھی۔

رمضان المبارک میں ظہر کی نماز کے بعد دالیں بھگو دی جاتی تھیں تاکہ تین چار گھنٹے اچھی طرح پانی میں رہ کر اِن کی سختی دور ہو جائے۔ اس موقعہ پر شاید بعض عقلمند یہ کہیں کہ بارہ تیرہ گھنٹے تک بھوکا پیاسا رہنے کے بعد دال جیسی ثقیل چیز کھانے سے بیماری نہ ہوگی تو کیا ہوگا مگر اُن کو

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اِن دالوں میں اس قدر مصالحے ڈالے جاتے تھے جو دال کیا پتھر ہضم کر دیں۔

عصر کی نماز سے فراغت پانے کے بعد عورتیں باورچی خانوں میں گھس جاتی تھیں اور غریب سے غریب مسلمان گھر میں بھی روزہ کے افطار کی تیاری ہوتی تھی۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ تھا کہ روزہ کا آخری حصہ جو توڑ کا وقت سمجھا جاتا ہے کام دھندوں میں معلوم بھی نہ ہوتا تھا اور دوسرا یہ کہ افطار کے وقت مختلف چیزیں سامنے ہوتی تھیں دہی بڑے دالیں پھلکیاں قلمی بڑے پتے پالک وغیرہ سب سے پہلے اس افطاری میں ایک حصہ مسجد میں بھیجا جاتا تھا جہاں روزہ دار ساتھ بیٹھ کر روزہ کھولتے تھے اور اس افطاری میں مسجد کے موذن اور امام کا حصہ محلہ ہونے کی وجہ سے فرض کے قریب سمجھا جاتا تھا۔ یہاں ایک لطف اور ہوتا تھا غریبوں کے چھوٹے بچے سات سات آٹھ آٹھ برس کے آکر مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، وہ بھی چونکہ حقدار تھے۔ تھوڑی تھوڑی سی دال اُن کو تقسیم ہوتی تھی اور اُن کا کام یہ تھا کہ دال لیتے ہی وہ چیختے اور چلاتے بھاگیں اور کہیں۔ "روزہ والی روزہ کھولو"

مرد چلتے پھرتے اِدھر اُدھر سے اذان کی گھنٹہ کی آواز سُن سکتے تھے مگر گھر کی بیٹھنے والی غریب عورتوں کو اذان کی خبر کیونکر ہو، اُن کے واسطے یہ طریقہ تھا۔

عید کے موقعہ پر لڑکیوں کی خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ چاندرات والے روز ساری رات جاگ کر کاٹتی تھیں۔ ہاتھوں میں مہندی لگائی تھیں نئی چوڑیاں پہنتی تھیں۔ اچھے اچھے کپڑے اور نئی جوتیوں کی خوشی نیند نہ آنے دیتی تھی صبح اُٹھ کر گھر والی سب سے پہلے پانی گرم کرتی تھی۔ اس کے بعد سویّاں تیار ہوتی تھیں پہلے مرد اور لڑکے نہا دھو کر کپڑے بدل بدلا سویّاں کھا پی عیدگاہ جاتے تھے، اِن کے بعد لڑکیاں اور عورتیں کپڑے بدلتی تھیں۔ مرد عیدگاہ سے فراغت پا کر چوریاں مٹھائی کھلونے وغیرہ لے کر آتے تھے۔ لڑکیاں خوش خوش اپنے کھلونے لیتی تھیں۔ اب اِدھر اُدھر کے حصے آنے شروع ہوتے تھے، اور یہاں سے بھی حصے بھیجے جاتے تھے، ملنے جلنے والوں کا تانتا لگا رہتا تھا اِن آنیوالوں میں برابر کی حیثیت ہی کے اور صرف رشتہ دار اور عزیز ہی نہیں محلہ کے غریب غربا بھی ہوتے تھے بن ماں باپ کے بچے بھی ہوتے تھے۔ جن کو حق ہمسایہ کا جانا اسی طرح حصہ دیا جاتا تھا جس طرح عزیزوں کو۔

موجودہ عیدیں اور روزے سب کے سامنے ہیں اُس وقت مشکل ہی سے کوئی گھر ایسا ہو گا جہاں سے عورتوں کے کلام اللہ پڑھنے کی آواز نہ آتی ہو۔ ایک دو ہر عورت اور ہر لڑکی ضرور پڑھا کرتی تھی۔

سنہ ۱۹۲۰ء

خواتین سلف کا رمضان

اللہ! کیا ہوئیں وہ مُسلمان بیبیاں
تھا جن کے دِل میں تیرے فرائض کا احترام

وہ بیبیاں کہ جن کے دلِ دردمند کو
آتا تھا بن کے مژدۂ راحت مہِ صیام

جُھکتی تھیں چاند دیکھ کے جو تیرے سامنے
رہتا تھا جن کو صرف تری بندگی سے کام

ہوتی تھیں ذوق و شوق سے محوِ صلوٰۃ و صوم
رُو رُو کے تیرے سامنے کرتی تھیں شب تمام

ہوتی تھی جب قریب خوشی روزِ عید کی
ہوتی تھیں خاص طور پر مصروفِ انتظام

اُٹھتی تھیں بے کسوں کی اعانت کے واسطے
بھوکے تلاش کر کے کھلاتی تھیں وہ طعام

رہتی تھی جستجوئے یتیم و اسیر اُنھیں
کرنے کو اپنی مہر و محبت سے شاد کام

دن رات پردے پردے میں بیواؤں کی مدد
درکار اُن کی خیر و خبر صبح ہو کہ شام

درماندہ و غریب و مسافر کے واسطے
موجود حسبِ مقدرت آسائشِ قیام

بگڑے ہوئے نصیب پہ الفت بھری نگاہ
ٹوٹے ہوئے دلوں سے محبت بھرے کلام

اپنی ضرورتیں نہ ہوں پوری تو غم نہیں
دیدیں مگر غریب کو جو کچھ ہوں پاس دام

با ایں ہمہ نمود و نمائش سے احتراز
دروازے پر ہجوم، نہ انبوہ و اژدہام

جلوہ فگن نگاہوں میں ایمان کی ضیا
چہرے خدا کے نور سے مثلِ مہِ تمام

تھیں وجہِ فخر و نازشِ ملت یہ ہستیاں
ہے دینِ حق کو موجبِ صد ناز اُن کا نام

اے کاش اُن کا نقشِ قدم خضرِ راہ ہو
ہوں ہم بھی اُن کی طرح سے اس رہ میں تیز گام

اُم زہرا ہاشمی (بدایونی)

چینی عورتوں کے معاشرتی حقوق

قدامت پسندی اور فرقہ اناث کی ناگفتہ بہ حالت کے لحاظ سے چین اور ہندوستان غالباً برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ آج جاپان کی جنگ نے چینیوں کی آنکھیں کھولدی ہیں اور چینی عورتوں میں آزادی و بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ اب چینی عورتیں ہر کام میں اپنے مردوں کے دوش بدوش اور پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے معاشرتی حقوق و آزادی حاصل کرنے کی جد و جہد میں مصروف کار ہیں۔ ورنہ اس سے پیشتر وہاں کی عورتوں کو اپنے معاشرتی حقوق حاصل نہ تھے اور وہ بالکل ہندوستانی عورتوں کی مانند بے دست و پا تھیں۔ اِن کے لئے ظالم و جابر شوہروں کے ظلم و تعدی سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔ شادی بیاہ کے معاملات میں بھی وہ اپنی مرضی یا پسند کی مجاز نہ تھیں۔ ماں باپ کو اختیار تھا کہ جس سے چاہیں اپنے حسب مرضی اپنی لڑکیوں کی شادی کردیں۔ جن کا فرض تھا کہ خواہ شوہر انہیں کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو یا خیالات و عادات و اطوار میں زمین و آسمان کا کتنا فرق ہی کیوں نہ ہو اپنے کو مجبوراً ان کے رنگ میں رنگ لیں اور ان کی اطاعت پر سر تسلیم خم کرکے۔ انہیں اپنے جیون کا دیوتا مان لیں۔ وہ ہر حیثیت سے شوہروں کی ملکیت مانی جاتی تھیں۔ شوہروں کو اختیار تھا کہ "وہ اِن کی ذرا ذرا سی بات پر ان سے قطع تعلق کرلیں۔ لیکن چینی عورتیں اس کی مجاز نہ تھیں کہ مردوں کے بیجا سوز مظالم پر اُف بھی کرسکیں۔ مگر اب زمانہ پلٹ چکا ہے چینی عورتیں ان بندشوں سے آزادی اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے اب ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں اور انہیں ایک حد تک اس میں کامیابی حاصل ہوگئی ہے۔ ذیل کی مثالوں سے جو ایک انگریزی اخبار سے اخذ کی گئی ہیں یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ پہلے کی چینی عورت کی حیثیت بہ نسبت اب کی عورتوں کے اپنے معاشرتی دائرہ میں کیا تھی۔ چین کی تاریخ میں پہلی دفعہ وہاں کی عورتیں حال میں سرکاری ملازمتوں کے لئے مردوں سے برسر پیکار ہو رہی ہیں۔ چیانگ کانگ میں عورتوں کا ایک وفد میڈم چیانگ کائی شک اور ملک کی دوسری سربرآوردہ خواتین کے پاس یہ درخواست لیکر گیا کہ حکومت سے ان کے حقوق ملازمت کے لئے ایک نئے قانون کا نفاذ کرایا جائے جس میں بالاستثنا شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے حقوق ملازمت محفوظ کرلئے جائیں۔ اس کے علاوہ انھیں اب اپنے معاشرتی حقوق بھی حاصل ہو رہے ہیں۔ یعنی وہ اپنے شوہروں سے ان کے مظالم اور سفاکانہ سلوک پر قانوناً طلاق لے کر اُن سے چھٹکارا پا سکتی ہیں اور شادی بیاہ کے معاملات میں بھی وہ خود مختاری حاصل کرچکی ہیں

اور انھیں انتخاب شوہر کا پورا پورا حق حاصل ہے اور وہ جس سے چاہیں شادی کرسکتی ہیں ورنہ اس سے پیشتر انھیں اس کا حق حاصل نہ تھا چنانچہ سنگاپور کے ایک قانوداں۔ رچرڈ۔سی۔ ایچ لمبن۔ نے وہاں کے ایک کلب میں چینی عورتوں کے معاشرتی حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان کیا کہ اس سے پیشتر چینی حکومت میں کسی نے کبھی یہ نہیں سنا کہ ایک خاندان والوں نے دوسرے خاندان والوں سے رشتہ ازدواج منسلک کیا ہو۔ ایک خاندان والے اسی خاندان کے افراد سے رشتہ ازدواج منسلک کیا کرتے تھے شادی کے بعد بیوی کو اپنے ناموس پاک دامنی اور شرم و حیار کی احتیاط لازمی تھی اور شوہر کو اختیار تھا کہ بیوی کی پاک دامنی اور شرم وحیا کے خلاف کوئی معمولی سی بات بھی دیکھے تو محض اس بنار پر کہ اس نے شوہر کے ناموس کی حفاظت نہ کی اس کو طلاق دے کر علیحدہ کردے۔ رچرڈ نے ایک موقع کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو محض اس بنا پر طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اپنی خوابگاہ میں پوری طرح ستر پوش نہیں دیکھا۔ دوران بیان میں صاحب موصوف نے چینی عورتوں کی معاشرتی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ وہ زندگی بڑی مصیبت سے گزارا کرتی تھیں ان کی ساری عمریں مردوں کے مظالم سہتے اور ان کی خوشامد میں بسر ہوتی تھی اور وہ اپنی گزر اوقات اور مردوں کی رضامندی کے لئے بڑی مصیبتیں جھیلتی تھیں مگر اب زمانہ پلٹ گیا ہے اور چینی عورتیں ان بندشوں سے آزاد ہوگئی ہیں۔ چینی حکومت میں اس سے پیشتر انھیں یہ حقوق حاصل نہ تھے۔ اب وہاں کے لوگوں کی معاشرتی زندگی بالکل بدل گئی ہے۔ چینی مردوں نے اپنی عورتوں کے حقوق کو جائز تسلیم کرلیا ہے اور وہ اب اس راز سے واقف ہوگئے ہیں کہ معاشرتی حالات کی اصلاح ہی بام ترقی کا زینہ ہے۔ اب چینی مرد اپنی معاشرتی زندگی کی اصلاح کرکے اس کو اوج ترقی پر پہونچانے کی سعی کر رہے ہیں۔ تاکہ جلد از جلد وہ بھی متمدن ممالک کے پہلو بہ پہلو نظر آئیں کیونکہ انھوں نے اب یہ بخوبی محسوس کرلیا ہے کہ بقائے حیات کا راز معاشرتی اصلاح میں مضمر ہے اور وہی قوم معراج ترقی پر پہونچ سکتی ہے جس کا نظام معاشرت آئین قدرت کے مطابق مساویانہ ہو۔

ب ان۔ آنسہ ابراہیم مدراس

بیماریوں کی پہچان

ٹائی فائیڈ۔ ڈفتیریا سیپٹک فیور وغیرہ جیسے سخت امراض اگر شروع ہی میں پہچان لئے جائیں تو ان کی روک تھام بہت آسانی سے ہوسکتی ہے اور ان کے مہلک ثابت ہونے کا خطرہ کم ہوجاتا ہے اس لئے مرض کی علامت کی پہچان ہونی بہت ضروری ہے۔

مشکل یہ ہے کہ تمام سخت امراض مثلاً ٹائی فائیڈ۔ ڈفتیریا اپنڈی سائٹس ٹائیس میڈیا۔ وغیرہ کا ابتدائی درجہ معمولی بیماری مثلاً۔ موسمی بخار۔ خراش پیٹ کے درد یا کان کے درد سے مشابہ ہوتا ہے اور مریض اور تیمار دار اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ معمولی شکایت ہے اور مرض جڑ پکڑتا جاتا ہے۔

ذرا سی بیماری پر گھبراہٹ بے شک بُری بات ہے لیکن بے جا غفلت سخت خطرناک ثابت ہوتی ہے اس لئے جب کوئی گھر میں بیمار پڑے تو مرض کی علامات بہت ہوشیاری سے دیکھتے رہنا چاہئے۔ کھانسی اور بخار یہ دو بہت عام شکایتیں ہیں۔ لیکن یہی دق ٹائی فائیڈ نمونیا جیسے امراض کا پیش خیمہ ہوسکتی ہیں۔ بخار اگر موسمی ہے تو تین چار یا زیادہ سے زیادہ آٹھ دن میں اُتر جانا چاہئے۔ اگر ایک ہفتہ تک بخار مسلسل قائم ہے۔ تو غالباً موسمی نہیں اس کے ساتھ کی دوسری علامات پر غور کرنا چاہئے۔ اگر مریض بچہ ہے تو ممکن ہے خسرہ یا چیچک نکلنے والی ہو اگر اسکے ساتھ زکام بہت شدید ہے تو سائینس انفکیشن یا ٹائیس میڈیا کا ڈر ہے سائینس انفکیشن زکام کا پک کر بگڑ جانے کو کہتے ہیں جو بہت خطرناک ثابت ہوسکتا ہے اور ناک کے بالنسہ پر زخم ہوجاتا ہے اور اپریشن کرانا پڑتا ہے ٹائیس میڈیا کان کے پردے میں زخم ہوجانے کا نام ہے اور زکام کے بگڑ جانے سے یہ شکایت ہوجاتی ہے کان کا معمولی درد بھی یہ صورت اختیار کرلیتا ہے بخار اگر معمولی انفلوئنزا یا موسمی بخار نہیں ہے تو ٹائی فائڈ ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے۔ آٹھویں یا زیادہ سے زیادہ دسویں دن خون کی جانچ کرانی چاہئے۔ اس کے بعد ٹائی فائڈ کے جراثیم کا پتہ لگانا مشکل ہے اگر سائینس انفکیشن یا ٹائیس میڈیا کے درجہ سے بخار آرہا ہو تو سخت قسم کا زکام یا کان میں درد موجود ہوگا اس صورت میں فوراً کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے۔ ورنہ یہ مرض بہت خطرناک صورت اختیار کرسکتا ہے۔

بخار اگر ہفتوں نہ اُترے اور خون کی جانچ سے ٹائی فائیڈ یا ملیریا کے جرثوم نہ ملیں تو کسی اندرونی شکایت کا شبہ کرنا چاہئے۔ بہت سی نسوانی بیماریاں جب بہت ہی پرانی ہوجاتی ہیں۔ ان کی وجہ سے مریضہ کو حرارت رہنے لگتی ہے آنتوں کا زخم جگر کی خرابی گردہ یا پتھری کی وجہ سے ہلکا مسلسل بخار رہنے لگتا ہے۔ اس لئے مسلسل بخار کو ہرگز معمولی

چیز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ دق جیسے موذی مرض کا پیش خیمہ بھی یہی روزانہ حرارت کا رہنا ہے۔ دق کے ابتدائی درجہ میں بخار صرف شام کو آتا ہے اور کھانسی بہت عرصہ تک ممکن ہے کہ شروع نہ ہو۔

گلے کی معمولی خراش ڈفتھیریا جیسے خطرناک مرض کی ابتدا ہو سکتی ہے اگر خراش اس قدر زیادہ ہو کہ مریض کو بات کرنے اور نگلنے میں سخت تکلیف ہو تو ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اس کی پہلی علامت گلے کے اندر سفید بلکہ گہرے رنگ کی چتیاں پڑنا ہے۔ ان کی روک تھام تب ہی ہو سکتی ہے کہ فوراً اینٹی ڈفتھریک سیرم دے دیا جائے جب خراش خراب صورت اختیار کرے تو فوراً تھوک کی جانچ کروانی چاہیئے۔

پیٹ کے درد جیسی معمولی اور عام شکایت اپینڈکس جیسے خطرناک مرض کی علامت ہے اگر پیٹ میں کئی روز تک مسلسل درد رہے۔ تو مریض کی دائیں پسلی کے نیچے دبا کر دیکھنا چاہیئے۔ اگر اپینڈکس ہوگا تو مریض چلا اُٹھے گا لیکن بعض اوقات بہت ہلکا درد بھی اپینڈکس کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ لیکن اس صورت میں عموماً مریض کئی دفعہ پیشتر بھی اس جگہ درد کی شکایت کرتا ہے۔ اسے کرانک اپینڈکس کہتے ہیں اور وہ گینگ گرینس اپینڈکس کے برابر خطرناک نہیں ہوتا گینگ گرینس اپینڈکس پک جاتا ہے۔ اور اگر بروقت اپریشن نہ ہو تو پھٹ جاتا ہے۔ جسکے بعد پیری ٹونائٹس شروع ہو جاتا اور جان کا بچنا مشکل ہو جاتا ہے سخت اور مسلسل پیٹ کے درد سے ہرگز غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ نہ بار بار پسلی کے حلقے کے ہلکے درد کو معمولی سمجھنا چاہیئے۔ اگر اپینڈکس کرانک ہے تو اس کا نکلوا دینا عام صحت پر اثر ڈالتا ہے اور چنداں خطرناک نہیں ہر ایک اپریشن کے بعد چند خطرات ہیں اپینڈکس یا پیٹ کے کسی اپریشن کے چند دن بعد اگر مریض کو بخار آنے لگے تو اس سے چند باتوں کا احتمال کیا جا سکتا ہے ایک تو یہ کہ شاید اندر کے ٹانکے ٹھیک نہیں لگائے گئے۔ یا کہ خدانخواستہ کوئی پھاہا پیٹ کے اندر رہ گیا یا یہ کہ مریض کو تھرامبوسی ہونے والا ہے۔ بہر حال اپریشن کے بعد بخار آنے سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے اور ایسے معمولی تھکان ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے۔ اپریشن کا اگرچہ اعصاب پر بہت اثر پڑتا ہے لیکن اس کی وجہ سے بخار کبھی نہیں آتا۔ بخار آنے کی وجہ ہمیشہ انفکیشن ہے۔ اپریشن کے بخار عموماً ٹانکوں کے پوری طرح نہ سوکھنے سے آتا ہے۔ یہ وجہ چنداں خطرناک نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہی وجہ ہے یا کچھ اور بھی ہے۔ اگر ٹانکے کا بخار ہے تو بہت تیز نہیں ہوگا اور جلد اتر جائے گا۔ اگر تھرامبوس ہونے والا ہے تو پاؤں میں سخت درد ہوگا۔

تھرامبوس اپریشن اور زچگی کے بعد کی عام شکایت ہے۔ فاسد خون رگوں میں جم جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا دوران رک جاتا ہے اور سخت درد اور تکلیف ہوتی ہے۔ بخار ۱۰۳-۱۰۴ ہو جاتا ہے۔ عموماً خون پاؤں کی رگوں میں جم جاتا ہے لیکن ہاتھ کمر سے ہر جگہ رُک سکتا ہے اور اگر دل یا پھیپھڑے میں جمے تو عموماً مہلک ثابت ہوتا اس کا بہترین علاج خاموش اور ساکت پڑا رہنا اور جسم کا جو حصہ ماؤف ہے اسکو جنبش نہ دینا چاہیئے یہ مرض بہت طویل ہے

اور مہینوں میں جاکر اچھا ہوتا ہے لیکن دو تین دن بعد خطرہ نہیں رہتا۔ سخت کھانسی بخار کے ساتھ نمونیہ کی علامت ہے۔ یہاں بھی فوراً تدارک ضروری ہے۔ بعض علامتیں ہیں جو خطرناک یا مہلک امراض کا پیش خیمہ ہیں اور اس بات کا اعلان ہیں کہ صحت خراب ہو چکی ہے اور ان کی غفلت مریض کی زندگی کی طرف سے مایوسی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر ان کی طرف فوراً توجہ کی جائے تو صحت پر کوئی دائمی بُرا اثر نہیں ہونے پاتا۔

عموماً چالیس برس کے بعد ہندوستانی مرد اور عورت معدہ کی کمزوری کی شکایت میں مبتلا پائے جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس سے بھی کم عمری میں ضعف معدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ شکایت سچ مچ تمام بیماریوں کی جڑ ہے ضعف معدہ ہوتا کیوں ہے؟ ہمارے کھانوں سے جو کہ بیحد مرغن اور مصالحہ دار ہوتے ہیں اور ہماری کاہلی سے کیونکہ ہمیں ورزش اور محنت سے نفرت ہے۔ یہ دونوں وجوہ ہیں ضعف معدہ کی پہلی علامات بدہضمی کا بار بار ہونا ہے۔ بھوک کی کمی۔ طبیعت کی گرانی۔ میٹھی ڈکاریں اور آگے چل کر چکر آنکھوں تلے اندھیرا آنا بلکہ غشی اور اختلاج تک اس بات کی علامات ہیں کہ ہاضمہ اپنا کام نہیں کر رہا اور پیٹ میں تیزابی مادّہ پیدا ہو رہا ہے۔

جہاں علامتیں ظاہر ہوں بجائے چورن۔ سوڈا منٹ کی گولیاں اور ایسی دوائیں کھانے کے جو ہاضم ہوں اُن اسباب کو دور کرنا چاہئے جن کی وجہ سے ہاضمہ کمزور ہو رہا ہے ورنہ دوائیں شروع شروع میں فائدہ کریں گی لیکن معدہ بتدریج خراب ہوتا جائے گا۔ یہانتک کہ دوائیں اثر کرنے سے قاصر ہو جائیں گی۔

جب ضعف معدہ کی علامت پہلے پہل ظاہر ہوں تو کرنا یہ چاہئے کہ جلاب لیا جائے۔ معمولی ہلکا نہیں کافی سخت قسم کا۔ اگر اس کی سہار ہو سکے تو تین دن تک مسلسل ورنہ ایک دن بعد کر کے تین دفعہ جلاب کے دنوں میں بار بار بہت پتلا ہلکا کر بہت سا پیا جائے۔ گرم دودھ اور بہت سی چائے کے سوا اور کچھ نہ کھایا جائے۔ اس کے بعد ہفتہ یا دس دن تک بہت ہی ہلکی غذا کھائی جائے جس میں گھی اور مصالحہ بہت ہی کم ہو بلکہ نہ ہو تو اور بھی اچھا ہے۔ اس کے بعد بھی ہمیشہ سادہ اور ہلکی غذا کا معمول رکھا جائے۔ اگر مرض بالکل ہی ابتدائی درجہ میں ہے تو تین دن کا جلاب اور اس کے بعد ہفتہ پندرہ دن کے پرہیز سے طبیعت بالکل درست ہو جائے گی۔ لیکن اگر مرض زیادہ پُرانا ہے تو اس سے زیادہ دیر لگے گی۔ طبیعت ہلکی درست ہو جانے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ سخت پرہیز کیا جائے لیکن کھانے میں اعتدال کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مرغن اور مصالحہ دار کھانے کھائے لیکن دن میں ایک دفعہ اور تھوڑا کم یہ نہیں کہ ناشتہ ہو پراٹھے اور تلے ہوئے انڈوں کا اور دن کا کھانا ہو قورمہ اور بھنے گوشت اور روٹی کا اور رات کو بونٹ پلاؤ کھایا جائے۔ اور سہ پہر کو کچوریاں اور مٹھائی پچیس برس کے بعد کوئی معدہ اس قسم کی غذا برداشت نہیں کر سکتا۔

بیماری کی علامات سُرخ جھنڈے کی طرح خطرے کا اعلان کرتی ہیں ان کو دیکھ کر جس رفتار سے جسم کی مشین کو ہم چلا رہے ہیں اگر نہیں روکتے تو نتیجہ خوفناک حادثہ ہوتا ہے۔

شائستہ اختر سہروردی بی اے

ہمارا گھر

اگر آپ کے گھر میں ہر وقت شور و غل مچا رہتا ہو تو اس کو دور کرنے کی سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ کاغذ اور پنسل لیجئے اور حال ہی میں جو باتیں بدامنی اور گھبراہٹ پھیلانے کا باعث ہوئی ہوں لکھ لیجئے۔ پھر اس بات کی کھوج لگائیے کہ یہ کیوں ہوئیں اور اُن کو دوبارہ ہونے سے کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ کیا گھر چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہے؟ یا اس کا نقشہ ایسا ہے کہ گھر والوں کو پورا آرام نہیں ملتا؟ یا آپ کے کام کرنے کے طریقے میں کچھ خرابی ہے؟ کیا گھر والوں میں ل جل کر رہنے کا مادہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ شور مچا رہتا ہے؟ کیا بے ڈھنگے خرچوں کی وجہ سے یہ بدامنی پھیلتی ہے؟ یا کچھ اور حل نہ ہونیوالی مشکلات ہیں جن کی وجہ سے گھر گھر نہیں معلوم ہوتا؟

اگر یہ آخری وجہ ہے تو آپ کو گھر یا گھر والوں کے متعلق یا خود اپنے متعلق اپنا نقطۂ نظر بدل دینا پڑیگا۔

گھر کی فضا خوشگوار بنانے میں سب سے زیادہ حصّہ گھر والی کا ہوتا ہے اگر ملاقاتیوں کی زیادتی اور گھر کے باہر بہت ساری دلچسپیاں ہونے کی وجہ سے آپ گھر کے کاموں پر زیادہ توجہ نہیں کر سکتیں تو بہتر ہے کہ ان کو ذرا کم کر دیجئے۔ اگر سوائے گھر کے کام کے آپ کو کچھ اور شغل نہیں اور آپ کو ہر وقت گھر کی اور بچوں کی فکر ہی لگی رہتی ہے اور کوئی شغل پیدا کرنا اتنا ہی ضروری ہے اگر آپ یہ محسوس کرتی ہیں کہ آپ کے گھر والے بہت چڑچڑے ہیں اور ہر چیز میں نقص نکالتے ہیں تو ان کی اس بدتمیزی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے اپنے واقفوں میں سے چند ایسے گھرانوں کے رہنے سہنے کے طریقوں کو غور سے دیکھئے جہاں ہر وقت امن رہتا ہو۔ اس طرح آپ کو اپنے ہاں کے نقص دور کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

گھر آخر کس کو کہتے ہیں؟ گھر بنانے میں کن کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے؟ اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ گھر کے نام کے ساتھ ہی ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ایسی جگہ کا نقشہ پھر جاتا ہے جہاں ہر قسم کی راحت اور خوشی میسر آتی ہے۔ گھر اسے کہتے ہیں جہاں تھکا ماندہ انسان آکر راحت محسوس کرے اور جہاں ہمیشہ واپس جانے کو جی چاہے۔

وہ کون سی ایسی خوبیاں ہیں جو ان گھروں کو دوسرے گھروں کے مقابلے میں خصوصیت بخشتی ہیں؟ نہ ان کی کشادگی اور نہ دولت کی فراوانی اور نہ سادگی اور صفائی ایسی خصوصیت ہیں جن کی وجہ سے چند خاص خاص گھر ہم کو پسند آتے ہیں۔ اس کا تعلق تو روح سے ہے چند بالکل معمولی اصول ہیں جن پر عمل کرنے سے گھر کی چاردیواری کے اندر ہم اپنے لئے جنت بنا سکتے ہیں۔

مثلاً باورچی خانے میں تیز چاقو چھریوں کا ہونا کڑھائی دیگچیاں اور ان کے ڈھکنے ہمیشہ اپنی مقررہ جگہ پر رکھے رہیں۔ تاکہ ان کو ڈھونڈھنے میں وقت ضائع نہ ہو۔ اور وقت پر کھانا ملنے میں دقت نہ ہو۔ رات دن روشنی کا ٹھیک انتظام رہنا نہایت ضروری ہے اور دوسری ضروریات کی چیزیں باورچی خانے کی الماری میں قرینے سے رکھی رہنی چاہئیں۔ باورچی خانے کے فرش اور دیواروں کی صفائی کا بھی ٹھیک انتظام ہونا چاہیئے۔ یہ صرف چند باتیں ہیں جن کا کھانا پکانے میں خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

گھر جو آپ کو گھڑی گھڑی کھینچ بلائے اس میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اول یہ کہ آرام دہ ہو۔ دوسرے یہ کہ شور و غل زیادہ نہ ہو اور سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر طرف خوشی ہی خوشی دکھائی دے۔ یہ بھی معیوب بات ہے کہ گھر خوبصورت تو ہو۔ مگر وہاں کی ہر ایک چیز اتنی نازک اور بڑھیا ہو کہ ہاتھ لگاتے ڈر لگے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بڑھیا اور خوبصورت چیزیں گھر میں دکھائی نہ دیں۔ ان کا رہنا بھی ضروری ہے۔ اور ان کا کام صرف اتنا ہو کہ وہ خوبصورت دکھائی دیں۔ اس کے علاوہ گھر کا فرنیچر اور سامان ایسا چننا چاہیئے کہ بغیر کسی کھٹکے کے روزمرہ کے استعمال میں آسکے۔ نہ ایسے کمرے ہونے چاہئیں جو صرف دکھاوے کے لئے ہوں۔ نہ ایسے قالین اور دریاں ہوں جن کا رنگ دھوپ سے اڑ جانے کا ڈر ہو۔ نہ ایسے صوفے اور کرسیاں رہنی چاہئیں جن پر بیٹھنے سے ان کا روغن یا کپڑا خراب ہونے کا ڈر ہو۔ نہ اتنے بڑھیا فرش اور قالین جن پر قدم رکھنا بھی گناہ عظیم سمجھا جائے۔

اگر گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں تو اور بھی اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ چیزیں اتنی نازک نہ ہوں کہ وہ جب کبھی انہیں ہاتھ لگائیں ان کو ٹوکنا پڑے کوئی یہ نہیں چاہتا کہ گھر کی اچھی چیزیں خراب ہوں۔ بھلائی اس میں ہے کہ روزمرہ کے استعمال کے لئے ایسی چیزیں خریدی جائیں جن کے ٹوٹنے سے زیادہ نقصان نہ ہو۔

دوسری بات جس کا گھر کو آرام دہ بنانے میں خیال رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ گھر کے ہر ایک آدمی کو اس بات کی آزادی ہو کہ وہ اطمینان سے جو چاہے کر سکے اگر گھر میں اتنی جگہ نہیں کہ ہر ایک کو الگ کمرہ مل سکے۔ تو یہ ہو سکتا ہے کہ دو کو ایک کمرہ دیا جائے اور وہ ایک دوسرے کا صرف اتنا خیال رکھیں کہ ایک جب چاہے پڑھے لکھے سیئے پروئے یا سوئے۔ دوسرا اس کی ہر ایک بات میں بیجا دخل نہ دے۔

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ کمروں کو اگر دوبارہ دوسری طرح سے سجایا جائے تو ان میں پہلے سے زیادہ گنجائش نکل آتی ہے۔ گھر کا ٹوٹا ہوا سامان اگر بیچ دیا جائے اور پھینک دیا جائے تو سامان کی کوٹھری بھی ایسے گھروں کے لئے کارآمد بن سکتی ہے جہاں لوگ زیادہ ہوں اور جگہ کم۔

گھر میں کچھ ہو یا نہ ہو لیکن ایسی ایک نہیں بلکہ بہت سی جگہیں ہونی چاہئیں جہاں کہ آرام سے اور اطمینان سے بیٹھ کر پڑھ سکیں۔

پڑھنے کے لئے روشنی کا ٹھیک انتظام اور ردّی کی ٹوکریاں ایش ٹرے اور ہر ایک کمرے میں رکھی جائیں اور بیٹھنے کا انتظام آرام دہ ہونا چاہئے۔ یہ معمولی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے بعض گھروں میں اس قدر خاموشی اور راحت دکھائی دیتی ہے۔ گھر میں بعض ایسے کمرے بھی ہوتے ہیں جن سے سب لوگ بے رخی برتتے ہیں جن میں باوجود ہر قسم کا سامان ہونے کے کوئی بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ اگر اس کمرے میں تخت کی جگہ تبدیل کر دی جائے کرسیاں ذرا سرکا کر ادھر ادھر کر دی جائیں اور دو تین گاؤ تکئے زیادہ کر دیئے جائیں تو اسی میں لوگ شوق سے بیٹھنے لگیں گے۔

معمولی معمولی باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اول روشنی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ گہرے رنگوں کے موٹے پردے اکثر اوقات گھر والوں کو گھر سے نفرت دلا دیتے ہیں۔ اگر کمروں میں ہوا اور روشنی کافی مقدار میں نہ آتی ہو اور اس کے ساتھ ہی ایک قسم کی خوشبو یا بدبو بس جائے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسے کمروں سے سب کو نفرت ہوگی۔ بہت سے لوگوں کو ایسے کمرے پسند ہوتے ہیں جن کی کھڑکیاں ہر وقت کھلی رہیں اور کمرے روشن اور صاف ہوں۔

وہ گھر جن میں ہمیشہ امن رہتا ہے ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہاں ایک دوسرے کے آرام کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جب گھر والے یہ دیکھتے ہیں کہ بچے خوشی خوشی بیٹھے کھیل رہے ہیں تو ان کو کام بتا بتا کر ستاتے نہیں۔ حالانکہ گھر کا ہر ایک بچہ گھر کے رکھ رکھاؤ میں مدد دیتا ہے مگر ہر ایک کام کا وقت مقرر ہوتا ہے یہ نہیں کہ جب گھر کا مرد آرام سے اخبار پڑھتا ہو تو اسے کچھ کام بتاتے ہیں یا بچوں کی شکایتیں اس سے کرتے ہیں۔

اِن سب باتوں کا آپ اپنے گھر سے مقابلہ کیجئے۔ اگر یہ سب آرام آپ کو میسّر ہیں تو آپ سے زیادہ خوش قسمت کون ہو سکتا ہے! اور اگر نہیں تو گھر میں تبدیلیاں کرنا بھی آپ ہی کا کام ہے۔

گھر بنانے میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ان میں سے کچھ گھر کے رکھ رکھاؤ سے تعلق رکھتی ہیں اور کچھ گھر کی فضا سے۔ ان دونوں کے ٹھیک توازن سے ایسا گھر بنتا ہے جہاں ہمیشہ جانے کو جی چاہے۔

(ماخوذ) معتصمۃ الرحمٰن

(بقیہ صفحہ ۲۰۴ کا) ابھی تک اس سے پورے طور سے واقف نہیں ہیں۔ یہ نہ صرف تخیل، قوت مشاہدہ اور قوت فیصلہ کو قوی کرتا ہے بلکہ یہ کیرکٹر کو نہایت مفید طریقہ سے تقویت پہنچاتا ہے۔ انصاف، ایمانداری اور دوسروں کی عزت کرنا بچہ کھیل ہی میں سیکھتا ہے۔

اسکے علاوہ کھیل کے جسمانی یا ذہنی فوائد کا ذکر کرنا ہی فضول ہے کوئی شخص ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ بچہ کو کھیل کا پورا موقعہ بغیر کسی غیر ضروری روک تھام کے دیا جائے۔

ساجد حسن قادری ایم۔ اے

بچّوں کے لئے کھیل کی اہمیّت

کھیل بچے کی زندگی ہے ایسی زندگی جس سے وہ نہایت خوش ہوتا ہے یہ ایک حقیقت ہے جو غالبًا اس بیان پر ختم ہوجاتی لیکن "بڑوں" کا شوق تحقیق بھی عجیب چیز ہے چنانچہ فلسفیوں اور علم نفسیات کے ماہروں وغیرہ نے اس معاملہ میں بھی انتہائی تحقیق وتدقیق کی ہے اور یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ بچے کیوں کھیلتے ہیں اور اس مسئلہ پر کتنی روشنی ڈالی جاسکتی ہے کھیل بچوں کی خصوصیت ہے اور کام بڑوں کی۔ ایک ماہر نفسیات کے خیال میں" کام وہ کوشش ہے جس سے فائدہ مند چیزیں حاصل ہوں" اور ایک دوسرے ماہر کا نظریہ ہے کہ "کھیل ایک طاقتور تحریک طبعی ہے"۔ لفظ کھیل کا اطلاق ان حرکات پر ہوتا ہے جو از خود وفوری ہوں اور جو محض تفریح ہی کے خیال سے کی جائیں۔

اکثر اوقات جب بچے کسی ایسے کھیل میں مصروف ہوتے ہیں جنھیں ان کے بزرگ پسند نہیں کرتے تو ان سے وہ کھیل چھوڑ کر دوسرے کھیل کھیلنے کو کہا جاتا ہے۔ والدین یہ نہیں سمجھتے کہ بچے وہ کھیل کیوں کھیلتے ہیں اور بچوں سے اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں بچے اس سوال کو محض حماقت اور فضول سمجھتے ہیں۔ بچہ کوئی کھیل اس وجہ سے کھیلتا ہے کہ اس کا جی چاہتا ہے اور از خود وہ کھیل اس کے ذہن میں آتا ہے۔

ایک انگریز فلسفی کا خیال ہے کہ کھیل فاضل قوت کے اخراج کا ذریعہ ہے اور اس کا سبب یہ بیان کرتا ہے کہ چونکہ بچے کی تمام ضروریات اس کے والدین پوری کرتے ہیں اس لئے اس کے پاس فاضل قوت اس قدر ہوتی ہے کہ اسے ایک مخرج کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہر حال فاضل قوت ہو یا نہ ہو بچہ "کھلاڑی جیوان" ہے اور یہ اس کی فطرت کا ایک جزو ہے۔

کھیل بعض مخصوص صورتیں اختیار کر لیتا ہے جو بظاہر بے کار اور بے مقصد معلوم ہوتی ہیں لیکن دراصل ان کی تہ میں ایک خاص مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔ بعض بچے خصوصًا لڑکے بیہودہ اور سخت کھیل کھیلنے سے تفریح حاصل کرتے ہیں ان سے اکثر ایسے ظلم اور تشدد کا اظہار بھی ہوتا ہے جو اس عمر میں تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ بعض ایسے بچے ہوتے ہیں جو خاموش کھیل زیادہ پسند کرتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ رحم دل ہوتے ہیں۔ یہ میلانات گو طبعی ہوتے ہیں لیکن بڑی حد تک بچوں کے کیریکٹر اور ان کے ماحول کا پتا دیتے ہیں۔ خاموش اور صابر بچہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے گھر کا ماحول اچھا ہے۔ جہاں خوشی۔ محبت اور رحم دلی پائی جاتی ہے اور جہاں سخت الفاظ نہیں سُنے جاتے برخلاف اس کے سنگ دل اور ضدی لڑکا ظاہر کرتا ہے کہ اس کی خانگی زندگی اچھی نہیں ہے۔ اس کے بڑے اسے ستاتے ہونگے اسی وجہ سے وہ کھیل میں اپنے سے چھوٹوں اور کمزوروں کو پریشان کرتا ہے اسی طرح اس کے دوسرے پوشیدہ عیب بھی کھیل میں ظاہر ہوجاتے ہیں۔

کھیل کا انحصار رجحانات طبعی پر ہوتا ہے اور عام طور پر تمام کھیل انسان کو آئندہ زندگی کی مشکلات کے لئے تیار کرتے ہیں۔ بہت سی عمدہ عادتیں اور خصلتیں کھیل کے ذریعہ انسان میں پختہ ہو جاتی ہیں مثلاً ہمت، ذاتی اعتماد، صبر استقلال، انسانی ہمدردی وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور تین سال کی درمیانی عمر میں بچہ کے لئے خاص کھیل وہ ہوتے ہیں جو احساسات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر وہ شئے جو اس کے احساسات کو برانگیختہ کرے۔ بچہ کھیلنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ چار اور سات سال کے درمیان بچہ کی حرکات زیادہ پختہ ہو جاتی ہیں۔ قوت خیالی زیادہ قوی اور متخیل ہو جاتی ہیں۔ اور ساتھیوں سے زیادہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ کھلونے اُس کی توجہ مبذول کرتے ہیں اور ان کا استعمال بچہ کی جسمانی ترقی کا اظہار کرتا ہے۔ لہذا والدین کو ایسے کھلونے استعمال کروانا چاہئیں جو واقفیت اور علم بڑھانے والے ہوں۔ محض تفریح کی غرض سے نہوں۔

آٹھ اور بارہ سال کے درمیان کا زمانہ بچے کے لئے انقلاب کا اور سدھرنے کا زمانہ ہوتا ہے لڑکے کی ترقی کم لیکن قوت بڑھتی جاتی ہے عملی اعتبار سے لڑکے کے لئے یہ زمانہ نہایت اہم ہوتا ہے ان دنوں میں اور زمانوں کی نسبت اسے کھیلنے کا زیادہ موقع دینا چاہئے۔ شوق اور تخیل دونوں بڑھتے ہیں اور دونوں کی نہایت ہوشیاری اور نرمی سے نگہداشت کی ضرورت ہے۔ عام طور سے بچوں سے کہا جاتا ہے کہ فلاں کھیل کھیلو اور فلاں مت کھیلو لیکن یہ نہایت غلط طریقہ ہے۔ کھیل کا انتخاب ہمیشہ لڑکوں پر چھوڑ دینا چاہئے وہ ہمیشہ اپنی طبیعت اور مزاج کے موافق پسند کرینگے ان کے لئے کھیل کا انتخاب دوسروں کے مشورہ سے کرنا نہایت حماقت ہے۔ اس زمانے میں وہ نہایت مستعد اور شائق ہوتے ہیں لہذا انہیں اپنی حرکات کے لئے پورا موقعہ دینا چاہئے۔

آغاز شباب اور دماغی، جسمانی اور نفسانی ترقی کے ساتھ دوسری خواہشات اور دلچسپیاں پیدا ہوتی ہیں صرف میدان کے کھیل کود اس زمانے میں نہایت ضروری نہیں سمجھے جاتے۔ بچپن میں لڑکیاں لڑکوں کے کھیل میں اور لڑکے لڑکیوں کے کھیل میں زیادہ حصہ نہیں لیتے تھے لیکن اس زمانے میں ایک دوسرے سے دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

غرض کھیل بچوں کے لئے ازبس ضروری ہے انکی جسمانی، دماغی، اخلاقی، اور مذہبی ترقی کا انحصار بڑی حد تک کھیل پر ہے۔ کھیل کے بغیر جو بچپن کا اسکول ہے باقاعدہ تعلیم بالکل بیکار ہے۔ ایک بچوں کی نفسیات کے ماہر کا خیال ہے کہ بچہ کھیل کے شروع تین چار سال میں اتنا سیکھ لیتا ہے۔ جتنا وہ تمام یونیورسٹی کی تعلیم میں بھی نہیں سیکھتا خوش قسمتی سے وہ وقت گزر گیا جب بزرگ تعلیم کو بیکار تصور کرتے تھے۔ برخلاف اس کے اب وہ لڑکا غیر فطری سمجھا جاتا ہے جو کھیل نہیں کھیلتا۔

بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ کھیل بہت سی عادتوں اور طبعی رجحانات کو ترقی دیتا ہے۔ اور انسان کو آئندہ زندگی کے لئے تیار کرتا ہے۔ کھیل تعلیم میں جس قدر اضافہ کرتا ہے والدین اور استاد (بقیہ صفحہ ۱۲۰ پر)

افسانہ نگاری

کہانیاں سُننے اور سُنانے کا شوق دنیا کے ہر ملک میں ہر زمانہ میں رہا ہے۔ پرانے زمانے میں جب لوگ ریڈیو اور کلب وغیرہ کے مشغلوں سے ناواقف تھے۔ تو داستان گوئی اُن کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔ سرِ شام کھانے سے فراغت پاتے ہی کہانیاں سننے کے لئے بچوں کا اصرار شروع ہوجاتا۔ اور دادی اماں "ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک بادشاہ تھا...... کا سلسلہ شروع کر دیتیں۔ جس کے سننے میں نہ صرف بچے، بلکہ تمام افرادِ خاندان دلچسپی سے حصہ لیتے، شام اسی مشغلہ میں ختم ہوتی، چھوٹی لڑکیوں کو رات بھر، چمکتے ہوئے تاج پہنے، خوبصورت پروں والی پریاں دکھائی دیتیں۔ اور لڑکوں کو خواب میں زرہ بکتر پہنے بہادر جنگجو نظر آتے، رفتہ رفتہ پڑھنے لکھنے کے شوق نے ترقی کی اور چھاپے خانہ کی ایجاد نے کتابیں شائع کرنے کی سہولت پیدا کر دی۔ تو لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار قلم کے ذریعہ شروع کیا۔ لیکن موجودہ افسانہ نگاری کی ابتدا انیسویں صدی میں ہی ہوئی گو اس سے پہلے بھی افسانے لکھے جاتے تھے۔ لیکن وہ صحیح معنوں میں افسانے کہلانے کے مستحق نہیں۔

مختصر افسانے، موجودہ نثر نگاری میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور اس کی وجہ ہے کہ اس بڑھتی ہوئی مصروفیتوں کے زمانہ میں لوگ لمبے لمبے ناولوں کے پڑھنے کے لئے وقت نہیں نکال سکتے، البتہ ایک آدھ افسانہ ہر شخص آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہر ملک میں، ہر زبان میں، رسالوں کی تعداد ترقی کر رہی ہے۔ افسانہ کے متعلق یہ سمجھ لینا۔ کہ مختصر ناول ہے۔ یا کسی ناول کا خلاصہ ہے سخت غلطی ہے۔ ناول اور افسانہ دو جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ گو یہ درست ہے کہ مختصر نویسی افسانہ کی بہترین خوبی ہے۔ لیکن دنیا کے بعض بہترین افسانے مثلاً چیخوف کے افسانے، کئی کئی سو صفحوں پر مشتمل ہیں۔

ناول میں ناول نویس کو تمام واقعات وضاحت کے ساتھ بتانے پڑتے ہیں۔ لیکن افسانہ اُس گلاب کی جھاڑی سے مشابہ ہے جسے خوبصورت بنانے کی خاطر بے ضرورت شاخیں چھانٹ دی گئیں ہوں، افسانہ نگار صرف اشد ضروری باتیں ہی سپردِ قلم کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ افسانہ اور ناول کو ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ دونوں کا تجزیہ پلاٹ، واقعات، کردار اور مکالمہ پر مشتمل ہے۔ لیکن ناول میں لاتعداد کردار ہوتے ہیں، ایک سے زیادہ واقعات بیان کئے جاتے ہیں، ایک لمبے چوڑے زمانہ کا ذکر ہوتا ہے، غیر ضروری باتیں لکھنے سے گریز نہیں کیا جاتا الغرض ہیرو اور ہیروئن کی زندگی کے ادنیٰ و اعلیٰ واقعات کا چربہ اُتار کر دکھایا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے ایک کامیاب افسانہ میں ایک ہی واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ کردار

تھوڑے ہوتے ہیں۔ ایک مختصر زمانہ کا ذکر ہوتا ہے غیر ضروری باتوں کا افسانہ کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور بجائے ہیرو ہیروئن کے زندگی بھر کے واقعات کو بیان کرنے کے صرف ایک ہی دلچسپ واقعہ کو صفحہ کتاب پر لایا جاتا ہے۔

افسانہ کو کسی خاص اصول کا پابند بنانا مشکل ہے۔ بایں ہمہ چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ہم آہنگی (Concentration)

افسانہ کے مضمون میں آہنگی لازمی ہے۔ افسانہ نگاری کی ہمہ تن کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ صداقت کے ساتھ ایک واقعہ بیان کرتا چلا جائے۔ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہو۔ جیسے ایک افسانہ گو سامنے بیٹھا بے تکان کہانی سُناتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ افسانہ سے مراد روکھے پھیکے الفاظ میں ایک واقعہ کو بیان کرنا ہے۔ بلکہ افسانہ کہلانے کا مستحق وہی واقعہ ہے جس میں بلاغت کی چاشنی ملی ہو۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیئے۔ کہ جہاں ایک واقعہ کے پر کاٹنے سے افسانہ کی دلکشی جاتی رہتی ہے۔ وہاں خواہ مخواہ کے اضافہ سے بھی اس کی خوبصورتی زائل ہو جاتی ہے۔ افسانہ نگار کی دنیا۔ ناول نویس کی دنیا سے بہت مختصر ہے۔ اس کی کامیابی اسی بات میں مضمر ہے کہ جس واقعہ پر اس نے زور دیا ہے اُسی کا خیال پڑھنے والے کے دل پر مسلط رہے۔ مثال کے طور پر خاتون اکرم کی کتاب "گلستانِ خاتون" کے ایک افسانہ "انقلابِ زمانہ" کو ہی لیجئے۔ گو افسانہ حسن آرا کی زندگی بھر کا عکس ہے۔ لیکن قابل افسانہ نگار نے قصہ کو لمبا کرنے کے لئے اِدھر اُدھر واقعات ٹھونسنے سے قطعی پرہیز کیا ہے۔ صرف وہی واقعات بیان کئے ہیں۔ جن کے بغیر افسانہ روکھا پھیکا رہتا اور اصل مطلب فوت ہو جاتا۔ افسانہ میں ہم آہنگی ہے۔

۲۔کردار (Characters) افسانہ میں خواہ دو سے زیادہ ہی کردار ہوں۔ یہ ضروری ہے کہ صرف ایک یا دو کو خصوصیت دیجائے۔ خاتون اکرم کے افسانہ "دوسری شادی" میں کئی ایک کردار موجود ہیں۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ افسانہ کے ہیرو تخصیلدار صاحب اور ہیروئن زرینہ ہے۔

کردار افسانہ نگار کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسا آئینہ ہیں جس میں افسانہ نگار کے تخیل کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ وہ ان کے ذریعہ ’رحم‘ ہمدردی‘ اخلاق‘ اور شفقت کی تعلیم دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ ایسے پُر لطف کردار پیش کرتا ہے کہ متین سے متین شخص بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور کبھی ان ہی کرداروں کے توسط سے وہ پڑھنے والوں کو آٹھ آٹھ آنسو رُلا دیتا ہے۔

افسانہ نگاری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ اس کے کردار جیتے جاگتے انسان ہوں ہماری ہی طرح گوشت پوست کے بنے ہوئے ہوں، اور ایسے ہوں کہ جن سے ہمیں اپنی زندگی میں ہر روز سابقہ پڑتا ہو ان کے احساسات،

خیالات اور چال ڈھال، ہمارے احساسات، خیالات اور چال ڈھال کا بالکل نمونہ ہوں یہ نہیں کہ وہ کسی تخیلی دنیا سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور ہمیں ان کی حرکات و سکنات، انکی گفتگو، ان کی وضع قطع انوکھی اور عجیب معلوم ہو۔ ان کا وجود صرف افسانوی دنیا سے ہی پایا جائے۔ اور اس حقیقت کی دنیا میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے مرزا عظیم بیگ کے کردار اس لحاظ سے تعریف کے قابل ہیں۔ گولتا، "شریر بیوی" دیکھا جائے گا "بھوت اور جنت" غرضکہ کسی کتاب کو اُٹھا لیجئے۔ بس کردار کیا ہیں۔ یہی چلتے پھرتے انسان ہیں۔ اُن میں وہی خامیاں ہیں جو ہم میں ہیں ان کے کمالات اور خوبیاں، ہماری حقیقت کی دنیا کے انسانوں کی خوبیوں اور کمالات سے مشابہ ہیں۔ پڑھنے والے کو یوں معلوم ہوتا ہے۔ گویا بالمشافہ روزمرہ ملنے والوں سے دوچار ہو رہا ہے اچھے اور بُرے، نیک اور بد، دلچسپ اور غیر دلچسپ سب ہی طرح کے جیتے جاگتے انسانوں کی زندگیوں کا عکس نظر آتا ہے۔

۳ پلاٹ (Plot.) پلاٹ چند خاص باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ معمار کو عمارت تعمیر کرنے کے لئے ضروری اشیاء، اینٹ، مٹی، چونا اور گارا دے دیا جائے۔ یہ اس کا اپنا فن کمال ہے۔ کہ ان چیزوں سے جس طرح کی عمارت چاہے تعمیر کرے۔ یہی حالت افسانہ نگار کی ہے۔ "سات تارے" کو ہی لیجئے۔ ایک ہی پلاٹ سات مختلف ادیبوں کے پیش نظر ہے لیکن سب نے علیحدہ علیحدہ قسم کی کہانی کہہ ڈالی ہے۔ مواد ایک ہے لیکن طرز بیان جُدا جُدا ہے۔

پلاٹ تین ضروری جزوں پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے ابتدا (The Beginning) ہے چند جملوں میں افسانہ نگار پڑھنے والے کا تعارف کسی حد تک اُن کردار اور واقعات سے کرا دیتا ہے جن پر افسانہ کا دارومدار ہے۔ جس ماحول اور فضا میں افسانہ نشوونما پاتا ہے اُس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے یہ تمہید جس قدر سادگی سے بیان کی جائے گی۔ اسی قدر افسانہ کی دلکشی میں اضافہ ہوگا۔

دوسری چیز "منتہا" یعنی Climax ہے۔ اس موقعہ پر افسانہ کی دلچسپی عروج پر ہوتی ہے۔ مثلاً افسانہ مذاقیہ ہے تو ایک موقعہ پر ایسا بھی آنا چاہیئے۔ کہ پڑھنے والے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل جائے۔ اگر افسانہ کسی دُکھے دل کی داستان ہے، تو منتہا زندہ دل کو بھی بغیر رلائے نہ رہے اسی طرح سنسنی خیز افسانہ میں لازم ہے کہ ایک ایسا موقعہ بھی آئے کہ خوف و دہشت سے انسان کانپ اُٹھے۔ منتہا کی کامیابی یہی ہے کہ انسان گردوپیش کے ماحول کو فراموش کر دے۔ اور افسانہ کی دنیا میں فنا ہو جائے۔

تیسری چیز خاتمہ (Ending) ہے جہاں ابتدا دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اچھی ہونی چاہیے وہاں خاتمہ بھی موثر ہونا لازمی ہے۔ تمام افسانہ اچھا ہو۔ لیکن خاتمہ غیر دلچسپ ہے۔ تو سمجھ لو سب محنت رائیگاں گئی۔ اور پڑھنے والے کے دل سے افسانہ نگار کی وقعت جاتی رہی۔

بعض افسانوں کا خاتمہ حیرت کُن (surprise ending) ہوتا ہے۔ اس سے افسانہ کی دلکشی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ مثلاً خاتون اکرم مرحومہ کے افسانوں کے مجموعہ "گلستانِ خاتون" کا آخری افسانہ "دوسری شادی" میں پڑھنے والے کو پتہ چلتا ہے کہ تحصیلدار صاحب کی نئی دُلھن انکی وہی پُرانی زرینہ ہے۔ تو کہانی کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح بعض افسانوں کا خاتمہ نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ لیکن کئی ایک اچھے افسانہ نگار اپنے افسانے یوں ہی ختم کر ڈالتے ہیں۔ اور پڑھنے والا اپنے تخیل کی مدد سے یہ سلسلہ پُر کر لیتا ہے۔ یہ جدت طرازی بھی افسانہ کی دلکشی ہوتی ہے۔

۴۔ مکالمہ (Dialogue) طرزِ تحریر کی سادگی اور دلکشی میں افسانہ کی کامیابی کا راز مضمر ہے فارسی، عربی اور انگریزی کے بھدّے بھدّے اور بڑے بڑے الفاظ ٹھونس دینے سے افسانہ کی چاشنی ضائع ہو جاتی ہے۔ جملوں میں موزنیت اور الفاظ میں جاذبیت چاہئے۔ مکالمہ ہمارے روزمرّہ کے مطابق ہو۔ ایم اسلم کے افسانے اس لحاظ سے بہترین افسانے ہیں۔ زبان اس قدر سادہ ہے کہ بچہ بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے ایسے افسانے پڑھنے سے جی کبھی نہیں اُکتاتا۔

اسی طرح چھوٹے چھوٹے جملے بھی افسانہ کی جاذبیت کو بڑھاتے ہیں لمبے لمبے جملوں سے پڑھنے والے کو اُلجھن ہوتی ہے۔ حجاب امتیاز علی اپنے افسانوں میں ہمیشہ چھوٹے چھوٹے جملے لکھتی ہیں اور یہی ان کی طرزِ تحریر کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

مکالمہ کردار کے حسب حال ہونا چاہئے۔ اعلیٰ و ادنیٰ، مالک و نوکر، بادشاہ و رعیت، گنوار و مہذب شہری و دیہاتی کی گفتگو میں نمایاں فرق ہونا ضروری ہے۔ اگر ہر ایک کردار کی طرزِ گفتگو ایک سی ہی ہو۔ تو اصلیت جاتی رہے گی اور افسانہ اَن نیچرل ہو جائیگا۔ اگر ایک دہقان لکھنو کی مصفا زبان میں گفتگو کرے۔ تو کیا عجیب نہ معلوم ہوگا؟ منشی پریم چند کے افسانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس بات کا کس قدر خیال رکھا ہے۔

۵ اصلیت نگاری۔ (Realism) کامیاب افسانہ نگاری کا فرض ہے کہ دُنیا کا اچھی طرح مشاہدہ کرے اور جس طرح ایک مصور اپنے رنگوں اور برشوں سے کینوس پر تصویر بناتا ہے۔ یہ بھی الفاظ کی مدد سے صفحہ کاغذ پر ایک تصویر کھینچ دے۔ اس کے واقعات اور کردار نیچرل ہوں۔ اور صداقت پر مبنی ہوں۔ اس کے افسانہ کی دنیا ایسی ہی ہو جیسی ہماری اپنی دُنیا۔ واقعات جو وہ پیش کرے۔ ایسے ہوں جو ہماری روزمرہ زندگی میں پیش آسکتے ہوں۔ کردار ایسے ہوں جو ہماری طرح چلتے پھرتے جیتے جاگتے انسان ہوں۔

۶ واقعات اور زمانہ کی ہم آہنگی۔ (Unity of time & Incidents) افسانہ نگار کو زمانہ اور واقعات کی ہم آہنگی کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے۔ افسانہ ایک خاص زمانہ، ایک خاص وقت کو ظاہر کرے۔ واقعات اسی زمانہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ نہیں کہ افسانہ تو ہے آج سے ہزار برس پہلے کا اور واقعات جو بیان کئے جائیں۔ اُن میں طبابت، حارس

بعض چیزوں کے مفید و مضر اثرات

ہم لوگوں میں اکثر یہ عادت پائی جاتی ہے کہ جب کسی چیز کی تعریف حکیم ڈاکٹر یا کسی تجربہ کار شخص سے سُن لیتے ہیں تو اس کو کثرت سے استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں اور جب وہ اپنے تجربہ میں بھی اچھی ثابت ہوتی ہے تو پھر تو اسے اکسیر ہی مان لیتے ہیں۔ خود بھی اوڑھنا بچھونا کر لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی تعریفیں کر کر کے اس کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ مثلاً بڑی الائچی مفرح قلب و مقوی معدہ ہے اکثر اختلاج قلب والوں کو بتا دی جاتی ہے کہ کسی کسی وقت چار پانچ دانے منہ میں ڈال لیا کریں۔ تمباکو کھانے والے جن کو اکثر دستوں کی شکایت رہتی ہے اسے بُھون کر کھاتے ہیں اور انہیں بہت فائدہ کرتی ہے مگر اس کی عادت بڑھاتے بڑھاتے لوگ اس قدر اندھیر کرتے ہیں کہ مہینہ بھر میں سوا سیر ڈیڑھ سیر پر نوبت پہونچی ہے۔ یہانتک دیکھنے میں آیا ہے کہ دو پیسے کی الائچیاں منگائیں اور کھانے بیٹھ گئے۔ چھیلتے گئے کھاتے گئے۔ گھنٹے آدھ گھنٹے میں ختم کر دیں۔ گویا یہ بھی ایک ضروری کام تھا۔ یہ خبر نہیں کہ آنتوں کو نقصان کرتی ہے ہاں اگر کتیرا یا قند اس کے ساتھ کھایا جائے تو اس کی اصلاح ہو جاتی ہے یا عناب کو تسکین دہ یا مصفی خون سمجھ کر گرمی شروع ہوتے ہی بچوں کو اس کا شربت دینا شروع کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے ہیں کہ معدے کو مضر ہے اور نفخ پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح بعض گھروں میں مسور کی دال بہت کھائی جاتی ہے کیونکہ ڈاکٹر اسے غذائیت میں گوشت کے برابر بتاتے ہیں لیکن تاثیر یہ ہے کہ نظر کو کم کرتی ہے۔ غرض یہ کہ دنیا میں ایسی کوئی بھی چیز نہیں جس سے صرف فائدے ہی فائدے ہوں اور نقصان کچھ بھی نہ ہو اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جس میں نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہو۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہر چیز کو اعتدال کے ساتھ استعمال کریں نہ کسی کو بہت اچھا سمجھ کر حد سے بڑھائیں نہ کسی کو بُرا سمجھ کر بالکل چھوڑ دیں۔ اب اکثر گھر ایسے ہوتے ہیں جہاں تربوز۔ پھوٹ اور کھیرا بھٹا ایسی چیزیں کبھی آتی ہی نہیں اور بچوں کو معلوم نہیں ہونے پاتا کہ یہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔ حالانکہ پھوٹ کے فائدے خربوزے ہی کے سے مانے گئے ہیں۔ گٹھیا والوں کو بہت مفید ہے۔ تربوز صرف معدے اور تلی کو مضر ہے اور سرد مزاج والوں کو موافق نہیں باقی گرمی کے زمانے میں ہر طرح فائدہ مند ہے۔ اب میں ان چیزوں کی ایک فہرست لکھتی ہوں جو عام طور پر گھروں میں استعمال میں آتی ہیں ان کی مفید و مضر خاصتیں معلوم ہونے سے یہ فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے کہ بیجا زیادتی نہ ہونے پائے اور اس کے فائدوں سے بھی بالکل محروم نہ ہو جائیں۔ بعض لوگ اس قسم کی واقفیت ہو جانے پر اپنے آپ کو خاصا اچھا حکیم سمجھ لیتے ہیں اور حکیموں کے نسخوں پر جرح کرنے لگتے ہیں

کہ یہ دوا کیمپنی دی ہے اس کی خاصیت تو اس قسم کی ہے۔ یہ اس مرض میں کبھی موافق نہیں آسکتی یہ مجھے نقصان کریگی۔ مگر یہ ٹھیک نہیں جو آدمی جس علم کو جانتا ہے وہی اس کو موقع سے استعمال میں بھی لا سکتا ہے بعض دوائیں نسخوں میں ایسی بھی ہوتی ہیں جو مرض کو دفع نہیں کرتیں بلکہ کسی دوا کے خاص قسم کے نقصان کو زائل کرتی ہیں اور اس کی مصلح کہلاتی ہیں اور یہی تمام باریکیاں ہیں جس کی وجہ سے ہر شخص کتابیں دیکھ کر اپنا آپ علاج نہیں نہیں کرسکتا۔ نیم حکیم خطرۂ جان کا بھی یہی مطلب ہے کہ نیم حکیم کے علاج میں فائدے سے زیادہ نقصان پہونچ جانے کا ڈر ہوتا ہے کیونکہ اس کی نظر ہر عیب و ثواب پر نہیں پڑ سکتی۔

مصدع یعنی وہ چیزیں جو تبخیر یا اور وجوہ سے دردسر پیدا کرتی ہیں بعض کا اثر عرصہ تک استعمال کرنے پر ظاہر ہوتا ہے بعض کا جلد۔ اجوائن۔ بیگن۔ باقلا۔ پودینہ۔ پیاز۔ پالک۔ جوز۔ چھوہارا۔ رائی۔ لہسن۔ مچھلی۔ کھجور۔

مضرات دماغ آلو بخارا۔ تمباکو۔ شہد۔ بیر۔ مچھلی۔ کابلی ہڑ۔

مضرات بصر خرفہ کا ساگ۔ کاہو۔ مسور۔ چوکے کا ساگ۔ زیادہ گرم چیزیں۔ دھوپ میں پھرنا۔

مضرات دنداں برف کا پانی۔ نمک کا پانی۔ کھٹی چیزیں۔ مولی۔ مونگ۔ سہاگہ۔

مضرات قلب بنفشہ۔ تمباکو۔ ہلدی۔

مضرات جگر برف کا یا بہت ٹھنڈا پانی۔ انجیر۔ جو تری۔ لیموں کے چھلکے۔ بنولہ۔ کھجور۔ شہد۔ مرچ سیاہ۔ نانگی چھوٹی ہڑ۔

مضرات طحال (تلی) ملہٹی۔ آنولہ۔ املی۔ ترنجبیں۔ گائے کا دودھ۔

مضرات معدہ گرم پانی۔ انار شیریں و ترش۔ انگور۔ انجیر۔ تربوز۔ کدو۔ تل۔ عناب۔ آش جو۔ بہیدانہ۔ تربوز کا چھلکا۔ شہتوت شیریں۔ سپستان۔ بکری یا گائے کا بھیجا۔

اب اس فہرست کو فائدے کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا ہے۔

مقویات دماغ آنولہ۔ اناس۔ سیب۔ امرود۔ بادام شیریں۔ تخم کدو۔ مختلف جانوروں کے بھیجے۔ زعفران نارنگی کا شربت۔ بھینس کا دودھ۔ صندل سفید۔ سرخ گلاب۔ تیتر اور مرغ کا گوشت۔ عرق گلاب۔ مغز تخم پیٹھہ مشک۔ موتی۔ ہڑ کا مربہ۔ بالنگو

مقویات بصر آنولہ۔ بادام شیریں۔ زعفران۔ سرمہ سیاہ۔ سفید کاشغری۔ شہد۔ سیب۔ سیاہ مرچ۔ موتی کا سرمہ۔ مشک۔ منڈی۔ چاندی۔ بڑی چھوٹی ہڑ۔ چاند کی طرف دیکھنا اور نظر کے مطابق عینک۔

مقویات دنداں جلی ہوئی ہڈی۔ بڑی ہڑ۔ لوہے اور پیسے کا برادہ۔ مونگے کی جڑ۔ مولسری اور ببول کی چھال املی کے بیج۔ جلا ہوا تمباکو۔ بڑی الائچی کے بیج۔ سنگ جراحت۔ بکری کا سینگ جلا ہوا۔ پھٹکڑی۔ بنسلوچن۔ سمندر پھین۔ سفید کتھہ۔ مازو۔ مشک۔ رومی مصطگی۔ موتی۔ سیاہ مرچ۔ لوبان۔ ناگرموتھہ۔ مسی۔

مقویات قلب امرود۔ انار شیریں و ترش۔ الائچی خورد۔ آلو بخارا۔ بالنگو۔ پان لیموں کا چھلکا۔ املی۔ تخم ریحان۔ دارچینی۔ زعفران۔ سیب۔ صندل سفید۔ عرق کیوڑہ۔ کافور۔ دھنیاں۔ سرخ گلاب۔ گڑھل کے پھول مصطگی۔ مشک۔ نارنگی۔ چاندی سونے کے ورق۔

مقویات جگر امرود۔ انار۔ الائچی خورد۔ بارش کا پانی۔ تج۔ دارچینی۔ زعفران۔ سیب۔ کیوڑہ۔ سرخ گلاب۔ لیموں۔ مصطگی۔ منقیٰ۔ پستہ۔ چرائتہ۔

مقویات معدہ آملہ۔ اناردانہ۔ آلو۔ الائچی۔ سونف۔ ہڑ۔ بنسلوچن۔ بالنگو۔ نارنگی کا چھلکا۔ پودینہ چرائتہ۔ دارچینی۔ اونٹنی کا دودھ۔ گوندببول۔ عرق گلاب۔ کیوڑہ۔ سرخ گلاب۔ لوبان۔ مصطگی۔ ہڑ کا مربہ کالا نمک۔ سیاہ مرچ۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو بہت کم چیزیں ایسی ہیں جو تین چار اعضا کو مفید ہے ورنہ سب کا یہی حال ہے کہ کسی بات کو مفید ہیں کسی کو مضر۔ اسی لئے کوئی دوا یا غذا کسی مرض کو رفع کرنے یا طاقت پیدا کرنے کے لئے استعمال کرتے وقت ضروری بات ہے کہ کسی تجربہ کار حکیم سے مشورہ کر لیا جائے یا جو مزاج کا حال دیکھ سمجھ کر ٹھیک خوراک اور مصلحات وغیرہ مقرر کر دے اور یوں معمولی طریقہ سے تو دنیا میں سبھی چیزیں کھائی پی جاتی ہیں۔ یہ خواص میں نے بستان المفردات سے دیکھ کر لکھے ہیں جو خواص الادویہ میں ایک مشہور کتاب ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ جدید تحقیق کی رو سے بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہو۔

و۔ ا

نعتِ رسول صلعم

لو جلد خبر احمدِ مختارِ مدینہ		بے چین ہے، بیتاب ہے بیمارِ مدینہ
بہتر ہے مجھے صد سبدِ غنچہ و گل سے		الجھا ہے جو دامن سے مرے خارِ مدینہ
آنکھیں ہیں مری دید کی مشتاق خدایا		اک بار دکھا دے مجھے دربارِ مدینہ
پھیلی ہے جہاں میں مہ بطحا کی تجلّی		ہر خاک کے ذرّے میں ہیں انوارِ مدینہ
اندازِ جنوں اب نہیں مائل بہ تقاضا		ہو جائے مجھے آج ہی دیدارِ مدینہ
مدت سے ہے یہ عصمتِ مضطر کی تمنا		طیبہ میں بلا لیجیے سرکارِ مدینہ

مس کے احمد شجاع عصمت

دِل کی آواز

مشہود کی تمام رات نہایت کرب و اضطراب میں گذری۔ صبح کو ملازم نے اخبار لاکر دیا۔ مشہود نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اخبار کھولا۔ اور خبروں کے کالم پر نظر دوڑائی۔ یکایک ایک ہلکی سی چیخ اُس کے منہ سے نکل گئی۔ اس سُرخی پر اس کی نظر تھی۔ "ایک بچہ موٹر سے کچل گیا" واقعہ کی تفصیل پڑھنے سے ڈرتا تھا۔ اخبار کو موڑ توڑ کر پھینکنے والا تھا۔ کہ کچھ خیال آ گیا۔ اخبار کو سیدھا کیا۔ یہ واقعہ درج تھا۔

کل ۳ بجے سہ پہر کو عالم نگر کی سڑک پر ایک چار برس کا بچہ موٹر سے ٹکرا گیا۔ موٹر ایسی تیزی سے نکل گئی کہ اس کا نمبر نوٹ نہ کیا جا سکا۔ بچہ مسنری خدا داد مرحوم کا تھا۔ بیوہ ماں کے مکان نمبر ۵۷ واقع گنج پور پہونچا دیا گیا لیکن دو گھنٹے بعد مر گیا۔

مشہود دیر تک سر پکڑ کر بیٹھا رہا۔ پھر خود بخود کہنے لگا۔ تو میں اس کا قاتل ہوں۔ مجھے اسی انجام کا اندیشہ تھا کل سے کتنی مرتبہ ارادہ کیا کہ جائے وقوع پر پہنچکر تحقیقات کروں کہ میری کار سے جو بچہ ٹکرایا تھا اس کا کیا حشر ہوا۔ کون تھا کس کا تھا۔ لیکن جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر اب معلوم ہو گیا۔ لیکن کیا کروں۔ کیا اس کے گھر جاؤں اس کی ماں سے اقبال جرم کروں۔ اس بدنصیب کی تباہ حالت اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ اس کی لعنت ملامت، غصہ و نفرت کا ہدف بنوں اور اپنے کئے کی سزا بھگتوں یہی ہونا چاہئے۔ لیکن کیا مجھ میں اس کی ہمت ہے؟

یکایک مشہود نے زور سے گھنٹی بجائی۔ ملازم آیا۔ مشہود نے کہا۔ فوراً اسباب باندھو۔ بمبئی جا رہا ہوں" مشہود نے طے کر لیا کہ اس شہر سے چلا جانا چاہئے۔ یہ بھید کسی کو معلوم نہیں، لیکن یہ کانٹا دل میں کھٹکتا رہے گا۔ یہاں رہونگا تو کھٹک باقی رہے گی۔ کہیں دور چلا جاؤں۔ بمبئی کی دلچسپیوں میں یہ چبھن محسوس نہ ہوگی۔ ضمیر کی آواز دب جائے گی۔ یہ سوچ کر سیف میں سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر واسکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لی۔ اور اُٹھ کھڑا ہوا کہ چلکر دوستوں سے رخصت ہو آؤں۔ کیا جانے پھر یہاں کب آنا ہو۔ کار میں بیٹھنے کو جی نہ چاہا۔ پیدل چل دیا۔ چوک سے گزرا تو اتفاق سے کوئی میلا تھا۔ بچے کھلونے مٹھائیاں لئے ہوئے آ جا رہے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر مشہود کے دل پر ایک چوٹ لگی اور وہی کل کا بچہ یاد آ گیا۔ خدا جانے وہ بچہ کس شکل کا تھا۔ گورا تھا یا کالا؟ خوبصورت تھا یا بدصورت۔

مشہود یوں ہی چکر لگاتا چلا جا رہا تھا کہ یکایک ایک جگہ ٹھہر گیا۔ اِدھر اُدھر نظر ڈال کر کہنے لگا۔ یہ تو گنج کا محلہ ہے۔ یہیں کہیں اس کا گھر ہوگا۔ کیا نمبر تھا؟ ۵۷۔ سامنے کی گلی میں لوگ بہت آ جا رہے ہیں یہیں اس کا مکان ہوگا اس کے عزیز رشتہ دار آتے جاتے ہوں گے۔ میں بھی چلوں۔ لیکن فضول ہے۔ کسی کو خبر نہیں، شبہ نہیں،

اور پھر کچھ نتیجہ بھی نہیں" یہ سوچ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ دور جا کر ایک خالی تانگہ آتا ہوا ملا۔ یکا یک مشہود نے تانگے کو روکا اور جلدی سے بیٹھ کر تانگے کو گنج کا پتا بتایا۔ اس محلے کے سرے پر تانگے سے اتر پڑا۔ اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا چلا۔ اب مشہود کے چہرے پر سکون، چال میں استقلال۔ دل میں ہمت تھی مکان نمبر ۵ پر پہنچ کر زنجیر ہلائی۔ ایک بوڑھی عورت دروازے میں آئی۔

مشہود۔ مستری خداداد مرحوم کی بیوہ اسی مکان میں رہتی ہیں ؟

بڑھیا۔ (حیرت سے دیکھ کر) جی ہاں کہئے، کیا کام ہے ؟

مشہود۔ کیا وہ دروازے میں آسکتی ہیں ؟ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

بڑھیا۔ آیئے آپ بیٹھک میں آجایئے۔ میں بلاتی ہوں۔ وہ بچے کے پاس بیٹھی ہے۔

بیٹھک میں زنانہ مکان کا دروازہ تھا۔ ذرا سی دیر میں دروازے کے پاس سے آواز آئی۔ "آپ نے مجھے بلایا تھا، آپ کون ہیں ؟ مجھ سے کیا کام ہے ؟"

مشہود کا کلیجا اچھلنے لگا۔ آواز سے جوان معلوم ہوتی ہے۔ آواز میں حزن و اندوہ کا اثر ہے۔ ابھی رو کر اُٹھی ہوگی۔ اس پر مصیبت کا پہاڑ میں نے توڑا ہے۔ مشہود کو جواب دینے میں اک لمحہ کا تامل ہوا تھا کہ اس عورت نے پھر کہا، "آپ کون ہیں ؟"

مشہود۔ بی بی میں ہی وہ بدبخت شخص ہوں جس کی موٹر سے تمہارا ...... آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

عورت۔ آپ تھے ؟ پھر ؟

عورت کی آواز میں غصہ یا نفرت کا اثر نہ تھا۔ صبر و رضا کا جذبہ معلوم ہوتا تھا۔

مشہود۔ سنو! جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب بدلا نہیں جا سکتا اور میں جو کچھ کہنے کے لئے آیا ہوں اس سے تمہارے صدمے کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تمہاری زندگی اس بچے کے دم سے تھی۔ وہ نہ رہا۔ تو اب تمہارے لئے دنیا میں کیا رہا پھر بھی میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ تم جو رقم چاہو مقرر کر کے مجھے بتا دو۔ میں ہر مہینے تمکو پہنچاتا رہونگا۔

عورت (ذرا دیر کے بعد) "میں نہیں سمجھی، آپ کیا کہہ رہے ہیں"

اس مرتبہ آواز میں حیرت تھی۔ کوئی برہمی و برافروختگی نہ تھی۔

مشہود "بی بی، مجھے خدا نے بہت کچھ دیا ہے۔ میں ہر رقم خوشی سے دے سکتا ہوں۔ اور جب تک تمہاری کوئی خدمت نہ کرونگا میرے دل کو اطمینان نہ ہوگا"۔

عورت۔ "میاں اللہ آپ کو بہت سا دے۔ میرا بچہ سلامت ہے"۔

مشہود کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ کہ کیا سن رہا ہے متحیر ہو گیا۔ ذرا دیر منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔

مشہود۔ (گھبرا کر) بچہ سلامت ہے! لیکن میں نے اخبار میں پڑھا ......"

عورت :۔ مجھ سے بھی آج صبح لوگ کہتے تھے کہ اخبار میں چھپ گیا ہے۔ لیکن وہ خبر غلط ہے۔ بیشک لڑکا موٹر سے ٹکرا کر گر پڑا تھا۔ چوٹ بھی آئی۔ لیکن چوٹ سے زیادہ دہشت سے بیہوش ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں۔ کہتے ہیں چوٹ جلدی اچھی ہو جائے گی۔

مشہود کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کو دیو کے پنجے سے چھڑا لیا۔ موت کے چنگل سے بچا لیا۔ خوشی کے مارے آنسو نکل آئے۔ کانپتی ہوئی آواز کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

مشہود۔ "بہن کچھ حرج نہ ہو تو مجھے بچے کو دکھا دو۔"

عورت۔ "بہت اچھا میں ہٹی جاتی ہوں۔ اندر آ جائیے۔"

مشہود اندر گیا تو دیکھا کہ دالان میں ایک خوبصورت گورا چٹا بچہ پلنگ پر لیٹا کھلونوں سے کھیل رہا ہے سر اور ایک ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ اس کو دیکھ کر مشہود کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ پھر خیال آیا کہ اگر میں ضمیر کی آواز کو دبا دیتا، اور ادائے فرض کی پروا نہ کرتا تو یہاں تک نہ آتا۔ اس حقیقت سے بے خبر رہتا اور ساری عمر اپنے آپ کو قاتل اور سنگدل دونوں سمجھتا رہتا، اور ہمیشہ اپنے اوپر نفریں کرتا۔"

مشہود۔ (بچے کے پاس جا کر) "کیسے اچھے کھلونے ہیں۔ کہاں سے آئے؟"

بچہ ۔ "ابا نے بھیجے ہیں۔ آپ کون ہیں؟ ڈاکٹر صاحب تو نہیں ہیں۔ اب میرا ہاتھ نہ کھولنا۔"

مشہود۔ (جیب میں سے نوٹوں کی گڈی نکالتے ہوئے) نہیں میاں میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ تمہارے ابا کے پاس سے آیا ہوں۔ لو دیکھو اس میں کیا ہے۔ یہ بھی تمہارے ابا نے بھیجے ہیں۔"

نوٹوں کا پیکٹ بچے کے ہاتھ میں دے کر مشہود یہ کہتا ہوا دروازے کی طرف چل دیا "بہن میں جاتا ہوں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دینا۔"

حامد حسین قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج

دیوانہ

شام کے جھٹپٹے سمے میں کائنات کی لا متناہی وسعتوں کو اک شاہین کی طرح چیرتا۔ غیر مبہم الفاظ میں حیات انسانی کی شوریدہ سری کا تمسخر اڑاتا چلا جا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نظام عالم کی دھجیاں اپنے کمزور ہاتھوں سے بکھیر کر رکھ دے گا.......

محمودہ رضویہ

بے وقت کی مہمانداری

بعض دفعہ اچانک مہمان آجاتے ہیں اگر کھانے یا چائے کے وقت سے پہلے مہمان آجائیں تو خیر کچھ نہ کچھ تیار ہو ہی جاتا ہے مگر کھانا کھا چکنے کے بعد مہمان آئیں تو پریشانی کے ساتھ تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ ایسے تنگ وقت کے لئے گھر میں اچار مختلف چٹنیاں اور مربے وغیرہ کے علاوہ۔ میوہ۔ انار دانہ۔ آلو۔ اروی۔ انڈے اور خشک قسم کے بسکٹ یا ہلکی مٹھائیاں ضرور رکھنی چاہیں۔ تاکہ بوقت ضرورت زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔ میں یہاں جلد تیار ہونے والی چند چیزوں کی ترکیب درج کرتی ہوں تاکہ وقت پر کام آسکیں۔

اکثر دوست احباب چائے کے وقت تک رک جاتے ہیں یا عین چائے کے وقت آجاتے ہیں عموماً گھر کے افراد تو سادہ چیزوں پر اکتفا کرتے ہیں مگر مہمان کی تواضع کے لئے کچھ مزید چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر انڈے موجود ہوں تو ان کی جلدی سے کچھ نمکین ٹکیاں اس طرح بنائیں کہ اوّل تھوڑا گھی فرائی پان میں ڈال کر کڑکڑائیں اور سیاہ مرچ و نمک باریک پیس کر پاس رکھیں۔ پھر انڈے توڑ کر فرائی پان میں ڈالیں کہ زردی سفیدی کے اوپر گرے۔ اوپر سے ایک چٹکی نمک اور سیاہ مرچ بُرک دیں۔ جب ایک طرف سے پک جائے۔ تو احتیاط سے دوسری طرف الٹ دیں۔ خیال رہے کہ زردی سفیدی کے اندر آجائے۔ اور دوسری طرف بھی مرچ بُرک دیں۔ سُرخ ہونے پر اُتار لیں۔ اس قسم کی ٹکیہ کے اندر زردی فراکچی رہتی ہے۔ زود ہضم اور لذیذ چیز ہے۔

آلو کے باریک باریک ورق کرلیں اور تین عدد انڈے (یا حسب ضرورت) توڑ کر سیاہ مرچ و نمک ملا کر خوب پھینٹ لیں۔ پھر اس لعاب میں ڈبو کر اور ربڑ کے چمچے میں بھر کر کڑکڑاتے گھی میں چھوڑ دیں۔ دونوں طرف سُرخ ہونے پر نکال نکال کر ایک پلیٹ میں رکھتی جائیں۔ مزیدار پکوڑیاں تیار ہونگی۔

آلو کش میں آلو کے باریک ورق کاٹ کر انہیں تھوڑا نمک مل کر دھولیں۔ اور کسی قدر خشک کر کے گھی میں سُرخ کر کے نکال لیں مگر گھی اچھی طرح نکال لینا چاہئے تاکہ ورقوں کے ساتھ نہ لگا رہے۔ سیاہ مرچ اور نمک الگ کسی چیز میں ڈال کر ساتھ رکھ لینا چاہئے تاکہ مہمان حسب پسند نمک مرچ استعمال کرسکیں۔

سیب کا موسم ہو تو آدھ سیر ترش سیب لے کر انہیں چھیل کر کدوکش میں کھینچ لیں اور پھر آدھ سیر شکر سفید تین چھٹانک پانی ڈال کر قوام بنائیں اور اس میں کدوکش کئے ہوئے سیب ڈال کر پکنے دیں حتیٰ کہ سیب گل کر ایک جان ہو جائیں۔ تھوڑی سی زعفران پیس کر رنگت کے لئے شامل کردیں اور اتار کر ٹھنڈا ہونے پر مرتبان میں بھر کر رکھ لیں۔ ڈبل روٹی کے سینڈوچز میں مکھن یا بازاری ولایتی جام کی جگہ کام آسکتا ہے۔ اسی طرح گاجروں کا مربہ بھی تیار ہو سکتا ہے۔ تین انڈے لے کر ان میں حسب ضرورت قند سفید ملا کر خوب پھینٹ لیں پھر گھی کڑکڑا کر اس میں ایک ایک چمچی بھر کر چھوڑتی جائیں۔ سُرخ ہونے پر نکال لیں خوش ذائقہ میٹھی پکوڑیاں تیار ہو جائیں گی۔

"بعض دفعہ کھا چکنے کے بعد مہمان آجاتے ہیں۔ تو جلدی سے آلو کے موٹے موٹے گول قتلے کرکے گھی بگھار کر اس میں چھوڑ دیں۔ اور حسب ضرورت نمک مرچ سُرخ ہلدی اور پانی ڈال کر پکنے دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے اور آلو بھی گل جائیں تو اُتار لیں۔

کھانے کے وقت سے تھوڑی دیر پہلے مہمانوں کی آمد کا علم ہوجائے تو دو انڈے ایک پاؤ دودھ اور حسب ضرورت چینی لے کر تھوڑی پڈنگ بنالیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ انڈے کی سفیدی نکال کر پھینٹ لیں اور پھر زردی ڈال کر خوب پھینٹ لیں۔ جب دونوں یک جان ہوجائیں تو دودھ اور چینی ملا کر رکھ لیں۔ اب ایک المونیم کا پیالہ یا پڈنگ بنانے کی قاب لیکر اُس میں تھوڑی چینی ڈالکر دہکتے کوئلوں پر رکھ دیں۔ جب چینی کا رنگ سرخ ہوجائے تو اس میں تیار شدہ دودھ ڈال دیں۔ مگر اب کوئلوں پر نہ رکھیں ایک کھلی دیگچی میں اتنا پانی ڈالیں کہ قاب یا پیالہ نصف سے کچھ کم پانی میں ڈوبے۔ اور دیگچی کو چولھے پر چڑھا دیں جب پانی کھولنے لگے۔ تو اس میں پیالہ رکھ کر دیگچی کا منہ ڈھکنے سے بند کردیں۔ تقریباً بیس منٹ تک آنچ دیں پھر کھول کر کانٹا چبھو کر دیکھیں۔ اگر تمام دودھ جم گیا ہو تو اُتار لیں اور ٹھنڈے پانی میں پیالہ رکھ کر ٹھنڈا ہونے دیں پھر پیالے پر اوندھی پلیٹ رکھ کر پیالہ الٹ دیں بس پڈنگ تیار ہے چھری سے ٹکڑے کرلیں اور استعمال کریں۔

گھر میں کچی سوئیاں موجود ہوں تو ان کا میٹھا پلاؤ پکالیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ باریک سوئیاں پہلے گھی سُرخ کرکے نکال لیں۔ حسب ضرورت قند کا قوام تیار کرکے اُس میں چھوڑ دیں۔ اور دم دے کر اُتار لیں۔ نہایت خوش ذائقہ پلاؤ تیار ہوگا۔

اس قسم کی ہلکی اور جلد تیار ہوجانے والی چیزیں بنالینے سے مہمانداری بھی ہوجاتی ہے اور پاس پڑوس سے مانگنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ گھر کی ملکہ کا سلیقہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گھر میں ہر قسم کا ہلکا اور سستا سامان مہیّا رکھے۔ تاکہ ضرورت کے وقت کوئی چیز اِدھر اُدھر سے مانگنی نہ پڑے۔ یہ نہایت بدسلیقہ عورت کا کام ہے کہ ادھر مہمان آئیں اُدھر میزبان پریشان کوئی چیز بازار سے منگوا رہی ہیں کوئی پڑوسن سے مانگ رہی ہیں۔ ان باتوں میں بہت سا وقت ضائع ہوجاتا ہے۔ اور مہمان الگ پشیمان ہوتا ہے۔ لہذا تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تمام کام نوکر پر بھی نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ بلکہ خود بھی اُس کی مدد کرنی چاہیئے۔ تاکہ جو کچھ پکایا جائے وہ عمدہ ہو۔ کسی میں نمک زیادہ اور کسی میں میٹھا کم نہ ہو۔

آنسہ م۔ ن۔ صدیقی

مقصدی طریقۂ تعلیم

کسی گذشتہ اشاعت میں آپ کی خدمت میں کنڈرگارٹن اور مونٹیسوری کا طریقہ تعلیم پیش کیا جا چکا ہے آج میں آپکی خدمت میں پروجکٹ طریقہ تدریس کا حال سناتی ہوں پروجکٹ یا مقصدی تعلیم کے موجد ڈاکٹر ڈبلیو۔ ایچ کلپاٹرک نے یہ انوکھا اسلوب کولمبیا یونیورسٹی میں بعد تحقیق و تجربہ ظاہر کیا پھر اس کے بعد ڈاکٹر سیٹون سن نے اسے عملی جامہ پہنایا پروجکٹ یا مقصد کی تعریف ڈاکٹر صاحب موصوف نے یوں بیان کی ہے پروجکٹ دراصل ایک ایسی بامعنی اور بامقصد سرگرمی ہے جسے باطمینان خاطر معاشرتی ماحول کے ماتحت ایک نتیجہ بخش انجام تک قدرتی طریقے سے پہونچا دیا جاوے۔"

معلوم ہونا چاہئے کہ کائنات کی تخلیق بھی کسی مقصد او منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہے اور ہر ذی روح کی پیدائش سے اللہ کا ایک خاص مقصد ہے۔ یوں ہی اچانک دنیا پیدا ہوگئی ہے اور وہم۔ راز آفرینش کیا ہے یہ کسی کو معلوم نہیں لیکن کچھ ہے یہ سب کو یقین ہے ہمارا دن رات کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ مفید مشاغل و مقاصدی کا دوسرا نام حیات ہے اور بے عملی و تعطل کا موت یہی جوش عمل یا جوش کردار ہے جس کی علامہ اقبال نے اپنے کلام میں وضاحت کی ہے اور اسی جوہر خودی کے اظہار کی وہ زندہ اقوام اور زندہ افراد سے توقع کرتے ہیں ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی مخصوص انفرادیت کے دامن میں اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام اپنے ساتھ لاتا ہے جسے بامعنی مشاغل زیست کی شکل میں بعد میں بے حجاب کرتا ہے اور اگر اسی امر کو غور سے دیکھا جائے تو ہر نفس یا ہر شخص بذاتہ ایک پیغام اور مجسم ایک پیغام ہے کسی بامعنی سرگرمی کی خوش انجامی کے حصول میں منہمک رہنا گویا ہماری فطرت ہے اور بے کاری یا غیر نصب العینی جسمانی اور روحانی دو حیثیتوں سے خلاف فطرت فعل ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچہ پیدا ہوتے ہی رونا شروع کر دیتا ہے گویا وہ اپنے گلے اور پھیپھڑوں کے ساتھ سرگرم کار ہوتا ہے۔ بعد میں ہاتھوں سے اور زبان سے پھر کھلونوں سے کپڑے سے لئی سے۔ کاغذ وں غرض ہر شئے سے تجربہ کیا کرتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک سائنسداں کی سی ہوتی ہے جو اپنی معمل کیمیاوی میں تجربے پر تجربے کر رہا ہو اور کسی ایجاد کے شوق میں اپنے عمل میں غرق اور اپنے شغل میں محو ہو۔ اسی اصول کو لے کر ماہرین تعلیم نے مقصدی یا منصوبائی طریقہ تعلیم نکالا۔ اس طریقہ سے بچوں کی اُمنگ اور تخلیقی حس سرگرم عمل ہو جاتی ہے اور کچھ کرنے کی خواہش اور کسی کام کو اتمام تک پہونچانے کا جذبہ بیدار رہتا ہے اس سے کردار مضبوط اور ارادہ پختہ ہوتا ہے جو جو مشکلات سامنے آتی ہیں اُن پر مستقل مزاجی سے اور سعی پیہم سے غالب آنے کی عادت پڑتی ہے اور آخرکار اپنے مشغلہ کو پورا کر چکنے کے بعد اس کی کامیابی سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔

آجکل کے عام مدرسوں میں سوائے کتابی تعلیم کے عملی تعلیم کلیتہً مفقود ہے۔ یہ ایسا خشک اور بے لذت طریقہ ہے۔ جس سے طالب علموں میں علم حاصل کرنے کی خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ اکثر ان کی مرضی کے خلاف انہیں بوتل سمجھ کر اُن میں علم کے سمندر ٹھونسے جاتے ہیں اور نصاب تعلیم انہیں رٹا رٹا کر انہیں طوطا بنایا جاتا ہے۔ اس

ئے بعض بچے ایسے متنفر ہوتے ہیں کہ سرے سے علم سے ہی منحرف ہو جاتے ہیں۔ اُن کی قوت عمل کلاس کی چار دیواری میں اسکول ڈسپلین کی پابندیوں میں الجبرہ مقابلہ کے قاعدوں کے رٹنے میں گھٹ گھٹ کر مرجاتی ہے۔ قوتِ عمل آزادی وعمل۔ حرکت ونکاس چاہتی ہے اور یہ دونوں چیزیں مدرسہ کی بےکیف فضا میں نایاب ہوتی ہیں۔ امریکہ والوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ پروجیکٹ متھڈ کا تعلق زندگی سے بہت گہرا ہے بلکہ ہماری زندگی ہی مقصد اور مقصد ہی زندگی ہے۔ جو مقصد بچوں کے سامنے وہ پیش کرتے ہیں وہ کاروبار حیات کی ہمہ ہمی میں لے جاتا ہے اسکول کے رقبہ سے باہر وہ اس مقصد کے حصول واتمام کے سلسلہ میں طرح طرح کی ضروریات پوری کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن بچوں کو جو مقاصد دیئے جاتے ہیں وہ اُن کی عمر اور تجربہ سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ بعض مقاصد خط طغی اور دیگر ہنروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض کھیل سے۔ بعض قدرت کے مظاہر کی تحقیقات پر مشتمل ہوتے (جیسے شبنم کس طرح گرتی ہے) بعض یادداشت کو پختہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ الغرض مسائل زیر عمل کی رنگا رنگی بوقلمونی ایک خاص معنویت کی حامل ہوتی ہے بے معنی اور بے ربط مقاصد نہیں ہوتے۔ سائنٹیفکٹ بنیادوں پر ہر ایک مقصد کا انتخاب ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا اُٹھان اور تکمیل۔ اس سے مختلف مضمونوں میں ربط وتعلق مدرسے اور سوسائٹی میں اتحاد و یگانگت بڑھتی ہے۔ ایک باغ کے لگانے کا مقصد سامنے ہے۔ سب سے پہلے تو اس کی ایک نقشہ دیا خاکہ) بنائی جائیگی جسکے لئے ناپ تول درکار ہوگی (یہ خالص جومیٹری ہے) پھر حصے تقسیم کئے جارہے ہیں پھر موسم کا لحاظ رکھا جائے گا (یہ جغرافیہ ہے) پھر بیج کے لئے جائیں گے زمین کی اور کھاد کی چھان بین کی جاوے گی۔ الغرض ایک کام کے سلسلہ میں ہزار دوسرے کام بھی آجائیں گے۔ اور اس ضمن میں اُن کا عملی طور پر سوسائٹی سے بھی خوب سابقہ پڑے گا اور جو جو باتیں بچے خود ہاتھ سے کرینگے یا دیکھیں گے وہ اُنہیں زیادہ یاد رہ سکیں گی بہ نسبت کتاب میں پڑھ لینے کے۔ غالب یہی وجہ ہے کہ وردھا تعلیمی سکیم کے مصنف نے جو پیشہ ورانہ عمل کو اکتساب عمل کا ذریعہ قرار دیا ہے تو اس میں بہت گہری نفسیاتی ضرورت کا لحاظ رکھا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ مصنف علم النفس کا ماہر ضروریات قومی کا نباض ہے۔

پروجکیٹ متھڈ جس میں بچے کام کرنے کے ذریعہ علم سیکھتے ہیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بڑی کامیابی سے چلایا جارہا ہے اور اس کی دیکھا دیکھی بعض پبلک اسکولوں۔ نارمل اسکولوں اور اب تو مڈل اسکولوں میں بھی جاری کردیا گیا ہے یہ طریقۂ تعلیم جدید کے کل نو دریافت اُصولوں پر مشتمل ہے۔ اس میں بچوں کی سیرت کی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اچھی عادات بھی پیدا کرتا ہے مطالعہ کا شوق۔ اعزاز عمل۔ ذہانت۔ ذمہ داری۔ سنجیدگی اور احساس فرض پیدا کرتا ہے آزادئ عمل سے اُن میں خودمختارانہ طور پر خود فیصلے کرنے کی عادت ہوگئی ہے اور کفایت شعاری سے خرچ کرنا صحت وصفائی۔ سادگی وپُرکاری اشیا کا فراہم کرنا جانتے ہیں اور یہ اصل آنیوالی زندگی کے لئے بہترین ٹریننگ ہے۔

زبیدہ زرّین

غلط پیشین گوئی

آج سے نصف صدی پہلے۔ ایک شریف اور امیر خاندان، شہر لاہور کی ایک تنگ گلی میں رہتا تھا۔ حویلی بڑی اور ایک منزلہ تھی۔ مگر پرانی وضع قطع کی چنانچہ اس میں نہ کوئی روشندان تھا اور نہ کوئی کھڑکی۔

اس خاندان کے لوگوں کی صحت۔ اکثر خراب رہا کرتی تھی، اور بیچاری جمیلہ تو بستر پر ایسی پڑی کہ پھر اٹھ ہی نہ سکی۔

بیماری شروع ہلکے بخار سے ہوئی۔ مگر علاج کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی۔ اس لئے مرض بڑھتا ہی گیا۔ بخار نے بے چاری جمیلہ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ دن رات رہنے لگا۔ بھوک بالکل اڑ گئی۔ اور دوسرے مہینے تو بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ مریضہ بے حد کمزور ہوگئی۔ اور یہ دیکھ کر اس کے خاندان کے آدمی گھبرا گئے۔ خاص کر جمیلہ کے خسر میاں نور خاں!

جمیلہ کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی۔ اور اس کی گود میں جمیل تھا۔ جو ابھی گیارہ مہینے ہی کا ہوا تھا۔ جمیلہ کی شادی کو دو سال گزر چکے تھے۔

ننھا جمیل ہندوستان کے عام رواج کے مطابق ہر وقت ماں کے سینے سے چمٹا رہتا تھا۔ اور بچہ بیچارہ بھی کمزور اور مریض تھا۔

اب نور خاں نے جمیلہ کا علاج اچھے اچھے حکیموں اور ویدوں سے کرایا لیکن آرام نہیں ہوا اس لئے ڈاکٹروں کی طرف توجہ کی۔ اور روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ اس کے بعد سول سرجن کو بھی بلایا۔

صاحب نے جمیلہ کو غور سے دیکھ کر کہا کہ "اس کے پھیپھڑے خراب ہو چکے ہیں اور اس کو سل ہوگئی ہے"۔

پھر وہ جاتے وقت نور خاں کو الگ لے گئے اور ان سے بولے کہ "افسوس آپ نے علاج میں بہت دیر کی اور شاید یہ بدنصیب خاتون دنیا میں ایک ہفتہ سے زیادہ نہ رہ سکے!" ـــ میاں نور خاں یہ بات سن کر بے چین ہو گئے۔

سول سرجن صاحب نے خاں صاحب کو خاص طور پر یہ بھی ہدایت کی کہ بچہ کو مریضہ سے الگ تھلگ رکھا جائے ـــ ورنہ۔ اس کی جان کی بھی خیر نہیں!

اس بات کو مہینہ بھر گزر گیا، جمیلہ بستر مرض پر پڑی رہی اور ننھا جمیل بھی بدستور سابق ماں کے گلے کا ہار بنا رہا۔ وہ رات دن اسی کے پاس رہتا تھا نہ بچہ خود ماں سے جدا ہو سکتا تھا اور نہ ماں کو جدائی گوارا تھی اور نہ تیمارداروں ہی نے سول سرجن کی ہدایت پر عمل کیا! ـــ تاہم ڈاکٹر کی پیش گوئی غلط ہوئی۔ چنانچہ جمیلہ و جمیل دونوں زندہ رہے۔

خانصاحب نے سول سرجن کو ایک بار پھر بلا کر معائنہ کرایا۔ اور اس کے بعد ان کو ایک الگ کمرے میں لے جا کر گفتگو کی خانصاحب بولے "صاحب! آپ کی منحوس پیش گوئی تو غلط ہوئی، خدا کا شکر ہے! سول سرجن صاحب نے جواب دیا ـــ ہاں جناب ـــ مگر اس کا خاص سبب ہے۔ بات یہ ہے کہ بیٹے نے ماں کے واسطے قربانی کی۔ چنانچہ اس نے اتنی مدت تک ماں کو زندہ رکھا!"

خاں صاحب "مگر میں آپ کی بات کو نہیں سمجھا"
سول سرجن۔ "تو میں سمجھاتا ہوں ــ خانصاحب انسان کے بدن میں ایک خاص قسم کی بجلی پائی جاتی ہے۔ بوڑھوں جوانوں میں بھی ــ اور بچوں میں بھی! ــ مگر دونوں بجلیوں میں فرق ہے"
خاں "کیا فرق ہے جناب!"
س۔ "فرق یہ ہے کہ بچوں کی بجلی کو مُثبت کہنا چاہئے! ــ اور زیادہ عمر کے آدمیوں کی برقی رَو کو منفی سمجھنا چاہئے ــ اور یہ تو آپ بھی جانتے ہونگے کہ بچپن کا زمانہ جسمانی ترقی اور بدن کے نشوونما کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس لئے بچّے کا بدن تیزی سے بڑھتا ہے۔ اُن کے رگ پٹھوں میں بھی طاقت زیادہ پیدا ہوتی ہے! جو زندگی کی مددگار بنتی ہے"
خاں۔ "خوب"
س۔ "پس اگر کوئی بچہ کسی بڑی عمر والے کے پاس سوتا ہے تو بچّے کی بجلی دوسرے کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ مثبت ہونے کے معنے یہی ہیں۔ یعنی بڑا آدمی بچے کی طاقت چوستا ہے۔ اور اس طرح بیچارہ بچہ اپنی طاقت دوسرے کو دے کر خود کمزور ہوتا ہے! ــ اور بچّے کا دوسرے کے پاس متواتر سونا تو بچے کو زرد رُو، سُست، بدمزاج اور بے حد کمزور کر دیتا ہے! اور اس طرح موت بھی واقع ہو سکتی ہے"
خاں۔ "یہ تو بڑی عجیب بات ہے"
س۔ "عجیب نہیں بلکہ خطرناک ہے! ــ خیر! اب آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جمیل کے بدن کی بجلی نے اس کی ماں کو اس ایک مہینے تک زندہ رکھا! ــ افسوس ہے کہ ہندوستان میں بچوں کو پاس سُلانے کا رواج عام ہے جو بہت ہی نقصان پہنچاتا ہے"
خ۔ "مگر کیا آپ کے ملک میں یہ رواج نہیں"
س۔ "ہرگز نہیں! تمام یورپ اور امریکہ میں نہیں۔ بلکہ وہاں بچوں کو الگ الگ بستروں پر سُلایا جاتا ہے اور اسی واسطے اُن کی صحت قابل رشک ہوتی ہے"۔ خ۔ "خوب"
س۔ میں ایک بات اور عرض کرونگا کہ بے کھڑکی۔ اور بے روشندان کے مکان اور اس تنگ و تاریک گلی نے بھی جمیلہ کی صحت پر خراب اثر ڈالا ہے۔ اس کے سوا پردے کی سخت پابندی نے کچھ نہ کچھ نقصان پہنچایا ہے۔
سول سرجن صاحب یہ کہہ کر چلے گئے۔

اس کے بعد ننھا جمیل روز بروز زیادہ کمزور ہوتا چلا گیا۔ وہ حسب معمول ہمیشہ اپنی بیمار ماں سے لپٹا رہتا تھا ــ جمیل کو بظاہر کوئی بیماری نہیں تھی ــ اسی واسطے اس کی کمزوری کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی! کیونکہ اس خاندان کے آدمی نہیں جانتے تھے کہ بچہ اپنی طاقت ماں کو دے رہا ہے۔ وہ کیا۔ شائد کوئی ہندوستانی ہی یہ بات جانتا ہو! آخرکار دو ہفتے کے بعد جمیل کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا وہ ماں پر قربان ہو گیا! مگر ماں بھی اس کے بعد دو دن سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔ کیونکہ اسے زندہ رکھنے کی طاقت کا سرچشمہ بند ہو چکا تھا۔ یعنی بچہ مر چکا تھا!
بس بچوں کو کبھی پاس نہ سلائیں بلکہ الگ الگ بستروں پر لٹائیں بچے کو نہ ماں باپ کے پاس اور نہ کسی اور کے پاس سلانا چاہیئے دوسرے بچوں کے پاس بھی نہیں۔ تندرست بچوں کو بیمار مردوں، عورتوں یا بچوں کے پاس بھی ہرگز نہ سونے دیں ورنہ وہ بھی بیمار اور کمزور ہو جائیں گے۔

مظفر حسین اظہر

میاں بیوی کے تعلقات

اگلے زمانہ میں جبکہ ہندوؤں کے اقبال کا ستارہ اوج پر تھا۔ یہاں عورتوں کی قدرو منزلت کسی طرح بھی مردوں سے کم نہ تھی۔ بڑے بڑے یگ (عبادت کا ایک خاص طریقہ) بغیر ان کے انجام نہ پا سکتے تھے۔ یہ مرد کے جسم کا نصف حصہ تصوّر کی جاتی تھیں بچپن میں شادی ہونے سے قبل اُن کو بطور دیویوں کے پوجتے تھے اور بیجا بھی نہ تھا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو نظام قدرت میں آفرینش بخشنے کا اعزاز اُنہی کو عطا کیا گیا ہے۔ عورت کل بنی آدم کی ماں ہے۔ اپنے بچوں کو طرح طرح کی خوبیوں سے آراستہ کرنے کا فخر اُنہی کو زیب دیتا ہے۔ راجپوت رانیاں اپنے شیر خوار بچوں کو حب وطنی اور شجاعت کے گیت سُنا کر اُن کو موت سے نہ ڈرنے والا سپاہی بنا دیتی تھیں اور وقت پڑنے پر یہ اپنے گوشۂ جگر کو جنگ کے میدانوں میں ایسی ایسی ہدایتوں کے ساتھ روانہ کرتی تھیں کہ یا تو فہم سر کر کے آنا۔ یا مر کر واپس آنا۔ یہیں تک نہیں بلکہ خود مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ میدان جنگ میں سینہ سپر رہتی تھیں۔ کون ایسا شخص ہے کہ جس نے لکشمی بائی رانی جھانسی کا نام نہ سُنا ہوگا۔ ایام غدر میں انگریزی سپاہ نے اس کا لوہا مانا اور باوجود ایک مٹھی بھر سپاہ اور دو سہیلیوں کے جن کا نام کاتا اور مندرا تھا اُس نے کئی میدان سر کئے۔ لیکن رفیق گھوڑے کے مرجانے پر اُسے دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ بُری طرح زخمی ہو کر جان بحق ہوئی۔ اس کے بعد اہلیا بائی۔ درگا دتی۔ پدماوتی تلوتما کے کارنامے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ اُن عصمت کی دیویوں کو جب اپنے راجہ کی شکست کا یختہ خیال ہو جاتا تھا تو ناموس پر جان دیدیتی اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے سے بچنے کے لیے اپنے کو نذر آتش کر دیتی تھیں۔ اپنے شوہر کی وفات پر اُس کی لاش کو گود میں لیکر چتا میں پروانہ وار جل کر اپنی حیات کا ہنستے کھیلتے خاتمہ کر دینا اُن کے لئے بچوں کا سا کھیل تھا۔ جب مسلمان بادشاہوں کی فتوحات کا جھنڈا دور دراز کے ممالک پر لہرایا تو وہ بھی اپنی بیویوں کا احترام کرتے تھے اور نازک نازک موقع پر ان کا مشورہ حصولِ مدعا ثابت ہوتا تھا۔

یوں تو سیاسی معاملات۔ علمی مذاق۔ عزم واستقلال میں۔ رضیہ۔ سلطانہ۔ نورجہاں۔ جہاں آرا کے علاوہ اور بھی خواتین گزری ہیں جن کے نام زدعام ہیں۔ لیکن چاند بی بی کو قدرت نے جو دل و دماغ عطا کیا تھا اُس کا ذکر تاریخ میں خال ہی خال نظر آتا ہے۔ لیکن جب ہندوستانیوں کے ناقص دن آئے اور ان کے بخت کی سیاہی اُن کے دلوں تک اُتر آئی تو انھوں نے اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت ناخوشگوار تعلقات برتنا شروع کر دیئے۔ اُن کو لونڈیوں کے برابر سمجھا۔ اُن کے نیک مشوروں کو نہایت بے عزتی کے ساتھ ٹھکرا یا گیا۔ گھر کے جتنے ذلیل کام تھے اُنکے سر تھوپے گئے

تعلیم سے اُن کو بے خبر رکھا گیا۔ یہاں تک کہ اُن کے بیمار پڑ جانے پر اُنکے علاج تک سے پہلو تہی کی گئی۔ اور ایسے وقت میں بھی اُن کو کھانا پکوانے بچوں کی دیکھ بھال و دیگر امور خانہ داری سے چین نہیں لینے دیا۔ اس پر بھی اِن بے زبانوں نے اوف تک نہ کی بلکہ اپنے ہمسایہ اور سہیلیوں کو جو علاج یا کسی دیگر شئے کے لئے بر اُمید ہوتیں ادھر اُدھر کی باتیں کر کے ٹال دیا اور ہمیشہ اپنے شوہروں یا دیگر عزیزوں کی بد اخلاقی و بے توجہی پر پردہ ڈالتی رہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ عورت کو نازک یعنی کمزور ہی ہونا چاہئے کہ وہ مرد کی محتاج اور اُس کے ہاتھ کا کھلونا بنی رہے یہ بات نہایت درجہ کی خود غرضی پر مبنی ہے یہ امر قابل فروگذاشت نہیں کہ دنیا میں مرد عورت کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں کے کام دونوں کے فرائض جدا جدا مگر ایک دوسرے سے ایسے پیوستہ ہیں کہ اگر دونوں میں سے کسی میں خلل واقع ہو تو شیرازہ خانہ داری کے اوراق پریشان ہو جائیں گے جہاں دونوں کے فرائض علیحدہ علیحدہ ہیں وہاں اُن کے خصائل بھی ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف واقع ہوئے ہیں۔ اگر مرد زیادہ قوی اور درشت مزاج ہیں تو عورت میں خوبصورتی اور نرم مزاجی کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ مردوں کو اگر زندگی کی جد و جہد کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو عورتوں کو بھی جملہ امور خانہ داری کی نگہداشت ضروری ہوتی ہے۔ قوائے دماغی مرد اور عورت میں فطرتاً مساوی ہوتے ہیں۔ بلکہ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ بچپن میں لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ ذہین ہوتی ہیں لیکن تعلیم کی کوتاہی حبس دوام اور دیگر جملہ باتوں سے نا آشنا رکھے جانے کی رسم اُن کے دل و دماغ کو کمزور اور ناکارہ بنا دیتی ہے۔

عورتوں میں حسن و جمال کے علاوہ دیگر ایسی بیش بہا خوبیاں ہوتی ہیں جن کا شمار آسانی سے نہیں ہو سکتا۔ یہ انتہا درجہ کی وفادار۔ پاک باز۔ صابر و شاکر پائی جاتی ہیں اُن کی ساری عمر خدمت گذاری میں بسر ہو جاتی ہے بچپن میں اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو کھلانا، دیکھنا بھالنا جوانی میں خسر، ساس، نند، و شوہر کی خدمت کرنا اور ضعیفی میں اپنے عزیز بچوں پر اپنے کمزور اور ناتواں جسم کو اُن پر تصدق کرتے رہنا یہی اُن کا شیوہ رہا ہے۔ ان سب سے زیادہ بڑی و قابل پرستش نعمت جو پروردگار عالم نے اُنہیں بخشی ہے وہ اُن کی عصمت ہے۔ ایک باعصمت ہندوستانی خاتون سات پردوں میں بھی چند لمحوں کی بےحیائی پسند نہ کریگی برخلاف اسکے بہت سے بندگان خدا بیویوں کے مقابل میں انسانیت ہی کھو بیٹھے۔

ہمارے خیال میں کسی کی آئندہ زندگی برباد کر دینے سے نہ تو کوئی بڑا گناہ ہے نہ ظلم مگر آئے دن ایسے واقعات کسی نہ کسی صورت میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اور پھر مزہ یہ کہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خوب کیا۔ کہیں مذہب کی آڑ میں۔ کہیں زمینداری کلسٹرہ۔ کہیں ضرورت کا بہانہ غرض کوئی نہ کوئی بات وہ ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔ اگر کوئی مذہب ایسی تعلیم دیتا ہے تو ایسے مذہب اور رواج کو دنیا سے فنا ہو جانا چاہئے تعجب ہے کہ اُن کا ایمان اُن کو کبھی ملامت نہیں کرتا اور اُن کے خیال تک میں نہیں آتا کہ اُن کی اپنی تمام ضرورتیں تو پوری ہوں۔ مزے سے زندگی بسر کریں کسی قسم کے غم و یاس کو

پاس نہ پھٹکنے دیں۔ اچھا سے اچھا کھائیں۔ بہتر سے بہتر پہنیں اور دنیا بھر کے الّلے تلّلے اُڑائیں مگر وہ بے گناہ بیوی جو ایسی ہی اُمنگیں رکھتی ہے۔ اُن کی لاپرواہی خود غرضی اور نفس پروری سے جانوروں سے بدتر ہوجائے اور ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچے کہ زندگی سے بیزار اور موت سے بغلگیر ہونے کی خواہشمند رہنے لگے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات محبت خصوصاً موجودہ معاشرت میں نفرت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے ہیں۔ محبت ایک پاک، اعلیٰ اور بے غرضانہ جذبہ ہے۔ محبت مایۂ زندگی ہے اور روحِ انسانی کے لئے باعث راحت و مسرت، محبت و شباب کی زینت اور ضعیفی کی رونق محبت کا اثر صاحب محبت کے دل پر نہایت گہرا پڑتا ہے اشیاء کی خواہش اس سے پیدا ہوتی ہے، نرم دلی۔ ہمدردی اور اعتماد اس کے جلو میں چلتے ہیں۔ محبت امنگوں کو بڑھاتی ہے اور قلب کو وسعت دیتی ہے۔ یوں تو دوست واحباب عزیز و اقارب کی محبت بھی محبت ہے۔ مگر میاں بیوی کی محبت ایک علیحدہ ہی شئے ہے۔ شادی ایک جنجال اور بکھیڑا ہی سہی مگر اُس کا نہ ہونا اُس سے زیادہ جنجال اور بکھیڑا ہے ویران ہے وہ گھر جس میں گھروالی کی خوشگوار اور راحت افزا موجودگی اور بچوں کی دل بھانے والی چہل پہل نہیں آدمی کی خصلت کا امتحان اس سے بہتر اور کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ اُس کو خانہ داری کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ صداقت، محبت، ہمدردی اور مردانگی کا کھلا ہوا ثبوت جیسا گھر کی باتوں سے ملتا ہے اور کہیں نہیں مل سکتا۔ یہ سب باتیں گھر میں نہیں تو وہ گھر نہیں کوئی اور چیز ہوگی گھر عورت کی بادشاہت عورت کی ریاست اور عورت کی دنیا ہے جس میں وہ محبت۔ مہربانی اور نیک دلی کے ساتھ حکومت کرتی ہے۔ اچھی بیوی گھر کی رونق مصیبت کا سہارا جوانی کی راحت اور ضعیفی کی وفادار ساتھی ہوتی ہے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے سارے رفقاء گھر میں داخل ہوتے ہی دور ہوجاتے ہیں سب سے بڑی نعمت جو ایک شخص کو حاصل ہوسکتی ہے وہ یہ کہ اُسے نیک سمجھدار تندرست بیوی ملے جس کے ساتھ وہ امن اور چین کی زندگی بسر کرسکے۔

الغرض اب اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ عورت کو خاص توجہ کے ساتھ اُس کو اعلیٰ تعلیم و تربیت دیجاوے جو عام طور سے مرد کو دی جاتی ہے اور بلا استثنا کسی شے کے وہ تمام تمدنی حقوق دیئے جائیں جو مرد کو حاصل ہیں ورنہ معاشرت کا یہ عضو نفیس معطل رہ کر ضعیف ہوجائے گا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سماج کمزور ہوکر فنا ہوجائے گا۔

دیا کشن گجور

نجمہ

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

مسٹر جمیل اپنی لائبریری کے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ اس وقت کچھ پریشان سے تھے کہ ملازم نے صبح کی ڈاک پیش کی جس میں دو اخبار اور ایک لوکل خط تھا۔ کلکتہ کی مہر اور نشان خط سے کچھ پہچان نہ سکے کہ کس کا خط ہے۔ اُلٹ پلٹ کر کھولا لکھا تھا۔

جمیل صاحب میں تین ماہ سے یہاں قیام پذیر ہوں مگر آپ کو اب تک نہیں دیکھ سکی۔ یہاں کے مسلم گرلز ہائی سکول میں ٹیچر ہوگئی ہوں۔ باہر بہت کم نکلتی ہوں۔ ارادہ تھا حاضر ہو کر نیاز حاصل کروں مگر ہمت نہیں پڑتی دس ہفتے تو گذر گئے۔ لیکن اس ہفتہ سے میں بیمار ہوگئی۔ غالباً ملیریا ہے۔ سخت تکلیف میں ہوں۔ بیچاری پرنسپل صاحب بہت مہربان ہیں خبر گیری کرتی ہیں۔ مگر پھر پردیس ہے تنہائی اور علالت۔ کیا اُمید کر سکتی ہوں کہ کسی وقت تشریف لا کر اس بدنصیب غریب الوطن مریضہ کو دیکھ جائیں گے؟

دعا گو نجمہ

خط پڑھ کر وہ اور بھی پریشان ہوگئے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ اب وہ خود مختار جمیل نہیں بلکہ عقد کے بعد سے وہ اپنے آپ کو کسی کا پابند سمجھنے لگے تھے اور نجمہ کا خیال بھی بھلانا چاہتے تھے۔ مگر علالت کی خبر سے گھبرا گئے اور اس خط کے ساتھ یہ رقعہ لکھ کر ملفوف کر کے ملازم چھوکرے کے ہاتھ "شکیل منزل" اپنی بیوی کے پاس بھیجدیا۔ مضمون یہ تھا۔

"ڈیر شکیلہ۔ ابھی یہ خط ڈاک سے ملا ہے۔ اس سے قبل تمہیں معلوم ہے کہ میں اتنی بھی خبر نہ رکھتا تھا کہ نجمہ کہاں ہے خیال تھا کہ شادی ہوگئی ہے۔ مگر اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کلکتہ میں ملازمت کر رہی ہیں۔ خدا جانے کیا سبب ہے؟ چونکہ پردیس ہے اس بیچاری کی خبر لینی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں ضرور ہمدردی ہوگی کسی وقت جا کر دیکھ آؤ اور مناسب امداد کرو۔"

تمہارا جمیل

۱۵ منٹ بعد اس کا یہ جواب لڑکا لایا۔

جمیل صاحب آپ کا ارشاد بسر و چشم منظور میں جانے کو تیار ہوں مگر میرا تنہا جانا ٹھیک نہیں وہ کیا جانیں کہ کون ہوں اور بتا دوں کہ وہ ہوں تو اور غریب کو صدمہ ہوگا۔ پہلے آپ آج تنہا جا کر دیکھ آئیں اور میرا ذکر کریں۔ پھر کسی دن کوئی موقعہ نکال کر مجھ کو لے چلیں۔ آپ سے یہ رسمی پردہ نہ حائل ہوتا تو آسانی تھی اب تو میرا جانا وقت طلب ہے۔

آپ کی شکیلہ

اس رقعہ کا جواب جمیل نے یہ لکھا اور فوراً لڑکے کے ہاتھ بھیجدیا۔

"ڈیر شکیلہ۔ میں تنہا نہیں جاؤں گا۔ تمہارا ساتھ جانا لازمی ہے ابھی تم چچی جان سے "گرلز ہائی اسکول" جانے کی اجازت لے کر وہاں پہنچو میں آتا ہوں تم کو ساتھ لے کر نجمہ کے گھر چلوں گا۔"

یہ پڑھ کر فرمانبردار بیوی فوراً کھڑی ہوگئی کپڑے بدلے اور والدہ صاحبہ سے زنانہ اسکول جانے پرنسپل صاحبہ سے ملنے کی اجازت لے کر کار پر روانہ ہوگئی۔ احتیاطاً ڈرائیور کو بھی نہ لیا کہ جمیل کا ساتھ لینا ظاہر ہو جائے گا۔ خود ڈرائیوری کر سکتی تھی۔ آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچی۔ جمیل پریشان حال اسکول کے پھاٹک پر کھڑے تھے۔ چوکیدار سے نئی لیڈی ٹیچر کا مکان معلوم کر چکے تھے کار پہنچتے ہی سوار ہو گئے۔ شکیلہ اس وقت پری معلوم ہو رہی تھی دھانی جارجٹ کی ساڑھی پہنے تھی جو بہت ہی کھل رہی تھی۔ جمیل گو متفکر تھے مگر تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

غریب نجمہ کہے گی کہ جمیل آج اپنے ساتھ یہ سبز پری کہاں سے لے آئے شکیلہ اس وقت تم واقعی پری لگتی ہو۔ کہو تو کہہ دوں کہ میری نکاحی مگر بن بیاہی بیوی ہے یہ پری۔ یا ابھی ظاہر نہ کریں کیا رائے ہے؟" شکیلہ نے جواب دیا "آپکی ذرہ نوازی ہے یا حسن ظن کہوں میں ہوں تو کچھ بھی نہیں مگر میرا خیال ہے کہ ابھی ظاہر نہ کریں۔

"نجمہ کو صدمہ ضرور ہوگا صرف چچا زاد بتائیں تو بہتر ہے ورنہ وہ تکلف کریگی۔ بہت ٹھیک" جمیل صاحب نے کہا اور ایک کاٹج کے برآمدے میں دونوں اتر گئے۔ وہیں آیا کھڑی تھی جو اندر لے گئی۔ چھوٹے سے خوش سلیقہ ڈرائنگ روم سے گذر کر یہ دونوں بیڈ روم میں پہنچے جہاں مسہری پر نجمہ نحیف و زار بیمار لیٹی تھی۔ یقین نہ آتا تھا کہ ایک ہفتہ میں یہ حالت ہوگئی۔ گلابی چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ سفید نائٹ گاؤن پہنے آسمانی ریشمی شال میں لپٹی پڑی تھی۔ ان کے داخل ہوتے ہی اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر دونوں نے منع کر دیا اور لٹا دیا۔ آیا نے قریب دو کرسیاں رکھدیں اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔ مریضہ اس اجنبی سبز پری کو دیکھ کر حیرت میں تھی اور شکیلہ اس بیماری میں بھی اس کے حسین چہرہ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد جمیل نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

"آپ کو کلکتہ آئے اتنی مدت گذر گئی اور اب ہمیں خبر کی۔"

"میں اگر سخت بیمار نہ ہو جاتی تو شاید اب بھی خبر نہ کر سکتی۔ یہاں فرصت بہت کم ملتی ہے اور میں باہر جانا پسند بھی نہیں کرتی" نجمہ نے یہ جواب دیکر شکیلہ کی طرف دیکھا جس کو جمیل سمجھ گئے اور کہنے لگے۔ شکریہ اب بھی اطلاع دینے کا آپ شاید متعجب ہونگی کہ یہ میرے ہمراہ کون ہے۔ کیونکہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ میرے چچا شکیل صاحب کی صاحبزادی ہیں میں نے ذکر کیا کہ آپ علیل ہیں اور میں دیکھنے کو جا رہا ہوں تو یہ بھی ازراہ ہمدردی اور شوق ملاقات آگئیں۔

امید ہے آپ ان سے مل کر بہت خوش ہونگی اور یہ وقتاً فوقتاً آپ کے پاس آتی رہیں گی اور بہت محبت کرنیوالی دوست ثابت ہونگی۔"

"بہت بہت شکریہ۔ بہن میں آپ کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئی۔ کلکتہ میں میرا کوئی بھی دوست نہیں ہے۔"

نجمہ نے شکیلہ کی طرف دیکھ کر یہ فقرے کہے، شکیلہ نے جواب دیا "مدت گذری ان سے آپ کا ذکر سنا تھا۔ آج یہ خوشخبری ملی کہ آپ کلکتہ تشریف رکھتی ہیں تو میں دوڑی آئی۔ خدا آپ کو جلد صحت دے کیا تکلیف ہے؟"

مجھ کو کئی روز بخار آیا۔ کل سے تو نہیں ہے کچھ معدے کی شکایت تھی کمزوری بہت ہوگئی ہے۔ پرنسپل صاحبہ تو اپنی کوٹھی لے جانے کے لئے مُصر تھیں مگر میں نہیں گئی۔"

اچھا اب آپ ہمارے ساتھ چلئے اور اُس گھر کو اپنے عزیزوں کا گھر خیال کریں۔ آخر مسٹر جمیل سے پرانی ملاقات ہے تکلف نہ کرنا چاہیئے۔ اس حالت میں تنہا نہ رہیں" شکیلہ نے کہا "بہت مشکور رہوں اس محبت اب اچھی ہوجاؤں گی۔ آپ کبھی کبھی یہیں تشریف لے آیا کریں" نجمہ نے جواب دیا۔ دو گھنٹے بیٹھنے کے بعد یہ دونوں رخصت ہوئے۔ نجمہ کو فکر ہوگئی کہ یہ حسین لڑکی کون تھی۔ اور کیوں آئی۔ جمیل نے کیا کیا بتا دیا ہوگا؟ اس ملاقات کے دوسرے دن جمیل صاحب کو نجمہ کا ایک اور خط ملا جس میں لکھا تھا۔

ڈیئر جمیل آپ کے تشریف لانے کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں اور ساتھ ہی ایک سبز پری کے لانے کا دل پر خاص اثر ہے۔ اب استدعا ہے کہ ایک گھنٹے کو تنہا تشریف لایئے کچھ عرض کرنا ہے جو دوسرے کے سامنے نہیں کر سکتی۔ بدبخت نجمہ

اس خط کو پڑھ کر جمیل حیران ہوگئے کہ کیا کریں۔ وہ تنہا نجمہ کے پاس جانا بہت نامناسب خیال کرنے لگے تھے اس حالت میں کہ وہ کامران کی منسوبہ ہے اور خود شکیلہ سے عقد کر چکے ہیں۔ مگر بیمار نجمہ کی خواہش کو بھی ٹالنا ناممکن تھا مغرب کے وقت خط ملا۔ بہت دیر سوچا کبھی خیال کرتے کہ یہ بھی شکیلہ کو دکھا دیں۔ پھر سوچتے کہ وہ کچھ بُرا خیال نہ کرے۔ آخر خط کو چاک کرکے پھینک دیا۔ اور خود نجمہ سے ملنے کے لئے چلے گئے۔ وہ اس وقت بھی پلنگ پر تھی اور بخار بھی تھا۔ آیا ان کو اندر لے گئی۔ اُنھوں نے جاتے ہی نجمہ کی نبض دیکھی ہاتھ گرم تھا۔ گھبرا گئے "او ہو نجمہ اس وقت بخار ہے کیا سبب؟ کل تو نہ تھا آپ نے کہا تھا اب اچھی ہوں یہ کیا ہوگیا؟" خدا جانے کل جیسے ہی آپ دونوں تشریف لے گئے سردی معلوم ہوکر بخار ہوگیا اور اب تک ہے۔ خیر ہونے دو۔ یہ تو اب رہے گا بیٹھو کچھ باتیں کرنی ہیں" نجمہ نے جواب دیا۔

وہ کرسی قریب کرکے اس پر بیٹھنے لگے مگر نجمہ نے اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔ "کہیے میں حاضر ہوں۔ علاج کس کا ہے۔ میں کوئی اور ڈاکٹر لاؤں۔ آخر بخار کیوں نہیں جاتا" جمیل صاحب نے کہا۔ "عزیز جمیل چھوڑو ان خیالات کو کیا ہونگے ڈاکٹر میرا دنیا میں اب کوئی کام نہیں۔ آپ سے ملنا چاہتی تھی وہ ہوگیا آپ کو دیکھ لیا۔ بس اب کوئی فکر نہیں"۔ نجمہ سے یہ سُنکر جمیل کا دل بھر آیا وہ دوسری طرف دیکھنے لگے پھر پوچھنے لگے "مسٹر کامران کہاں ہیں؟ آپ تنہا کیوں ہیں؟ اُن کو بلا لینا چاہیئے۔ پتہ بتائیں میں تار دیدوں"

نجمہ نے جواب دیا۔ "اب مجھے اس بدکردار شخص سے کوئی واسطہ نہیں۔ اُس کی شادی بھی ہوگئی۔ میں نے زندگی

کے دن گذارنے کو یہاں کام کرنا شروع کر دیا۔ مگر کلکتہ میں کیوں ملازمت کی؟ یہ آپ نے نہ پوچھا؟" جمیل چشم پُرآب تھے بہت ہمت کر کے کہنے لگے "کیا پوچھوں کیا دریافت کروں جبکہ میں خود جانتا ہوں کہ کلکتہ کو اپنے قیام کے لئے کیوں پسند کیا۔ آہ نجمہ وقت گزر گیا۔ غضب کیا کمبخت کامران نے کیوں شادی کر لی؟ خیر کچھ نہ۔ دوا پیو۔ اپنی صحت سنبھالو۔ ہم سب یہاں حتی الامکان آپ کی مدد کو تیار ہیں۔ میں آپ کا وہی ہمدرد ادنیٰ خادم اور جاں نثار بھائی ہوں۔ نجمہ آج سے ہم دوست نہیں بلکہ مثل حقیقی بہن بھائی کے ہیں۔ کہو مجھ کو بھائی بنانا پسند ہے۔ دل سے بھائی بناؤ گی؟" یہ کہہ کر جمیل نے اپنا سر جھکا دیا۔ نجمہ گو نہایت کمزور تھی مگر اُٹھی اور اپنا سر اُن کے شانہ پر ڈالا۔ آنکھوں سے گرم گرم اشک رواں تھے جمیل نے خود بھی رو رہے تھے۔ کچھ دیر بعد نجمہ نے کہا "بھائی! بھائی تو بڑی نعمت ہے یہ بدنصیب اس قابل کہاں کہ ایسے فرشتہ خصائل انسان کو بھائی کہہ سکے۔ بہن نہیں جمیل صاحب مجھ کو اپنی بدبخت کنیز خیال کریں تو فخر کروں بہن بننے کے قابل کہاں رہی ہوں"۔ خدا جانے جمیل نے ان کے لفظ کنیز کہنے سے کیا سمجھا کہ فوراً کھڑے ہو گئے اور رومال سے آنکھیں پونچھ کر کہنے لگے۔ "نجمہ ایسی باتیں اب نہ کرو۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس وقت سے تا دم زیست تمہیں اپنی حقیقی بہن تصور کرونگا۔ اور یہ خیال میرا آج کا نہیں اُس دن سے ہے جبکہ آپ کو کامران کے ساتھ دیکھا تھا۔ بس تم بھی مجھ کو اپنا بھائی جانو اور بے تکلف خدمت لو۔ اپنی ضروریات بیان کرو۔ اگر میری جان کام آئے تو عذر نہیں"۔ یہ کہکر جمیل پھر نجمہ کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ بھی پھر اُٹھ بیٹھیں اور ان کے کاندھے پر سر رکھ کر رونے لگیں۔ تب انھوں نے بٹھا کر لٹا دیا اور انگور کے دانے جو قریب رکھے تھے مُنہ میں دیئے چند منٹ کے بعد نجمہ نے کہا "میں آپ کی محبت و ہمدردی کا شکریہ ادا نہ کرسکوں گی۔ اگر ایسی بدقسمت لڑکی کو بہن بنانے کی عزت دیتے ہیں تو اس سے بڑھ کر میرے لئے کوئی خوشی نہیں۔ ہاں یہ تو بتایئے کہ کل وہ لڑکی آپ کے ساتھ کون تھی؟ بھائی سچ سچ کہنا۔ مجھ کو شبہ ہوتا ہے وہ تو کوئی منظور نظر لڑکی تھی بتا دو"۔

"جمیل نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "شبہ درست ہے مگر وہ منظور نظر نہیں بلکہ منکوحہ لڑکی تھی۔ آپ کو پسند آئی سچ بتانا۔ ہم نے تو بہن کامران کا ذرا بُرا نہیں مانا تھا خوشی سے ملتے تھے۔" اُن سے منکوحہ سُنکر نجمہ کا چہرہ یکدم سُرخ اور پھر سیاہ پڑ گیا پسینہ پسینہ ہو گئی۔ دس منٹ کو آنکھیں بند کرلیں۔ جمیل گھبرا گئے دیکھا تو ہاتھ بالکل سرد تھے۔ انھوں نے سوچا کہ بُرا کیا بیمار کو ایسی خبر دینی دل پر بُرا اثر ہوگا۔ اب کیا کریں۔ کچھ سوچ کر مُسکرا کر کہنے لگے "نجمہ نجمہ کیا ہے سو گئیں ہم نے تو مذاق کیا تھا اس قدر بُرا لگ گیا۔ کہو تو کیا سچ جانا؟" مذاق کا لفظ سُنکر نجمہ نے پھر آنکھیں کھولیں اور کہا "بھائی جمیل اگر مذاق ہے تو خدا کرے کہ جلد صحیح ہو جائے۔ بُرا نہیں لگا کسی بہن کو اپنے بھائی کی منسوبہ بُری نہیں لگتی۔ کہیے چچازاد بہن تھی یا منگیتر تھی؟" جمیل نے ٹالنے کو ہنسکر کہا "کچھ نہیں۔ پھر بتائیں گے۔ اب دوا پی لو۔ اب تو ہم بھائی بہن ہیں نہ؟ کوئی وجہ نہیں بُرا معلوم ہونے کی اور نجمہ ہم نے تو بڑی خوشی سے کامران کو دیکھا اور ملتے رہے" یہی گفتگو ہو رہی تھی۔

کر کار کی آواز آئی جمیل کھڑے ہو گئے۔ آیا شکیلہ کو لئے کمرے میں داخل ہوئیں۔ نجمہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ شکیلہ جمیل کو یہاں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ "یا تو کل تنہا نہ آتے تھے یا آج پہلے ہی سے موجود ہیں۔" "سلام علیکم کہئے بہن مزاج کیسا ہے؟ میرا کل سے دل پڑا تھا آخر اس وقت اماں جان سے اجازت لے کر آ گئی" جمیل کو دیکھ کر کہا آپ کس وقت تشریف لائے وہاں آپ کی تلاش ہو رہی ہے بھائی جان سینما میں لے جانے کے لئے آپ کو ڈھونڈھ رہے ہیں"۔ سلام کے بعد یہ کچھ کہہ کر شکیلہ نجمہ کے پاس مسہری پر بیٹھ گئی۔

ان کو آج بہت بخار ہے مجھ کو پرنسپل صاحب نے بتایا تو میں ادھر آ گیا۔ اچھا ہوا آپ آ گئیں ان کا دل بہلے گا۔ ابھی وقت ہے میں جاؤں بھائی جان کے پاس؟ جمیل صاحب نے یہ کہا شکیلہ نے جواب دیا "اب کہاں وقت ہے بھائی گئے ہونگے بیٹھئے اب ہم اور آپ ساتھ چلینگے جمیل بھی کرسی پر بیٹھ گئے مگر اس وقت انکی عجیب حالت تھی۔ شکیلہ سے بغیر کہے آنے کی وجہ سے شرمندگی تھی نجمہ کی تکلیف کا خیال تھا۔ دو گھنٹے دونوں بیٹھے رہے اُن کا بخار تیز تھا آخر نو بجے چلنے لگے باہر آئے تو شکیلہ نے کہا۔ بہن نجمہ صاحبہ کو بہت تکلیف ہے تنہا رات کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ بخدا میں تو رہ جاتی مگر اماں جان اجازت نہ دینگی۔ ہاں آپ ٹھہر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ آج یہیں رہیں میں واپس جاؤں"۔ شکیلہ سے، یہ سُن کر جمیل صاحب نے عجیب نظروں سے شکیلہ کی طرف دیکھا اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایسی تیز نظر سے دیکھا کہ آخر اُنھوں نے نگاہیں نیچی کر لیں اور خاموش کھڑی رہیں۔ پھر جمیل نے کہا۔

شکیلہ کیا کہہ رہی ہو مجھ کو بے وقوف بنا رہی ہو؟ یا خود بچہ بنتی ہو۔ میں یہاں شب کو کیوں ٹھیروں؟ اور اگر ضرورت سمجھوں رہنے کی تو رہ سکتا ہوں۔ آپ کو اجازت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ عورت کتنی ہی تعلیم یافتہ ہو آخر عورت ہے۔ کمزور دل کم ہمت کم حوصلہ مگر مجھ جیسے شخص کی شریک زندگی کو بڑی ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے"۔ یہ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ شکیلہ بھی جا بیٹھیں۔ مگر عجب حالت تھی۔ (باقی آئندہ)

نذر سجاد حیدر

فوٹوگرافی

(جملہ حقوق محفوظ)

فوٹوگرافی کا ضروری سامان اور اس کے عمل کے لئے خاص جگہ

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عکسی تصویر صندوق نما یا دیگر شکل کے آلے کی مدد سے کھینچی جاتی ہے۔

کیمرہ جو لوہے یا لکڑی کا بنا ہوتا ہے۔ اس آلے کو کیمرہ یا "عکسالہ" کہتے ہیں اس میں آگے ایک خاص قیمتی گول شیشہ ہوتا ہے۔ جس کو لینز کہتے ہیں۔ عکسی تصویر کشی کے لئے ایک کیمرہ یا عکسالہ جس میں عمدہ لینز لگا ہوا ہو۔ فوٹوگرافی کے جملہ سامان میں پہلی اور ضروری چیز ہے۔ بازار میں بے شمار قسموں اور شکلوں کے کیمرے فروخت ہوتے ہیں جن کی قیمت ساخت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے کیمرہ اور اس کا لینز کیسا ہونا چاہئے۔ اس کے متعلق اگلوں صفحوں پر مفصل لکھا گیا ہے۔ کیمرہ خریدنے سے پہلے ان دو باتوں کو غور سے پڑھ لیا جائے تو پھر کسی پریشانی کا سامنا نہیں ہو سکتا اور مبتدی اپنی حیثیت اور شوق سے ایک عمدہ کیمرہ انتخاب کر سکتا ہے۔

پلیٹ اور فلم کیمرہ کے اندر ایک پتلی سی تختی لگائی جاتی ہے جس پر تصویر بنتی ہے جو بعد میں "نگیٹو" یا منفی عکس کہلاتا ہے یہ تختی دو چیزوں کی عام طور سے بنائی جاتی ہے شیشہ کی اور گتے یا پارچہ یعنی سلولائڈ کی۔ شیشہ کی تختی کو ڈرائی پلیٹ یا صرف "پلیٹ" کہتے ہیں اور سولائڈ کی تختی فلم کہلاتی ہے۔ فلم دو شکلوں کی ہوتی ہے۔ ایک ڈرائی پلیٹ کی طرح چپٹی (فلیٹ)، اور دوسری فیتہ کی طرح لمبی جس کو "رول فلم" کہتے ہیں یہ لکڑی کی ایک ریل میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اب کچھ دنوں سے کاغذ کی فلمیں بھی بننے اور بکنے لگی ہیں۔ اور کاغذ بھی بجائے پلیٹ کے استعمال ہونے لگے ہیں جنکو نگیٹو کارڈ کہتے ہیں۔

ڈرائی پلیٹ اور فلم (خواہ وہ کسی قسم اور شکل کی ہو) پر ایک قسم کا کیمیائی مسالہ چڑھا ہوتا ہے۔ جو عموماً سلور کلورائڈ یا سلور برومائڈ اور سریش کا مرکب ہوتا ہے۔ جیسے کہ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ یہ نمک یا مرکب روشنی سے بہت جلد متاثر ہونے کی قدرتی خاصیت رکھتا ہے۔ اس لئے فوٹوگرافی کی پلیٹیں اور فلمیں خاص انتظام سے روشنی پروف ڈبوں لفافوں اور ریلوں میں بند اور لپٹی ہوئی کارخانوں سے آتی ہیں۔ اگر ان کو روشنی میں کھول لیا جائے یا ان کو بے قاعدگی یا غلطی سے روشنی لگ جائے تو خراب ہو جاتی ہیں اور فوٹوگرافی میں استعمال کے قابل نہیں رہتیں اور نہ ان کے درست ہونے کا کوئی علاج ہے۔

پلیٹیں اور فلمیں کئی پیمانوں میں بنائی جاتی ہیں۔ جو کیمرے کے میکنکل اور آپٹکل ساخت کے مطابق ہوتی ہیں چنانچہ کیمرہ جس پیمانہ کی تصویر کے لئے بنایا گیا ہے۔ اسی پیمانہ کی پلیٹ اور فلم بھی بنائی جاتی اور بازار میں بکتی ہیں (رول فلم میں ایک پیمانے کے کئی حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک حصے پر یکے بعد دیگرے تصویر لیجاتی ہے)، چنانچہ مروج عام (اسٹینڈرڈ) پلیٹوں اور فلموں کے پیمانے مندرجہ ذیل ہیں:

پیمانے پلیٹ

آخر ذکر پلیٹ*	لینٹرن پلیٹ	فل پلیٹ	ہاف پلیٹ	پوسٹ کارڈ	کوارٹر پلیٹ	
	۳ ۱/۴ × ۳ ۱/۴	۸ ۱/۲ × ۶ ۱/۲	۶ ۱/۲ × ۴ ۳/۴	۵ × ۳ ۱/۲	۴ ۱/۴ × ۳ ۱/۴	۳ ۱/۲ × ۲ ۱/۲

*عموماً میجک لالٹین کے سلائڈ بنانے میں کام آتی ہے اور کوارٹر پلیٹ کے کیمرے میں بھی استعمال ہو سکتی ہے

ان کے علاوہ اور بڑے پیمانہ کی پلیٹیں بھی بنتی ہیں جو زیادہ تر پیشہ ور فوٹوگرافر استعمال کرتے ہیں۔

پیمانے فلم ایک مربع انچ = ۵″ × ۴″ = ۴½″ × ۳½″ = ۳½″ × ۲½″ = ۲″ × ۲″ × ½۱ = ۳″ × ۲″ = ۲″ × ½۱″ = ۱″ × ۱″ سے بھی کم پیمانے کی فلموں کا رواج روز بروز بڑھ رہا ہے کیونکہ آجکل ایسی چھوٹی جسامت کے کیمرے زیادہ مقبول عام ہوتے جا رہے ہیں جن کی کل لمبائی و چوڑائی دیاسلائی یا سگریٹ کی ڈبیہ کے برابر ہوتی ہے اور جو آسانی سے قمیص یا واسکٹ کی جیب میں رکھے جا سکتے ہیں۔

فلیٹ یا کٹ فلم قریب قریب ڈرائی پلیٹوں کے پیمانے کے برابر ہی آتی ہیں۔ یہ فلمیں ایک خاص قسم کے لفافوں یا پیکٹوں میں بند ہوتی ہیں۔ جن کو فلم پیک کہتے ہیں۔ فلم پیک ایک وصلی کا روشنی پروف پیکٹ ہوتا ہے جس میں بارہ یا چھ فلمیں بند ہوتی ہیں اور اس میں یہ آسانی ہے کہ پیکٹ بند حالت میں ہی کیمرہ کی پشت پر لگا دیا جاتا ہے جس طرح ڈارک سلائڈ لگتا ہے پیکٹ میں سے کاغذ کے ٹیب (Tabs) نکال کر کھینچ لیتے ہیں اور پھاڑ ڈالتے ہیں تب وہ بارہ یا چھ فلمیں اپنی جگہ پر پھیر جاتی ہیں اور اکسپوز ہونے یعنی تصویر لینے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ جب فوٹوگرافر پہلی فلم اکسپوز کر لیتا ہے تو اس کو کھینچ کر پیچھے کی طرف سرکا دیتا ہے پھر دوسری فلم اکسپوز ہونے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب تمام فلمیں اکسپوز ہو جاتی ہیں تو فلم پیک (دن کی روشنی میں ہی) کیمرہ سے نکال لیا جاتا ہے اور پھر دوسرا بھرا ہوا پیکٹ اس کی جگہ رکھا جا سکتا کٹ فلم ڈرائی پلیٹ کی طرح ڈارک سلائڈ میں بھی استعمال ہو سکتی ہے۔

پلیٹیں اور فلمیں مختلف اسپیڈ (تیزی) کی فروخت ہوتی ہیں جیسے آرڈنری۔ ریپڈ۔ اسپیشل ریپڈ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان کی اسپیڈ ایچ اور ڈی (H&D) نمبر سے بھی لکھی اور بتائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق اکسپوزر کے ضمن میں مفصل لکھا گیا ہے۔ بہرحال ایک سنگل لینز کے کیمرہ میں استعمال کرنے کے لئے آرڈنری پلیٹ بہتر ہوتی ہے۔

ڈیولپر جب کیمرہ سے پلیٹ یا فلم پر تصویر لے لی جاتی ہے تو اس کو خاص کیمیائی محلول دھویا جاتا ہے اس محلول کو "ڈیولپر" کہتے ہیں۔ ڈیولپر کئی قسم کے ہوتے ہیں جن میں سے زیادہ تر یہ مشہور اور مستعمل ہیں۔ ہائیڈروکینین۔ پائروسوڈا۔ پائرومیٹول اور میٹول کیونول وغیرہ۔ یہ سب خاص خاص کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ان میں سے کوئی ڈیولپر زیادہ گہری (زیادہ اکسپوز شدہ) پلیٹ ڈیولپ (دھونے) کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ کوئی نقل لینے والی پلیٹ کے لئے مخصوص ہے کوئی ڈیولپر خاص طور سے فلم کے لئے اور کوئی صرف پلیٹ کے لئے کام دیتا ہے اور کوئی ٹینک سسٹم سے فلم یا پلیٹ دھونے کے لئے بہتر کام دیتا ہے اس کے علاوہ ہر پلیٹ اور فلم بنانے والا اپنی پلیٹ اور فلم ڈیولپ کرنے کے لئے خاص ڈیولپر بتاتا ہے جس کا نسخہ اور ترکیب استعمال ان کے خلطوں پر لکھی ہوتی ہے۔ اب ایسا ڈیولپر بھی ہوتا ہے جو ہر قسم کی پلیٹوں اور فلموں کو ہر طریقے سے (مثلاً ٹینک سسٹم وغیرہ) ڈیولپ کرنے کے لئے یکساں کام دیتا ہے۔ ایسے ڈیولپر کو یونیورسل ڈیولپر کہتے ہیں۔ چنانچہ کفایت شعار شوقین فوٹوگرافر اس ڈیولپر کو ترجیح دیتے ہیں۔

جملہ ڈیولپروں میں ایک بہت مقبول عام اور سادہ ڈیولپر میٹول ہائڈروکینن ہے جو معمولی پلیٹوں اور فلموں کے لئے یکساں مفید اور کارآمد ہے۔ اس کا نسخہ آئندہ لکھا جائیگا۔ دیگر نسخے بھی ان کے استعمال کے موقع و محل پر بتائے جائینگے بہت زیادہ کام کے لئے ڈیولپر کا مکسچر بازار سے اس کے متفرق اجزا خرید کر گھر پر تیار کرنے میں زیادہ کفایت رہتی ہے

پیٹنٹ ڈیولپر ان کے علاوہ بازار میں ہر قسم کے تیار شدہ ڈیولپر بھی پیٹنٹ ناموں سے ٹکیوں پوڈر کی شکل اور سیال

حالت میں فروخت ہوتے ہیں جو درحقیقت اچھے اور قابل اطمینان ہوتے ہیں۔ ان کو صرف پانی میں گھول کر استعمال کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ ان میں "رائنٹول" اور "رائزول" مشہور یونیورسل ڈیولپر کہلاتے ہیں۔ "رائنٹول" ٹیبلائڈ برانڈ ٹکیوں کی شکل میں ہوتا ہے اس ڈیولپر کو مبتدی خصوصاً بچے اور لڑکیاں اور سفری لوگ بڑی سہولت اور کفایت سے استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں کسی قسم کے ناپ تول کی دقت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ ڈیولپر ایک نگیٹو کے لئے بھی تیار ہو سکتا ہے اور ایک ساتھ کئی عدد کے لئے بھی۔ اس طرح اس کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں جاتا۔ رائنٹول کے ایک کارٹون کی قیمت عموماً یہاں ہندوستان میں ۸؍ یا ۱۰؍ ہوتی ہے اس سے ۱۰۰ عدد کوارٹر پلیٹیں (۳¼ × ۴¼") یا ۲¼ × ۳¼ پیمانے کی رول فلم کی ۵ مکمل رلیں (اسپول) ڈیولپ ہو سکتی ہیں ایزول سیال حالت میں ہوتا ہے اور اس کے قطرے گن کر پانی میں ملائے جاتے ہیں چنانچہ مبتدیوں سے قطرے ناپنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔

فکسر پلیٹ یا فلم ڈیولپر سے ڈیولپ کرنے کے بعد ایک قسم کے نمک کے پانی میں دھوئی جاتی ہے اس نمک کے پانی کو فکسر یا "فکسنگ باتھ" کہتے ہیں اور یہ نمک ہائپو سلفائٹ آف سوڈا ہوتا ہے جو عام طور سے مختصر الفاظ میں ہائپو کہلاتا ہے۔ ہائپو بہت سستا نمک ہے اور ایک پونڈ (½ سیر) کے پیکٹ یا ڈبے میں مل سکتا ہے۔ اس کی دو تین قسمیں ہوتی ہیں لیکن اس میں زیادہ احتیاط اور سوچ بچار کی ضرورت نہیں۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو خالص ہو۔ خالص ہائپو قلمی شفاف (Crystals) ہوتا ہے اور خشک جگہ بہت عرصہ تک اپنی اصلی حالت میں رہ سکتا ہے۔ بہت سے فوٹوگرافر ہائپو کو (۴ اونس خالص ہائپو ایک پائنٹ پانی میں) گھول کر رکھ چھوڑتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہائپو فوراً گرم پانی میں گھل جاتا ہے اور ٹھنڈا ہونے پر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

ایسڈ فکسر۔ خالص ہائپو فکسر کے علاوہ ایک دوسرا فکسر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جسے "ایسڈ فکسنگ باتھ" کہتے ہیں اور اس کی سفارش فلم کے لئے کی جاتی ہے۔ ہائپو سلوشن (محلول) میں تھوڑا سا میٹا بی سلفائٹ آف پوٹاش ایزاد کرنے سے فلم دھونے کے لئے ایسڈ فکسنگ باتھ تیار ہے۔

پرنٹنگ کاغذ پلیٹ یا فلم ڈیولپر اور فکسر سے پختہ ہونے کے بعد تیار ہو جاتی ہے جو نگیٹو کہلاتا ہے نگیٹو پر تصویر الٹی ہوتی ہے اب اس کے نیچے کوئی حساس (Sensitized) کاغذ رکھ کر روشنی پہنچائیں تو اس پر سیدھی تصویر اتر آتی ہے جو اصلی تصویر یا فوٹوگراف ہوتا ہے۔ اس کاغذ کو جو سیدھی تصویر اتار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ فوٹو پرنٹنگ کاغذ کہتے ہیں۔ چنانچہ بازار میں نگیٹو سے تصویر چھاپنے کے لئے کئی قسم کے کاغذ فروخت ہوتے ہیں جن میں سے سیلف ٹوننگ۔ پی او۔ گیس لائٹ اور برومائڈ کاغذ زیادہ مشہور ہیں مبتدیوں کے لئے سیلف ٹوننگ کاغذ بہتر ہے کیونکہ اس پر چھپائی آسانی سے ہو جاتی ہے۔ جن پیمانوں کی پلیٹیں اور فلمیں بکتی ہیں انہیں پیمانوں کے مطابق ہر قسم کے پرنٹنگ بھی تیار شدہ ملتے ہیں۔ برومائڈ کاغذ ڈرائی پلیٹوں اور فلموں کی طرح مختلف درجہ کے ملتے ہیں مزید تفصیل آئندہ لکھی جائے گی۔

پرنٹنگ فریم نگیٹو سے فوٹو پرنٹنگ کاغذ پر تصویر چھاپنے کے لئے ایک شیشہ دار چوکٹا ہوتا ہے جسے "پرنٹنگ فریم" کہتے ہیں یہ فریم نگیٹو اور کاغذ کو دوران چھپائی (اکسپوزر) میں دبائے رکھتا ہے۔ چنانچہ فوٹوگرافر کے پاس ایک یا دو پرنٹنگ فریم موجود ہونے چاہئیں معمولی لکڑی کے پرنٹنگ فریم کے جو شکل ۵ سے ظاہر ہے تین حصے

ہوتے ہیں۔ ایک خود چوکھٹا ۲ بیڈ یعنی رکھے جاتے ہیں۔ ۳ پُشت جو دو حصوں ٹمکا ہوتی ہے۔ بیڈ پر نگیٹو اور کاغذ ہے اور چوکھٹے کے دائیں بائیں طرف ہیں اور ان کے سرے چوکھٹے پر جو ہیں ان کے نیچے دبا دیتے ہیں اس

شکل ۵ معمولی پرنٹنگ فریم

شیشہ کی تختی جس پر نگیٹو اور کاغذ میں تقسیم ہوتی ہے اور قبضوں سے رکھ کر ان پر پشت رکھدی جاتی کمانیاں گھماکر پشت پر لے آتے ایک ایک انچ کے تار جڑے ہوتے کے علاوہ اور کئی شکلوں کے فوٹو پرنٹنگ فریم ہوتے ہیں جن کا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہوگا۔

تاریک کمرہ (ڈارک روم) چونکہ فوٹوگرافی روشنی اور سیاہی کی بنیادوں پر قائم ہے اس لئے اس کا کیمیائی عمل ایسی جگہ بیٹھکر انجام دیا جاتا ہے جہاں قطعی اندھیرا ہو ایسی جگہ کو "تاریک کمرہ" یا "ڈارک روم" کہتے ہیں۔ گو آجکل نئی ایجاد شدہ چیزوں اور طریقوں نے فوٹوگرافی کو تاریک کمرہ سے ایک حد تک سبکدوش کر دیا ہے اور ہم لائیب فوٹوگرافی کا ضروری عمل بغیر تاریک کمرہ کے انجام دے سکتے ہیں۔ تاہم فوٹوگرافی سے پورا حظ اُٹھانے کے لئے تاریک کمرہ ہونا ضرور چاہئے اور مبتدی کے لئے بغیر اس کے فوٹوگرافی کا ہر قسم کا عمل کامیابی سے انجام دینا آسان نہیں ہے لہٰذا مبتدی کو فوٹوگرافی کا سامان مہیا کرنے کے ساتھ ایسی محفوظ تاریک جگہ بھی انتخاب کر لینی چاہئے جہاں وہ اطمینان اور آرام سے بیٹھکر کام کر سکے۔ تاریک جگہ (ڈارک روم) قطعی بیرونی روشنی سے محفوظ ہونی چاہئے۔ وہاں سورج یا کسی اور قسم کی روشنی کی ایک خفیف کرن کا بھی گذر نہو۔ اس مقصد کے لئے مغربی وضع کے مکانوں میں غسل خانہ جہاں پانی با فراط مل سکتا ہے۔ بہتر کام دے سکتا ہے یا کوئی چھوٹا کمرہ یا حجرہ جس میں کھڑکیاں یا روشندان زیادہ نہ ہوں اس مقصد کے لئے کام میں لایا جاسکتا ہے۔ روشندان بالکل بند کر دینے چاہئیں۔ اگر ان میں شیشے لگے ہوئے ہوں تو ان پر سیاہ کاغذ چڑھا دیا جائے۔ نیز کواڑوں اور کھڑکیوں میں کسی قسم کے سوراخ یا درز وغیرہ ہوں تو ان پر بھی سیاہ یا سُرخ رنگ کا کاغذ چپکا دینا چاہئے سُرخ کاغذ اور کپڑے خاص اسی مقصد کے لئے فوٹوگرافی کا سامان بیچنے والوں کی دوکانوں پر ملتے ہیں معمولی قسم کے ٹینو کاغذ یا سُرخ کپڑے وغیرہ اس مقصد کے لئے کارآمد نہیں ہیں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہوسکے تو شب کے وقت معمولی کمرے میں بیٹھکر کام کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال وہ جگہ جہاں فوٹوگرافی کا ڈیولپنگ اور فکسنگ کے عمل انجام دیئے جائیں اس قدر تاریک ہونی چاہئے جہاں تک ممکن ہوسکتی ہے۔ کیونکہ پلیٹ یا فلم کو جن پر تصویر لیجاتی ہے۔ سوائے اس کی مخصوص (لال) روشنی کے کسی دوسری روشنی میں اس وقت تک ہرگز نہیں لاسکتے جب تک وہ ڈیولپر وغیرہ میں دُھل کر پختہ نہیں ہوجائے۔

تاریک کمرہ نہو تو کیا کیا جائے: جیسے کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ آجکل فوٹوگرافی ایک حد تک تاریک کمرہ (ڈارک روم) کی محتاج نہیں۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ رول فلم "ڈے لائٹ" ٹینک میں ڈیولپ اور فکس کی جائے اور "سیف ٹوننگ" پی۔او یا گیس لائٹ کاغذ پر فلم یا پلیٹ سے تصویر چھاپی جائے تو ڈارک روم کی ضرورت نہیں ہوتی ان طریقوں پر عمل کرنے کے لئے مفصل ہدایتیں اگلے صفحوں پر لکھی جائیں گی۔

تاریک کمرہ میں پانی صاف اور با افراط موجود ہونا چاہئے۔ جس میں پلیٹیں یا فلمیں اور ان سے چھپی ہوئی تصویریں دوائیوں کا اثر چھڑانے کے لئے دھوئی جائیں گی۔ ڈیولپر بنانے میں حتی الامکان نل کے پانی سے پرہیز کیا جائے کیونکہ اس میں لوہے کا

رنگ بھی تھوڑا بہت ملا ہوتا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا۔ یہ زنگ پلیٹ اور فلم کی نازک سطح کو خراب کر دیتا ہے۔ اس کے لیے اگر مقطر پانی استعمال کیا جائے تو بہت بہتر ہے مقطر پانی انگریزی اور یونانی دواخانوں میں آسانی سے بہت سستا مل سکتا ہے۔

اکثر شوقین رہائش کے کمروں کو عارضی طور سے ڈارک روم بنا لیتے ہیں مگر وہاں پانی افراط سے استعمال نہیں کیا جا سکتا اس کے علاوہ میز یا قالین وغیرہ پر بے احتیاطی سے فوٹوگرافی کی دواؤں کے پختہ داغ پڑ جاتے ہیں جو ان چیزوں کو خراب کر دیتے ہیں۔ ان دقتوں کا علاج یہ ہے کہ ایسے ڈارک روم میں صرف بہت ضرورت کے قابل پانی استعمال کیا جائے۔ چنانچہ ایک بڑے پیالے یا بالٹی میں پانی بھر کر پاس رکھ لیا جائے۔ پلیٹ یعنی نگیٹو ایک دوسرے ہاتھ میں حسب ہدایت گذارنے سے قبل پانی میں کھنگالے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد (سادے) پانی میں دُھلائی کا عمل جو بہت ضروری ہے تاکہ تمام دواؤں کا اثر نگیٹو پر سے چھوٹ جائے ڈارک روم سے باہر دن کی روشنی میں بخوبی انجام دیا جا سکتا ہے۔ کمرے کی چیزوں پر داغ دھبے نہ پڑنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ ایک لکڑی کی کشتی جس کے کنارے ایک یا ڈیڑھ انچ اونچے ہوں بنوائی جائے اور اس میں ڈیولپر فکسر کے برتن رکھ کر تمام اعمال صفائی سے انجام دیئے جائیں۔ یہ کشتی میز یا فرش پر رکھی جا سکتی ہے۔ فوٹوگرافی کا سامان حفاظت سے رکھنے اور اٹھانے دھرنے کی زحمت سے بچنے کے لیے ایک ایسی دو خانوں کی لکڑی کی الماری بنوائی جا سکتی ہے جس کی شکل نیچے دکھائی گئی ہے۔ بوقت ضرورت الماری کا پٹ کھول کر اس کو بطور میز استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وہیں کھڑے ہو کر یا بینچ پر سامنے بیٹھ کر سہولت سے پلیٹ وغیرہ ڈیولپ کی جا سکتی ہے الماری کا پٹ نہایت مضبوط قبضوں سے جڑا ہونا چاہیے تاکہ بے وقت بوجھ سے ٹوٹ نہ جائے۔ اگر الماری کے چار خانے ہوں تو چھ انچ گہرے ہونے چاہئیں کل الماری کی چوڑائی ایک گز اور اونچائی ۲ فیٹ ہوگی۔
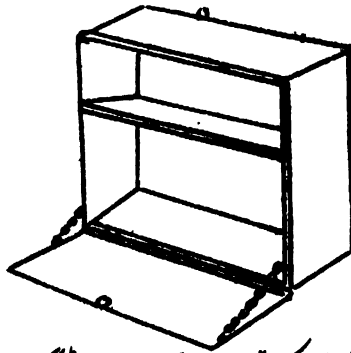
ایک معمولی کمرے کو دروازوں اور کھڑکیوں میں سیاہ وزنی پردے جو کافی موٹے ہوں لٹکا کر ڈارک روم بنایا جا سکتا ہے۔

چین جنگ بیگ۔ سفر میں پلیٹ کیمرہ یا فلیٹ فلمیں بغیر روشنی پروف لفافے کے ساتھ ہوں تو ڈارک روم نہ ہونے کی صورت میں ایک روشنی پروف تھیلا مندرجہ ذیل شکل ۵ کا بنوایا جا سکتا ہے جس میں ہاتھ ڈال کر ڈارک سلائڈ میں پلیٹیں یا فلیٹ، فلمیں بند کی جا سکتی ہیں یہ تھیلا سیاہ موٹے کپڑے مثلاً لیدر کلاتھ وغیرہ کا ہونا چاہیئے۔ اگر استر بھی سیاہ یا سرخ کپڑے کا لگا لیا جائے تو بہتر ہے اس سے اس سے آپ کا چینجنگ تھیلا بہت محفوظ ہو جائیگا اور بہت عرصہ تک کام دیگا۔

شکل ۶ ایک دو خانوں کی الماری فوٹوگرافی کا سامان رکھنے کے واسطے۔
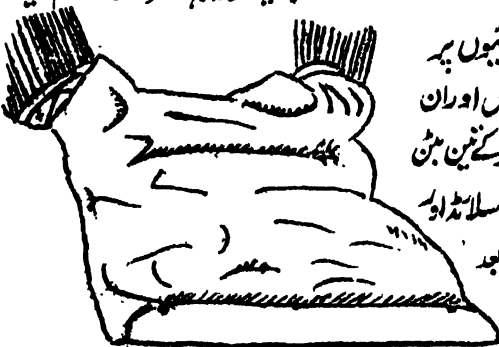
آستینوں میں الاسٹک فیتہ یا ربن لگایا جائے تاکہ آستینیں سکڑ کر ہاتھ کی کلائیوں پر ٹھیک چمٹ جائیں اور دونوں ہاتھ تھیلے کے اندر آسانی سے کام کر سکیں اور ان کے راستے سے روشنی اندر نہ پہنچ سکے۔ مُنہ کی جانب سے کنارے دُہرے کر کے تین بٹن ٹانک دیئے جائیں۔ بوقت ضرورت بٹن کھول کر اس راستے سے ڈارک سلائڈ اور پلیٹوں کا بکس رکھا جا سکتا ہے اور پھر بٹن لگا دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آستینوں میں دونوں ہاتھ ڈال کر نہایت احتیاط اور غور سے بکس کھول کر پلیٹیں یا پلیٹ سلائڈ میں بند کر لیتے ہیں۔

شکل ۷ـ چین جنگ بیگ یا تھیلا۔

لال لیمپ تاریک کمرے میں کام کرنے کے لئے ایک ایسی روشنی کا انتظام ضروری ہے جس کا اثر فوٹوگرافی کی حساس چیزوں پر نہ پڑ سکے ایسی کئی رنگ کی روشنیاں ہیں جن میں سے سُرخ روشنی ایسی ہے جس کا اثر تمام قسم کی معمولی فلموں اور پلیٹوں پر نہیں پڑتا ہے اور جو کچھ (بہت دیر تک پلیٹ سامنے رکھنے سے) پڑتا ہے تو بہت خفیف۔ البتہ پین کرو میٹک پلیٹیں (جن کو مبتدی بہت کم استعمال کرتے ہیں) ایسی ہیں۔ جن پر کیمیائی عمل (یعنی ڈیولپنگ وغیرہ) کرنے کے لئے کمرہ قطعی تاریک ہونا لازمی ہے۔

خاص ڈارک روم میں کام کرنے کے واسطے لال لیمپ فوٹوگرافی کا سامان بیچنے والوں کی دوکانوں پر ملتے ہیں اور گھر پر بھی آسانی سے بنائے جا سکتے ہیں۔ گھر بنانے میں گہرے رنگ سُرخ کا اور مضبوط ہو۔ معمولی لال

شکل ۸ لال لیمپ

کیونکہ وہ نیلی روشنی چھوڑتے ہیں (جو بظاہر معلوم نہیں ہوتی) جب ایسے ناقص لال شیشوں کی روشنی میں پلیٹ ڈیولپ کی جاسکتی ہے تو وہ دُھندلی ہوتی ہے اور اس پلیٹ سے چھپی ہوئی تصویریں بھی صاف اور چمکدار نہیں ہوتیں۔ اصلی لال روشنی کی پہچان کا ایک آسان طریقہ ہے کہ ڈاک خانہ کا ایک نیا لال ٹکٹ لے کر اس روشنی میں دیکھو اگر روشنی اصلی ہوگی تو ٹکٹ پر کچھ نہیں پڑھا جائیگا۔ لال روشنی میں لال رنگ کا ڈاک خانہ کا ٹکٹ بالکل سفید کاغذ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے لیمپ جن میں موم شمع مٹی کا تیل یا پرافین جل سکے مبتدیوں کے لئے بہتر ہیں مگر مٹی کے تیل سے روشن ہونیوالے لیمپ میں زیادہ کفایت ہوتی ہے کیونکہ یہ تیل سستا اور ہر جگہ دستیاب ہو جاتا ہے۔ جن مکانوں میں بجلی لگی ہو وہاں تاریک کمرے میں سُرخ رنگ کا بلب بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اس قسم کے بجلی کے لال بلب فوٹوگرافوں کے یہاں ملتے ہیں۔ مگر وہ بلب استعمال نہ کیا جائے جس کو ایک قسم کے پینٹ سے لال کر لیتے ہیں۔
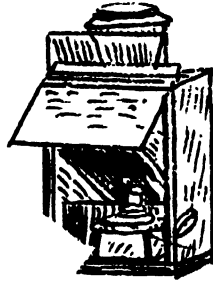
اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ شیشہ بہت شیشے محفوظ اور قابل اطمینان نہیں ہوتے

دیگر مختلف رنگ کے لیمپ:۔ برومائڈ کاغذ اور خصوصاً انلارجمنٹ کے عمل کے لئے ایک گہری زرد یا نارنجی (orange) روشنی استعمال کی جاتی ہے چنانچہ اکثر تاریک کمروں میں دونوں قسم کی روشنیوں کا انتظام ہوتا ہے۔ بہت سے فوٹوگرافر پلیٹ اور فلموں کے لئے گہری سبز رنگ کی روشنی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ہم مبتدیوں کو ہر صورت میں ڈرائی پلیٹوں۔ فلموں اور برومائڈ کے کاغذ کے لیے بھی عمدہ محفوظ لال روشنی کا ہی مشورہ دیں گے۔ البتہ برومائڈ کاغذ پر انلارجمنٹ بنانے کے لئے گہری زرد روشنی مہیا کرلینی چاہیے۔ کیونکہ اس میں اطمینان کے ساتھ کام ہوسکتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے کمروں کی شیشہ دار کھڑکیوں اور روشندانوں میں سُرخ رنگ کا کپڑا چڑھا لیتے ہیں اور دن کی روشنی اس میں سے نفوذ ہو کر کمرے میں آتی ہے تو اس میں کام کرتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ کیونکہ سب سے بڑا نقص اس میں یہ ہے کہ دُھوپ کپڑے یا کاغذ کا رنگ مدھم یا دُھندلا کر دیتی ہے۔

ڈیسینسٹائزر آجکل شائقین فوٹوگرافی چند نئے سلوشنوں کا بھی چرچا سنتے ہوں گے جو ڈیسینسٹائزر (desensitizers) کہلاتے ہیں۔ یہ سلوشن پلیٹ یا فلم ڈیولپ کرنے کے لئے ڈارک روم کی ضرورت سے بری یا کم از کم کم سے کم وقت تک رہنے کے قابل کرتے ہیں۔ حسب قاعدہ فوٹوگرافر کو پلیٹ یا فلم ڈیولپ کرنے سے فکس کرنے تک تاریک کمرہ میں ٹھیرنا پڑتا ہے لیکن ڈیسینسٹائزر پلیٹ یا فلم کو فوراً اس قابل کر دیتا ہے کہ ڈیولپ کرنے کا عمل معمولی کمزور روشنی میں اگر ضرورت ہو تو تاریک کمرہ سے باہر بھی بخوبی انجام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن مبتدی کو جب تک فوٹوگرافی میں کافی مشق نہ ہو جائے۔ ڈیسینسٹائزر کا خیال نہ کرنا چاہیے ڈیسینسٹائزر کے محلول کے استعمال طریقہ ڈیولپ کرنے کے باب میں لکھا جائیگا۔

تاریک کمرہ کے لئے دیگر ضروری لوازم تاریک کمرہ میں چند برتن ہونے ضروری ہیں جن میں پلیٹ یا فلم ڈیولپ اور فکس کی جائے گی یہ برتن تام چینی یا وُدل کینٹ یا آبنوسائٹ کے ہونے چاہئیں جن پر فوٹوگرافی کی کاوی دواؤں کا اثر نہیں ہوتا ہے معمولی کام کے لئے دو یا تین ڈش کافی ہو سکتے ہیں۔ ایک ڈش پلیٹ یا کٹ فلم کے پیمانے کے برابر اور دو اس سے دُگنے بڑے ہونے چاہئیں۔ دُگنے پیمانے کی ڈشوں میں ایک یہ فائدہ ہے کہ ایک ساتھ دو پلیٹیں یا کاغذات میں ڈبل سکتے ہیں جس ڈش میں ہائپو کا محلول استعمال کیا جائے وہ کسی اور کام میں استعمال نہ کرنا چاہئے۔ اس قسم کے ڈش بازار میں رائج الوقت فوٹوگرافی کی پلیٹوں، فلموں اور کاغذوں کے پیمانوں کے مطابق فروخت ہوتے ہیں گھر کے برتنوں سے بھی کام چلایا جا سکتا ہے۔ وہ برتن ایسے ہونے چاہئیں کہ ان میں سلوشن ہمواری سے یکساں پھیلا رہے اور پلیٹ یا کٹ فلم اسمیں اچھی طرح ڈوب جائے۔ گھر کے پیالے رول فلم کے لئے بہت آرام دہ برتن ہیں ان میں رول بڑی سہولت سے ڈیولپ ہو جاتی ہے۔

شکل ۹۰ ڈش

تاریک کمرے کے لئے ایک میشر گلاس (محلول ناپنے کا پیمانہ) ہونا چاہئے۔ مگر کفایت شعار مندی اس کے بجائے ایک یا دو اونس کی شیشی یا واٹر مین یا سوان اِنک کی (۲ اونس والی) دوات سے کام چلا سکتے ہیں۔ اگر فوٹوگرافی کی خشک دوائیں (کیمیکلز) بازار سے الگ الگ خرید کر سلوشن بنائے جائیں تو ایک کانٹا یا ترازو بھی فوٹوگرافر کے پاس موجود ہونی چاہئے۔

علاوہ بریں اور بھی کئی ایسی چیزیں ہیں جو خاص خاص کاموں کے لئے درکار ہوتی ہیں لیکن یہ شوقین فوٹوگرافر کے انتخاب پر منحصر ہے کہ وہ اپنے کام میں جس قدر سہولت اور وسعت پسند کرے ایسے لوازم مہیا کر سکتا ہے جو وقت اور محنت اور روپیہ بچانے کے موجب ہوں۔ کچھ شوقین فوٹوگرافی اپنی فلمیں اور پلیٹیں ڈیولپ کرنے کے لئے ٹینک استعمال کرتے ہیں کہ اس میں جلد اور صفائی سے کام ختم ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ڈیولپ کرنے کے لئے ڈشوں کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ کم خرچ ہیں۔ بہرحال جس قدر جیب کی حالت اجازت دے اسی قدر شوق میں روپیہ صرف کرنا عقلمندی ہے۔

پلیٹوں کے لئے واشنگ اور ڈرینگ ریکس کی موجودگی بھی کام میں کافی سہولت پیدا کرتی ہے۔ پلیٹیں ڈشوں میں دھونے کی نسبت واشنگ ریک پر رکھ کر دھونے سے وہ ہائپو سے جلد اور بڑی آسانی سے صاف ہو جاتی ہیں۔ ان تمام امور کی تشریح اور مفصل ہدایتیں نگیٹو تیار کرنے کے ضمن میں درج کی جائیں گی۔

اکثر فوٹوگرافر خصوصاً پیشہ ور کاریگر تھرمامیٹر بھی رکھنا پسند کرتے ہیں۔ مگر ہندی خصوصاً بچوں اور لڑکیوں کے لئے تھرمامیٹر بہت ضروری چیز نہیں ہے۔ تھرمامیٹر سے ڈیولپر کا درجہ حرارت دیکھا جاتا ہے۔

فوٹوگرافی کا سامان حفاظت سے رکھا جائے شائقین فوٹوگرافی کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ فوٹوگرافی میں استعمال ہونے والی تمام حساس (sensitive) اشیاء اور دوائیں نہایت جلد اثر پذیر اور زہریلی ہوتی ہیں۔ اس لئے فلموں پلیٹوں اور فوٹو پرنٹنگ کاغذوں نیز دواؤں کو حفاظت سے رکھا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ پلیٹیں فلمیں اور پرنٹنگ کاغذ تاریک کمرے میں نہ رکھیں کیونکہ دواؤں کے انجرات اُڑ کر انکے بنڈلوں میں پہنچ جاتے ہیں اور پلیٹوں و فلموں کو خراب کر دیتے ہیں۔ تاریک کمرہ نمی یا رطوبت نہ ہونی چاہئے اور نہ وہ بہت گرم ہو۔ ہائپو سلفائٹ آف سوڈا فلمی بہت جلد نمی پا کر خراب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی (سوائے ضرورت کے قابل) ڈارک روم میں نہ رکھیں۔ **سید رضا احمد جعفری**

عورت

عطیات الٰہی سوائے طاقت جسمانی کے مرد و عورت دونوں جنسوں میں مساوی ہیں۔
دنیا کی حشمت و جلال کی تعمیر میں عورت کا اتنا ہی حصّہ ہے جتنا مرد کا ہے۔
سوز و ساز، خلش و تپش، ریا کاری اور آنسو۔
ان کی تخلیق میں مرد کا اتنا ہی ہاتھ ہے جتنا عورت کا۔
عورت دل ہے اور مرد جسم۔
اگر مرد سورج کی تپش اور بادِ سموم کا جھونکا ہے تو عورت "چاند کی کرن" اور نسیم صبح گاہی۔
عورت ہی نے شاعری کی بنیاد ڈالی۔
اور مرد کے ہر لفظ کو موسیقی میں بدل دیا۔
مرد کی ہر فتح و ظفر عورت کی منت پذیر ہے۔
عورت آدمؑ کی پسلی سے بنائی گئی ہے۔
اس کے پیر سے نہیں کہ کچل ڈالی جائے۔
بلکہ اس کے پہلو سے کہ اس کے برابر ہو۔
اس کی بازو کے نیچے سے کہ اس کی پناہ میں رہے۔
اس کے دل کے قریب سے کہ محبت کی جائے۔

ملک فضل امام

بے فکری کی تلاش

دنیائے ناپائیدار! تو میرا سب کچھ لے لے
آنے والی مسرتیں، لے لے میری نغمہ سرائی —
میرے موجودہ گانے — پسندیدہ افسانے، مضطرب آوازیں — ناکام ولولے — سیلاب اشک، دل کی گہرائی میں چھپے ہوئے جذبات — مقبول دعائیں — بے چین راتیں رفقار کی صحبت — وطن کی محبت — احبار کی الفت — علمی اعزاز، عمر کی دولت — ہاں ہاں اے دنیائے بے ثبات تو یہ سب کچھ لے لے اور اِن کے عوض مجھے بے فکری، سکون اطمینان کی پونجی دے دے — مجھے ایک گوشہ عافیت کی جستجو ہے — تاکہ میں کچھ دنوں کے لئے دنیاوی کشمکش سے آزاد ہو جاؤں — ورنہ یہ ناقابل برداشت افکار مجھے کہیں کا نہ رکھیں گے — مجھے اندیشہ ہے کہ میں پگلی ہو کر تیری رنگینی میں دھبہ لگانے کے جرم میں قید ہو کر ایک نئی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔

دختر نظیر حسین

کلام محروم

شہرت

شہرت طلبی ہے ایک سودائے خام — رہتا ہے اس سے آدمی بے آرام
آغاز مخالفت کی صفِ آرائی — آخر بے اعتنائی اس کا انجام!

عادت کی غلامی

ہوتا ہے رہین رنج۔ راحت کا غلام — مفلس دل کا ہے مال و دولت کا غلام
ہے یوں تو بُری ہر اک غلامی لیکن — ہے سب سے بُرا خراب عادت کا غلام

تلوک چند محروم

عورت سے

افراط کے اونچے ٹیلے پر تفریط کی گہری وادی ہیں ❖ یا سر پھٹنے کے ساماں ہیں یا مرنے کے بربادی ہیں
یہ دنیا اور اس دنیا کی تہذیبیں خندق کھائی ہیں ❖ قومیں ان قعروں میں گر گر کر پے در پے مرتی آئی ہیں
وہ واقف ہے اس فطرت سے جو خالق ہے اس ہستی کا ❖ ناواقف انساں کیا جانے یہ رازِ فراز و پستی کا
جب نوحؑ کا طوفاں برپا ہو جب چار طرف طغیانی ہو ❖ جب کوہ و دمن صحرا و چمن ہر سو پانی ہی پانی ہو
جودی کی اونچی چوٹی پر ڈوبے گا سفینہ کنعاں کا ❖ لیکن کشتی پیغمبر کی ہے ساحل مردِ مسلماں کا
اے بیوی! اے بیٹی! اے ماں! مہلک ہے تمدن مغرب کا ❖ او باعصمت دامن نہ چھٹے زنہار رسولِ یثرب کا
پیرس۔ لندن۔ امریکہ میں بس مت پوچھو کیا ہوتا ہے ❖ شیطان بدی کا ہنستا ہے نیکی کا فرشتہ روتا ہے
وہ عورت جس کو فطرت نے ماں بننے کی عزت دی ہے ❖ وہ بیوی جس کو قدرت نے دلداری کی دولت دی ہے
تفریط کی اوچھی نظروں میں وہ عورت لونڈی ہوتی ہے ❖ افراط کے ٹیلے پر چڑھ کر خود اپنی عزت کھوتی ہے
فطرت نے عزت رکھی ہے عورت کے عورت ہونے میں ❖ لیکن یورپ عزت سمجھا یہ جوہر عزت کھونے میں
تعمیرِ تمدن کے حق میں دونوں کی ضرورت یکساں ہے ❖ جس منزل میں ہے مرد پدر اس منزل میں عورت ماں ہے
معکوس ترقی کرنے سے معدوم ترقی ہوتی ہے ❖ دراصل تنزل ہوتا ہے معلوم ترقی ہوتی ہے
اب تک قانونِ شریعت کو جن قوموں نے ٹھکرایا ہے ❖ خود اپنے قصرِ تمدن کو اپنے ہی ہاتھوں ڈھایا ہے
اک مدت تک یہ بحث رہی آیا عورت انساں بھی ہے ❖ آیا آبادی کے قابل یہ صحرائے ویران بھی ہے
آیا عورت کے قالب میں دراصل انسانی روح بھی ہے ❖ اس بحرِ فنا کی کشتی میں دیکھو تو کوئی نوح بھی ہے
عورت پر علمی دروازہ ہندومت میں مفتوح نہیں ❖ ویدوں کے علموں کے قابل اس کے قالب میں روح نہیں
عورت سے تعلق رکھنے پر بدھ مذہب میں نروان نہیں ❖ شوہر یا بیوی بننے کا بدھ مذہب میں امکان نہیں
عورت امثالِ نصاریٰ میں افعالِ گنہ کی بانی ہے ❖ عورت دنیائے یہودی میں اک تخلیق شیطانی ہے
یونان کے حکمت خانہ میں عورت شایانِ علم نہ تھی ❖ فطرت کی طرف سے عورت میں ہاں گویا شانِ علم نہ تھی
ایران کی عورت ساغر تھی مصری عورت پیمانہ تھی ❖ روما کے محلوں کی دیوی میخواروں کا میخانہ تھی
صدیوں کے دورِ غلامی میں عورت احساس مٹا بیٹھی ❖ اپنے ہم خلقت شوہر کو اپنا معبود بنا بیٹھی
سب میں "پت ورتا" کہلائے عورت کو گویا ناز یہ تھا ❖ شوہر کی پرستش کرتی تھی اس لعنت کا اعجاز یہ تھا
اپنے شوہر کی "داسی" ہو ہندی عورت کا دھرم یہ تھا ❖ جو ظلم سہے منہ سے نہ کہے اس کا معیارِ شرم یہ تھا
جب بیٹی پیدا ہوتی تھی چہرہ کالا پڑ جاتا تھا ❖ اک باپ وفورِ ذلت سے بس دھرتی میں گڑ جاتا تھا
احساسِ رذالت سے لڑکی مٹی میں دبا دی جاتی تھی ❖ دنیا سے نشانی ذلت کی اس طرح مٹا دی جاتی تھی
سسرالی رشتے ناتے سب سامانِ ننگ و عار ہوئے ❖ لڑکی والے سسرے سالے اس درجہ ذلیل و خوار ہوئے

عورت کو جب اس ذلت پر ان بیدردوں نے پہونچایا ٭ تب غیب سے عورت کا حامی اسلام کا پیغمبر آیا
وہ بیواؤں کا ناصر تھا وہ مسکینوں کا یاور تھا ٭ وہ تھا عورت کا رکھوالا وہ مردوں کا پیغمبر تھا
اس نے آکر سب مردوں کو ایسا پیغام سنایا تھا ٭ جس نے عورت کے غاصب کو اس کا قوام بنایا تھا
تدریجاً سارے عالم کا اس نے ماحول بدل ڈالا ٭ اس نے الہامی یورش سے رسموں کا ملک کچل ڈالا
پہلے ذہنوں کو جلا بخشی پھر اصلاحِ ذہنیت کی ٭ پھر کی تبلیغ حکیمانہ عورت کے حقوق و عزت کی
جو سوئے ہوئے تھے جاگ اٹھے جو جاہل تھے ہشیار ہوئے ٭ عورت ہی نہیں حیوانوں کو حق دینے پر تیار ہوئے
اب سمجھے عورت انساں ہے مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ پڑھ کر ٭ خود بھی گرنے سے باز رہے عورت کو تھام لیا بڑھ کر
قوموں میں آج زباں زد ہیں الفاظ حقوقِ نسواں کے ٭ یہ بھولے ہوئے افسانے ہیں اسلامی عہد و پیماں کے
مِمَّا اكْتَسَبُوا والے سمجھے راز مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ٭ ایمان و عمل میں یکساں ہے رتبہ ہر مرد و عورت کا
ہمدوش بنایا مردوں کا عورت کو اٹھا کر پستی سے ٭ اب عورت بھی آگاہ ہوئی دنیا میں اپنی ہستی سے
عورت کو یوں آزاد کیا پھر دونوں کو پابند کیا ٭ حق دونوں کو دے کر باہم پابند چون و چند کیا
پیدا ہرگز ہونے نہ دیا وہ جذبہ خود سر ہونے کا ٭ جس سے مفہوم بدل جائے دونوں کے برابر ہونے کا
مردوں میں زور و صلابت ہے عورت میں ضعف و نزاکت ہے ٭ مردوں میں جوش و تشدد ہے عورت میں جذب و لطافت ہے
اعضا کی ساخت جداگانہ کردار جدا اطوار جدا ٭ آواز جدا انداز جدا رفتار جدا گفتار جدا
احوال جدا امراض جدا صحت کا طرز جداگانہ ٭ اس سعی و عمل کی دنیا میں خدمت کا طرز جداگانہ
فطرت نے مرد و عورت کو جیسی اہلیت بخشی ہے ٭ دانائے رموزِ فطرت نے ویسی ہی خدمت بخشی ہے
عورت میں جذب و نزاکت ہے یہ اس کا حسنِ فطرت ہے ٭ عورت کو مرد بنانے کی کوشش فطرت سے بغاوت ہے
تو دیو صفت اے حور ہوئی با ثروت بھی مزدور ہوئی ٭ سامانِ سکونِ شوہر تھی اب خود ہی تھک کر چور ہوئی
تو اپنی ذات میں عورت تھی جب مرد بنی عورت نہ رہی ٭ جب مرد بنی تب حق پایا پھر عورت کی عزت نہ رہی
در اصل تجھے کچھ حق نہ ملا مردانہ حق مردانہ تو ٭ شوہر نہ بنی بیوی نہ رہی کس درجہ ہوئی دیوانہ تو
کیا غیرت ہے بازاروں میں مزدور بنا کر لا ڈالا ٭ اس مرد نے جس کو فطرت نے ٹھہرایا تیرا رکھوالا
جب روپ بھرا اک عورت نے جب مرد بنی اک نا عورت ٭ تب وہ عزت دی مردوں نے جو اس کے حق میں ہے ذلت
قسّامِ ازل کی قسمت میں یہ عیب نمائی خوب نہیں ٭ اے عورت نا عورت بننا کیا تیرے لئے معیوب نہیں؟
ہاں گر کے مقامِ عورت سے تو مردوں میں کھو جائے گی ٭ تو مرد نہیں بن سکتی ہے ہاں خوار و زبوں ہو جائے گی

کیا عورت بننا ذلت ہے اب ہوش میں مخمور نہ بن
تو بیوی بن حمّال نہ بن تو مادر بن مزدور نہ بن

سید محمد عبد الرب صوفی

مجھے کچھ عرض کرنا ہے

کتاب جتنی پیاری، اچھی اور عزیز چیز ہے اتنی ہی خطرناک بھی۔ غالباً ہر اچھی چیز خطرناک ہوتی ہے۔

کتاب یا کوئی اچھا رسالہ جس کی ادبی شان و وجاہت کی خاطر ہم اس کا فائل بنا رہے ہوں ایک عجیب جنجال ہے۔ ہم اس کو جتنے جتن سے رکھنا چاہتے ہیں، جتنا چھپ چھپ کر اس کو پڑھنے کی ہماری خواہش اور ساتھ ہی سازش اسکیم ہوتی ہے اتنی ہی دشمنوں کی آنکھوں میں وہ کھٹکتی ہے۔ آج کل تو قریب قریب سب ہی اتنے حریص ہو چکے ہیں کہ اچھی کتاب جہاں دیکھی اور ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ دل، امنگوں سے بھر گیا، خیال خیال ہی میں کتنے صفحے دیکھ ڈالے۔ یہ سب واردات گذر گئی۔ اپنی چیز کے لئے نہیں۔ پرائے مال کے لئے۔ اخبار کے لئے تو یہ ضرب المثل ہے کہ ایک اخبار سارے محلہ کے لئے بلکہ بعض وقت تو سارے قبیلہ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ باری باری سے سب نے دیکھ لیا۔ چلئے قصہ ختم۔

ایک اچھی کتاب، یا ایک ماہانہ ادبی رسالہ کیا نہیں ہوتا۔ دن گنے جاتے ہیں اس دن کے لئے جب یہ آنے والا ہوتا ہے۔ ڈاکیہ کی آواز پر کان لگے ہیں۔ کہیں باہر سے آئے ہیں تو پہلا سوال گھر والوں سے یہی ہوتا ہے کہ فلاں رسالہ آیا؟ نفی میں جواب دینے والے کا منہ نوچ لینے کو طبیعت چاہتی ہے۔ مگر اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں۔ اور اگر مل جاتا ہے تو پھر خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔ اور ختم کرنے تک چین نہیں آتا۔ اندھے کو دو آنکھیں مل جائیں تو کیا ہوگی اس کے ندیدے پن کی انتہا بس قریب قریب ایسا ہی کچھ حال رہتا ہے۔ کتاب یا ایسا رسالہ جس میں کتاب ہی کے افسانوں کا مزہ مل جائے سوتے وقت کے لئے ایک بہترین رفیق، بستر علالت پر ایک خاموش مونس و غمگسار، تنہائی کی طول طویل پریشان کن الجھن آمیز گھڑیوں کو طے کرنے کے لئے ایک زبردست و سچے رہنما، سفر کی یکسانیت، بے کسی و غریب الوطنی کے احساس کو دور کرنے میں ممد و معاون، خصوصاً جہاز کے سفر میں ایسا لطف کہ بیان سے قاصر ہے۔ جہاز میں خاصی لائبریری ہوتی ہے جس سے تشنگان علم آئے دن سیراب ہوتے ہوئے منزل مقصود پر پہونچتے ہیں۔ ورنہ یہ پانی کی نہ ختم ہونے والی منزل کٹھن سے کٹھن تر ہو جائے۔ دریا پہاڑ بن جائے۔

نیند کو اطبا صحت کے لئے مفید بتاتے ہیں۔ ڈاکٹروں کا عقیدہ ہے کہ یہ زبردست ٹانک ہے، فلسفی کی منطق ہے کہ کائنات کا سکون اس میں مضمر ہے۔ طالب علم کا تجربہ ہے کہ کتب بینی سے بڑھ کر نیند کا اور کوئی نسخہ نہیں۔ یوں چپ چاپ سوچتے رہئے، خوشامدیں کیجئے، لاکھوں ہی جتن کر ڈالئے نیند کا دیوتا نہیں منتا۔ مگر جہاں آپ نے کتاب کھولی، یا کوئی اہم رسالہ اٹھا لیا تھوڑی دور تک نظریں گئی تھیں کہ تھک گئیں۔ آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ جیسے کسی نے سحر کر دیا۔ جادو کی ٹوپی ڈال دی۔ دماغ تھکنے لگا۔ نیند نے مچل مچل کر آنکھوں پر قبضہ جما لیا۔ وہ قوی ہیکل دیو جو کسی سے رام نہ ہوتا تھا چشم زدن میں مطالعہ کی قوت سے رام ہو گیا۔ اس کے غرور کا سر نیچا ہو گیا۔ کتنی طاقت ہے اس اوراق کے مجموعہ میں۔

دوست دشمن بن جاتے ہیں۔ اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں۔ عزیز آنکھیں پھیر لیتے ہیں ایسی کہ پھر کوئی تمہاری بات بھی نہیں پوچھتا، مگر یہ کچھ اوراق منتشر کا منتظم شیرازہ، یہ چند محدود صفحات کی دلنشیں سہیلی مرتے دم تک ساتھ دیتی ہے۔ ایمرسن کہتا ہے "مروں تو کتب خانہ میں مروں" اس کو کچھ ایسی ہی اس سے دلچسپی رہی ہوگی جو ایسے الفاظ نکلے اس کے قلم سے۔

غربت و افلاس کے دکھ بھلا دینا، دلی افکار کے امنڈتے ہجوم کو پرے ہٹا کر اپنی دھاک بٹھانا، من کی آگ، قلب کے دہکتے ہوئے شعلوں سے کھیل کر مردانہ وار نکل جانے کی ترغیب دینا، خوشیوں اور شادمانیوں کی محفل میں سب سے دور، سب سے بیگانہ بن کر پڑھنے والے کو صرف اپنا کر لینا۔ بیماری کی کوفت و جانکنی کو بڑی حد تک کم کر دینا، عزیزوں اور دوستوں کے بچھڑنے، روٹھنے، انجان بن جانے کے بعد جو صدمات ہوتے ہیں اس ہیجان کو سکون و طمانیت سے بدل دینا یہ سب اس کے معجزے ہیں مگر پھر سوال یہ ہے کہ یہ عزیز ترین محبوب "دہر دل عزیز" کیوں بن جاتا ہے؟ یہ "اپنا" پرایا ہو جانے کی کیوں اتنی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس میں ہرجائی پن کا عنصر کیوں غالب ہے۔ اس کی بالشت بھر کی بساط ساری علمی دنیا کو کیوں اتنا مسحور کر لیتی ہے۔ کیوں وہ متعدد بیگانوں کے دل اس طرح بہلاتی ہے جس طرح ہمارا۔ اور پھر اس ستم ظریفی کا کیا علاج کہ اس کی حیثیت ایک گشتی کتب خانہ کی کتاب کی طرح ردی ہو کر ایسی کچھ غائب ہو جاتی ہے کہ ؎

آپ اپنی خبر نہیں آتی

ادھر بھائی جان کی سہیلیاں ان کے مفت کرم داشتن کے طرز عمل سے بالکل تنگ آگئی ہیں۔ جہاں کسی دوست کے پاس کوئی نیا رسالہ یا اچھی سی کتاب دیکھی کہ ان کی رال ٹپکی۔ آنکھیں بدلیں۔ رنگ نکھرا اور ہاتھوں میں ایک سنسنی سی پیدا ہوئی۔ جب تک اس پر حملہ نہ کر لیں انھیں چین کہاں۔ پھر تو وہ نہ منہ سے بولیں نہ سر سے کھیلیں۔ وہ ہیں اور ان کی کتاب۔ ان کی بھی کہاں ہے وہ۔ مگر اپنی چیز کی طرح اس کو اپنا بنا رکھا ہے ان کا تھا روئے، بسورے، چیخے چلائے، بھائی جان کے دفتر کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ سگریٹ اور پان کے طالب ایک سائل کی طرح ان کی سرکار میں ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں اور یہ محترمہ ہیں کہ مفت کی کتب بینی میں ایک مکھی کی طرح مصروف۔ یہی کیا ہے۔ ساری دنیا جہنم میں جائے ان کی بلا سے۔ ایسی بھی کیا بے صبری ہے نہیں معلوم۔ نہ جانے ایسے موقع پر ان کی قوت برداشت کہاں جان بچا کر چلی جاتی ہے۔ بھوک پیاس کا بھوت جوان کو بڑی حد تک تنگ کرنے کا عادی تھا کہاں غائب ہو جاتا ہے۔ نیند کا متوالا پن جو ان کی زندگی کا ایک نمایاں کارنامہ ہے کہاں روپوش ہو جاتا ہے۔ کتاب صرف ختم ہی نہیں ہوتی۔ اس پر بیسیوں نشان سرخ اور نیلے پنسل کے لگ گئے۔ اس کا نقشہ ایسا بگڑتا ہے جو کسی کے بنائے نہ بنے۔ جب خوب گت بن گئی تو کہیں چین آیا۔ ابھی تیسری سہیلی سے اس کی تعریف میں دو بول بول دئے۔ اور اب ان محترمہ کی باری ہے۔ اس کا اطمینان رکھئے۔ ابھی تک اس نے تو پڑھی ہی نہیں جس کی یہ ملک ہے اور نہ بظاہر اس غریب تک اس کی رسائی کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ؎

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز

جہاں بانو بیگم۔ ایم۔ اے۔

ہر عروج کی تہ میں زوال

دنیا کی شطرنج پر حکومت کے مہرے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اور یہ قدرت کے ہی اٹل قانون ہیں کہ ہر ترقی انحطاط کے اجزا سے مرکب ہے۔ اور ہر عروج کی تہ میں زوال پوشیدہ ہے اور ہر بقا کا انجام فنا ہے۔ انسان دنیا میں کتنا ہی عروج اقتدار اور جاہ وجلال حاصل کرے۔ اور زمین کے اس سرے سے اس سرے تک بلکہ بحر و بر اور فضا میں بھی اپنا تسلط جمالے۔ آخر ایک دن خدا جانے کس حالت میں اس زمین کے نیچے تہ خاک ہو کر رہے گا۔ لیکن ہر حیات بعد از ممات اپنا اثر کچھ نہ کچھ دنیا میں چھوڑ جاتی ہے۔ آدمی تو مرتا ہے مگر اس کے کام زندہ رہتے ہیں۔ حکومت نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ مگر طرز حکومت ایک عرصہ تک فنا نہیں ہوتی۔ اور دنیا حق رکھتی ہے کہ ان دنیا سے اٹھ جانے والوں کے کاموں پر مرحبا کے نعرے لگائے یا لعن طعن کی بارش برسائے۔ کیونکہ جیسا اثر انسان چھوڑ جائے گا اسی کے راگ الاپے جائیں گے۔

سکندر اعظم جیسے شہنشاہ کو کون نہیں جانتا جس نے اپنی حکومت دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک قائم کر دی تھی۔ اور ہر ممکن طریق سے زمین کے چپہ چپہ پر فتح و نصرت کے جھنڈے لہرا کر فاتح اعظم کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ جب اس کی مدت حیات ختم ہونے کو تھی تو وہی سکندر اعظم وطن سے دور عالم بے کسی و بے بسی میں دم توڑ رہا تھا۔ جانکنی کی حالت میں جب اس نے فرشتۂ موت کو اپنے قریب پایا تو اس کی مضطرب روح زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ میں سکندر اعظم ہوں۔ میں مغرب و مشرق کا شہنشاہ ہوں۔ میرے درجہ و وقار کو سمجھ لو اور عام لوگوں کی طرح مجھے موت کے گھاٹ نہ اتارو۔ فرشتہ اجل نے یہ سب کچھ مانتے ہوئے قدرتی قانون کے مطابق اس شہنشاہ کی روح بھی قبض کر لی۔ کہ یہاں شاہ و گدا میں کوئی تمیز نہیں سب یکساں ہیں۔

اب وہی سکندر اعظم کا جسم خاکی جو کچھ دنوں پہلے اپنی شہنشاہیت کے تخت و تاج۔ رعب و داب اور شان و شوکت پر پھولا نہ سماتا تھا بے حس و حرکت پڑا زمین کے کسی گوشہ میں سپرد خاک ہونے کے لئے لوگوں کا محتاج تھا جس نے اپنی حیات مستعار کے اصلی راز کو نہ سمجھا اور زمین پر ایک ہنگامہ مچا کر مغرب و مشرق کی حکومتوں کا تختہ الٹ کر رکھ دیا تھا۔ جب اسے اس زمین میں دفن کیا گیا۔ تو ایک مٹی کے ڈھیر سے زیادہ اس کی وقعت و اہمیت نہ رہی۔ اور اب تو یہ بھی خبر نہیں کہ زمین کے کس گوشہ میں اور کہاں اس کا مدفن ہے۔ خلق خدا اس کے دائمی مسکن کے نزدیک سے گزر جاتی ہے۔ مگر اس طرف کوئی نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ضرورت بھی اب محسوس نہیں کرتا۔

آہ جب انسانی ہستی۔ اس کی شان و شوکت۔ اس کی حکومت نصرت جلال اور عقل کی رسائی کا یہ عبرت خیز انجام ہے تو ان تاریخی واقعات سے زیادہ روزانہ مشاہدوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ یہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور یہاں کے چند روزہ قیام میں ظلم و ستم حرص و ہوس۔ جبر و تشدد۔ دھوکہ اور فریب کاریوں سے کامرانی کے سہرے سر باندھنے کی بجائے خدائی حکم کے مطابق اپنے نیک کارناموں سے دنیا کو مغلوب کر کے غیر فانی فتح و نصرت حاصل کریں تاکہ رہتی دنیا تک ان کی یاد نیک نامی کے ساتھ باقی رہے۔ اور دنیا میں آنے کا یہی مقصد ہے۔

سردار محمدی بیگم۔

پاربتی

پاربتی برہمنی تھی۔ وہ ست پڑا پہاڑیوں کی نشیب میں ایک خوشنما دیہات میں رہتی تھی۔ چاروں طرف سرسبز وادیاں تھیں کہیں جھیل اور گھمسان جنگل بڑا ہی دلفریب منظر تھا۔ چار سال ہوتے وہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ رہتی تھی وہ پرائمری اسکول میں پڑھنے جاتے تھے۔ کیونکہ اس کے سوا اس غیر آباد مقام میں اور کوئی اسکول تھا ہی نہیں تقریباً ایک درجن گاؤں کے لوگ اس میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانا عین سعادت سمجھتے تھے۔ برسات کے دنوں میں پاربتی اکثر راستوں کے گھاس اور کانٹے صاف کرنے دوسری دیہاتی مزدور عورتوں کے ساتھ جایا کرتی تھی جو ہمیشہ مختلف رنگوں کے ملبوس میں رنگ برنگ کی تتلیاں نظر آتی تھیں ہمیں یقین ہے کہ کوئی مصوّران کی کارگذاریوں کی مصروفیات اگر دیکھ لے تو ضرور برید ۂ تصویر اپنی موقلموں کا اعجاز دکھانے کو اس خوشنما منظر کو منقل کرے گا۔

دوسرے موسموں میں وہ شاہراہوں کی مرمت کا کام بھی کر لیتی تھی۔ اور چند دن تک راستے کی کٹائی کا کام بھی خوب ہو جاتا تھا اسے پیسے تول جاتے تھے۔ کیونکہ اکثر کام نہ ملنے کی وجہ سے ان کی بڑی تنگی ترشی میں بسر ہوتی تھی یہ راستہ کوٹنا بھی بے روزگاری سے غنیمت تھا۔

وہ بڑی وسیع الخیال عورت تھی ـــــ اس کے ابتدائی ایام نسبتاً آرام و راحت میں بسر ہوئے تھے۔ جب سے اسکے والدین۔ بھائی اور شوہر چھوٹ گئے اُسے تنگدستی کا تلخ تجربہ ہونے لگا۔ اس لئے اس کی خواہش تھی کہ اس کے بیٹوں کو پرائمری تعلیم سے زیادہ حاصل کرنے کا موقعہ ملے۔ اگر صرف بڑا بیٹا ہی کسی سرکاری نوکری میں جا سکتا۔ کیونکہ سرکاری ملازمت خواہ وہ کیسی ہی قلیل تنخواہ کی کیوں نہ ہو آمدنی کی ایک مستقل صورت ہے۔ دوسرے بڑھاپے میں پنشن بھی گھر بیٹھے ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کو جھگڑوں سے نجات ملتی۔ اور چھوٹے بیٹے کو اپنے پاس رکھ چھوڑتا تاکہ اس کی دکھ بیماری اور پیری کا سہارا رہے۔

اس نے سوچ سوچ کر ایک اور آمدنی کا ذریعہ تلاش کر نکالا۔ جو کہ عام طور پر ہندوستانی دیہاتی عورتوں کا سہارا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک دوکان کھول لی۔ اور تھوڑی سی پونجی سے قسمت آزمائی کے لئے ناریل اور شکر خرید کر بیچنے لگی۔ پھر چاول اور دال بھی رکھنے لگی۔ لیکن اس کے لئے تمام سامان شہر سے لانا پڑتا تھا جو یہاں سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ چونکہ اس کی اپنی گاڑی اور بیل نہ تھے اس لئے اسے پڑوس کے ہمسایہ سے عاریتہً یا کرایہ پر لینا پڑتا۔ اس پر مصیبت یہ کہ بیل اس انجان گاڑی ہانکنے والے کا صورت سے آشنا نہ تھا۔ لہذا اس کو قابو سے رکھنا بھی ایک ٹیڑھی کھیر تھی۔ وہ صحیح راستہ چھوڑ کر دوسری طرف بدک جاتے اس وقت پاربتی کی طاقت سے باہر یہ کام ہو جاتا۔ اور انتہائی زور و طاقت کی کشمکش سے وہ ان سرکشوں کو سنبھالتی۔ اور بڑی مصیبت سے کہیں بڑھتی۔ بھلا ایسی جانکاہیوں کے بعد ایک کمزور عورت کو بڑے بڑے دوکانداروں سے مقابلہ کرنا آسان تھا۔ وہ تھے مضبوط سرمایہ دار مرد۔ اور یہ تھی کمزور لاوارث عورت! یہ سب کچھ پاپڑ بیل اور مصیبت جھیل کر وہ چاہتی تھی کہ کچھ پیسے روزانہ آجائیں تو اپنے اور اپنے پیارے بچوں کا پیٹ پال کر کچھ تو انہیں تعلیم دلوائے پھر تینوں کے ایک جا رہنے کا سامان اگر نہ کرتی تو یہ

آرزو تشنۂ تکمیل ہی رہجاتی اور وہ تینوں بکھر کر تلاش روزگار میں کہاں سے کہاں بچھڑ جاتے۔

دوکان کھو لنے کے بعد اسکے اس محنت و مشقت کے راستہ کی کٹائی اور صفائی کی بہ نسبت کچھ زیادہ پیسے آنے لگے لیکن اب کبھی شاذ ہی کسی مہینے میں وہ پانچ روپیہ تک کما سکی ہوگی جو کم از کم ان تینوں کی تن پروری کو کافی ہوتے۔

ایک دن اس دیہات میں اتفاقاً کسی ہمدرد قوم انسان کا گذر ہوا۔ جو دیہات کی گھریلو صنعت کو بڑھانے اور خام پیداوار سے آمدنی کی صورت نکالنے کا لکچر ہمیشہ سُنتے سُنتے میدان عمل میں اُترا تھا۔ چنانچہ وہ غریبوں کی حالت سدھارنے اور انکی نزدہ حالت کو سنوارنے کی اسکیم تیار کرکے آئے تھے ان کی عورتوں نے بچوں کو چرخہ سکھانے کا ذمہ لیا اور سوت بنانے کی تعلیم دینی شروع کی۔ پاربتی سب سے پہلے اس میں شامل ہوئی۔ اگرچہ اس کی آنکھیں کمزور تھیں۔ لیکن اُن سے اس نے بہت جلد نہایت عمدہ سوت بنانا سیکھ لیا۔

اس نے خیال کیا کہ اب تو میں اپنے کپڑے بھی بُن سکوں گی۔ آخر دوکان پر بیکار ہی تو بیٹھی رہتی ہوں جب کوئی خریدار آتا ہے اُس وقت مال دینے کو البتہ اُٹھنا پڑتا ہے۔ کیوں نہ بیکاری کے وقت کپڑے بُنا کروں کم از کم میری اپنی ضرورت تو پوری ہوجائے گی۔ لیکن کام کرنے کے لئے کرگھا جو قدیمی اس کے پاس تھا وہ ہی شکستہ رفتار تھا وہ ایک بڑھئی کے ہاں گئی اور خاطر خواہ کرگھا بنوالائی تاکہ جلد جلد اپنے اور اپنے بیٹوں کے لئے کپڑے بُنے چنانچہ بڑی تیزی سے اس میں مصروف ہوگئی۔ گاؤں کے دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا انھوں نے بھی اپنے ٹوٹے پھوٹے مدتوں کے چھوڑے ہوئے چرخوں کو نکال کر مرمت کرائی اور کپڑے بنانے کے لئے سوت بننے لگے۔ کیونکہ جنگ کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے کپڑے بیحد گراں ہو گئے تھے۔ انکی قلیل آمدنی میں زیادہ سے زیادہ دام دیکر کپڑے خریدنے کی گنجائش نہ تھی۔ کتنے لوگ کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے بے شمار غریب شریف عورتیں خودکشی کی بھی مرتکب ہو چکی تھیں۔ پاربتی کی اس عدیم المثال نظیر نے گویا ان کے مردہ روحوں اور پژمردہ قلبوں میں جان ڈال دی۔ اور تھوڑے عرصہ کے اندر اس چھوٹے سے گاؤں میں نہیں نہیں کرکے بھی ۳۰ چرخے چلنے لگے۔ اب تو روزانہ کانوں سے چرخے کی گھر گھر اور اس میں سُر ملا کر عورتوں کے گانے کی سُریلی آوازیں دُور دُور تک سامعہ نوازی کرہی تھیں بہت سے لوگ جو مسٹر مکابر کی طرح ہر دم ہاتھ پر ہاتھ دھرے تائید غیبی کے منتظر رہا کرتے تھے۔ اس نئے شغل میں مصروف ہوگئے۔

پاربتی کا مکان اچھا خاصا وسیع اور شاندار تھا۔ جو اس کے پہلے وقت کی یاد ہر دم تازہ رکھنے میں بھی معاون تھا۔ وہ اکثر لوگوں کو اپنے مکان میں بلاکر اس کار خیر میں شرکت کرتی۔ اس کے ہمسائے اس اعانت کو غنیمت سمجھ کر یہاں آتے کوئی کہانی کہتا اور باقی سب ہمہ تن ذوق شوق سے سوت بنانے اور چرخہ چلانے میں دلچسپی لیتے دو تین نوربافت خاندان اس گاؤں میں ایسے مفلوک الحال رہتے تھے کہ کبھی انھیں کوئی کام ملتا ہی نہ تھا۔ اب جو سوت اس قدر زور شور سے تیار ہونے لگا تو ان کو بھی زیادہ سے زیادہ کام ملنے لگا۔

آخرکار دیہات سدھار کمیٹی نے پاربتی کو ماہوار تنخواہ پر سوت بنانے کے کارخانے میں مقرر کر لیا۔ اس نے اپنی دوکان بڑھا کر اس پیشہ کو غنیمت سمجھا جو کہ ہم خرما و ہم ثواب تھا۔ وہ اب صرف لوگوں کو سوت کاتنا سکھاتی تھی ان کو روئی تقسیم کرتی تھی پھر بنے ہوئے تمام سوت جمع کرکے لچھے کے لچھے کارخانہ دار کے حوالے کرتی۔ اگرچہ یہ آمدنی

بھی اس قدر کافی نہ تھی کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم دلاتی۔ تاہم ان کو پیٹ بھر کھانے اور تن ڈھانکنے کی تکلیف نہ تھی۔ لیکن اس پر بھی پاربتی نے اکتفا نہیں کیا۔ چنانچہ اس نے اور بعض دوسری عورتوں نے دیہات کے لوگوں کے مضحکہ اُڑانے کی پرواہ نہ کی اور بازار اور سڑکوں کی صفائی کا کام بھی انجام دینا شروع کیا وہ فرصت کے وقت یہ شغل جاری رکھ کر سٹرک اور بازاروں کے کوڑے کرکٹ کے ساتھ سبزیوں کے پتے۔ سڑے گلے پھل وغیرہ بھی اُٹھا لاتی تھیں اور اس سے فصل کے لئے کھاد تیار کی جاتی تھی۔ اس کے بعد کئی زمینداروں سے پھل پھول میں حصّہ دینے کا وعدہ کرکے ان کی پڑاؤ زمین کو بھی اس نے لے لیا اور پھر اس میں پھل پھول اور ترکاریوں کی کاشت بڑھائی۔ زمین زرخیز تو پہاڑی مقاموں کی مشہور ہی ہے اب سبزیوں سے خاطر خواہ آمدنی ہونے لگی حتیٰ کہ زمیندار کا حق دینے کے بعد بھی پاربتی کے پاس اس قدر بچ رہتا کہ وہ اپنے معاونین کو بھی اسی سے معاوضہ دے کر اپنی بسر اوقات نہایت آسودہ حالی سے کرنے لگی اس کا بڑا لڑکا مڈل پاس کرکے مقامی ہائی اسکول میں داخل کرایا گیا۔ پاربتی بھی آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے عینک چڑھا کر فرصت کے اوقات میں کچھ پڑھا کرتی تھی۔ اگرچہ اس کو تعلیم کا ذوق بیحد تھا۔ مگر کیا کرتی آنکھوں سے مجبور تھی۔ مگر پھر بھی وہ اس قدر سیکھ چکی تھی کہ کاروباری حساب کتاب میں اُسے حسب ضرورت مدد ملتی اور مذہبی کتابوں کو تھوڑا بہت پڑھ سکتی تھی۔ اگر اپنی حالت کی اصلاح وہ اس طرح نہیں کرتی تو اور ہندوستانی بیواؤں کی طرح اس کو بھی برے حالوں رہنا پڑتا کاش کہ ہندوستان کے دیہات میں پاربتی جیسی باہمت عورت — ہاں — صرف ایک ہی پیدا ہوتی تو اس سر زمین کی بدحالی دُور ہو جاتی۔ اور پھر بیوہ اور یتیموں کی مٹی پلید نہ ہوتی۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے یا ان کے رحم و کرم کے محتاج ہونے کی ضرورت ہی نہ رہتی ؎

چھپا زورِ ہمت میں دستِ خدا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

جمیلہ بیگم کلکتہ

گھٹائیں یاس و غم کی چھا رہی تھیں

گھٹائیں یاس و غم کی چھا رہی تھیں
بلائیں چار سو منڈلا رہی تھیں
بڑھا آتا تھا طوفانِ ضلالت
دگرگوں تھی ترے مضطر کی حالت
مگر تھامے رکھا تو نے کرم سے
بچایا مجھکو طوفانِ الم سے
دلِ بیمار کس کس نے نہ توڑا
وہ اک تو ہے نہ جس نے مجھ کو چھوڑا
جہاں کے ذرہ ذرہ نے جفا کی
فقط تیری ہی رحمت نے وفا کی
اندھیرا تھا سیہ خانۂ جہاں کا
تصوّر دل میں گر تیرا نہ ہوتا
کسے میں دردِ دل اپنا سناؤں
ترا در چھوڑ کر کس در پہ جاؤں
مجھے سونا نہ تیری ذات پر ہیں
تشکر ریز یہ چشمانِ تر ہیں

نسیم ناگپوری

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

استری کا طریقہ۔ شلوکر کو پھولا ہوا رکھنے کے لئے ایک چھوٹا سا چپٹا لوہا لیں اور ایک اتنا بڑا چوڑا لکڑی کا تختہ جو آستین میں آجائے۔ دونوں کو موقع موقع سے کالروں آستینوں وغیرہ میں رکھ کے استری کرنے سے ان کی صورت بخوبی قائم رہتی ہے آرگنڈی پر بہت گیلی حالت میں استری کریں۔ کپڑے خوب دھونے کے بعد تولیہ میں لپیٹ دیئے تاکہ نمی سب جگہ یکساں ہو جائے اور جلدی استری کے قابل ہو جائیں۔ یہ طریقہ اُن کپڑوں کے لئے ہے جو جھالردار ہوں اور نرم و نازک ہوں۔ جن کپڑوں کو کلپ کی ضرورت نہ ہو اُن پر بے کلپ کے ہی استری کریں۔ آرگنڈی کو کلپ کی مطلق ضرورت نہیں جھالروں پر پہلے استری کریں بعد میں سارے کپڑے پر کریں۔ استری کو جھالر کی ہر شکن کے ساتھ چلنا چاہیئے۔ کل کپڑے پر استری کر چکنے کے بعد اس کو پھیلا دینا چاہیئے اور جو نقص رہ گیا ہے اس جگہ استری کر دیں۔ جس جگہ جھالر یا چنٹ یا بیل کپڑے سے ٹکی ہو اس مقام پر استری کے وقت خاص توجہ رکھیں۔

روئی کے کپڑوں کو خوشنمائی دینے کے لئے گرم استری کی ضرورت ہے۔ اگر چمک کی خواہش نہ ہو تو کپڑے کے اُلٹے رُخ پر استری کریں۔ جن کپڑوں پر رواں ہو یا سطح اُبھری ہوئی ہو اُن پر ہمیشہ اُلٹی طرف ہی استری کرنی چاہیئے۔ استری کرتے وقت نیچے فرش پر کپڑوں کی کئی تہیں بچھانی چاہئیں کشیدہ کے کپڑوں پر استری کا ہاتھ آگے پیچھے نہیں چلنا چاہیئے۔ اس کی استری کا طریقہ یہ ہے کہ ایک جگہ استری رکھی، اُٹھائی۔ اس کے بعد اس کے برابر کے حصہ پر رکھی اور اُٹھائی۔ اسی طرح سارے کپڑے پر استری کر دی جائے۔

سُرخی لگانا۔ روز (سُرخی) اگر طریقہ سے رخسار پر نہ لگائی جائے تو سنگھار کی اصلی دشمن ہے۔ اگر ٹھیک طرح سے اسے لگایا جائے تو اسی چیز سے رنگ روپ میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ روز ایسی چیز ہے جس سے چہرہ کا پھیکا پن جاتا رہتا ہے۔ چہرہ بھرا بھرا اور دلکش معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کی مدد سے رخسار کا خفیف سا نشیب پورا چاہِ غبغب معلوم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ نشیب چہرہ کو زیبا نہ دیتا ہو تو اس کی مدد سے یہ غائب کیا جا سکتا ہے۔ خدوخال میں سختی ہو۔ اسے ترکیب سے لگا کے چہرہ نرم و نازک بن سکتا ہے۔ خدوخال بے قاعدہ ہوں اُس میں تسلسل اور قرینہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ روز میں جب یہ خوبیاں ہوں۔ تو بیبیوں کو اس کے لگانے کے طریقے خوب معلوم ہونے چاہئیں۔ تاکہ اس معاملہ کے ذریعہ رعنائی کے امکانات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

سُرخی باقاعدہ لگانے کا پہلا اصول یہ ہے کہ رخسار کی ہڈیوں کی بناوٹ کی پابندی کی جائے۔ ابتدا آنکھ کے اندرونی کوئیے کے عین نیچے یا رخسار کی ہڈی کی جڑ سے کی جائے۔ یہاں سے روز ہڈی کے اوپر سے ہوتا ہوا آنکھ کے بیرونی کوئیے تک پہنچنا چاہیئے۔ اس کے بعد روز کے ذرّے انگلیوں کے پوروں سے اس طرح ملا دیئے جائیں کہ روز کی موجودگی محسوس نہ ہونے پائے اس امر کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ روز آنکھ اور رخسار کی ہڈی کے درمیانی حصہ میں ہلکے ہلکے مل کے پھیلا دیا جائے۔ ورنہ اس جگہ کی سفیدی رخسار کی اصلی رنگت تصنع حسن اور روز کی امداد مستعار کی چغلی کھائیگی۔

کریم cream پلیٹ روز Paste rouge چہرہ کے پوڈر سے پہلے لگانا چاہیئے۔ اس سے پوڈر کے

آسانی اور صفائی سے لگانے اور آرائش کے فن کو ملحوظ رکھنے کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ پوڈر عمدگی سے لگا کر ہموار رکھا جا سکتا ہے۔ پوڈر روز کے کسی ایسے خط کو جو گھراہٹ کے خرابی کا باعث ہو ہموار کر دیتا ہے۔

بعض عورتوں کو شکایت ہے کہ روز سے چہرہ پر غیر مسلسل تہیں پڑ جاتی ہیں اور کوشش کرنے پر بھی ہموار سطح حاصل نہیں ہوتی۔ یہ خطا روز کی نہیں ہے۔ روز وہیں تہیں ڈالتا ہے جہاں جلد بہت خشک ہو اور اس کے لئے ایسی بنیاد کی ضرورت ہے جس سے نرمی پیدا ہو کے روز عمدگی سے پھیلایا جا سکے۔ ایسے موقع پر یہ سنگھاری بنیاد روز کو موثر بنا دیتی ہے اور اس کی بدولت پوڈر بھی خوبی سے پھیل کے قائم ہو جاتا ہے۔

بہت خشک کھالوں کے لئے کریم روز cream rouge بہت مفید ہے جسے پوروں سے لگانا چاہئے

بعض عورتیں اچھا خاصہ لگے ہوئے روز کو زیادہ پوڈر لگا کے بگاڑ دیتی ہیں۔ پوڈر اس نقص کے بچنے کے اور خود پوڈر کی خوبی اُبھارنے کے لئے کبھی مل کے یا رگڑ کے نہ لگایا جائے۔ روز تھپکی سے لگایا جائے۔ روز جب پہلے گپھے سے لگایا جائے اور پھر پوروں سے ہموار کیا جائے اپنی خوبیوں میں اس روز سے کہیں زیادہ کامیاب اور باقاعدہ ثابت ہوتا ہے جو یونہی چھڑکا یا پھیلا دیا جاتے۔

رخسار مختلف ہیں اس لئے ان کے لئے ایک روز کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے طریقے بھی چہروں کے اعتبار سے مختلف ہیں جو چہرے گول معلوم ہوتے ہوں روز اوپر سے نیچے کی طرف رخسار کے سارے حصہ پر پھیلا کے ملایا جائے اس سے چہرہ کچھ لمبا معلوم ہوگا۔ پتلے چہروں پر اس کے برعکس عمل کیا جاتے۔ روز نیچے سے اوپر کو رخسار کے پورے حصہ پر لا کے پھیلا دیا جاتے۔ اور رنگ کو ناک اور چہرے کے وسط سے پرے رکھا جائے۔ رخسار کی ہڈیاں بلند ہوں تو اُن پر بہت ہی کم روز لگایا جائے۔ اس کی سُرخی نیچے کی طرف مل کے پھیلائی جانے اور رخسار کے گڈھوں سے بچا کر لگایا جائے۔ رخساروں میں گڈھے ہوں تو روز ان کے ارد گرد پھیلا دیا جائے۔ انکے اندر نہ لگایا جائے۔ اس سے رخساروں کے گڈھے بے معلوم ہو جائیں گے۔

ہونٹوں کا سنگھار: چہرہ پر ہونٹوں کو وہ خصوصیت دی گئی ہے کہ ان کے حرکت میں رہنے سے آدمی کی توجہ بہت کچھ انکی طرف رہتی ہے۔ ہم خود اس کو محسوس نہیں کرتے کیونکہ ہلتے ہوئے یا خاموشی میں ہمیں اُن کا محض عکس نظر آیا کرتا ہے اور اس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں معلوم ہوتی۔

آدمی کیسا ہی خوبصورت ہو ہونٹوں کا عقلمندی سے سنگھار کرنے سے چہرہ زیادہ دلکش بنایا جا سکتا ہے۔ دہن اگر چہرہ کے خدوخال میں سب سے زیادہ دلفریب ہو تو چہرہ کا سنگھار اس کے تابع رکھنا چاہئے تاکہ اس کی خوبصورتی نمایاں رہے لیکن دہن کی خوبصورتی کی طرف زیادہ توجہ منعطف کرانے کے لئے بھڑکدار لپ سٹک استعمال کرنے کی کبھی غلطی نہ کریں۔ اس سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسی لپ سٹک استعمال کریں۔ جو آپ کے چہرہ کی رنگت سے مل جائے اور اسی رنگت کا رومال یا پھول باندھ یا لگا لیا جائے۔

لبوں پر ہونٹوں کی پنسل سے خاکہ کھینچ دیا جائے تاکہ قدرتی لکیر صحیح طور پر قائم رہ سکے۔ پھر لپ سٹک سے رنگ بھر دیا جائے بعد میں پوروں سے رنگ جلد پر ہموار و درست کر دیا جائے اس کے بعد چہرہ پر پوڈر لگائیں۔ ہونٹوں پر بھی لگائیں ہونٹوں کو زبان سے خفیف سے گیلے کرلیں۔ اس پر پھر ایک تہ لپ سٹک کی جمائیں اور ریشمی کاغذ سے ہونٹوں کو جذب کرلیں۔

اگر آپ کا دہن زیادہ چوڑا ہے تو پنسل باچھوں تک نہ لیجائیں بلکہ اسے ہونٹوں کے اندر ختم کردیں کہ خفیف سے کم ہوجائیں

بہت چھوٹا ہو اور چہرہ بھرا بھرا ہو تو پنسل قدرتی خم سے ذرا باہر کو لیجائیں۔ دہن موزوں بیٹھ جائے گا۔
لپ سٹک جو بناوٹ میں ملائم ہو انتخاب کریں۔ خشک لپ سٹک سے دہن میں درشتی سی آ جاتی ہے اور جلد کو بھی خشک کرتی ہے۔
اگر آپکی جلد غیر معمولی خشک یا سردیوں میں ایسی ہو جاتی ہے تو رنگ لگانے سے مانع شکن کریم Anti-wrinkle cream
حباب سے لگائیں۔ جلدی غذارات کے وقت نرمی سے ہونٹوں پر ملتے رہنے سے جلد ملائم رکھی جا سکتی ہے۔ اگر ہونٹ بھرے بھرے
ہوں۔ تو ان کو بیچ میں سے باہر کی طرف ملیں اور اگر پتلے ہوں تو گوشوں سے اندر کی طرف ملیں۔
شام کے وقت گہرا سورخ لپ سٹک لگانا چاہئے اور اگر زیادہ آب پیدا کرنی ہو تو ہونٹوں کی چلا dip gloss
اس پر لگادی جائے اس سے دل خوش کن چمک آ جائے گی۔

کپڑوں کا فوری علاج۔ لباس پر دھبہ آجائے بڑا رنج ہوتا ہے، سارا کپڑا دھوبی کو بھیجدیتا گویا اسے ہفتوں اسکے پاس قید
کر دیا اور خراب بھی کرالیا۔ مندرجہ ذیل ٹوٹکے یاد رکھئے سیاہی گر جائے چا کی پیالی اُلٹ جائے۔ یا اسپرٹ وغیرہ کی بوتل الٹ جائے
تو ان طریقوں سے ان دھبوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔
کوکو کے دھبے۔ کھولتے ہوئے پانی میں سہاگہ کا سفوف ملا کے لگائیں۔ اگر صابن لگاکے اسے لگائیں گے تو دھبہ دور ہونا مشکل
ہو جائے گا۔ قہوہ کے دھبے مندرجہ بالا طریقہ سے دور کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ فوراً عمل کیا جائے۔ اگر چند گھنٹے ہو جائیں تو ذرا سی
گلیسرین مل دیں اور پھر گرم پانی سے دھو ڈالیں قہوہ کے دھبے پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیں جاتا رہے گا۔
چا کا دھبہ۔ مندرجہ بالا طریقے چند ہیں لیکن اگر چا میں ملائی پڑی ہوئی ہے اور دھبے چکنے ہیں تو گلیسرین لگانے کے بعد دھوئیں۔
سیاہی کے دھبے چربی پگھلا کے اس میں دھبہ کا حصہ ڈبوئیں یا فوراً ہی اس حصہ کو دودھ میں ڈبو دیں۔ دھونے کے بعد دھبے جاتے رہینگے۔
اسپرٹ وغیرہ کے دھبے کھولتا ہوا دودھ منگائیں یا اس میں دھبہ کا حصہ ڈبوئیں۔ اگر صابن اور پانی سے دور نہ ہو تو نمک اور
لیموں کے عرق کے چند قطرے لگا کے دیکھیں۔
چکنائی کے دھبے۔ اس جگہ مگنیشیا کی ڈلی رگڑیں۔ دھبے کے حصے کے اوپر اور نیچے پہلے کاغذ رکھ کے گرم استری کر دیں۔
سمندر کے پانی کے دھبے پڑ جائیں تو فلرس ارتھ Fullers earth کو لئی بنا کے لگائیں خشک ہونے پر برش
سے دور کر دیں۔ اگر چمڑے پر ایسے دھبے پڑ جائیں۔ تو دودھ میں ذرا سا معمولی سوڈا ملا کے لگائیں۔ بعد میں معمولی طریقے سے پالش کر دیں۔
زنگ لگ جائے تو لیموں اس جگہ نچوڑ دیں مگر اس سے پہلے اس جگہ کو نمک سے ڈھک دیں۔ بعد میں امونیہ اور پانی کے
ہلکے محلول میں اسے کھنگالیں اور آخر میں ٹھنڈے پانی سے دھو ڈالیں۔

خانگی ٹوٹکے۔ ملیوں کے کپڑوں کے سائے اوٹ میل oatmeal (جئی کا آٹا) کسی چیتھڑے سے ملنے سے صاف ہو جاتے ہیں۔
تانبے بھدی ہو جائے تو اسے بہت گرم پانی کے برتن کے گرد خوب کس کے لپیٹنے سے اچھی ہو جاتی ہے اور اس پر آب آ جاتی ہے۔
خود نویس قلم کو جب پانی سے صاف کیا جائے اس میں ذرا سا سرکہ ملا دینا چاہئے۔
کپڑوں کے برش پر ذرا سا یوڈی کولون Eau-de-cologne چھڑک کے کپڑوں پر پھیرنے سے
گرد دور ہونے کے علاوہ کپڑوں میں دلکشی آ جاتی ہے۔
آبنوس کی چیزوں پر دودھ ملیں اور چمڑے سے جلا دیدیں اور اس کے بعد نرم ریشم کا کپڑا مل دیں۔
گلٹ کا سامان سرکہ اور پانی مساوی مقدار میں ملا کے صاف کریں۔ بعد میں نرم ریشم کے ٹکڑے سے احتیاط سے خشک کر دیں۔

محمد ظفر

سیر بین

ہوائی جہازوں کی دلچسپیاں

آدمی ہوا میں اُڑا اُڑا پھرتا ہے اور اب جنگ کی شدت ہوا میں ہی ہے۔ بادلوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ان جہازی ملاحوں سے ہوا کے دلچسپ واقعات پوچھو۔ ایک جہاز داں کو شوق ہوا کہ گرجنے والے بادل کی کیفیت معلوم کرنی چاہئے۔ اُس نے اپنا جہاز ایسے بادل میں ڈال دیا۔ وہاں اندھیر اگھپ معلوم ہوا۔ اُسے معدہ میں عجیب کیفیت معلوم ہونے لگی گویا وہ کسی برقی جھٹکے میں غضب کی رفتار سے آسمان میں اُڑ رہا ہے۔ اُس نے رفتار نما آلہ پر نظر ڈالی۔ یہ خیال نہ تھا حقیقت تھی کہ جہاز ۴۰ سو فٹ فی منٹ کے حساب سے اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اُترنے کا آلہ دبایا۔ اس سے متقاطلہ اور بگڑ گیا۔ جہاز پر قابو تو خاک نہ ہوا۔ وہ اُچھل اُچھل کے اور ٹیڑھا ترچھا ہو ہو کے ۹۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چڑھتا چلا گیا۔ جہاز اس تمام عرصہ میں ہوا کے جھکڑ میں ایک تنکے کی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بڑھ رہا تھا۔ آخر وہ بادل سے اوپر نکل گیا۔ اُس مقام سے جہاں وہ بادل میں داخل ہوا تھا وہ کئی ہزار فٹ اونچا پہنچ چکا تھا اور اب وہ یکلخت نیچے گرنا شروع ہوا اور اُسے اپنا تمام ہنر اور کمال صرف کرنا پڑا۔ تب جا کے کہیں اسے صحیح سالم زمین پر اترنا نصیب ہوا۔

پچھلی جنگ عظیم میں گولیوں کی بوچھاڑ میں ایک جہاز مزے سے آ رہا تھا۔ اس نے گولیوں کی بارش سے بچنے کی ذرا کوشش نہیں کی۔ اور جرمن جہاز اُس پر جھپٹے اور اُسے گولیوں سے چھلنی کر ڈالا مگر وہ اپنی اُسی صبا رفتاری سے جا رہا تھا۔ آخر حیران ہو کے جرمنوں نے اپنی مشینوں کو قریب کر کے اُس میں جھانک کے دیکھا۔ ملاح اپنی جگہ پر مردہ تھا اور چلانے کے پہیہ پر اُس کا ہاتھ رکھا تھا اور جہاز کا رُخ گھر کی جانب تھا جیسے بے سوار کا گھوڑا اپنے تھان کی طرف رُخ کر لیتا ہے۔

ایک جہاز اپنے مقام پر اُترنے کی بجائے سیدھا چلتا ہی رہا۔ لنگر خانے کے آدمیوں نے سمجھا کہ جہاز دشمن کے قبضہ میں آگیا اور وہ زمین کے اس قدر قریب ہو کے اپنے جاسوس زمین پر پہنچانا چاہتا ہے۔ جہاز کا لاریوں سے تعاقب کیا گیا۔ وہ ایک کھیت میں آہستہ سے اُتر گیا۔ اُس کا پنکھا ملتا ہی رہا۔ جہاز ران کی گدی پر دو آدمی بیٹھے تھے۔ آوازوں کا انھوں نے کوئی جواب نہ دیا پاس جا کے جو دیکھا تو دونوں مردہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاز کے اُترنے سے کچھ پہلے ہی اُن کا دم نکل گیا تھا اور تعجب ہے کہ ایسی حالت میں جہاز بالکل صحیح وسالم زمین پر آگیا۔

ایک مستری جہاز کی دُم پر کام کر رہا تھا کہ اتفاق سے جہاز چل پڑا۔ جہاز ران کو پتہ نہ تھا۔ مستری غریب کھلی کمر تھا وہ لیٹ کے مشین سے چمٹ گیا۔ جہاز ران جہاز کو سیدھا لیجا رہا تھا اور اُسے ابھی تیزی نہ سوجھی تھی کہ اُسے ریڈیو کا پیام ملا کہ دم پر مستری کام کرتا رہ گیا ہے۔ اُس نے فوراً جہاز اُتارا۔

بلندی پر آکسیجن ہوا کے سانس لینے کے لئے ہوا ساتھ لے جانی پڑتی ہے ورنہ آدمی دم گھٹ کے مر جائے مگر یہ خطرناک بھی ثابت ہو جاتی ہے سردی ہو جانے پر وہ جم جاتی ہے اور آدمی کے دانت اس طرح چٹخ جاتے ہیں جیسے برف جمتے وقت برتن پھٹ جاتا ہے۔ جہازوں میں شہبر پر بچھا اور دیگر حشرات الارض لے جانے کے موقعے پیش آتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک سانپ نکل کے ملاح کے خانہ میں آگیا۔ اور اس کے کاٹ کھایا۔ اُس نے سانپ کو ہوا میں باہر پھینک دیا اور خود

تیزی سے جہاز کو اُتار کے نیچے عین وقت پر لے آیا۔ اور وہ علاج کرا کے بچ گیا۔ اسی طرح ایک دفعہ شہد کی مکھیاں چھتہ کے اردگرد غلاف کو توڑ کے جہاز میں پھیل گئیں اور لگیں مسافروں کو کاٹنے اور جہاز ران کا بھی رُخ کیا۔ وہ بت بن کے بیٹھا رہا۔ سینکڑوں مکھیاں اُس پر پھرتی رہیں مگر وہ معمولی حرکات کے سوائے بالکل ساکت بنا رہا جب تک وہ زمین پر آیا اُس کے چندہی ڈنگ لگے مسافر بچاروں کے زیادہ ڈنگ لگے تھے۔ مگر انھوں نے کپڑوں اور شالوں سے اپنے آپ کو خوب لپیٹ لیا تھا۔ ملاح بیچارہ ان حفاظتوں سے محروم تھا۔

عجیب جھیل آسٹریلیا کے وسط میں ایک عجیب جھیل ہے تقریباً ۹۵ میل لمبی اور اوسطاً ۴۰ میل چوڑی ہے اس کی تہ دُور سے پانی کی چادر معلوم ہوتی ہے ہوائی جہازوں سے بھی یہی معلوم ہوا کہ پانی ہے اور اُس میں لہریں اُٹھ رہی ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل خشک ہے اور ایک کروڑ برس سے بالکل خشک ہے۔ کوئی زلزلہ آیا ہوگا جس کی وجہ سے پانی اُڑ گیا اور جھیل خشک ہو کے رہ گئی۔ اردگرد کے علاقہ میں صرف پانچ انچ بارش ہوتی ہے اس لئے دریا اتنے نہیں بہتے کہ یہاں تک پہنچ جائیں۔ کئی مرتبہ اس کے حالات دریافت کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اس کے اندر جا کے بڑی گرمی اور بڑی پیاس لگتی ہے بہت سے آدمیوں اور گھوڑوں وغیرہ کی ہڈیاں بالکل سفید حالت میں وہاں پڑی ملتی ہیں۔ وہ وہیں چور ہو کے گر پڑے اور مر کے رہ گئے۔ وہاں نمک کی سلیں کی سلیں ہیں اور فضا اس قدر بھیانک ہے کہ آدمی بولتا ہوا بھی ڈرتا ہے اور تھوڑی ہی دُور جا کے باہر نکل بھاگتا ہے معلوم ہوتا ہے کسی وسیع قبرستان میں گھس آئے ہیں جہاں کا سناٹا آدمی کو مارے ڈالتا ہے۔

عجیب اخبار زار روس نکولس جس کا خاتمہ گذشتہ جنگ عظیم میں ہوا۔ اپنے واحد ذاتی اخبار کے لئے ایک لاکھ ۳۰ ہزار روپیہ روزانہ صرف کیا کرتا تھا۔ اور لطف یہ ہے کہ اس اخبار کا بیشتر حصہ غلط اور جھوٹی باتوں سے لبریز ہوتا تھا۔ یہ خرچ ۲۴ سال ۱۸۹۴ء سے ۱۹۱۸ء تک برابر جاری رہا۔ گویا اس نے اپنے رسالہ میں اس ایک پرچہ کیلئے ۱۱۳۰۰۰۰۰۰ روپیہ سے زیادہ خرچ کیا۔ اس پرچہ میں چندہی کاغذ ہوتے تھے۔ ایڈیٹر کو ہدایت تھی کہ اُس میں روس کے کسی حصہ کی بغاوت یا بے چینی کی خبر نہ چھاپے۔ زار کی پالیسی پر دوسرے ممالک میں جو اعتراضات ہوتے تھے اُن کے چھاپنے کی بھی ممانعت تھی اُس میں صرف زار کی شان و شوکت کا ہی ذکر ہوتا تھا۔ اس اخبار کے دفتر کے لئے ایک بڑا اعلیٰ ملازم تھا جو اپنے فن میں نہایت ہوشیار ہوتا تھا۔ ملک میں اور غیر ممالک میں بہت سے نامہ نگار رکھے اور ہزاروں پولس کے جاسوس ملازم تھے جو اپنی رپوٹیں باقاعدہ بھیجا کرتے تھے۔ ان پر ... ۱۳۰۰ روپیہ میں سے پائی پائی خرچ ہوجاتی تھی۔

۱۵۶۳ء میں جب وینس والوں کی ترکوں سے لڑائی ہو رہی تھی تو مہینہ میں ایک مرتبہ جنگ کی خبریں چھپتی تھیں۔ اس پرچہ کی قیمت صرف دو پیسہ تھی اور ھنے کا نام وہاں والوں میں گزیٹہ تھا۔ اسی سے بعد میں ایسے پرچہ کو گزٹ کہنے لگے۔

تبت میں ایک انگریز اپنے دستی چھاپے خانے کے ذریعہ پچاس پرچے چھاپ کے قریب کے لاماؤں کو بھیجدیتا ہے وہ آس پاس کے لوگوں کو جمع کر کے اس کی خبریں اُن کو سنا دیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ پچاسوں پرچے وہ اپنے پاس کے لاماؤں کے پاس بھیجدیتے ہیں۔ اس طرح وہ تبت کے سب مقامات میں پہنچ جاتے ہیں۔ گو ان خبروں کو بعض مقامات میں پہنچنے میں سال بھر لگ جاتا ہے۔ مگر یہ سال بھر پرانی خبریں بڑی دلچسپی سے سُنی جاتی ہیں۔ گرین لینڈ میں بھی یہی کیفیت ہے۔ سال بھر میں خبریں پہنچتی ہیں مگر ان لوگوں کو اخبار مفت دیا جاتا ہے ۱۴ ہزار باشندوں میں سے ہر ایک کو پرچہ مفت پہنچ جاتا ہے۔

ٹوکیو میں ایک اخبار بڑے ٹائپ میں بچوں کے لئے نکلتا ہے۔ اس میں بچوں کو خوش کرنے والی بہت سی تصویریں ہوتی ہیں۔

پیرس میں فقیروں کا ایک اخبار نکلتا ہے۔ اس میں لنگڑوں کے لئے بغلی لکڑیوں اور لکڑی کی ٹانگوں کے بہت سے اشتہارات ہوتے ہیں۔
نیویارک ٹائمز ایک ہی مضمون کے دو اخبار چھاپتا ہے۔ ایک کا سالانہ چندہ تیس روپیہ ہے اور دوسرے کا ۲۴۰ روپیہ مضمون ایک۔ فرق صرف کاغذ کا ہے قیمتی اخبار کا کاغذ چیتھڑوں کا ہوتا ہے۔

توام بچوں کے عجائبات توام بچے سو میں ایک پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ہی جنس کے زیادہ ہوتے ہیں متضاد جنس کے کم۔ ہم جنس توام بچوں کی نسبت متضاد سے ۴ گنی ہے۔

توام بچے ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور بھی ہوں اُن کے حرکات وسکنات اور بات چیت یکساں ہوتی ہیں۔ ایک ہی وقت میں بیمار خوش وخورم اور غمگین ہوتے ہیں۔ ایک تماشہ میں آج سے گیارہ برس ہوئے نیویارک میں دو توام لڑکیوں کا تماشہ ہوا۔ وہاں دیکھا گیا کہ ان کا ہنسنا یکساں تھا۔ جو بات ایک کو اچھی لگتی وہی دوسری کو بھلی معلوم ہوتی جہاں ایک کے چہرہ پر ناگواری برستی وہیں دوسری کا بھی یہی حال ہوتا۔ ایک ہی بات پر ہنسنی ایک ہی بات پر رک جاتی۔
انہی تماشہ گر لڑکیوں کے متعلق یہ بات دیکھی گئی کہ جب خط لکھتیں تو معلوم ہوتا کہ خط ایک دوسرے کی نقل ہے دونوں کے خیالات ایک سے تھے۔ اُن کو ایک ہی خوراک پسند تھی۔ ایک سا مذاق تھا جن لوگوں سے ایک گھبراتی انہی سے دوسری گریز کرتی۔ دونوں ایک دوسرے سے مشورہ کئے بغیر مختلف بازاروں میں چیزیں خریدتیں اور دو مختلف قصبوں میں کام کرتیں دونوں رنگ لباس فیشن طرز و پسندیدگی میں یکساں ثابت ہوتیں۔

سر رولیور لاج ایک مشہور روحانیت داں کا انتقال ہوا ہے۔ اور وہ توام اشخاص اُن کے زیر مشاہدہ رہے جو جوگوئیے تھے۔ دونوں میں تمیز مشکل تھی بشناخت اس طرح ہوتی تھی کہ ایک کا سر اونچا تھا اور دوسرے کا ذرا مدھم۔ انھوں نے دیکھا کہ دونوں کا پرواز خیال ایک ہے۔ الگ الگ کمرہ میں ہوتے۔ ایک ہی امر پر غور کرتے۔ جب وہ اُن کے پاس جاتے تو دونوں کا پہلا لفظ اس روز وہی ہوتا۔ ایک ہی بات سے دونوں گفتگو شروع کرتے اور وہ خیالات فرسودہ نہیں پائے جاتے تھے بلکہ اُن میں ندرت موجود ہوتی تھی۔ دعوت میں شریک ہوتے تقریبًا ایک ساتھ نمک مانگتے۔ کوئی چیز پسند ہوتی دونوں اسی کو دوبارہ مانگتے۔ موسم کے متعلق ایک ساتھ رائے زنی کرتے۔ ایک ساتھ گلاس خالی کرتے۔ جنگ عظیم میں دونوں کو اعزاز حاصل ہوا۔ بادشاہ کو یہی گمان ہوا کہ ایک ہی شخص کو انھوں نے دوبارہ تمغہ دے دیا ہے۔
توام لوگ اکیلے پیدا ہونے والوں کے مقابلے میں زیادہ خوش وخورم رہتے ہیں۔ بالخصوص بالغ ہونے کے بعد اگر دونوں ایک ساتھ رہیں اگر علیحدہ ہوں دونوں ایک ساتھ خوش ہوتے ہیں رنجیدہ نظر آتے ہیں۔ سرمڈکور نے بتایا کہ اُنھوں نے انھیں علیحدہ علیحدہ مشاہدہ کیا۔ دونوں کی مسرت وغم کا وقت ایک پایا گیا گویا ایک دل تھا جو ہزاروں میل کے فاصلہ پر بھی یکساں کام کرتا تھا۔
توام لوگ ایک ساتھ بیمار ہوتے ہیں ایک ہی زمانے میں اسی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایک ساتھ مرتے ہیں۔ ایک مقام پر دو توام لڑکیوں نے اپنی ماں کے لئے کوئی تحفہ خرید کے ماں کے نذر کرنا چاہا۔ دونوں نے دل میں ٹھان لی کہ دوسری سے سبقت لے جائے۔ اس لئے دونوں نے ایک دوسری سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ بعد میں دیکھا گیا کہ دونوں نے ماں کے لئے چار کی پیالیوں کا سٹ خریدا جو ایک ہی نمونہ شکل اور رنگ کی تھیں۔ حالانکہ دونوں نے دو مختلف بازاروں سے اسے خریدا تھا۔

بیوی کا حق۔ ہندوستان میں بہت سے گھروں میں قاعدہ یہ ہے کہ میاں جو کما کے لایا بیوی کے حوالہ کر دیا۔ اُسے

جب پیسہ دو پیسہ کی ضرورت ہوتی ہے بیوی سے لیتا ہے۔ انگلستان میں ایک قانون پیش ہونے والا تھا کہ لڑائی چھڑ گئی۔ مقصد یہ تھا کہ میاں کی کمائی کا ایک خاص حصہ بیوی کو ملنا چاہئے تاکہ وہ اخراجات میں میاں کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتی پھرے۔
بیوی کے کیا حقوق ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ دن بھر ایک ٹانگ سے پھرے اور اُسے روٹی کپڑا ال جائے۔ اس کی تو وہ محنت کی وجہ سے ویسے ہی حقدار ہے۔ اُسے وفاداری اچھا گذارہ درکار ہے۔ مرد کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ شادی کرے۔ اور بیوی کو اور عورتوں پر ترجیح نہ دے۔ اس کا حق ہے کہ اُس کا شوہر اس سے اتنا ہی وفادار رہے جتنی وہ اس کی وفادار ہے۔ اور وہ شادی کا اُسی وقت ارادہ کرے جب وہ اسے سنبھال سکے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ اسے موٹر خرید کے دے زیورات لائے مگر یہ ضرور مراد ہے کہ وہ اسے اچھا گھر اور کافی روٹی سالن اور کپڑا دے۔ شادی کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے ماں باپ شہر اور سہیلیوں کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر قید میں آپڑے۔ اس کا حق ہے کہ شوہر اس سے شائستگی سے پیش آئے مگر اکثروں کی حالت یہ ہے کہ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی اپنی شائستگی کو ڈیوڑھی میں چھوڑ آتے ہیں اور اسے خانگی ضرورت کی جنس نہیں سمجھتے۔ بیوی کو میاں کی رفاقت کا حق حاصل ہے کیونکہ اُس نے خوش مزاج مخلص ہمدرد رفیق حاصل کرنے کے لئے شادی کا الجھیڑا اپنے سر لیا ہے۔ مرد کا وہی مذاق وہی دلچسپی دہی محبت ہونی چاہئے جو بیوی کو پسند ہے۔ یہ نہیں کہ میاں باہر سیر و تفریح کرتا پھرے اور بیوی چاردیواری میں محبوس دیواروں کی اینٹیں گنا کرے۔ اس کا حق ہے کہ شام کے بعد گھر میں رہ کے اُس سے باتیں کریں اور اگر وہ خود باہر جائے۔ تو اُسے بھی اپنی تفریح میں شریک کرے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اسے خوش رکھے۔ اور بعض شوہروں کا خیال ہے کہ بیوی شوہر کی دلبستگی اور تفریح کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انکا کام صرف ہنڈیا روٹی اور گھر بار کا انتظام ہے اور خود اس کی آسائش کا خیال رکھنا ہے۔ یہ سراسر خام خیالی ہے۔ وہ برابر کی شریک ہے اور اسلام اس کے اس حق پر مہر لگاتا ہے۔

مردوں کو چاہئے کہ بیوی کو گاہ گاہ حیرت زدہ کرکے خوش کرے۔ اس کے لئے تحفہ لائے۔ اس پر ثابت کرے کہ وہ اس کے خوش کرنے کا جویاں ہے۔ بیوی کو شوہر پر محبت و مہربانی کا حق حاصل ہے۔ شوہر کو چاہئے کہ وہ اس امر کو دکھاتا رہے کہ وہ اُسے گھر کی خوشیوں کا مرکز اور اسے اپنا خاص رفیق سمجھتا ہے جس سے اُسے کامل دلبستگی ہے۔ عورتیں خیالات میں　　　　عمل و اظہار کی ضرورت ہے۔ اُسے روپیہ کی کمی نہ محسوس ہونے دے کیونکہ وہ خانگی کارخانہ میں نفع و نقصان کی برابر کی شریک ہے۔

پھلجھڑیاں کان اور ناک عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے ہیں گو بلوغ کے بعد یہ بالیدگی نہایت آہستہ قائم رہتی ہے۔ گرم ملکوں کے باشندوں کی ناک زیادہ چوڑی اور چھوٹی ہوتی ہے۔ سرد ممالک والوں کی ناک لمبے اور نمایاں ہوتی ہے حبشیوں کی ناک چوڑی اور چپٹی ہوتی ہے۔ قدرت نے مختلف آب و ہوا کی ضروریات تنفس کا لحاظ اس میں رکھا ہے۔

نبراسکا میں ایک بوتل میں ایک چوہیا گھس گئی اور نکل نہ سکی۔ اب وہ اس قدر بڑھ گئی ہے کہ نکلنا ممکن نہیں اس کا مالک اسے بوتل کے منہ سے غذا پہنچاتا ہے

ایک بھاری بم برسانے والے ہوائی جہاز پر دو لاکھ ستر ہزار۔ ایسے درمیانی جہاز پر ۱۹۸۰۰۰۔ ایک ہوائی مشین گن پر ۱۳۵۰۔ ایک ہوائی بم پر ۲۲۰ روپیہ لاگت آتی ہے۔ اور آلات جنگ کی لاگت یہ ہے۔ ہوائی جہاز پر گولہ برسانے والی توپ جس کا دہانہ ۳۰۷ انچ ہو ۲۷۵۰۰۰۔ کروزر ٹینک ۱۸۶۳۰۰۰۔ ہلکا ٹینک ۶۰ ہزار روپیہ۔

محمد ظفر

بزمِ عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہوں جن کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہوچکے ہیں۔ (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ ایڈیٹر

عصمتی بہنوں کو یہ معلوم ہوکر خوشی ہوگی کہ میری عزیزہ بھاوج آمنہ نازلی سلمہا (بیگم رازق الخیری) نے اس سال پنجاب یونیورسٹی کے ادیب فاضل (اُردو آنرز) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے۔ کئی سال سے عزیزہ موصوفہ کی صحت اچھی نہیں ہے پھر ننھے ننھے بچوں کی پرورش اور خانہ داری کی پوری ذمہ داریاں ہیں لیکن انھوں نے اپنے شوق اور ہمت سے اردو ادب و زبان کا یہ سب سے بڑا امتحان پاس کرکے ثابت کردیا ہے کہ ہمت اور محنت سے بڑی بڑی مشکلیں آسان ہوسکتی ہیں۔ راشدہ بیگم خیری

بجواب حمیرا صاحبہ دختر منشی ظہیر احمد صاحب اعظم گڈھ۔ ہاتھ کہنی پر سے اکھڑا تھا تو اب کندھے میں درد سے کیا مطلب ؟ کندھے کا یہ درد ہاتھ اکھڑنے کے علاوہ بھی ہوا کرتا ہے یہ ایک علیحدہ مرض ہے اس کے لئے جوگراج گوگل بہت مفید ہے یہ ایک مرکب دوا ہے جو کسی وید کے ہاں ملے گی بعض حکیم اور دواخانے بھی بنانے ہیں۔ یہ دوا صرف ایک ماشہ نیم گرم پانی کے ساتھ صبح اور ایک ماشہ شام کھالیا کریں اس کا فائدہ جلد معلوم نہیں ہوگا بلکہ دو تین مہینے مسلسل کھانا چاہئے رفتہ رفتہ فائدہ ہوتا جائے گا۔ روغن بید انجیر مالش کرسکتی ہیں۔

بجواب خریدار ۴۲۹۴ :- سیاہ بھنگرہ بہت کمیاب چیز ہے اور پھر میرے خیال میں شناخت مشکل ہے آپ سفید بھنگرہ کا تیل بناسکتی ہیں یہ عام طور پر نمناک جگہ ملا جاتا ہے اور اکثر لوگ پہچانتے ہیں۔ بعض عطار بھی ذخیرہ کرتے اور فروخت کرتے ہیں۔ تازہ بھنگرہ کوٹ کر پانی نچوڑلیں اور اس کا نصف تیل ملاکر ہلکی آنچ پر پکائیں صرف تیل رہجائے تو چھان کر رکھ لیں حسب منشا رنگ و خوشبو ملاسکتی ہیں تیل خواہ تل کا ہو یا ناریل کا۔ بیگم حکیم محمد عزیز خاں۔ جاورہ

مارچ ۱۹۳۹ء کے عصمت میں محترمہ ہمشیرہ صاحبہ ۲۴۲۲ نے چیچک کے داغ مٹانے کی دوا کے متعلق استفسار فرمایا تھا جس کے جواب میں ایک بہن نے اکسیر داغ اور اٹین خاص استعمال کرنے کیلئے تحریر فرمایا تھا کیا بہن صاحبہ نے یہ دوائیاں استعمال کرائی ہیں یا نہیں ؟ اگر کرائی ہیں تو اس کے فوائد سے برائے مہربانی جلد مطلع فرمائیں۔ اگر کسی بہن کو چیچک کے داغ مٹانے کی مجرب دوا معلوم ہو تو تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ خریدار نمبر ۹۶۸۰

کوئی بہن بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں کہ ہندوستانی کھانا پکانے کی ترکیبوں کی انگریزی میں لکھی ہوئی کوئی کتاب ہے یا نہیں معمولی کتاب نہ ہو جیسی کتاب عصمتی دسترخوان ہے اسی طرح کی صحیح ترکیبوں کی کتاب مجھے چاہئے کھانے ہندوستانی ہوں لیکن لکھی ہوئی انگریزی میں ہو۔ بیگم حشمت علی ڈپٹی کلکٹر

میری ایک عزیز لڑکی جس کی عمر اب تین سال کی ہے نواہ کا عرصہ ہوا گرم گڑ کے پاک میں گرجانے کی وجہ سے سر جل گیا تھا اب سر کے بال نہیں آرہے ہیں۔ کوئی صاحب کوئی آزمودہ دوا سے بذریعہ بزم عصمت مطلع کریں کہ بال آجائیں۔ زبیدہ بیگم انصاری وچاپور نمبر خریداری ۲۲۶۵

تھوڑے دن ہوئے مجھے ریل کے سفر میں ایک عصمتی بہن سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُنکی گفتگو کچھ ایسی بے تکلف اور پُر خلوص تھی کہ مجھے اُن سے ایسی قربت محسوس ہونے لگی جیسے کہ ہم عرصہ سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں جدا ہونے وقت میں نے انھیں کشیدہ کاری کے چند نمونے بھیجنے کا وعدہ کیا لیکن ایفائے وعدہ کا قصد کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کاغذ جس پر انھوں نے اپنا پتہ تحریر فرمایا تھا لاپتہ ہے ہمشیرہ موصوفہ براہ کرم اپنے پتہ سے مطلع کرکے مجھے وعدہ وفا کرنے کا موقع دیں۔
رابعہ خاتون بتوسط سید رضا حسین صاحب ۔ ہاتھرس جنکشن

ناقابل اشاعت مضامین

جن مضمونوں کے عنوانات درج ذیل کئے جاتے ہیں وہ عصمت میں شائع نہیں ہو سکتے۔ مضمون نگار اگر چاہیں تو اپنے مضمون ۱۵ اکتوبر تک ٹکٹ بھیج کر واپس منگالیں ۱۵ اکتوبر کے بعد یہ مضامین ضائع کردئے جائیں گے۔ اڈیٹر

روشن خیالی۔ سرائے کا نقشہ۔ ہمت۔ لڑکیوں کو نصیحت۔ (نظم) خوف۔ ریوٹر۔ گلدستہ پند۔ انمول موتی۔ چکور سے۔ کیا تمہارا واقعی گھر جنت ہے۔ افلاطون اور اس کا نظریہ خیالات۔ خوابوں کی دنیا۔ لڑکی کی سسرال۔ تربیت اطفال۔ (نظم) سال گذشتہ پہ ایک نظر۔ ایڈیٹر کے نام ایک خط (ترجمہ) اشد اندغم (نظم) مسٹر روزویلٹ۔ ایک پردرد خط۔ خانہ داری۔ نیرنگئی تقدیر (افسانہ) امن وسلامتی کی گھڑی۔ حق کی فتح (افسانہ) یتیم۔ یاد گذشتہ۔ تربیت کا اثر۔ شفق۔ رات۔ نصائح ازلی۔ پان۔ سوئٹن کی ایک قابل عورت۔ ہٹلر در موجودہ جنگ۔ میرا معبود مجھ سے ناراض ہے۔ تعلیم کا مجموعہ (نظم) غیبت۔ پریم چند کا آخری تحفہ۔ نیرنگئی قسمت (افسانہ) کیوں ہے حمیدہ منظور ...... تو ہے۔ ہائے افسوس مترجمہ (افسانہ) کامیابی کا راز۔ مرثیہ ولادر النساء بیگم مرحومہ بہن کا ایثار۔ سہرا۔ انتظار۔ چاند عورتیں افریقن۔ انداز۔ دعوت مسلم خاتون سے۔ میوہ جات کے افعال و خواص۔ زبیدہ۔ پردہ باغ کی ایک جھلک۔ نصیب۔ ملتا ہوا مردہ۔ تخم۔ سعی عمل (نظم) مشیت ایزدی (نظم) خاندانی شادی۔ باغبان (مذاحیہ افسانہ) ملک و ملت۔ مسلمان عورت سے (نظم) عورت۔ مختصر حالات حافظ شیرازی۔ ایک مسکین نوکر کی درخواست۔ نو پیدائش (افسانہ) میری آپ بیتی۔ ادھوری تعلیم کے نتائج۔ صادق دوست (افسانہ) ارے یہ کیا؟ دشمن جانی۔ مسرت (اشعار) مسلمان نواری۔ موت کی حقیقت۔ نوکر سے سلوک۔ چند مفید تجربات۔ بچوں کی عام بیماریاں۔ دریائے گنگ کی ایک دلکش شام۔ مسولینی۔ بچوں کی خودسری۔ رمیش (افسانہ) خاتین اور اردو۔ نیرنگ کیفیت۔ تبتی زبان۔ ایک خط (انگریزی سے ترجمہ) شادی۔

ایک سلیقہ مند عورت ایک خاندان کی قسمت بدل سکتی ہے (افسانہ) ایک دعا ایثار (افسانہ) علامات نبوت۔ گول گنبد بیجاپور۔ رباعیات عمر خیام۔ انجام غربت (افسانہ) خاتون مسلم کی زبوں حالی (نظم) محبت سے خطاب گرمی کی چاندنی رات۔ اچھی باتیں۔ دہلی اور لکھنؤ کی اردو۔ انقلاب (ایک خط) علم الید (ازمن۔ دہلوی) عادی مجرم (افسانہ) چاندنی رات (افسانہ) موت جموں کشمیر۔ وادی زیارت۔ دھوکہ۔ مرحومہ ماں کی یاد۔ عقلمندی کس طرح ظاہر ہوتی ہے۔ دو شہروں کی کہانی۔ حالات موجودہ۔ سوت (افسانہ) اشیو گڈھ کی سیر۔ سل اور دق پھیلنے کی وجہ۔ غنچہ قنوجی۔ عورت کو کیا کرنا چاہئے۔ خدا سر دے تو سودا دے۔ عورتیں ناقص العقل نہیں ہیں۔ میری بپتا۔ حصہ تعلیم نسواں۔ میرا بھائی کہاں ہے۔ بچپن کی یاد۔ ٹامہوزی (نظم) لوری۔ مرجھائے ہوئے پھول۔ وادی لولاب کی سیر۔ سائنس کی خصوصیات اور اس کی خدمات۔ بدنصیب (افسانہ) خطبہ صدارت انجمن نسواں ململ۔ جہالت اور تعلیم سے بے توجہی۔ بانگل (افسانہ) اسلام میں عورت کا درجہ۔ (باقی آئندہ)

خوراک کو سڑنے سے بچایئے
اپنے کھانے پکانے کے برتن
وِم
سے
صاف
کیجئے
جب اکھ یا ریت برتن صاف کرنے کیلئے استعمال کی جاتی ہے اس سے سطح کھردری ہو جاتی
ہے اور ان کھردری جگہوں میں خوراک کے چھوٹے چھوٹے ذرات جمع ہو جاتے ہیں - یہ
ذرات جلدی سڑ جاتے ہیں اور خوراک کو زہریلا بنا دیتے ہیں
اپنے کھانا پکانے کے برتن وِم سے صاف کریں اور اپنے کنبہ کی صحت کی حفاظت کیجئے
کیونکہ وِم خوراک کے ہر ذرہ کو نکال دیتی ہے اور برتنوں کو نئے کی مانند چمکیلا بنا دیتی
ہے دوسری بات یہ ہے کہ وِم ایسی ہمواری سے صاف کرتی ہے کہ آپ اسکو سامان چوب
سامان چینی مٹی ہاتھ دھونے کے برتن غسلخانہ میز وغیرہ کیلئے پوری تسلی سے استعمال کر سکتے ہیں
وِم
کھانا پکانے کے برتنوں کو تندرستی بخش رکھتا ہے
M
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED
X-V 377-172 UD
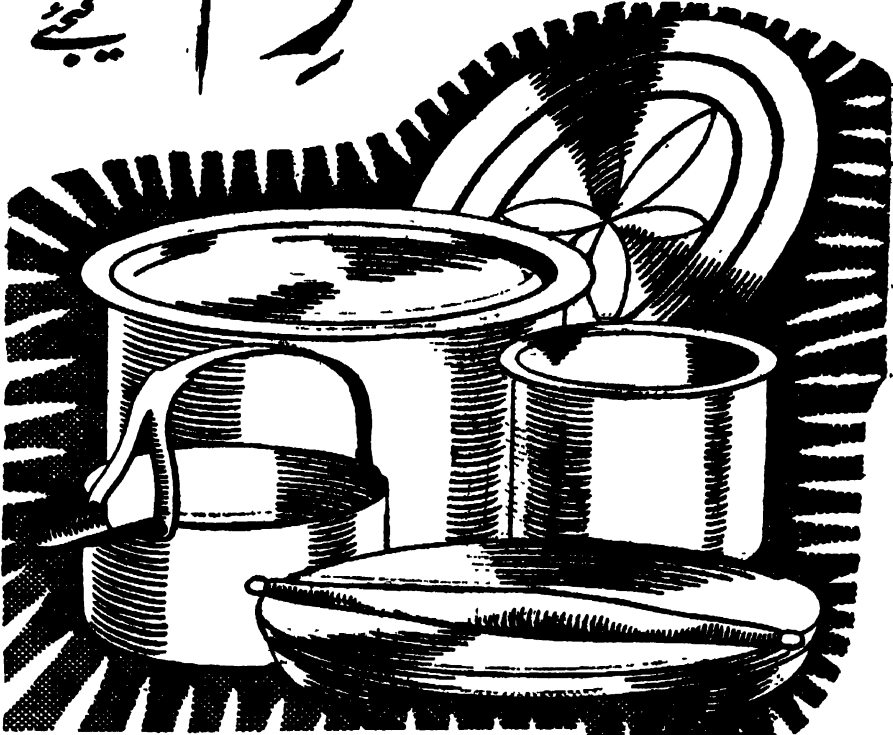
دُوربین

بلقان میں ریشہ دوانیاں

رومانیہ کو بعجریہ روس کے حوالہ کرنا پڑا اور اس کے ساتھ ساتھ بکوونیہ بھی گیا۔ بلغاریہ اور ہنگری نے بھی اپنے اپنے ملکوں کے ٹکڑے مانگے جو جنگ عظیم کے بعد رومانیہ میں شامل کئے گئے تھے ان امور کے متعلق ان دونوں ملکوں کے سفرا کے ساتھ رومانیہ کے وزرا کی ملاقاتیں ہوئیں۔ دوران گفتگو میں تعلقات بار بار کشیدہ ہوگئے۔ جرمنی اور اطالیہ کے دباؤ سے رومانیہ کو دبنا پڑا اور بلغاریہ کو دوبروجہ اور ہنگری کو ٹرانسلوینیہ کے حصص دینے پڑے جرمنی کو بلقان کے جھگڑے کے جلد طے کرانے کی جو تشویش رہی ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں روس کے ذریعہ کوئی نئی چال نہ چلی جانے والی ہو جرمنی اس علاقہ میں جنگ کے شعلے اٹھنے نہیں دیکھنا چاہتا۔ کرول شاہ رومانیہ کو تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ اور اب وہ پرتگال میں پناہ گزین ہوگا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا مائیکل بیٹھ گیا۔ نئی حکومت نے جرمنی اور اٹلی سے تعلقات نیازمندی کا اعلان کردیا۔ ملکہ ہیلین جسے کرول نے طلاق دیدی تھی اب اپنے بیٹے مائیکل کی تخت نشینی کے بعد ملک میں واپس آگئی ہے۔

یونان کے متعلق اٹلی کا رویہ بدستور تہدید آمیز ہے۔ وہ البانیہ کے ذریعہ اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے اپنے لئے مشرقی بحیرہ روم میں اقتدار پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یونان مضبوطی سے مقابلہ کا ارادہ کرچکا ہے۔ اس کے علاوہ ترکی کے متعلق خیال ہے کہ وہ یونان کی حمایت کریگا کیونکہ اس نے یونان کو امداد کا یقین دلایا ہے چنانچہ اٹلی نے فی الحال یونان سے چھیڑ چھاڑ میں ڈھیل ڈالدی ہے۔ برطانوی جہاز بھی یونان کے مجمع الجزائر میں دشمن کی تلاش میں گھس رہے ہیں۔ اطالوی مقبوضات میں بمباری کرتے رہتے ہیں۔

برطانیہ کی دھاک

غیر برطانیہ نہایت تندہی سے دشمن کا مقابلہ کررہا ہے اور خود بھی بار بار دشمن پر زبردست چھاپے کرجاتا ہے۔ جرمنی نے ہوائی جہازوں کے غولوں سے انگلستان پر حملہ کا زور کم کردیا۔ اس میں اس کا نقصان بہت ہوا۔ اور انگلستان پر اس کا اثر بہت ہی خفیف ہوا اب اس کے ایک ایک دو دو جہاز راتوں کو آتے ہیں اور بمباری کرکے بھاگ جاتے ہیں یا گرائے جاتے ہیں۔ اس سے اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ باشندوں کی نیند خراب ہو۔ انھیں بے چین رکھ کر ان کی ہمت کو توڑا جائے۔ مگر انگلستان کا بچہ بچہ گھبرانے کی بجائے اس آتشباری کو کھیل تماشہ سمجھ کے دیکھا کرتا ہے اور کاروبار بدستور جاری ہے۔

برلن پر بار بار حملے کئے گئے اور دشمن کو اپنے زبردست نقصانات کا اعتراف ہوا۔ ان حملوں سے یہ بھرم جاتا رہا کہ برلن پر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تین ماہ سے برابر جرمن علاقہ پر برطانوی گولہ باری ہوتی رہی ہے۔ امریکہ نے ۵۰ پرانے تباہ کن جہاز برطانیہ کو دئے ہیں۔ اس کے بدلہ میں اس نے ۹۹ سال کے لئے جزائر غرب الہند کے بہامہ جمیکا سینٹ لوسیا ٹرینیڈاڈ۔ انٹی گوا اور برطانوی گائنا (جنوبی امریکہ) میں امریکہ کو بحری مستقر قائم کرنے کا حق دیدیا ہے اور نیوفاؤنڈلینڈ اور برموڈا میں بھی ایسے مستقر بلا معاوضہ قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

ایک جرمن جہاز نے قصر شاہی پر بم ڈالے جن سے غسل کے حوض اور گرجا اور حاشیہ کی عمارات کو کچھ نقصان پہونچا۔ بادشاہ اور ملکہ معظمہ کو کسی قسم کا گزند نہیں پہونچا۔ ہر چہار طرف سے انھیں مبارکباد کے پیام موصول ہوئے۔

مسٹر چرچل نے تقریر میں بتایا کہ جرمنی عنقریب اپنی فوجوں سے ساحل انگلستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس کے جہاز اور

چونکہ اب آپکو اپنے پیسے کے عوض لکس کی پہلے سے زیادہ مقدار ملتی ہے اسلئے آپ اپنے نفیس کپڑوں کی حفاظت کے لئے جتنی دفعہ چاہیں اُتنی دفعہ لکس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ لکس تمام پکے رنگ والے ریشمی اور اُونی کپڑوں کو نہایت نرمی کے ساتھ صاف کر دیتا ہے۔ لکس ٹھنڈے پانی میں کثرت و افراط سے جھاگ اُٹھاتا ہے۔ لکس کے کثیر جھاگ کے ذریعے آپکے نفیس کپڑوں کا سارا میل اور پسینہ نہایت نرمی و آسانی سے نکل جاتا ہے اور کپڑے سلامتی سے دھل کر صاف ستھرے بن جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپکے نفیس کپڑوں کے لئے لکس میں اُتنی ہی سلامتی ہے جتنی ٹھنڈے پانی میں ہوتی ہے۔

لکس کا پہلے سے بڑا نیا پیکٹ خریدنے سے آپ اپنے پیسے کے عوض لکس کی زیادہ مقدار حاصل کرینگے۔

لکس کے چھوٹے اور درمیانہ سائز والے پیکٹ بھی اپنی قیمت کے لحاظ سے ایک اچنبھا ہی ہیں۔

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

LX. 7.172 UR

کشتیاں اور بے شمار فوج ساحل فرانس اور ہالینڈ بلجیم پر جمع ہے اور حکم کی منتظر ہے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی جہازوں نے اس اجتماع پر گولہ اندازی کر کے انھیں سخت نقصان پہونچانا شروع کر دیا ہے۔

جرمنوں نے ۳۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار کے ہوائی جہاز استعمال کرنے شروع کر دئے ہیں۔ ہفتہ بھر سے لندن کے مختلف حصوں پر گولہ باری ہوتی رہی ہے۔ عمارتوں اور دریائے ٹیمز کے گھاٹوں کو بہت نقصان پہونچا۔ اموات بھی واقع ہوئیں۔ انگریز بڑی بہادری سے ان مصائب کا مقابلہ کر رہے ہیں اور انکی ہمت سے مترشح ہے کہ انھوں نے فتح حاصل کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ عورتیں آگ بجھانے بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری کرنے موٹریں ٹریمیں چلانے پر لگی ہوئی ہیں اور ہمت و استقلال سے کام کر رہی ہیں۔ بے گھروں کو وہ کپڑے پہناتی انکو رہنے کے لئے جگہ بتاتی کھلاتی پلاتی ہیں۔ ایک حملہ کے دوران میں ان کے ایک مرکز نے تین ہزار چار کی پیالیاں پلائیں۔ گولے آسمان سے گرتے رہتے ہیں اور وہ جان بچانے کا خیال بھی نہیں کرتیں۔ اپنا کام کرتی پھرتی رہتی ہیں۔ ہندوستان سے برابر مالی وجانی امداد جا رہی ہے۔ قرضہ جات میں ۱۳ ستمبر تک ۴۸۹۱۷۰۰۰ روپیہ دیا جا چکا ہے۔

اٹلی کی سینہ زوری

انگریزوں نے برطانوی سومالی لینڈ خالی کر دیا کیونکہ وہاں دشمن کا نرغہ زیادہ تھا اور ملک بھی بیکار ہے جس کے چھوڑ دینے سے برطانیہ کو کچھ نقصان نہیں ہوا اور دشمن کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ اس سے مشرقی سمندر اور عدن غیر محفوظ ہو گئے ہیں۔ مگر برطانوی بحری بیڑے کی موجودگی میں اس کا کچھ امکان نہیں۔

انگریزوں نے ہوائی جہازوں نے طرابلس حبش سومالی لینڈ اور اریٹریہ پر جنگی اہمیت کے مقامات پر بم برسائے اور دشمن کو نقصان پہونچایا۔ اطالویوں نے تل ابیب (فلسطین) پر ہوائی حملہ کیا۔ یہ بستی یہودی ہے۔ سینکڑوں یہودی مارے گئے۔ مصر پر تین طرف سے حملہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اٹلی نے بڑھ کے سولم پر قبضہ کر لیا ہے اور سیدی برانی تک ۶۰ میل اندر گھس آیا ہے۔ اٹلی نے ترکی کا ایک تجارتی جہاز روک لیا ہے جس پر ترکی نے سخت احتجاج کیا ہے۔ عدن پر بھی اطالوی جہازوں نے کئی مرتبہ ہوائی جہازوں سے بم گرائے۔ شام میں ایک اطالوی وفد صلح کے نام نہاد ارادہ سے گیا ہے مگر اس نے وہاں پہونچتے ہی ریشہ دوانیاں شروع کر دی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ شام وفلسطین اٹلی کے منتظر بن جائیں۔ ترکی بے صبری سے واقعات کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

فرانس کی بے بسی

افریقہ میں فرانس کی سب سے بڑی نوآبادی چاڈ نے فرانسیسی حکومت سے سرتابی کر کے انگریزوں کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ کیمرون اور فرانسیسی کانگو نے بھی اس کی تقلید کی۔ حکومت کے مقامی حکام قید کر لئے گئے ہیں۔

ہندچینی کی حالت بدستور مخدوش ہے۔ چین بھی تلا بیٹھا ہے کہ جاپان اس میں بڑھا اور اس نے بھی آگے قدم بڑھایا۔ وہاں کے فرنسیسی بھی اب جنرل ڈی گولی کی حمایت میں جرمنوں سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔

نیو ہیبرڈیس۔ نیو کیلیڈونیہ۔ سوسائٹی اور قریب کے جزائر فرانسیسی غرب الہند نے بھی وشی کی حکومت سے سرتابی کر کے ڈی گول کے ساتھ رہنے کا اعلان کر دیا ہے۔ فرانس کے بیٹھ جانے سے اس کے افریقی مقبوضات سے جرمنی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی بلجیم کے کانگو سے بھی استفادہ کرتا۔ جنگی دفاتر ہاتھ آتے مگر اب سب کچھ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ان مقبوضات کے قرب میں انگریزی مقبوضات نے ان کی ہمتوں کو بڑھا دیا ہے۔ مارشل پیتیان کی وزارت کی حالت نازک ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی بساط جلد الٹ جائے۔

ترکی کی تیاریاں

بلقان میں جدید صورت حالات کی وجہ سے ترکی نے سارے تھریس میں بلغاریہ سے لے کر یونان تک قلعہ بندیوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے اور نئے مورچے بنائے جا رہے ہیں۔ استنبول کے اردگرد ۲۰ میل تک کا سارا علاقہ فوجی رقبہ قرار دیدیا گیا ہے۔ غیر ملکی باشندوں کو اس علاقہ کی طرف جانے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ اس علاقہ پر پرواز کی بھی ممانعت ہے

یورپ سے سیدھے ایشیا جانے والے مسافروں کو صرف گزر کر چلے جانے کی اجازت ہے۔

ترکی نے ضرورت پڑنے پر ۱۵ سے ۶۵ برس تک کی عمر کے مرد و عورت کو جنگی خدمات کرنے کا حکم نافذ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے مرد میدان جنگ میں جائینگے عورتیں اپنی عمر اور خاندانی حیثیت کے لحاظ سے شہروں فصیلوں کی حفاظت زراعت اور تعمیر سڑک کے کام پر مامور کیجائیں گی۔

برطانیہ کو توقع تھی کہ اٹلی کے شریک جنگ ہوتے ہی ترکی بھی اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیگا مگر معلوم ہوتا ہے ترک واقعات پر احتیاط سے نظر ڈال رہے ہیں۔ انگریزوں سے جو انکا معاہدہ ہے اس میں اس قسم کی کوئی دفعہ نہ تھی جس کیوجہ سے اس موقع پر شرکت ضروری ہوتی۔ مگر جنگ اب جو رخ اختیار کر رہی ہے اس سے ترکی کا انگریزوں کے ساتھ شامل ہوجانا ممکن نظر آتا ہے کیونکہ اس جنگ میں غیر جانب داری ایک مہمل لفظ ثابت ہوا ہے۔

تاروں کا جھرمٹ

مجدیہ میں جو ریل کا حادثہ ہوا تھا اسمیں مرے ہوئے ایک سوداگر کے وارثوں کو ریل نے ۴ ہزار روپیہ معاوضہ دیا ہے

طہران ایران کے دارالسلطنت کے مرکز میں میونسپلٹی نے ایک ہزار مکانات خرید کے مسمار کر دئے اس جگہ تبالہ زر کی زبردست عمارت تیار کی جائے گی اور اس میں ایرانی مصنوعات کی نمائش بھی ہوا کریگی یہ عمارت بالکل نئی طرز کی بنے گی۔

لندن میں ایک کاروباری بنک کے سابق مہتمم پر اس جرم میں ۱۵ ہزار پونڈ (تقریباً گیارہ لاکھ روپیہ) جرمانہ ہوا کہ اس نے خزانہ کو ۰۰ ۴۰ ۶ پونڈ قیمت کی سونے کی سلاخیں چار سو اشرفیاں اور دو ہزار سوئٹزرلینڈ کے فرانک بیچنے سے انکار کر دیا تھا۔

پنجاب میں اس وقت ۱۷۸۱ ۲ لڑکے لڑکیوں کے مدرسوں میں اور ۲۰۵۲۷ لڑکیاں لڑکوں کے مدرسوں میں تعلیم پا رہی ہیں۔

حکومت ہند نے دہلی کے دیہاتی مدرسوں میں لازمی پرائمری تعلیم جاری کرنے کی تجویز منظور کر لی ہے۔ اس پر تین لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔

لاہور میں پانچ خاکسار عورتوں پر فوجی طرز سے چلنے کی وجہ سے مقدمہ چل رہا تھا۔ ان کی سالار سعیدہ بانو کی عمر ۱۱ سال تھی۔ عدالت نے اسے کم عمری کی وجہ سے بری کر دیا۔ باقیوں سے سال سال کے نیک چلنی کے مچلکے مانگے۔ ایک عورت نے داخل کر دئے باقیوں نے ضمانت دینے سے انکار کیا۔ انھیں چھ چھ ماہ قید محض بھگتنی پڑے گی۔

نوبل پرائز دنیا بھر میں سب سے بڑا علمی و ادبی انعام ہے۔ حیدرآباد کے ڈاکٹر رضی الدین صاحب پہلے مسلمان اور تیسرے ہندوستانی ہیں جنھیں اس سال یہ انعام ملا ہے۔

حکومت پنجاب اور دہلی نے اپنا وہ حکم منسوخ کر دیا ہے جس کیوجہ سے خاکسار مجمع خلاف قانون قرار پائے تھے۔ انھوں نے حکومت کو اطمینان دلا دیا ہے کہ وہ فوجی ورزش نہ کریں گے۔ وردی میں ترمیم کریں گے اور حکومت سے تعاون کریں گے۔

ترکی کے مشہور سپہ سالار وہب پاشا کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے پچاس سال تک متعدد جنگوں میں حصہ لیا۔ مصطفٰے کمال کے عروج پر وہ ترکی سے فرار ہوگئے کیونکہ انھیں موت کی سزا تجویز ہوئی۔ معاف کر دینے پر وہ پھر ترکی واپس آگئے تھے۔

ایک سن رسیدہ مسلمان خاتون نے زنانہ ڈبہ میں چلتی گاڑی میں چور کو پکڑ لیا۔ دوسری عورت نے زنجیر کھینچ کے گاڑی ٹھہرائی۔ جب پولس آگئی اس وقت چور کو اپنے چنگل سے چھوڑا۔ اس چور نے اس خاتون کا بکس جو اوپر کے تختہ پر رکھا تھا اٹھانا چاہا تھا۔

دہلی میں دہلی دروازہ سے اوکھلے تک ۱۱ میل لمبی سایہ دار درختوں کی سڑک بنائے جانے کی تجویز ہے۔ اس سڑک اور متھرا والی سڑک کے درمیان باغ بنائے جائیں گے۔ دریا میں کشتی چلانے اور نہانے کی سہولت بہم پہونچائی جائیگی۔ نئی دہلی سے ایک سڑک پرانے قلعہ کے پاس سے نکال کے اس میں ملا دی جائیگی۔ اس پر دس لاکھ روپیہ صرف ہوگا۔

انجمن خواتین ہند اپنا ایک وفد چین بھیجنا چاہتی ہے۔ مادام چیانگ کائی شیک نے ۱۵ اکتوبر کو وفد کی آمد کے لئے موزوں بتایا ہے بیگم حامد علی خان اس وفد کی صدر ہوں گی۔

Regd L. No. 1872 December 1940 Established 1908

نگار — مئی ۱۹۳۰

عصمت بکڈپو دہلی

ہندوستان بھر میں سب سے بڑا زنانہ دار الاشاعت

تصانیف علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

مردوں اور عورتوں کیلئے اصلاحی معاشرتی ناول

صبح زندگی لڑکی کی پیدائش سے شادی تک کیونکر تعلیم و تربیت کرنی چاہیئے۔ اس موضوع پر اردو زبان کی بہترین کتاب لڑکیوں کی اتالیق، بیویوں کی مشیر اور مردوں کے لئے لٹریچر کا بیش بہا خزانہ بے انتہا دلآویز نتیجہ خیز موثر ناول کتابی کیس دفعہ چھپی ہے قیمت عہ

شام زندگی صبح زندگی کا دوسرا حصہ۔ شادی سے موت تک نسیمہ بیگم کے حالات معلوم ہیں اس کی مدد سے اپنے خاوند کا دل موہ لیتی ہیں۔ موثر اتنی کہ قوم نے اسی کی وجہ سے مصنف کو مصور غم کا خطاب دیا تھا ہر سطر آنکھوں کو پر نم کر دیتی ہے۔ انیسواں ایڈیشن قیمت ایک روپیہ عہ

شب زندگی صبح زندگی میں نسیمہ کے بچپن اور جوانی کو دکھایا گیا ہے شام زندگی میں سے آخر منزل تک پہنچایا ہے۔ شب زندگی میں موت کے بعد کے حالات پڑھو۔ اپنے رنگ میں بے مثل اصلاحی ناول ہے پلاٹ بیحد دلآویز۔ قیمت ایک روپیہ دونوں حصے عہ

حیات صالحہ یا صالحات ایک نیک لڑکی کی زندگی کے وہ واقعات نہایت موثر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے ہیں۔ سوتیلے رشتوں پر معرکۃ الآرا ناول ہے۔ واقعات اسقدر موثر کہ کلیجے کے پار ہو جاتے ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ

منازل السائرہ اس میں ایک غریب لڑکی کی پیدائش سے موت تک کے تمام واقعات نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ طرز تحریر اسقدر پیارا کہ سر دھنئے۔ قیمت دونوں حصے عہ

نوحہ زندگی بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق نہایت دردانگیز اور عبرتناک ناول۔ اس کے مطالعہ کے بعد ان خاندانوں میں جہاں بیوہ کا نکاح ثانی گناہ سمجھا جاتا ہے شرع اسلام کے بموجب کتنی ہی بیواؤں کے نکاح ہوئے اور کتنے ہی کنوارے نوجوانوں نے بیواؤں سے نکاح کئے۔ نو دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۲؍

طوفان حیات قبیح رسوم اور شرک و بدعت پیر پرستی قبر پرستی وغیرہ پر وہ بے مثل ناول جس کے مطالعہ کے بعد شرک کوسوں دور بھاگ جاتا ہے۔ اور رسوم مروجہ خوفناک اژدہے کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں۔ اور انسان خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ نہایت دلچسپ اور دردانگیز ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ عہ

جوہر قدامت دو بہنوں کی پر لطف کہانی دو لڑکیوں کی مفصل زندگی دو عورتوں کی جگر خراش داستان جن میں ایک دور قدیم کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی دلدادہ ہے۔ اس ناول سے معلوم ہوگا کہ نصف صدی قبل ہمارے گھرانوں میں کیسے کیسے لعل بدڑیوں میں چمکتے تھے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ عہ

اصلاحی و معاشرتی افسانے

تمغہ شیطانی اس تصنیف میں اُمت شیطانی کے آٹھ کیرکٹر دکھائے گئے ہیں۔ اُن لوگوں کے جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے۔ مگر ان کے صرف ایک فعل سے جو بظاہر بہت معمولی بات تھی حلقہ شیطانی میں داخل ہوئے۔ واقعات اس قدر دردانگیز کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں بے حد موثر سبق آموز اور عبرت انگیز افسانے قیمت ۱۲؍

سات روحوں کے اعمال نامے دنیا کی سات عجیب و غریب روحیں ایک شیطان کی مغفرت کے لئے پیش کی جاتی ہیں جن کے مطالعہ سے کہیں ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں کہیں آنسو نکل آئیں۔ آخری روح کے کارنامے اسقدر دردانگیز ہیں کہ ہچکی بندھ جائے۔ سات دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۸؍

غدر کی ماری شہزادیاں یا دہلی میں ہیلہ ۱۸۵۷ء کے غدر کی لٹی ہوئی دلی کی شہزادیوں اور بیگموں کی دل ہلا دینے والی کہانیاں نہایت دردانگیز اور عبرتناک تین چار

کئی کئی رنگ کی بلاک کی تصویریں بھی ہیں۔ قیمت بارہ آنہ ۱۲/

ستونتی ایک دلچسپ سبق آموز قصہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کے لئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ اور شریف عورت ایثار کے جوہر دکھا کر دنیا کو محو حیرت کر دیتی ہے قیمت ۷/

موؤدہ ہندوستان کے بعض صوبوں میں شرع اسلام کے خلاف مسلمان لڑکیوں کو ترکہ پدری نہیں دیتے۔ علامہ محترم نے یہ افسانہ اسی خرابی کے انسداد پر لکھا اور ایسے درد سوز و گداز سے کہ پتھر سے پتھر دل بھی اس کو پڑھ کر پسیجتے ہی نہیں موم ہو جاتے ہیں۔ قیمت ۷/

تفسیر عصمت خلع اور ارتداد پر اس سے بڑھ کر موثر افسانہ آج تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کی نظر سے گذرنا چاہیئے واقعات کہیں نہایت درد انگیز اور کہیں مزاحیہ۔ قیمت پانچ آنہ۔ ۵/

انگوٹھی کا راز تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ۔ رابعہ کا عبرت انگیز انجام۔ اسلامی کی جگر خراش داستان اور صفیہ کی مشکلات۔ انگوٹھی کا راز نہایت خوبی سے حل کر دیا۔ ۶/

ولائتی ننھی ایک نہایت پرلطف باتصویر افسانہ جس کے ہر صفحے پر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ بی ننھی نے بڑھاپے میں وہ وہ سوانگ بھرے ہیں کہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت ۶/

منازل ترقی اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دھن۔ لیڈری کے شوق۔ اور دولت کے نشہ میں اخلاق۔ انسانیت۔ اور مذہب کو تج کر غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے مظالم ڈھاتا ہے۔ قیمت چار آنہ۔ ۴/

بچہ کا کرتہ ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا اس کی محبت اور ایثار کا وہ عبرت انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں بہت موثر افسانہ ہے اور کئی بار چھپ چکا ہے۔ قیمت ۴/

وِیڈیا کی سرگذشت فیشن و جدت کی دلدادہ ایک انگریز عورت کی کہانی اسی کی زبانی مغربی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع۔ میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو قیمت ۴/

بہار عالم حیات انسانی پر پرندوں کی جنت۔ چند نسوانی کمزوریوں کا بیان۔ ہندوستان کی معاشرت کا مرقع۔ قصہ کا پلاٹ بے حد دلکش ہے۔ کئی قیمتی تصویریں ہیں۔ قیمت ۴/

بنت الوقت ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا مکمل مرقع وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا حیرت انگیز انجام سات دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ۸/

سراب مغرب غیر مسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے اس بحث پر مشہور کتاب۔ تقلید مغربی کے دردناک نتائج۔ پارٹیز کا حشر۔ ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی اور لڑکی کی تباہی قیمت ۸/ یہ کتاب آگرہ یونیورسٹی کے بی اے کورس میں شامل ہے۔

فسانہ سعید بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے مگر اس افسانہ میں حضرت مصور غم نے سعید کا نکاح بے سود ثابت کیا ہے۔ سعید کی جگر خراش داستان دل ہلا دیگی۔ ۸/

سنجوگ ایک تعلیم یافتہ سلیقہ شعار سمجھدار مگر کرموں جلی اور نصیبوں پھوٹی مصیبت زدہ اور مظلوم لڑکی کی درد انگیز داستان جس کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر نہ کیا اور فریقین کی طبیعتوں کا اندازہ نہ لگایا۔ بلکہ دولت و ثروت کی قربان گاہ پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو بیدردی سے ذبح کر دیا۔ اس کتاب کا فقرہ فقرہ تیر ہے اور سطر سطر نشتر۔ قیمت صرف ۱۰/

سوکن کا جلاپا ایک بے گناہ لڑکی پر ساس سے سوکن لا بٹھائی اور غم نصیب مصیبت زدہ لڑکی نے ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے ساس کی زیادتیاں شوہر کے مظالم غرض سب اذیتیں ہنس کھیل کر صبر و شکر سے برداشت کیں۔ یہاں تک کہ ان غموں میں گھل گھل کر جان دیدی۔ قیمت ۵/

مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہر عصمت حضرت علامہ مغفور کے بہت مشہور ۱۴ سبق آموز مختصر افسانے (۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ (۲) بھنور کی دلہن (۳) اگلی محبتیں (۴) افسانہ تنویر (۵) بیگنا کا قتل (۶) بھاوج کا کینہ۔ (۷) مامون رشید کا دربار اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری (۹) بلبل کی شہادت (۱۰) ملکہ شہزاد (۱۱) برقع کی مستحق (۱۲) غلط فہمی (۱۳) خاتمہ بالخیر۔ ان ۱۴ افسانوں کا مجموعہ جوہر عصمت ہر شریف مرد اور شریف عورت کی نظر سے گذرنا چاہیئے۔ بہت مشہور و مقبول ہے۔ قیمت ۱۲/

سیلاب اشک باتصویر حضرت مصور غم کے سات درد انگیز افسانے (۱) پرستار محبت (۲) بلوچن کے تین رنگ (۳) طلاقن کا سفید بال (۴) حج اکبر (۵) عدل گلبدن (۶) بے تصور بچی (۷) ثریا کا تخیل۔ ہر افسانے کے ساتھ زر کثیر صرف کر کے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۱۰/

طوفان اشک یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں وہ موثر اور سبق آموز کتاب جس میں ۳ دل ہلا دینے والی کہانیاں اور سب درد و اثر اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی۔ قیمت ۱۰/

قطرات اشک آنسوؤں کے بادشاہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی افسانہ نگاری اور مضمون نگاری کے دور اول کے بہترین نمونے جو مخزن، عصمت، تمدن، کہکشاں وغیرہ میں شائع ہو کر قبولیت عام اور شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں جنھوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی تحریر کے اثر و تاثیر کا قائل کر دیا تھا اور جو ادبی رنگینیوں اور طرز تحریر کی دلاویزی کے باعث بار بار پڑھے جاتے ہیں۔ قیمت صرف ۱۲/

شہید مغرب طرابلس اور مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے۔ اسلام اور نصرانیت کے معرکے مسلمان عورت کی ناموس اسلام پر قربانیاں۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز اور تنزل کے اسباب شدھی اور تبلیغ کا اثر۔ ۹ سبق آموز افسانے۔ قیمت ۱۰/

نسوانی زندگی ان افسانوں میں خصوصیت کے ساتھ بیوی۔ بیٹی۔ بہن کی حیثیت علیحدہ دکھائی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حیثیت میں عورت ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے۔ قیمت ۸/

گوہر مقصود یعنی خیالستان کی پری اور لال کی تلاش" دو بہت مشہور قصے۔ پہلا قصہ ملک خیالستان کی پری کا ہے جو مدت تک ادھر ادھر بھٹکتی اور بار بار کوشش کرنے کے بعد دنیا کا بہترین تحفہ لانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ دوسرا قصہ ایک دکھیاری ماں کا ہے۔ جو گم شدہ بچہ کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھری قیمت ۶/

نانی عشو آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں ناممکن ہے کہ نانی عشو پڑھتے یا سنتے وقت آپ کے پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں۔ تمام ہندوستان میں اس کتاب کا ڈنکا بج چکا ہے۔ مصور غم مرحوم نے نے ظرافت کے مضامین بھی لکھے تو کمال کر دیا۔ چھٹا ایڈیشن قیمت ۱۰/

روداد قفس حضرت علامہ مرحوم کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی نظموں کا مجموعہ۔ یہ معمولی نظمیں نہیں۔ بے کس عورتوں کے جگر خراش نالے اور مسلمان گھرانوں کے حیرت انگیز مرقعے ہیں۔ علامہ مرحوم کو جذبات نگاری میں جو کمال حاصل تھا وہ پورے طور پر ان نظموں میں نمایاں ہیں۔ قیمت ۱۰/

گرفتار قفس حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی درد انگیز نظموں کے مشہور مجموعے روداد قفس کا دوسرا حصہ۔ یہ نظمیں اس قدر درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھ سے بھی آنسو نکل پڑیں۔ قیمت ۴/

گلدستہ عید سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے۔ رمضان شریف میں کیا کرنا چاہئے۔ عید کس طرح منانی چاہئے۔ ان موضوعات پر نتیجہ خیز مضامین اور افسانے۔ کتاب ایک طرف بہترین علمی عیدی ہے تو دوسری طرف ہر وقت پڑھنے: درروزانہ زندگی میں بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کی چیز ہے قیمت صرف ۸/

تاریخ وسیرت۔ ادب و انشاء

آمنہ کا لال اردو زبان کا سب سے بہترین مولود شریف حضرت علامہ مرحوم کی وہ تصنیف جو اپنے رنگ میں جواب نہیں رکھتی۔ اب تعلیم یافتہ گھرانوں میں محفل میلاد میں یہی کتاب پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو خلاف عقل کہا جا سکے۔ نثر کے ساتھ ساتھ نظم بھی علامہ مغفور کی ہے۔ قیمت عہ/

سیدہ کا لال شہادت کی مکمل ومفصل تاریخ حصہ اول مکمل تاریخ شہادت ہے جس سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے۔ یوں تو تمام کتاب اس قدر درد انگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی مگر نثر میں جو مرثیے علامہ مغفور لکھ گئے ہیں ان کی ایک ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے۔ ادب لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کا اسقدر مفصل اور مکمل درد انگیز اور موثر بیان کسی کتاب میں نہیں۔ قیمت ۱۲/

الزہرا اردو زبان میں جگر گوشہ رسولؐ سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہؓ کی بہترین سوانح عمری جو بتاتی ہے کہ میاں بیوی کو کس طرح رہنا چاہئے۔ بچوں کی پرورش کس طرح کرنی چاہئے۔ دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے۔ آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان اور مصور غم کا قلم۔ قیمت ایک روپیہ۔ عہ/

نوبت پنج روزہ شاہجہاں آباد اجڑ چکا مگر اس کے کھنڈر اب تک مٹنے والوں کے کارنامے سنا رہے ہیں اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے مہمانوں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی۔ بادشاہ کا جلوس قلعہ معلی کی بہاریں۔ شاہی جھمگھٹے میلے تماشوں کے رنگ۔ دربار کی کیفیت۔ شہر آبادی کی چہل پہل۔ ہندو مسلمانوں کی معاشرت۔ رمضان۔ عید۔ سالگرہ کے تزک واحتشام۔ شادی بیاہ کی رسوم غرض دور گذشتہ کی بہار اگر دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداع ظفر ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوا دیں گی۔ قیمت عہ/

قلب حزیں چھوٹے چھوٹے نہایت لطیف ادبی مضامین کا دلاویز مجموعہ جذبات نسوانی کی درد انگیز ترجمانی ان مضامین میں علامہ مغفور نے شاعری کی ہے۔ اور نظم نما نثر کا یہ کتاب بہترین نمونہ ہے۔ قیمت صرف ۸/

وداع خاتون وہ درد انگیز مضامین جو مشہور ادیبہ محترمہ خاتون اکرم کی جواں مرگی پر لکھے گئے تھے۔ جو بتائیں گے کہ بہو کسے کہتے ہیں اور لڑکی شادی کے بعد کس طرح سسرال والوں کے دل کو فتح کر سکتی ہے۔ قیمت ۵/

امین کا دم واپسیں شہنشاہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر شہزادہ امین الرشید کا دردناک قتل اسلامی تاریخ کا یوں ہی ایک درد انگیز واقعہ ہے اس پر مصور غم نے قصہ کے دلکش پیرایہ میں عبرت انگیز واقعات اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں۔ قیمت ۴/

لڑکیوں کی انشاء خط وکتابت سکھانے کی اردو زبان میں بہترین کتاب جس میں خطوں کے ذریعہ لڑکیوں کو بتایا گیا ہے کہ میکہ کی زندگی انھیں کس طرح بسر کرنی چاہئے۔ اور سسرال میں جا کر ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ایک عورت کی حیثیت سے انھیں کیا کیا فرائض انجام دینے ہیں اور زندگی کی دشوار گذار منزلوں اور کٹھن راستوں کو وہ کس طرح کامیابی کے ساتھ طے کر سکتی ہیں۔ ضخامت سو صفحوں کے قریب قیمت ۱۲/

اسلامی تاریخ افسانہ کے طرز پر

ماہ عجم مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کا بے نظیر تاریخی ناول فاروق اعظم کے عہد مبارک میں سلطنت

ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے۔ فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش۔ ایرانیوں کا پروانہ وار وطن پر قربان ہونا اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں۔ کفر و ایمان کے معرکے قرون اولے کے مسلمانوں کی ولولہ خیز جانبازیاں اور حسن و عشق کے جذبات لطیفہ کی حقیقت طرازیاں دیکھنی ہوں تو یہ تاریخی ناول پڑھئے۔ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں ۱۲؍

عروس کربلا علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں بہ لحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے۔ کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم دردانگیز نہیں اس پر مولانا کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھادی ہے کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے۔ بہت مشہور کتاب ہے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوچکی ہے قیمت ۱۲؍

یاسمین شام حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کے عہد کی اسلامی جنگ ہلال و صلیب کے معرکے اسلام کی فتح اور تسخیر شام کے حالات۔ اس کے ہمراہ حسن و محبت کی داستان نہایت متانت اور تہذیب سے لکھی گئی ہے۔ قیمت ۱۲؍

محبوبۂ خداوند طرابلس کے مقدس خداوند کا رتھیٹ شمالی افریقہ کی حسینہ سفیریہ کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے فرضی دعوؤں میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے۔ یہ ایک راز ہے جو محبوبۂ خداوند کے مطالعہ سے حل ہوگا حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کے معرکے اور لڑائیوں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

شہنشاہ کا فیصلہ عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ ماں کا بے گناہ بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھیرایا جاتا ہے۔ ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے اور آخر میں کس خوبی سے شہنشاہ کا فیصلہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کردیتا ہے۔ قیمت ۴؍

شاہین و درّاج مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کا وہ معرکۃ الآرا تاریخی ناول جس نے مصنف کی سحر نگاری کا بڑے بڑے ادیبوں کو قائل کردیا تھا۔ علامہ مغفور کا سب سے پہلا تاریخی ناول ہے جس میں محبت کے جذبات لطیفہ کو نہایت لطف اور رنگینی سے بیان کیا گیا ہے بہ لحاظ زور قلم اور جذبات نگاری اردو ناولوں میں یہ قصہ نہایت نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ پانچواں ایڈیشن قیمت ۸؍

منظر طرابلس تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل بہادری ایثار و شجاعت محبت کے آتش کدہ میں بے گناہ لڑکی کی قربانی حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل۔ مذہبی پیشوا کی سیاہ کاریاں۔ قیمت ۵؍

دُرِ شہوار ایران۔ مازندران۔ سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع۔ بہرام کے شجاعانہ کارنامے اور ملکہ کے احسانات۔ شہزادی سبطورہ کی فراست اور بہادری۔ اور وزیر کی مکاری اور فریب۔ قیمت صرف ۸؍

سودائے نقد جس سے معلوم ہوگا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے یہ افسانہ بتلائے گا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا کیسا زبردست گناہ ہے دو سگی بہنوں کی کوششیں اور حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل ۵؍

تیغ کمال اگر آپ کو غازی اعظم مصطفیٰ کمال کے مفصل حالات یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے منظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھئے جس میں یورپ کی سازشوں کے راز افشا کئے گئے ہیں شکست یونان کے دردانگیز مناظر جاں باز ترکوں کی شجاعت اور کمال پاشا کا کمال قیمت ۱۲؍

مضامین اور افسانوں کے جدید مجموعے

قرآنی قصّے ان نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے حضرت علامہ راشد الخیری ؒ نے ننھے مسلمان بچیوں کے لئے ان کی سمجھ کے مطابق انھیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے۔ قیمت صرف ۱۲؍

عروس مشرق وہ مضامین جو یورپ کی اندھادھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے مرحوم مصور غم نے تحریر فرمائے تھے ان میں ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز رخصت رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے موثر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰؍

گرداب حیات حضرت مصور غم نے عورتوں کی اصلاح حالت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور موثر افسانے عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان کا مجموعہ ان افسانوں نے بیسیوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا۔ اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ ۱۲؍

بزم رفتگاں اردو ادب کے غیر فانی نثر کے مرثئے جو ملک کی مایۂ ناز خواتین اور باکمال شعراء، ادبا کی یاد میں لکھے گئے تھے اور جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ قیمت ۱۲؍

گدڑی میں لعل لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ ہنرمند اور کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے خانہ داری کے متعلق نہایت ہی مفید مشورے دل نشین پیرایہ میں۔ یہی ہیں وہ مضامین جنھوں نے ہزاروں عورتوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیا اور وہ کامیاب گھروالی بن کر خوش گوار زندگی گزارنے لگیں ۱۲؍

سیاحت ہند جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ دردمند خواتین و حضرات کا تذکرہ۔ جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت۔ تمدن سے واقفیت ہوتی ہے۔ اور علامہ مرحوم کی طبیعت و عادات و خصائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ قیمت ۱۲؍

دادا لال بُھجکّڑ پانچ نہایت ہی پر لطف مزاحیہ قصے جنھیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجائیں۔ ولائتی ننھی اور نانی عشو کے سلسلہ کی تفریحی لیکن نتیجہ خیز کتاب جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ مغفور علیہ الرحمتہ ظرافت نگاری میں بھی کس درجہ کمال رکھتے تھے۔ قیمت ۸ ؍

بے فکری کا آخری دن اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کے لئے جن کا مقصد یہ ہے کہ اُن میں اچھے عادات وخصائل پیدا ہوں۔ وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگیں۔ قیمت چار آنہ ۴ ؍

نالۂ زار خواتین ہند کے محسن اعظم کے درد انگیز مضامین جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔ عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور ان کے مصائب وآلام کی درد انگیز داستانیں ہیں جنھیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نم ناک ہو جاتی ہیں۔ قیمت ۱۲ ؍

احکامِ نسواں قرآن مجید کے وہ احکام جو عورتوں سے متعلق ہیں مع ترجمہ وتفسیر جس نے مسلمان عورتوں کی ایک اشد ضرورت کو پورا کر دیا۔ کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہئے۔ اس کی پوری قدر وقیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ قیمت ۱۲ ؍

دعائیں حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف مغفور علیہ الرحمتہ نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نثر ونظم کی یہ دعائیں لکھی تھیں۔ جو اس قدر سوز وگداز اور درد واثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے ۸ ؍

دلّی کی آخری بہار ساٹھ برس پہلے دلّی کیا تھی۔ مرد۔ عورتیں بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے میلے ٹھیلے کس طرح مناتے اور سیر وتفریح کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کتاب میں قدیم معاشرت محبت۔ تعلقات اور وضعداری کی درد انگیز کہانیاں اور بربادیِ دلّی کے جگر خراش افسانے ہیں قلعۂ معلیٰ کی کوثر سے دھلی ہوئی زبان میں مصنف نے فسانۂ شب سُنا کر دردمند دلوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔ عہ ؍

محسنِ حقیقی مسلمانوں کے آقا ومولا سردارِ دوجہان سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات مصنف آمنہ کے لال کے قلم سے اور اس قدر موثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت چھ آنہ۔ ۶ ؍

داستانِ پارینہ تاریخی مضامین کا مجموعہ جن میں متعصب غیر مسلم مورخوں کے ان حملوں کا دندان شکن جواب بھی دیا گیا ہے جو مسلمان بیگمات اور حکمرانوں پر کئے جاتے ہیں افسانوں سے زیادہ دلآویزی ہے۔ قیمت باتصویر ۱۲ ؍

بلبلِ بیمار لڑکیوں کی تعلیم او زینت اور پردہ کے مختلف پہلوؤں پر طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تمائی

ھندی تک غور وفکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا بے انتہا قیمتی مجموعہ۔ قیمت ۱۰ ؍

مسلی ہوئی پتیاں دلّی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط حیات انسانی کے وہ راز جن کو پڑھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجیے۔ ۶ ؍

چمنستانِ مغرب خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشرت ۔ ادب غرض ہر موضوع پر جو خواتین کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن میں حضرت علامہ مغفور کا خاص رنگ بھی جھلک رہا ہے قیمت عہ ؍

حور اور انسان اب سے قریباً تیس سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند نہایت موثر درد انگیز افسانے تحریر فرمائے تھے جنھوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ ان کا مجموعہ ۱۲ ؍

بساطِ حیات چار مختصر افسانوں کا مجموعہ حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ چاروں افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں۔ قیمت ۶ ؍

نشیب وفراز آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا مشاہدہ بیان کیا ہے ہر افسانہ نہ صرف حد درجہ دلچسپ ہے بلکہ نسوانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ قیمت ۴ ؍

مسلمان عورت کے حقوق جو مرد خانگی زندگی خوشگوار بنانے کے آرزومند ہیں، جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں جس دل میں مسلمانوں کی ترقی اور بہتری کا درد ہے ممکن نہیں وہ ان مضامین کو پڑھے اور تڑپ نہ اٹھے۔ قیمت بارہ آنہ۔ ۱۲ ؍

ساجن موہنی بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتیں کیونکہ انھیں تسخیر شوہر کے گر ہی نہیں معلوم۔ اس مجموعہ کا مطالعہ نہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کے لئے بے انتہا مفید ہے بلکہ ان لڑکیوں کے لئے بھی جن کی عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ قیمت ۴ ؍

زیورِ اسلام لڑکیوں اور عورتوں کے لئے نہایت موثر مذہبی مضامین جن کے مطالعہ سے انھیں معلوم ہوگا کہ انکی ہستی کیا معنی رکھتی ہے اور آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پر لطف اور با اطمینان زندگی کس طرح بسر کی جاتی ہے عہ ؍

شادی کا انتخاب اس وقت اولاد کی شادی کا انتخاب مسلمانوں کے لئے نہایت نازک مسئلہ ہے۔ اس کتاب میں اولاد کی شادی کے بارے میں بیش بہا مشورے دئے گئے ہیں۔ قیمت ۸ ؍

عالم نسواں ان ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرایہ میں تبصرہ۔ تحریک نسواں۔ بیداری نسواں۔ آزادی نسواں۔ حریت نسواں پر گراں بہا خیالات۔ قیمت ۸ر

فریب ہستی وہ بیش بہا مضامین جو اصلاح معاشرت اور اصلاح اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں۔ اور ان کی حالت درست ہونے کی کیا تدابیر ہیں۔ ۶ر

بکھری ہوئی پتیاں مختلف موضوعات کے متفرق مضامین۔ انشائے لطیف اور کئی درد انگیز نظمیں بھی ہیں۔ گویا اس مجموعہ میں حضرت علامہ مغفور کی کئی حیثیتیں نظر آتی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ چھ آنے۔ ۱ عہ

خدائی راج اور دوسرے افسانے اُردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بے مثل مجموعہ جس میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ اور جذبات انسانی کی بے مثل ترجمانی کی گئی ہے۔ پلاٹ۔ مکالمہ۔ کردار نگاری۔ مناظر نویسی۔ جذبات نگاری ہر اعتبار سے یہ افسانہ مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔ قیمت ایک روپیہ۔ عہ

یادگار تمدن تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری مردانہ رسالہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا مجموعہ۔ طرز بیان اسقدر دلآویز ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ قیمت ۶ر

تصانیف محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

گلستان خاتون محترمہ خاتون اکرم ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ گلستان خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے اور اس میں وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات اور رسائل اور نامور اہل قلم مردوں اور عورتوں نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں۔ دیباچہ مولانا راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے۔ تمام کتاب آرٹ کاغذ پر چھپی ہے۔ بار سوم قیمت ۱ عہ

پیکر وفا دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور شریف بیوی اپنے شوہر کے لئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ قیمت ۸ر

بچھڑی بیٹی ایک دلچسپ اور سبق آموز افسانہ۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے۔ اس کی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے۔ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے۔ قیمت ۶ر تیسری بار چھپی ہے

جمال ہمنشیں جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ۔ رسالہ حرم کی رائے۔ یہ مضامین بہ لحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں۔ اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے۔ قیمت عہ نمبر ایڈیشن قریب ختم ہے۔

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحب ایم آر اے ایس لندن

مشیر نسواں بازہرہ ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی بیش بہا اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔ طرز بیان نہایت آسان۔ اکابرین قوم نے جسے پڑھ کر شاندار ریویو کئے تھے۔ قیمت ۴ر

سرگذشت ہاجرہ دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی اور اسلامی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے، عورت انھیں کس طرح دور کر سکتی ہے قیمت ۱۰ر

موہنی ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ۔ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی تھی یہانتک کہ ایران پہونچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے ایران کی معاشرت اور جہانداری زچہ خانہ شادی بیاہ رسم و رواج پر دلچسپ معلومات بھی ہیں۔ قیمت ۱۰ر

تحریر النساء لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز خط و کتابت کی مفید کتاب۔ اخلاقی۔ معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب دلچسپ مجموعہ۔ یہ کتاب انشا کی انشا ہے اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی۔ قیمت ۱۲ر

اخلاقی و اصلاحی ناول و افسانے

شہید وفا سلمہ کی محبت کی سچی داستان دنیا فراموش نہیں کر سکتی اس نے سعید کی محبت میں فنا ہو کر وہ مصیبتیں اٹھائیں جس کی تاب شاید ہی کوئی انسان لا سکے مشہور افسانہ نگار محترمہ امۃ الوحی صاحبہ کے اس کامیاب افسانے کے ساتھ ۹ نہایت سبق آموز افسانے اور بھی ہیں۔ قیمت عہ

انوری بیگم اردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم مسز نواب خدیو جنگ بہادر کا نہایت دلآویز ناول ہے جس میں حیدرآباد کے ایک شریف معزز و اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بلند معاشرت دکھائی گئی ہے۔ پلاٹ میں نہایت دلکشی اور طرز بیان میں بے تکلفی اور سادگی ہے۔ قیمت ۱ عہ

دولت پر قربانیاں

تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی کا اس وجہ سے کہ غیر کفو میں شادی کرلے سے ترک پدری دینا ہوگا برادری کے نااہل لڑکے سے شادی کرنے کے دردناک نتائج اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرتناک انجام۔ ۸؍

چار رُخ

عصمت کی مشہور انشاپرداز محترمہ انیس فاطمہ کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ جس میں چار عورتوں کی عبرت انگیز اور سبق آموز آپ بیتی ہے۔ مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید۔ عیسائی مشنریوں کی صحبت۔ رواج کی پابندی کے دردناک نتائج۔ قیمت ۴؍

جاں باز

جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ زبیدہ اپنے منگیتر کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے۔ مسٹر قمر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے ہاتھوں کس طرح اپنی پرمسرت زندگی کو تباہ کرتے ہیں۔ خاندان حسن کا ایک سچا دوست تمام مشکلات کو حل کرتا اور اپنے دوستوں کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں کردیتا ہے۔ یہ ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش کریں گے۔ از محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ قیمت ۱۲؍

فیروزہ

ایک دولت مند مگر یتیم و لیسیر لڑکی کا افسانۂ غم۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کردیتی ہے۔ لالچ۔ بے ایمانی۔ ہنگامی جذبات کے قابل نفرت مرقعے احسان فراموشی محسن کشی کے کمینہ حملے اور استقامت استقلال اور دوراندیشی کی فتح۔ از جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ۔ قیمت ۸؍

نغمات موت

محترمہ حجاب امتیاز علی کے دلاویز مضامین کا مجموعہ جو انھوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے تھے یہ مضامین مصنفہ کے دلی جذبات کا آئینہ اور نظم نما نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔ مصنفہ کے انداز بیان کی دل کشی اور ان کے شاعرانہ خیالات کی نزاکت و رفعت پورے طور پر نغمات موت میں نمایاں ہیں۔ قیمت ۶؍

ادب زریں

محترمہ حجاب امتیاز علی کا طرز تحریر ملک کی دوسری مشہور انشاپرداز خواتین سے بالکل جدا نہایت دلچسپ ہے۔ وہ نثر میں خوب شاعری کرتی ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین بلند تخیل عبارت کی رنگینی اور جذبات کی ترجمانی کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں اس مجموعہ میں پچاس مضامین ہیں جن میں سے اکثر مختلف رسائل میں شائع ہوکر خراج تحسین وصول کرچکے ہیں۔ قیمت ۸؍

غیرت کی پتلی

محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل کا لکھا ہوا ایک سبق آموز اور دلچسپ قصہ جس میں تین مختلف الخیال عورتوں کے حالات ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے عورت کس طرح بگڑا ہوا گھر بنا سکتی ہے۔ قیمت ۶؍

دودھ کی قیمت

اور ۷ اور مختصر افسانے اور ایک ڈراما جو منشی پریم چند نے خاص طور پر عورتوں کے لئے لکھے تھے۔ یہ مجموعہ منشی جی کے بہترین افسانوں کا ہے۔ قیمت ۱۰؍

روحانی شادی

یہ اصلاحی ڈرامہ منشی پریم چند نے عصمت کے لئے لکھا تھا۔ پلاٹ۔ مکالمہ۔ کیرکٹر ہر اعتبار سے کامیاب نتیجہ خیز سبق آموز ہے۔ دلچسپ اور دلاویز ہے۔ عبرتناک بھی اور کافی تفریحی مزاحیہ بھی۔ اصلاح معاشرت پر نہایت موثر اور بلند پایہ ڈرامہ ہے۔ قیمت ۶؍

دامن باغباں

مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر سعید احمد بریلوی کے افسانے۔ جذبات نگاری میں ڈاکٹر صاحب کو کمال حاصل ہے اور زبان روزمرہ عام فہم لکھتے ہیں "دامن باغباں" ڈاکٹر صاحب کے ۷ سبق آموز افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جو اردو کے بہترین افسانوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قیمت صرف ۱۰؍

افسانۂ حرم

لڑکیوں کے لئے ایک فاضل جرنلسٹ نے دس کہانیاں لکھی ہیں اور ہر کہانی سے کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہے۔ لڑکیاں کتاب کو نہایت دلچسپی سے پڑھیں گی۔ طرز بیان میں دلآویزی ہے۔ عبارت بہت ہی آسان عام ہندوستانی گھرانوں کی کیفیت نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ قیمت ۸؍

آئینۂ جمال

یعنی دور حاضرہ کی نامور شاعرہ محترمہ ملقبیس جمال صاحبہ کی نظمیں اسلام کے دور اولیں کی سبق آموز منظوم کہانیاں درد قومی کی تڑپ مناظر قدرت کی مصوری۔ جذبات نسوانی کی صحیح ترجمانی موسیقی کی لطافت، وہ کیا خوبی ہے جو آئینۂ جمال میں نہیں، خوف خدا پاس مذہب حب الوطنی ایثار رحمت، بہادری کے جذبات اس کے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

شمع خاموش

اردو کی مشہور شاعرہ مسیح بیگم لکھنوی کی دردانگیز اور موثر نظموں کا مجموعہ مع دیباچہ مولانا راشد الخیری یہ نظمیں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کے صحیح ترین فوٹو ہیں اردو رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں ہر ہر شعر درد سے لبریز ہے پڑھ کر آنسو نکل آتے ہیں کسی خاتون کے کلام کا ایسا دردانگیز مجموعہ اب تک نہیں چھپا۔ زبان آسان اور عام فہم۔ قیمت ۶؍

کچھ اور مفید زنانہ کتابیں

تاریخی لطیفے

دنیا بھر کے نامور مصنفوں شاعروں بادشاہوں شہزادیوں وغیرہ کے لطیفے جو نہ دائرہ تہذیب سے باہر ہیں نہ فرضی منگھڑت۔ ان سے ہنسی بھی آئے گی معلومات بھی بڑھیں گی۔ قیمت آٹھ آنہ۔ ۸؍

ہنسی کی باتیں

یہ کتاب ہندوستان کے معزز گھرانوں کی محترم خواتین کے نئے نئے طبع زاد مہذب لطیفے ہیں جنھیں پڑھ کر سنجیدہ انسان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ لطف یہ ہے کہ ذرا تہذیب سے گرا ہوا کوئی لطیفہ نہیں۔ مہذب ظرافت کی بہترین کتاب ہے۔ قیمت ۸؍

عقل کی باتیں

دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں پیغمبروں بادشاہوں مصنفوں شاعروں ادیبوں

اور فلاسفروں کے وہ سات سو اقوال جو برسوں کے تجربوں پر مبنی ہیں۔ جن میں ہنسی خوشی کامیابی سے زندگی گذارنے کا راز اور جن میں جذبات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کا حل ہے جو دل بہلانے غم غلط کرنے کا ذریعہ ہیں۔ قیمت ۸/

تندرستی ہزار نعمت عصمت کی مایہ ناز مضمون نگار محترمہ زہرہ بیگم صاحبہ فیضی بمبئی کے نہایت مفید مضامین جن میں صحت قائم رکھنے کے چند اصول بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سیاحت امریکہ اور یورپ کے تجربات بھی تحریر فرمائے ہیں قیمت صرف ۴/

بچوں کی تربیت بچوں کی پرورش اور تربیت پر بہترین کتاب۔ پہلے شریف گھرانوں میں بچوں کی پرورش میں جن جن باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ آج جن بیماریوں پر اشرفیاں خرچ کی جاتی ہیں اس وقت پیسوں میں کام ہو جاتا تھا وہ سب اس میں جمع کی گئی ہیں۔ قیمت ۱۰/

پردہ و تعلیم اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ تعلیم نسواں کی طرف سے غفلت کرنے سے مسلمانوں کو کیسا کیسا شدید نقصان پہنچ چکا ہے اور اب ان کی ترقی و بہتری کی کیا صورت ہے۔ اس کتاب میں پردہ پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن و حدیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا مروجہ پردہ درست نہیں ہے۔ قیمت بارہ آنہ - ۱۲/

خواتین اندلس اندلس یعنی اسپین میں مسلمانوں نے ۸۰۰ سال تک حکومت کی ہے مسلمانوں کے زمانہ میں سرزمین اندلس (اسپین) نے ایسی ایسی باکمال خواتین پیدا کی تھیں جنھوں نے علوم و فنون کے دریا بہا دئے تھے۔ یہ ان کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں طبقہ نسواں کیسی کیسی اعلیٰ پایہ کی شاعر ادیب مصور۔ بذلہ سنج۔ لطیفہ گو۔ حاضر جواب موجود تھیں۔ قیمت - ۶/

زنانہ بستہ دس چھوٹی کتابوں کا مجموعہ (۱) بسم اللہ کی کتاب (۲) کہانیوں کی کتاب (۳) کھیل کی کتاب (۴) لکھنے کی کتاب (۵) نماز کی کتاب (۶) کھانے پکانے کی کتاب (۷) تندرستی کی کتاب (۸) تہذیب ادب اخلاق کی کتاب۔ (۹) پردہ کی کتاب (۱۰) خانہ داری کی کتاب یا دولہن کا اصلی جہیز۔ جو کتاب جس مضمون پر ہے مکمل ہے بچیوں اور لڑکیوں کے لئے زنانہ بستہ نہایت ہی مفید اور بڑے کام کی کتاب ہے۔ قیمت صرف عہ/

بچوں کے لئے بچوں ہی کی زبان میں ۵ کتابیں

مختصر دنیا انگریز سیاح گلیور صاحب بالشتیوں کی دنیا میں چلے گئے تھے جنھیں بالشتئے دیو کہتے تھے سیاح کبھی درجنوں بالشتیوں کو ہتھیلی پر اٹھا لیتا تھا اور سینکڑوں بالشتیوں کا جو کھانا اہتمام سے تیار ہوتا تھا ایک لقمہ میں ختم کر دیتا تھا بڑی مزیدار کہانی ہے۔ ۵/

بچوں کی دنیا روس کے مشہور مصنف ٹالسٹائی کی ان کہانیوں میں سے جو بچوں کے لئے مصنف نے لکھی تھیں پانچ بہترین کہانیوں کا ترجمہ بچوں ہی کی زبان میں کیا گیا ہے۔ جن سے علاوہ دلچسپ ہونے کے بچوں کے اخلاق درست ہوتے ہیں ان میں نیکی۔ بہادری۔ حب الوطنی۔ ہمدردی۔ ایثار کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ۷/

مزیدار کہانیاں چھوٹے بچوں کے مطلب کی انھیں کی زبان میں لکھی ہوئی کہانیاں اسقدر دلچسپ کہ بغیر ختم کئے بچے چھوڑ نہ سکیں۔ باتصویر۔ قیمت عہ/

جاپانی کہانیاں مسز فضلی صاحبہ نے اپنے شوہر کے ساتھ جاپان میں کئی سال رہ کر بچوں کے مطلب کی نہایت عمدہ سبق آموز کہانیاں جمع کی ہیں اور بڑی قابلیت سے اردو میں لکھی ہیں۔ جاپانی بچوں کی یہ بہت مشہور پسندیدہ کہانیاں ہیں۔ تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ قیمت عہ/

شہزادی نیلوفر اور دوسری نہایت مزیدار دلچسپ کہانیاں چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے از محترمہ سرور جہاں صاحبہ رعنا۔ قیمت ۱۲/

آئینہ موٹر موٹر کے متعلق اردو میں کئی کتابیں شائع ہو چکیں۔ مگر وہ سب مل کر آئینہ موٹر کا پاسنگ بھی نہیں ہیں۔ اس کتاب میں موٹر انجن کے ہر حصہ کے اصول سلیس اور عام فہم عبارت میں سمجھائے گئے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے ہر پرزے کے متعلق کافی واقفیت ہو جاتی ہے۔ ڈرائیور اور ورکشاپ کی پریشانیوں کی نوبت نہیں آتی اور بہت سا روپیہ اور وقت ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے

آفتاب زندگی مولانا سیماب اکبرآبادی نے اس دلچسپ قصہ میں ایک لڑکی کے کنوارپنے کے حالات دلنشین پیرایہ میں لکھے ہیں اور فضول اور نقصان دہ رسموں پر مدلل بحث کی ہے۔ واقعات دلاویز اور طرز بیان دلکش ہے۔ قیمت ۶/

شباب زندگی آفتاب زندگی کا دوسرا حصہ ہے۔ جس میں شمس النساء کی شادی اور بعد کے حالات ہیں۔ اس ضمن میں جو مصائب اور جو تکلیفیں اور جو آرام اور جو راحتیں اس نے اٹھائیں اور جو تجربے اس نے حاصل کئے وہ سننے اور پڑھنے اور گرہ میں باندھ لینے کے قابل ہیں۔ قیمت ۶/

پھول پھلواری پھولوں کی کاشت کیاری اور باغیچہ کی نگہداشت اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور ہر قسم کے پھولوں کے متعلق نہایت مفید اور کارآمد معلومات اور عورتوں کے لئے قابل قدر تحفہ۔ قیمت ۸/

دیہاتی گیت نامور ادیب ڈاکٹر اعظم صاحب کریوی نے دیہاتیوں کے گیت بڑی محنت سے جمع کئے ہیں اور انکے معنی اور مطلب بھی عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ۸/

فراعنۂ مصر کی یادگار
معبد کی دیواروں پر قدیم زبان میں کندہ چند خطبات
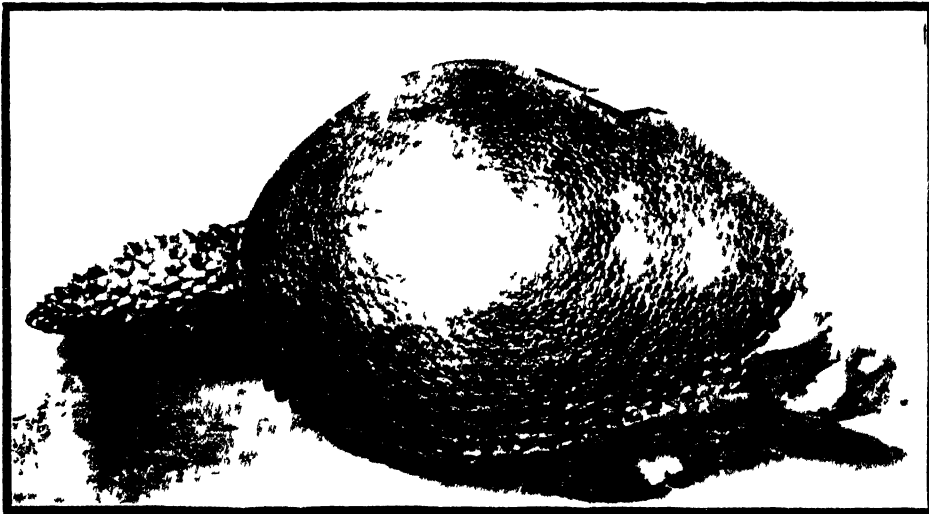
زنجبار کا ایک عجیب الخلقت کچھوا

کشمیر کی نوجوان لڑکیاں دھان کوٹ رہی ہیں

دنیا کی سب سے چھوٹی مچھلی نما آبدوز کشتی جو سمندر میں اکیلی چل سکتی ہے

ملکہ میری آف اسکاٹ کی کرسی

رسالہ عصمت دہلی

تینتیسواں ۳۳ سال | بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ عیسوی | جلد ۶۵ نمبر ۶

فہرست مضامین

تصاویر ۵

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ ممالک غیر سے دس شلنگ۔ قسم خاص آرٹ کاغذ کا ایڈیشن دس روپے رؤسا سے پچیس ۲۵ روپے۔ والیان ریاست سے سو روپے ممالک غیر سے ایک پونڈ فی پرچہ ایک روپیہ (عہ) رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک سٹال پر بھی ۵ ر میں ملتا ہے۔

باہتمام ابوامین مولوی محمد امان الرحمٰن پرنٹر پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

عِصمتی بہنیں

اگر ان قواعد کی پابندی کریں

تو اُن کو کبھی ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے

(۱) عصمت ہمیشہ پابندی وقت سے ۲۰ تاریخ کو شائع ہو کر دوسری تیسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پہنچ جاتا ہے اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی لیکن اگر ڈاکخانہ کی غلطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۱۰ تاریخ تک کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالے سے دوبارہ پرچہ منگالیں - اس کے بعد قیمتاً ملے گا (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو جدید خریداری نمبر کے حوالے سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیدی جائے کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے - کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا - حالانکہ تمام خریداروں کو ۲۰ تاریخ کو رسالہ بھیجدیا جاتا ہے - ہر بہن کا فرض ہے کہ جب پتہ تبدیل کو فوراً دفتر کو اطلاع دیدیں (۳) جب ہمیں خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھیں ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ ہو یا آپنے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیجکر دفتر سے معلوم کیجئے کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا تین پیسے کا ٹکٹ بھیجئے (۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمایئے (۶) خریداروں کو چندہ کی میعاد یا اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدی جاتی ہے اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں اور اگر بدستور جاری رکھنا ہے تو چار روپیہ للعہ منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیجدیں - انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے - وی پی واپس کر کے شدید نقصان پہنچانا تعلیم یافتہ بیبیوں کے لئے زیبا نہیں - اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی ضرور وصول کر لینا چاہیئے -

براہ کرم ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھئے

منیجر

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے - تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے (۱) مضامین کاغذ کے ایک رُخ پر روشن سیاہی سے نظر ثانی مناسب ترمیم و اصلاح و اضافہ کے لئے ایک سطر چھوڑ کر خوشخط لکھنے چاہئیں (۲) ایڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضمون کے لئے تین تین چار چار ماہ کے بعد بھی ممکن ہے کہ جگہ نہ نکل سکے لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہو سکتے ہیں - اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں اور کم از کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے صرف وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو عصمت کے لئے لکھے جائیں - وہ مضمون ہرگز نہ بھیجئے جو کسی اور پرچے کو بھیجا جا چکا ہو - (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات جن پر بارہا عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جا سکتے ہیں خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا کسی شخص کی دل آزاری ہو سکتی ہے ردی کر دئے جاتے ہیں - عصمت مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑہ نہیں ہے - عصمت کے لئے ایسے مضامین بھیجنے چاہئیں جو ہندو مسلمان عیسائی سکھ غرض سب کے لئے مفید ہوں - (۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیئے رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے - فارسی عربی انگریزی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں اُن کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) عصمت سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں تین چار سو روپے کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے - کم استطاعت مضمون نگار عورتوں کو معاوضہ بھی دیتا ہے - غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں -

ایڈیٹر

زنانہ لٹریچر میں گیت

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

رفتارِ زمانہ کے ساتھ ہی ساتھ جہاں ہمارے تمدن اور معاشرت خیالات اور حالات میں انقلاب ہوتا رہتا ہے وہاں ہمارے لٹریچر میں بھی حیرت انگیز فرق ہو جاتا ہے۔ اور اس موقعہ پر ہمارا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہر لٹریچر اپنے وقت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس سے اس دور کے مفصل معاملات کا پتہ چل سکتا ہے۔ بہت دُور جانے کی ضرورت نہیں گذشتہ ڈیڑھ دو صدی میں دیکھ لیجئے کہ لٹریچر کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ میری بحث تنزل یا ترقی سے متعلق نہیں اور اس لئے مجھے یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ یہ تغیر بہتر ہے یا بدتر۔ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ جب انسان کے مزاج عادات وخصائل میں تغیر ہوتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ لٹریچر میں تغیر نہ ہو۔ جب دلی برباد ہو رہی تھی اور شعراء کا گروہ لکھنؤ پہنچ رہا تھا اس وقت شعر نے ایک نیا رنگ اختیار کیا۔ سُنا ہے جانؔ صاحب جن کا دیوان اب ملتا بھی نہیں مشاعرہ میں دوپٹہ اوڑھ کر شعر پڑھتے تھے، اور دادِ سخن ملتی تھی۔ واجد علی شاہ کا دور اس مذاق کو ترقی دے رہا تھا، اور اس وقت کا تمام لٹریچر اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ نواب مرزا شوقؔ کی مثنویاں جو اس وقت ناپاک خیالات کا گہوارہ سمجھی جاتی ہیں اُس وقت سر آنکھوں پر رکھی جاتی تھیں۔ قلقؔ کی مثنوی بھی انہیں خیالات کا آئینہ ہے۔ غدر ۵۷ء کے بعد جب معاشرت وتمدن بدلے تو لٹریچر بھی بدلا۔ قلقؔ اور شوقؔ کی مثنویاں بھی پھیکی پڑیں۔ جانؔ صاحب اور جعفر زٹلی کے دور سے ختم ہوئے اور اُن کی جگہ آبِ حیات مراۃ العروس مناجات بیوہ اور فسانہ آزاد نے لی۔ آج یہ مال بھی بازار میں کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور اس وقت لٹریچر بھی پلٹا کھا رہا ہے۔

جو گیت شادی بیاہوں کے موقعہ پر ہمارے ہاں ڈومنیاں اور میراثنیں گاتی ہیں وہ اس وقت کے نہیں پُرانے ہیں اور اُسی وقت کے تمدن اور معاشرت کا پتہ دیتے ہیں۔ وہ اس وقت بعض جگہ تضیع اوقات سمجھے جاتے ہیں۔ مگر جس طرح لکچر اور وعظ کبھی کبھی اپنا پورا اثر کر کے سننے والوں کے دل تڑپا دیتے ہیں۔ اسی طرح گیت بھی بعض اوقات ایسا ہی کام کرتے ہیں اور جب یہ خیال پیدا ہوتا ہے تو دو باتیں سامنے آتی ہیں۔

اوّل تو یہ کہ بیٹا بیٹی کی شادی کے موقعوں پر ان لوگوں کے دل میں کیسے کیسے ارمان ہوتے تھے اور وہ اس وقت کیسی کچھ خوشیاں مناتے تھے دوسرے یہ کہ بیٹی کی وداع کے وقت وہ کیسے درد انگیز طریقوں سے اسکے حقوق کی نگہداشت کرتے تھے مثلاً منڈھا جو بیٹی کی وداع پر گایا جاتا ہے اس قدر موثر اور درد انگیز ہے کہ حاضرین وسامعین کیا خود دولہا کے بھی جو اس وقت بانغ باغ ہوتا ہے۔ بعض جگہ آنسو نکل پڑتے ہیں یہ منڈھا

راجکاری جودھابائی کی وداع کے وقت گایا گیا تھا۔ اور اس وقت کی معاشرت کی تصویر ہے مگر جب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رانی جودھابائی راجہ کی لڑکی بیاہی جاتی ہے۔ شہزادے سے نہ اِدھر روپیہ کی کمی ہے نہ اُدھر ضرورت اور ہزاروں لاکھوں روپے طرفین کا اُٹھ رہا ہے۔ پھر بھی کہنے والا یوں کہتا ہے۔

سونا بھی دینا بابل روپا بھی دینا

دینا رتن جڑاو رے

ایک نا دینی بابل سر کی رے کاگھنی

ساس نند بولیں بول رے

یعنی اے باپ سونا روپہ جواہر سب ہی کچھ جہیز میں دیا۔ مگر سر گوندھنے کے واسطے کنگھی نہ دی ساس نندیں طعنے دیتی ہیں۔

عصمت کی وہ بحث میرے علم میں ہے جس میں ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ لڑکیوں کو مطلق جہیز نہ دینا چاہیئے یہ رائے اس لئے قابل عمل نہیں کہ خود رسول اللہ نے سیدہ بی بی کو جہیز دیا ہے۔ ہاں حیثیت سے زیادہ دینا یقیناً غلطی ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ مقصد یہ ہے کہ اسی طرح لڑکیوں کے حقوق کا لحاظ لٹریچر میں رکھا جاتا تھا اور کنبے کے تمام عزیز نہ صرف اُس کی مفارقت پر روتے تھے بلکہ اس کے ساتھ دلی ہمدردی ہوتی تھی۔ اس کے دُکھ درد میں شریک ہوتے تھے اور اپنی بیٹی سمجھتے تھے۔ مثلاً اس کیفیت کو لو۔

میری بچی ہے نادان سیانی ہونے دو

اَبا نے ڈولا کس دیا لاڈو، لاڈو اماں بیوی نہ جانے دیں

سیانی ہونے دو میری لاڈو ہے الخ

خالو نے ڈولا کس دیا لاڈو، لاڈو خالا بیوی نہ جانے دیں

سیانی ہونے دو

اب اسی طرح چچی پھوپی مامی سب عزیزوں کا نام ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر رشتہ دار دُلہن کو اپنی بیٹی کے برابر خیال کرتا تھا اور اس طرح بیٹی کی وقعت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی اور سارا کنبہ اس کا ہمدرد ہوتا تھا۔

اس وقت ہمارے لٹریچر میں جو تغیر ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ ایک گروہ کی کوشش یہ ہے کہ انگریزی خیالات سے ادب اُردو کو مالا مال کرے۔ دوسری طرف بہت سے قابل قدر حضرات نظم و نثر میں سعی فرما رہے ہیں۔ چند اللہ کے بندے معصوم لڑکیوں کے واسطے بھی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن میری بصد ادب حامیانِ حقوقِ نسواں سے یہ التجا ہے کہ وہ اس طرف بھی توجہ فرمائیں۔ اور اب کہ پہلے گیت متروک ہو رہے ہیں لٹریچر میں غریب لڑکیوں کے واسطے بھی کچھ گیت وغیرہ تیار فرمائیں ✦

سنہ ۲۴ء

بیمار شوہر کے سرہانے

حضرت جام نوائی بدایونی اور محترمہ اُم زہرا ہاشمی دونوں میاں بیوی حلقۂ عصمت کے ممتاز شعرائیں سے ہیں۔ جام نوائی صاحب آج کل سخت بیمار ہیں۔ بلکہ ان کی علالت خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ اشعار ذیل مشرقی بیوی کے دلی جذبات کا آئینہ ہیں۔ عصمتی بہنیں اس نظم کو پڑھ کر آمین ہی نہ کہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں ملتجی ہوں کہ وہ اس دردبھری دُعا کو قبول فرمالے اور جام نوائی صاحب کو جلد صحت عطا فرمائے۔ (ایڈیٹر)

الہ العالمیں اپنے حبیب پاک کا صدقہ
انیسِ بیکساں، شاہنشہِ لولاک کا صدقہ

تصدق عترتِ اطہار و آلِ مصطفائی کا
الٰہی واسطہ شمعِ حریمِ مرتضائی کا

الٰہی نورِ چشمانِ شہِ کونین کا صدقہ
شہیدانِ رہ عبر و رضا، حسنین کا صدقہ

الہ العالمیں سرکار کے اصحاب کا صدقہ
ان اپنے عاشقوں کے دیدۂ بیخواب کا صدقہ

الٰہی واسطہ بُرجِ امامت کے ستاروں کا
الٰہی واسطہ ختمِ رُسل کے جاں نثاروں کا

الٰہی ہر نحیف و دردمند و زار کا صدقہ
الٰہی ہر ملول و عاجز و بیمار کا صدقہ

کھڑی ہوں جس کے بالیں پر اب اس کو تندرستی دے
بدن کو پھر وہی صحت عطا کر، تن میں چستی دے

اب اپنے حکم سے یارب مرض کو دُور فرما دے
مٹا دے یہ تفکّر، یہ خلش، مسرور فرما دے

عطا فرما شفا اس خستہ و بیمار کو مولا
سلامت رکھ مری دنیا کے کھیون ہار کو مولا

بس اب ہے انحصارِ زیست تیری مہربانی پر
الٰہی رحم میری بے کسی، اس کی جوانی پر

یہ دم، باقی طفیلِ صاحبِ معراج رکھ یارب
مرے اُٹھے ہوئے دستِ دُعا کی لاج رکھ یارب

مرے معصوم بچّوں پر ترحّم کی نظر فرما
دُعا میں دے اثر یارب، دوا کو کارگر فرما

مجھے محفوظ رکھ طوفانِ غم کی بے پناہی سے
بچالے میری اُمیدوں کی دنیا کو تباہی سے

قبولیت سے میری التجا کو سرخرو فرما
الہ العالمیں ان آنسوؤں کی آبرو فرما

کرم کو اپنے میرا مونس و غمخوار کر یارب
بھنور میں ہے سفینہ خیریت سے پار کر یارب

یہ دم قائم ہے یارب جس سے میرا راج رہنے دے
مرے سر پر یہ اپنی رحمتوں کا تاج رہنے دے

اُم زہرا ہاشمی بدایونی

جلد کی دیکھ بھال

اُردو کے رسالوں میں عصمت ہی ایک ایسا رسالہ ہے جس میں ہر مہینہ حُسن وجمال اور آرائش وسنگھار کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ "خانہ داری" عصمت کا ایک مستقل عنوان ہے جس کے تحت ہمیشہ کچھ نہ کچھ جلد کی دیکھ بھال کے متعلق ہدایتیں ہوتی ہیں۔ لیکن اس پر بھی بہت سی ہندوستانی خواتین جلد کی نگہداشت کے طریقوں سے ناواقف ہیں۔ پوڈر اور کریم تو اب کوئی بہن ایسی نہیں جو استعمال نہ کرتی ہوں، لیکن صرف اُوپر سے پوڈر اور کریم کے لگانے سے جلد کی خوبصورتی نہیں بڑھ سکتی۔ پوڈر تو ملمع ہے جو جلد کے عیوب کو چھپا دیتا ہے۔ لیکن جلد کی خوبصورتی یعنی ملایمت اور صفائی کریموں کے صحیح استعمال سے پیدا کی جاسکتی ہے۔

کریم بیسیوں قسم کی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں کریم صرف تین قسم کی ہوتی ہے پہلی cleansing cream یعنی جلد صاف کرنے کی کریم۔ دوسری Nourishing cream یعنی جلد کو غذا پہنچانے والی اور تیسری Vanishing cream یا Foundation cream جسے لگانے کے بعد پوڈر لگایا جاتا ہے۔ آخرالذکر کریم کا استعمال ہندوستانی عورتیں سب سے زیادہ کرتی ہیں۔ حالانکہ جلد کی خوبصورتی کو بڑھانے اور قایم رکھنے میں پہلی اور دوسری قسم کی کریم کا زیادہ حصہ ہے۔ Vanishing cream تو پوڈر کی طرح صرف ملمع کا کام دیتی ہے۔

جلد کی خوبصورتی کے لئے پہلی چیز صفائی ہے اور اس کے لئے صرف صابن سے مُنہ دھونا کافی نہیں۔ جو پوڈر کریم کا استعمال نہیں کرتیں ان کے لئے صرف صابن اور پانی سے مُنہ دھونا کافی ہے، کیونکہ معمولی گرد مساموں کے اندر نہیں جاتی۔ لیکن پوڈر تو جلد کی تہہ میں پہنچتا ہے۔ اس لئے پوڈر لگانے والیوں کو cold cream یعنی صاف کرنے والی کریم سے رات کو چہرہ صاف کرنا چاہئیے۔ دن کو بھی پوڈر کریم لگانے سے پہلے کولڈ کریم سے منہ صاف کرنا لازمی ہے۔ کریم چند منٹ تک چہرہ پر لگا رہنے دیں اس کے بعد پُرانے کپڑے یا کاغذ کا رومال جو اسی کام کے لئے ملتے ہیں ان سے پونچھ ڈالیں۔ اس کے بعد مساموں کا مُنہ بند کرنے کے لئے Skin tonic سے جو کے Complexion milk اور astringent lotion بھی کہلاتا ہے۔ روئی کو مُنہ پر اچھی طرح پھیریں۔ اس کے بعد Vanishing cream اور پوڈر لگائیں۔

رات کو کولڈ کریم کے بعد nourishing cream یعنی جلد کو غذا پہنچانے والی کریم لگانی چاہئیے اور خشک جلد والیوں کو رات بھر لگی رہنی دینی چاہئیے۔ جن کی جلد اتنی خشک نہ ہو وہ تھوڑی دیر بعد پونچھ سکتی ہیں۔

Vanishing cream اور پوڈر کا رنگ جلد کے رنگ کی مناسبت سے منتخب کرنا چاہئیے۔ اور صحیح طور سے ان کے لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ بہت تھوڑی سی کریم لگاکر بہت سا پوڈر لگایا جائے اور بعد میں روئی یا نرم ریشمی رومال سے پوڈر کو اچھی طرح جمالیا جائے۔ بہت ہی کم پوڈر چہرے پر لگا رہے ورنہ بہت بدنما معلوم ہوتا ہے۔

پلکیں رنگنا اور بھویں بنانا ہندوستانی عورتوں کے لئے قطعی غیرضروری ہے۔ کیونکہ قدرتی طور سے انکی پلکیں اور بھویں سیاہ ہیں۔ میموں کی چونکہ نامعلوم سی بھنویں پلکیں ہوتی ہیں اس لئے ان کے لئے رنگنا ضروری ہے۔ لیکن ہندوستانی عورتوں کو اس کی بالکل ضرورت نہیں۔ اور یہ کچھ بھلی بھی نہیں معلوم ہوتیں بلکہ ان سے چہرے پر تصنع آجاتا ہے۔ لیکن جن کو اس کا شوق ہو انہیں بھی اس کا استعمال سلیقہ سے کرنا چاہئیے۔ یعنی کم اور پھر رنگ اپنی رنگت کی مناسبت سے ہو۔

لپ سٹک یعنی لاکھے کا استعمال بہت عام ہے۔ اس کے لئے انتخاب موزوں رنگ کا ہو۔ ہر ایک chemist یعنی دواخانے میں مختلف رنگوں کے چارٹ ملتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر اور اس کی ہدایات کے مطابق رنگ لینا چاہئیے بہت گورے رنگ والیاں خوب شوخ والی استعمال کر سکتی ہیں۔ کھلے گندمی رنگ پر نارنجی مائل یا گہرا سرخ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور بہت سانولی صورت پر بہت گہرا لیکن بالکل ہی پھیکا یعنی dull لپ سٹک اچھا معلوم ہوتا ہے۔ روژ یعنی رخساروں کی سرخی کا بھی یہی حال ہے اور یہ بھی ہندوستانی چہروں پر تا وقتیکہ بہت گوری رنگت نہ ہو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ فطری طور سے سانولی رنگت کے ساتھ سرخ رخسار کبھی نہیں دیکھے جاتے۔

رنگ نکھارنے کے بہت سے کریم ہیں جنہیں "ماسک" اور Bleaching cream وغیرہ کہا جاتا ہے۔ ان کو کولڈ کریم سے چہرہ صاف کرنے کے بعد لگایا جاتا ہے۔ لیکن ان کا بہت زیادہ استعمال جلد کے لئے مضر ہے کبھی کبھار لگالینے کا مضائقہ نہیں۔ ان میں سے بعض پارے کا ست رکھتے ہیں۔ ان کو کبھی بھول کر بھی استعمال نہ کرنا چاہئیے۔

کئی قسم کے گھریلو "ماسک" بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ بادام پیس کر دودھ میں ملاکر لگانا جلد کے لئے مفید ہے انڈے کی زردی بھی مفید سمجھی جاتی ہے۔ جئی کا آٹا اور دودھ کا لیپ بھی رنگت کو صاف کرتا ہے۔ گرم بادام کے تیل سے جلد میں ملائمت پیدا ہوتی ہے۔

لیکن جس چیز سے دائمی جلد اچھی حالت میں رہتی ہے وہ کبھی کبھار ماسک یا کریم کا لگانا نہیں بلکہ روزانہ جلد کی صفائی اور اس کو غذا پہنچانا ہے۔ یعنی بلاناغہ دن میں کم سے کم دو دفعہ کولڈ کریم۔ سکن ماسک اور جلدی غذا کا استعمال۔

کریم اور پوڈر بنانے والے بے شمار کارخانے ہیں۔ آج کل الزبتھ آرڈن کا سامان ہندوستان میں بہت

مقبول ہے۔ اس کے علاوہ میکس فیکٹر maxfactor ہلینا روبنائین Helena Reubenstea جین سیمور Jane Suymen وغیرہ کے کریم و پوڈر بہت اچھے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب بہت مہنگے ہوتے ہیں۔ پونڈس کے کریم اور Coty کوٹی کے پوڈر اور ٹانگی لپ سٹک سستے اور کافی اچھے ہوتے ہیں۔

ناخن کے رنگنے کا سامان سب سے سستا Tangee کا ہوتا ہے۔ لیکن ناخن رنگنا ہے تو اپنی ہندوستانی مہندی نے کیا قصور کیا ہے جو ان سب سے سستی ہے۔

شائستہ اختر سہروردیہ

وداعِ راشد

"مولانا راشد الخیری مرحوم کے صاحبزادے مولانا رازق الخیری نے اس کتاب میں اپنے والد ماجد کی بیماری کے ایام کے حالات نہایت دردناک پُراثر اور دلچسپ انداز میں لکھے ہیں۔ کتاب کی ایک ایک سطر باپ کی محبت میں ڈوبی ہوئی ہے اور واقعات اس دلچسپ انداز میں لکھے ہیں کہ ختم کئے بغیر کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔"

ہمایوں لاہور

"وداعِ راشد علامہ راشد الخیری مرحوم کی زندگی کا آخری دردناک باب ہے جو مشہور نسوانی رسالہ عصمت میں شائع ہو چکا ہے۔ علامہ مرحوم ہماری زبان اور نسوانی دنیا کے بہت بڑے محسن تھے۔ اس لئے ان کی زندگی کے آخری دنوں کی واردات ہمارے لئے ایک نہایت المناک حادثہ ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ان اوراق کا مطالعہ کرے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز نہ ہو جائیں۔ رازق صاحب کی زبان نہایت شستہ اور عام فہم ہے۔"

ادب لطیف لاہور

"مولانا رازق کی زبان دہلی کی مستند زبان ہے اور جس اسلوب بیان سے انہوں نے اپنے والد کی دائمی مفارقت کا یہ منظر کھینچا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ پڑھنے والے کا دل بیحد متاثر ہوتا ہے۔"

زمانہ کانپور

"علامہ راشد الخیری مرحوم سے کون واقف نہیں آپ نے قلم اور زبان سے طبقہ نسواں کی جو بیش بہا خدمات انجام دیں وہ ایسی نہیں جو فراموش کر دی جائیں جناب رازق الخیری صاحب نے علامہ کی حیات کے آخری باب کو اس کتاب میں قلمبند کیا ہے۔ اور اس کا ہر ورق اپنے اندر عبرت و بصیرت کا سامان لئے ہوئے ہے۔ انداز بیان نہایت شگفتہ اور عام فہم ہے۔"

موری لینڈ سکندر آباد دکن

"مولانا مرحوم کی علالت رحلت تجہیز و تکفین اور افراد خاندان پر ہندوستان کے سب سے بڑے صحافی نگار کی موت کے تاثرات کو اس قدر دردناک انداز میں جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ گویا خود مولانا مرحوم اس کتاب کے مصنف ہیں مولانا راشد الخیری نے ایک مخلص نوبیں نوع انسانی کے سچے ہمدرد اور خادم خلق کی زندگی کے آخری لمحات کو جس انداز میں پیش کیا ہے وہ عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت کافی ہے۔ مولانا رازق الخیری مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ضرورت ہے کہ آپ مولانا مرحوم کے مبسوط سوانح حیات جلد از جلد شائع کریں۔"

شہباز لاہور

"اس رسالہ کے مصنف مرحوم کے صاحبزادے جناب رازق الخیری ہیں مولانا راشد الخیری کی زندگی بحیثیت ایک مصنف کے ہی ہمارے لئے قیمتی نہ تھی بلکہ وہ اخلاق و کردار کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انکی زندگی کے آخر باب کی یہ تفصیلات مفید دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ رازق صاحب نے اس رسالے کو ایسے انداز میں لکھا ہے کہ پڑھنے والا اس سے دلچسپی لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہمیں اُمید ہے کہ دفتر عصمت مولانا مرحوم کی مکمل سوانح عمری بھی جلد شائع کرے گا۔"

ہمدرد صحت دہلی

ہندوستان کے مشہور نقاد اور تبصرہ نگار الہ آباد یونیورسٹی کے سینیر پروفیسر ڈاکٹر حفیظ سید ام اے پی ایچ ڈی مصنف کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"وداعِ راشد میں نے شروع سے آخر تک پڑھی بعض حصے کئی بار۔ میں اپنے تاثرات اور جذبات کو پورے طور سے ادا نہیں کر سکتا صرف اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر فاصلہ حائل نہ ہوتا تو میں آپکے ہاتھ چومتا اور آپ کو گلے لگا لیتا۔ آپ علامہ مرحوم کے صحیح معنوں میں معنوی جانشین ہیں آپ کا طرز بیان اس قدر دلکش ہے کہ آپکی تحریر پڑھنے سے نہ جی اکتاتا ہے اور نہ تھکتا ہے۔ آپ کی زبان قلم میں وہی زور اور تاثیر ہے جو مشہور مقرر کے ہوتی ہے آپ دلوں کو ہلا سکتے ہیں۔ الفاظ کے ذریعہ جیتی جاگتی تصویر کھینچ سکتے ہیں پڑھتے وقت میں نے یہ محسوس کیا کہ میں آپکے گھر میں بیٹھا ہوا مرحوم کی علالت اور آخری وقت کے سے کوائف آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کئی بار آبدیدہ ہو گیا دل پر قابو نہ رہا۔"

پہلی نماز

اُترا جب نشۂ پندار و غرور تمکیں　　عالمِ وجد میں پہنچا میں سرِ عرشِ بریں

آن کی آن میں پرواز تخیّل کے طفیل　　لامکاں پہنچ گیا طبقۂ اسفل کا مکیں

بُعد اور قرب کی تفریق یہاں لاحاصل　　سمت و اطراف و جوانب نہ زماں اور زمیں

جنس اور نوع کی تمیز یہاں امرِ فضول　　ایک مخلوق تھی بس حکم کی خالق کے رہیں

کام تھا اُن کا بجا آوری حکم فقط　　نہ خور و نوش سے مطلب تھا نہ خوابِ نوشیں

کچھ تو اُس وقت دُعاؤں کو لئے جاتے تھے　　جو چلیں عالم اسفل سے سوئے عرشِ بریں

جمع ہوں بابِ اجابت پہ یہی منشا تھا　　وہ نمازیں وہ دُعائیں جو پڑھیں اہلِ زمیں

"تاکہ اِک خاص فرشتہ کرے اُن کی ترتیب　　اور کرے پیشِ خداوندِ دوعالم کے قریں

یہ نمازیں تھیں کہ تھے پھول کھلے رنگا رنگ　　دیکھ کر جن کو کہ بے ساختہ نکلے تحسیں

کچھ تھے گلدستے، تو تھیں کلیوں کی صورت میں کچھ　　غنچۂ نیم شگفتہ سے بھی کچھ بڑھ کے حسیں

اُن کی خوشبو سے تھی تفریح دماغِ ملکوت　　اُن کی نزہت سے ہوا بابِ اجابت تزئین

پہلے کرتا رہا آرائش و ترتیب اُن کی　　پھر بڑھا ایک نئے پھول پہ دستِ گلچیں

یہ تھا اک غنچۂ نومیدہ چھپا پتّوں میں　　پنکھڑیوں کے لبِ نازک تھے، تبسّم آگیں

پتّیاں اُس کو لئے اپنے تھیں یوں حلقے میں　　ماں کی آغوش میں ہو جیسے کوئی طفلِ حسیں

چُن لیا اس کو فرشتہ نے خصوصیت سے　　پتّیاں اس کی جُدا کر کے علیحدہ رکھدیں

میٹھی نظروں سے اُسے دیکھ کے پھر کہنے لگا　　یہ ہے وہ شئے جو ہو خلّاقِ دوعالم سے قریں

دل ہی دل میں تھا میں حیران یہ قصّہ کیا ہے　　آخر اس پھول میں کیا بات ہے قابلِ تحسیں

تھا ملک کام میں مشغول کہ میں نے بڑھ کر　　عرض کی حضرتِ داور کے مَلک باتمکیں!

اس گنہگار کو بتلائیے کیا راز ہے یہ؟　　کیوں ہے اس پھول کی اوروں سے زیادہ تمکیں

کیجئے آگاہ کچھ اِس اصل و حقیقت سے مجھے　　اس کے ادراک سے قاصر ہے مری عقلِ حزیں

پہلے خندہ کیا پھر دیکھ کے میری جانب　　ہوئے اس طرح سے گویا لبِ اعجاز قریں

"یہ ہے اک طفلک معصوم کی پہلی ہی نماز　　جو ریا سے ہے بری، زہد و عقیدت سے قریں

از حسن [illegible]

شادی

مرد اور عورت کے مِل جُل کر زندگی بسر کرنے کا طریقہ شادی ہے، جو بہت قدیم زمانہ سے ہر مُلک اور ہر مذہب میں کسی نہ کسی طریقہ پر موجود ہے، لیکن آج کل اکثر مغربی ممالک میں اور خود ہندوستان میں بھی یہ مسئلہ اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اور اگر ہمارے یہاں کچھ عرصہ تک یہی حال رہا، اور موجودہ نسلیں اسی طرح شادی سے گریز کرتی رہیں تو کچھ عجب نہیں کہ بعض یورپی ملکوں کی طرح حکومت ہند کو بھی شادی کے متعلق قوانین بنانا پڑیں، کنواروں اور رنڈوں پر ٹیکس لگانا پڑے، اور دوسری ترغیبوں اور تحریکوں سے کام لے کر اس وبا کو روکنے کی کوشش کرنا پڑے۔

ہندوستان کے ہر حصے میں اور بالخصوص شہروں میں ایسے متعدد لڑکے نظر آتے ہیں جن کی عمریں کافی ہوچکی ہیں، جو کماتے کھاتے ہیں، مگر شادی سے دُور بھاگتے ہیں۔ ہر خاندان میں متعدد کنواری لڑکیاں نظر آتی ہیں، اور ان کی شادی کا خیال والدین کو کھائے جارہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر شادی کی نوعیت کیوں بدلتی جارہی ہے؟ اور کیوں اس کو جنجال آفت مصیبت، تباہی و بربادی سے تعبیر کیا جارہا ہے؟ کیا یہ حقیقت ہے کہ شادی بجائے مسرت و راحت کے مصیبت اور آفت بن گئی ہے؟ بہرحال یہ ایک اور واقعہ ہے کہ موجودہ نوجوانوں اور بالخصوص تعلیم یافتہ لوگوں میں شادی دیر سے کرنے یا شادی نہ کرنے کا ایک عام رجحان پیدا ہوتا جارہا ہے۔ اب آیئے اس کا تجزیہ کریں اور دیکھیں کہ اس رجحان کی تہہ میں کون سی چیزیں کام کر رہی ہیں۔

موجودہ نوجوان طبقہ کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ شادی سے اس لئے گریز کرتا ہے کہ اس پر شادی کے بعد ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوجاتے ہیں ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر سوسائٹی میں ایسے آزاد منش افراد کی تعداد ابھی تک بہت کم ہے، جو مطلق العنان معاشرت اور سماج کی زنجیروں سے آزاد ہوکر دُنیا میں زندگی گذارنا چاہتے ہوں، جو نوجوان شادی سے گریز کرتے ہیں وہ اس کا بھی بخوبی احساس رکھتے ہیں کہ شادی ایک نعمت ہے، اور شادی کے بعد زندگی میں جو کیف، سکون، اور اطمینان پیدا ہوتا ہے اس سے بھی واقف ہیں اور اس کے متمنی بھی ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ شادی نہ کرنے سے انسان سے وہ تمام صفات غائب ہوجاتی ہیں جو رشتہ داری، میل جول، اور باہمی یگانگت کے متعلقات پر قائم ہوتی ہیں۔ یعنی ان میں سے ہمدردی، ایثار، محبت، سلوک، رواداری کے جذبات غائب ہوکر رعونت، تلخی، خشک مزاجی، خود غرضی، اور مطلب پرستی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ بچے جو ہماری دنیا کی شگفتہ ترین کلیاں ہیں اور جن کے معصوم چہروں کو دیکھ کر اور بھولی باتوں کو سُن کر والدین کے بڑے بڑے افکار اور پریشانیاں دُور ہوجاتی ہیں شادی کے بعد ہی میسر آسکتے ہیں۔ نیز ماہرین نسلیات نے یہ اصول بھی تسلیم کرلیا ہے کہ انسان کو جو حقیقی اور سچی مسرت

اپنے بچوں سے ہوتی ہے وہ دوسرے کے بچوں سے نہیں ہوتی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنے بچوں کی محافظت کی خاطر بسا اوقات اپنی جانیں تک خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔

ہندوستان میں ابھی تعلیم کا معیار کچھ زیادہ نہیں بڑھا ہے، مگر اس کے باوجود یونیورسٹی کی ڈگری کو شادی کی سند سمجھا جاتا ہے، حالانکہ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے مسئلہ نے جو بھیانک شکل اختیار کر رکھی ہے وہ ان ہی ڈگری یافتہ حضرات کی بدولت ہے، ہمارے اردگرد ایسی کافی مثالیں مل جائیں گی کہ لڑکوں نے ڈگریاں لے لیں مگر ان کو ملازمت نہیں ملتی۔ پھر ان کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا، اور جو کچھ ہوتا ہے وہ تعلیم کی نذر ہو جاتا ہے چونکہ یہ سمجھدار اور تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اس وجہ سے جبکہ وہ خود دوسروں پر بار ہوں شادی کر کے اپنے والدین یا عزیز و اقارب پر مزید بار ڈالنا نہیں چاہتے یہی وجہ ہے کہ مُلک میں شادی کی عمر کا اوسط متوسط اور اعلیٰ طبقہ میں بلند ہوتا جا رہا ہے، کیونکہ ایک تو اعلیٰ تعلیم میں کافی مدّت صرف ہوتی ہے پھر معقول آمدنی حاصل کرنے میں بھی کچھ عرصہ لگتا ہے۔ اسی وجہ سے شادیاں دیر سے کی جاتی ہیں۔ گریجویٹ دامادوں کی مانگ بڑھنے کی ایک وجہ خود لڑکیوں کی عام تعلیم بھی ہے۔ آجکل ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں سے ہر سال کئی سو لڑکیاں گریجویٹ ہو کر نکل رہی ہیں۔ پھر دوسرے امتحانوں میں بھی ان کی کافی تعداد شریک ہونے لگی ہے۔ اب ان پڑھی لکھی لڑکیوں کے لئے تعلیم یافتہ شوہر ہی تلاش کئے جاتے ہیں، اور ایسا ہونا بھی چاہیئے، کیونکہ اگر پڑھی لکھی لڑکیاں جاہلوں کے پلّے باندھ دی جائیں تو دونوں کی زندگی تباہ ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اگرچہ یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ تعلیم یافتہ میاں بیوی میں ناچاقی اور کشیدگی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ یہاں تو ایسے واقعات کی کثرت نظر آتی ہے، کیونکہ تعلیم کی وجہ سے دونوں بہت زیادہ حساس ہو جاتے ہیں، اور ذرا سی بات کو بڑھا چڑھا دیتے ہیں، تعلیم کبھی میاں بیوی کے اتفاق و اتحاد کی ضامن نہیں ہو سکتی، تعلیم سے صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ آپس کے باہمی چھوٹے چھوٹے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں، اگر دونوں میں رواداری، اور قربانی کے جذبات موجود ہوں، اس لئے جب اعلیٰ تعلیم یافتہ کمانے والے اور سب سے بڑھ کر اچھے اخلاق رکھنے والے لڑکوں کی تلاش کی جاتی ہے۔ تو اس میں کافی مدّت صرف ہو جاتی ہے، اور اس وجہ سے اکثر گھرانوں میں لڑکیاں بڑی عمر تک بغیر بیاہی رہتی ہیں۔

آجکل کشمکش حیات نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے، معیار زندگی میں اضافہ ہو رہا ہے، نئی نئی ضروریات برابر بڑھتی جا رہی ہیں، مگر اس کے ساتھ ذرائع معاش میں اس قدر تیزی سے اضافہ نہیں ہو رہا۔ اور اس کا نتیجہ آمدنیوں کی کمی اور بے روزگاری کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے۔ مُلک میں افلاس بڑھ رہا ہے، ایک کمانے والا تو دس کھانے والے اس لئے تعلیم یافتہ نوجوان شادی اور اولاد کے تصوّر سے گھبرانے لگا ہے۔

ایک طرف آمدنی میں کمی اور اخراجات میں اضافہ ہو رہا ہے، دوسری طرف آجکل کی تعلیم یافتہ لڑکیاں خانہ داری کے کاموں سے پرہیز کرنے لگی ہیں، یورپ اور امریکہ میں متوسط تو کیا اعلیٰ طبقہ میں بھی عورتیں نہ صرف گھر کا سارا کام

کاج کرتی ہیں، بلکہ باہر کی خرید و فروخت بھی ان ہی کے ذمہ ہوتی ہے، مگر ہماری تعلیم یافتہ بہنیں اس بات کی خواہشمند ہوتی ہیں کہ گھر کے کاموں کے لئے مامائیں اور بچوں کو کھلانے کے لئے آیائیں رکھی جائیں، اب ہر تعلیم یافتہ آدمی میں یہ سکت نہیں کہ وہ ماماؤں اور آیاؤں کا خرچ چلا سکے، اس لئے ایک طرف تو والدین خود ہی ایسے کم سکت لوگوں کو اپنی بیٹیاں دیتے ہوئے ہچکچاتے ہیں، دوسری جانب یہ خود بھی ان اخراجات سے بچنے کے لئے شادی سے گریز کرنے لگتے ہیں۔

شادی کی روک تھام میں اولاد کا مسئلہ بھی قابل غور ہے۔ ہر سمجھدار شخص چاہتا ہے کہ اس نے جس معیار سے زندگی بسر کی ہے، یا بسر کر رہا ہے کم سے کم اس معیار پر اس کی اولاد بھی زندگی گزارے، اس کی اولاد کو بھی اچھی تربیت اور اعلیٰ تعلیم ملنا چاہیئے، پھر اگر اولاد کم ہو تو اس کی پرورش میں بھی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں، مگر ہندوستان میں شرح پیدائش بہت زیادہ ہے اور یہ چیز کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ شرح پیدائش کی بڑھی ہوئی رفتار اس ملک کیلئے اچھی ہے۔ جہاں تمول ہو، جہاں بچے تندرست، توانا اور طاقتور پیدا ہوتے ہوں، مگر ہندوستان میں افلاس کے ساتھ مریل، کمزور اور مریض نسلیں بڑھ رہی ہیں، پھر پیدا شدہ بچوں میں سے نصف کے قریب بہت قلیل عرصہ میں ہلاک ہو جاتے ہیں، اور چوتھائی اپنے ساتھ اپنی ماؤں کو بھی لے جاتے ہیں۔ اس مصیبت سے بچنے کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ دیر سے شادی کی جائے دوسری یہ کہ اولاد کم ہو۔ کیونکہ ہمارے یہاں دوسرے طریقہ کا کچھ زیادہ رواج نہیں اور اس میں دقتیں اور خرابیاں بھی ہیں اس لئے پہلے ہی طریقہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ جو کم خرچ اور بالا نشین کا صحیح مصداق ہے۔

شادیوں میں رکاوٹ اشتراک خاندان کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ لڑائی اور جھگڑالو طبیعتوں کے علاوہ عام حالات میں ہر شخص خوش رہنا چاہتا ہے، بالخصوص شادی کے بعد وہ سکون اور مسرت کی زندگی کا خواہاں نظر آتا ہے۔ مگر بعض گھرانوں کی فضا اس قسم کی ہوتی ہے کہ لڑکے کو اس بات کا بخوبی احساس ہوتا ہے کہ وہاں رہ کر سکون کی زندگی بسر نہیں کی جا سکتی، مگر وہ اپنے اعزا کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ اس لئے وہ شادی سے گریز کرتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک لڑکے کی آمدنی اتنی معقول ہے کہ وہ اور اس کی بیوی الگ رہ کر آسانی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں، مگر اشتراک خاندان کے تحت وہ مجبور ہے کہ اپنے عزیزوں کی کفالت کرے، اس طرح اس کا اور اس کی اولاد کا معیار زندگی گھٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے وہ شادی سے اجتناب کرتا ہے اور ہماری سوسائٹی ابھی بہت عرصہ تک اس دشواری کا حل پیش نہیں کر سکتی۔

ابھی تک ان نوجوانوں کا ذکر تھا جو شادی کے لئے تیار نہیں، اب ان کا حال سنیئے جو لکھے پڑھے ہیں، ملازم بھی ہیں اور شادی کرنا بھی چاہتے ہیں، مگر جب وہ اس میدان میں قدم رکھتے ہیں تو ان کو معلوم ہوتا ہے کہ شادی اتنی آسان نہیں جتنا کہ وہ پہلے اس کو سمجھتے تھے۔ ہر شادی میں کافی اخراجات ہوتے ہیں، یہاں ان شادیوں کا ذکر نہیں جہاں بیجا اور فضول

رسوم یا آتش بازی، باجے بجاری اور ناچ گانے میں کافی صرف ہوتا ہے، بلکہ وہ شادیاں جو "سادہ" کہلاتی ہیں ان میں بھی زیور، کپڑے، دعوت، لوگوں کی مہمان داری، انعام و اکرام، آمد و رفت میں اتنے اخراجات ہو جاتے ہیں کہ مجموعی حیثیت سے وہ ایک بڑی رقم ہو جاتی ہے۔ پھر اب تک یہ دستور ہے کہ ہر لڑکی کو کچھ نہ کچھ جہیز ضرور دیا جاتا ہے۔ اور لڑکی والوں کا اس پر کافی صرف ہوتا ہے۔ حالانکہ نئے جوڑے کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کپڑے اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دوبارہ پہننے کی نوبت نہیں آتی، زیور بھی پرانے فیشن یا وقتی ضرورت کا ہوتا ہے۔ برتن، دیگچیاں، کڑاہی، توا، بقچیاں، نلے دانیاں، اور اسی قسم کی سینکڑوں چیزیں مشترک خاندان کے رسم و رواج کے تحت بیکار ہیں۔ کیونکہ ہر گھر میں پہلے ہی سے ان کی کافی تعداد ہوتی ہے۔ اور صرف ایک آدمی کے اضافہ سے ان میں مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مہر کا مسئلہ بھی کافی اہمیت رکھتا ہے، اور بعض وقت اسی کی بحث و تکرار جمے جمائے معاملہ کو ختم کر دیتی ہے۔ جہاں تک اس کی مذہبی حیثیت کا تعلق ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر مذہب نے مہر حسب حیثیت قرار دیا ہے۔ اور یہ بیوی کا حق ہے جو اس کو ملنا چاہیئے۔ لیکن ہندوستان میں مہر بڑی مقداریں باندھا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کبھی اس کو ادا کرنے کا خیال بھی ذہن میں نہیں آتا۔ مثلاً بھوپال میں عام رواج ہے کہ مہر بڑی رقم کا ہوتا ہے، اور یہاں بہت عرصہ سے عورتوں کو خلع کا حق بھی حاصل ہے، لیکن جب کبھی جانبین میں رنجش یا نااتفاقی ہوتی ہے تو ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ عورت مہر معاف کرتی ہے اور مرد اس کو طلاق دیتا ہے۔ بہرحال یہ جانتے ہوئے کہ لڑکے کے پاس نہ اتنی جائداد ہے اور نہ آمدنی کہ وہ مہر کی پوری، نصف یا چوتھائی رقم بھی ادا کر سکے۔ محض رواج کے طور پر بڑا مہر باندھا جاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں اس رواج کو اس لئے برداشت کر لیا جاتا تھا کہ کبھی کوئی عورت مہر کا دعویٰ نہیں کرتی تھی، مگر اب جبکہ لڑکیوں میں تعلیم بڑھ رہی ہے، ان کے حقوق مل رہے ہیں، ان میں آزادی اور مساوات کے خیالات پیدا ہونے لگے ہیں، یہ کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنا مہر وصول کرنے لگیں۔ چنانچہ ایسی مثالیں ملتی بھی ہیں، گو ان کی تعداد بہت کم ہے اس لئے آج کل کے نوجوان بڑے مہر کو پسند نہیں کرتے، اور اس کے نتیجہ کے طور پر سوسائٹی میں کنواروں کا ایک اور طبقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ کچھ زیادہ خطرناک نہیں کیونکہ یہ شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اور جہاں اس رقم کی دشواریاں نہوں وہاں وہ شادی کر لیتا ہے، البتہ اس میں کچھ وقت لگتا ہے اور بعض اوقات یہ مدت کافی طول کھینچ لیتی ہے۔

بہرحال جیسے جیسے آمدنیاں محدود ہوتی جائیں گی، معیار زندگی بڑھتا اور بے روزگاری میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح شادیوں کی شرح میں تخفیف اور شادیاں دیر سے کرنے کا رجحان پیدا ہوتا جائے گا۔ نیز جس طرح کمسنی اور بچپن کی شادیاں ملک و قوم کے لئے مضر ہیں اسی طرح دیر کی شادیاں بھی ملک کے لئے مفید نہیں، اب سوال یہ ہے کہ آخر اس خرابی کو کس طرح دور کیا جائے؟ تو اس کا کوئی ایک قطعی حل پیش نہیں کیا جا سکتا، یہ ایک رجحان ہے جو حالات و واقعات پیدا کر رہے ہیں، جب ان میں تبدیلی ہوگی تو رجحان میں خود بخود تغیر و تبدل ہو جائے گا، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے

کہ لڑکوں کے نصاب میں ایسی چیزیں داخل کی جائیں کہ وہ صرف گورنمنٹ کی ملازمت پر بھروسہ نہ کریں، ملک میں ذرائع معاش کے نئے نئے راستے پیدا کئے جائیں، لڑکیوں کو ایسی تعلیم و تربیت دی جائے کہ ان کو امور خانہ داری سے دلچسپی ہو اور وہ گھر کے کام کاج میں خوشی سے حصہ لیں، اپنی تعلیم اور ذہانت کی مدد سے کفایت شعارانہ اصولوں پر گھروں کو چلائیں تاکہ کم آمدنی رکھنے والے گھر بھی خوشی و مسرت آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔ شادیوں میں کم اخراجات ہوں، بے جا اور فضول رسموں کو یک لخت اڑا دیا جائے، ہر حسب استطاعت رکھا جائے، مشترک خاندان والے آپس میں رواداری کرنا سیکھیں، ان ہی ترکیبوں سے اس مسئلہ کی اہمیت کم ہو سکتی ہے، ورنہ یہ روز بروز بڑھتا ہی جائے گا، پھر ملک اور سماج کو اس کے نتائج کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔

محمد احمد سبزواری ام اے

(باقی صفحہ ۷۴۴) مزاجوں میں جلدی بہت ہے چاہتے ہیں جو کام ہو فوراً ہو جائے۔ اول تو یونانی علاج کرتے ہیں اگر حکیم کا علاج شروع ہی کرتے ہیں تو حکیم مرض اُبھرنے کی دوا دیتے ہیں تاکہ جو کچھ مرض کا مادہ جسم میں ہو وہ بخارات کے ذریعہ نکل جائے جسکو حکیم بحران مرض کہتے ہیں۔ جبتک جسم میں مرض کا اثر موجود ہوتا ہے مرض طبیعت پر غالب آتا ہے مرض اُبھر کر اور زیادہ معلوم ہوتا ہی اس سے مریض یہ سمجھتا ہے کہ حکیم کی دوا نے نقصان کیا لیکن وہی دوا جب مرض کی حدت کو نکال دیتی ہے تو پھر طبیعت مرض پر غالب آجاتی ہے اور اب دوا خوب فائدہ کرتی ہے۔ مرض کے تمام مادے کو نکال دیتی ہی اور مرض ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے لیکن مریض اتنا صبر کرتے ہیں جو دوا کو اپنا اثر دکھانے کا موقع دیں جہاں مرض کا بحران شروع ہوا اور یہ سمجھ لیا کہ دوا نے نقصان کیا فوراً حکیم کو ناقابل سمجھ کر علاج تبدیل کر دیا جاتا ہے حالانکہ کم ازکم حکیم کے علاج میں فائدہ نقصان ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ میں دیکھنا چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ ڈاکٹری علاج ہوتا ہی برا ہے، میں خود ڈاکٹری علاج کرتی ہوں لیکن اب تجربہ یہ بتاتا ہے کہ مختلف امراض کے لئے مختلف طبیبوں کی ضرورت ہے مثلاً مسہل (جلاب) سوائے حکیم کے ڈاکٹر کے کارآمد نہیں ہوتے حکیم پہلے مادے کو اکھاڑتے ہیں پھر مسہل دیکر خراب مادہ نکال دیتے ہیں۔ ڈاکٹر فروٹ سالٹ یا کسٹرائیل دیتے ہیں اس سے کیا جسم بھر کا مادہ نکل جاتا ہے۔ ہرگز نہیں دوسری چیز مصفی ہی یعنی خون صاف کرنے کی دوا، یہ خود میرا تجربہ ہی معدہ اور جگر کا علاج پیٹ کی خرابی اور نسوانی خرابیاں دق سل کنٹھ مالا کمزوری دماغ وغیرہ میں یونانی علاج بہتر ثابت ہوتا ہی سرسام نمونیہ انفلوئنزا ٹائیفائڈ طاعون پھوڑے درد گردہ درد قولنج گٹھیا وغیرہ مرضوں میں فوری علاج کیضرورت ہی اور وہ ڈاکٹر سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا اگر ہم دونوں سے حالات کے مطابق رجوع کریں تو ہماری صحت بہت کچھ محفوظ رہ سکتی ہے۔ اکثر لوگ ڈاکٹر کے قائل ہیں تو حکیم کا نام لینا ہی گوارہ نہیں کرتے۔ اگر حکیم کے قائل ہیں تو ایسے کہ سوتے جاگتے حکیم صاحب بھرہانے کھڑے رہتے ہیں۔ چھوٹے موٹے مرضوں کا گھر ہی میں علاج کر لینا چاہیئے۔ علاجوں اور ان دواؤں کے متعلق جو نقصانات ثابت ہوتی ہیں انشاء اللہ آئندہ لکھوں گی۔

مسز حمید لکھنوی

معالج

بہت لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ چھینک آئی اور ڈاکٹر کے یہاں پہونچ رہے ہیں، درد ہوا اور ڈاکٹر کی دوا آرہی ہے، غرض ہر وقت دواؤں کا ورد رہتا ہے خاص کر بچوں کے لئے تو بہت زیادہ۔ حالانکہ یہ غلط اُصول ہے اس طرح طبیعتیں دوا کی عادی ہوجاتی ہیں۔ معمولی شکایتوں میں تو گھر کی دوا ہی کافی ہے۔ زیادہ دوائیں انسان کی صحت پر بُرا اثر ڈالتی ہیں، اور انسان غذا کی طرح دوا کا بھی عادی ہو جاتا ہے۔ پھر معمولی دوائیں بھی اثر نہیں کرتیں اور تیز اور زُود اثر دواؤں کی ضرورت پڑتی ہے۔ جتنی تیز دوائیں ہیں بظاہر تو ان سے فائدہ ہو جاتا ہے اور وہ فوری اثر کرتی ہیں، مگر حقیقتاً صحت پر ان کا بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور کوئی نہ کوئی بیماری مستقل صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

آجکل بہتر سے بہتر ڈاکٹری علاج ہم کو میسر ہیں، مگر صحت کے اُصولوں سے واقف ہونے اور صحت کے مطابق غذائیں کھانے اور تازی ہوا۔ پیدل چلنے اور سیر و تفریح سب باتوں کا لحاظ کرنے کے باوجود جو جو امراض ہم کو ہوتے ہیں وہ اگلے زمانہ کے لوگوں سے سُنے بھی نہ تھے۔ دق مرض عام ہوتا جاتا ہے حالانکہ بہترین ڈاکٹر ہم کو ملتے ہیں۔ بہت سے سینی ٹوریم ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مرض شروع ہوا اور چند روز میں بڑھ گیا اور سال کے اندر اندر مریض ختم ہو گیا۔ اگلے زمانہ میں اول تو دق ہوتی بہت کم تھی۔ اگر کسی کو ہوتی بھی تھی تو ایسی کہ شادی ہوتی بچے ہوتے دق کا مریض برسوں زندہ رہتا یہ مرض اتنا مایوس کن جب نہ تھا جتنا اب ہے۔ ہم بس اسی پر نازاں ہیں کہ صحت کے اصول جانتے ہیں اور ہمارا ہر قدم صحت کے موافق پڑتا ہے۔ ہم جانتے سب کچھ ہیں مگر تندرست نہیں رہتے۔ اگلے لوگ کچھ نہ جانتے تھے مگر صحت میں ہم سے بہتر تھے۔ آجکل کے علاج ایسے ہیں کہ جیسے آپ ایک کپڑے کو صاف کرنا چاہیں اس میں تیزاب ڈال دیں، بظاہر تو وہ خوب صاف ہو جائے گا مگر اس کا سُوت گل جائے گا کپڑے کی عمر کم ہو جائے گی۔ بس اسی طرح تیز دوائیں اثر کرتی ہیں۔ سارے قدرتی رگ و پٹھوں کو کمزور کر دیتی ہیں۔ اگلے زمانہ میں یونانی علاج ہوتا تھا گو اس سے فائدہ دیر میں ہوتا ہے لیکن دوائیں باقاعدہ مرض کو جڑ سے نکال پھینکتی تھیں۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے جیسے حکیم اب ہم کو میسر نہیں اور کامل حکیم نایاب ہوتے جاتے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہی کہ ہماری بدذوقی کو دیکھکر بہتوں نے حکمت پڑھنی چھوڑ دی اور وہ حکیم جن کے چار پُشتوں سے طبابت ہوتی تھی آج وکیل بیرسٹر اور مختلف شعبوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ میں پھر کہوں گی کہ دق وغیرہ جیسے علاجوں کے لئے کسی اچھے حکیم کا علاج بہ نسبت ڈاکٹری علاج کے بہتر ہے۔

اگر مستقل مزاجی سے یونانی علاج کیا جائے تو حسب دلخواہ فائدہ ہوگا موجودہ زمانہ کے لوگوں کے (باقی صفحہ ۶۴۸ پر)

نعت

شہنشاہِ ہر دو سرا ہیں محمدؐ دو عالم کے مشکل کشا ہیں محمدؐ
نہ موجوں کا خطرہ نہ طوفاں کا ڈر ہے مری ناؤ کے ناخدا ہیں محمدؐ
نظر جیں آتے ہیں جلوے خدا کے وہ آئینۂ حق نما ہیں محمدؐ
محمد کے در سے نہ جاؤ گی خالی بڑے پر سخا پر عطا ہیں محمدؐ
یہ سر کیوں جھکے کفر و باطل کے آگے کہ میری جبیں کی ضیا ہیں محمدؐ

حضوری مدینے کی مشکل ہے عصمتؔ
مگر میرے مشکل کشا ہیں محمدؐ

مس کے احمد شجاع عصمت

اُفق کے اُس پار

میرے دوست! میں افق کے سنہری پہاڑ کے دوسری طرف جانا چاہتا ہوں۔ جہاں ایک نئی دُنیا آباد ہے۔ سُنتا ہوں کہ وہاں کی نہریں دُودھ سے زیادہ سفید۔ برف سے زیادہ ٹھنڈی اور شہد سے زیادہ شیریں ہیں۔ اُن سنہری کے دونوں طرف سدا بہار درخت ہیں جن پر ہمیشہ دل کش اور خوش نُما چڑیاں ایک عجیب انداز سے اپنے معبود کی حمد و ثنا میں مصروف رہتی ہیں۔ اس لئے میرے دوست میں افق کے اُس پار جانا چاہتا ہوں۔ مگر مجھے اُس پار جانے کے لئے اپنی عزیز زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ لوگ مجھے وہاں جاتے دیکھ کر میری موت پر افسوس کریں گے اور اشکبار ہوں گے۔

مگر میرے عزیز دوست میں تو دل ہی دل میں مسکراؤں گا۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ افق کے اُس پار جاؤں جب میں افق کے اُس پار نئی دنیا میں پہنچ جاؤں گا تو تُمہاری دنیا والے آنسو بہانے کے بعد مجھے بھول جائیں گے۔ لیکن میرے دوست میرے دلمیں انکی یاد بدستور قائم رہے گی۔ میں آفتاب و ماہتاب کی کرن بنکر تمہاری خدمت میں حاضر رہوں گا۔ میں بلبل بنکر تمہارے پائیں باغ میں آؤنگا۔ اور اپنے دلکش نغموں سے تمہیں خوش کرونگا۔ میں گلوں کی نکہت بنکر تمہارے دماغ کو معطر کروں گا۔ میں نغموں میں ملکر تمہارے کانوں کو موسیقی سے معمور کرونگا اور تمہیں دُنیا و مافیہا سے بیخبر۔ مگر آہ تم تو بدستور مجھ سے بے خبر ہی رہو گے!! (ترجمہ از ٹیگور)

زینت افسا بنگلور

نغمۂ مریم

"بچاری مریم گارہی ہے! آہ، اس کی آواز میں کس قدر درد ہے!"

بوڑھے نے یہ الفاظ زیر لب کہے اور اپنا چہرہ جانب آفتاب اُٹھایا۔ وہ بہت غریب اور ضعیف تھا۔ لوگ اُسے "ناپاک یہودی" کہتے تھے اور اگرچہ یہ خطاب تحقیر آمیز تھا مگر اسمیں صداقت تھی۔ اس نے کبھی یہ چھپانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ یہودی ہے اور اسی طرح وہ کبھی صاف ستھرا رہنے کی بھی سعی نہ کرتا تھا۔ اس کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا اور اسے دھوتے وقت اُسے بڑی مشکل ہوتی تھی۔ کیونکہ جس کال کوٹھڑی میں وہ رہتا تھا وہ اس قدر تنگ و تار اور مختصر تھی کہ کوئی بھلا آدمی اس میں رہنا گوارا نہ کرسکتا تھا، لیکن وہ غربت کا مارا بہزار دقت اسی کالک میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ مریم اسکو دُنیا میں سب سے عزیز تھی اور اس وقت حد درجہ دلکش اور شیریں آواز، موسیقی سے لبریز، فضا میں گونج رہی تھی۔ اُسے دُنیا کا کوئی فکر نہ تھا اور وہ پُرجوش لہجے میں گاتے جارہی تھی۔

"اے لوگو! اپنے معبود کا شکر ادا کرو کیونکہ
وہ محسن ہے اور اس کا رحم دائمی ہے!"

آواز کوٹھڑی کے باہر سے آرہی تھی کیونکہ وہ کھپریل کی چھت پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کے کپڑے بیری تھے اور اس کی سیاہ زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ اسکی آنکھیں بڑی بڑی، ہونٹ پتلے پتلے، دانت سپید، اور ناک مخصوص یہودیوں کی سی تھی، اور وہ اپنے روپ سروپ سے بے خبر کھپریل پر مزے سے لیٹی ہوئی اپنے ننگے پاؤں آگے پیچھے جھلا رہی تھی اور طرح طرح سے شیریں و لطیف آواز میں بار بار کہہ رہی تھی:۔

"اے لوگوں! اپنے مولیٰ کا شکر ادا کرو، کیونکہ
وہ اچھا ہے اور اس کا کرم ہمیشہ قائم رہتا ہے!
بنی اسرائیل کو اعتراف کرلینا چاہیئے، کہ خدا کا
رحم و کرم دائمی ہے۔
امیروں کے گھرانے کو اقرار کرنا چاہیئے، کہ
اس کا احسان ایک سیل مسلسل ہے۔
اُن سب کو جنہیں اپنے پیدا کرنے والے کا
خوف ہے، بآواز بلند کہنا چاہیئے، کہ خدائی رحم
ہمیشہ قائم رہتا ہے!"

یہ پُرشکوہ الفاظ خالص عبرانی لہجے میں پیرس کے سب سے گھٹیا اور مفلس محلے سے نکل کر دُور دُور تک دُودھ کشوں میں کام کرنے والوں کے کانوں میں گونجتے رہے اور وہ ناپاک یہودی ربی بن ڈیوڈ انہیں غور سے سنتا رہا حتیٰ کہ اس کی نیم نابینا آنکھوں میں نمی سی آگئی اور اس نے جھریاں پڑے ہاتھوں میں اپنا مُنہ چھپا کر آپ ہی آپ کہا "کب تک؟ اے پروردگار کب تک؟ اے میرے آباؤ اجداد کے معبود! ہم نے تیرا کیا بگاڑا ہے جو ہمیں اُمید کی نگری سے جلاوطن کردیا گیا، تیرا کرم تو دائمی ہے! تو پھر اے خدا! مجھے بھی یہی یقین کرنے کا موقعہ دے، ایسا نہ ہو میرے اعتقاد میں لغزش آجائے۔"

وہ ڈگمگاتا ہوا اُٹھا اور کھڑکی میں سے سر نکالا۔

"مریم! مریم!"

گیت رُک گیا اور وہ چیتھڑوں میں ملبوس لڑکی دوڑی آئی۔ ہاتھ کی ایک لاپروا جنبش سے اس نے اپنے بال پرے ہٹا دیئے اور اس کا حسین و معصوم مکھڑا ایسا نظر آنے لگا جیسے

کوئی گل رعنا کثافت کو بکھیر کر نکل آتا ہے۔

"دادا!"

"بیٹی، اندر آؤ!" ریوبن نے نرمی سے کہا "تمہارا اتنے زور سے گانا ان پڑوس والوں کو ناگوار گذرے گا۔"

مریم کی سیاہ آنکھیں چمک اٹھیں اور اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آئی "پڑوسی! میں ان کی کیا پروا کرتی ہوں"۔

لیکن اس نے دادا کے خاموش اشارے کی تعمیل کی اور اس کے قریب آکر اپنے بالوں کو انگلیوں میں لپیٹنے لگی۔

"میرے اچھے دادا! کیا تمہارے کھانے کے لئے اس وقت کچھ نہیں ہے؟" اس نے پُراضطراب لہجے میں پوچھا "روٹی کا کوئی باسی ٹکڑا تک نہیں؟"

ریوبن نے نفی میں سر ہلا دیا اور صابرانہ انداز میں اپنی کرسی پر جاکر بیٹھ گیا "کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے"۔ اس نے مایوسی کے لہجے میں کہا "میں بہت ضعیف ہوگیا ہوں، بیٹی! ورنہ بازار جاکر بھیک مانگ لاتا، کیا کروں، مجھ میں دم نہیں، ہا- فاقوں نے بُرا حال کردیا ہے"۔

مریم سنتی رہی، پھر ایکا ایکی اس نے اپنی سرکش زلفوں کو لپیٹا اور تن کر کھڑی ہوگئی گویا اس نے کوئی فیصلہ کرلیا ہے۔ اس کی صورت پر عمر سے زیادہ متانت اور عزم کے آثار تھے۔ حالانکہ وہ مشکل سے چودہ سال کی ہوگی۔

"ذرا ٹھہرو" اس نے باہیں بڑھا کر گرتے ہوئے بوڑھے کو سہارا دیا اور پیار کرتے ہوئے کہنے لگی "میں خوب جانتی ہوں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے۔ میں راہ گیروں کا مطالعہ کروں گی اور جس کی آنکھوں میں مجھے فیاضی اور رحمدلی نظر آئے گی میں اس سے مدد مانگوں گی۔ مجھے یقین ہے، میں کامیاب لوٹوں گی —— ہاں ہاں دادا! میں امیر ہوکر آؤں گی"۔

"امیر!" بوڑھے ریوبن کی رائے میں یہ خیال ہی لغو تھا۔

اور کیا جس کے پاس پیٹ بھرنے کو ہو، بس وہی امیر ہے!" مریم نے ہنستے ہوئے کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے دروازے میں سے غائب ہوگئی۔

مریم کے جانے کے بعد بوڑھے کی ٹھوڑی اس کے سینے سے آ لگی، آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ سونے کی کوشش کرنے لگا تاکہ بھوک کی تکلیف فراموش ہوجائے۔ اس کو نیند آچلی تھی مگر وہ ابھی بالکل بےخبر نہیں ہوا تھا کہ آہستہ سے دروازے کی چٹخنی کھلتی ہوئی سنائی دی وہ چونک پڑا۔ یہ کون؟ اوہ، ایک نوجوان میلے کچیلے کپڑے پہنے، ردی حالت میں آگے آتے آتے دہلیز میں رک گیا۔

"کہو ماموں ریوبن! حسب معمول فاقہ کشی کا بہانہ کر رہے ہو؟"

بوڑھا کرسی ہٹا کر کھڑا ہوگیا۔ غصے سے اس کے ہڈیاں نکلے ہوئے جسم میں نئی جان آگئی "سعادت مند بھانجے! میں جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں یہودی ہوں، کذب بیانی تو عیسائیوں کا شیوہ ہے"۔

نوجوان اندر آگیا۔ اس کے لبوں پر ایک پُرفن مسکراہٹ نمودار ہوئی "تم میرے مذہب کی توہین کرتے ہو!"

"تمہارا مذہب؟" ریوبن نے جھنجلا کر کہا "تمہاری مراد اپنے باپ کے مذہب سے ہوگی، جوزف پریز! میرے خیال میں تو تمہارا کوئی مذہب ہی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جب تم بچے سے ننھے تو اپنی ماں کے قدموں میں —— جو میری اکلوتی بہن تھی —— تم نے ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، اور یعقوبؑ کے ہی معبود سے دعا مانگی تھی"۔

جواں سال پریز نے اُسے ترشروئی سے دیکھا "یہ سب ظاہرداری اور ریاکاری ہے۔ یہودن ماں اور عیسائی باپ ہونے کی وجہ سے میں شاید کذب و صداقت کے بین بین ہوں، لیکن مجھے اس کی پروا نہیں کہ کون جھوٹا اور کون سچا ہے۔ مریم کہاں ہے؟"

"باہر گئی ہوئی ہے"۔

"چلو اچھا ہے۔ یہ بہت بُرا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سانپ
کی طرح اِدھر اُدھر رینگتی پھرے اور مجھے اپنی بڑی بڑی آنکھوں
سے گھور گھور کر دیکھے۔ تم سمجھ گئے ہو گے، میں کیوں آیا ہوں
مجھے روپے کی ضرورت ہے۔"

ریوبن ڈیوڈ غصے میں چلایا "روپیہ! روپیہ میرے پاس
کہاں ہے؟ اگر ہوتا تو میں بھوکا کیوں مرتا؟"

"بس رہنے دو!" پریز نے جواباً کہا "اگر تمہارے پاس
روپیہ نہیں ہے تو تم مجھے اپنے کسی سود خور دوست کے نام
خط لکھدو۔ مجھے اتنا روپیہ تو مل ہی جائیگا کہ میں گذارہ کر سکوں
مجھے صرف ہزار روپے چاہئیں۔ اور یہ تمہارے لئے معمولی
سی رقم ہے۔"

بوڑھے نے اُسے فرطِ حیرت سے دیکھا گویا اُسے اپنی
سماعت اور بصارت پر شبہ ہے "ایک ہزار روپیہ! تم پاگل
ہو گئے ہو! میرے پاس آٹا خریدنے کے لئے دو پیسے تو ہیں
نہیں اور تم ہزار روپے کا مطالبہ کر رہے ہو! کہتے ہو کسی
دوست کو خط لکھدوں --- اگر میرے دوست ہوتے تو
کیا میں اپنی بچی مریم پر فاقوں کی نوبت آنے دیتا؟ میں خود
اس طرح بھوکوں مرتا؟ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اسی لئے
میں اپنی کوئی بھی ضرورت پوری نہیں کر سکتا، تمہارا تلڑ کہاں
سے بھروں؟ میرے پاس تن ڈھانکنے کو بھی نہیں ہے۔
اس کلبے کا کرایہ ادا کرنے کے لئے بھی مجھے در بدر کی
بھیک مانگنی پڑتی ہے، اور تم یہ باتیں جانتے ہوئے بھی
مجھ سے ہزار روپے مانگنے آئے ہو! تمہیں ہو کیا گیا ہے؟"

پریز کی تیوری پر بل پڑ گئے "مجھے کچھ ہی ہوا ہو۔ لیکن میں
یہ جانتا ہوں کہ تم یہودی ہو اور یہودیوں کے پاس ہر وقت
روپیہ رہتا ہے۔ یہ میرے باپ نے مجھے بتایا تھا بلکہ اس نے
یہاں تک کہا تھا کہ ضرورت پڑے تو تم لوگ روپیہ ڈھال بھی
لیتے ہو۔ دوسرے یہودیوں کی طرح تم بڑے کنجوس ہو۔
میری ماں مرتے مرگئی مگر تم نے اس کا ہاتھ فراغ نہ ہونے دیا۔
خیر، چھپانے سے کچھ نہ ہوگا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے
پاس بہت روپیہ ہے جو یقیناً کسی صندوق کے پیچھے یا آتشدان
میں چھپا ہوا ہوگا! میں ضرور بالضرور اسے نکال کر رہونگا
میں ہر طرح تیار ہو کر آیا ہوں اس لئے بہتر ہے کہ جتنا روپیہ
مجھے درکار ہے وہ سیدھی طرح میرے حوالہ کر دو، ورنہ تم
خود ذمہ دار ہو گے۔"

اس نے چاروں طرف دیکھا اور آخری فقرہ دھمکی
کے لہجے میں ختم کیا۔ ریوبن خاموش رہا۔

"سُن رہے ہو، میں نے کیا کہا؟" پریز بھاری قدموں
سے اس کے قریب تر ہوتے ہوئے بولا "مجھے تمہاری مفلسی
اور فاقہ مستی پر اعتبار نہیں ہے۔ اس بہانہ سازی کو میں
خوب سمجھتا ہوں۔ تم اول نمبر کے جھوٹے ہو۔ میں پھر کہتا ہوں
روپیہ فوراً نکالو ورنہ بُرا ہوگا، چلو، جلدی! یا میں خود
ڈھونڈھ لوں؟"

بوڑھے نے اس کی خشمناک نظروں کو سمجھ لیا "تمہیں
اختیار ہے میرے بھانجے۔ تمہیں جو کچھ یہاں مل سکے خوشی سے
لے لو۔ خدا شاہد ہے میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔"

پریز کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بڈھے کی باتیں اُسے مکارانہ
چالیں معلوم ہوئیں۔ خون اونٹھ گیا، ماتھے پر نیلی نیلی رگیں اُبھر
آئیں "جھوٹا بدمعاش!" اس نے بپھر کر کہا اور کوئی چیز ---
دھاردار، تیز --- نکالکر کھینچ ماری۔ ریوبن ڈیوڈ آن کی
آن میں ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ گر پڑا اور اس کے گلے میں
سے جیتے جیتے خون کے فوارے چھوٹ گئے۔

آفتاب کی وداعی کرنیں، بُری طرح پڑی ہوئی لاش،
سفید بالوں، خون کے چکتوں اور قاتل پر پوری تابانی سے
چمک رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی وہ ہسپانوی خنجر
تھا جس سے اس نے یہ کریہہ فعل انجام دیا۔ اس کی نگاہیں
خوف و ہراس کے عالم میں اپنے مقتول پر جمی ہوئی تھیں۔
اور وہ سوچ رہا تھا، "یہ میں کیا کر گذرا! ایسا معلوم ہوتا تھا

کہ اس کا جوڑ جوڑ مفلوج ہوگیا ہے اور اس میں ہلنے تک
کی سکت نہیں ہے۔ اسی حالت میں اس نے دُور، بہت
دُور، فضا میں ایک صاف وشیریں نغمہ گونجتا ہوا سُنا جو دم بدم
تیز ہوتا جارہا تھا:۔

"لوگو! اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو، کیونکہ
وہ اچھا ہے اور ازل سے رحیم ہے۔ وہ
سب جو خدا سے خوف کھاتے ہیں، برملا کہیں
کہ ہاں اس کا رحم وکرم ہمیشہ قائم رہتا ہے۔"

پریز پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ یکایک اُسے جھرجھری سی آئی اور
وہ چونکا۔ بے دھیانی میں خنجر اس کے ہاتھ سے گرگیا" اب اسکی
پونجی تلاش کرنے کا وقت نہیں ہے۔ خدا اس مریم کو غارت
کرے! جی چاہتا ہے کہ اس کا بھی گلا گھونٹ دوں، مگر ـــ
اب اتنے جلدی مجھ میں ہمت نہیں۔"

وہ کانپ رہا تھا مگر ہمت سے کام لیکر جلدی سے
باہر نکل آیا۔ مریم خوش خوش چلی آرہی تھی جھٹ وہ قریب
کے گھن دار درختوں کے جھنڈ میں چھپ گیا۔ اس نے دیکھا
کہ مریم ایک ماہر موسیقی کی طرح بچے تلے قدموں سے چل رہی
ہے اور اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا ہے۔ الٰہی! اس کا
ہاتھ اس کے پنڈے سے مَس ہوتے ہوتے رہ گیا اور وہ
گاتی ناچتی وہاں سے گذر گئی۔ جب وہ گھر میں داخل ہونے
لگی تو پریز نے اُسے مسرور لہجے میں پکارتے سُنا " دادا!"
بس، پھر ایک دردناک چیخ فضا کو چیرتی ہوئی معلوم
ہوئی اور وہ تھرتھر کانپنے لگا۔ اس چیخ کے بعد مکمل خاموشی
چھاگئی اور پریز موقع غنیمت جان کر وہاں سے ٹپ ٹپ
بھاگا۔

(۲)

عرصہ دراز گذر گیا اور لوگ ریوبن ڈیوڈ کے قاتل
کو بھول گئے۔ اس معاملے میں انصاف اور قانون کو بڑی
زبردست شکست ہوئی، کیونکہ اگرچہ تفتیش سے یہ ثابت
ہوگیا تھا کہ قاتل، مرحوم کا بھانجہ جوزف پریز ہے مگر پولیس اسکو
ڈھونڈھ نکالنے میں ناکام رہی۔ سانحہ کے مریم اپنے
دادا کے قریب غشی کی حالت میں ملی اور جب ہوش آنے پر
اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے رو رو کر یہی کہا کہ مجھے
نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا، میرے دادا بہت غریب تھے،
اور بھیک مانگ کر گذارہ کرتے تھے۔ البتہ جو خنجر کمرے
میں پڑا ہوا ملا اُسے اس نے پہچان کر بتا دیا کہ یہ اس کے ایک
رشتہ کے بھائی جوزف پریز کا ہے، جس کا باپ میڈرڈ میں
بادہ فروش ہے۔ پولیس نے ریوبن کو طلب کیا تو اس نے
حلفاً کہا "مجھے اپنے بیٹے کے متعلق اب کوئی علم نہیں ہے۔
عرصے سے وہ ہمارے گھر سے علیحدہ رہتا تھا۔" بالآخر تفتیش
وغیرہ دھری رہ گئی اور قصہ ختم ہوگیا۔ لیکن مریم اُس شام کو
تمام عمر نہیں بھولی جب اس نے اپنے دادا کی لاش خون میں
لت پت دیکھی تھی۔ یہ سماں ہر لمحہ اس کی نظروں میں پھرا
کرتا اور یہ بھی اسے ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ اُس وقت وہ یہ گا رہی
تھی" اے لوگو! اپنے رب کا شکر ادا کرو، کیونکہ وہ اچھا ہے
اور اس کا رحم وکرم دائمی ہے!" چنانچہ بار بار اس کے دل میں
یہ سوال پیدا ہوتا" اُس وقت خدا کہاں تھا؟ اُس نے یہ
کمینہ جُرم کیوں ہونے دیا؟ میں کیسے جانوں کہ وہ رحیم ہے؟"
اور اس سوال کا تسلی بخش جواب اس کے ذہن میں کسی طرح
نہ آتا تھا۔ یہودن ہونے کی حیثیت سے وہ اس مقولے
کی قائل تھی کہ "آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے عوض
دانت"۔ اور کیا عجب وہ اس کے ساتھ یہ اضافہ اور کرنا
چاہتی ہو" جان کے بدلے جان!" اس کی رائے میں اس کا
جذبۂ انتقام بالکل جائز تھا۔ اس لئے وہ سالہا سال تک
اپنے ساتھ وہ خنجر لئے پھری جس سے بوڑھے ریوبن کا قتل
ہوا تھا۔ اُسے اُمید تھی کہ ایک نہ ایک دن قاتل کا ضرور پتہ
چلے گا اور وہ اُسے اس کے کئے کا پھل چکھا کر رہے گی۔

پیرس کی فیشن پرست آبادی سیلاب کی طرح گرینڈ اوپیرا میں چلی آرہی تھی، کیونکہ آج ایک نیا کھیل دکھایا جارہا تھا، جس میں شہرہ آفاق مغنیہ "مریمی" اپنا شاہکار پیش کرنے والی تھی۔ عین وقت پر چلتی گاڑی میں سوڈا اٹکا یعنی ایک ایکٹر جس کا پارٹ بہت معمولی تھا، ماندہ پڑگیا اور اس کی جگہ ایک بدرو گھٹیا سا ایکٹر مینولو لیا گیا جو اس سے پہلے کبھی اتنے بڑے کھیل میں اسٹیج پر نہیں آیا تھا۔ منیجر بھاگا ہوا "مریمی" کے پاس اپنی مجبوری ظاہر کرنے گیا تاکہ وہ اس میں اپنی توہین نہ سمجھے کہ ایک ڈٹیل مغنی کو میرے ساتھ رکھا ہے "مریمی" نے اس کی کوئی پروا نہیں کی کیونکہ اس ایکٹر کا کام بہت ہی معمولی تھا اور وہ بھی یہ کہ آخری ایکٹ میں "مریمی" کے ہاتھ سے قتل ہوجائے۔

مریمی حسن میں قمر چہاردہم کو شرماتی تھی۔ اس کی چشم سرگیں، اس کی پرشکوہ ہیئت، اس کی روح پرور آواز اور اس کی ڈراماتی صلاحیت نے مل جل کر کیا امیر کیا غریب، سب ہی کے دلوں کو مسخر کرلیا تھا اور آج کی رات تو وہ خاص طور پر کامیابی حاصل کررہی تھی۔ دوسرے ایکٹ کے ختم کے قریب وہ بدرو گھٹیا سا ایکٹر مینولو اسٹیج پر آیا۔ مریمی اُسے غور سے دیکھنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آسمانِ حسن کی دیوی ہے جو زمین پر ذرا کی ذرا اُتر آئی ہے۔ اس کا بیش بہا لباس جس میں پارٹ کی مناسبت سے ہیرے جواہرات ٹنکے ہوئے تھے، اس کی شان و شوکت میں اور بھی اضافہ کررہا تھا۔ اس پر اس کی سنہری اور پُرجوش آواز سونے پر سہاگہ تھی جس نے سامعین پر ناقابلِ بیان اثر کیا اور ہال میں سقف شگاف نعرہائے تحسین بار بار گونجنے لگے جب پردہ گر گیا تو وہ مینولو کے پاس پہنچی، جسے اصلی ایکٹر کے بیمار ہونے کی وجہ سے وقت کے وقت بلا لیا گیا تھا۔

تم نے بڑا اچھا کام کیا"۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا "تمہارا نام کیا ہے؟ میں بھول گئی ——"

وہ بدرو ادھیڑ عمر کا گھٹیا ایکٹر، ملکۂ اسٹیج کے مُنہ سے اپنی تعریف سُن کر خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا۔ گردن جھکا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور بولا "جوزف مینولو مادام!"

"اوہ، یہ تو تمہارا اسٹیج کا نام ہے! تمہارے باپ کا نام مینولو تھا اور خود تمہارا جوزف ہے۔ جوڑا اچھا ملایا! میرا نام بھی اچھا ہے۔ مجھے لوگ مریمی کہتے ہیں لیکن میرا اصلی نام ——" وہ مسکرا کر بولی "مریم ڈیوڈ ہے جیسے تمہارا نام جوزف پریز ہے!"

پریز نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور اس کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔ آرکیسٹرا سے نہایت لطیف اور دلنواز صدائیں آرہی تھیں مگر اُسے ایسا معلوم ہوا کہ مرگھٹ میں مُردے چلا رہے ہیں۔ "مریم ڈیوڈ ——" اس نے سراسیمہ ہوکر کہا "مریم ——"

مریم کے احمریں لبوں کو جنبش ہوئی "ہاں، میں مریم ہوں۔ تمہیں تو یقین نہ آتا ہوگا؟ ہیں نا!" اس نے مسکرا کر کہا جس سے استہزا مترشح ہوتا تھا "تمہیں مجھ سے ملکر خوشی نہیں ہوئی؟ مجھے تو ہوئی ہے، کیونکہ مجھے عرصہ دراز سے تمہاری تلاش تھی! مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اسٹیج کی نوکری کروگے۔ ہماری ملاقات کیسے عجیب و غریب طریقے پر ہوئی ہے!"

اُس سے جہاں تک بن پڑا وہ نہایت نرم آواز میں بول رہی تھی مگر جرم کے احساس نے پریز کے شعور کو تیز کردیا اور اس نے محسوس کرلیا کہ اسکی آواز میں دبا ہوا غصہ ہے۔ اور اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑک رہے ہیں۔ پریز کے ماتھے اور ہاتھوں پر پسینے کے سرد قطرے نمودار ہوگئے۔

"یہ تو تمہارا ہی ہے نا؟" مریم نے اپنی پیٹی میں سے ایک چمکدار شے نکالی اور اُسے دکھاتے ہوئے کہا وہ اُسے حیرت سے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا —— یہ وہی ہسپانوی خنجر تھا جس سے اس نے بوڑھے ریوبن کو قتل کیا تھا۔ اس نے

چاروں طرف مڑ کر دیکھا — اسٹیج پر بہت سے کارندے آخری ایکٹ کے مناظر کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح فرار ہو جائے مگر مریم اس کے ارادے کو تاڑ گئی خنجر اس نے پھر اپنی پیٹی میں رکھ لیا اور اس کے قریب آ کر سرگوشی کے لہجے میں بولی "خبردار! اگر تم نے بھاگنے کی ذرا بھی کوشش کی تو میں تمہیں اسی وقت گرفتار کرا دوں گی! تمہاری ہر حرکت میری نظر میں ہے۔ میری طرح تم بھی آخر وقت تک اپنے کام کو خوش اسلوبی سے انجام دو، اپنے ذاتی معاملات کو ہم بعد میں طے کر لیں گے"۔

پریز نے اُسے ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھا لیکن وہ حسین چہرہ اور چشم ہائے شبگوں رحم اور درگذر سے یکسر خالی تھیں۔

اطلاع ہوئی کہ پردہ دو منٹ میں اُٹھنے والا ہے۔

مریم کی متفکر نگاہیں پریز پر جمی ہوئی تھیں جس کا ایک ایک عضو تھر تھر کانپ رہا تھا۔ "سائینو رینو لو! تم اپنے حواس قائم رکھو ورنہ تم سے کام نہ ہو سکے گا۔ اسٹیج کسی قسم کی جھجک یا خوف اداکاری کے لئے سم قاتل ہے، جب وقت میں وار کروں تو تم بہادری سے مجھے اپنا سینہ پیش کرنا"۔

پھر وہ ایک کونے میں آ کر کھڑی ہو گئی جہاں وہ اسکی ہر جنبش کو دیکھ سکتی تھی۔ پریز نے انتہائی کوشش کی کہ وہ اپنے رعشے پر قابو پا لے جو اس پر تپ لرزہ کی طرح مسلط تھا۔ لیکن مریم کی خونخوار نظریں اُس کے قلب کے پار ہوتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کے جواہرات کا آپس میں ٹکرانا، اس کے لباس کی سرسراہٹ، اس کے جسم کی ہلکی ہلکی خوشبو، ان سب نے مل کر ساری فضا کو پُرخوف بنا دیا تھا اور دم بدم کسی مخفی ڈر سے اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

بالآخر پردہ اُٹھ گیا اور اختتامی منظر میں مریم نے اپنے کمال موسیقی کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی اس غضب کا گانا نہیں گایا تھا۔ اس کی دلکش آواز سنہری گھنٹیوں کی گونج کی طرح فضا میں گھومتی رہی اور سامعین فرط حیرت میں ہمہ تن گوش سنتے رہے۔ آخر وہ وقت آ گیا جب خاتون قصہ اپنے دغا باز ملازم پر برہم ہو اور کسی راز کو فاش کر دینے کے قصور پر اُسے "قتل کر دے"۔ نمک حرام ملازم کا پارٹ وہی پریز کر رہا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا اور جوں جوں مریم اس کے قریب آتی گئی، اس کی خشمناک نظروں کو دیکھ دیکھ کر اس کے حواس گم ہوتے گئے، کیونکہ مریم کے ہاتھ میں ہیا نوی خنجر چمک رہا تھا، اور اس سے کہیں بڑھ کر یہ کہ اس کے چہرے کی ہر سطر پر "انتقام! انتقام!" کے الفاظ اُبھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ خوف سے اس کی زبان گنگ تھی اور غصہ سے مریم کا دل پتھر ہو گیا تھا۔ وہ اس پر جھپٹی اور بجلی کی سی تیزی سے وہ خنجر آبدار اس نے پریز کے سینے میں اُتار دیا! ضرب ایسی کاری تھی کہ ایک چیخ نکلی اور وہ ایکا ایکی گر پڑا۔ تماشبین عش عش کر کے اُٹھے "واہ، اس منظر کو حقیقت کے کس قدر قریب کر دکھایا ہے!" لیکن مریم پریز کی نعش کے قریب خاموش و ساکت کھڑی تھی اور منیجر یہ سمجھ کر کہ کوئی خاص بات ہو گئی ہے، مریم کے پاس دوڑا آیا۔ پردہ گرا دیا گیا۔

"ارے! یہ کیا؟" منیجر نے پُر استعجاب لہجے میں کہا "بس اُٹھ بیٹھو، مینو لو!" پھر خون رستا دیکھ کر "ہائیں تم نے تو اسے مار ڈالا!"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہرے سوچ میں غرق تھی۔

"کس قدر خوفناک حادثہ ہے!" پریشان منیجر نے گھبرا کر کہا "اب کیا کیا جائے؟"

مریم ہوش میں آئی اور اس نے جواب دیا "یہ حادثہ نہیں ہے۔ میں نے قصداً اسے قتل کیا ہے۔ اس نے میرے دادا کو جان سے مارا تھا۔ پھر میں کیوں نہ اس کی جان لیتی۔ یہ انتقام بالکل جائز اور منصفانہ ہے!"

اور پھر یکبارگی اس کے جسم میں جنبش ہوئی اور اس نے

انتہائی دردناک آواز میں گانا شروع کیا، ایسا گانا جس کا مفہوم سمجھ سے آس پاس کے خوف زدہ لوگ قاصر تھے مگر جس سے رعب اور دبدبہ مترشح ہوتا تھا:۔

"اے لوگو! اپنے رب کا شکر ادا کرو، کیونکہ وہ رحیم ہے اور اس کا کرم فیضِ جاری کی طرح ہے۔ وہی ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح دیتا ہے کیونکہ اس کا رحم وکرم دائمی ہے!"

پھر یکایک اس کی یہ نغمہ سرائی کسی ہسٹریا زدہ کی چیخوں میں تبدیل ہوگئی اور اُسے اپنے اس دہشت ناک فعل کا احساس ہونے لگا۔ وہ پریز کی لاش سے دو قدم پیچھے ہٹی لڑکھڑائی اور بے ہوش ہوکر گر پڑی۔

(۳)

لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوگیا لیکن مریم ڈیوڈ نے انصاف کی زد سے بچنے کی کوشش نہیں کی۔ اس پر اپنے ایک عزیز جوزف پریز کو قتل کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور وہ مجرم ثابت ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کے بھی بے شمار ثبوت بہم پہنچے کہ مقتول وہی شخص ہے جس نے مریم کے دادا ریوبن ڈیوڈ کو ہلاک کیا تھا اور جسے فرانسیسی پولیس تلاش کرتے تھک گئی تھی۔ تمام حالات پر غور و خوض کیا گیا مگر جیوری نے مریم کی حمایت کی، جس کی بے پناہ موسیقی نے ہر متنفس کو مسحور کر رکھا تھا ہر چند کہ اُسے انصاف اپنے ہاتھ میں لیکر قانون شکنی کرنے پر سخت فہمائش کی گئی، لیکن آخر کار اس کی مدح کرتے ہوئے اُسے بری کر دیا گیا۔ مگر وہ خوبصورت چہرہ، وہ دلنواز آواز، ہمیشہ کیلئے یورپ سے گم ہوگئی۔ مریم کو پھر کسی نے کبھی وہاں نہیں دیکھا۔ افواہ اڑی کہ وہ مرگئی اور عیش اور فیشن کی تلون پسند دنیا میں اُسے بہت جلد بھلا دیا گیا۔

فلسطین میں عام آبادی سے الگ تھلگ ایک چھوٹی سی جائے پناہ ہے جہاں یہودی اساتذہ اڑوس پڑوس کے یہودی بچوں کو درس دیتے ہیں۔ ان اساتذہ میں موسیقی کی اُستانی ایک کم سخن، سنجیدہ اور حسین عورت ہے جس کا پُر شکوہ لحن عجوبہ سے کم نہیں اور جس کے طور طریق کا طلبا پر مستقل اثر ہوتا ہے۔ اہل مدرسہ اُسے مادام ڈیوڈ کہتے ہیں اور اساتذہ میں سے صرف ایک کو معلوم ہے کہ وہ کسی زمانے میں ملکہ اسٹیج اور اوپیرا کی رانی تھی۔ وہ چڑچڑے علاء کیساتھ بھی نہایت تحمل سے رہتی ہے لیکن اپنے مطالبات میں وہ بڑی ضدی ہے اور جس بات پر وہ اڑ جاتی ہے اُس سے کوئی اُسے ٹس سے مس نہیں کرسکتا۔ تمام اساتذہ اس کا بڑا احترام کرتے ہیں مگر محبت اور تکریم کیساتھ وہ اُس سے ڈرتے بھی ہیں۔ اسکی سنجیدہ آنکھیں اور سیاہ بھووں میں کچھ ایسا اثر ہے کہ دیکھنے والا اُن سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہتا اور جو لوگ اسکی داستانِ حیات سے کسی قدر واقف ہیں وہ کبھی کبھی سوچتے ہیں کہ نہ جانے پریز کے قتل پر تاسف ہے یا نہیں لیکن کوئی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کے اعتقادات ان لوگوں کے سے ہیں جو اپنے دشمنوں کے متعلق یہ دُعا مانگتے ہیں:۔

"اے معبود! اُنہیں تیرہ ذلت ہی میں بھٹکتا رکھ! اُنکی گمراہی اور طویل کردے اور اُنہیں اپنے دامنِ رحمت میں کبھی جگہ نہ دے! اے رب اُن کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ اور ان کا نام اپنے نیک بندوں میں نہ لکھ!"

اور جب یہودیوں کے بڑے بڑے تہواروں پر درسگاہ کے سارے اساتذہ اور طلبا دعا کیلئے جمع ہوتے ہیں تو ہر شخص کا دل مریم کی صاف شفاف اور لطیف و شیریں آواز سنکر دھڑکنے لگتا ہے جو کسی فاتح بادشاہ کی طرح فضاؤں کو اپنے ترنم سے لبریز کر دیتی ہے:۔

"اے لوگو! خدا کا شکر ادا کرو جو بڑا مہربان اور سب سے بڑا معبود ہے! جو تنِ تنہا بے شمار کارہائے عظیم انجام دیتا ہے۔ جو بڑے بڑے بادشاہوں کو آنِ واحد میں ختم کر دیتا ہے جس نے ہمیں اُس وقت یاد رکھا جب ہم مصیبتوں میں گھرے ہوئے تھے، اور جس نے ہمیں ہمارے دشمنوں سے نجات دی! ہاں اُس خدائے آسمان کا شکر ادا کرو، جس کا بابِ رحمت ہمیشہ کھلا رہتا ہے!" اور شاید یہ صحیح ہے کہ مریم کو وہ علاقہ کہیں پہنچاتو م

تیراکی سے بہرہ پن

اکتوبر ۱۹۳۹ء کے عصمت میں میرا ایک مضمون "کان اور اس کی احتیاط" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ مضمون بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور ایک انگریزی اخبار سے ماخوذ ہے جو ایک مستند اور ماہر طبیب نے اپنے صدہا تجربات کے بعد سپرد قلم کیا تھا۔ گو عام طور پر اس مضمون سے ہماری پردہ نشین اور مسلم خواتین ایک حد تک استفادہ حاصل نہیں کر سکتیں کیونکہ یہ مضمون ان لوگوں سے متعلق ہے جو سیومنگ (Swimming) یعنی تیراکی کا شوق رکھتے ہوں ہندوستانی عورتوں میں اول تو بہت ہی کم کو اس کا شوق ہوتا ہے دوسرے جنہیں ہوتا ہے وہ لباس کی غیر موزونیت اور اپنی فطری حیا کے باعث یہ شوق پورا نہیں کر سکتیں۔ تاہم اس کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات بعض اوقات نہایت کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ اور اسکے علاوہ صحت عامہ کے متعلق معلومات رکھنا ہر خانہ دار بیوی ہی کے لئے نہیں بلکہ ہر بال بچے والی خاتون کیلئے بیحد ضروری ہے۔ لہٰذا عصمتی بہنوں کی معلومات عامہ کے مدنظر یہ ترجمہ پیش کرتی ہوں۔ "جب تم تیرنے جاؤ" کے عنوان سے طبیب مذکور لکھتے ہیں کہ اس سے پیشتر کہ تم تیرنے کے لئے جاؤ بطور حفظ ما تقدم پہلے اپنے کان کو بذریعہ سرنج دھو کر میل کچیل سے اچھی طرح پاک کر لو۔ مجھے ہر سال ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا رہا جو تیراکی سے واپسی پر کان کے درد اور بہرے پن کی شکایت میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ اور عام طور پر اس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ غوطہ لگاتے وقت کان میں تھوڑا سا پانی رہ جانے اور پھر نہ نکلنے کی وجہ سے اس قسم کی تکلیف ہوا کرتی ہے۔ مگر دراصل حقیقت یہ ہوتی ہے کہ کان میں جو کچھ میل کچیل ہوتا ہے وہ سوکھا اور سخت کان کے اندرونی حصہ میں چپکا ہوا ہوتا ہے۔ جب پانی میں غوطہ لگایا جاتا ہے تو کان میں پانی جانے کی وجہ سے وہ نرم ہو کر پھول جاتا ہے۔ دوبارہ غوطہ لگانے پر وہ چھٹ کر اور پانی کے دباؤ و تیزی کی وجہ سے پردہ سماعت پر جا لگتا ہے جس سے بعض اوقات شدید ضرب کی وجہ سے پردہ سماعت چاک ہو جاتا ہے۔ محض یہ ذرا سی غفلت پردہ سماعت کو چاک کر کے بہرہ پن کا باعث بن جاتی ہے اور کبھی شدید درد اور ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جس کا واحد علاج صرف یہ ہے کہ فوراً کان دھو کر میل کچیل کو نکالا جائے جس سے فوری آرام مل جاتا ہے۔ مگر یہ عمل خود اپنے آپ پر نہ کریں اور نہ زیادہ سختی سے کریں سب سے بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں کسی آزمودہ کار اور تجربہ کار ڈاکٹر سے سرنج کرا لیا جائے۔ اس کے علاوہ کبھی بھول کر بھی کان کسی اور طریقہ کان کھجانی ہیرپن یا اور کوئی دوسرے تکلیف دہ اوزار سے صاف کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ یہ نہایت خطرناک طریقہ ہے جس سے اکثر اوقات اور اکثر حالتوں میں ایسے احمقانہ فعل سے مستقل طور پر پردہ سماعت چاک ہو جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ تمہیں کبھی کان کی سماعت میں کچھ فرق معلوم ہو یا کان میں سائیں سائیں کی آوازیں معلوم ہوں تو اس کا نوے فیصدی سبب کان میں اٹے ہوئے میل کچیل کا ہے جو سوکھ کر سخت ہو جانے کے باعث بعض وقت سرنج سے بھی آسانی سے نہیں نکلتا۔ اس کا بہترین اور آسان ترین علاج یہ ہے کہ تین چار یوم ہر شب سونے سے پیشتر روغن بادام ذرا سا گرم کر کے سرنج کرنے سے پہلے کان میں ہر روز ڈالا کریں اس عمل سے جو کچھ میل کچیل ہوگا ملایم ہو کر اس قابل ہو جائیگا کہ آسانی سے نکل آئے اسوقت سرنج کرا لیں۔ پھر یہ تکلیف جاتی رہے گی۔ ان تمام تکالیف سے محفوظ رہنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تیراکی سے پیشتر اسکی احتیاط اور صفائی کر لی جائے تاکہ کان میں میل کچیل نہ رہنے پائے تاکہ بعد میں یہ معمولی بد احتیاطی خطرناک تکالیف کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو۔

ب۔ ن۔ النسہ ابراہیم مدراس

دُودھ

دُودھ مکمل ترین غذا ہے۔ اس میں وہ تمام اجزا موجود ہیں جو صحت کے لئے بیحد ضروری ہیں مثلاً فاسفورس کیلیم اور وٹامنز۔ فاسفورس دماغ کی نشو ونُما کے لئے نہایت مفید ہے۔ دُودھ میں جو فاسفورس پایا جاتا ہے۔ وہ اطبار کے نقطۂ نظر سے بہترین ہے۔ کیلیم ہڈی اور دانت مضبوط کرنے کے لئے ازبسکہ ضروری ہو۔ اس کا بھی ایک بہت بڑا حصّہ دُودھ میں موجود ہے۔ وٹامنز انسان کے جسم کو طاقت دینے کے لئے اشدلازمی ہیں۔ دُودھ میں وٹامن بہت بڑی مقدار میں شامل ہے۔

سبزیوں، پھلوں اور اناجوں میں بھی مختلف تعداد اور مختلف مقدار میں مندرجہ بالا اجزائے غذائیت پائے جاتے ہیں۔ لیکن دُودھ میں سب اجزا بڑی مقدار میں موجود ہیں۔ اس لئے صحت کو برقرار رکھنے کے لئے کسی نہ کسی صورت میں دودھ کا استعمال ضروری ہے۔ انسان کے لئے خدا نے جتنی غذائیں بہم پہنچائی ہیں۔ ان میں سے دودھ سے بہتر اور کوئی غذا نہیں۔ بچہ کے ابتدائی سال صرف دُودھ ہی کے استعمال پر گذرتے ہیں۔ اس وقت اگر بچہ کو کوئی اور غذا چکھائی بھی نہ جائے۔ تو بھی وہ پوری طرح نشو ونُما پاتا ہے۔ بلکہ دوسری غذائیں کھانیوالے بچوں سے زیادہ صحت ور اور مضبوط ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دُودھ ہی ایک ایسی غذا ہے جسے مکمل غذا کہا جا سکتا ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ کچا دُودھ ہرگز نہ پینا چاہیئے۔ لیکن اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ کہ پینے کے لئے جو دودھ استعمال کیا جائے اُسے صرف ایک ہی جوش دیں۔ بلکہ بعض اچھے اچھے ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ جس وقت دیکھو کہ جوش آنے والا ہے دُودھ فوراً آگ پر سے اُتار لو۔ اور استعمال میں لے آؤ۔ زیادہ دیر گرم ہونے سے دُودھ کی غذائیت جل جاتی ہے۔ پہلے زمانہ کے لوگوں کا خیال تھا کہ جب تک دُودھ کو تین جوش نہ آجائیں۔ پینا نہ چاہیئے۔ لیکن موجودہ زمانہ کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ اس صورت میں وٹامنز ایک خاص حد تک تلف ہو جاتے ہیں۔

بھینس کی نسبت گائے کا دُودھ زود ہضم ہوتا ہے۔ لیکن اکثر گائیں دق کا شکار ہوتی ہیں اس لئے گائے خریدنے سے پہلے اس بات کا خوب اچھی طرح سے اطمینان کر لینا چاہیئے بیمار تو نہیں ہے اور پھر جبتک وہ دُودھ دیتی رہے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ تندرست گائے کے دُودھ کا دہی، مکھن اور چھاچھ بیحد مفید چیزیں ہیں جن کے استعمال کرنے کے لئے ہیں۔ حکیم اکثر بطور دوائیوں کے ہدایت کرتے ہیں۔ البتہ بھینس کا

دُودھ ذائقہ میں اچھا ہوتا ہے - اور طاقت ور بھی ہوتا ہے - جو شخص صحت ور ہو اُسے بھینس کا دُودھ استعمال کرنا چاہیئے - اگر یہ اچھی طرح ہضم ہو جائے تو گائے کے دُودھ سے کہیں زیادہ طاقت بخشتا ہے -

اطبار کی رائے ہے کہ دُودھ بہت جلد دوسری چیزوں کو جذب کر لیتا ہے - لہٰذا ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے کہ دُودھ جراثیم سے بچا رہے - بالخصوص گرمیوں کے دنوں میں زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے - مکھیوں سے تو بیحد پرہیز چاہیئے - جب مکھیوں کے ذریعہ ایک دفعہ جراثیم دُودھ میں داخل ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی تعداد بہت سرعت کے ساتھ بڑھ جاتی ہے - چنانچہ دُودھ کو ایک لمحہ کے لئے بے ڈھکے نہ رکھا جائے -

گائے اور بھینس کے رہنے کی جگہ کی صفائی کا اہتمام ضروری ہے - اور دُودھ دُوہنے والا بھی صاف ستھرا آدمی ہونا چاہیئے - اسی طرح دُودھ دُوہنے والے برتن اپنی نگہداشت میں صاف کرانے چاہئیں - ہماری ایک ملنے والی قابل لیڈی ڈاکٹر کو دُودھ کی صفائی کا بہت خیال رہتا تھا - اور خالص دُودھ کی بیحد شوقین تھیں - چنانچہ بازاری دُودھ سے ہمیشہ پرہیز کرتیں - ایک تندرست چھوٹے سے بچہ والی گائے گھر پر رکھتیں - ان کی والدہ محترمہ گائے کے چارے وغیرہ کا انتظام کرتیں - دُودھ والے برتن اپنی نگرانی میں دوائیوں سے صاف کروائے جاتے - اور دُودھ دُوہنے والے کے ہاتھ لوشن سے دُھلوائے جاتے -

سری نگر میں ہمیں مہاراجہ کی خاص گائیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا - ایسی تندرست موٹی موٹی گائیں تھیں کہ کیا بتاؤں - کہتے تھے کہ انگلینڈ سے منگوائی گئی ہیں - ان کی رہنے کی جگہ نہایت پاکیزہ سیمنٹ شدہ تھی - گندگی کا نام نہ تھا - ان کے لئے جو ملازم مقرر کئے گئے تھے نہایت صاف تھے -

بازاری دُودھ پینے کے لائق نہیں ہوتا - وہ کان دار دیانت دار نہیں ہوتے - ہم وزن پانی ملا دینا، کچے دُودھ پر سے مکھن اُتار لینا، گاڑھا کرنے کے لئے سنگھاڑے کا آٹا ملا دینا، دیر تک رکھنے کے لئے سہاگہ ڈال دینا معمولی باتیں ہیں - وہ گائے بھینسیں جن سے دُودھ حاصل کیا جاتا ہے اکثر بیمار ہوتی ہیں - دُودھ دوہنے والے اس قدر غلیظ ہوتے ہیں کہ الامان! برتن کبھی صاف نہیں کئے جاتے - بلکہ اکثر بازاروں میں حلوائیوں کی دُکانوں پر دیکھا گیا ہے کہ جب بڑی بڑی کڑاہیاں جن میں دُودھ گرم کیا جاتا ہے، خالی ہو جاتی ہیں تو نیچے رکھ دیتے ہیں - نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کتوں کی عید ہو جاتی ہے - مزے سے چاٹتے رہتے ہیں - مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں - اور جب دوبارہ ضرورت پڑتی ہے بغیر صاف کئے دُودھ ڈال دیا جاتا ہے - لیکن چونکہ ہر ایک شخص تو گائے بھینس رکھ نہیں سکتا بعض اپنے افلاس کی وجہ سے اور بعض جگہ بجگہ پھرنے کی وجہ سے اس لئے بازار سے دُودھ خریدتے وقت احتیاط لازم ہے، خواہ قیمت زیادہ ادا کی جائے - لیکن دودھ خالص ہو - ڈیریوں کا دودھ جو بڑے بڑے شہروں میں مل جاتا ہے تسلی بخش ثابت ہوتا ہے - گندے بازاری دُودھ سے وبائی مرضوں کا

شکار ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

لعاب دہن، جسے انگریزی میں سیلیوا کہتے ہیں یہ غذا ہضم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ چاہیئے کہ دودھ کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ چائے کی طرح لئے جائیں، خواہ دودھ ٹھنڈا ہی ہو۔ ایک ہی سانس میں دودھ کبھی نہ پینا چاہیئے۔ ایک ایک گھونٹ پینے سے لعاب دہن پیدا ہوتا جائیگا۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ دودھ کے ساتھ ایک ٹکڑا کیک، پیسٹری یا ڈبل روٹی کا کھایا جائے۔ ان کے چبا چبا کے کھانے سے لعاب دہن پیدا ہوتا جائیگا۔

دودھ کے پینے سے فوراً پہلے مچھلی یا خربوزہ نہ کھانا چاہیئے۔ اس سے برص اور فالج میں گرفتار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ترش چیز بھی دودھ کے ساتھ کھانے سے پرہیز چاہیئے۔ دودھ سے بنی ہوئی دوسری چیزیں مثلاً دہی، مکھن، ملائی، پنیر وغیرہ بھی صحت کے لئے مفید ہیں۔

دورِ جدید کی لڑکیاں دودھ کے استعمال سے یوں گھبراتی ہیں جیسے لاحول سے شیطان! ان کا خیال ہے کہ دودھ نزاکت کا دشمن اور موٹاپے کا مددگار ہے۔ لیکن یہ بے حقیقت بات ہے۔ امریکہ میں دبلے ہونے کا کورس جو ڈاکٹر بتاتے ہیں اس میں دودھ اور کیلوں کا بڑا حصہ شامل ہوتا ہے۔ البتہ گھی اور گوشت کھانے والے بہت جلد موٹاپے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں کئی ایسے اشخاص کو جانتی ہوں جن کی غذا کا زیادہ حصہ دودھ پر مشتمل ہے۔ لیکن وہ ایسے دبلے پتلے ہیں کہ بید مجنوں کی طرح کانپتے ہیں۔

سرور رعنا بی۔اے

باقی صفحہ ۴۶۳

منگنی اور شادی ہونے کے درمیانی وقفہ میں لڑکا اپنی منگیتر کو خاص خاص موقعوں پر تحفے تحائف بھیجتا رہتا ہے۔

لاسی قوم میں طلاق کا رواج بہت کم ہے۔ اور اسی طرح ایک سے زیادہ شادی کرنے کا۔ عورت کو گھر کا ہر قسم کا کام کرنا پڑتا ہے۔ اور اُسے جائداد میں شرعی حق ملتا ہے۔ اُسے دیگر اقوام کی عورتوں کی طرح اپنے خاوند کے کام کاج میں بھی ہاتھ بٹانا پڑتا ہے۔

بیگم صفیہ نذیر

باقی صفحہ ۴۷۶

جو عام عمارتوں میں تاج محل کا۔

عورت کو انسانیت کے حقوق سے محروم رکھنا اور اس کو محض سامان عیش سمجھ لینا یقیناً مرد کے دامن پر ایک سیاہ داغ ہے۔ لیکن عورت کو نسوانیت سے محروم کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔

سید محمد یوسف

بلوچستان میں رسوم شادی

مجھے بلوچستان آئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ مگر اس دوران میں میں یہاں کے لوگوں کا بغور مطالعہ کر رہی ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر ازحد حیرت ہوتی ہے کہ ان لوگوں کا طرز بود وباش وعام حالات دیگر صوبوں سے اس قدر مختلف ہیں کہ بعض وقت تو یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا یہ صوبہ بھی اسی ہندوستان کا ایک حصہ ہے جو اپنی ہر اچھی وبری روش کو چھوڑ کر یورپ کے رنگ میں رنگے جانے کا خواہاں ہے۔ مگر یہاں یہ حال ہے کہ جس جگہ یہ لوگ آج سے پچاس سال پہلے تھے وہاں سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ کوئی خاص عملی کوشش ان لوگوں کی اصلاح کے لئے نہیں کی گئی یا تعلیم کی کمی کی وجہ سے یہ لوگ باہر کے حالات سے قطعاً بے خبر ہیں۔ اور اس لئے ان میں مادۂ تقلید مفقود ہے۔

بلوچستان کا بیشتر حصہ غیر آباد و پہاڑی ہے۔ بعض علاقے تو ایسے ہیں جہاں پر سخت سردی و برف باری ہوتی ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں ایسے علاقہ بھی ہیں جو دُنیا بھر میں خشک ترین خیال کئے جاتے ہیں۔ بارش کی کمی کی وجہ سے پیداوار بھی بہت کم ہے۔ اور عام لوگ خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام پیشہ زراعت وبھیڑ بکری پالنا ہے۔

ان لوگوں کی عام خوراک گندم یا جوار کی روٹی اور گوشت ہے۔ چونکہ غربا کو ہر وقت گوشت میسر نہیں آسکتا اس لئے وہ قُدرتی پیداوار گھاس پات نیز دال وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔ موسم سرما میں خشک شدہ گوشت جسے وہ اپنی زبان میں "لاندھی" بولتے ہیں۔ قریباً ہر گھر میں شوق سے پکایا جاتا ہے۔ بغیر دُودھ کی چائے دن میں متعدد بار پی جاتی ہو۔ تمباکو کی نسوار کھانے اور اس کے پینے کا عام رواج ہے۔ بچپن سے ہی بچے ان چیزوں کے شائق نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خوبصورت اور پیارے پیارے بچے جوں جوں بڑے ہوتے ہیں اپنی خوبصورتی کھوتے چلے جاتے ہیں۔

صفائی کے نام سے بھی یہ لوگ واقف نہیں ان کے گھر اور ان کے کپڑے بیحد غلیظ ہوتے ہیں۔ شادی سے قبل عورتیں تندرست وتوانا ہوتی ہیں۔ مگر شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ان کا سارا رنگ روپ ختم ہو جاتا ہو اور وہ قبل از وقت عمر رسیدہ ہو کر مختلف بیماریوں میں مبتلا رہتی ہیں۔ حال ہی میں تحقیق ہوا ہے کہ ان میں دق کا مرض بہت زیادہ پایا جاتا ہو۔ جس کی وجہ خوراک کی کمی اور کام کی زیادتی ہے۔ یہاں عورت کی گھر میں کوئی حیثیت نہیں۔ وہ گھر میں بجائے ایک رفیقۂ حیات کے ایک غلام جیسی ہو۔ اسے دیگر گھر کی ذمہ داریوں کے علاوہ ذریعہ معاش میں بھی

خاوند کا ہاتھ بٹانا پڑتا ہے ۔ محنت کی زیادتی اس کی صحت کو جلد خراب کر دیتی ہے ۔ لڑکی کی قیمت وصول کرنے کا عام رواج ہے ۔ لڑکی جب جوان ہوتی ہے تو اس کے والدین و دیگر بزرگ عام مجلسوں میں اس کے حُسن و خوبی کا شہرہ کرنا باعث فخر خیال کرتے ہیں ۔ کیونکہ اس پر لڑکی کی قیمت کا دارومدار ہوتا ہے ۔ یہ قیمت چند روپوں سے لے کر ہزاروں تک ہوتی ہے ۔ تعلیم نسواں کا قطعاً رواج نہیں ۔

یہاں کی عورتوں کا عام لباس ایک موٹا دوپٹہ ۔ گھٹنوں سے نیچی قمیص جس کی آستینیں بہت کھلی اور سامنے گھیر پر بہت بڑی جیب لگی ہوئی ہوتی ہے ۔ اور بہت بڑے گھیر کی تنگ پائچوں کی شلوار ہے ۔ سُرخ رنگ بہت زیادہ مقبول ہے ۔ قمیصوں و شلواروں کے پائچوں پر اکثر بہت باریک قسم کا کشیدہ کا کام بنا ہوا ہوتا ہے جوتی بہت کم پہنتی ہیں ۔ پٹھانوں کی ایک قوم کاکڑ ہے جو لمبی قمیص کے ساتھ پوری شلوار نہیں پہنتی بلکہ صرف پنڈلیوں پر چوڑی دار پائنچہ پہنتی ہیں ۔

کنواری لڑکیوں کے بال شادی شدہ عورتوں سے مختلف ہوتے ہیں ۔ کنواری لڑکیاں باریک مینڈھیاں کر کے چوٹی گوندتی ہیں ۔ اور شادی شدہ کانوں کے نیچے سے لٹ لے جا کر چوٹی گوندتی ہیں ۔ بلوچی عورتیں زیورات کی بیحد شوقین ہوتی ہیں ۔ حسب حیثیت سونے چاندی کے زیورات عام پہنے جاتے ہیں ۔

نتھ ، بالیاں ، ہار ، چوڑیاں ، انگوٹھیاں زیادہ مروج ہیں ۔ یہاں کی مشہور اقوام مندرجہ ذیل ہیں ۔

بلوچ ۔ پٹھان ۔ بروہی ۔ لاسی ویسے تو دیگر بے شمار قومیں ہیں مگر یہاں پر صرف ان ہی کا ذکر کیا جائیگا ۔

بلوچ بلوچ قوم میں منگنی کی رسم ادا کرنے کے لئے لڑکے والے لڑکی والوں کے گھر جمع ہوتے ہیں ۔ لڑکی کا باپ ایک پیالہ میں دُودھ پیش کرتا ہے ۔ جس میں لڑکے کا باپ کچھ روپے ڈال دیتا ہے پھر یہ پیالہ تمام مجلس میں پھرایا جاتا ہے اور اس میں دیگر افراد بھی کچھ نہ کچھ ڈال دیتے ہیں ۔

اگلے روز لڑکی کا باپ ایک دعوت دیتا ہے جس میں میٹھی اشیاء کا عنصر زیادہ ہوتا ہے ۔ دعوت کے اختتام پر خسر اپنے داماد کو ایک لنگی یا حلوان کا کپڑا بطور تحفہ پیش کرتا ہے ۔ اور شادی کی تاریخ مقرر ہو جاتی ہے ۔

شادی سے چند دن قبل لڑکے کی کلائی کو گان باندھ دیا جاتا ہے ۔ اس دن سے لڑکا اپنے پاس چاقو یا تلوار رکھتا ہے تاکہ جن بھوت کے سایہ سے محفوظ رہے ۔ شادی کے دن سات سہاگنیں آٹا پیستیں ہیں جسکو دولہا دلہن شادی کے بعد کئی دن استعمال کرتے ہیں ۔ شادی ہونے سے ایک رات قبل برات لڑکی کے گھر آجاتی ہے ۔ اس وقت ایک کپڑا جس کے چاروں کونوں میں لونگ الائچی اور دیگر چند ایک اشیاء باندھی ہوئی ہوتی ہیں لڑکے کے اُوپر پھیلائی جاتی ہیں ۔ پھر اسے ایک جنڈ کے درخت کے پاس لایا جاتا ہے جس کے گرد وہ سات چکر لگاتا ہے ۔ اور ایک ہی تلوار کی ضرب سے اس کی ایک شاخ کاٹ ڈالتا ہے ۔ پھر اسی کپڑے کے سایہ میں لڑکی

کے گھر آجاتا ہے جہاں بعد دعوت نکاح پڑھایا جاتا ہے۔ بعد ازاں لڑکے کو لڑکی کے کمرے میں لایا جاتا ہے کنبہ کی ایک معمر عورت لڑکے کو ایک نمک کی ڈلی پیش کرتی ہے۔ جسے وہ لڑکی کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ پھر وہی عورت روٹی کا ٹکڑا لڑکی کے ہاتھ پر رکھ دیتی ہے۔ جسے لڑکا اٹھاتا ہے۔ اس کے بعد لڑکی کی مٹھی میں گڑ رکھا جاتا ہے۔ وہ مٹھی کو زور سے بند کرتی ہے۔ لڑکا اسے اپنے ایک ہاتھ سے کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ اسے کھولنے میں ناکام رہے تو وہ اپنے آپ کو بیوی کے تابع ہونے کا اعلان کر دیتا ہے۔ اور بیوی خود ہی مٹھی کھول دیتی ہے۔ پھر بزرگ عورتیں ان کے سر آپس میں سات دفعہ جوڑتی ہیں۔ دوسرے روز برات بمع دُلہن واپس گھر آجاتی ہے۔ اور ایک دو دفعہ کی آمد و رفت کے بعد وہ باقاعدہ زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔

پٹھان پٹھانوں میں بھی دیگر اقوام کی طرح قیمت وصول کیجاتی ہے۔ جو دو سو سے لیکر پانچ ہزار تک ہوتی ہے۔ لڑکے کا باپ اپنے چند بزرگوں کے ساتھ لڑکی والوں کے ہاں جاتا ہے جہاں طرفین کی پسندیدگی ہونے پر قیمت اور جہیز و بری کی چیزوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ منگنی کو پختہ کرنے کے لئے دلہن کی ماں سمدھی کو ایک سوئی جیس ریشمی دھاگا پڑا ہوتا ہے پیش کرتی ہے۔ غالباً اس سے رشتہ کو پختہ جوڑنے کا شگون لیا جاتا ہے۔ دنبہ یا بکرا کاٹ کر سب کو کھانا کھلواتے ہیں۔ اور بندوقیں چلا کر خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

قریباً ایک ماہ بعد اس مقرر شدہ رقم کا کچھ حصہ ادا کر دیا جاتا ہے۔ اور اس پر لڑکی کے باپ کی طرف سے سب مہمانوں کو سبز ریشمی رومال پیش کئے جاتے ہیں اور اسی وقت نکاح خوانی ہو جاتی ہے۔ مگر اس نکاح میں خود لڑکا شریک نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی طرف سے ایک اور شخص نمائندہ بن کر آتا ہے۔ اس دن خوب ناچ بھی ہوتا ہے۔ گو یہ نکاح مکمل نہیں ہوتا مگر لڑکی کی والدہ کی اجازت سے لڑکا مکان کے اندر آسکتا ہے اور دلہن اس سے پردہ نہیں کرتی۔ پھر کچھ دنوں بعد رخصتی کی رسم ہوتی ہے۔ لڑکا مع عزیزوں کے دُلہن کا جوڑا اور زیورات لے کر سسرال جاتا ہے۔ ادہر سے اسے بھی کپڑے وجہیز وغیرہ ملتا ہے۔ اس بری کے جوڑے کو عورتیں بہت احتیاط سے سنبھال کر رکھتی ہیں۔ دُلہن کو گھر لانے پر پھر باقاعدہ نکاح پڑھایا جاتا ہے اور خوب دعوتیں وغیرہ ہوتی ہیں۔ لڑکی والوں کے گھر جو دعوتوں وغیرہ پر خرچ ہوتا ہے ان سب کا ذمہ دار لڑکا ہوتا ہے جو ایک سو سے لیکر پانچسو تک ہو جاتا ہے۔ اس طرح ان کی شادی مکمل ہو جاتی ہے۔

اگر لڑکی بیوہ ہو جائے تو اسے اپنے دیور یا جیٹھ سے نکاح کرنا ہوتا ہے خواہ اس کی پہلی کتنی ہی بیویاں ہوں۔ طلاق کا اقدام اگر عورت کی طرف سے ہو تو جس سے وہ نکاح ثانی کرے اسے اس سے پہلے خاوند کو اس کی ادا کردہ رقم کا ½ حصہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

طلاق دینے کا طریقہ بھی نرالا ہے یعنی مرد عورت کی طرف آکر تین مٹی یا پتھر کے ڈھیلے پھینک دے تو

طلاق ہوجاتی ہے۔ مطلقہ کو سوائے اپنے ان کپڑوں کو جو اس نے اس وقت پہنے ہوں جہیز کی کسی چیز کے اٹھانے کا حق نہیں۔

پٹھان عورتوں کو کسی حالت میں بھی حق وراثت نہیں ملتا۔ بیوگی کی صورت میں خاوند کی جائداد سے بہت تھوڑی رقم گذر اوقات کے لئے ملتی رہتی ہے۔

بروہی رشتہ منتخب ہونے میں لڑکی و لڑکے کو کسی قسم کی رائے دینے کا حق نہیں ہوتا۔ ایک عورت جاکر لڑکی کو پسند کرآتی ہے۔ پھر طرفین کی منظوری پر لڑکے والے لڑکی کو ایک دوپٹہ اور ایک انگوٹھی پیش کرتے ہیں۔ اسے بجنسہ منگنی تصور کیا جاتا ہے اور اس سے انحراف سخت معیوب خیال کیا جاتا ہے۔

قیمت لینے کا بھی دیگر قوموں کی طرح رواج ہے۔ مگر بعض وقت نہیں بھی لیجاتی۔ ایسی صورت میں عند الطلب حق مہر مقرر کیا جاتا ہے۔ جو خاوند کو دینا لازمی ہوجاتا ہے۔ جسے وہ روپے زیور زمین بھیڑ بکری کی صورت میں ادا کرتا ہے۔ عورت اس کی پوری حقدار ہوتی ہے۔ منگنی کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر ہوتی ہے۔ دیگر اقوام کی طرح چند رسوم کے بعد شادی انجام پاجاتی ہے۔ نکاح کے ہر قسم کے اخراجات کا ذمہ وار لڑکا ہوتا ہے۔ نکاح کے بعد لڑکا سسرال میں چند دن یا اکثر اوقات مہینوں رہتا ہے۔ پھر جہیز وغیرہ لے کر اپنے گھر آجاتا ہے۔

بیوہ کی شادی پر کوئی رسم نہیں ہوتی صرف نکاح ہی کیا جاتا ہے۔ حق مہر بجائے روپے وغیرہ کی صورت میں دینے کے صرف یہ کہہ کر ادا کردیا جاتا ہے کہ میں نے اپنے ثواب کا تہائی یا چوتھائی حصہ جو مجھے اگلے جہان میں ملے گا تمہیں دیا۔ وہ اسے قبول کرلیتی ہے اور اس طرح مہر ادا ہوجاتا ہے۔ ان لوگوں میں طلاق کا رواج کم ہے اور اسی طرح ہے جس طرح پٹھانوں میں۔

لاسی بلوچستان کی دوسری اقوام کی طرح اس قوم میں بھی بیوی کا انتخاب لڑکے کے والدین ہی کرتے ہیں۔ لڑکے کے والدین چند رشتہ داروں کے ساتھ لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور لڑکی کیلئے استدعا کرتے ہیں۔ اگر منظور ہوجائے تو لڑکی کو کپڑے اور نقدی بطور تحفہ دیتے ہیں۔ ان تحائف میں ایک انگشتری ضرور ہوتی ہے جو لڑکی اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہن لیتی ہے۔ لڑکی کے والدین پھر ایک دودھ کا پیالہ لاتے ہیں جس میں چینی ملائی جاتی ہے۔ اور اس پیالہ میں سے ہر ایک تھوڑا تھوڑا دودھ پیتا ہے۔ اس کے بعد دعائے خیر کیجاتی ہے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیجاتی ہے۔ اس طرح منگنی کی رسم ادا ہوتی ہے۔ اس کے بعد شادی کی تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اس روز برات لڑکی کے گھر آتی ہے۔ جہاں ان کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ لیکن سارے اخراجات لڑکے والوں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے بعد نکاح ہوتا ہے۔ خاوند بیوی کو ایک جوڑا پوشاک پیش کرتا ہے۔ جو رخصتی کے وقت دلہن پہن لیتی ہے۔ لڑکی کو اس کے والدین بھی گھر کی اشیا پوشاک وغیرہ دیتے ہیں (باقی صفحہ ۴۹۵ پر)

ڈِسپیپیا DYSPEPSIA

یہ مرض آج کل جس قدر عام ہے اُسی قدر مختلف النوع اس کی علامات ہیں اور اسی قدر کثرت سے معالجین اس کی تشخیص میں عموماً غلطی کرتے ہیں۔ اور بیچارے مریض اس کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے تھکے جاتے ہیں آخر میں بعض تو زندگی سے بیزار اور ہر قسم کے علاج سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس کے بعض عمومی اسباب جو روزمرہ کی زندگی سے وابستہ ہیں اور بعض نمایاں اور مخصوص علامات جن سے اس امر کی تشخیص میں مریض بھی معالج کو کچھ مدد دے سکے افادہ عام کے لئے لکھتی ہوں۔ اُمید ہے کہ ناظرین وناظرات رسالہ توجہ کے ساتھ مطالعہ کرکے ضروری باتوں کو نوٹ کرلیں گے اور اس کے مطابق احتیاط کرکے فائدہ اُٹھائیں گے۔

اس کے اسباب کی فہرست میں مندرجہ ذیل امور داخل ہیں:—

غذا کی مقدار میں یا نوعیت میں یا اوقات میں یا ترتیب وترکیب میں بے اعتدالی مثلاً بھوک سے زائد کھا لینا یا ایسی چیزیں کھانا جو اپنے مزاج سے موافقت نہ کرتی ہوں خصوصاً نشاستہ دار و ثقیل اور تلی ہوئی چیزیں زیادہ کھانا۔ یا بے وقت کھانا یا پیٹ بھرے پر تھوڑی دیر بعد کچھ کھا لینا۔ یا دوستوں کی پارٹی میں بار بار تواضع کے طور پر کھانا پینا یا جلدی جلدی بغیر اچھی طرح چبائے کھانا اور پھر جلد مشقت کے کام میں یا مطالعہ میں یا دوسرے دماغی کام میں لگ جانا۔ ایک ہی قسم کی غذا کا معمول کرلینا۔ زیادہ مرچ مصالحہ استعمال کرنا۔ کھانا کھانے کے درمیان میں یا فوراً بعد پانی بہت زیادہ پینا (جن کے معدے گرم ہیں وہ پی سکتے ہیں) خصوصاً جن کا معدہ کمزور ہو اور اس میں حرارت کم ہو محرکات مثلاً چائے کافی شراب تمباکو وغیرہ پینا۔ پانی بہت زیادہ پینا۔ معمولی ورزش نہ کرنا اور خصوصاً تفکرات و صدمات میں مبتلا ہونا۔ فاقہ کشی کرنا۔ زیادہ جاگنا۔ زیادہ بیٹھے رہنے کا کام یا پیشہ کرنا۔ بعض موروثی امراض مثلاً خون کے نقائص گٹھیا بواسیر وغیرہ۔

علامات میں مندرجہ ذیل زیادہ قابل لحاظ ہیں:—

ہاضمہ خراب ہوتا ہے۔ بھوک بے ترتیب ہوتی ہے کبھی تو کھانے کو جی نہیں چاہتا اور کبھی شدت کی بے قرار کردینے والی بھوک لگتی ہے کھانا کھانے کے بعد پیٹ میں کم وبیش بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔ مقررہ وقت سے بہت زیادہ دیر میں کھانا ہضم ہوتا ہے۔ کبھی کلیجہ جلتا ہے ڈکاریں آتی ہیں منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ تھوک زیادہ خارج ہوتا ہے پیٹ بھاری اور پھولا ہوا ہوتا ہے۔ کبھی قبض ہوتا ہے کبھی دست آجاتے ہیں۔ کبھی کئی مرتبہ میں تھوڑی تھوڑی اجابت ہوا کرتی ہے۔ سر بھاری ہوتا ہے۔ کسی وقت آنکھوں میں جلن اور جسم میں گرمی محسوس ہوتی ہے۔

کبھی پیاس زیادہ لگتی ہے اور کبھی کم۔ گاہے اختلاج ہوجاتا ہے۔ جس کی وجہ عموماً پیٹ کی ریاح ہوا کرتی ہے۔ اس ریاح سے کسی وقت اس قدر طبیعت خراب ہوتی ہے کہ ہارٹ فیل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے (اگرچہ ہارٹ فیل کبھی نہیں ہوتا) سینہ و حلق میں دھواں محسوس ہوتا ہے پسلیوں میں چبھن ہوتی ہے۔ سینہ میں درد بھی ہوسکتا ہے۔ نیچے کی طرف۔ چلنے پھرنے میں بعض کمزور مریضوں کا سانس کچھ پھولنے لگتا ہے۔ اعضا شکنی ہوتی ہے مریض کم ہمت ہوجاتا ہے۔ بعض مریضوں کی پیٹ کی کھال بھی دُکھتی ہے۔ غذا کے فوراً بعد یا کچھ دیر بعد یا زیادہ دیر بعد سوزش درد ہوتا ہے متلی اور قے بھی ہوسکتی ہے۔ ایسا نفخ ہوتا ہے جس سے کبھی منہ میں غذا کا مزہ آتا ہے۔ پیٹ بے وقت بھی بھرا بھرا معلوم ہوتا ہے۔ حلق میں کوئی شے ایسی معلوم ہوتی ہے جسے نگلنے یا کھنکارنے کی ضرورت محسوس ہوا کرتی ہے۔ کبھی اسی بدہضمی سے کھانسی کی شکایت بھی ہوجاتی ہے۔ بلغم بھی نکلتا ہے تبخیر بھی ہوجاتی ہے۔ اور معالج پیٹ کو چھوڑ کر سینہ اور پھیپھڑے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دق وسل کے علاج تک پہونچ جاتا ہے اور کبھی تو عکس ریز فوٹو میں پھیپھڑے میں خرابی بھی نظر آنے لگتی ہے لیکن دراصل یہ سب کچھ اسی مرض کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ منہ سے بدبو آتی ہے۔ پیشاب میں سفیدہ مادہ (فاسفیٹ) خارج ہوتا ہے کمزوری بڑھتی جاتی ہے اور مریض حیران ہوتا ہے کہ مقوی حریرے دیگر مقوی دوائیں اور غذائیں جزو بدن نہیں ہوتیں اور بالکل بیکار ثابت ہوتی ہیں بلکہ اکثر نقصان دیتی ہیں۔ رنگ پھیکا اور بے رونق ہوجاتا ہے کبھی کبھی منہ میں چھالے ہوجاتے ہیں۔ جو خود بخود جاتے رہتے ہیں۔ ہاتھ کی ہتھیلی اور پاؤں کے تلوے جلتے ہیں۔ منہ کا مزہ خراب ہوتا ہے۔ خصوصاً پچھلے دن میں طبیعت زیادہ سُست وکسل مند رہتی ہے۔ یہ سب شکایتیں ہر مریض کو نہیں ہوتیں بلکہ ان میں سے کسی مریض میں کچھ اور کسی میں کچھ پائی جاتی ہیں۔ بعض کو علامات دورے سے ہوا کرتی ہیں۔ یعنی چند روز طبیعت ٹھیک رہتی ہے اور چند روز خراب۔

اس کا علاج اول تو مشکل ہے کیونکہ یہ بہت پرانی اور مستحکم خرابیاں ہوتی ہیں اور مریض بہت خراب ہونے کے بعد علاج کی طرف رجوع کرتے ہیں دوسرے عرصہ درجات اور اختلافِ مزاج کے لحاظ سے علاج بہت مختلف ہوتا ہے۔ ایک علاج جو کسی مریض کے موافق ہے وہ دوسرے کے مخالف ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس مرض کے لئے کوئی ایک مخصوص علاج یا کوئی ایک دوا نہیں لکھی جاسکتی۔ البتہ چند موٹی باتیں جو ہمیشہ مفید ہوتی ہیں یہ ہیں کہ قواعد حفظان صحت کی سختی کے ساتھ پابندی کریں اور اس بات کے ازالہ کی کوشش کریں۔ پیٹ کا بہت خیال رکھیں قبض نہ ہونے دیں۔ دوا کی عادت نہ ڈالیں۔ تیز جلاب نہ لیں۔ پیدل ہوا خوری کیا کریں۔ غذا میں احتیاط کریں اور خصوصاً رنج و غم تفکرات و تردداتسے جہاں تک ہوسکے آزاد رہیں۔

بیگم حکیم محمد عزیز خاں۔ جاورہ

خانہ داماد

(شریمتی شیلا رانی بوس کا ایک نتیجہ خیز افسانہ)

حسب معمول جب بملا کافی رات گئے اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے اپنے پتی کو گہری نیند میں سوتے پایا سرہانے میز پر لیمپ جل رہا تھا جس کی زرد سی روشنی اس کے حسین و پُر وقار چہرے پر پڑ رہی تھی اور اس کے دھیمے دھیمے خراٹوں سے کمرے میں آثار حیات معلوم ہوتے تھے۔ آج وہ بے طرح تھکی ہوئی تھی۔ تھکتی بھی کیوں نہیں؟ ...... تمام گھروندے کا بوجھ اُسی غریب کے سر آ پڑا تھا دو نوکرانیوں میں سے اُس کی ماں نے ایک کو جواب دیدیا تھا اور دوسری سودا سلف لانے کے سوا کچھ جانتی ہی نہ تھی۔

کپڑے بدلنے کے بعد وہ لیمپ بجھانے کی نیت سے میز کے پاس آئی۔ اُس کا پتی اسی طرح دنیا و ما فیہا سے بے خبر پڑا تھا۔ مگر اس کے سونے کے انداز میں بھی کتنی معصومیت اور مظلومیت کا اظہار ہو رہا تھا کہ بملا ایک نظر دیکھے بغیر نہ رہ سکی ...... وہ آہستہ آہستہ چارپائی کی پٹی کا سہارا لے کے بیٹھ گئی اور دل میں کہنے لگی کیا یہ ممکن ہے کہ اس قدر سادہ لوح اور تعلیم یافتہ شخص شراب کا اس طرح عادی ہوگا کہ اُس کو نوکری سے بھی جواب مل گیا ...... اسے یقین نہ آتا تھا۔ حالانکہ سب لوگ برطرفی کی وجہ سے اسے ہی قصوروار ٹھہراتے تھے .... "قسمت میں یوں ہی لکھا تھا" اس نے آہ بھرتے ہوئے خود ہی اپنے سوال کا جواب لے لیا اور اُٹھ کر اپنی چارپائی پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کر لیں۔ مگر نیند کو نہ آنا تھا نہ آئی خیالات کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ اُسے گذشتہ عیش و مسرت کے دور کی طرف لے گیا۔ جبکہ اس کا خاوند دفتر میں نوکری کرتا تھا اور اُن کے دن خوشی سے گزر رہے تھے ..... اور پھر ان دنوں کی یاد سے اُس کے جسم میں رعشہ سا آ گیا۔ جبکہ اس کا پتی ہر شام کو نشے میں بدمست گھر میں داخل ہوتا تھا۔ اور کبھی کبھی ترش روئی سے بھی پیش آتا تھا مگر نشہ اُترتے ہی اپنے تصور کی گڑگڑا کر معافی بھی مانگ لیتا تھا۔ اس منظر کی یاد سے اس کے جسم میں محبت کی ایک لہر سی دوڑ گئی ..... اور وہ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگی ...... "وہ آخر ہمارا اپنا گھر تھا .... اور یہ ...... لاکھ بھی ہو ...... مگر ہے تو پتا جی کا گھر! ...... اس میں وہ آزادیاں ...... کہاں! اور بیتے ہوئے دنوں کی آرزو ...... لاحاصل!!" دو سال سے یہاں رہتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو ایک نو وارد اور اجنبی کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ گو یہ ٹھیک تھا کہ اس کے باپ کی محبت میں ذرا فرق نہ آیا تھا اور اُس کی ہر آرزو پوری کرنے کی کوشش بھی کرتا تھا مگر گھر کے باقی افراد کے بدترین سلوک سے اس کی خوشیوں پر اوس سی پڑ گئی۔ بے اختیار اس کے منہ سے ٹھنڈی آہ نکل گئی۔ ...... اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے "بھگوان! .... وہ دن کب آئیں گے۔ جب میں پہلے کی طرح پھر سے اپنے گھر کی مالک ہونگی ...... اور اس نرک میں تو اب دن کاٹے نہیں کٹتے! ...... دوسرے دن پیش ..... بملا کا پتا جب دوپہر کے کھانے پر بیٹھا تو بملا کی ماں کہنے لگی۔ "میرے خیال میں اب اوپندر کو کوئی نہ کوئی کام ضرور کرنا چاہیئے ..... دیکھتے ہو کتنے عرصے سے بیکار بیٹھا ہوا ہے ...... مگر بیچارہ کام کرلے بھی تو کیونکر" وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی ..... جب کسی کام میں جی ہی نہیں لگتا"

"کیا یہ ٹھیک ہے"؟ رمیش نے لقمہ چباتے ہوئے سوال کیا۔
"ہاں" بملا کی ماں بولی "مجھے تو اس کی اس کاہلی اور کام چور
طبیعت پر رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کس طرح بیکار رہ کر ان پہاڑ
سے دنوں کو کاٹتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو کھیتی باڑی میں ہی میرے
بیٹے کا ہاتھ بٹا سکتا ہے..... مگر وہ یہ بھی کیوں کرنے لگا..
..... بابو جو ٹھہرا"۔
ٹھیک اُسی وقت بملا داخل ہوئی اس نے اپنی ماں کا
آخری فقرہ سُن لیا اور دھیمی آواز میں کہنے لگی "وہ روز نوکری کی
تلاش میں شہر جاتے ہیں ماں!..... بھگوان کسی دن سُن
لیگا" "اوہ!..... کیا یہ سچ ہے؟ اس کی ماں طعنے کے لہجے
میں بولی "تب ہی آج نوبن نے اُسے بازار میں گھومتے دیکھا تھا"۔
"تم ہمیشہ اُن میں کوئی نہ کوئی عیب نکالتی رہتی ہو ماں۔"
یہ کہتے ہی بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
اس کی ماں یہ الزام سُنکر بہت جزبز ہوئی اور غصے
سے کہنے لگی "اگر اسی طرح اس کی بیجا طرفداری کرو گی تو زندگی
بھر سر پکڑ کر روؤ گی..... میں تمہارے ہی فائدے کے لئے
سب کچھ کہہ رہی ہوں..... مگر یہ میں پھر کہے دیتی ہوں،
..... کہ اس کی یہ عادتیں مجھے بالکل پسند نہیں کہ وہ گھر کے
کام سے یوں جی چُراتا پھرے"۔
بملا کچھ نہ بول سکی۔ اُسے اُمید تھی کہ اُس کا پتا اس کی
طرفداری کریگا۔ مگر وہ بھی خاموش ہی رہ گیا اور جھگڑے کو
چُکانے کی نیت سے کھانا کھاتے ہی باہر نکل گیا۔
شام کو جب اوپندر گھر واپس آیا تو بملا نے اس سے
پوچھا "کیا آج شہر گئے تھے؟"
اُس نے حیرت سے بملا کی طرف دیکھا اور پھر رکتے ہوئے
بولا "نہیں!..... ہاں کل جاؤں گا"۔
بملا کا دل بیٹھ گیا۔ اور اس نے محسوس کیا کہ اس کا
پتی گھر کی موجودہ حالت سے قطعاً بے خبر اور بے پروا ہے۔
اس لئے وہ روندھے ہوئے گلے سے کہنے لگی "ماں کہتی ہے
کہ تمہیں تلاش معاش کی بالکل فکر ہی نہیں..... اور ہم لوگ
اس وقت تک اس گھر کو چھوڑ بھی نہیں سکتے جب تک تمہیں
کہیں نوکری نہ مل جائے"۔
اوپندر بے پروائی سے کہنے لگا "تم اس گھر کو چھوڑنے کیلئے
اس قدر ضد کیوں کر رہی ہو..... کیا یہ تمہارے پتا اور
میرے سسر کا گھر نہیں ہے؟ اور کیا یہاں کافی عرصے تک ہم کو
رہنے کا حق نہیں ہے؟"
"نہیں!..... نہیں!! ہمکو جلد ہی یہ گھر چھوڑ دینا ہوگا"۔
بملا بیقراری سے کہنے لگی "اور کہیں دور..... ایسی جگہ جہاں
صرف ہم دونوں رہیں چلے جانا ہوگا"۔
"اچھا گھبراؤ مت..... بھگوان اس کا بھی انتظام
کر دیں گے۔ اور ہاں یہ دیکھو تو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں"
وہ مسکراتے ہوئے پھر کہنے لگا یہ کہہ کر اُس نے بغل سے
ایک بنڈل نکالکر اُس کے ہاتھ میں دیدیا۔ کھولنے پر معلوم
ہوا کہ وہ ایک بیش قیمت ساڑھی تھی جس کے لئے اس نے
عرصہ ہوا فرمائش کی تھی..... بملا کی آنکھیں حیرت و مسرت
سے چمک اُٹھیں اور کہنے لگی۔
"اس تنگی کے زمانے میں اس کے خریدنے کی کیا ضرورت
تھی"۔ اوپندر مسکرایا اور کچھ نہ بولا۔
بملا اس کی اس کارروائی سے بہت خوش ہوئی اور دل
میں سوچنے لگی کہ اُسے کسی طرح اس کی فرمایش یاد رہی۔ اس کا
پتی اس سے اُسی طرح والہانہ محبت رکھتا تھا جس طرح آج
سے چند سال قبل..... اور اگر آج وہ برسر روزگار ہوتا تو شاید
..... ان مسرت خیز لمحات نے اس کے دماغ سے ان تکالیف
کو بالکل محو کر دیا جن کا قصہ وہ لیکر بیٹھی تھی..... رہ رہ کر
اس کی نگاہیں ساڑھی پر پڑ رہی تھیں۔ اور وہ دل ہی دل میں
باغ باغ ہو رہی تھی۔
دن گزرتے گئے مگر اوپندر ابھی تک بیکار تھا ہر روز
صبح کا کھانا کھا کر وہ گھر سے نکلتا اور رات گئے واپس آتا۔

نوین کا خیال تھا کہ اس کا بہنوئی اوپندر نوکری کی تلاش میں نہیں بلکہ اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے شہر جاتا ہے اور سارے دن گھوم پھر کر واپس آجاتا ہے۔ اس کی ماں کو بھی یہی یقین تھا۔ بملا کو بھی ان کے خیالات کی اطلاع کسی نہ کسی طرح مل ہی جاتی تھی۔ مگر وہ ان باتوں کا اعتبار نہ کرتی تھی کہ وہ محض دوستوں کے ساتھ تفریح طبع کرکے واپس آجاتا ہے۔ اس کی ماں ہر روز طعنے دے دے کر اُسے زچ کرتی۔ مگر وہ اُف تک نہ کرتی۔۔۔۔۔ کچھ موقع ہی ایسا تھا اور اپنی ماں کو خوش رکھنے کو وہ دن بھر گھر کے کام دھندے میں لگی رہتی۔ مگر اسکے باوجود بھی ہر روز کوئی نہ کوئی بکھیڑا ہو جاتا ہے جس میں اُسے اپنے پتی کی وجہ سے موردِ الزام بننا پڑا۔

ایک دن اوپندر نے کہا "مجھے کچھ روپے دو کیوں کہ نوکری کیلئے ایک جگہ بلایا گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی بملا نے بلا پس و پیش اُسے پانچ روپے دے دئے جو اُس نے عرصہ سے بچا کر رکھے تھے۔

اُس کے جانے کے بعد بملا تصورات کی دنیا میں کھو گئی اور اُسے اُمید ہو گئی کہ جلد ہی ہم اس سے نکل جائیں گے۔ اور ان تمام تکالیف کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سارا دن ایسے ہی خوشگوار خیالات میں کٹ گیا۔

رات ہو گئی مگر اوپندر کا کہیں پتہ نہ تھا اور وہ بے صبری سے اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ باورچی خانے میں کھانا پکاتے وقت بھی اس کے کان دروازے پر لگے ہوئے تھے۔ جب وہ سب دھندوں سے فرصت پا کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اُسے اوپندر کی آواز باہر سے سُنائی دی۔ وہ یاس و اُمید کے ملے جُلے جذبات میں گھری ہوئی اس کے اندر آنے کے انتظار میں کھڑی ہو گئی۔ وفورِ جذبات سے اس کا دل بلّیوں اُچھل رہا تھا۔ آج وہ اس قید خانے سے رہائی کی خوشخبری سُننے کے لئے بے چین تھی۔ مگر باوجود انتظار کے اوپندر اندر نہ آیا اور اس کے ارمانوں پر اوس سی پڑ گئی۔۔۔۔۔ وہ اپنے آپ کو بمشکل سنبھالے ہوئے دروازے تک گئی اور پردے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اوپندر اور نوین کو آپس میں گفتگو کرتے سُنا۔ مگر آواز بہت دھیمی تھی۔ اس لئے مطلب سمجھ میں آنا مشکل تھا۔ مگر چند ہی منٹ کے بعد بلند سے بلند تر ہوتی گئیں۔ اور وہ سمجھ گئیں کہ دونوں آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور نوبت گالی گلوج تک پہنچ چکی ہے وہ حیرت و سراسیمگی کی حالت میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اُسے لڑائی کی اصل وجہ معلوم نہ ہوتی تھی۔ اتنے میں اس کا پتی اندر داخل ہوا۔ وہ مُنہ ہی مُنہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ بملا جلدی سے دروازے سے ایک طرف ہٹ گئی۔ خاوند کے چہرے پر غم و غصہ کے آثار دیکھ کر اُسے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑی۔

بملا کی موجودگی کو نظر انداز کئے ہوئے اوپندر بستر کی طرف بڑھا اور اس پر دراز ہو گیا۔

بملا کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ پیئے ہوئے ہیں۔۔۔ ان دنوں وہ شراب سے اس طرح تائب ہو گیا تھا کہ بملا کو اپنی گذشتہ زندگی پریشان خواب کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ اور وہ سلوک جو حالت نشہ میں اُس نے اس سے کئے تھے تقریباً بھول چکی تھی۔ مگر آج پھر اُسے نشے میں بدمست دیکھ کر وہ بے جان بُت کی طرح کھڑی کی کھڑی رہ گئی جس کی بریت اور پاکدامنی کے لئے اس نے گھر بھر سے لڑائی لے رکھی تھی۔ وہ اُسے آج پھر اسی لعنت میں گرفتار دیکھتی تھی۔۔۔ ۔۔۔ جس نے اُسے اس درجہ تک پہنچا دیا تھا۔۔۔۔۔ اب اپنی ماں اور بھائی سے جان چھڑانے کی اُسے کوئی ترکیب نہ سوجھتی تھی۔

بملا چارپائی سے لگ کر بیٹھ گئی اور آنسو بھرے گلے سے کہنے لگی "یہ کیا سوامی!۔۔۔۔۔ کیا تم اپنا وعدہ بھول گئے!"

اوپندر نے اُسے بری طرح جھڑک دیا اور بولا "آخر ہر کام میں ناکامی کا مُنہ دیکھنے والا اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہے؟"

"..... کسی صورت سے غم کو غلط کرنا ہی ہوگا"۔

یہ جواب سن کر بملا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ وہ پھر غصے سے پہلو بدلتے ہوئے کہنے لگا "تمہارے بھائی کو کیا حق حاصل تھا جو اس نے میری اس طرح بے عزتی کی.... کیا یہ بھی میرا قصور تھا جو میرے بدلے انہوں نے دوسرے آدمی کو رکھ لیا"۔

بملا خوف و دہشت سے زرد پڑ گئی۔

مگر وہ کہتا ہی گیا "مجھے اس کی پرواہ نہیں...... اور اپنے بھائی سے بھی کہدینا کہ اپنے کام سے سروکار رکھے.... میرے کسی کام میں اس کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں..... اور بھلا میرے پینے نہ پینے سے اس کا کیا حرج ہوتا ہے"۔

اس کے بعد وہ کروٹ بدل کر سو گیا اور بملا پھر ناکامی و نامرادی کے بحر بے پایاں میں غوطے کھانے لگی۔ اس کی امیدوں اور ارمانوں کا بنا بنایا گھروندا آن واحد میں تحت الثریٰ کی عمیق گہرائیوں میں ڈوب گیا...... اور پھر کسی خیال کے تحت وہ محبت سے اپنے پتی کے پریشان بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی۔

اگلی صبح جب اوپندر جاگا تو پھر جامہ انسانیت میں تھا اور اپنی رات کی حرکتوں پر منفعل معلوم ہوتا تھا وہ رنج بھری نگاہوں سے چائے کی اٹھتی ہوئی بھاپ کو دیکھ رہا تھا...... نشے کا بھوت اترنے کے بعد اسے اس حالت میں دیکھ کر کسے یقین ہوسکتا تھا کہ رات اس نے اپنے سالے سے بدکلامی کی ہوگی..... اسے بملا سے آنکھ ملانے کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی....... آخر کار وہ سر جھکائے ہوئے کہنے لگا "بملا!...... کیا تم مجھے معاف نہ کروگی.... میں رات نشے سے مغلوب ہوچکا تھا اور اپنی بدزبانی کا مجھے بہت افسوس ہے"۔

بملا نے اس سے خاموش رہنے کی استدعا کی۔ گزری ہوئی باتوں کی یاد سے اسے سخت تکلیف ہوتی تھی.... اوپندر کے انفعال آمیز لہجے نے اس کا غصہ بالکل دور کردیا تھا۔ اور وہ بدستور اسے مجبور سمجھ کر اس کی محبت میں سب کچھ بھول گئی۔ اس کی آواز میں ملائمت...... چہرے پر سکون اور تبسم..... اور دل میں اپنے پتی کے لئے وہی بے پایاں محبت تھی جو ان واقعات سے قبل..... شادی کے بعد اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ وہ محبت بھری نگاہوں سے اپنے پتی کو دیکھ رہی تھی۔ کھڑکی کے پردوں سے سورج دیوتا کی روشنی چھن چھن کر دونوں کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ مگر خوشی اور غم کو بھول جانے کی مسرت عارضی تھی۔ کیونکہ چند گھنٹے بعد جب وہ پتاجی کے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے سکون و اطمینان کی کھیتی پھر نذر خزاں ہوگئی۔ کمرے میں اس کے پتا بیٹھے کتاب پڑھ رہے تھے۔ اور اس کی ماں غصے بھرے لہجے میں کچھ کہہ رہی تھی۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئی اس کی ماں نے کہا۔

"سنا!.... اوپندر نے پھر شراب پینی شروع کردی ہے...... رات وہ نشے میں اس قدر بدمست تھا کہ اسے اپنے آپ کی کوئی سدھ نہ تھی اور شہر میں نوکری کی تلاش میں جانا محض ایک بہانا اور سفید جھوٹ تھا"۔

"نہیں ماتاجی!...... وہ شہر میں نوکری ہی کی تلاش میں گئے تھے"۔ بملا نے احتجاجانہ لہجہ میں کہا۔

"بیوقوف چھوکری!..... صرف یہی نہیں.... بلکہ اس نے رات میرے لڑکے کو گالیاں بھی دیں۔" اس کی ماں نے حقارت بھرے لہجہ میں کہا۔

"کیا تو نے اسے سخت سست نہیں کہا تھا؟"

"کیا یہ اس نے ہی تمہیں بتایا ہے؟" اس کی ماں برافروختہ ہوکر بولی "کتنا جھوٹا فریبی اور کمینہ ہے۔ میرا نوین اس کی دل سے عزت کرتا تھا..... اور اس سے ہرگز مجھے یہ توقع نہیں..... اور تم کو میں متنبہ کرتی ہوں کہ آجتک تم اس کی فریب آمیز باتوں میں پڑکر خوب ہی بیوقوف بنی رہی ہو اور

..... اس کے نتیجے کی بھی تم ہی ذمہ دار ہوگی"۔

بلا یہ سُنکر غم و غصہ سے بید کی طرح کانپنے لگی۔ اور اس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔

اس کی ماں اس کے رونے کی پرواہ کئے بغیر پھر کہنے لگی

"ہر روز اس کے اس طرح کے سوانگ بھرنے اور ان کمینہ حرکات کا آخر کیا سبب ہے..... میں اس سے عاجز آگئی ہوں اور دل سے نفرت کرتی ہوں۔ مگر تم اس کی ہر روز طرفداری کرکے اسے شیر کئے جارہی ہو۔ ایک دن سر پکڑ کر رو دو گی۔ اس کی ماں غصے سے لال پیلی ہوتی جارہی تھی۔ اور پھر پھولے ہوئے سانس سے گھٹتی ہوئی آواز میں کہنے لگی" اور ہاں..... یہ بھی بتادو کہ وہ کب تک یہاں ہی مفت کی روٹیاں بیٹھا توڑتا رہے گا؟"

بلا سے اب ضبط نہ ہوسکا اور وہ غصہ سے بولی:۔

"تم کیوں پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑی ہو ماں..... اُس غریب کا آخر کیا قصور ہے..... جو ہر جرم کا اسے ہی مجرم بناتی ہو۔ نوکری کا ملنا نہ ملنا اس کے بس کی بات تو نہیں"۔

اس کی ماں حقارت بھرے لہجے میں بولی" وہ ناکارہ اور نکھٹو ہے..... اور وہ کوئی کام کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا..... ورنہ ایسی باعزت نوکری کو کھانے پینے کے پیچھے ضائع نہ کردیتا..... احسان فراموش اور ناکارہ"۔

اپنے پتی کے خلاف ایسے سخت الفاظ اور وہ بھی اپنوں کے منہ سے بلا کے سینے پر ایک زبردست گھونسا لگا۔ اس کے لئے یہ گھر نرک سے بھی بدتر ہوگیا وہ دل میں سوچنے لگی مانا کے اس کے پتی کی گزشتہ زندگی قابل ملامت تھی..... مگر گزشتہ سے موجودہ کو کیا نسبت ہے انہوں نے ہماری مشکلات کا کیا اندازہ لگایا اور ہماری کیا مدد کی..... چند ہی مہینوں میں یہ حالت..... میکے میں اس کے پتی کی یہ درگت.....

..... بلا کے جسم میں خودداری کا خون حرکت کرنے لگا.....

..... اس کے دل میں محبت کے بدلے ماں سے نفرت ہوگئی اور وہ خشم انگیز نگاہوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"چپ رہو ماں! میں اس سے زیادہ نہیں سُن سکتی..... اور ہم اس گھر میں ایک پل ٹھہرنا بھی پاپ سمجھتے ہیں۔ آپ چونکہ ہمیں یہاں دیکھنا گوارا نہیں کرسکتیں..... اس لئے ہم آج اور ابھی اس گھر سے رخصت ہوتے ہیں"۔

کمرے پر موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی۔ یہ واقعہ بلاتوقع ظہور پذیر ہوا تھا۔ کسی کو اس کی اُمید بھی نہ تھی..... کہ گفتگو کا یہ انجام ہوگا۔ اس کا بھائی جو یہ سخت کلامی سُن کر اندر آیا تھا حیرت بھری نگاہوں سے کبھی اپنی بہن اور کبھی اپنی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا باپ بدستور کتاب پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ ایک ہی منٹ بعد بلا روتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف تیزروی سے چلی گئی۔ باہر اوپندر کھڑا تھا اس نے بھی شاید تمام گفتگو سُن لی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی پتنی کے پیچھے پیچھے کمرے میں پہنچ گیا۔

"ہم کو اب یہاں سے جلد از جلد چل دینا چاہیے" بلا نے روندھے ہوئے گلے سے کہا" اوہ میں یہاں آئی ہی کیوں تھی"۔

..... یہ کہہ کر اُس نے جلدی جلدی سامان باندھنا شروع کردیا۔

"تم کیا کررہی ہو بلا!" اوپندر سنجیدگی سے کہنے لگا "کیا تم پاگل ہوگئی ہو..... آخر یہ جگہ چھوڑ کر ہم کہاں جائیں گے۔ تم کو معلوم ہے کہ میرا اس وقت کہیں بھی ٹھکانہ نہیں!"

"اس کی پرواہ مت کرو" بلا بولی۔ اس عالیشان گھر کی ذلت بھری زندگی سے تو جھونپڑی کی باعزت زندگی بدرجہا بہتر ہوگی۔ جس میں کم از کم ہمیں اطمینان تو ہوگا..... چاہے وہاں ہمیں بھوکوں ہی مرنا پڑے..... مگر اس نرک میں ایک پل رہنا..... میں بدترین پاپ سمجھتی ہوں"۔

اوپندر نہیں جانتا تھا کہ بلا کو کسی طرح موقع کی نزاکت سے باخبر کرے۔ اور وہ دُکھ بھرے دل کے ساتھ اپنی بیوی کی اس حالت کا مشاہدہ کررہا تھا جس کا باعث اس کی صرف اس کی ذات تھی۔ اس کا سر ندامت سے جھک گیا۔

جب بلا تمام سامان باندھ چکی تو کہنے لگی "چلو" اس نے

اپنے سر پر ایک بڑا بکس اور ہاتھ میں ایک سوٹ کیس اُٹھایا۔ ایک لفظ کہے بغیر اوپندر نے کپڑوں کی گٹھری اور بستر اٹھا لیا اور اسکے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گیا۔

گھر کے باہر رمیش کھڑا تھا۔ جب دونوں اس حالت میں اُس کے سامنے آئے تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اور کہنے لگا "یہ کیا کر رہی ہو بملا؟ . . . . میں تمہیں اس حالت میں نہ جانے دوں گا"۔

"نہیں پتا جی!" بملا سنجیدگی سے بولی "ہم کو روکنے کی کوشش نہ کیجئے . . . . کیونکہ ہمیں اب جانا ہی پڑے گا۔ یہ کہتے ہی وہ اُن کے قدموں پر جھک گئی۔

"تم اتنی ضد کرو گی . . . . . . مجھے اس کا یقین نہ تھا" اس کا باپ کانپتی ہوئی آواز میں بولا "اچھا . . . جو تم بہتر سمجھو وہ کرو . . . . . بھگوان تمہاری سہایتا کرے" یہ کہہ کر وہ اوپندر کی طرف متوجہ ہوئے وہ بھی نہایت ادب سے ان کے قدموں پر جھک گیا بڈھے نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور چپکے سے اس کے ہاتھ میں نوٹوں کا ایک بنڈل دیدیا۔ جب وہ دونوں اسٹیشن کیطرف روانہ ہوئے تو بڈھا آنسو بھری نگاہوں سے انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ مگر اُنمیں سے کسی نے پیچھے مڑکر نہ دیکھا بوڑھا ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ گرتا پڑتا اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ کچھ دیر بعد جب رمیش اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا حقہ پی کر غم غلط کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس کی بیوی اندر داخل ہوئی اور پوچھنے لگی "کیا سچ مچ وہ چلے گئے؟" اور جواب کا انتظار کئے بغیر پھر بولی "اونہہ کتنی ضدی اور سرکش لڑکی تھی کہ پاؤں پر پانی نہ پڑنے دیا . . . مگر میں تمکو بتاتی ہوں کہ ابھی تو اُنکی مصیبتوں کی ابتدا ہے جب انتہا ہو گی . . . . . اور اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوگا تو دیکھ لینا کس طرح گڑگڑا کر معافی مانگے گی"۔

رمیش نے کچھ جواب نہ دیا وہ اپنی بیوی کی گفتگو سے بے نیاز اپنی بچی کے خیال میں غرق بیٹھا رہا۔ اور حقے کا ایک لمبا کش لے کر آرام کرسی پر دراز ہوگیا۔

(ترجمہ از بنگالی) مس کملا چٹرجی مرادآبادی

اُمید

اگر اُمید کا سہارا نہ ہوتا تو آہ میرے معبود — ! یہ مصیبت کی جانگسل گھڑیاں کتنی رُوح فرسا ہوتیں —! مالک حقیقی تیری درگاہ میں بے شمار سجدے۔ ہمیں اُمید کی ایک ایسی مشعل عنایت فرمادی جو اس ظلمت کدے میں ہماری بہترین رہنما ہے اور ہم اسکی ضیا میں دُنیا کا سفر طے کر رہے ہیں۔ یہ ہماری تاریک زندگی کا وہ روشن ستارہ ہے جو مصیبت کی حقیقت کا پردہ فاش نہیں ہونے دیتا تاوقتیکہ رُوح جسد خاکی کو نہ چھوڑ دے —!

م بیگم اہلیہ سید مظہر حسین ناگپور

نغمہ

ماضی کو زندگی اور روشنی سے مزین کر کے علانیہ دیکھا دینے کی طاقت بجز نغمہ کے اور کس میں ہے۔

ماضی پر نظر ڈالو قدرت ہمیشہ انقلاب پذیر رہی ہے آبادیاں جنگلوں میں اور جنگل آبادیوں میں تبدیل ہوتے رہے۔ اسی طرح زندگی اور موت، خوشی اور رنج، دکھ اور سُکھ یہ سب احساسات ہمیشہ آنسوؤں اور قہقہوں کے درمیان گزرتے رہتے ہیں ہم سب خوشی اور رنج سے گنگناتے ہیں نغمہ کے رنج و سرور میں اگرچہ غفلت ہے مگر یہ غفلت کتنی دلکش، کتنی خوش کُن کتنی روح پرور! اسی طرح دوسری طرف کتنا درد، کتنا سوز، کتنا شیون!!

ایس۔ بی طاہرہ پشاور

شریف بی بی

بہارِ باغ امکاں، بزمِ ہستی کی ضیا تو ہے
کمالِ دستِ قدرت، شاہدِ شانِ خدا تو ہے

تری تخلیق میں پنہاں ہے وہ تسخیر کی قوت
کہ جانِ پیر و برنا، رو کشِ شاہ و گدا تو ہے

تری اُلفت دلِ مجروح کو سرمایۂ راحت
ہوائے روح پرور، یا نسیمِ جاں فزا تو ہے

چمن تو نے بنایا دل کے ویرانے کو جب چاہا
شمیمِ دل کشا تو صبح کی بادِ صبا تو ہے

ترے ہی دم سے روشن ہیں محبت کے سیہ خانے
خدا شاہد شبِ تاریک ہجراں کی ضیا تو ہے

بہار آئی ہمارے گھر میں جب تیرے قدم آئے
نشاطِ زندگی تو ہے مسرت کی فضا تو ہے

تری آواز میں نغمہ، ترے انداز میں جادو
سراپا سحر، یا قدرت کی حیرت زا ادا تو ہے

ترے ہی دم سے ہیں رنگینیاں گلزارِ ہستی کی
گلوں کا رنگ و بو سب ہیچ گر ہم سے جدا تو ہے

بہارِ جوئبار و کوہسار و سبزہ و لالہ
یہ سب ہیں بے مزہ، بے کیف گر ہم سے خفا تو ہے

جمالِ آبشار و ابرِ بار و نغمہ و بادہ
وہاں بے رنگ و بے مایہ جہاں جلوہ نما تو ہے

خیابانِ ادب، شاداب و رنگیں ذکر سے تیرے
زمینِ شعر کی رنگیں فضا دلکش ضیا تو ہے

یہ انجم، یہ قمر، یہ چاندنی، یہ نیلگوں گردوں
نظر میں ہیچ اور بیکار، گر غم آشنا تو ہے

غرض تو جانِ فطرت، شانِ فطرت، رونقِ ہستی
بجا ہے یہ کہ شمعِ محفلِ ارض و سما تو ہے

مگر تہذیبِ مغرب آہ وہ بے بس ہوتی جاتی ہے
کہ تیری مشرقی بیدار فطرت سوتی جاتی ہے

محوی صدیقی لکھنوی

نوٹ - اس نظم کی دوسری تصویر آئندہ نمبر میں ملاحظہ ہو۔ محوی

عورت مشرق و مغرب میں

موجودہ جنگ جمہوریت کی تاریخ میں جو اہمیت رکھتی ہے اس سے تو ہر شخص واقف ہے البتہ اس پہلو پر بہت کم لوگوں نے غور کیا ہوگا تحریک آزادیٔ نسواں کے لئے بھی یہ ایک سخت ابتلا و آزمایش کا زمانہ ہے۔ اس تحریک کے حامی حالت امن میں برابر اس کی تلقین کرتے رہے ہیں کہ ہر شعبۂ حیات میں عورت کو مرد کے دوش بدوش لاکر کھڑا کریں آج وہ وقت ہے کہ حالات جنگ کی کڑی مگر یقینی جانچ پر ان بلند بانگ دعاوی کی صحت اور ان کے قابل عمل ہونے کا امتحان کیا جائے۔

آج جس وقت جرمنی کے بمبار ہوائی جہاز لندن کی گنجان آبادی پر بربادی اور تباہ کاری کی بارش کرکے واپس جاتے ہیں تو لندن سے جتنی المناک صدائیں اٹھتی ہیں ان میں سب سے زیادہ دردناک اور جانگداز یہ صدا ہوتی ہے کہ اتنی لڑکیاں اور عورتیں ہلاک و مجروح ہوئیں۔ اخبارات ان خبروں کو موٹی موٹی سرخیوں کے تحت شائع کرتے ہیں اور اس فعل کو جرمنی کی بربریت کا سب سے موثر ثبوت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ میں جس وقت اخبارات میں ان خبروں کو اس ہولناک نوعیت کے ساتھ پیش کیا ہوا دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ انگلستان نے کتنے جلدی غیر محسوس طریقہ سے جنسی مساوات کے نقطہ سے رجعت شروع کردی ہے۔ اس کے کیا معنی ہوسکتے ہیں کہ بیسویں صدی میں آزادیٔ نسواں کے مرکز و منبع لندن میں یہ توقع کی جائے کہ ایک عورت کی ہلاکت پر زیادہ آنسو بہائے جائیں بہ نسبت ایک مرد کی ہلاکت کے۔ یہ صدا اگر مشرق کے کسی حصہ سے اٹھتی تو اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوتی اس لئے کہ مشرق نے ہمیشہ عورت کو ایک ایسا درجہ دیا ہے جس کی بدولت اس کو ان آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہنا چاہیے مرد اور عورت کا درجہ متعین کرتے وقت مشرق نے شروع سے اس بنیادی حقیقت کو مدنظر رکھا کہ مرد اور عورت اپنے جسمانی اور خلقی خصائص کی وجہ سے جداگانہ دائرۂ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر فطرت کا یہ منشا ہوتا کہ یہ دونوں ایک ہی میدان میں دوش بدوش کام کریں تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ دونوں کو یکساں خصوصیات نہ عطا کرتی۔ شیکسپیر کا قول ہے کہ "دنیا ایک اسٹیج کی مانند ہے" اس اسٹیج پر ہیرو اور ہیروئن دو مختلف پارٹ ادا کرتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں پارٹ ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے کے متمم ہوتے ہیں۔ اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ دائرۂ عمل کا جدا ہونا مساوات میں کسی قسم کا رخنہ ڈالے۔ جنس لطیف کی نزاکت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس سے ایسے فرائض زندگی متعلق ہونے چاہئیں جو اپنی جگہ پر کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں لیکن ان کے لئے سخت جسمانی مشقت درکار نہ ہو۔ اس کے برخلاف مرد کا قوی جسم یہ بتلاتا ہے کہ قدرت نے اس کو زندگی کے سخت کاموں کے لئے بنایا ہے۔ عورت کا صحیح دائرۂ عمل گھر ہے

اور مرد کا گھر کے باہر گھریلو کام کاج۔ خانہ داری کا انتظام اور بچوں کی نگہداشت عورت کیلئے باعثِ ذلت نہیں بلکہ اس کا طرّۂ امتیاز ہونا چاہیئے۔ یہ تھا وہ بلند و بالا مرتبہ جو مشرق نے عورت کو دیا۔ اس کو مختصر طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ مشرق میں عورت کا درجہ 'گھر کی ملکہ' کا ہے اور اس کا شریف و اعلیٰ منصب مرد کے دل پر حکمرانی کرنا ہے۔ اگر عورت کو اسی مرتبہ پر برقرار رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ تلوار اس کے قریب بھی آئے یا وہ گولیوں اور بموں کا نشانہ بنے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرق میں عورت ہمیشہ قابلِ احترام سمجھی جاتی رہی اور اس کی حفاظت کی خاطر اپنی جان تک دیدینا مرد نے ہمیشہ اپنا فرض اوّلین سمجھا۔ عورت کا جنگ و جدال میں حصہ نہ لینا اس امر کی گارنٹی تھی کہ وہ حقیقتاً عزت و احترام کی مستحق تھی اس لئے اگر کبھی کسی ظالم سنگدل نے اس کے خلاف دست درازی کی تو وہ ہدفِ ملامت بنا اور بربریت اور وحشت کا مجسمہ قرار دیا گیا۔ نہ صرف مشرق میں بلکہ مغرب میں بھی chivalry کی بنیاد اسی نظریہ پر تھی کہ عورت کی حفاظت کرنا، اس کو آلام و مصائب سے محفوظ رکھنا، اور اس کو ہر ممکن آرام و آسائش پہونچانا مرد کا شریف ترین اور اوّلین فرض ہے۔ لیکن جب سے تحریک آزادیٔ نسواں کا آغاز ہوا عورت اپنے وقار سے دست بردار ہوگئی۔ اس نے مطالبہ کیا کہ وہ ہر شعبۂ حیات میں مرد کی برابر کی شریک ہوگی۔ مساوات کا یہی غلط اور تباہ کن تصور تھا جس نے عورت کو گھر کی بادشاہت سے نکال کر ملوں میں مزدور، دفاتر میں کلرک، اور فوج میں مسلح سپاہی بنادیا۔ عورت خوش تھی کہ وہ مرد کے مساوی ہوگئی لیکن اس کو احساس نہ تھا کہ وہ کیا کھو بیٹھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مرد نے عورت کا وہ مخصوص احترام چھوڑ دیا جس کو وہ اس سے پہلے اپنا فرض سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب عورت نزاکت کو، جو اس کا بہترین مایۂ ناز زیور ہے، کمزوری سمجھنے لگے اور مرد کے ساتھ اس نوعیت کی مساوات کا مطالبہ کرے کہ وہ ہر شعبۂ حیات میں اس کی حریف بنے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ٹریم یا بس میں مرد خود کھڑا رہے اور اپنی جگہ عورت کے لئے خالی کردے یا اُترتے وقت عورت کو مقدم کرے اور خود بعد میں اُترے۔ الغرض مساوات کے بعد پھر کوئی وجہ نہ رہی کہ مرد خود تکلیف اُٹھائے اور عورت کو آرام پہونچائے۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم نے اپنے سفرِ لندن میں انہیں مظاہر کا بغور مطالعہ کیا تھا اور ایک مضمون میں یہ بتایا تھا کہ مساوات کے غلط مفہوم کی بدولت عورت کیا کیا کچھ کھو بیٹھی ہے۔

جنسی مساوات کا یہ مہلک نظریہ مغربی تمدن کے عروج کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی روشناس ہوا۔ ہندوستان ایک غلام مُلک تھا۔ ایک محکوم قوم کا خاصہ ہوتا ہے کہ وہ حاکم قوم کے تمدن کے ظاہری لوازم کو بہت جلد اختیار کرتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ حاکم قوم کے عروج کو انہیں ظاہری لوازم کا ثمرہ سمجھنے لگتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو مغربی تمدن کے والہ و شیدا تھے اور اس کی اندھا دھند تقلید کو اپنے لئے باعثِ نجات تصور کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ 'چنگ و رباب اور رقصِ دختران بے حجاب' ہی مغرب

کے فروغ کا سبب ہے۔ اسی طرح ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ہندوستان میں عورت کا دائرۂ عمل گھر کے اندر محدود ہونا اور انگلستان میں عورت کا گھر کے باہر ہر شعبۂ حیات میں مرد کا حریف ہونا ہی ہندوستان کی غلامی اور انگلستان کی قوت کا راز ہے۔ کتنے ہی ہندوستانی گھر تھے جن کی پُرامن اور خوشگوار فضا ان بیرونی خیالات کی بدولت مسموم ہوگئی اور اندیشہ تھا کہ اگر یہ خیالات برابر زور پکڑتے اور پھیلتے رہے تو ایک روز مشرق کی سماجی زندگی کی بنیادیں متزلزل ہوجائیں گی۔ لیکن شکر ہے کہ ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ یہ ثابت ہوگیا کہ یہ تمام مظاہر ایک زوال پذیر تمدن کے مظاہر اور قطعاً فطرت کے منشار کے خلاف ہیں۔ مغرب کی حوصلہ مند قومیں خود اپنے اس Feminism سے تنگ آگئیں اٹلی اور جرمنی میں یہ محسوس کیا گیا کہ عورت اور مرد کے دائرہ عمل کی جداگانہ تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو سماجی زندگی صحیح قائم رہ سکتی ہے اور نہ قومی زندگی۔ چنانچہ ان دونوں ملکوں میں نہایت شدومد کے ساتھ یہ تحریک شروع ہوئی کہ عورتیں گھریلو کاموں کو سنبھالیں اور گھر کی اصلاح کرکے قومی زندگی کو قوت پہونچائیں۔ آزادیٔ نسواں کے حامی اب بھی اپنا کام کئے جارہے تھے کہ موجودہ جنگ کا آغاز ہوا جس نے تمام مغربی تمدن کو خطرہ میں ڈال دیا۔ اور عورت کو خوب اچھی طرح سے بتلا دیا کہ وہ گھر کے باہر کی زندگی کے لئے نہیں تخلیق کی گئی۔ بلکہ اس کا منصب یہی ہے کہ وہ گھر کے اندر رہ کر باوقار اور پُرامن زندگی بسر کرے۔ یہاں یہ صاف کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے اندر رہنے سے یہ مُراد نہیں کہ عورت ہندستان کے موجودہ رسم ورواج کے مطابق گھر کی چہار دیواری میں جہالت اور تاریکی کی زندگی بسر کرے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ عورت گھر کو اپنا دائرہ عمل سمجھے، قومی زندگی کے لئے گھر کی اصلاح اور خبرگیری کی اہمیت کا پورا پورا احساس کرے۔ اور گھر کے مشاغل کو بجائے باعث توہین سمجھنے کے موجب افتخار سمجھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس وقت انگلستان میں Feminism کے تمام اُصولوں پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عورتیں قومی دفاع میں حصّہ لے رہی ہیں لیکن کس طرح؟ کیا یہ حصہ مردوں کے مساوی ہے یا اس سے کچھ کم؟ عورتوں کی ایک امدادی فوج ضرور قائم ہے۔ لیکن اس کا کام صرف اتنا ہے کہ ان مردوں کی غیر حاضری میں جو لڑائی میں چلے جاتے ہیں، ہلکے ہلکے کام مثلاً موٹر چلانا وغیرہ وغیرہ انجام دیں۔ آخر یہ تفریق کیوں ہے؟ مساوات اور دوش بدوش کام کرنے کا اقتضار تو یہ تھا کہ فوج کی اس صف اوّل میں جو ہٹلر کے ٹینکوں اور بموں اور گولیوں سے ہلاک ہوتی ہے عورتیں مردوں کے برابر نظر آتیں۔ کیا یہ تفریق اس خیال پر مبنی نہیں کہ عورت مرد کی بہ نسبت جنگ وجدال کی اہلیت کم رکھتی ہے اور اس کو خدا نے اتنی طاقت نہیں دی کہ وہ میدان جنگ میں دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کرسکے؟ آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں کے لئے یہ بڑا مشکل سوال ہے۔ اگر ان کے قول کے مطابق عورت ہر شعبۂ حیات میں مرد کی برابر کی شریک ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو پھر انگلستان میں اس وقت تک عورت کو اصلی میدان کارزار سے علیحدہ کیوں رکھا گیا؟ صاف ظاہر ہے کہ مغرب بھی اب تک عملی طور سے اس اصول کو مان رہا ہے کہ عورت اپنی جسمانی ساخت کے

لحاظ سے جنگ و جدال اور اسی طرح دوسرے بہت سے مشقت طلب شعبہ ہائے حیات میں حصّہ لینے کیلئے نہیں تخلیق کی گئی یہی وہ زریں اصول ہے جس پر مشرق کی سماجی زندگی کی بنیاد ہے۔

اور اگر بالفرض عورت کا کام یہی ہے کہ وہ میدان کارزار میں صف اوّل میں مرد کے دوش بدوش مصروف عمل نظر آئے تو پھر ایک عورت کی ہلاکت مرد کی ہلاکت سے زیادہ المناک کیوں شمار کی جائے؟ ایک عورت کی ہلاکت اسی وقت جانگداز ہوسکتی ہے جب اس کو گھر کی ملکہ کے اعلیٰ و ارفع مقام پر رکھا جائے۔ لیکن جب اس کی پتلی کمر آہو خرام کے بجائے فوجی قواعد کرنے لگے جب اس کی نازک کلائیاں بندوق اور توپ کے استعمال میں لگ جائیں۔ جب صبا کو اسکی زلفوں سے کھیلنے کی ممانعت کردی جائے، جب وہ محجوبانہ انداز کے بجائے خم ٹھونک کر میدان وغا میں اُترے الغرض جب وہ بندوق اور سنگینوں سے غارتگری اختیار کرے۔ ایسی صورت میں اس کی ہلاکت اتنی ہی قابل افسوس ہوسکتی ہے جتنی کہ ایک مرد کی حقیقت یہ ہے کہ عورت کو میدان کارزار میں کھینچ لانا اور اس سے غارتگری اور خونریزی کا کام لینا اس کی نسوانیت کو کچلنے اور اسکی فطرت کے خلاف جنگ کرنے کے مرادف ہے۔ حال میں اخبار میں یہ دلچسپ مگر نتیجہ خیز واقعہ شائع ہوا کہ لندن میں عورتوں کی امدادی فوج کے ایک اعلیٰ افسر نے اپنی ایک ماتحت کو جو لاری چلانے کے کام پر مامور تھی اس بات پر سرزنش کی کہ لاری میں آئینہ غلط جگہ پر لگا ہوا تھا۔ اس پر وہ ماتحت لاری چلانیوالی بہت بگڑی اور کہا کہ اگر میں آئینہ کو اس جگہ پر نہ رکھتی تو میں لاری چلاتے وقت یہ کیسے دیکھ سکتی کہ میری ٹوپی اچھی معلوم ہورہی ہے یا نہیں۔ سچ ہے کہ عورت اسی لئے بنائی گئی ہے کہ وہ بغیر تیر و تفنگ کے اپنے حُسن و ادا سے ملک فتح نہ کرے بلکہ مرد کے دل پر حکومت کرے عین لاری چلاتے وقت اور فوجی کام کرتے وقت بھی دل لبھانے کا خیال صاف عورت کی فطرت کا پتہ دیتا ہے۔

یہ بھی کہدینا ضروری ہے کہ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ عورت گھر کی ملکہ ہونے کی صورت میں ظالم دست بُرد اور بموں کی تباہ کاری سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس صورت میں اس کی ہلاکت صریحاً ظلم اور بربریت کہلائیگی اور آزادیٔ نسواں کے اُصولوں کے بموجب اس کی نوعیت بالکل برعکس ہوگی۔ اس لئے کہ جب عورت فوجی لباس میں مسلح ہوکر میدان جنگ میں آگے بڑھے گی تو اس کے معنی ہی یہ ہوں گے کہ وہ ہلاکت کو دعوت دے رہی ہے اور اس صورت میں اس کی ہلاکت کسی خاص توجہ کی مستحق نہ ہوگی۔ اس کی مثال بالکل یوں سمجھنا چاہیئے جیسے تاج محل۔ تاج محل صناعی کا بہترین نمونہ ہے، حسین ہے، دلکش ہے، دلآویز ہے، اس حیثیت میں اگر کوئی دشمن اسکو تباہ و برباد کردے تو وہ یقیناً ظالم کہلائیگا اور تمام دنیا کی لعنت و ملامت کا نشانہ بنے گا۔ لیکن اگر اسی تاج محل کو ایک ملٹری ڈپو میں تبدیل کردیا جائے اور اس کے اندر بموں اور اسلحہ کے ذخائر جمع کئے جائیں مسلح فوجیں اس کے اندر رکھی جائیں تو ایسی صورت میں دُشمن کا اس پر بمباری کرنا بالکل ویسا ہی ہوگا جیسا کہ عام فوجی مرکزوں پر بمباری کرنا۔ اس وقت کسی کو یہ کہنے کا مجاز نہ ہوگا کہ آرٹ کا بہترین شاہکار تباہ ہوگیا۔ اور اس حیثیت سے اس پر آنسو بہانا بالکل بے جا ہوگا۔ عورت کا درجہ انسانوں میں قریب قریب وہی ہو (باقی صفحہ ۴۵۹ پر)

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

نجمہ نے کہا "مجھے تو اب بالکل اُمید نہ تھی کیونکہ آج ہی تو شادی کی رسوم شروع ہو جائیں گی۔ ایسی حالت میں کہاں نکل سکیں گے اسی خیال سے آخری بار رخصت کیا تھا آہ اب آخر تو ہے ہی شکیلا بیگم کے آجانے کے بعد آپ کا یہاں آنا بالکل نامناسب ہو گا۔ میں تو رات ایک منٹ بھی نہیں سو سکتی اس وقت ناشتہ کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن جب آپ تشریف لے آئے اور اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلا رہے ہیں اب تو مجھ کو کئی وقت کے لئے کھا لینا چاہیئے۔ پھر خدا جانے ایسا موقعہ زندگی میں کبھی نصیب بھی ہو یا نہ ہو۔ آیا کچھ پھل اور نمکین چیزیں جو تم نے کل بنائی تھیں لے آؤ"۔ جمیل بولے "آپ ایسا خیال کیوں کرتی ہیں آیندہ سے ہم دونوں آیا کریں گے۔ شکیلہ اچھے خیالات کی لڑکی ہے۔ وہ کوئی رکاوٹ یا اعتراض نہ کریں گی۔ صرف تین دن مصروفیت کے ہیں اُس کے بعد آزادی ہو گی"۔ "آزادی ہو گی تو ہمیں کیا؟ میں تو ہمیشہ کے لئے آپ سے رخصت ہو رہی ہوں، اب جلد کلکتہ چھوڑ دوں گی"۔ آیا نے ڈاکٹر صاحب کا کارڈ پیش کیا جس کو دیکھتے ہی نجمہ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ جمیل نے کارڈ پر نظر ڈالی اور کہا "آنے دیجئے ڈاکٹر ہے۔ آپ کو دیکھنا ضروری ہو۔ مجھ کو اب جانا ہے۔ کیونکہ تھوڑی دیر میں سب مہمان جمع ہو جائیں گے اور رسم مانجھا ادا ہونے والی ہے"۔ یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے نجمہ بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئیں اور پھر اُن سے کہا "خدا مبارک کرے میرا دل وہیں لگا رہے گا۔ برائے خدا آپ مجھے کل شادی میں ضرور شریک کریں"۔ جمیل نے جواب دیا "آپ کو اس قدر کیوں اصرار ہے؟ وہاں جا کر کیا کریں گی کیا در اصل آپ کو کچھ خوشی ہو گی؟" نجمہ نے کہا "ہاں ایک عجیب قسم کا اثر ہو گا جو زندگی میں پھر کبھی نہ ہو سکے گا میں آپ کو نوشہ بنا ہوا دیکھ لوں گی گویا اپنے ہاتھوں سے ایک اور کے سپرد کر دوں گی"۔ یہ کہہ کر نجمہ نے اپنا سر جھکا لیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جمیل صاحب پر بھی بہت اثر ہوا اس بدنصیب لڑکی کی پشیمانی اور ناکامی کا۔ وہ بھی افسردہ ہو گئے اور کہنے لگے "کیا تمہاری زندگی کا نصب العین یہی ہے کہ کبھی میرے سامنے اپنے آپ کو دوسرے کے سپرد کر کے مجھ کو دکھاؤ اور کبھی مجھ کو کسی کے حوالہ کر کے دیکھو آہ کیا ہمت کیا حوصلہ ہے۔ واللہ میں وہی نقشہ تو نہیں دکھانا چاہتا۔ اچھا تین دن کے لئے رُخصت"۔ یہ کہہ کر ایک دم جمیل کمرے سے باہر ہو گئے۔ برآمدہ میں اجازت کے منتظر ڈاکٹر صاحب کھڑے تھے اُنہوں نے دیکھتے ہی سلام کیا اور اندر جانے کو کہکر اپنی کار پر سوار ہو گئے۔ ڈاکٹر نجمہ کے کمرے میں آئے وہ غسل خانہ جا چکی تھیں۔ دس منٹ بعد کپڑے بدل کر باہر آئیں اور ڈاکٹر صاحب کو بیٹھنے کو کہا اور خود ہی گفتگو شروع کر دی۔

"دیکھئے ڈاکٹر صاحب اب میں بالکل اچھی ہوں حرارت بھی نہیں۔ خوب کھاتی ہوں آپ کی عنایتوں کی بہت ہی مشکور ہوں۔ آپ نے نہ صرف ڈاکٹر کے بلکہ نرس اور عزیزوں کے فرائض بھی ادا کئے"۔ ڈاکٹر نے جواب دیا "میں تو اس وقت گھبرا گیا اپنے یہ اچانک چلنے کا ارادہ کیسے کر لیا ابھی تو آپ بہت کمزور ہیں بغیر ڈاکٹر کی اجازت کے آپ سفر نہیں کر سکتیں"۔ "ڈاکٹر صاحب جلدی ہی مجھے سفر کرنا لازمی ہے۔ آپ کو اجازت تو دینی ہو گی"۔ ڈاکٹر نے ہنس کر کہا "اس حالت میں کوئی مریض تنہا سفر نہیں کر سکتا آپ کو ڈاکٹر کو اپنے ہمراہ رکھنا ہوگا"۔ نجمہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ڈاکٹر کا ساتھ رہنا تو مشکل ہے۔ آپ کی رائے ہے تو کسی نرس کو لے جاؤں گی"۔ ڈاکٹر نے کہا "کچھ مشکل نہیں نرس سے زیادہ ڈاکٹر کا ہمراہ لے جانا آسان ہے۔ کیونکہ وہ آپ کا خادم ہے"۔ نجمہ نے ذرا سنجیدگی سے جواب دیا "یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے جو مجھ کو عمر بھر یاد رہے گی۔ مگر اب تو ڈاکٹر ہم میں جُدائی ہی ہے۔ خدا آپ کو شادمان رکھے"۔ ڈاکٹر نہایت افسردگی سے بولے "اگر ہمیشہ کو جُدائی ہے تو نجمہ شمشاد کو شادمانی کہاں فی الحال آپ کو یہاں سے جانا نہیں چاہیئے۔ میری سچّی خدمات کا کیا اتنا بھی صلہ نہیں ملیگا؟" "ضرور آپ کا حکم سر آنکھوں پر میں چار دن کے لئے ٹھہر جاؤں گی لیکن ڈاکٹر جانا ضرور ہے"۔ ڈاکٹر شمشاد نے کہا "یہ تو آپ کے اختیار میں ہے اگر آپ پسند کریں تو ہمیشہ کلکتہ میں رہ سکتی ہیں کل ہی باجی پرنسپل صاحبہ کہہ رہی تھیں کہ میں دو سال کے لئے انگلینڈ جانا چاہتی ہوں اور اپنی جگہ مس نجمہ کو مقرر کرا دوں گی کیا آپ کو یہ پسند نہیں؟" نجمہ نے جواب دیا "میرا ارادہ ملازمت کا نہیں۔ میرے بزرگ اسے بلا رہے ہیں"۔ شمشاد صاحب نے کہا "یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ اگر ملازمت نہیں تو آپ کو دوسری زندگی شروع کرنی ہوگی۔ ہمیں تو آپ کے حالات سے آگاہی نہیں۔ ہاں کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ یہ صاحب جو ابھی تشریف لے گئے ہیں آپ کے کوئی رشتہ دار ہیں؟" نجمہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "جی نہیں ان صاحب سے رشتہ تو کوئی نہیں میرے دیرینہ دوست اور آپ کی طرح مہربان ہیں آپ ان کو نہیں جانتے یہ یہاں کے ایک بڑے نامور تاجر سیٹھ خلیل احمد صاحب کے صاحبزادے ہیں وہ تو آپ کی ہمشیرہ پرنسپل صاحبہ سے خوب واقف ہیں بلکہ ان کے خاندان کی لڑکیاں پرنسپل صاحبہ کی شاگرد ہیں۔ مسٹر جمیل خود بیرسٹر ہیں"۔ یہ حالات سُنکر ڈاکٹر حیران سے ہو گئے اور چند منٹ کی خاموشی کے بعد کہا "اچھا آئی۔سی! یہ بیرسٹر جمیل تھے نام تو سُنا ہے لیکن ملاقات کبھی نہیں ہوئی مجھ کو انگلینڈ سے آئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے" یہ کہہ کر پھر کسی اور گہری سوچ میں پڑ گئے نجمہ ان کی حالت کو بخوبی سمجھ رہی تھیں۔ اب ان کو دھوکے میں رکھنا مناسب نہ سمجھ کر کہا "کیوں ڈاکٹر صاحب آپ تو کسی سوچ میں پڑ گئے۔ کیا آپ کو اس کا بھی علم نہیں ہے کہ آج جمیل صاحب کی شادی ہے۔ پرنسپل صاحبہ مدعو ہیں"۔ جمیل کی شادی سُن کر ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر خوشی سے سُرخی دوڑ گئی جو ابھی نہایت افسردہ تھے بشاش نظر آنے لگے خوشی سے بولے "اچھا آج ہی بیرسٹر صاحب کی شادی ہے ہمشیرہ صاحبہ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا آپ کو شاید وہ شادی کا بلاوا دینے آئے تھے؟"

"جی ہاں مگر میں نے یہ جواب دیدیا ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب نے اجازت دی تو آؤں گی۔" اور کلکتہ سے جانے کی کس نے اجازت دی؟ شادی میں جانے کی اجازت کی ضرورت ہوئی اور کلکتہ سے جانے کا خود ہی فیصلہ کرلیا۔"

پھر ایک کار کے آکر ٹھہرنے کی آواز آئی اور آیا نے خبر دی کہ کوئی بیگم صاحب آپ سے ملنے آئی ہیں یہ سنکر نجمہ کھڑی ہوگئیں ڈاکٹر وہیں بیٹھے رہے انہوں نے بیڈ روم کا دروازہ بند کردیا اور ڈرائنگ روم میں آکر انہیں اُتروایا۔ اور دیکھ کر حیران رہ گئیں" ارے آج آپ کیسے تشریف لے آئیں آج ہی تو ما نجا ہے۔ آپ کو نکلنے کا موقعہ کیسے مل گیا؟" شکیلا بیگم نے جواب دیا" آج میرا آنا ناممکن تھا۔ مگر میں صرف اس خیال سے ہزار مشکلیں اُٹھا کر آئی ہوں کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں ہی اپنی شادی میں شریک کرنے کو بلاؤں گی۔ میں دس منٹ کے لئے آئی ہوں کل آپ کس وقت تشریف لائیں گی؟ میں ابھی پرنسپل صاحبہ سے بھی کہتی جاؤں گی کہ وہ آپ کو اپنے ہمراہ لے آئیں اب تو آپ بالکل اچھی ہیں"؟ نجمہ نے کہا" اس خلوص و محبت کا شکریہ ادا نہیں کرسکتی کہ رسم مایوں بیٹھنا بھی دیکھنا چاہتی تھی اگر کوئی بلاتا۔" شکیلا نے کہا" اس کے لئے میں جمیل صاحب سے کہلوا دوں گی اگر وہ کسی ترکیب سے بلوا سکیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو شادی میں شریک کرنا چاہتے نہیں غالباً اس وجہ سے کہ ان کی والدہ صاحبہ سے آپ کا تعارف نہیں ہے اور میں ان کی مرضی کے خلاف کچھ کرتی ہوئی ڈرتی ہوں۔ اچھا بہن مجھے اب اجازت دیجئے بہت جلدی ہے۔" اس کی محبت کا نجمہ پر خاص اثر ہوا اور وہ شکیلا سے لپٹ گئیں اور کہا" پیاری شکیلا خدا تمہیں یہ شادی مبارک کرے۔ اور تازندگی شاد کام رہو یہ میری دلی خواہش ہے"۔ اس وقت شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے جھک کر اپنا سر نجمہ کے سینے سے لگا دیا۔ اور روتے ہوئے کہا پیاری بہن آپ دُعا دیں کہ میری آیندہ زندگی اپنے شوہر کی رضامندی میں بسر ہو۔ میں ہمیشہ آپ کو اپنی حقیقی بہن سمجھوں گی"۔ نجمہ نے شکیلا کا سر اپنے سینہ سے لگا کر اس کی آنکھوں کو چُوم کر رومال سے خشک کیا اور کہا" میری اچھی شکیلہ مجھ کو آج سے نہ صرف اپنی بہن بلکہ اپنے شوہر جمیل کی بھی حقیقی بہن سمجھنا۔ پھر میرا بڑا حق ہوجائے گا اُمید ہے مجھے نند بنا لو گی"۔ شکیلا نے سر اُٹھا کر جواب دیا" ضرور ضرور مجھکو معلوم ہے جمیل صاحب نے مجھ سے بیان کردیا تھا جس دن اُنہوں نے آپ کو بہن کہا تھا بلکہ ہم نے تو انہیں چھیڑا تھا کہ عورتیں دوپٹہ بدل کر بہن بنا کرتی ہیں آپ بھی بہن نجمہ سے کوئی چیز بدلنے کی رسم ادا کریں۔ اس کا اُنہوں نے یہ جواب دیا کہ جب آپ آجائیں گی تو وہ رسم ادا کرنا۔ اچھا خدا حافظ"۔ نجمہ نے خود جا کر شکیلہ کو سوار کرایا۔

(باقی آئندہ) نذر سجّاد حیدر

رباعیات

(۱)

جو ہستیٔ انساں سے خبردار نہیں
وہ جنسِ محبت کا خریدار نہیں
کہتا ہے یہی فلسفہ ہمدردی کا
سب دوست یہاں ہیں کوئی اغیار نہیں

(۲)

دل نورِ حقیقت سے اگر روشن ہے
پھر ظلمتِ افکار سے کیوں اُلجھن ہے
اے جادۂ ہستی کے مسافر ہشیار
رہبر نہیں یہ نفس ترا رہزن ہے

(۳)

شیرازۂ ہستی ہے بکھرنے کے لئے
آفاق میں جیتے ہیں تو مرنے کے لئے
اوقات کو بے فائدہ کھونے والو
ہر وقت میں اک کام ہے کرنے کے لئے

(۴)

احساس بلندی کا نہ ہے پستی کا
بھولا ہوا انساں ہے سبق ہستی کا
معبودِ حقیقی سے بھی آگاہ نہیں
کیا دور زمانے میں ہے سرمستی کا

(۵)

ہر سمت مسرت کا سماں تھا کل تک
مسرور ہر اک پیر و جواں تھا کل تک
جو رنگ زمانے دکھایا ہے آج
وہ رنگ زمانے کا کہاں تھا کل تک

(۶)

تخلیقِ بشر باعثِ طاعت سمجھو
ایمان کو انسان کی دولت سمجھو
غفلت سے نہ لو کام کہ انساں ہو تم
لازم ہے تمہیں وقت کی قیمت سمجھو

(۷)

تقدیر پہ چُپ بیٹھنا نادانی ہے
تدبیرِ عمل قوتِ انسانی ہے
لیکن اُنہیں اس بات سے حاصل نہیں کچھ
دشوار جنہیں نفس کی قربانی ہے

(۸)

سمجھا نہ اگر فلسفۂ عہدِ قدیم
ہو جائے گی محدود تمہاری تعلیم
دُنیا میں مہکنا ہے اگر صورتِ گُل
پیدا کرو تخیل میں امواجِ نسیم

خلیق برہانپوری

اِحساس کمتری

(یہ مضمون مسز کرشنا ہوتھی سنگھ کی تقریر سے ملخص ہے اور انگریزی سے بتصرف ترجمہ کیا گیا ہے)

۱۹۴۰ء کی نوجوان عورتیں اب سے ۲۵ برس قبل کی عورتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ انھیں زندگی کے ہر شعبہ میں دسترس حاصل ہے۔ زمانہ کی نشیب و فراز اور زندگی کی کشمکشوں میں وہ زیادہ جرأت آزما تجربہ کاری سے حصے لے رہی ہیں۔ یہ کایا پلٹ دنیا کے ہر حصے میں محسوس ہو چکی ہے۔ چنانچہ یہ نیرہ خاکدان ہند بھی اس سے روشناس ہو رہا ہے کٹی ہوئی Bobbed زلفیں اور تندرست و توانا جسم لانبے دراز زلفوں اور مخنی نازک اندام گلبدنوں کی جگہ غضب کر رہی ہیں۔ اور نہ اب رُخ انور کی شہابی رنگت کو فروع حاصل ہے۔ بلکہ حُسن وہی مقبول ہوتا ہے جہاں صحت اور تندرستی کی شگفتگی اور تازگی جھلک رہی ہو۔ بیرون خانہ کھیلوں اور مصروفیتوں سے سانولے پن کی جھلک دکھائی دیتی ہو۔ موٹر رانی۔ ہوابازی۔ اور اسپورٹس جیسی مردوں سے مقابلہ آرائی ہو تحصیل علوم میں وہ ان سے کسی طرح کم نظر نہ آئیں یہ ان کا طرۂ امتیاز بن رہا ہے مگر اس کے باوجود سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ باوجود اس قدر آزادی اور دسترس کے عورتوں میں ابتک احساس کمتری اس درجہ جاگزیں ہے۔ گویا یہ نقص ان میں فطرت ثانی بن گئی ہے۔

اگرچہ بظاہر وہ اس کو تسلیم نہیں کرتی ہیں۔ مگر یہ مرض ان میں بڑی حد تک موجود ہے ہمارے ہندوستان کی بات تو چھوڑیئے۔ یہاں مردوں کو ہر طرح برتری اور فوقیت حاصل ہے گویا یہ ان کا پیدائشی حق تصوّر کیا جاتا ہے مغربی ممالک میں بھی یہ خصوصیات نوجوان پودمیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں جس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کو مردوں کی بنسبت حقیر سمجھتی ہیں اور ہر خطرناک مرحلے میں مردوں کی حفاظت کرنا اور ان پر نثار ہو جانا لازمی قرار دیتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خطرہ کے مقام پر مرد اپنی زندگی کو ہلاکت میں نہ ڈالیں

کچھ عرصہ ہوا چند نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے ایک ہوا باز نوجوان دوست کی ہلاکت پر اظہار افسوس کر رہے تھے کہ وہ اپنی جرأت آزمائی کے زعم میں جلدبازی سے ایسا اقدام کر بیٹھا تھا کہ جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ مجمع کی ایک نوجوان لڑکی جو خود بھی ماہر ہوا باز تھی۔ اس امر پر اظہار تاسف کرتے ہوئے بول اُٹھی کہ اُسے اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہی غلطی تھی۔ سراسر دیوانہ پن تھا جبکہ وہ اس قدر ہوشیار نوجوان تھا۔ دوسری لڑکی جھٹ بول اُٹھی کہ "جناب آپ بھی تو کچھ کم نہیں ہیں آپ کو بھی ہر دم ایسی ہی دیوانگی سوجھتی ہے۔ آئندہ سے خوب ہوشیار رہنا۔ کیونکہ آپ بھی بڑی ماہر پرداز ہیں"۔ پہلی لڑکی بے اعتنائی سے شانوں کو جھٹکا دیکر

بولی اوہ! میں تو محض ایک عورت ہوں میری زندگی انسان کے لئے اس قدر قیمتی اور کارآمد نہیں "
مس ۱۹۴۲ئہ کی زبان سے یہ الفاظ سُنکر میں حیران رہ گئی۔ مگر جلد ہی میں نے معلوم کرلیا ایک نہیں سینکڑوں بار ایسے موقعوں پر ہمیشہ عورتوں نے اپنی کمتری کا اظہار کیا ہے۔ اور اپنی زندگی کو معرض خطر میں ڈال کر مردوں کے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ ان سے زیادہ مردوں کی جان قیمتی ہے۔

یہ احساس اگرچہ مشرق اور مغرب ہر دو ممالک میں عام طور پر قدیمی روایات کا حامل ہے۔ مگر تعجب ہے کہ صغر سنی سے لڑکوں کو ہمت افریں جرأت آزمائی۔ پھر بہادری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ انھیں ابتدا ہی سے یہ سبق پڑھایا جاتا ہے۔ کہ تم قوی ہیکل نوجوان بنو گے۔ بڑے بڑے کارناموں کے مالک ہوگے۔ اِس کے برخلاف لڑکیوں کو نازک ترین مخلوق قرار دیکر انھیں نفیس کاموں کی تعلیم دیجاتی۔ مثلاً۔ پکانا۔ سلائی پروئی۔ اور حسین لباس میں آراستہ ہوکر مردوں کی ضیافت نظر کا سامان کرنا چنانچہ اسی قدیمی تعلیم کے مشاہدے کا نتیجہ لڑکوں نے اخذ یہ کیا کہ تمام اہم کاموں کا سہرا مردوں کے سر رہتا ہے۔ انکی آنکھوں کے سامنے۔ پولیس کے دستے جو شہری حفاظت سے لے کر سٹرک کی آمدورفت تک کا انتظام کرتے ہیں۔ تمام مردوں سے پُر ہیں۔ انجن چلانے والے بھی مرد ہیں۔ تمام سپاہی بھی مرد ہی ہوتے ہیں۔ باورچی بھی جس قدر نامور ہیں سب مَرد ہی ہیں۔ یورپ میں لباسوں کے اختراع کرنے والے مشہور رہا ہو بھی مرد ہی ہیں۔ خدا کو بھی لوگ مردوں کی طرح مخاطب کرتے ہیں۔ اور جن ملکوں میں دیویوں کی پرستش ہوتی ہے۔ وہاں بھی ان کا رتبہ از قسم ثانی رکھا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کمتری کا رُجحان اسوقت تک دور نہیں ہوسکتا جب تک مرد تنہا اس تقسیم عمل کے ذریعہ روٹی کی جدوجہد میں سرگردان رہے گا۔ اور ساری باربرداری اس کے ذمہ رہے گی۔ یہاں تک کہ عورتیں بھی کمانے لگیں۔ اور ایک دوسرے کی آمدنی پر مشترکہ دخل رکھیں۔ چنانچہ آج کل بڑی حد تک یہ عمل بھی جاری ہوچکا ہے۔ اور لڑکیاں بھی لڑکوں کی طرح کمانے لگی ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اُنھیں بھی وہی آسانیاں اور مواقع بہم پہونچائے جائیں۔ والدین اب تک اسی فرسودہ رسم کی پابندی کرتے چلے آرہے ہیں اور لڑکیوں کی بہ نسبت لڑکوں کی تعلیم پر زیادہ صَرف کردینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس خیال سے کہ تعلیم کے بعد کما کر پورے خاندان کا بار وہ سنبھال سکتے ہیں۔ اور بیٹی یہ کام نہیں کرسکتی۔ کیونکہ وہ زیادہ سے زیادہ حصول تعلیم کے بعد اپنی آزادی برقرار رکھنے کی خاطر نوکری کرسکتی ہے۔ یا انتہائی ضرورت اگر آپڑے تو وہ کچھ دنوں یہ محنت گوارا کرلیتی ہے مگر آخر کار وہ شادی کرکے خانہ داری کو ترجیح دینے لگتی ہے۔ لہٰذا ان کی تعلیم پر اس قدر زیادہ خرچ کرنا عام طور پر والدین زیادہ ضروری نہیں سمجھتے لیکن صرف بھی ایک عیب نہیں ہے

جس میں وہ مردوں سے اپنے کو حقیر سمجھنے لگتی ہیں سینکڑوں باتیں ایسی ہیں جن میں انھیں نسبتاً احساس کمتری پر تکیہ کرنے پڑتا ہے ذہانت میں اگرچہ وہ مردوں سے برتر یا ان کے برابر ہی ہوسکتی ہیں۔ مگر بعض امور میں وہ مردوں سے مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس کے ماسوا انہیں سماجی آزادی اس قدر حاصل نہیں کہ جیسی مردوں کو ہے۔

ملازمت کے موقعوں پر بھی عورتوں کو ہمیشہ پس پشت ڈالدیا جاتا ہے انھیں تنخواہ بھی قلیل ملتی ہے اور زیادہ تر غیر دلچسپ ذمہ داری اس غریب پر عائد کردی جاتی ہے اور ترقی کے کمتر مواقع انہیں دیئے جاتے ہیں

مردوں کو ہر طرح فوقیت اور سرداری حاصل ہے اور ان کے پاس بے شمار معقول وجوہ پیش کرنے کو اس قدر کافی موجود رہتی ہیں۔ گویا یہ تقسیم عمل ان کا جائز اور فطرتی طے شدہ حق ہے عہد قدیم سے لیکر آجتک عورتوں سے یہی کہا گیا کہ تمہارا "بس" گھر ہے۔ چنانچہ اس سے انحراف اور قدیمی روایات سے روگردانی کیلئے پشتہا پشت کی جدوجہد درکار ہے شوہر اور بیوی دونوں اگر ملازمت پیشہ ہوں جب بھی یہ کام ہمیشہ بیوی کے سر رہا ہے کھانے پینے کا انتظام کریں۔ بچوں کی خبر گیری دیکھ بھال کے علاوہ خانہ داری کا خیال رکھیں پھر اپنی جائے ملازمت پر حاضر ہوکر فرائض منصبی انجام دیں۔

ان حالات کے باوجود شوہر صاحب کبھی بیوی کا ہاتھ بٹانے پر آمادہ نہ ہوں گے اور نہ بیوی بیچاری کو یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ بساط زندگی کے اس بہادر ہیرو سے کسی تائید کی امید رکھے۔ عموماً عورتوں کی یہ خصوصیت ہے کہ دوسروں کی بہبودی کا وہ اپنی ذات سے کہیں زیادہ خیال رکھتی ہے اور یہی ایک موقعہ ہے جس میں اسکی "احساس کمتری" واضح طور پر ظاہر ہوجاتی ہے دراصل یہ احساس کمتری ان میں سخت خطرناک اور تباہ کن نقص ہے جس میں آجکل کی عورتیں بھی مبتلا ہیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اب اس میں کمی ہوتی جارہی ہے اور عورتیں جس قدر عملی زندگی کی ضرورتوں کو محسوس کر رہی ہیں۔ اسی قدر احساس کمتری کا مرض ان سے دور ہوتا جارہا ہے اور وہ اپنی ہمت اور قابلیت پر اعتماد کرنا سیکھ رہی ہیں۔ جب ہم ان عورتوں کا خیال کرتے ہیں جنھوں نے اہم انکشافات بہم کئے ہیں اور جن کی عظیم الشان اولوالعزمی نے ہوابازی اور دیگر اہم مشغلوں میں ریکارڈ توڑ دیا ہے اور وہ جو حکومت کے معزز ترین مناصب پر سرفراز کی گئی ہیں۔ اس وقت خود بخود ہمیں ایک فخر سا محسوس ہوتا ہے۔ اس وقت ممکن نہیں کہ ہم یہ کہہ کر اپنی تسلی کرلیں کہ پرواہ نہیں آخر میں عورت ہوں۔

جب تک یہ احساس باقی رہے گا کہ ہم محض ناچیز عورتیں ہیں اس وقت تک ہماری کامیابی اقتصادی اور سیاسی آزادی ناممکن ہے۔ سب سے پہلے خود اعتمادی پیدا ہونی لازمی ہے قبل اس کے کہ دوسرے اُن پر بھروسہ کرنے لگیں۔ انھیں اپنی قوت اور قابلیت پر اعتماد رکھنا چاہئے۔ اور جب یہ حاصل ہوگیا اور احساس کمتری دور ہوگئی تب وہ اس شوربدہ سر دنیا پر قابو پالیں گی — اور اس سے برتر اور بہتر درجہ حاصل کریں گی۔ اس وقت ان کو جینے کا صحیح معنوں میں مزا آئے گا۔ اور صدیوں کی مہربانی ہمدردی اور دلداری میں مردوں نے جو شان اور عزت انھیں عطا نہیں کی وہ حاصل ہو جائے گی۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

ہماری غذا

آج کی صحبت میں مجھے غذا اور اس کی ضرورت پر کچھ عرض کرنا ہے جو کیفیت مزاج اور مقدار کے لحاظ سے معتدل اور مناسب ہونی چاہیئے۔ اگر غذا مرغن ہو لیکن غیر سائنٹفک اصولوں پر تیار کی گئی ہو تو وہ بجائے فائدے کے اضمحلال و کمزوری پیدا کرتی ہے گوشت ہی کو لیجئے جسے لذیذ بنانے کے لئے خوب بھونا جاتا ہے اور اس طرح اسکی مفید رطوبتیں فنا ہو جاتی ہیں اس کا وزن بھی گھٹ جاتا ہے اور وہ دیر ہضم ہو کر نقصان کا موجب ہوتا ہے اور اسمیں تیز مصالحوں کے ملا دینے سے اسکی رہی سہی قوت بالکل ضائع ہو جاتی ہے۔ گوشت کو جس قدر زیادہ بھونا اور کوفت کیا جائیگا اس کے اجزائے غذائی برباد ہو جائیں گے۔ اطبا کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گوشت کو زیادہ سے زیادہ بیس منٹ بھونا چاہیئے اس سے زائد نہیں مچھلی کو بھی زیادہ مصالحے ڈال کر نہ پکانا چاہیئے۔

چاولوں کو اُبال کر ان کی پیچ پھینک دینے کا طریقہ غلط ہے اس سے اسکی اصلی طاقت ضائع ہو جاتی ہے۔ انکے مقوی اجزا اور قدرتی نمک انہیں سے نکل جاتے ہیں۔ اس لئے اکثر کھانوں کو بھاپ کے ذریعہ سے پکانا زیادہ بہتر ہے۔ آلو کو بھی مع چھلکے کے پکا لینا مفید ہے ورنہ اس کی رطوبت ضائع ہو جاتی ہے۔ ترکاریوں کے کھانے میں اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ زیادہ آتش زدہ نہ ہوں کہ سارے وٹامن برباد ہو جائیں۔ انمیں استحالۂ ہضم کی صلاحیت موجود ہے۔ پخت و پز کے اصولوں میں ایک چیز سینکنا ہے آگ پر یا تنور میں اس فعل میں بھی غذائی دانتوں کے گداز و خستہ ہونے کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ تلنے، بھوننے اور بگھارنے میں بھی اشیا مطلوبہ کی رطوبتوں کو فنا کرنا نہ چاہیئے۔

حذّاق کرام نے لکھا ہے کہ گوشت، روٹی، چاول، گھی، مچھلی، ترکاریاں، انڈا اور دودھ انسان کے لئے بہترین غذائیں ہیں ہندوستان جیسے گرم ملک میں گوشت کی بسیار خوری مناسب نہیں ہے لیکن دنیا کی قوی اور توانا قوموں کی طرح اسے بھی کھانا چاہیئے۔ گوشت کے مزاج کو معتدل کرنے کے لئے ترکاریاں ڈالنا چاہئیں ورنہ رطوبت معدی بے سہارا رہجائیگی اور روئیدگی نباتی کے نہونے سے امراض پیدا ہونیکا امکان ہے مختلف غذاؤں میں جواہر غذائیہ کم و بیش موجود ہوتے ہیں۔ گوشت میں لحمیّہ زیادہ ہوتا ہے جس میں عضلات کے مضبوط کرنے اور طاقت برقرار رکھنے اور بہترین بدل ما یتحلل ہونے کی صلاحیت ہے۔ یہ چیز دالوں میں بھی موجود ہے مگر بہت کم گوشت میں چربی نمک، مائیت بھی پائی جاتی ہے لیکن وہ قیمتی اجزا مفقود ہیں جنکو نشاستہ کہتے ہیں۔ یہ گیہوں اور چاول میں ہوتے ہیں۔ دودھ میں ہر قسم کے اجزائے غذائی موجود ہیں مگر دودھ کو زیادہ جوش دیکر اور اونٹا کر اس کی افادیت مشتبہ کر دی جاتی ہے۔

الغرض مدعا اس ساری بحث کا یہ ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ غذا جو ہم استعمال کرتے ہیں اس میں لحمیّہ کتنا ہے چربی یا لحم کتنا ہے نشاستہ کتنا ہے۔ پانی، نمک اور اجزائے ارضی کتنے پائے جاتے ہیں کیونکہ ان ہی چیزوں کے معدے میں پہونچنے کے بعد فعل ہضم اپنے کیمیاوی عمل سے خون میں قوت، حرارت اور رنگارنگی دکھاتا رہتا ہے۔ اول تو ہم لوگوں کو اعلیٰ غذائیں میسر ہی نہیں آتیں مثلاً پھلیں کے مہنگا ہونیکی وجہ سے ہر شخص استعمال نہیں کر سکتا لیکن جو کچھ ہمیں میسر آجاتا ہے ہم اُسے بھی اپنی لاعلمی سے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ زبان کے چٹخارے کی خاطر غیر مفید بنا دیتے ہیں۔ اس لئے میری التماس ان سب بہنوں سے جو اپنے باورچی خانہ سے دلچسپی رکھتی ہیں

انسان کی قدر اس کے خیالات و کمالات سے ہے

سولھویں صدی کے وسط میں جبکہ شاہ سکندر لودی کی حکومت تھی۔ ایک شخص سادھو کہئے یا درویش منش کبیر نام کے ہو گزرے ہیں جو اپنے درویشانہ خیالات و پاکیزہ عقاید کی وجہ سے اس قدر شہرت حاصل کر چکے تھے کہ ہندو اور مسلمان دونوں انھیں پیشوا ماننے لگے اور اسی بنا پر ہندو انھیں کبیر داس اور مسلمان انھیں کبیر صاحب کے نام سے موسوم کرتے رہے اور ایک کبیر پنتھ بھی ان کی ذات سے رائج ہو گیا۔ اور جس طرح زندگی میں انکی قدر و منزلت تھی۔ مرنے کے بعد بھی وہی سلسلہ ان کے معتقدین میں اسوقت تک جاری ہے۔ چنانچہ گورکھپور سے مغرب کی جانب آٹھ کوس کے فاصلہ پر مگہر کے ریلوے سٹیشن سے چند فرلانگ پر کبیر صاحب کا مقبرہ ہے۔ اور اس کے قریب لب آب ہندوؤں نے ان کا مندر بنا رکھا ہے حیرت کی بات یہ کہ ایک شخص واحد کو دو مختلف مذہب کے لوگ اپنا اپنا امام مانتے ہیں کیونکہ ہندو قوم انہیں ہندو سمجھتی اور مسلمان انھیں مسلمان جانتے ہیں۔ اس لئے دور دور سے ان کی پرستش و زیارت کو آتے رہتے ہیں۔

ایسے شخص کے معتقدین کے لئے ضرورت تو اس بات کی تھی کہ بجائے قبر پرستی کی گمراہی کے ان کے اقوال و عقائد پر عمل کر کے اپنے عقلمندی کا اظہار کرتے، کیونکہ کبیر صاحب کے خیالات انھیں خدائے واحد کا پرستار ثابت کرتے ہیں۔ انکے ایک دوہے سے ان کے عقائد کی پختگی پر صاف روشنی پڑتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:-

"جب تک زندگی ہے علم حاصل کرو۔ اور حق کی تلاش کرو۔ غور کرو تو زندگی میں ہی نجات کا حصول ممکن ہے۔ اگر زندگی میں قید رہیں نہ ٹوٹیں تو موت کے بعد نجات کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ روح محض اس وجہ سے مل کر ایک ہو جائے گی کہ وہ جسم سے علیحدہ ہو چکی ہے اگر حق یہاں نہ ملا تو مرنے کے بعد کب ملیگا اگر تم میں اور ذات باری میں اس قدر اتحاد ہے تو آئندہ زندگی میں بھی اتحاد رہے گا۔ حقیقت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالو۔ سچے رہبر کو پہچانو۔ اور حقیقی نام پر ایمان رکھو۔ کبیر کہتا ہے کہ تلاش ہی مدد دیتی ہے۔ اور میں تو اس کا غلام ہوں جو جویائے حق ہے"

اگر یہ اقوال سچے دل سے نکلے ہیں۔ تو قابل تعظیم یہ ہستی ضرور ہے اور ایسے لوگوں سے خرق عادات کا ظاہر ہونا ناممکن نہیں اور جو خدا کی جستجو میں ہر وقت رہا کرتے ہیں۔ وہ خدا کی بڑائی کے آگے اس کی مخلوق کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ اس سے ڈرتے ہیں۔

اس نوع کا ایک واقعہ کبیر صاحب کے متعلق کبیر جرنہ سندیس نامی ایک کتاب میں لکھا ہوا مشہور ہے گو اس میں کچھ مبالغہ بھی ہو۔ پر قرین قیاس ہے کہ ایک بار بادشاہ سکندر لودی کے دربار میں کبیر کو بلایا گیا۔

جس میں بادشاہ کے مرشد میر تقی اور قاضی بھی موجود تھے جو کبیر کے مخالف تھے۔ بس انھوں نے کبیر کو کسی گرفت میں لینے کے ارادے سے اعتراضات شروع کئے کہ بادشاہ کو سلام کیوں نہیں کیا (بادشاہوں کے احترام میں فرشی سلام ہوا کرتا ہے) کبیر نے کہا کہ میرا سر خدا کے سوا اس کی مخلوق کے آگے نہیں جھکتا۔ پھر وہ لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ آنے میں کیوں دیر لگائی؟ اس میں بھی صوفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا تسلی بخش جواب سنکر ایک برہمن کے اکسانے پر کبیر پر کفر و بے حیائی وغیرہ کے فتوے تراشے گئے۔ کبیر نے اس کے جواب میں کہا کہ "جو جیسا ہے ویسا ہی ہمیں دیکھتا ہے۔ عیب بین کو عیب اور ہنر بین کو ہنر دکھائی دیتے ہیں۔ لوگ اگر مجھے برا کہتے ہیں۔ تو اسے میں کیا کروں یہ ان کی آنکھوں کا قصور ہے" وغیرہ اس قسم کے جواب سے بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ یہ سچ کہتا ہے۔ اب قاضی جی نے ان کے نام پر نکتہ چینی شروع کردی کہ تم اپنے کو کبیر کیوں کہتے ہو؟ یہ تو اللہ کا نام ہے کیا خدائی کا دعویٰ کرتے ہو؟ کبیر نے جواب دیا کہ اگر ایسا سمجھتا ہے تو پھر کیوں کہتا ہے۔ سکندر نے کہا تو پھر اصلی نام تمہارا کیا ہے؟ کبیر نے جواب میں ایک دوہا کہا بادشاہ نے کہا۔ یہ کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ جو آپ کہلواتے ہیں بادشاہ نے کہا کہ ہم کیا کہلواتے ہیں؟ کہا جو ہم کہتے ہیں۔

غرض اس قسم کے بے باک جوابات سے بادشاہ مغلوب الغضب ہوئے اور کبیر کو ہاتھی سے کچلوانے کا حکم دیا۔ حاکم کا حکم پاتے ہی فیل بان نے ہاتھی کو کبیر کی طرف بڑھایا لیکن ہاتھی اس وقت بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے ہٹنے لگا۔ فیل بان نے کہا کہ حضور شیر کی صورت سامنے نظر آ رہی ہے اس لئے ہاتھی آگے نہیں بڑھتا بلکہ پیچھے ہٹ رہا ہے یہ سنکر سکندر خود ہاتھی پر سوار ہوئے دیکھتے کیا ہیں کہ حقیقت میں کبیر شیر کی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے انکی طرف ہاتھی نہیں بڑھتا۔ یہ معاملہ دیکھکر بادشاہ گھبرا کر فوراً ہاتھی سے نیچے اتر پڑے اور کبیر سے معافی مانگی کہ مجھ سے گستاخی ہوئی جو چاہے سزا دیجئے

کبیر نے کہا کہ ہم سزا دینے کے لئے نہیں آئے۔ بلکہ سزا سے بچانے کے لئے آئے ہیں یہ کہکر یہ دوہا کہا۔

جو کوئی کانٹے بووے۔ تاہ بووے تو پھول　　　　تو کو پھول کے پھول ہیں۔ وا کو ہیں ترسول

کبیر صاحب کے ان خیالات سے بادشاہ بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ کہا کہ رعایا پر ظلم روا نہ رکھو کہتے ہیں اس دن سے سکندر نے رعایا کو ظلم سے محفوظ رکھا۔

کبیر کا شمار بڑے شاعروں میں بھی ہوتا ہے چنانچہ دنیا کی الٹی سمجھ پر ایک دوہا کہا جو بالکل حقیقت کو لئے ہوئے ہے ؎

رنگی کو نارنگی کہے۔ بنے دودھ کو کھویا　　　　چلتی کو گاڑی کہے۔ دیکھ کبیرا رویا

اس دوہے میں بھی دنیا کے لئے کتنا سبق بھرا ہوا ہے ؎

چنتا سے گھٹے چترائی۔ دکھ سے گھٹے شریر　　　　پاپ سے گھٹے لکشمی۔ کہتے ہیں داس کبیر

یہ شعر بھی غالباً آپ ہی کا ہے ؎ ذات بھانت نہ پوچھے کوئی ⁂ ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئی۔

غرض انسان کی قدر اس کے خیالات پر ہوتی ہے اور پاکیزہ عقاید ہر مذہب و ملت کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں اور ایسی ہستیوں

زیور پرستی

ابتدائے آفرینش سے ہی کسی نہ کسی شکل میں عورتوں کا رجحان زیورات کی طرف پایا جاتا ہے۔ اگر سچ پوچھیے تو اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زیادہ سے زیادہ دو چار خوبصورت اور ہلکے پھلکے گہنے عورتوں کے حسن کو ایک حد تک نکھار ضرور دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی خاتون زیورات ہی کو حسن و جمال کی ترقی و تزئین کا واحد ذریعہ سمجھ کر اپنے جسم کے ہر ہر حصے یہاں تک کہ جوڑ جوڑ کو وزنی زیورات سے جکڑ دیں تو ایسی حالت میں انہیں کوئی حسین نہیں کہہ سکتا۔ آپ نے سنا تو ہوگا۔

تکلّف سے بری ہے حسن ذاتی　　قبائے گل میں بوٹے کہاں ہیں؟

گہنوں کی کثرت نہ صرف ظاہری حسن و جمال کو ہی مضحکہ خیز بناتی ہے۔ بلکہ جسمانی صحت کے لئے بھی بیحد مضرت رساں ثابت ہوئی ہے۔ بڑے بڑے سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ بھاری گہنوں کے پہننے سے رگوں پر انکا غیر ضروری دباؤ پڑ کر دوران خون میں فتور پڑ جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس حصہ جسم پر یہ گہنے پہنے جاتے ہیں قدرتاً کمزور اور مضمحل ہو جاتا ہے۔ عورتیں یوں ہی نازک واقع ہوئی ہیں۔ خود کو سونے چاندی کے شکنجوں میں جکڑ کر خود ہی اپنی تباہی کا موجب بنتی ہیں۔ اور اپنے قدرتی حسن و صحت کو کھو کر ہمیشہ کمزور و نحیف اور چھوئی موئی بنی رہتی ہیں۔

ضرورت سے زیادہ گہنے پہننے کا شوق ہندوستانی خواتین میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس مہلک مرض سے مغربی ممالک کی خواتین بھی یکسر مبّرا نہیں ہیں لیکن ہندوستان جیسے فاقہ مست ملک کے لئے تو یہ روگ حد درجہ تباہ کن ہے ہندوستانی خواتین گہنوں کی بڑی بھوکی ہوتی ہیں۔ وہ اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر روپے جمع کر کے گہنے بنواتی ہیں۔ ہندوستانی شوہروں کے گاڑھے پسینے کی کمائی کا بیشتر حصہ ان کی بیویوں کے گہنے پر صرف ہوتا ہے۔

جہاں تک میرے مشاہدہ اور مطالعہ کا تعلق ہے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان گہنوں کی بدولت "خانہ جنگیوں" اور باہمی شکر رنجیوں سے گذر کر کبھی کبھی قطع تعلقات تک کی نوبت پہونچ جاتی ہے۔ شادی بیاہ میں سب سے پہلے لوگوں کی نظر لڑکے والے کی لائی ہوئی گہنوں کی پٹاری پر جاتی ہے۔ دیہاتوں میں گہنوں کی کثرت و بہتات ہی انکی شرافت و نجابت کی دلیل سمجھی جاتی ہے جس عورت کے پاس سب سے زیادہ گہنے ہوتے ہیں اپنی ہجولیوں میں وہی شریف اور معزز سمجھی جاتی ہے۔ دیہاتوں کیا اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب دو عورتیں آپس میں ملتی ہیں تو سب سے پہلے انکی نگاہ ایک دوسرے کے گہنوں پر جاتی ہے۔ اس وقت ہر عورت خود کو گہنوں سے لدی ہوئی دیکھنا چاہتی ہے۔

بیداری کے اس دور میں ہماری بہنوں کے یہ خیالات حد درجہ مضحکہ خیز اور افسوس انگیز ہیں دنیا میں کچھ گہنے ایسے بھی ہیں جنکی انوکھی چمک دمک کے آگے سونے چاندی کے گہنوں کی تابش ماند پڑ جاتی ہے۔ اور جنھیں زیب تن کر لینے کے بعد

کسی دوسرے گہنے کی ضرورت نہیں باقی رہتی اور وہ گہنے سگھڑپن، میٹھے بول، عفت آبی، اور شوہر پرستی ہیں۔ ایک بار روم کی ایک مہذب خاتون سے کسی نے اس کے گہنوں کی تعداد پوچھی تو اس نے اپنے دو حسین تعلیم یافتہ اور روشن خیال بیٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہی میرے گہنے ہیں — !!"

درحقیقت ایک سمجھدار ماں کے لئے تعلیم و تربیت سے آراستہ و پیراستہ تندرست و توانا اولاد ہی قابل فخر زیور ہے یہ تو ہوا متوسط طبقہ کی خواتین کی زیور پرستی کا سرسری تذکرہ اب ذرا ہندوستان کی رانیوں مہارانیوں کے شوق زیور پرستی پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے مشہور انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے ایک ذمہ دار نامہ نگار کے حوالے سے مہارانی بڑودہ کے زیورات کی مندرجہ ذیل فہرست شائع کی تھی۔

"مہارانی کے صرف ۴۲ زیورات کی قیمت پندرہ لاکھ روپے ہیں۔

سر کے کل زیورات جن میں بیش قیمت جواہرات آویزاں ہیں کم و بیش ۴۳ لاکھ روپے کے ہیں جن میں سے ماتھے کے گہنے تقریباً ۵۴ ہزار کے ہیں۔

نتھ کی قیمت ۲ لاکھ اسی ہزار چار سو دس روپے ہیں۔

کانوں کی بالیاں اور دوسرے گہنے پانچ لاکھ پینتیس[۳۵] ہزار ایک سو دس روپے کے ہیں۔

گلے کے ہار کی قیمت بارہ لاکھ پینتالیس ہزار ہے

گلے کے باقی زیورات چھ لاکھ پندرہ ہزار کے ہیں۔

کنگن۔ کڑے۔ اور چوڑیاں وغیرہ پینتیس لاکھ۔ چھ ہزار چھ سو دس روپے کے ہیں۔

گھڑیاں اور زنجیریں تیرہ لاکھ۔ پانچ ہزار کی قیمت کے ہیں۔

"پاؤں کے ایک ایک چھلے میں دو سو چونسٹھ ہیرے جڑے ہوئے ہیں"

ایک مشہور حساب داں نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ ہندوستانی خواتین کے جسم پر جتنے گہنے ہیں اگر ان سب کو فروخت کر کے ان کی قیمت بینک میں رکھی جائے تو تقریباً چوبیس کروڑ روپے سالانہ سود میں مل سکتے ہیں۔

صرف اسی ایک مثال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر ملک میں گہنوں کی بہتات کی روک تھام کر کے پسماندہ قوم کسی کاروبار یا تباہ حال غربا کی اعانت و اصلاح میں لگا دی جائے تو ننگے بھوکے دیس پر کتنا بڑا احسان ہو سکتا ہے۔

میں با ادب کہوں گا کہ ہماری ماؤں اور بہنوں کی یہ زیور پرستی بہت حد تک ملک کے افلاس و ادبار کا موجب بن رہی ہے۔ خاصکر ہماری گھریلو زندگی کی مٹھاس کو تلخی میں تبدیل کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے سمجھدار اور روشن خیال بہنوں کو اس اہم مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے اور توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔

آسی رام نگری

فوٹوگرافی

(جملہ حقوق محفوظ)

کیمرے برائے پلیٹ یہ کیمرے خاص طور سے ڈرائی پلیٹوں کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ سب سے ارزاں کیمرے بکس یا میگزین کی شکل کے ہوتے ہیں جن میں چھ یا بارہ پلیٹیں ایک ساتھ رکھی جاسکتی ہیں۔ پلیٹیں ایک قسم کے غلاف جن کو "ڈارک سلائڈ" کہتے ہیں تھامے رہتے ہیں کیمرے کی پُشت پر تصویر لینے یعنی اکسپوزر کے لئے تیار رہتی ہیں۔ ایک پلیٹ پر تصویر لینے کے بعد ایک بیرم کو گھماکر تصویر لی ہوئی (اکسپوز شدہ) پلیٹ کیمرے کے تلے پر گرادی جاتی ہے۔ اور دوسری پلیٹ تصویر لینے کے لئے لینز کے سامنے خود بخود تیار ہو جاتی ہے۔ چونکہ آجکل ان کا رواج روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی زیادہ تشریح نہیں کرتے۔

فیلڈ یا اسٹینڈ کیمرے یہ کیمرے فوٹوگرافی کے اوائل زمانے ہیں۔ ہینڈ کیمروں کے زمانے سے پیشتر یہ بکثرت استعمال ہوتے تھے اور اب بھی خاص خاص کاموں کے لئے مفید خیال کئے جاتے ہیں شوقیہ فوٹوگرافی کے ابتدائی دنوں میں کوارٹر (۳$\frac{1}{4}$" × ۴$\frac{1}{4}$") اور ہاف پلیٹ (۴$\frac{3}{4}$" × ۶$\frac{1}{2}$") کے فیلڈ کیمرے عام طور سے مروج تھے۔ اب صرف بڑے پیمانوں کے کیمرے فوٹوگرافر کام میں لاتے ہیں۔ مگر اب کوارٹر پلیٹ کے فیلڈ اسٹینڈ کیمرے بازار میں آنے بند ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اس پیمانہ کا عمدہ کام آجکل کے اسی پیمانے کے ہینڈ کیمروں سے کامیابی سے لیا جاسکتا ہے۔ فیلڈ کیمرے ۱۲"×۱۵" تک پیمانے کی پلیٹ کے ہوتے ہیں۔ جن کو خاص طور سے پیشہ ور فوٹوگرافر مجمع (گروپ) وغیرہ کے فوٹو لینے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اکثر اسٹینڈ کیمروں میں کئی ایسے کارآمد کل پُرزے ہوتے ہیں جو خاص خاص کاموں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں منجملہ ان کے بعض نمونوں کے اسٹینڈ کیمروں میں کھچاؤ (Extension) کی وسعت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ان میں اس لینز سے پلیٹ تک کے معمولی فاصلے سے تگنے فاصلے تک لینز لگانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ ایسے انتظام کے کیمرے نقل ( ) لینے کے لئے بہتر ہوتے ہیں۔

کون سا کیمرہ خریدنا چاہیئے ہم نے آجکل کے مشہور اور کارآمد کیمروں کی مفصل اور مختصر تشریح کردی ہے جس کو بغور پڑھنے کے بعد قبل اس کے ناظرین خود کیمرہ کے انتخاب کا فیصلہ کریں ممکن ہے خاکسار مؤلف سے مشورہ لیں۔ چنانچہ ہم اپنے دیرینہ تجربہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جن ناظرین کو پیشتر کبھی فوٹوگرافی سے کسی قسم کا واسطہ نہیں پڑا ہے ان کو ابتدائی مشق کے لئے رول فلم بکس کیمرہ خریدنا چاہیئے جس کی فلم کا سائز ۲$\frac{1}{4}$ × ۳$\frac{1}{4}$ انچ ہوگا اور پلیٹ ۲$\frac{1}{2}$ × ۳$\frac{1}{2}$ انچ پیمانہ کی اس پر استعمال کی جاسکتی ہے۔ یہ بہت کم قیمت کا کیمرہ ہوگا۔ اور اس پر پہلے پلیٹ پر بعد میں فلم پر تصویر لینے کی مشق کی جائے۔ کیونکہ ایک کیمرے پر دونوں چیزیں استعمال کی جاسکتی ہیں۔ اس کے بعد آپ متحرک اشیاء کی تصاویر لینے (اسنیپ شوٹ فوٹوگرافی) کے لئے جیبی سائز کا فولڈنگ رول فلم کیمرہ ۲$\frac{1}{4}$ × ۳$\frac{1}{4}$ پیمانہ کا یا رفلیکس کیمرہ کوارٹر پلیٹ

کا یا اگر آپ کی فوٹوگرافی کا کام زیادہ وسیع اور اُس سے مالی منفعت بھی مقصود ہو تو فل پلیٹ پیمانہ کا فیلڈ یا اسٹینڈ کیمرہ خرید سکتے ہیں۔

ہم کسی جگہ بتا چکے ہیں کہ اکثر رول فلم اور پلیٹ بکس کیمروں میں پلیٹ خود بخود لگ جاتی ہے اور ان میں ڈارک سلائڈ کی (جس کا ذکر نیچے کیا جائے گا) ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن تمام فیلڈ کیمروں اور دیگر میگزین ہینڈ کیمروں میں جن میں خاص طور سے پلیٹیں استعمال کی جاتی ہیں چند ایسے انتظامات ہوتے ہیں کہ پلیٹیں یا کٹ فلم کسی چیز میں رکھ کر لگا دیتے ہیں اور پھر تصویر لینے کے بعد نکال لیتے ہیں اس کے تین طریقے ایسے ہیں جو عموماً استعمال کئے جاتے ہیں یعنی بذریعہ ڈارک سلائڈ یا (۲) روشنی پروف لفافے اور (۳) چینجنگ بکس۔ ان تینوں کی علیحدہ علیحدہ مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

ڈارک سلائڈ ڈارک سلائڈ اس کو کہتے ہیں جس میں ڈرائی پلیٹ یا کٹی ہوئی (پلیٹ) فلم (کسی تاریک جگہ) بند کیمرے میں تصویر لینے کے لئے رکھتے ہیں اس کو "پلیٹ ہولڈر" بھی کہتے ہیں۔ یہ سیاہ لکڑی دھات یا گتے پارچہ (سلولائڈ) کا اس ترکیب سے بنایا جاتا ہے۔

شکل ۱۵ معمولی پلیٹ ہولڈر یا سلائڈ
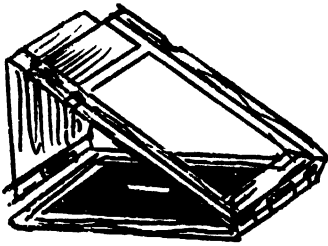
شکل ۱۶ ڈبل کتابی ڈارک سلائڈ
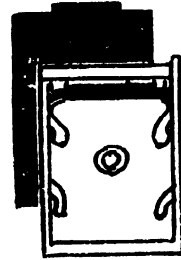
اس کے اندر روشنی بالکل نہیں پہنچ سکتی۔ کیمرے کی پُشت پر اچھی طرح لگ جاتا ہے اور آسانی سے دن کی روشنی میں اُتارا یا پڑھایا جاسکتا ہے۔ ڈارک سلائڈ کئی شکل کے ہوتے ہیں۔ بعض ڈارک سلائڈوں میں کیمرے کے اندر کھولنے کے لئے ایک دھات کی ہلکی تختی ہوتی ہے جسے شٹر کہتے ہیں دیکھو شکل ۱۵ سلائڈ کیمرے کی پُشت پر لگا کر تختی کو اُوپر کی جانب باہر کھینچ لیتے ہیں پلیٹ فوراً تصویر لینے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ فیلڈ کیمروں کے سلائڈ کتاب کی شکل میں کھلتے ہیں ان کے دونوں حصے دو قبضوں کے ذریعہ سے جڑے ہوتے ہیں۔ شکل ۱۶ میں ایک ایسا ہی ڈبل کتابی سلائڈ دکھایا گیا ہے اس میں صرف دو پلیٹیں اور پلیٹ کے ناپ کا ایک دفتی کا ٹکڑا آسکتا ہے۔ جب کیمرے کے اندر سلائڈ کھولنے کی ضرورت ہوتی ہے تو شٹر (یعنی دفتی کے ٹکڑے) کو پیچھے کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

روشنی پروف لفافے حال ہی میں کئی ایسے طریقے ایجاد ہوئے ہیں کہ پلیٹ یا کٹ فلم ڈارک سلائڈ میں نہیں ڈالنی پڑتی جن میں سے — لفافے میں پلیٹیں بند کرنے کا طریقہ جو انگریزی زبان میں میکنزی اور وشرٹ کے ناموں سے مشہور ہیں بہت کامیاب اور قابل اطمینان ثابت ہوئے ہیں اور بہت سے فوٹوگرافر ان کو استعمال کرنے لگے ہیں۔ ان میں یہ فائدہ ہے کہ پلیٹوں کی حسب ضرورت تعداد ڈارک سلائڈوں سے بھی زیادہ آسانی سے لیجائی جاسکتی ہے اور ان کی روشنی میں یکے بعد دیگرے لینز کے سامنے رکھی جاسکتی ہے انگوڈے لائٹ لاجنگ لفافے بھی کہتے ہیں۔

چینجنگ بکس چینجنگ بکس ایک قسم کا آلہ ہوتا ہے جس میں کئی عدد پلیٹیں (عموماً ایک درجن) رکھی جا سکتی ہیں۔ یہ بکس خاص نمونے کے کیمرے کی پشت پر لگا ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت پلیٹیں تصویر لینے کے لئے لینز کے سامنے لائی جا سکتی ہیں۔

ٹرپیڈ یا تپائی ٹری پڈ۔ تپائی یا اسٹینڈ ایک فیلڈ اور اسٹینڈ کیمرے کے لئے بہت ضروری چیز ہے اسی طرح ہینڈ کیمرے کے لئے بھی اس کی ضرورت پیش آتی ہے جب پلیٹ کو اکسپوز ہونے کے لئے زیادہ وقت دینا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت ہینڈ کیمرہ ہاتھ میں دیر تک بالکل ساکن حالت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ قریب قریب ہر اسٹینڈ اور ہینڈ کیمرے کے پیندے یا بغل میں سوراخ ہوتا ہے جس میں ٹرپیڈ کا اسکرو (پیچ) اچھی طرح لگ جاتا ہے۔ ٹرپیڈ یا تپائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کیمرے سے قدرے وزنی ہو تاکہ وہ فوکس ملاتے یا پلیٹ اکسپوز کرتے وقت اپنی جگہ جمی رہے۔

شکل ۱۷ ٹرپیڈ (معمولی نمونے کی)
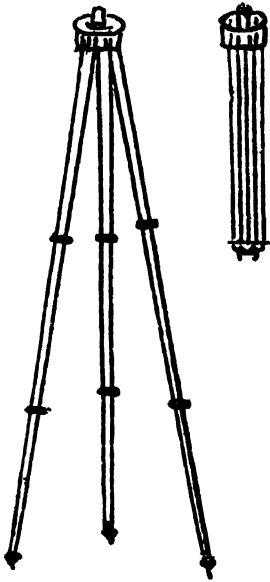
بڑے بڑے فیلڈ کیمروں کے لئے لکڑی کی ٹرپیڈ بنائی جاتی ہے جو تہ ہو جاتی اور یہ ہینڈ کیمروں کے لئے دھات کی بنائی جاتی ہے جو اس قدر سبک اور چھوٹی ہوتی ہے کہ اس کو تہ کر کے ایک دستی بیگ میں بآسانی لے جا سکتے ہیں اور وہ حسب ضرورت اونچی یا نیچی ہو سکتی ہے۔ حال ہی میں ایسی ٹرپیڈ بنائی گئی ہے کہ اس کی شکل دستی چھڑی جیسی ہوتی ہے اور اس کو چھڑی کی طرح سے ہاتھ میں لیجا سکتے ہیں۔ ٹرپیڈ کے سر و پائے بوقت ضرورت علیحدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ سر (ٹاپ) پر بانات کا ایک ٹکڑا چپکا ہوا ہوتا ہے تاکہ کیمرہ اس پر مستحکم جما رہے۔ سر پر بھی ایک سوراخ ہوتا ہے چنانچہ کیمرے کا سوراخ اور یہ سوراخ دونوں ملا کر ان میں اسکرو کس دیا جاتا ہے۔

ٹرن ٹیبل اسی سلسلہ میں ایک حلقہ جسکو ٹرن ٹیبل کہتے ہیں (دیکھو شکل ۱۸) کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہوگا یہ عموماً فیلڈ کیمروں میں استعمال ہوتا ہے اس میں یہ فائدہ کہ کیمرہ کو جس طرف چاہیں موڑ سکیں۔ ٹرن ٹیبل میں دو چھلے ہوتے ہیں جو چاروں طرف گھوم سکتے ہیں۔ ان تین چھوٹی چھوٹی "آنی" لگی ہوتی ہیں جنہیں "آنکھیں" کہتے ہیں وہ نیچے کی طرف مڑ کر ٹرپیڈ کے سر کو پکڑ لیتی ہیں۔ اس حلقہ کو ٹھیک حالت میں رکھنے کے لئے اس کو پوکوکس دیتے ہیں فوٹوگرافر حلقہ ٹرن ٹیبل کو صرف کام میں سہولت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ورنہ اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔
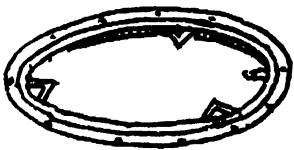
شکل ۱۸ ٹرن ٹیبل

کیمرہ لیول لیول ایک قسم کا آلہ ہوتا ہے جس سے کیمرہ سیدھا رکھا جاتا ہے۔ اسٹینڈ کیمروں میں ایک قسم کا پرزہ جسے "پلمب انڈیکیٹر" کہتے ہیں اسی مقصد کیلئے لٹکا ہوا ہوتا ہے جس سے کیمرہ کی پشت کی سیدھ دیکھی جاتی ہے۔ مگر ہینڈ کیمروں کیلئے ایک گول سُرخ رنگ کا اسپرٹ لیول یا چھوٹی سی گیند استعمال کیجاتی ہے۔ لیول بہت کم فوٹوگرافر استعمال کرتے ہیں کیونکہ تھوڑی سی مشق سے ہر کوئی بتا سکتا ہے کہ کیمرہ سیدھا ہے یا ٹیڑھا۔

سید رضا احمد جعفری

حسد کا انجام

کہتے ہیں ایک شاہ کا کوئی وزیر تھا — دانا و ہوشیار و خردمند و باوقار
چلتا تھا اُس کی رائے سے ہر کارِ سلطنت — اُس کی ہر ایک بات کا ہوتا تھا اعتبار
یوں تو سبھی تھیں قابلِ تعریف خصلتیں — دل اُس کا تھا حسد کے مرض کا مگر شکار
سُنتا تو کڑھتا رہتا تھا پہروں وہ رنج سے — ہوتا نہ خوش کسی کی ترقی سے زینہار

درباریوں میں اور بھی تھا ایک نوجوان — تھے جس پہ مہربان بہت شاہِ نامدار
دیکھا جو ہے وہ موردِ الطافِ خسروی — اور بڑھ رہا ہے اُس کا شب و روز اقتدار
رہنے لگا وزیر اسی غم میں ہر گھڑی — عہدہ نہ چھین لے مرا ایک دن یہ نابکار
ایسے میں اس کے ساتھ چلوں چال مکر کی — نظروں سے شاہ کی گرے ہو کر ذلیل و خوار

یہ بات دل میں ٹھان کے مرزا عزیز کو — کرنے لگا وہ اپنے عزیزوں سے بڑھ کے پیار
گرویدہ کرلیا اُسے دو دن میں اس قدر — ملتا اگر نہ اُس سے تو ہوتا وہ بیقرار

اُس کو بلایا صبح کے کھانے پہ ایک روز — ہو جائے تا بنائے محبت کچھ اُستوار
کھانے کے ساتھ کچی بہت سی پیاز تھی — کھاتا رہا عزیز جسے لے کے بار بار
جانے لگا تو اُس سے کہا یہ وزیر نے — ہے چونکہ بُو پیاز کی حضرت کو ناگوار
تم آج بادشاہ سے ہنگامِ گفتگو — رومال اپنے مُنہ سے ہٹانا نہ زینہار
اس کو اِدھر تو پٹی پڑھائی یہ — اور اُدھر — کی عرض جا کے شاہ سے اے میرے شہریار
مرزا عزیز جس کی بہت آج کل ہے قدر — ہوتا ہے جس کا خاص امیروں میں اب شمار
لوگوں سے کہتا پھرتا ہے شانِ حضور میں — ایک ایسی بات جس پہ ہے لازم سزائے دار
کہتا ہے مُنہ سے شاہ کے آتی ہے سخت بُو — سچ پوچھئے ہے کُشتنی یہ سنگِ روزگار

سُن کر بصد غضب یہ دیا حکم شاہ نے — حاضر کرے عزیز کو فی الفور چوبدار
رومال رکھے ناک پہ آیا جو وہ نظر — آتا نہ کیوں وزیر کے کہنے کا اعتبار
فرمان دستِ خاص سے ایک لکھا شاہ نے — واقف نہ اُس سے ہو سکے تا کوئی اہلکار
پھر سر بمہر کرکے دیا وہ عزیز کو — لیکن کیا نہ اُس پہ بھی کچھ راز آشکار

اتنا کہا کہ اُس کو یہ دے آؤ آج ہی　　منصور نام فوج میں جو ہے رسالدار
دستور تھا کہ خلعت و انعام کے لئے　　دیتا تھا حکم اپنے قلم سے وہ شہریار
منظور ہوتی تھی جو کسی کی سزا وہی　　فرمان اُس کے واسطے لکھتے تھے پیش کار
اس واسطے وزیر نے سوچا کسی طرح　　فرمان لے کے مزا یہ جائے نہ زینہار
انعام آج شاہ نے بخشا ہے جو اُسے　　لے آؤں جا کے میں ہی بصد عزت و وقار
دربار سے جو نکلے تو اُس کو منا لیا　　دل میں خوشی کہ مجھ سا نہیں کوئی ہوشیار
فرمان لیکے قبضے میں اپنے کیا وہیں　　ڈلوائی زین گھوڑے پر ہو کر چلا سوار
لکھا تھا بادشاہ نے منصور کی طرف　　پڑھتے ہی دینا حاملِ فرماں کا سر اُتار
پہنچا جوں ہی وزیر وہاں قتل ہو گیا　　تیغ حسد کا اپنی ہوا آپ ہی شکار

اس ماجرے کی شاہ کو جس دم ہوئی خبر
سونپا عزیز ہی کو وزارت کا کاروبار

ابو الاعجاز ازل

(باقی صفحہ ۴۹۴) بیمار کی طرف سے غافل ہو کر بیمار پرسی کرنے والوں کی مدارات کی جانب متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ جو مریض کیلئے سخت ناگوار اور تکلیف دہ امر ہے۔ اگر تیمار دار دوسری جانب متوجہ ہوں تو اکثر مریض کی دوا اور غذا کا وقت نکل جاتا ہے۔ جو بیچارے مریض کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔

بہنیں غور فرما کر اس رواج کو قطعاً مٹا سکتی ہیں جو مریض اور تیمار دار کے لئے تکلیف دہ اور پریشان کن ہے۔ بلکہ خود عیادت کرنے والوں کیلئے بھی۔ کیونکہ بیمار کے ہاں خاص کر ہندوستانیوں میں ایسے لوگ کم ہونگے جو بیمار کی غذا اور برتنوں میں احتیاط کا التزام رکھتے ہوں ورنہ قریب قریب سب ہی بیمار کے جھوٹے برتنوں سے پرہیز نہیں رکھتے اور نہ کسی دوسرے شخص کیلئے احتیاط ضروری سمجھتے ہیں۔ اکثر بعض مہلک بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو جھوٹے برتنوں اور بیمار کے تنفس سے دوسروں کو لاحق ہو جاتی ہیں۔ اس لئے محتاط رہنے کی سخت ضرورت ہے۔ بیمار کے پاس سوائے مناسب اور ضروری چند باتوں کے زیادہ گفتگو کرنی یا زیادہ دیر بیٹھنا نامناسب ہے۔ مریض کے پاس زیادہ افراد کا جمع ہو کر جانا بھی مریض کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ مریض کے ہاں بچوں کو ساتھ لے جانا بھی خالی از خطرہ نہیں کیونکہ یہ نازک طبائع بیماریوں کے اثرات سے بہت جلد اثر پذیر ہو سکتے ہیں۔ ٹائیفائڈ، چیچک، خسرہ، زکام کھانسی اچھوت بیماریاں ہیں جو کہ تنفس سے ہو جاتی ہیں۔ بیمار پرسی سے واپسی پر نہا لینا اور کپڑے تبدیل کر لینے چاہئیں تاکہ بچے صاف گود میں بیٹھ کر خطرے سے بچے رہیں۔

گ۔ ن بنت ڈاکٹر ابو الفضل کپورتھلہ

بیمار پرسی

عیادت کو جانا یا بیمار پُرسی کرنا سنت نبوی میں داخل ہے - اور احادیث شریف میں بیمار پرسی کرنے والوں کا بڑا درجہ لکھا ہے -

یہ بیمار پُرسی نہ صرف اخلاق و ہمدردی کی بیّن دلیل ہے - بلکہ بیمار پر بھی اس پسندیدہ عادت سے اچھا اثر پڑ سکتا ہے - بیمار اپنے متعلق ہر طرف سے اظہار ہمدردی اور تشفی آمیز گفتگو (بشرطیکہ بیمار کے ساتھ تشفی آمیز باتیں کی جائیں) سُن کر خوش ہوتا ہے اور اُس کی آدھی بیماری اور تکلیف گھٹ جاتی ہے - بیمار کو اگر یہ یقین ہو جائے تو بہت کچھ بیماری دُور کر سکتی ہے -

بیمار اور بیماریاں بھی کئی درجے کی ہوتی ہیں - مثلاً سر کا درد - پیٹ کا درد - آنکھ کا دُکھنا - دانت کا درد - زکام معمولی کھانسی - خفیف بخار - اسہال اور ایسی ہی دیگر معمولی بیماریاں اس قدر اہمیت نہیں رکھتیں - عیادت کے لئے ایک بستی سے دوسری بستی یا ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ جایا جائے - ہاں البتہ اُن مہلک مرضوں اور طویل بیماریوں میں جن کی وجہ سے مریض خود پریشان ہو اور اُس کے تیمار دار بیماری کو خطرناک سمجھ رہے ہوں اور فکر مند اور غم میں گرفتار ہوں ہمدردی کرنا اور بیمار پُرسی کے لئے جانا نہایت لازمی اور ضروری سمجھنا چاہیئے - تاکہ اظہار ہمدردی سے بیمار اور تیمار داروں کو تشفی اور تسلّی ہو -

اکثر لوگوں میں یہ بُری عادت دیکھی جاتی ہے کہ مریض کو دیکھتے ہی ہائے ہائے کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان لفظوں میں گفتگو کی جاتی ہے "اُف آپ تو آدھے بھی نہیں رہے - صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دے رہا ہے - کیا سُرخ و سفید رنگ تھا - اب تو بالکل زرد پڑ گیا ہے - بڑے فکر کی بات ہے جو آپ اتنی شدّت سے بیمار ہیں - اگر اللہ کو منظور ہوا تو آرام ہو جائے گا - وغیرہ وغیرہ" یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کی گفتگو بیمار کے لئے زہر قاتل ثابت ہوتی ہے اور تیمار دار بھی فکر مند ہو جاتے ہیں - بیمار کے سامنے بیماری کی باتیں بڑھا چڑھا کر نہ کرنی چاہئیں بلکہ اُسے تسلّی دینی چاہیئے کہ آپ جیسے سینکڑوں مریض اچھے ہو گئے ہیں - فلاں معالج سے علاج کروائے گا - فلاں شہر کی آب و ہوا کا اثر بہت بہتر رہے گا - آپ کو اس بیماری کا فکر نہ کرنا چاہیئے - خوش خوش رہا کیجئے - مناسب غذا اور دوا باقاعدہ استعمال کیجئے - ہم آپ کی دعائے صحت کے لئے دُعا مانگ رہے ہیں انشاء اللہ جلد ہی صحت ہو جائے گی - بیمار پُرسی کرنے والوں کو بیمار کے ہاں سے خاطر و مدارات کے لئے ہرگز متوقع نہ رہنا چاہیئے - اور نہ تیمار دار کے لئے ضروری ہے کہ بیمار پُرسی کرنے والوں کے واسطے خاطر و تواضع میں پریشان ہوتا پھرے - کیونکہ پھر تیمار داروں کو (باقی صفحہ ۴۹۲ پر)

طوطا ڈالی پر

شرف النسا بی ڈورس

بٹن ہول اسٹچ
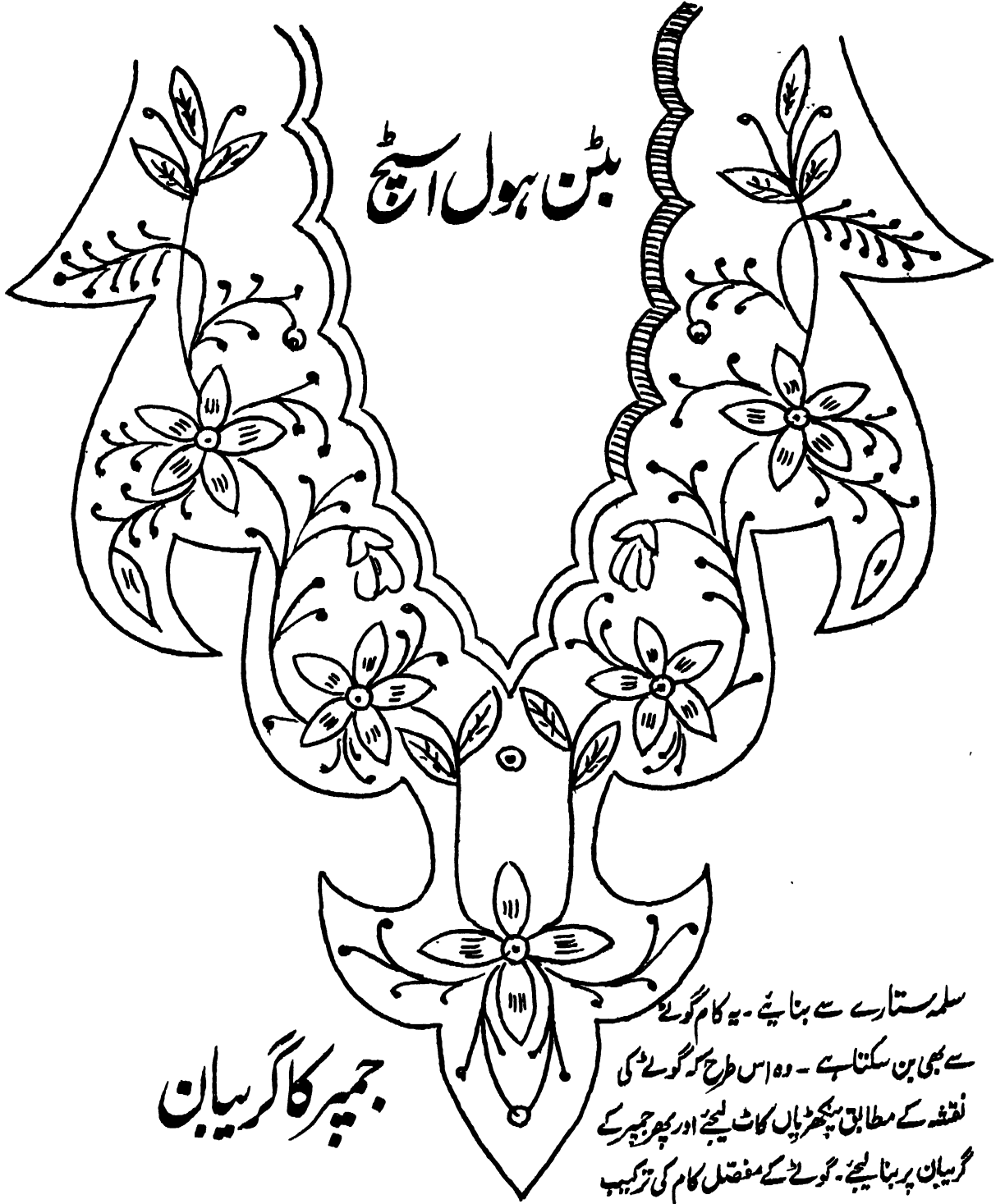
جمپر کا گریبان

سلمہ ستارے سے بنائیے۔ یہ کام گوٹے سے بھی بن سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ گوٹے کی نقشہ کے مطابق پنکھڑیاں کاٹ لیجئے اور پھر جمپر کے گریبان پر بنا لیجئے۔ گوٹے کے مفصل کام کی ترکیب "گوٹہ کناری کے کام" میں سیدہ اشرف صاحبہ لکھ چکی ہیں۔

آنسہ سیدہ جمیلہ خاتون
اٹاوہ

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

گول چہرہ کا سنگھار بیضوی یا لمبوترہ چہرہ کے سنگھار میں سنگھاری اُصولوں سے کچھ انحراف کر لیا جائے تو کچھ فرق نہیں آتا مگر گول چہرہ کے لئے خاص اُصول ہیں اُن سے مطلق انحراف نہ کیا جائے ہر قاعدہ کی سختی سے پابندی لازمی ہے ورنہ چہرہ کی خوبصورتی خاک میں مل جاتی ہے۔ قدرت نے گول چہرہ ایک خاص چیز کے طور پر عنایت کیا ہے۔ اس میں دستبرد کام نہیں دیگا۔

سر کے بال اس طرح باندھے جائیں کہ چہرہ میں قدرے لمبائی میں شائبہ پیدا ہو جائے۔ بال کانوں سے اُوپر ملائم اور بھرے بھرے رکھے جائیں۔ گول بالوں کا جھکاؤ چپٹے کسے ہوئے چھلّے گول چہرہ پر مطلق نہیں پھبتے۔ ان سے بالکل پرہیز کیا جائے۔ چہرہ کی پوری دلکشی قائم رکھنی مقصود ہو تو سیدھے بندے یا آویزے ہرگز نہ پہنے جائیں۔ بالوں میں ملائم لہریں قائم کی جائیں۔ بالوں کا بیرونی خط ملائم اور ڈھیلا رکھنا چاہیئے۔ بالوں کو کس کے باندھنا اس چہرہ پر ذرا بھی زیب نہیں دیتا چہرہ کی گولائی فالتو سیدھے خطوں کو بالکل غیر موزوں بنا دیتی ہے۔ ابروؤں کے قدرتی طرز کی پابندی کی جائے۔ اندرونی کونے کی عین سیدھ میں اُوپر ابرو کا خط شروع کیا جائے اور یہ نہایت ضروری امر ہے کہ ابروؤں کی محراب بہت خفیف رکھی جائے اسے ذرا بھی زیادہ خم نہ دیا جائے۔

دہن کا سنگھار بھی بالکل اس کے مطابق کیا جائے اور اسے نمایاں طور پر چوڑا رکھا جائے۔ اس سے باچھوں سے کلّوں کا فاصلہ نمایاں طور سے کم نظر آنے لگے گا۔ اور چہرہ میں بیضویت کا شائبہ پیدا ہو جائے گا۔ روژ زیادہ نہ لگایا جائے۔ ہونٹوں کا فالتو روژ جھاڑ دیا جائے تاکہ اسے اور ہلکا کرنے کی مزید زحمت سے بچنے کی صورت پیدا ہو جائے۔

رُخساروں کا روژ بیرونی حصہ پر لگا کے کنپٹیوں کی طرف اُوپر کو اور نیچے کی طرف جبڑہ کے خط کے اُوپر تک خلط ملط کیا جائے تاکہ اس حصہ پر اس کا رنگ ہلکا ہلکا رہے۔ روژ نمایاں طور پر نہ لگایا جائے۔ نہ اس کے کنارے نمایاں رکھے جائیں چہرہ کی گولائی بجائے خود کافی ہے۔ اس پر مزید زور نہ دیا جائے اور سنگھار میں اسے زیادہ نمایاں نہ کیا جائے۔ روژ لگانے میں بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ کسی قسم کا چہرہ ہو روژ لگاتے وقت جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ روژ گپھے سے لگایا جاتے جو اچھی حالت میں ہو۔ گھسے ہوئے یا خراب گپھے سے خوبی پیدا نہیں ہوتی۔ اس سے روژ جلد میں ملا دلا نہ جائے۔ تھپک کے لگانا روژ کا بہترین طریقہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی ہلکی تھپکیوں سے لگایا جائے۔ ایک دم زور سے لگانا بالکل غلط طریقہ ہے۔ روژ کو جلد کے رنگ میں ملانے کے لئے گپھے سے کام نہ لیا جائے۔ انگلیوں کے پورے اس کے لئے بہترین ذریعہ ہیں۔ ان سے روژ کے کناروں کو اچھی طرح ہلکا کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد روژ کی باقی سطح پھر پوروں سے ملائی جائے حتیٰ کہ رخساروں کے اصلی رنگ میں اس کا رنگ مل جائے اور قدرتی رنگ معلوم ہونے لگے۔

لباس کی دیکھ بھال ۔ اپنے اور شوہر کے کپڑوں کی بروقت دیکھ بھال بہت سے اسراف سے بچاتی ہے۔

شوہر کے دل میں اس کے علاوہ جگہ بھی پیدا ہوتی ہے۔ مرمت طلب مقامات یا دھبوں یا پسینہ کی بدبو کی طرف توجہ کرنے رہنے سے کپڑا اچھا رہتا ہے اور عرصہ تک چلتا ہے۔ کسی کاپی میں ایسی باتوں کو لکھ لینا چاہیئے تاکہ جیسی ضرورت آپڑے فوراً دیکھ کے اُسکے مطابق عمل کر لیا جائے۔

چکنائی یا تیل کے دھبوں کے لئے بنزین Benzine یا ایتھر Ether لگا کے دیکھیں۔ ایسے ہی چیتھڑے پر جیسے کہ داغدار کپڑا ہو بنزین یا ایتھر لگائیں۔ دھبہ سے باہر حلقہ کی صورت میں لگائیں اور رفتہ رفتہ دھبہ کی طرف آئیں۔ دھبہ اس قدر گہرا ہو کہ ان سے نہ جائے تو یوکلپٹس آئل Eucalyptus oil لگائیں۔ جن کپڑوں کے گلے اور کف میل کی چکنائی سے خراب ہوئے ہوں اُن کیلئے نسخہ تیار کریں۔ ڈاڑھی مونڈنے کا صابن نصف چھٹانک کر چھے میں بگھوئیں۔ ایک چھٹانک (دو اونس) پٹسانی امونیہ Rock ammonia ایک چمچہ شورا اور ۱۲ ½ چھٹانک بارش کا پانی ملائیں اور ایک بوتل رکھ لیں۔ یہ مرکب داغ پر ملیں۔

سامان کے روغن کے دھبوں کو مائع امونیہ Liquid ammonia اور تارپین Turpentine مساوی مقدار کے مرکب میں بھگوئیں اور اسی قسم کے چیتھڑے سے رگڑیں۔ تارکول کے دھبے یوکلپٹس کے لگانے سے فوراً دُور ہو جاتے ہیں۔ گھاس کے دھبے دُور کرنے کے لئے پہلے انہیں میتھی لیٹڈ سپرٹ Methylated سے بھگوئیں پھر صابن دار گرم پانی سے کھنگالیں اور بعد میں حسب معمول دھو ڈالیں۔ کیچڑ کے دھبے چینیھڑا کاربونیٹ آف سوڈا کے محلول Solution of Carbonate of soda میں بھگو کے ملنے سے دُور ہو جاتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو اس کے بعد ایتھر لگا سکتے ہیں۔

پسینے کے دھبے امونیہ کے ہلکے محلول کو سپنج سے لگانے سے دُور ہو جاتے ہیں۔ اگر رنگ اُڑنے لگے تو اُس نیل کے ہلکے محلول سے جس سے کپڑوں کا نیل تیار کیا جاتا ہے یا اُس بائی کلورائیڈ آف ٹن Bichloride of tin کے جس سے سُرخی بنتی ہے ہلکے محلول سے رنگ بحال کیا جا سکتا ہے مگر اس کو پہلے کپڑے کے اُلٹے رُخ پر آزما کے دیکھ لیں۔

جن عورتوں کے شوہر آبکاری میں ملازم ہوں اور شراب کی دیکھ بھال کا کام رہتا ہو اور کسی شراب کا دھبہ آجائے تو بیر شراب کا دھبہ ہلکے امونیہ سے مٹایا جا سکتا ہے۔ دوسری شرابوں کیلئے یہ مرکب بنائیں۔ ایک چمچہ اکسالک ایسڈ Oxalic acid اور ایک چمچہ کریم آف ٹارٹار Cream of tartar لیموں کے عرق میں ملائیں۔ دھبہ کو ٹھنڈے پانی سے خوب گیلا کر لیں اور یہ مرکب لگائیں۔ آخر میں پھر سرد پانی سپنج یا کپڑے سے پھیریں۔

کپڑے کے کسی حصہ پر ناخوشگوار چمک آگئی ہو تو برش سے غبار جھاڑ دیں۔ کوئی دھبہ ہو تو اُسے بھی دُور کر دیں۔ اس کے بعد لباس جیسے کپڑے کو امونیہ کے گہرے محلول میں ڈبو کے اس مقام پر ملیں۔ بہتر ہو کہ محلول کو گرم کر لیا جائے۔ اس کے بعد کپڑا تختے پر پھیلائیں استری گرم کریں۔ پھر اس کے اُوپر والے کپڑے کو ہٹا دیں اور پہلی جگہ سے ذرا ہٹا کے پھیلائیں اور استری کریں۔ اس مقام سے بخارات اُٹھنے دیں۔ پھر کپڑے صاف کرنے کا بُرش کر دیں۔ اگر ذرا حصہ میں چمک پیدا ہو گئی ہو تو ریگمال کاغذ Emery paper سے ہلکے ہلکے رگڑ دیں۔

اس کے بعد مرمت کا کام کریں۔ بعض دفعہ تکونیہ کھونچہ آجاتا ہے جس کا جوڑ ملانا بیحد مشکل ہوتا ہے اس کیلئے کپڑے کے کنارہ کو ادھیڑ کے اندر کی طرف کھونچہ کے عین نیچے زرد رنگ کا سخت کاغذ ٹانک دیں اور پھر باریک سوئی میں کپڑے کے رنگ کا ریشمی تاگہ لیکے رفو کر دیں۔ بعد میں بھاری گرم استری کر دیں۔

خوبصورتی کی تعریف حُسن کس کو پسند نہیں ہر ایک حسن کی تعریف کرتا ہے مگر بہت ہی کم ایسے آدمی نظر آئیں گے جو یہ بتا سکیں

کہ حُسن ہے کیا چیز؟ حقیقت میں تین ایسی چیزیں ہیں جن سے ٹھیک طور پر کسی عورت کی خوبصورتی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ شخصیت
چہرہ کی دلکشی اور جسمانی موزونیت۔ جب یہ تینوں باتیں مناسب طور پر کسی عورت میں ہوں ہمارے سامنے حُسن کا اصلی نمونہ موجود ہوگا۔
ہماری نظروں سے روزمرہ بہت سی اچھے چہرہ والی لڑکیاں گزرتی ہیں۔ کچھ کی شخصیت خود بخود مترشح ہوا کرتی ہے۔ کچھ کے جسم موزوں
نظر آتے ہیں لیکن ایسی بہت ہی کم لڑکیاں دکھائی دینگی جن میں یہ تینوں اوصاف بیک وقت موجود ہوں۔ کسی کی کمر پتلی ہے کسی کی موٹی
کسی کے کولھے بھاری ہیں کسی کے کندھے بہت چوڑے چکلے ہیں۔ کسی کی ٹانگیں لمبی ہیں کسی کی موٹی ہیں کسی کی قمچی سی پتلی۔ بہت سی
عورتوں کے یہ نقائص خوراک ورزش اور مالش سے دُور ہو سکتے ہیں۔ عورت جس قدر محنت چہرہ اور ہاتھوں کے معاملہ میں کرتی ہے
کاش وہ جسم کے بارے میں بھی اتنی ہی محنت کیا کرے۔ لباس بہت سے نقائص چھپا دیتا ہے۔ اس کے لئے بھی مطالعہ کی ضرورت
ہے شخصیت کو بھی ترقی دی جا سکتی ہے۔ دل و دماغ کو کام میں لانے اور اپنی ذات کا غائر مطالعہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔
یہ ممکن ہے۔ یہ چہرہ اور جسم کی خوبصورتی سے زیادہ اہم چیز ہے۔ اُس کے لئے ہفتوں مہینوں برسوں کی توجہ و انہماک اور غور و خوض
کی ضرورت ہے۔ محض خوبصورت چہرہ تھوڑے عرصہ کے لئے انسان کو تسخیر کر سکتا ہے مگر شخصیت ساری عمر کی رفاقت کی ضامن ہے۔

محض خد و خال کی کمال خوبصورتی کی بدولت ایک عورت حسین نہیں کہلا سکتی۔ اول تو یہی مسئلہ حل طلب ہے کہ دُنیا میں کامل
خوبصورت آدمی موجود ہے۔ اگر ہے تو وہ دُنیا بھر میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ دو چہرے باہم نہیں ملتے۔
اس لئے دُنیا میں صرف ایک ہی کامل خوبصورت شخص کی گنجائش ہے۔ حُسن وقت اور طریقہ پر منحصر ہے۔ ایک عورت بعض
اوقات بیحد خوبصورت نظر آتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس کا چہرہ مہرہ بے نظیر ہے بلکہ چہرہ کے بعض خطوط بعض اوقات ایک
دوسرے سے عجیب طریقے سے موزوں بیٹھ جاتے ہیں۔ اُس کا حُسن یہ ہوگا کہ اس کی آنکھیں اس کی ناک پر بالکل موزوں بیٹھتی
ہیں۔ اور ناک کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں کا طرز اور رنگ بالکل مناسب ہے۔ اس کے چہرہ کا ہر خط کچھ اس طرح
ٹھیک بیٹھتا ہے کہ ان کا ملا جُلا اثر دل میں کھب جاتا ہے اور دل بیتاب ہو جاتا ہے۔

چہرے کو رونق دینے کے لئے سنگھار کی ضرورت ہے۔ یہ اپنے اپنے مذاق اور چہرے اور جسم کے طرز پر منحصر ہے دیسی
طرز ہماری عورتوں کیلئے بہت موزوں تھا مگر اب مغربیت نے عورتوں کے دلوں پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ تو اس کے قواعد کی
پابندی ضروری ہے۔ جسم کی کھال اور چہرے کی ساخت کے مطابق پوڈر وغیرہ کا انتخاب ضروری ہے۔ ذرا سے غور و
خوض سے چہرہ ہاتھ پاؤں بال جسم کا انداز اور لباس ایسے عمدہ ہو سکتے ہیں کہ ان کا مجموعی اثر کمال حُسن کی تعریف میں آ جائے۔

خانگی ٹوٹکے جو ہونٹ جلد خشک ہو جاتے ہوں یا خشکی کا موسم ہو اگر انکی خبر نہ لی جائے تو پھٹ جاتے ہیں اور ان کا
درست کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے ہونٹوں کیلئے ایسی لپ سٹک استعمال کریں جس میں چکنائی شامل ہو یا پہلے لبوں پر ذرا سا بادام
روغن لگا لیں پھر لپ سٹک لگائیں۔ رات کے وقت بھی روغن لگا لیا جائے یا بے رنگ کی پومیڈ colourless pomade
استعمال کی جائے۔

کپڑوں پر نشان بنانے کی پنسلیں اب کافی مروّج ہو گئی ہیں۔ نشان ڈالنے کا آسان اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کے اس مقام
پر جہاں نشان بنانا مقصود ہو گیلا کر لیں۔ کپڑا تان لیں اور پنسل سے نشان بنا دیں۔ کپڑا ہوا میں خشک ہو جانے دیں۔ آگ پر
یا گرم استری سے خشک نہ کریں ورنہ تحریر دھندلی ہو جائے گی۔

سفید کپڑے پہن رکھے ہوں تو سفید یا زرد آستینوں میں سرخ ہاتھ بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ دودھ کے سفوف Powdered milk
کے ساتھ ہاتھ دھونے سے سفید ہو جاتے ہیں۔

محمل ظفر

سیر بین

دوسری دنیا - ہم لوگ تو مرنے کے بعد روحوں کو جو پیش آتا ہے اس سے بہت کچھ واقف ہیں - یورپ جہاں مذہب کچھ وقعت نہیں رکھتا اب قائل ہوتا جا رہا ہے کہ مرنے کے بعد ایک نئی زندگی ہوتی ہے جس میں آدمی پردہ گزرتی ہے جو دُنیا میں اُس نے کیا ہے - جنہوں نے بُری زندگی گزاری ہو وہاں جا کے پچھتاتے ہیں - ہر ایک کیلئے وہاں ترقی کا میدان ہے - وہاں جا کے صورت شکل دل و دماغ اور رُوح کچھ نہیں بدلتے - رُوحوں سے مناسب ذریعہ سے گفت و شنید ہو سکتی ہے - ہر شخص مرد ہو یا عورت اپنی روحانی بے تار کی تار برقی کو اس قدر ترقی دے سکتا ہے کہ اُسے موجودہ زمانہ کے آلوں کی ضرورت نہیں رہتی - ٹیلی وژن اور ریڈیو بیکار ہیں - اس کے اندر وہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی ان قوتوں سے ان موجودہ آلوں سے زیادہ کام لے سکتا ہے - رُوحوں سے بات چیت ہو سکتی ہے اور یہ پتہ چل سکتا ہے کہ وہی رُوح بات کر رہی ہے - اور یہ معمول کے اثراتِ قلب نہیں ہیں - دو واقعات ایک محقق نے پیش کئے ہیں -

انگلستان کی مشہور ناول لکھنے والی مسز کیلیڈے بیمبر کا بیٹا کلاڈ جنگ عظیم کے زمانہ میں ہوائی بیڑے میں کام کرتا ہوا مارا گیا وہ اپنے بچے سے ایک معمول کے ذریعہ بات چیت کیا کرتی تھی - ماں نے ایک روز پوچھا کہ کیا یہ تم سچ مچ کلاڈ ہی ہو - کیا تم کوئی ثبوت دے سکتے ہو - تاکہ مجھے اطمینان ہو کہ اس میں معمول کے تاثرات قلب کو تو دخل نہیں ہے - کلاڈ نے اعلان کیا کہ جلد تر اس کا ثبوت دیگا - چند ہفتوں بعد میں ثبوت کی قسم کی ایک اطلاع لایا ہوں - ہمارا فلاں واقف کار فرانس میں ہوائی جہاز کے پاش پاش ہونے سے مر گیا ہے - اس کی لاش اس کے جہاز کے ملبہ میں جرمنوں کی فوجوں کے پیچھے مغربی محاذ پر قصبہ ق . . . . . سے تین میل پرے جنگل میں پڑی ہے - کسی کو ابتک علم نہیں کہ وہ مر چکا ہے - مسز بیمبر نے فوراً محکمۂ جنگ سے پوچھا - وہاں اس شخص کی کوئی خبر نہ تھی - دو دن بعد وہ مفقود الخبر لوگوں کی فہرست میں درج کر دیا گیا - تین مہینے گزر گئے - پھر جرمنی ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس کی لاش مغربی محاذ پر قصبہ ق . . . سے تین میل پرے جنگل میں اس کے ٹوٹے ہوئے جہاز کے ملبہ میں پڑی مل گئی ہے -

ان تین ہفتوں میں روئے زمین پر کسی کو علم نہ تھا کہ وہ شخص مر چکا ہے - کلاڈ کے سوا اور کون مسز بیمبر کو اس کی موت کی اطلاع دینے والا تھا -

سر آرتھر کانن ڈوئل سراغرسانی کے زبردست ناول نویس تھے - آخر عمر میں وہ روحانیت میں آ پڑے تھے - اُن کا ۱۹۳۰ء میں انتقال ہو گیا - وہ برابر اپنے بیٹے سے بات چیت کیا کرتے ہیں - ہر دفعہ وہ اپنے پیام کی صداقت کا ثبوت دیا کرتے ہیں - بیٹے نے ایک موٹر خریدنا چاہی دو موٹریں پیش نظر تھیں - نیلی اور لال - لال پر بیٹے کی نظر جم گئی - نیلی کسی اور نے خرید لی - باپ نے پیام دیا کہ لال موٹر نہ خریدنا - اس کی فلاں نلکی میں خرابی ہے - تم نیلی خریدو - بیٹے نے لال خریدنے کا ارادہ ترک کر دیا گو دل اس کے لئے للچاتا - نیلی کے خریدار کے پاس آدمی بھیجا مگر وہ اُسے بیچنے پر آمادہ نہ ہوا - باپ پھر نمودار ہوا اور پیام دیا کہ تم خود خریدار سے بات چیت کرو - وہ اب اسے ضرور تمہارے ہاتھ بیچے گا - کیونکہ اُس نے اچانک اپنے پروگرام کو تبدیل کر دیا ہے - تمہیں تین دن بعد موٹر مل سکیگی - چنانچہ بیٹا اُس شخص سے ملا - اُس نے بیچنے پر آمادگی ظاہر کی کہ میں ہرگز نہ بیچتا مگر مجھے اچانک امریکہ جانا پڑا مگر میرے جانے کے

وقت تک یعنی تیسرے دن آپ کو موٹر مل جائے گی۔

جب بٹیالال موٹر کے خریدار سے ملا اُس نے کہا تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اس موٹر کو نہ خریدا۔ اس کی فلاں نلکی میں بڑا نقص ہے حالانکہ خریدنے کے وقت کسی قسم کا نقص نظر نہ آتا تھا۔

سب سے بڑی دُنیا میں سب سے اُونچی عمارت نیویارک میں ہے۔ اسکی بلندی ۱۲۴۸ فٹ ہے۔ سب سے اُونچا گرجے کا بُرج اُلم جرمنی میں ہے وہ ۵۲۸ فٹ ہے۔ سب سے لمبی دیوار چین میں ہے۔ سو میل سے زیادہ لمبی ہے۔ سب سے گہرے آبشار سدرلینڈ کے نیوزی لینڈ میں ہیں ۱۹۰۴ فٹ ہیں۔ سب سے لمبا ریلوے پلیٹ فارم سون پور کا ہے جو ۸۰۵ گز لمبا ہے۔ سینٹ فرانسسکو اور اوک لینڈ کو ملانیوالا پُل سب سے لمبا ہے اور ۸ ¼ میل ہے۔ افریقہ کا صحرائے اعظم سب سے بڑا ہے۔ ۳۰ لاکھ مربع میل اس کا رقبہ ہے جہازوں کی سب سے لمبی نہر گوٹا سویڈن میں ہے۔ ۱۱۵ میل لمبی ہے۔ سب سے اُونچا شہر لاپاز بولیویہ میں ہے سطح سمندر سے ۱۱۸۰۰ فٹ بلند ہے۔ برطانوی عجائب خانہ کا کتب خانہ سب سے بڑا ہے۔ اس میں ۴۰ لاکھ کتابیں ہیں۔ شکاگو میں سب سے بڑا ہوٹل ہے اسمیں ۲۲ سو کمرے ہیں۔ ماسکو کا گھنٹہ گھر سب سے بڑا ہے۔ اس کا وزن ۴۰۵۰ من ہے۔ سب سے لمبا دریا امیزن ہے۔ جو ۴ ہزار میل تک ہو گیا ہے۔ سب سے بڑی عمارت شکاگو میں ہے اور ۴۰ لاکھ مربع فٹ ہے۔ سب سے بڑا پھول سماٹرا میں ملتا ہے اس کے پھول کا دائرہ ۳ فٹ ۱۰ انچ ہے۔ سب سے بڑی خوردبین پر یتوریا جنوبی امریکہ میں ہے۔ اسکی نالی ۳۵ فٹ ہے جسمیں ۷۴ انچ کا شیشہ جڑا ہوا ہے۔ سب سے بڑا گرجا سینٹ پیٹرز ہے جو روما میں ہے۔ سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن واٹرلو ہے جو ۲۵ ایکڑ میں واقع ہے۔

ادھیڑ عمر میں حُسن اکثر عورتیں ادھیڑ عمر میں آکے خوبصورت ہو جاتی ہیں۔ لوگ حُسن کے لئے کمسنی کو مخصوص کرتے ہیں مگر عورت کا جسم ۳۰ برس کی عمر کے بعد بھرتا ہے اور اصلی رعنائی اُس پر اُسوقت آتی ہے۔ بنا بریں عمر زیادہ ہونے کا ملال پاس پھٹکنے نہیں دینا چاہیئے۔ یہ مشہور بات ہے کہ دُنیا کی مشہور حسین ترین عورتیں جوانی کے درجہ سے آگے بڑھ چکی تھیں جب اُنہیں تاریخ کے مشہور آدمیوں پر اقتدار حاصل ہوا۔ ٹرائے والی ہیلن کی عمر ۴۰ سال تھی جب وہ لڑائی جھگڑوں کا مرکز بنی۔ کلوپیٹرا کی عمر تیس سال تھی جب اُس نے مارک انٹنی کو از خود رفتہ کر دیا تھا۔ ہنری چہارم شاہ فرانس ڈائنا کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔ جس کی عمر ۳۶ سال تھی۔ ہمارے سابق شاہ ایڈورڈ ہشتم نے زبردست انگریزی سلطنت کو محض ایک ۴۵ سالہ خاتون کی خاطر چھوڑ دیا۔

بے تار کی تصویر اب کوششوں کے بعد ایسا طریقہ ایجاد کر لیا گیا ہے کہ جیسے کوئی چٹھی لیٹر بکس میں ڈالتا ہے اس طرح ایک شخص اپنے مقام پر اس مشین کا ایک بٹن دبا کے ایک خانہ میں تصویر یا اپنا خط ڈالدیگا جہاں اسے بھیجنا مقصود ہوگا وہاں بجلی کی لہروں کے ذریعہ ہوبہو وہ خط یا تصویر پہنچ جایا کریگا۔ بٹن دبانے سے ایک خانہ کھلے گا اُسمیں ڈالنے کے بعد وہ ایک رول پر لپیٹ جائیگا۔ باقی عمل بجلی کا کرشمہ ہوگا۔ تصویر یا کاغذ نلکی پر لپیٹ دینے کے بعد یہ اُسے اصلی تار گھر میں پہنچا دیگی اور وہاں یہ مکتوب الیہ کو دیئے جانے کے لئے تیار برآمد ہوگا۔ امریکہ میں یہ کلیں اُن مقامات پر لگائی گئی ہیں جہاں تار گھر نہیں ہیں۔ اس طریقہ سے لوگوں کو تار کو زیادہ کام میں لانے کا شوق ہوگا۔ اس طریقہ سے پیام رسانی ۸۰ فیصدی جلد عمل میں آئیگی۔ منزل مقصود پر تصویر وغیرہ بالکل خشک اور بالکل تیار ملیگی۔ اس کیلئے ایک خاص کاربن کا کاغذ استعمال کیا جاتا ہے جو بجلی کا اثر اسی طرح جلد قبول کر لیتا ہے جیسے فوٹو گرافی کا کاغذ روشنی کے مقابلہ میں سریع الحس ہے۔ ایک منٹ میں ۱۲ مربع انچ

سے زیادہ چھاپہ اس پر پڑتا چلا جاتا ہے۔

ہڈیوں کی دولت

گاؤں گاؤں لوگ ہڈیاں جمع کرتے پھرتے ہیں۔ اکثر سڑکوں پر ٹھیلے اور چھکڑے ہڈیوں سے بھرے ہوئے جاتے دیکھے ہوں گے۔ اسٹیشنوں سے ذرا فاصلہ پر ہڈیوں کے انبار نظر آیا کرتے ہیں جنکے پاس ایک بڑی سی ترازو ایک لمبی بلی میں لٹکتی رہتی ہے۔ وہاں تول تول کے ٹال والا ہڈیاں لیتا ہے اور ریل میں لاد کے دوسری جگہ بھیجتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہڈیوں کا یہ کیا سلسلہ ہے آئیے آپ کو بتایا جائے کہ ان فرسودہ مُردار ہڈیوں سے ہماری کھانے کی استعمال کی اور پہننے کی چیزیں بنتی ہیں جن سے ہمیں کسی طرح مفر نہیں۔ ہم مکروہ جانتے ہوئے اُن اشیا کو استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ کوئی چارہ ہی نہیں۔ ہڈیوں کی خاص پیداوار چربی ہے۔ کاربن بائی سلفائڈ کے ساتھ انہیں سخت حرارت پہنچائی جاتی ہے۔ ۵ اسیر ہڈیوں سے اس طرح سیر بھر چربی حاصل ہوتی ہے اور یہ پھر روزمرّہ کی خانگی ضروریات کے لئے استعمال میں لائی جاتی ہے۔ اس سے صابن اور موم کی بتیاں بنتی ہیں۔ اس طرح ہم اس کی مدد سے کمروں میں روشنی کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ منہ کو دھو کے خوش ہوتے ہیں۔ جنگ عظیم میں جب انگریزوں نے جرمنی کی ناکہ بندی کر کے وہاں چربی کا قحط کر دیا۔ برلن کے کئی گھر ۲ سے نو آنے سیر کے حساب سے ہڈیاں خرید کے انہیں چربی کی صورت میں تبدیل کرتے رہے۔

ہڈیوں کی راکھ نہایت باریک پیس کے اس سے عمدہ اور اعلیٰ چینی کے برتن بنائے جاتے ہیں۔ سٹیفورڈ شائر انگلستان کے ایک کمہار سپوڈ نے ہڈیوں کی راکھ سے چینی کے برتن بنانے کی ایجاد کی۔ شفیلڈ میں ہزاروں من ہڈیاں چاقوؤں کے دستوں کے بنانے جلنے میں استعمال کیجاتی ہیں۔ ہڈیوں سے جلیٹین gelatine نکالی جاتی ہے جو باورچی خانہ میں مختلف کاموں میں لائی جاتی ہے۔ اس سے شراب بھی صاف کیجاتی ہے۔ اس سے فلم بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے ریشم اور پوستین صاف کیجاتی ہے۔ منوں ہڈیاں کوٹوں کے بٹن بنانے میں صرف ہوتی ہیں۔ ہڈیوں کو جلا کے اس کے کوئلہ سے دلیتے دار بورا (مصری۔ رَوا۔ قند۔ ہر جگہ اس کے مختلف نام ہیں) اور چاندی صاف کیجاتی ہے۔ ان سے تیل نکالا جاتا ہے جو رنگریز کام میں لاتے ہیں۔ انہیں سے سریش بنتا ہے۔ مصوروں کے لئے رنگ ساز رنگ بناتا ہے۔

ان میں فاسفیٹ اور نائٹروجن ہوتا ہے اس لئے ان سے نہایت عمدہ کھاد بنتا ہے۔ فاسفیٹ کی مقدار ۲۳ فیصدی اور نائٹروجن کی تین فیصدی ہے۔ ان سے گلیسرین بھی نکالی جاتی ہے جو دواؤں میں کام آنے کے علاوہ آتشگیر مادوں میں مستعمل ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا جہاں ہڈیاں موجودہ زمانہ میں ہماری خوش معاشرت کا ذریعہ ہیں وہاں یہی ہمیں دنیا سے بھک سے اڑا دینے کا باعث بھی ہیں۔ ہڈیوں کی بیشتر مقدار ارجنٹائن جنوبی امریکہ سے حاصل ہوتی ہے جہاں جانور اسی غرض کے لئے کثرت سے کاٹ ڈالے جاتے ہیں۔ کاش مسلمان حج کی قربانیوں کے مفاد کو سمجھتے۔ حجاز مالامال ہو جاتا گوشت ہڈی آنت سینگ سب کچھ کھریوں روپیہ حجاز کے خزانہ میں لا ڈالتے۔

ٹھیکہ دار گوشہ گوشہ سے ہڈیاں کارخانوں میں بھیجتے ہیں۔ ہڈیوں کو چن چن کے مختلف ڈھیروں میں لگایا جاتا ہے صاف سیدھی پنڈلی کی ہڈیاں باورچی خانہ کے سامان تیار کرنے والے کارخانوں کو اور سر کی ہڈیاں سریش بنانے والوں کو بھیجدی جاتی ہیں اور باقی چھوٹی ہڈیاں وغیرہ بے شمار کاموں میں لائی جاتی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب آپ کھانا کھاتے ہوئے ہڈی چوس کے پھینکیں یا چینی کے برتن میں رکھیں تو ذرا مندرجہ بالا باتوں کو دھیان میں لا کے غور کریں۔

جواہرات کی بیش قدری

اندازہ کیا گیا ہے کہ بہترین ہیرے کی قیمت ۳۰ لاکھ روپیہ فی ۲ ½ تولہ ہے۔ گویا وہ ریڈیم سے دوسرے درجہ پر ہیں۔ ریڈیم کی قیمت ان سے دگنی ہے اور سونے سے ہیروں کی قیمت ۳۰ ہزار گنی زیادہ ہے۔ اس وقت تین سو ہیرے دنیا میں موجود ہیں جن کا وزن ۳۰ قراط ہے۔ صرف بارہ ایسے ہیں جو سو یا زیادہ قراط کے ہیں۔ یہ بیحد قیمتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ کلی نان اول (۵۱۶ قراط) کلی نان دوم (۳۰۹) ایکسلسر (۲۳۹) اور لوف (۱۹۵) نظام (۱۷۷) جونکر (۱۷۰) ریجنٹ (۱۳۷) نادرن ٹائن (۱۳۳) کولن سو (۱۳۰) طوفانی (۱۲۵) جنوبی ستارہ (۱۲۳) کوہ نور (۱۰۶) ہے۔

پہلے دو جواہرات ٹرانسوال میں ایک کھیت کے اندر سے برامد ہوئے۔ یہ ایک بڑا ہیرا تھا جسے بعد میں تراشنے سے اول کے دو بنے اور سات اور ٹکڑے تراش لئے گئے۔ یہ دونوں شاہ ایڈورڈ ہفتم کو ان کی سالگرہ کے موقع پر ۹ ستمبر ۱۹۰۷ء کو ٹرانسوال کی جانب سے بطور نذر پیش کئے گئے۔ دونوں شاہی عصا اور تاج میں جڑ دئیے گئے۔ ان دونوں ہیروں کے بعد ایک اور ہیرا تھا جس کا نام مغل اعظم تھا جو ۷۸۰ قرط کا تھا۔ اسمیں سے ایک ۲۸۰ قرط کا تراش کے جہانگیر کے تاج میں لگایا گیا۔ سب سے پہلے بڑا ہیرا سلطان علاؤالدین نے مالوہ سے اڑایا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد یہ بابر کے قبضہ میں آیا۔ اسے کاٹ کے ایک ٹکڑا جہانگیر کے تاج میں لگایا گیا۔ اسمیں سے بعد میں کوہ نور اور کاٹا گیا۔ دونوں ہیرے محمد شاہ سے نادر شاہ نے لے لئے تھے۔ مغل اعظم کا بعد میں پتہ نہیں لگا۔ اب تک گم ہے۔ اس لئے ایکسلسر تیسرے درجے پر آ گیا ہے۔ یہ ابتدا میں ۹۷۲ قرط تھا۔ اس کے تراشنے سے ایک خوبصورت ہیرا (۲۳۹ قرط) نکلا۔ یہ ۱۹۰۰ء میں پیرس کی نمائش میں دکھایا گیا اور سر دراب ٹاٹا نے اسے تقریباً ۴۶ ½ لاکھ روپیہ میں خرید لیا۔ اور لاف جنوبی ہند کے ایک مندر میں ایک بت کی آنکھ میں تھا۔ ایک گورے نے اسے چرا کے اپنی زخمی ٹانگ میں چھپا لیا۔ یہ بکتا بکتا کیتھرائن ملکہ روس کے پاس پہنچا اور زار کے عصا میں جڑا گیا۔ اب یہ سویٹ کے قبضہ میں ہے۔ اس کی قیمت تقریباً ۵۳ ½ لاکھ روپیہ ہے۔ اس کے بعد نظام ہیرا ہے۔ حضور نظام نے اسے ۵۳ ½ لاکھ روپیہ میں خریدا۔ جونکر کا اصلی وزن ۷۲۶ تھا۔ ایک غریب کسان کو کھیت میں مل گیا اس نے اسے ۲۰ لاکھ روپے میں بیچ دیا۔ اسے بعد میں تراش کے جونکر نکلا جو اندازاً ۳۳ ½ لاکھ روپیہ کا ہے۔ ریجنٹ ہیرا گنٹا میں ایک مزدور کو کھودتے ہوئے سنہ ۱۷۰۱ء میں مل گیا تھا وہ اسے لے کے مدراس بھاگ گیا۔ ایک جہاز کے کپتان نے اسے قتل کر کے اسے چرا لیا۔ اس نے ایک مہاجن کو ۴ لاکھ روپے میں بیچ دیا۔ اس نے اسے لاٹ صاحب کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس نے فرانس کے ریجنٹ کے ہاتھ اسے بیچ ڈالا۔ اسے تاج میں لگایا گیا۔ اسی تاج کو نپولین نے بعد میں سر پر رکھا۔ اب بھی یہ پیرس میں ہے۔ فلارن ٹائن ہندوستان سے لے جایا گیا نواب برگنڈی کے ہاتھ سے میدان جنگ میں یہ کہیں گر پڑا۔ ایک فوجی نے اٹھا کے اسے تھوڑے ہی داموں میں بیچ دیا۔ وہاں سے وہ آسٹریا کے شہنشاہ کے پاس پہنچا۔ کوہ نور گولکنڈہ میں ملا تھا اور میر جملہ نے اسے شاہ جہاں کو نذر کیا۔ محمد شاہ نے اسے پگڑی میں چھپا لیا۔ نادر شاہ نے پگڑی بدل بھائی بننے کے بہانہ سے پگڑی محمد شاہ سے لے لی۔ نادر شاہ اسے ایران لے گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ایران پر حملہ کر کے اسے نادر شاہ کے پوتے سے اڑا لیا۔ یہ پھر شاہ شجاع کے ہاتھ لگا۔ رنجیت سنگھ نے اس سے لے لیا۔ اسکے پاس سے انگریزوں کے ہتّے پڑا۔ انگلستان میں اسے تراش کے ٹکڑے کئے گئے اسمیں پورے ۵۶ ہ دن لگے۔ اسے ملکہ وکٹوریہ کے تاج میں جڑنے کا ارادہ تھا مگر چونکہ اس کے متعلق وہم پھیلا ہوا تھا کہ ہر پہننے والے اور مالک کو اسکی وجہ سے مصائب پہنچتے رہے ہیں ملکہ کو ان کے وزراء نے اس ارادہ سے باز رکھا۔ اب ملکہ الزبتھ نے اپنے تاج میں اسے جڑ لیا اور اسی سے تاجپوشی کی۔

محمد ظفر

بزم عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ایڈیٹر

دلی قلق و صدمہ کے ساتھ تحریر کرتی ہوں کہ میرے شفیق پھوپھا جان خان بہادر ظہیر السید صاحب علوی جاگیر دار سوہاگپور نے بتاریخ ۱۰ ستمبر انتقال کیا۔ مرحوم نہایت درجہ فاضل عاقل اور شفیق بزرگ تھے۔ اللہ آپ کی غم زدہ بیوہ تینوں صاحبزادگان اور عالی صاحبزادی محترمہ بیگم دیوان محمد نجف علی خاں نواب آف سیونی چھپارہ کو نیز دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دلفگار نادر جہاں بیگم طاہرہ

کسی بہن نے سر کے بال جمنے کی دوا دریافت کی ہے حسب ذیل نسخہ استعمال کریں آزمودہ ہے۔

آنولہ بالچھڑ۔ اکاس بیل (امر بیل) بیری کے پتے ہموزن پیس کر روزانہ سر دھوئیں۔ بال اگنے لگیں گے۔

حشمت الٰہی بیگم بھوپال

نسخہ منجن۔ یہ نسخہ پائیریا کے لئے بہت مفید ہے میرا بہ کئی بار کا آزمایا ہوا ہے۔

عاقر قرحا۔ کافور۔ الائچی خورد۔ نمک خوردنی۔ سنگ جراحت

۶ ماشہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ

پھٹکری بریاں۔ سپاری بریاں۔ پوست سگترہ۔ نیلا تھوتھا بریاں

۶ ماشہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ

سب کو کوٹ پیس کر منجن بنا لیں۔

ہمشیرہ محمد راشد ایس جے خریدار نمبر ۲۴۴۵

میری ناک سے پانی بہتا ہے چھینکیں آتی ہیں اور ناک میں اندر سے خارش ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے شاید سر میں بھی درد رہتا ہے۔ بہت علاج کئے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی بہن آزمودہ نسخہ بذریعہ عصمت تحریر فرمائیں از حد مشکور رہوں گی۔

مسز مصباح الدین خریدار نمبر ۱۰۳۴۵

مجھے اور میرے ایک عزیز کو گھنگر یالے یعنی کنڈل والے بالوں کا بیحد شوق ہے۔ بعض آدمیوں کے قدرتی گھنگریالے بال ہوتے ہیں۔ مگر میں نے سنا ہے کہ مصنوعی کنڈل بھی پڑ جاتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ کس طریقے سے پڑتے ہیں۔ برائے مہربانی کوئی بہن یا بھائی کوئی ایسی چیز یا طریقہ بذریعہ عصمت تحریر فرمائیں جس سے بالوں میں کنڈل پڑ جائیں۔

خریدار نمبر ۱۰۰۸۴

بجواب بہن حمیرا صاحبہ دختر منشی ظہیر احمد صاحب اعظم گڑھ

آپ اپنے والد کے کندھے پر جالندھر سے تیل منگوا کر اس کی مالش کریں۔ نہایت مجرب ہے انشاء اللہ شکایت رفع ہو جائیگی یہاں جالندھر میں سب جگہ یہی تیل استعمال ہوتا ہے۔ ہم تو بوقت ضرورت پاؤ بھر یا سیر بھر سرسوں کا تیل بھیج کر بنوا لیتے ہیں اگر آپ منگوانا چاہیں تو براہ راست منگوا لیں۔ آٹھ آنے یا بارہ آنے میں ایک چھوٹی بوتل بن جاتی ہے۔

پتہ:۔ خان احمد شمشاد کنور آغا لیتی شہزادہ ولیش جالندھر

مسز نثار احمد خریدار نمبر ۶۰۷

سر کے بال قبل از وقت سفید ہو رہے ہیں۔ عرصہ گذرا کہ صفحات عصمت میں کسی محترم بہن کا ایک پیغام شائع ہوا تھا کہ ان کے پاس بالوں کا بہترین تیل موجود ہے۔ جس کو خواہش ہو براہ راست ان سے طلب کر سکتا ہے۔ چونکہ محترم بہن کا پتہ بھول گئی۔ لہذا عصمتی بہن سے استدعا ہے کہ اپنا پتہ بذریعہ عصمت تحریر فرما دیں مشکور ہونگی۔

بیگم سید مسعود حسین

خریدار نمبر ۱۷۷

دوربین

جنگ برطانیہ انگریزوں کا سب سے بڑے جہازوں میں سے پانچویں درجہ کا جہاز امپریس آف برٹن انگریزی ساحل سے سینکڑوں میل دور ایک جرمن ہوائی جہاز نے ڈبو دیا ہے۔ یہ نقصان آئرلینڈ کی غیر جانبداری کی بدولت رونما ہوا۔ ورنہ اس کے بحری اڈوں کے استعمال کی وجہ سے دور دور تک انگریزی جہاز سمندر کی نگرانی کر سکتے تھے۔ اس جہاز سے برطانیہ کی قوت کو ایسا صدمہ نہیں پہنچا کیونکہ ان کے پاس بڑے بڑے جہاز ۱۴ ہیں۔ اتنے کسی اور کے پاس نہیں

عورتیں بڑی بہادری دکھا رہی ہیں زنانہ ہوائی امدادی فوج میں دو ہزار عورتیں ہیں۔ یہ مردوں کی جگہ کام کر رہی ہیں ٹیلیفون شفاخانے، دفتر، موٹریں، باورچی خانے ان سے بھرے نظر آتے ہیں۔ ایک فوجی افسر نہ خانے میں گھسنے والا تھا کہ ہوائی جہاز سے بم گرا اور اس کی ٹانگیں بُری طرح زخمی ہوگئیں۔ اس فوج کی ایک لڑکی نکلی اور اس نے ٹانگیں باندھ کے اس کا خون بند کر دیا۔ چاروں طرف بم گر رہے تھے اس نے پروا نہ کی طبّی امداد والوں کی رفاقت میں اس نے زخمی کو شفاخانہ پہنچا دیا ڈاکٹر نے کہا کہ لڑکی کی بروقت امداد سے ٹانگیں کٹنے سے بچ گئیں۔ اسی طرح ایک لڑکی موٹر میں ایک فوجی سپہ سالار کو فوجی مقاموں کے گشت کرا رہی تھی کہ اس نے ایک گولہ پلٹن پر آتے دیکھا۔ اس نے جھٹکے سے موٹر ایک طرف کر کے دوڑائی۔ معاً اسی پہلے موقع پر گولہ گرا۔ وہ نہ ہٹتی تو اس کے پرخچے اُڑ جاتے۔ ایسے ہی طرح طرح کے کارنامے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔

پچھلے دنوں انگلستان پر ہوائی حملوں کا زور کم رہا۔ مگر اس مہینہ کے آخری ہفتہ میں لندن اور وسطی شہروں پر بمباری کا زیادہ زور ہو گیا ہے۔ شام سے صبح تک بعض جگہ بم ڈالے گئے۔ مگر حملہ کی نسبت کے مقابلہ میں نقصان کم ہوا۔ پارلیمنٹ کے اجلاس کا بادشاہ سلامت نے افتتاح کیا تو ہر رسم سادگی اور باوقار خاموشی سے سرانجام پائی۔ لڑائی کو فتح کے مرحلہ تک پہنچانے کا عزم ظاہر کیا گیا۔ انگریزوں نے بھی برلن اور جرمنی کے اہم مقامات پر ہوائی بمباری کو شدید کر دیا۔

فرانس کی بےبسی آخر تگ و دو کے بعد جرمنی اس بات میں کامیاب ہوگیا۔ کہ فرانس اس کی ہاں میں ہاں ملا دے۔ اٹلی کے مطالبے تو زیادہ تھے مگر جرمنی کے اثر سے اس میں کچھ کمی کر دی گئی ہے۔ چنانچہ فرانس الباس جرمنی کو دیدیگا۔ تا اختتام جنگ بحیرۂ روم اور شمالی افریقہ کے ساحلوں کے ہوائی اور بحری اڈے جرمنی کے حوالے کر دیگا۔ مراکش کا بیشتر ہسپانیہ کو اور الجیریا کا بڑا حصہ اور ٹیونس اٹلی کو دیدیگا۔ فرانسیسی آبادیات پر جرمنی اٹلی اور فرانسیسی متحدہ حکمرانی میں ہیں گی اسی سے حکومت پیرس میں واپس آجائے گی۔ اور فرانس انگریزوں کے خلاف جرمنی کو امداد دیگا۔ خیال ہے کہ ہند چینی جاپان کو دیدیا جائیگا۔ فرانسیسی بیڑا جرمنی کام میں لائے گا۔ فرانسیسی اس عزت کے برتاؤ سے جو جرمنوں سے مارشل پیٹان سے کیا بہت متاثر ہوئے ہیں۔ انہیں محسوس ہوا ہے کہ ان کے ساتھ مفتوحین کا سا سلوک نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ رفیقوں کا سا برتاؤ ہے اس سے فرانسیسیوں کی ہمت بندھ گئی ہے کہ وہ نئے یورپ میں جرمنوں کی رفاقت میں اصلاح و ترقی کا کام کرینگے یہ خبریں کبھی اخباروں میں آئیں کبھی ان سے انکار کیا گیا۔ بعد میں کوئی وضاحت نہیں ہوئی۔ تناقض و تظاہر ہونے لگا ہے۔ کہ برطانیہ کی ہمت مردانہ کا اثر اب فرانس پر پڑنے لگا ہے۔ ڈی گول کی جمعیت بھی بڑھتی جا رہی ہے۔

جاپان و چین جاپانی فوجیں جنوبی کوانگسی کے صوبہ سے بالکل ہٹ گئی ہیں۔ نانکن ہیا چو لنگچو مقامات سے بھی جاپانی چلے گئے ہیں۔

عصمت بک ڈپو دہلی کی نہایت مفید زنانہ کتب

زچہ خانہ کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب میڈیکل افسر کی بےمثل کتاب جس کا خواتین ہند کو شدت سے انتظار تھا چھپ کر تیار ہے۔ دو حصے ہیں (۱) حاملہ (۲) زچہ۔ ہندوستان میں ہزاروں عورتیں زچہ خانہ سے قبل اور بعد میں ڈاکٹر صاحب کے زیر علاج رہی ہیں سینکڑوں روپیہ صرف کر کے تصاویر وغیرہ صرف انھیں کتابوں کے لئے فراہم کی گئی ہیں۔ ہندوستانی عورتوں کے لئے ہندوستان کی کسی زبان میں اس موضوع پر اس محنت اور قابلیت سے لکھی ہوئی اس قدر مفید اتنی کارآمد اور نہایت اہم معلومات سے لبریز کوئی کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی دونوں حصوں کی یکجائی قیمت ساڑھے تین روپے

صنعت وحرفت محترمہ امۃ الحفیظ صاحبہ کا زرین کارنامہ صابن سیاہیاں منجن تیل خضاب بوٹ پالش۔ اچار۔ مربے۔ تمباکو۔ شیشے وغیرہ وغیرہ بنانے کے آزمودہ اور بالکل صحیح اور ایک چیز کے کئی کئی نسخے۔ یہ کتاب غریب اور نادار عورتوں کی مفلسی دور کر دے گی۔ اور خوشحال بیبیوں کو کفایت شعار بنادے گی۔ کتاب اس پایہ کی ہے کہ اس کی قیمت دس روپیہ بھی رکھی جاتی تو کم تھی مگر اس لئے کہ ہر شخص فائدہ اٹھا سکے قیمت ۲ عہ

سنگھار خانہ اگر خوبصورتی جوانی اور تندرستی کی خواہش ہو تو مختلف قسم کے پوڈر منجن سرمہ۔ کریم۔ سنو۔ تیل۔ صابن۔ غازہ۔ پیسٹ۔ لیپ معجون کشتے عرق۔ اور یورپ کی اشتہاری دواؤں پر ہزاروں روپیہ برباد کرنے اور ڈاکٹروں حکیموں کی طرف رجوع کرنے سے پہلے کتاب سنگھار خانہ کا مطالعہ کر لیجے جس میں ناک۔ کان۔ دانت۔ آنکھ۔ رخسار۔ ٹھوڑی۔ کلائی۔ کمر۔ ہاتھ۔ انگلیاں۔ پاؤں۔ غرض ہر حصہ جسم کو خوشنما بنانے کی صحیح ترکیبیں اور کارآمد نسخے ہیں۔ سنگھار خانہ میں کمر اور کولھے اور سارے جسم کا موٹاپا دور کرنے اور بدن میں چستی اور پھرتی پیدا کرنے کی ہدایتیں۔ باتصویر زنانہ ورزشیں ہیں۔ قیمت دو روپے

خانہ داری کے تجربات عورت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ امور خانہ داری میں ماہر ہو۔ عورت کتنی ہی مہذب کتنی ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ کتنی ہی خوبصورت اور کتنی ہی دولت مند کیوں نہ ہو اگر گھر داری کے کام اچھی طرح نہیں کر سکتی تو اس کی زندگی ہرگز کامیاب نہیں۔ عصمت کی نامور مضمون نگار محترمہ ملقیس بیگم (د۔ا) صاحبہ کی کتاب خانہ داری کے تجربات پھوہڑ بے ڈھنگی لڑکیاں بھی اگر مطالعہ کریں تو سلیقہ شعار اور سگھڑ بن جائیں گی۔ کیونکہ اس بے بہا کتاب میں وہ مضامین ہیں جو ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت محنت اور بڑی قابلیت سے لکھے گئے ہیں۔ پہلے ان کھانوں کے تیار کرنے کی نہایت مکمل اور بالکل صحیح ترکیبیں ہیں جو طاقت بخش ہیں یا کسی تکلیف کے رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مفید صحت توانا تندرست رہنے کے بیش بہا مفید مضامین ہیں۔ اس کے بعد وہ کارآمد باتیں ہیں جن کا جاننا ہر گھر دار عورت کے لئے اشد ضروری ہے قیمت ۱۲ دوسرا حصہ مفید نسواں ۸

مفید نسواں خانہ داری کے تجربوں کا دوسرا حصہ جس میں تندرستی اور بیماری کے متعلق نہایت ہی مفید مضامین ہیں۔ اس کتاب میں ایک مضمون بھی ایسا نہیں ہے جس میں سنی سنائی باتیں لکھی ہوں۔ یا کسی غیر معتبر کتاب سے نقل کیا گیا ہو۔ قیمت آٹھ آنہ۔ ۸

کپڑوں کی چھپائی سائنٹیفک طریقوں سے کپڑوں کی رنگائی کس طرح کی جاتی ہے۔ نہایت کفایت کے ساتھ خوشنما پائیدار کپڑا خواتین کس طرح رنگ سکتی ہیں اس مضمون پر ماہر فن مولوی اقبال احمد بھوپالی کی مستند تالیف مختلف رنگوں اور رنگائی کے فن کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ہیں قیمت۔ ۸

خیابان نسواں حیدرآباد دکن کے مشہور ادیب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی کے وہ مضامین جو مختلف زنانہ رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہوئے دلچسپ پیرایہ میں خواتین کے مفید مطلب ضروری امور پر بحث کی گئی ہے نیز معاشرتی اخلاقی مسائل پر قابل قدر خیالات ہیں خواتین ہند کی ترقی کے سلسلے میں قابل مصنف نے سیاحت یورپ کے بعد جو جو نتائج اخذ کئے وہ اس قابل ہیں کہ ان پر غور وفکر کیا جائے ان مضامین میں سے معلومات میں نہایت دلچسپ اضافہ ہوتا ہے۔ ۸

انشائے سلمیٰ یا رقعات نسواں جس کے شروع میں فن خط وکتابت پر عالمانہ مقدمہ ہے پھر مختلف قسم کے زنانہ خطوط کے نمونے نہایت عام فہم زبان میں دئے گئے ہیں۔ یہ خط دلچسپ بھی ہیں اور ان سے معلومات بھی بڑھتی ہے۔ از صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب ایم اے قیمت ۸

خواتین کی دستکاریاں اس کتاب میں ہر قسم کی خواتین کو نہایت ہی کارآمد مشورے دئے گئے ہیں۔ یعنی وہ کیا کیا کام کر کے عزت وخودداری کے ساتھ اپنی مالی پریشانیوں کو دور کر سکتی ہیں۔ قیمت ۸